اَلتَّكَشُّف

عَنْ مُّهِمَّاتِ التَّصَوُّف

تصوف کے سینکڑوں دقیق مسائل کا قرآن وحدیث سے استنباط

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

تحقیق وتخریج احادیث
حضرت مولانا محمد عفان منصورپوری مدظلہ

مجموعہ رسائل

اَلتُّقٰی فِیْ اَحْکَامِ الرُّقٰی

اَوْرَادِ رَحْمَانِی

اَلْفُتُوْحُ فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِالرُّوْحِ

حَقِیْقَۃُ الطَّرِیْقَۃِ مِنَ السُّنَّۃِ الْاَنِیْقَۃِ

تَائِیْدُ الْحَقِیْقَۃِ بِالْاٰیَاتِ الْعَتِیْقَۃِ

عِرْفَانِ حَافِظ

اَلنُّکَتُ الدَّقِیْقَۃِ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالْحَقِیْقَۃِ

جیسے نایاب رسائل کا مجموعہ پہلی مرتبہ جدید ترتیب وتخریج کے ساتھ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

عرض ناشر

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ حامداو مصليا اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اکابر کی دعاؤں سے ادارہ کو حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نایاب کتب کی اشاعت کا شرف حاصل رہا ہے اور یہ بھی اللہ ہی کا فضل اور توفیق ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی وہ کتب جنہیں عام طور پر تجارتی ادارے شائع کرنیکی ہمت نہیں کرتے ادارہ کی طرف سے شائع ہوئیں۔ مثلاً مولانا روم رحمہ اللہ کی مثنوی شریف کی عظیم شرح ''کلید مثنوی'' جو کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ جو غالباً ہندوستان میں مختلف رسائل میں قسط وار شائع ہو کر ایسی نایاب ہوئی کہ حضرت کے اکابر خلفاء بھی اس کے استفادہ کیلئے متمنی رہے۔ اللہ کے فضل سے تلاش بسیار کے بعد اس ضخیم شرح کے دفاتر دستیاب ہوئے اور ان کی اشاعت کی گئی۔ اب بحمدللہ ''کلید مثنوی'' جدید اسلوب کے ساتھ کمپیوٹر کتابت میں شائع ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں آمین۔

زیر نظر کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اُن نایاب کتب میں سے ہے جو اب تک قدیم نسخہ کا عکس لیکر شائع ہوتی رہی ہے جس میں شریعت میں مطلوب تصوف وطریقت کے مسائل ومعارف کو تین سوتیں احادیث سے مستنبط فرمایا گیا ہے۔ ان احادیث پر مزید تہذیب وتخریج کا کام مولانا محمد عفان منصور پوری مدظلہ (جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد) نے بہت محنت شاقہ سے کیا ہے۔ ان کے کام کی تفصیل آپ ان کے ''عرض حال'' کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے فضل وکرم سے ان جدید خصوصیات واضافہ جات کے ساتھ التکشف کی پہلی مرتبہ اشاعت کی توفیق بھی ادارہ کے حصہ میں آئی۔ ان شاء اللہ یہ جدید ایڈیشن اہل علم اور اہل دل کیلئے روحانی تحفہ ہے۔ یہ مستند کتاب ان حضرات کیلئے بھی دعوت فکر ہے جو تصوف وطریقت کو شریعت سے علیحدہ یا اس کے مقابل کی چیز سمجھ کر اس عظیم نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجددانہ شان کی حامل ہے کہ حضرت نے احادیث صحیحہ سے تصوف وطریقت کے مسائل کو مستنبط فرما کر معترضین کو لاجواب فرما دیا۔ اس سے قبل ''التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف'' بھی عرصہ سے نایاب تھی وہ بھی (کمپیوٹر ایڈیشن) شائع ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں آمین۔

والسلام.... محمد اسحٰق غفرلہ.... ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۹ء

عرض حال

از صاحب تخریج وتہذیب

سلوک وتصوف یعنی روح شریعت ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، جس میں اخلاص دین، اعمال قلب کی اصلاح اور معرفت رب کائنات کے گر سکھائے جاتے ہیں، یعنی شریعت نام ہے اس دین کا جس کو لیکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں اور طریقت (سلوک وتصوف) نام ہے اس راہ عمل کا جس پر چل کر آسانی کے ساتھ دین محمدی کے تمام شعبوں پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

شریعت وطریقت الگ الگ چیز نہیں بلکہ طریقت عین شریعت ہے، اس لئے کہ اخلاص کے ساتھ احکام الٰہی کی تعمیل وتکمیل ہی کو طریقت سے موسوم کیا جاتا ہے، آخری زمانہ میں ایک ایسے طبقہ نے جنم لیا جو اعمال طریقت کو روح اسلام کے منافی، بدعات کا مجموعہ اور بطلان وضلالت کا ذخیرہ قرار دیتا ہے، دراصل ان کوتاہ نگاہیں ان اسرار ورموز اور دقائق شریعت کے ادراک سے قاصر رہیں جو طریقت کے ہر ہر عمل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر رکھ کر سند ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔

باری تعالیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے منور فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا اور اس کے متعلق "**مسائل السلوک من کلام ملک الملوک**" اور "**تائید الحقیقة بالآیات العتیقة**" کے نام سے دو رسالے تالیف فرمائے۔

پھر سنت صحیحہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے قول وعمل سے ان کو ثابت کیا۔ اس موضوع پر آپ نے دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔

س (۱) التشرف بمعرفة احادیث التصوف" یہ کتاب چار حصوں میں ہے، اس میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیاء کے کلام میں آتی ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اصول وفن حدیث کی رو سے یہ حدیث کس درجے کی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں دراصل حدیث نہ تھیں، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث وآیات اور ان

سے ان اقوال کی صحت کے طریق واستنباط پر گفتگو فرمائی ہے۔

(۲) ''حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ الآنیقۃ'' یہ کتاب ۱۳۲۷ھ میں لکھی گئی' یہ مستقل تصنیف ہونے کے ساتھ حضرت کی مشہور کتاب ''التکشف عن مهمات التصوف'' کا جز بھی ہے' اس میں تین سوتیس احادیث ہیں' جن سے سلوک وتصوف کے مسائل کو واضح انداز میں مستنبط کیا گیا ہے' ان میں سے اکثر وبیشتر صحاح ستہ کی روایات ہیں۔ اس کے علاوہ مسند احمد' شعب الایمان للبیہقی' معجم طبرانی اور رزین وغیرہ کی بھی کچھ روایات ہیں۔

(۳) ''النكت الدقيقة مما يتعلق بالحقيقة'' یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے' اس میں بھی تصوف کے دقیق مسائل کو احادیث مبارکہ سے ثابت کیا گیا ہے اور یہ ''حقيقة الطريقه'' کے ذیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت نے عموماً احادیث کا انتخاب ''تيسير الأصول'' سے کیا ہے اور کہیں کہیں مشکوۃ شریف سے بھی روایات لی ہیں' کتاب کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیہ کا کوئی ورد یا وظیفہ ایسا نہیں ہے جس کو بے اصل کہا جا سکے' اور اس کو بدعات کی فہرست میں داخل کر دیا جائے۔

مسائل تصوف کے سلسلہ میں شک وشبہ میں مبتلا لوگوں کیلئے ان تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ان کا ذہن ودماغ بے بنیاد شبہات واعتراضات سے خالی ہو جائے۔

آخر الذکر دونوں کتابیں کافی دنوں سے پردہ خفا میں ہونے کی وجہ سے عام طور پر دستیاب نہ تھیں جس کی وجہ سے استفادہ مشکل ہو رہا تھا' ازسرنو کتاب کو منظر عام پر لانے کیلئے ضروری تھا کہ اولاً قدیم نسخہ میں متن حدیث میں موجود غلطیوں کی کتب اصلیہ کی طرف مراجعت کرتے ہوئے تصحیح کی جائے۔ ثانیاً ان احادیث کی اسنادی حیثیت کو واضح کیا جائے۔

ثالثاً عناوین میں موجود فارسی عبارات کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے اور مضمون کتاب تک رسائی کیلئے فہرست مضامین کا اضافہ کیا جائے۔

گزشتہ دنوں حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے احقر کو اس کتاب پر کام کرنے کا حکم فرمایا بندہ نے حتی المقدور اس کی خدمت کی جو آپ کے سامنے ہے۔

باری تعالی اس کو قبول فرمائے اور سب کیلئے نافع بنائے آمین۔

فقط... محمد عفان منصور پوری

خادم تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

۱/۲/۱۴۲۷ھ

فہرست عنوانات



بسم الله الرحمن الرحيم

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ خیر اندیش خلق مظہر مدعا ہے کہ یہ مجموعۂ اوراق کوئی مستقل تصنیف نہیں ...... بلکہ اپنے چند رسائل یا اُن کے اجزاء متفرقہ کا جمع اور تالیف ہے...... داعی اس جمع کا یہ ہوا کہ اکثر طالبان حق مختلف طبقات کے ...... یعنی عوام بھی خواص بھی وقتاً فوقتاً طریق اصلاح نفس و تربیت باطن کا علماً و عملاً حاصل کرنے کی درخواست کرتے رہتے ......اور بمقتضائے الدین النصیحة ...... باوجود اپنی نااہلی کے محض اپنے بزرگوں کے امتثال امر کے سبب...... بقدر اپنے علم و فہم کے مشورۂ مفیدہ سے اُن کی اعانت اور خدمت کی جاتی ......اور چونکہ ہر طبقہ کے اعمال حسب تفاوت استعداد باہم دگر متفاوت ہیں ......اور بوجہ توقف اعمال کے علوم پر برطبق تنوع اعمال واحوال اُن کے علوم بھی متنوع ہیں ......اس لئے ہر طالب کو جداگانہ علوم واعمال کی تعلیم و تلقین کی حاجت ہوتی ......اور چونکہ یہ تعلیم زبانی ہوتی تھی اس لئے بعض اوقات بوجہ ضیق وقت یا عدم استحضار فی الذہن بعض امور کے بیان واظہار میں متکلم سے فروگذاشت ہوجاتی اور احیاناً بعضی ضروریات کے فہم یا ضبط میں سامع سے کوتاہی ہوجاتی ...... یا بعد فہم وضبط کے ذہول ہوجاتا ......اور غالباً ایسے اتفاقات ہر معلم و متعلم کو پیش آتے ہیں......اور ظاہر ہے کہ یہ اتفاقی اختلافات جو کہ زبانی تعلیم میں محتمل اور واقع ہیں ......ان کی تلافی صرف ان مضامین کے مقید بالکتابت کردینے سے ہوسکتی ہے......اور گو فن میں کثرت سے کتب موجود ہیں......اور بعجہ اس کے کہ ان کتب کا دیکھنا ہر شخص کو خالی از صعوبت نہ تھا...... احقر نے ان ضرورتوں پر نظر

کر کے ان کتب سے ملتقط کر کے ...... اپنے مختلف رسالوں میں متفرق مقامات پر ایسے مہمات سے تعرض بھی کیا ہے ...... مگر ان رسائل کا اول جمع کرنا پھر اول سے آخر تک بالاستیعاب ان کا مطالعہ کرنا ...... پھر ان کا ذہن میں رکھنا ...... تشتت وتکلف سے خالی نہ تھا ...... اس لئے کبھی کبھی خیال آیا کرتا تھا کہ اگر ان رسائل میں سے ہر طبقہ کے مہمات علمیہ و عملیہ کو جن کو فن تہذیب نفس ...... یعنی تصوف سے زائد خصوصیت ہے ...... منتخب کر کے مجتمع کر دیا جائے ...... اور نیز تسہیل کے لئے ہر طبقہ کے مہمات کو ایک دوسرے سے ممتاز اور غیر مخلوط رکھا جائے ...... تو امید ہے کہ ضرورت مذکورہ کے رفع میں اس سے کفایت ہو جائے ...... مدت تک یہ خیال دل میں دورہ کرتا رہا ...... مگر دوسرے مشاغل کی وجہ سے وقت ملنے کا منتظر رہا ...... اس اثناء میں اپنے اس خیال کو بعض احباب سے بھی مرۃ بعد مرۃ ذکر کیا ...... تو بلا اختلاف سب نے پسند فرمایا ...... سب اسے اخیر میں مکرم شفیق مخلصی حاجی محمد صدیق احمد ساکن بنت شرفہ اللہ تعالیٰ بالتوفیق سے جو اس کے ذکر کی نوبت آئی ...... تو انہوں نے پسندیدگی کے ساتھ اس کے جمع کا مزید اشتیاق اور بذات خود اس کے طبع کے انتظام واہتمام کی مستعدی اور قصد بھی ظاہر فرمایا ...... اس لئے وہ خیال کہنہ پھر تازہ ہوا اور وہ حدیث النفس مرتبہ عزم میں آ گئی ...... اب بنام خدا اس مجموعہ کو شروع کرتا ہوں ...... اور التکشف عن مہمات التصوف اس کا نام رکھتا ہوں ...... اور اس کے تین حصے کرتا ہوں ...... پہلا حصہ کم استعداد رجال ونساء کے لئے ...... دوسرا حصہ متوسط استعداد والوں کے لئے ...... تیسرا حصہ اہل علم کے لئے اور ہر حصہ میں جو متفق مضامین رسائل سے لئے ہیں ...... وہ بتفاصلیہا اور بعینہا منقول ہیں ...... البتہ کسی کسی جگہ بضرورت ایک آدھ لفظ میں تغیر کرنا پڑا ہے ...... اور جو مستقل رسائل ہیں ...... موقع ترتیب میں ان کا صرف نام لکھ دیا گیا ہے ...... کہ اس موقع پر ان کا مطالعہ کر لیں پھر چھاپنے والے اگر چاہیں نام ہی لکھنے پر اکتفا کر کے مجموعہ کو مختصر رکھیں اور اگر مصلحت سمجھیں ...... تو پورا رسالہ نقل کر کے مجموعہ میں شامل کر دیں ...... البتہ بعض رسالے جو اب تک شائع نہیں ہوئے تھے ...... بضرورت وہ بتمامہا

(البتہ انوار الوجود الی قولہ ملحق کردیا ہے مگر بعد تلخیص کے پاس اس اعتبار سے وہ بھی مثل شائع شدہ مالون کے ہوگیا...... ۴ سنہ) نقل کئے گئے اور ہر مافوق طبقہ والے ماتحت طبقہ والوں کے حصہ کو بھی مطالعہ کرلیں...... تو اور زیادہ انفع واصلح ہے...... اور اگر سب طبقات والے اپنے اپنے حصہ کو بجائے مطالعہ کے درساً حاصل کرلیں...... تو زیادہ اطمینان کی بات ہے...... اور ماخذ اس مجموعہ کا احقر نے صرف اپنی تالیفات کو اس لئے قرار دیا کہ اپنے دوستوں کی مناسبت ان سے معلوم ہوچکی ہے...... اور مدار نفع کا مناسبت ہی پر ہے اور ضرورت اور اخذ عن السلف کا لحاظ بفضلہ تعالیٰ ان تالیفات میں پہلے سے کیا جاچکا ہے...... جو کہ موقوف علیہ ہے تالیفات متاخرہ کے صحیح اور قابل عمل ہونے کا...... اس لئے کلام متقدمین سے التقاط کا تعب مکرر برداشت کرنا ضروری نہ معلوم ہوا...... پس صورۃً یہ مجموعہ ہے رسائل جدیدۃ التصنیف کے مضامین کا...... اور حقیقتاً ذخیرہ اور خلاصہ ہے...... منقولات عن ائمۃ السلف کا۔

اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے...... اور ناظرین سے بھی دعا کی استدعا ہے
...... کہ اللہ تعالیٰ اس کو مؤلف اور مؤلف لہم کے لئے زینۂ وصول الی المقصود الحقیقی بنادے آمین وھو الموفق والمعین فی کل امر وحین۔

کتبہ اشرف علی تھانوی
عاشورا المحرم ۱۳۲۷ھ

حصہ اول از مجموعۂ تکشف
برائے کم استعدادان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اول و دوم و سوم و چہارم و پنجم و ششم و ہفتم بہشتی زیور و حصہ یازدہم مسمّٰی بہ بہشتی گوہر...... ان سب کا مطالعہ کریں...... اور اگر عقائد و مسائل ضرور یہ دوسرے معتبر اور کافی رسالوں سے حاصل کر لئے ہوں...... تو بہشتی زیور کے حصہ اول سے نظم ذیل اور حصہ دوم سے مسائل ذیل اور ساتواں حصہ پورا مطالعہ کریں۔

نظم در بے رغبتی از زیور خصوص برائے مستورات از بہشتی زیور حصہ اول

اصلی انسانی زیور

ایک لڑکی نے یہ پوچھا اپنی اماں جان سے
آپ زیور کی کریں تعریف مجھ انجان سے
کون سے زیور ہیں اچھے یہ جتا دیجئے مجھے
اور جو بدزیب ہیں وہ بھی بتا دیجئے مجھے
تا کہ اچھے اور برے میں مجھ کو بھی ہو امتیاز
اور مجھ پر آپ کی برکت سے کھل جائے یہ راز
یوں کہا ماں نے محبت سے کہ اے بیٹی میری
گوش دل سے بات سن لو زیوروں کی تم ذری
سیم و زر کے زیوروں کو لوگ کہتے ہیں بھلا
پر نہ میری جان ہونا تم کبھی ان پر فدا
سونے چاندی کی چمک بس دیکھنے کی بات ہے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
تم کو لازم ہے کرو مرغوب ایسے زیورات
دین و دنیا کی بھلائی جس سے ایجان آئے ہات
سر پہ جھومر عقل کا رکھنا تم اے بیٹی مدام
چلتے ہیں جس کے ذریعہ سے ہی سب انسان کے کام
بالیاں ہوں کان میں ایجان گوش ہوش کی
اور نصیحت لاکھ تیرے جھومکوں میں ہو بھری
اور آویزے نصائح ہوں کہ دل آویز ہوں
گر کرے ان پر عمل تیرے نصیبے تیز ہوں
کان کے پتے دیا کرتے ہیں کانوں کو عذاب
کان میں رکھو نصیحت دین جو اوراق کتاب

اور زیور گر گلے کے کچھ تجھے درکار ہوں | نیکیاں پیاری مری تیرے گلے کا ہار ہوں
قوت بازو کا حاصل تجھ کو بازو بند ہو | کامیابی سے سدا تو خرم و خورسند ہو
ہیں جوسب بازو کے زیورسب کے سب بیکار ہیں | ہمتیں بازو کی اے بیٹی تری درکار ہیں
ہاتھ کے زیور سے پیاری دستکاری خوب ہے | دستکاری وہ ہنر ہے سب کو جو مرغوب ہے
کیا کروگی اے مری جان زیور خلخال کو | پھینک دینا چاہئے بیٹی بس اس جنجال کو
سب سے اچھا پاؤں کا زیور یہ ہے نور بصر | تم رہو ثابت قدم ہر وقت راہِ نیک پر
سیم وزر کا پاؤں میں زیور نہ ہوتو ڈر نہیں | راستی سے پاؤں پھسلے گر نہ میری جان کہیں

مسائل متعلقہ نوافل از بہشتی زیور حصہ دوم

بعضی نفلوں کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے...... اس لئے اور نفلوں سے ان کا پڑھنا بہتر ہے...... کہ تھوڑی سی محنت میں بہت ثواب ملتا ہے وہ یہ ہیں تحیۃ الوضو...... اشراق، چاشت، اوابین، تہجد...... صلوٰۃ التسبیح۔

تحیۃ الوضوء: تحیۃ الوضوء اس کو کہتے ہیں کہ جب کبھی وضو کرے تو وضو کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لیا کرے...... حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے...... لیکن جس وقت نفل نماز مکروہ ہے اس وقت نہ پڑھے۔

اشراق: اشراق کی نماز کا یہ طریقہ ہے کہ جب فجر کی نماز پڑھ چکے...... تو جانماز پر سے نہ اٹھے...... اسی جگہ بیٹھے بیٹھے درود شریف کلمہ یا اور کوئی وظیفہ پڑھتا رہے...... اور اللہ کی یاد میں لگا رہے دنیا کی کوئی بات چیت نہ کرے...... نہ دنیا کا کوئی کام کرے...... جب سورج نکل آئے اور اونچا ہو جائے...... تو دو رکعت یا چار رکعت پڑھ لے تو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے...... اور اگر فجر کی نماز کے بعد کسی دنیا کے دھندے میں لگ گیا...... پھر سورج اونچا ہو جانے کے بعد اشراق کی نماز پڑھی تو بھی درست ہے...... لیکن ثواب کم ہو جائے گا۔

چاشت: پھر جب سورج خوب زیادہ اونچا ہو جائے...... اور دھوپ تیز ہو جائے تب کم سے کم دو رکعت پڑھے...... یا اس سے زیادہ پڑھے یعنی چار رکعت یا آٹھ رکعت یا بارہ

رکعت پڑھ لے...... اس کو چاشت کہتے ہیں...... اس کا بھی بہت ثواب ہے۔

اوابین: مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں...... اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے...... اس کو اوابین کہتے ہیں۔

تہجد: آدھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے کا بڑا ہی ثواب ہے...... اسی کو تہجد کہتے ہیں...... یہ نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقبول ہے...... اور سب سے زیادہ اس کا ثواب ملتا ہے...... تہجد کی کم سے کم چار رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں...... نہ ہو تو دو ہی رکعتیں سہی اگر پچھلی رات کو ہمت نہ ہو تو عشاء کے بعد پڑھ لے...... مگر ویسا ثواب نہ ہوگا...... اس کے سوا بھی رات دن میں جتنی چاہے نفلیں پڑھے۔

صلوٰۃ التسبیح: صلوٰۃ التسبیح کا حدیث شریف میں بڑا ثواب آیا ہے...... اس کے پڑھنے سے بے انتہا ثواب ملتا ہے...... حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نماز سکھائی تھی...... اور فرمایا تھا کہ اس کے پڑھنے سے تمہارے سب گناہ اگلے پچھلے نئے پرانے چھوٹے بڑے سب معاف ہو جائیں گے...... اور فرمایا تھا کہ اگر ہو سکے تو ہر روز یہ نماز پڑھ لیا کرو...... اور ہر روز نہ ہو سکے تو ہفتہ میں ایک دفعہ پڑھ لو...... اگر ہر ہفتہ میں نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں پڑھ لیا کرو...... ہر مہینے میں بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک دفعہ پڑھ لو...... اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک دفعہ پڑھ لو...... اس نماز کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھے اور...... **سبحانک اللھم** اور الحمد اور سورت جب سب پڑھ چکے تو رکوع سے پہلے ہی پندرہ دفعہ یہ پڑھے...... **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** پھر رکوع میں جائے...... اور **سبحان ربی العظیم** کہنے کے بعد دس دفعہ پھر یہی پڑھے...... پھر رکوع سے اٹھے...... اور **سمع اللہ لمن حمدہ** کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ میں جائے...... اور **سبحان ربی الاعلیٰ** کے بعد پھر دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کے دس دفعہ پڑھے...... اس کے بعد دوسرا سجدہ کرے...... اس میں بھی دس دفعہ پڑھے پھر سجدہ سے اٹھ کے بیٹھے...... اور دس دفعہ پڑھ کے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو...... اسی طرح دوسری رکعت پڑھے...... اور جب دوسری رکعت میں التحیات کے لئے بیٹھے تو پہلے وہی دعا دس

دفعہ پڑھ لے تب التحیات پڑھے...... اسی طرح چاروں رکعتیں پڑھے۔

مسئلہ:۔ ان چاروں رکعتوں میں جو سورت چاہے پڑھے...... کوئی سورت مقرر نہیں ہے۔

استخارہ کی نماز کا بیان

جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے...... تو اللہ میاں سے صلاح لے لے اس صلاح لینے کو استخارہ کہتے ہیں...... حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے...... کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بدبختی...... اور کم نصیبی کی بات ہے...... کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا اور کوئی کام کرے...... تو بے استخارہ کئے نہ کرے...... تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہوگی۔

استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ...... پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے...... اس کے بعد خوب دل لگا کے یہ دعا پڑھے۔

اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدرولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھٰذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھٰذاالامر شرلی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدرلی الخیر حیث کان ثم رضنی بہ.

اور جب ھٰذا الامر پر پہنچے جس لفظ پر لکیر بنی ہے...... تو اس کے پڑھتے وقت اسی کام کا دھیان کرلے...... جس کے لئے استخارہ کرنا چاہتے ہو...... اس کے بعد پاک صاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے باوضو سوجائے...... جب سوکر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر ہے...... اسی کو کرنا چاہیئے۔ مسئلہ اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو...... اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے...... تو دوسرے دن پھر ایسا کرے...... اسی طرح سات دن تک کرے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہوجائے گی......

مسئلہ اگر حج کے لئے جانا ہوتو یہ استخارہ نہ کرے کہ...... میں جاؤں یا نہ جاؤں بلکہ یوں استخارہ کرے کہ فلانے دن جاؤں کہ نہ جاؤں۔

نماز توبہ کا بیان

اگر کوئی بات خلاف شرع ہو جائے ...... تو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گڑ گڑا کر اس سے توبہ کرے ...... اور اپنے کئے پر پچھتائے ...... اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرائے ...... اور آئندہ کے لئے پکا ارادہ کرے کہ اب کبھی نہ کروں گا ...... اس سے وہ گناہ بفضل خدا معاف ہو جاتا ہے اس کے بعد۔

رسالہ قصد السبیل کا مطالعہ کرے

اس میں سے عالم فارغ کے معمولات کے متعلق جو مضمون ہے وہ مطالعہ سے مستثنیٰ ہے۔

تذئیل قصد السبیل:۔ یہ مضمون اثنائے زمانہ ترتیب رسالہ تکشف میں ایک غرض خاص ہے ...... مستقل طور پر لکھا گیا تھا وہ غرض یہ تھی کہ اس احقر سے بعض لوگ جو درخواست ادخال سلسلہ کی کرتے تھے ...... تو بنظر احتیاط ...... (کہ بعد میں کوئی غرض مذموم حاصل نہ ہونے سے یا کسی امر کے متعلق نصیحت کرنے سے توحش نہ ہو ...... اس طریق کا مقصود صحیح اور جو جو کرنا یا چھوڑنا پڑے گا) کچھ ضروری امور ان لوگوں کے گوش گزار کئے جاتے تھے ...... اس میں احیاناً دو کوتاہیاں واقع ہوتی تھیں ...... ایک یہ کہ کبھی تو کوئی ضروری مضمون ذہول کے سبب بیان سے رہ جاتا ...... دوسرے یہ کہ اکثر مخاطب کو تفصیل یاد نہ رہتی ...... اس کا انتظام یہ خیال میں آیا کہ ان مضامین کو قلمبند کر لیا جائے ...... پہلے دکھلا دیا اور بعد میں یادداشت کے لئے ان کو دے دیا ...... چونکہ مضمون باوجود اختصار کے جامع اور مفید بہت معلوم ہوا ...... اس لئے بوجہ مناسبت کے قصد السبیل کے ساتھ بھی الحاق کر دینے کو جی چاہا ...... لہٰذا قصد السبیل کے نام کے بعد یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے ...... اگر کوئی صاحب قصد السبیل جدید طبع کریں گے ...... وہ اس کے آخر میں لگا سکتے ہیں ...... وھو ہذا۔

حقیقت طریقت

خلاصۂ سلوک: ...... (۱) نہ اس میں کشف و کرامت ضروری ہے ......

(۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے ......

(۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے...... کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جائیں...... یا مقدمات دعا سے فتح ہوجایا کریں...... یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے...... یا ہونے والی بات بتلادی جایا کرے......

(۴) نہ تصرفات لازم ہیں...... کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہوجائے ...... اس کو گناہ کا خیال ہی نہ آئے...... خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں...... مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے...... یا علم دین وقرآن میں ذہن وحافظہ بڑھ جائے......

(۵) نہ ایسے باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے...... کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے...... عبادت میں خطرات ہی نہ آئیں...... خوب رونا آئے ...... ایسی محویت ہوجائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے......

(۶) نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہا کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور ہے......

(۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا...... یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے...... بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے...... جس کا ذریعہ ہے...... شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا...... ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں...... جیسے نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ وغیرہا ...... اور جیسے نکاح وطلاق وادائے حقوق زوجین...... وقسم وکفارہ قسم وغیرہا اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات وشہادت ووصیت وتقسیم ترکہ وغیرہ...... اور جیسے سلام وکلام وطعام ومنام وقعود وقیام...... ومہمانی ومیزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں...... اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا خدا سے ڈرنا...... خدا کو یاد رکھنا دنیا سے محبت کم ہونا خدا کی مشیت پر راضی رہنا...... حرص نہ کرنا...... عبادت میں دل کا حاضر رکھنا...... دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا...... کسی کو حقیر نہ سمجھنا...... خود پسندی نہ ہونا...... غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں...... اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض وواجب ہے...... نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے...... جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی...... یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی...... یا کبر وغلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا...... حقوق تلف ہوگئے

......ومثل ذلک اور اگران ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جائے ...... تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی ...... پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری ...... لیکن یہ باطنی خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں ...... اور جو سمجھ میں آتی ہیں ان کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے ...... نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ...... ان ضرورتوں سے (پیر کامل کی پہچان قصد السبیل کی ہدایت سوم میں لکھی ہے ......) پیر کامل کو تجویز کیا جاتا ہے ...... کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے ......اور ان کا علاج وتدبیر بھی بتلاتا ہے ...... اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدبیرات میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے ...... اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ......ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری وباطنی کی پابندی ہے ...... دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے ...... اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے ...... یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا۔

حقوق طریقت

یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں ...... گو کسی سے بیعت بھی نہ ہوں۔

طریقہ میں داخل ہو کر جو جو کام کرنا پڑیں گے

(۱) بہشتی زیور کے گیارہ (البتہ عورتوں کیلئے گیارہواں حصہ نہیں ہے ۱۲ منہ) حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سننے پڑھیں گے ......

(۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی ......

(۳) جو کام کرنا ہو اور اس کا جائز ناجائز ہونا معلوم نہ ہو ...... کرنے سے پہلے علماء اہل حق سے پوچھنا پڑے گا ...... اور ان کے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا ......

(۴) نماز پانچوں وقت (مگر عورتوں کے لئے جماعت نہیں ہے ۱۲ منہ) جماعت سے پڑھنا ہوگی ...... البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے ...... اور اگر بلا عذر غفلت

سے رہ جائے ندامت کے ساتھ استغفار کرنا چاہئے......

(۵) اگر مال بقدر زکوۃ ہو تو زکوۃ دینا ہوگی...... مسائل اس کے بہشتی زیور میں ملیں گے...... اسی طرح کھیت اور باغ کے پیداوار میں دسواں بیسواں حصہ دینا ہوگا...... اس کے مسائل زبانی معلوم کرلئے جائیں......

(۶) اگر حج کی گنجائش ہو تو حج کرنا پڑے گا...... اسی طرح گنجائش کی صورت میں عید کو صدقہ فطر اور بقرعید کو قربانی ضروری ہوگی......

(۷) اپنی بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا ہوں گے...... ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتلاتے رہو...... آسان طریقہ اس کا پڑھے ہوؤں کے لئے یہ ہے...... کہ شب وروز میں تھوڑا سا کوئی وقت مقرر کر کے بہشتی زیور اول سے آخر تک اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سنا دیں...... اور سمجھا دیں...... اور جب وہ ختم ہو جائے پھر شروع کر دیں...... جب تک ان کو مسائل خوب پختہ یاد نہ ہو جائیں سناتے رہیں...... اور ان پڑھ ایسا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنا کریں...... اس کو یاد کر کے گھر والوں سے ضرور کہہ دیا کریں۔

اور یہ کام چھوڑنا پڑیں گے...... داڑھی منڈانا، ڈاڑھی کٹانا جبکہ چار انگل سے زائد نہ ہو...... ڈاڑھی چڑھانا...... سر میں چاند کھلوانا کھڈی رکھانا یا آگے سے منڈوانا...... ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا یا لنگی باندھنا یا کرتہ چوغہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا...... یا عمامہ کا شملہ آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا...... یا کسم وزعفران کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہنا...... یا ریشمی یا زری کا لباس چار انگل سے زیادہ خود پہننا یا لڑکوں کو پہنانا...... یا کفار کا سا لباس پہننا...... یا مردوں کو چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال یا زائد یا سونے کی انگوٹھی پہننا...... (۴و۵و۶و۷و۸ یہ پانچوں باتیں عورتوں اور لڑکیوں کے واسطے درست ہیں...... ۱۲منہ) یا عورتوں کو کھڑا جوتا یا مردانہ لباس پہننا...... یا باجہ دار زیور پہننا...... یا ایسا کپڑا باریک یا چھوٹا پہننا جس میں بدن کھلا رہے...... کسی عورت یا امرد کو بری نگاہ سے دیکھنا یا عورتوں لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا...... مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا...... یا تنہا مکان میں رہنا یا بدون سخت مجبوری کے سامنے آجانا...... اگرچہ وہ پیر ہی ہو یا

رشتہ دار ہوں ...... اور جہاں سخت مجبوری ہو ...... وہاں سر اور بازو اور کلائی اور پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے ...... منہ کے سامنے بھی گھونگٹ رہنا بہتر ہے ...... اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے ...... اسی طرح نامحرم مرد و عورت کا باہم ہنسنا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا ...... یہ سب چھوڑ دینا چاہئے ...... ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا ...... یا برأت میں جانا البتہ عین نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کا جمع کر لینا ...... مضائقہ نہیں۔ یا کوئی کام فخر و نمود کا کرنا جیسے آج کل رسم و رسوم کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے ...... اسی میں نوتہ بھی آ گیا اس کو بھی چھوڑنا چاہئے ...... اسی طرح فضول خرچی کرنا یا کپڑے میں بہت تکلف کرنا کہ یہ بھی فخر و نمود میں داخل ہے ...... مردہ پر چلا کر رونا ...... اس کا تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں وغیرہ کرنا ...... دور دور سے عرصہ عرصہ تک میت کے پیچھے آنا ...... بدون شرع کے موافق تقسیم کئے ہوئے مردہ کے کپڑے خیرات کر دینا ...... لڑکیوں کا حصہ نہ دینا ...... اہل حکومت و ریاست کو غرباء پر ظلم کرنا ...... جھوٹی نالش کرنا ...... موروثی کا دعویٰ کرنا ...... رہن یا رشوت کی آمدنی کھانا ...... تصویر بنانا یا رکھنا ...... یا براہ شوق کتے پالنا یا کنکوے و آتشبازی یا کبوتر بازی و مرغبازی وغیرہ کا شغل کرنا ...... یا بچوں کو اجازت اور پیسے دینا ...... گانا سننا باجے سے یا بے باجے اسی میں گراموفون بھی داخل ہے ...... عرسوں میں جانا بزرگوں کی منت ماننا ...... فاتحہ نیاز گیارہویں وغیرہ متعارف طور پر کرنا ...... رواج کے موافق مولد شریف کرنا ...... تبرکات کی زیارت کے لئے عرس کا سا انتظام کرنا ...... یا اس وقت مردوں عورتوں کا خلط یا سامنا ہو جانا ...... شب برأت کو حلوا پکانا ...... یا محرم کو تہوار منانا، یا رمضان میں ختم قرآن پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا ...... یا ٹونے ٹوٹکے کرنا یا سیتلا وغیرہ کو ماننا یا فال وغیرہ کھلوانا ...... کسی نجومی یا اسیب سے کوئی بات پوچھنا ...... غیبت کرنا چغلی کھانا جھوٹ بولنا تجارت میں دغا کرنا ...... بلا اضطرار ناجائز نوکری کرنا ...... یا جائز نوکری میں کام خراب کرنا ...... عورت کا خاوند کے سامنے زبان درازی کرنا ...... یا اس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا ...... یا بلا اجازت کہیں جانا اور حافظوں کا مردوں پر قرآن پڑھ کر یا تراویح میں قرآن سنا کر کچھ لینا ...... یا مولویوں کو وعظ پر یا مسئلہ بتلانے پر اجرت لینا ...... یا

بحث و مباحثہ میں پڑنا...... یا درویش وضع لوگوں کو پیری مریدی کی ہوس کرنا...... یا تعویذ گنڈوں کا مشغلہ رکھنا یہ ہے فہرست مختصر کرنے نہ کرنے کے کاموں کی...... اور تفصیل احقر کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملے گی۔

تحقیق متعلق کرامت از رسالہ کرامات امدادیہ

مقدمہ :۔ مسئلہ اول: جاننا چاہئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے ...... کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں...... جو کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو...... اور قانون عادت سے خارج ہو...... پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے...... اور جس شخص سے وہ امر صادر ہوا ہے...... اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے...... جیسے جوگیوں ساحروں وغیرہم سے بعض امور ایسے سرزد ہو جاتے ہیں...... اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے...... خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو...... جس طرح اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق وفاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو وہ بھی کرامت نہیں ہے...... بلکہ استدراج ہے...... جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے...... اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا...... نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے...... پس کرامت اس وقت کہلائے گی...... جبکہ اس کا محل صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ ہو اب ہمارے زمانہ میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے...... اس کو غوث وقطب قرار دے دیتے ہیں ...... خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں...... اور کیسے ہی اعمال واخلاق ہوں...... یہ بہت بڑی غلطی ہے...... بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے...... کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو...... مگر وہ شریعت کا پابند نہ ہو...... تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

مسئلہ دوم: اور جاننا چاہئے کہ...... کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے...... اور نہ اس کے قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے...... اور احیاناً علم ہوتا ہے ...... اور قصد نہیں ہوتا...... اور کبھی علم وقصد دونوں امر ہوتے ہیں...... اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں...... ایک قسم وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی...... جیسے نیل کا جاری ہونا

...... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے...... اور دوسری وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو...... جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میووں کا آ جانا ...... تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد...... جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا...... کھانا اور کھانے کا دو چند سہ چند ہو جانا...... چنانچہ خود حضرت صدیق اکبرؓ کو تعجب ہوا...... جس سے ان کے علم وقصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے...... اور ایک احتمال حصر عقلی میں سے خلاف واقع ہے کہ...... قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدون علم قصد ممکن نہیں...... اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے ...... قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے...... البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہے۔

مسئلہ سوم: اور جاننا چاہئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں...... ایک حسی ایک معنوی...... عوام لوگ اکثر حسی کو جانتے ہیں...... اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں...... جیسے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا ہوا پر اڑنا وغیرہا...... اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا...... نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا...... حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا طاہر ہو جانا...... کوئی سانس غفلت میں نہ گزرنا یہ وہ کرامت ہے...... جس میں استدراج کا احتمال نہیں...... بخلاف قسم اول کے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے...... اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں...... کہ یہ استدراج نہ ہو...... یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عجب نہ پیدا ہو جائے...... یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت نہ ہو...... بلکہ بعض نے فرمایا ہے کہ...... بعض اولیاء نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی...... تا کہ اس کا عوض و اجر بھی آخرت میں ملتا...... کیونکہ یہ امر مقرر ہے کہ جس قدر دنیا میں کسی نعمت میں کسی کو کمی رہے گی...... اس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔

مسئلہ چہارم: اور جاننا چاہئے کہ...... بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے...... اور جو امور نہایت عظیم ہیں...... جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا...... اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا

ہے...... مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں ...... کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے ...... صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے...... واسطے اظہار کرامت وقرب ومقبولیت اس ولی کے سوا اللہ تعالیٰ کے قدرت کی جب کوئی حد نہیں ...... پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے...... رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے...... اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے...... کہ میں نبی کا غلام ہوں ...... تو جو کچھ اس سے ظاہر ہوا ہے...... بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں ...... جو اس شبہ کی گنجائش ہو...... البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے...... وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتے...... جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

مسئلہ پنجم: اور جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے...... کہ اپنی کرامت کا اخفا واجب ہے...... مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو یا حالت اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد واختیار باقی نہ رہے...... یا کسی طالب حق ومرید کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو...... وہاں اظہار جائز ہے۔

مسئلہ ششم: اور جاننا چاہئے کہ...... بعض اولیاء کاملین کا مقام غلبۂ عبودیت ورضا کا ہوتا ہے...... اس لئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں...... اور بعضوں کو قوت تصرف ہی عنایت نہیں ہوتی...... تسلیم وتفویض ہی ان کی کرامت ہوتی ہے...... اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا وجود یا ظہور ضروری نہیں۔

مسئلہ ہفتم: اور جاننا چاہئے کہ...... بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں...... اور یہ امر معنیً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

مسئلہ ہشتم: اور جاننا چاہئے کہ...... کرامت کے لئے یہ بھی شرط ہے...... کہ اسباب طبعیہ سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو...... خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی اس مقام پر لوگوں کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں...... بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھتے ہیں...... اور عامل کے معتقد کمال بن جاتے ہیں...... آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہو رہے ہیں ...... مسمریزم فریمیس حاضرات ہمزاد کا عمل ...... عملیات ونقوش طلسمات وشعبدات

تاثیرات عجیبۂ ...... ادویات سحر چشم بندی وغیرہا کہ آمین بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں ...... اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط ہیں ...... کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے ...... اور بعض کرامات کو بھی قوت طبعیہ پرمحمول کر کے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں ...... صاحب بصیرت طالب حق کو قرائن قویہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے ...... کہ اس فعل میں قوی طبعیہ کو دخل ہے ...... یا محض قوت قدسیہ ہے ...... یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں محض کائن عن الغیب ہے۔

مسئلہ نہم: اور جاننا چاہئے کہ ...... جس فعل کا ظاہری قویٰ سے کرنا ممنوع ہے ...... باطنی قویٰ سے بھی ممنوع ہے ...... جیسے کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا کسی کے قلب پر زور ڈال کر اس سے کچھ روپیہ لے لینا ...... یا کسی کا راز پنہانی معلوم کرنا ...... یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو شعبہ ولایت کا سمجھ کر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں۔

مسئلہ دہم: اور جاننا چاہئے کہ ...... ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہو جانا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو ...... اور تنبیہ کے وقت توبہ کر لے ...... یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ...... ولایت وکرامت میں قادح نہیں ہے ...... یہ کل دس مسئلے ضروری اس باب کے متعلق ہیں۔

از رسالہ التقیٰ فی احکام الرقیٰ

فصل پنجم: ۔قال اللہ تعالیٰ ولا تقف مالیس لک بہ علم ...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلا کسی دلیل صحیح کے جس کا صحیح ہونا قواعد شرعیہ سے ثابت ہو ...... کسی امر کا خواہ وہ اخبار سے ہو یا انشاءات سے ہو اعتقاد درست نہیں ...... اکثر عاملوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ خاص طریقوں سے فال کھولتے ہیں ...... اور گزشتہ یا آئندہ کے متعلق خبر دیتے ہیں ...... یا چور وغیرہ کے معلوم کرنے کو لوٹا گھمانے کا عمل کرتے ہیں ...... اور کسی کا نام بتلا دیتے ہیں ...... اور ان نتائج کا یقین خود بھی کر لیتے ہیں ...... اور دوسروں کو بھی یقین دلاتے ہیں ...... یا کوئی عمل جس سے کوئی خواب نظر آئے کر جو خواب نظر آئے اس پر پورا وثوق کر لیتے ہیں

...... اور اس کا نام استخارہ رکھتے ہیں یہ سب دعویٰ ہے...... خبر غیب کا...... کیونکہ شرع نے ان وسائط کا مفید علم خبری ہونا معتبر نہیں قرار دیا...... بخلاف طب کے کہ خود سنت میں اس کا اعتبار وارد ہے...... گو درجۂ ظن ہی میں سہی آیت مذکورہ ایسے امور کو باطل کرتی ہے...... اسی طرح حدیث بھی چنانچہ مشکوٰۃ باب الکہانۃ میں ہے...... عن حفصة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اتى عرافا فساله عن شيء لم تقبل له صلوٰة اربعين ليلة رواه مسلم (حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں...... کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے...... کہ جو شخص کاہن کے پاس اور اس سے (غیب کی) کسی بات کا سوال کرے...... (اور اس کو سچا جانے) اس کی چالیس رات (دن) کی نماز قبول نہ کی جائے گی...... اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ۱۲ منہ) اور حدیث میں جو فال اور استخارہ وارد ہے حقیقت اس فال کی اور ہے...... وہ یہ کہ کوئی اچھا کلمہ کان میں اتفاقاً پڑ گیا...... اور اس سے امیدوار ہو گئے رحمت خداوندی کے نہ یہ کہ قصداً ایسے دلائل کا تتبع کیا جائے...... اور اس کا یقین کیا جائے...... خواہ خیر ہو یا شر۔

اور استخارہ کی حقیقت یہ ہے...... کہ کسی امر کے قرین یا خلاف مصلحت ہونے میں تردد ہو...... تو دعائے خاص پڑھ کر متوجہ الی الحق ہوں اس کے قلب میں جو امر عزم کے ساتھ آ جائے...... اس میں خیر سمجھیں سو اس کی غرض رفع تردد ہے...... نہ کہ انکشاف کسی واقعہ کا اور لوٹا وغیرہ گھوم جانا یہ محض قوت خیالیہ کا اثر ہے...... جو شعبہ ہے مسمریزم کا...... یہی وجہ ہے کہ جس پر زیادہ خیال ہوتا ہے...... اسی کا نام نکل آتا ہے...... چنانچہ اگر دو عاملوں کے سامنے مختلف دو شخصوں پر چوری کا گمان ظاہر کر دیا جائے...... اور وہ دونوں الگ الگ اس عمل کو کریں...... تو دونوں جگہ مختلف نام نکلیں گے...... یہی حال ہے مسمریزم کے تصرفات کا...... جس سے سوالوں کا جواب حاصل کرتے ہیں...... اور جس کو اس کے مشاق غلطی سے ارواح کا تصرف سمجھتے ہیں...... اور واقع میں وہ بھی تصرف ہے قوت خیالیہ کا...... اور اس کا امتحان بھی اسی طریق مذکور سے ہو سکتا ہے...... جس کا دل چاہے آزمالے...... بلکہ اس سے زیادہ قوی اور صریح دلیل سے اس کا امتحان خود بندہ نے کیا ہے وہ یہ کہ ایک میز منگا کر اس پر عمل کیا...... اور زبان سے کہا گیا کہ اگر واقع میں اس میں

روحیں آتی ہیں...... تو میز کا فلاں پایہ مثلاً ایک بار اٹھے...... اور اگر روحیں نہیں آتیں تو وہ پایہ دوبار اٹھ جائے...... اس کے بعد عمل کے اثر سے دوبار پایہ زمین سے اٹھا...... پس فن مذکور ہی کے قاعدہ سے ان تصرفات کا منشا قوت خیالیہ ہونا ثابت ہوگیا...... چونکہ میرا یہ اعتقاد تھا کہ واقع میں ارواح نہیں آتیں...... اس لئے اسی کے موافق جواب نکلا...... اور جس کا اعتقاد اس کے خلاف ہوگا...... اس کو خلاف جواب ملے گا...... گو دونوں اعتقادوں میں صحت و بطلان کا تفاوت ہے ...... جس کی دلیل اولاً مذکور ہو چکی ہے...... اور یہ قوت خیالیہ عجیب چیز ہے...... اس سے عجیب و غریب امور ظاہر ہوتے ہیں...... اور ناواقف اس کو غلطی سے قوت قدسیہ کی طرف منسوب سمجھتے ہیں...... اور صوفیہ کے یہاں جو توجہ کا طریق ہے...... وہ بھی تصرف خیالی اور مکتسب ہے ...... لیکن ان کی غرض چونکہ محمود ہے...... اسلئے محمود ہے...... گو کوئی کمال نہیں...... اور اولیاء کی کرامت اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات یہ محض وہبی اور غیر مکتسب ہیں...... ان سب کو ایک سمجھنا سخت غلطی اور باطل محض ہے...... اور بظن غالب اس احقر کے جیسا بعض ذرائع مظنونہ سے معلوم ہوا فری میسن کا محصل اسی قوت خیالیہ کی تقویت ہے...... جس کے لئے وہاں کے ممبر یہ تدبیریں کرتے ہیں...... کہ طالب کو بڑے بڑے سخت امتحانوں میں مبتلا کرتے ہیں...... اور سخت سخت قسمیں دیتے ہیں...... جس میں اکثر مضمون بددعا کا ہوتا ہے...... کہ اگر میں ظاہر کروں تو میں ہلاک ہو جاؤں...... اور مجھ پر ایسی ایسی بلائیں نازل ہوں...... میں ایسے ایسے مصائب میں مبتلا ہو جاؤں...... پھر فیس بھی سخت لیتے ہیں...... اور کچھ وحشت ناک چیزیں مثل ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے سامنے لاتے ہیں...... بعد اس کے چند معاہدے اس شخص سے لئے جاتے ہیں ...... اور بعض آلات معماری بھی وہاں ہوتے ہیں...... اس کے استعمال کی کچھ اصطلاحیں مقرر ہیں...... مثلاً بسولے کو زور سے زمین پر مارتے ہیں...... جو اشارہ ہے استحکام معاہدہ کی طرف ...... اور وجہ تسمیہ بھی یہی ہے...... کیونکہ (میسن) معمار کو کہتے ہیں اب ظاہر ہے کہ جس شخص کو کوئی بات اتنی مصیبتوں اور سختیوں کے بعد بتلائی جائے...... اور اس پر اس کا وافر مال بھی خرچ ہو ...... طبعاً وہ اس کی نہایت وقعت کرے گا...... اور ضرور اس کے مفت بتلا دینے سے دریغ کرے گا ...... خاص کر جبکہ ان بددعاؤں سے اس کے واہمہ پر لحوق ضرر کا خوف بھی غالب ہو جائے...... وہ

ہرگز ہرگز بھی نہیں بتلاسکتا...... اور چونکہ وہاں بعض کلمات ایسے بھی کہلوائے جاتے ہیں...... اور نیز ایسے اعمال بھی کرائے جاتے ہیں...... جس میں غیر اللہ کی تعظیم مفرط حد عبادت تک ہوتی ہے...... لہٰذا طالب کا کفر سے بچنا بھی مشکل ہے...... اور باوجود ان سب کے پھر محض بے نتیجہ...... کیونکہ وہ عہد چند اخلاق جمیلہ کا ہوتا ہے...... جس کی تعلیم شریعت سے زیادہ کوئی کر ہی نہیں سکتا...... اور ان اخلاق کی مخالفت کی سزا کے واقعات بطور تھیٹر کے بھی دکھلا دیتے ہیں...... جو محض مصنوعی ہوتے ہیں...... اور نتائج کا یقین دلانے کے لئے تھیٹر کا مشاہدہ شرعی وعیدوں سے زیادہ نہیں ہوسکتا...... اور چونکہ ساری ترکیبوں کا حاصل اسی واہمہ کا قوی کرنا ہے...... اسی لئے باختلاف ازمنہ وامکنہ اس فریمیسن کے قوانین ودستور العمل بدلتے رہتے ہیں...... انگلستان میں کچھ ہے تو جرمن میں کچھ اور ہے اسی طرح کسی سنہ میں کچھ ہے تو دوسرے سنہ میں کچھ اور ہے...... باقی نہ وہاں ارواح ہیں نہ جن ہیں...... اور نہ اور کوئی عجیب چیز ہے...... ہاں یہ مستبعد نہیں کہ واہمہ کے غلبہ سے کسی واقعہ بعیدہ کی اطلاع بطور خطرہ کے ہوجائے...... جیسا اکثر تفکر کے بعد بھی ایسا ہوجاتا ہے...... میں نے اس فصل میں کسی قدر تطویل قصداً کردی ہے...... تاکہ اکثر متر ددین حقیقت سے واقف ہوکر التباس سے محفوظ رہیں۔

طلسم کشائے فریمیسن

یہ ایک تازہ مضمون ہی جو زمانۂ ترتیب مجموعہ ہذا میں لکھا گیا ہے۔۱۲منہ

فریمیسن کے بارے میں جو کچھ اس رسالہ میں لکھا گیا...... وہ قرائن تخمینہ سے لکھا گیا تھا...... اس کے بعد ایک معتبر شخص نے اپنا مشاہدہ بیان کیا...... جس کا حاصل یہ ہے کہ مقصود اس مجلس سے ایک جماعت میں باہم اتفاق واتحاد قائم کرنا ہے...... اور وہاں یہی معاہدہ لیا جاتا ہے...... اور اس معاہدہ کی وقعت وشوکت پیدا کرنے کے لئے اخفاء کا اہتمام کیا گیا ہے...... اور اخفاء کے لئے خاص اسباب جمع کئے گئے ہیں...... چنانچہ ہر شخص کو اپنی مجلس میں نہیں لیتے...... جو دنیا کے اعتبار سے بھی معزز ہو...... کہ عموماً ایسے لوگوں کو پاس اپنے عہد کا ہوتا ہے تو وہ عہد اخفاء کو بھی پورا کریں گے...... اور مذہبی اعتبار سے صانع عالم کا قائل ہوتا...... کہ جو حلف اخفاء پر اس سے لیا جائے گا وہ خدا سے ڈر کر اس کو پورا کرے...... دہری منکر صانع ولا

مذہب کو نہیں لیتے...... پھر فیس بہت معقول لیتے ہیں...... کہ یہ بھی امر طبعی ہے...... کہ مال خرچ کر کے جو امر حاصل ہوتا ہے...... گو وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو مگر اس کے اعلان سے دریغ آتا ہے...... اس کے بعد اس کو اس مکان میں جو کہ اسی کام کے لئے معین ہے...... پہنچاتے ہیں مکان کی صورت بھی وحشت ناک بنائی ہے...... کہ لمبے لمبے ستون ہیں...... اس کے درجوں میں وسعت بہت کم ہے...... تنگ مکانات ہیں...... پھر رات کو داخل کرتے ہیں ...... اور اس وقت روشنی بہت دھیمی کر دیتے ہیں...... کہ اس ہیئت سے طبیعت پر خوف کا مستولی ہو جانا امر فطری ہے...... اور پھر لے جاتے ہیں بڑی ذلت کی حالت سے...... کہ پہلا لباس اتروا کر وہاں ہی کی وردی جو بالکل مردہ کی سی کفنی ہوتی ہے...... پہنا کر گلے میں رسی ڈال کر کشاں کشاں لاتے ہیں...... اور ایک آدمی اندر پہلے سے پوشیدہ موجود رہتا ہے ...... اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار یا برچھی ہوتی ہے...... یہ فریمیسن ہونے والا جس وقت اس مکان میں قدم رکھتا ہے...... وہ شخص دفعتہً اس کے بے خبری میں اس تلوار یا برچھی کی نوک اس کی پہلو پر رکھ دیتا ہے...... جس سے اس کو ایک عجیب ہیبت طاری ہوتی ہے...... اور اس وقت اس سے وہ معاہدے اپنی جماعت کی ہمدردی اور ان کی اعانت مالی و جانی کے لئے جاتے ہیں ...... اور اس کے ساتھ اخفاء کا عہد بھی لیا جاتا ہے...... اور حلف کے ساتھ بددعائیں بھی ہوتی ہیں کہ اگر میں یہاں کا راز ظاہر کروں...... تو میں ہلاک ہو جاؤں اور یہ برچھی یا تلوار میرے جگر سے پار ہو جائے و مثل ذلک اب ظاہر ہے...... کہ ایک تو مذہبی پابندی کی وجہ سے خدا کا خوف پھر ان بددعاؤں کا اندیشہ پھر اتنا مال خرچ کر کے اس پر اطلاع ہونا پھر دنیوی عزت کی وجہ سے اپنی اس ذلت کے اظہار سے عار ہونا...... یہ اسباب موکدہ اخفاء کے ہیں...... پھر وہاں کچھ آلات معماری کے بھی ہوتے ہیں...... اسی لئے اس کو فری میسن (جس کے معنی ہیں آزاد معمار) کہتے ہیں...... اور اسی لئے وہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں...... کہ اس کے بانی نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جن کو تعمیرات کا شوق تھا...... اور یہ دعویٰ فسانہ عجائب سے کم نہیں...... یہ آلات اصطلاحیں ہیں...... جو خاص معانی پر دال ہیں...... جیسا رسالہ التقی کے آخر سے ابھی معلوم ہوا ہے پھر اس میں درجات مختلف ہیں...... جن میں زماناً بعد زمان ترقی

ہوئے جاتی ہے...... مگر حاصل اسی قدر ہے...... احقر نے اس راوی سے پوچھا کہ تم نے باوجود حلف کے کیسے ظاہر کیا...... جواب دیا کہ اتفاقی بات ہے...... کہ مجھ سے قسم اس قید کے ساتھ لی گئی کہ نا اہل پر ظاہر نہ کروں گا...... احقر نے پوچھا کہ ایک فریمیسن دوسرے سے مل کر پہچان لیتا ہے...... کہ یہ بھی فریمیسن ہے اس کی کیا وجہ ہے...... جواب دیا کہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں کچھ خاص رموز ہیں...... اگر ایک شخص نے ان کو ادا کیا...... اور دوسرے نے بھی جواب دیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بھی فریمیسن ہے...... اور اگر جواب نہ دیا تو معلوم نہیں ہوسکتا...... بعد اس روایت کے ایک اور معتبر شخص نے بیان کیا...... کہ ایک فریمیسن کے پاس وہاں کی چھپی ہوئی کتاب ملی...... جس کو انہوں نے پوشیدہ مطالعہ کیا جو کسی دہری انگریز نے دھوکہ سے فریمیسن ہو کر حلف توڑ کر لکھی ہے...... سو اس کے مضامین اور یہ روایۃ مذکورہ بالکل مطابق پائے گئے...... اور حکم شرعی اس کا قطع نظر دیگر مفاسد دقیقہ کے بنا پر...... اس مفسدہ کے (کہ اس میں کفار و فجار سے بلاضرورت دوستی کا عہد و التزام کرنا ہے...... پھر ہمدردی میں حق و ناحق کی کچھ تفصیل نہیں...... خواہ اس میں کسی پر ظلم ہی ہو جائے...... اور یہ دونوں امر حرام ہیں......) بالیقین یہی ہے کہ حرام اور معصیت ہے...... نیز اپنے بھائی مسلمانوں میں طرح طرح کے شکوک کی وجہ سے متہم ہوتا ہے...... اور تہمت سے بچنا واجب ہے...... پس اس میں اس واجب کا بھی ترک ہے۔ فقط۔

علاج وساوس از رسالہ خاتمہ بالخیر

خطرہ ہر چند مواخذہ کی چیز نہیں...... مگر اس کا غلبہ و ہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے...... اور انتہا درجہ کا حزن و الم قلب پر طاری ہو جاتا ہے...... سو یہ امراض شرعیہ میں سے تو نہیں ہے...... اس حیثیت سے اس کا علاج ضروری نہیں...... مگر امراض طبعیہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے...... اس لئے اس کا علاج سہل و مجرب و مختصر عرض کیا جاتا ہے...... وہ یہ کہ خطرہ کی حقیقت بلا اختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہونا ہے...... چونکہ یہ مسئلہ بداہت عقل و بہ تسلیم حکماء و علماء ثابت ہے...... کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے...... دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا...... اس لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آئے...... تو

اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے...... نہ اس میں اور نہ اس کے اسباب میں خوض کرے...... کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے...... بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے...... اس سے وہ برا خیال خود بخود دفع ہو جائے گا...... اور اگر وہ پھر خیال میں آئے پھر ایسا ہی کرے...... ان شاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل جائے گا...... علاج کلی اس کا یہی ہے...... حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے...... اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔

باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں...... جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل نقش اسم ذات...... وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں...... اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعف قلب یا خفقان یا نحافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آ گئی...... ہو تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب و غذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی کا استعمال بھی کیا جانا ضرور ہے...... چونکہ بعض سالکوں کو یہ عقبہ پیش آتا ہے...... جس سے ان کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے...... اس لئے اس کی اصلاح عرض کر دی گئی اس علاج سہولت کو اختصار کی وجہ سے بے قدری کی نظر سے نہ دیکھیں...... امتحان کر کے اس کا نفع ملاحظہ فرمائیں۔ (۱۱ جمادی الاولی ۱۳۱۹ ہجری)

از امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ

علاج بعضے اقسام قبض

سوال:۔ اب کچھ اپنی تباہی کا حال بیان کرتا ہوں...... امیدوار ہوں...... کہ سمع خراشی کی بابت معاف فرمایا جاؤں...... جس کا یقین کامل ہے...... حضرت اب تو نہایت ابتر حالت ہے...... وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے...... اگر بجبر تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے...... قید شمار تسبیح سے جی الجھتا ہے...... تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں...... اس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک نیند کہوں یا کیا کہوں خبر نہیں رہتی...... کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں...... کیونکہ دل الجھتا ہے لیکن اس کا نہ ہونا ہر دم سوہان روح ہے

......اور ایک بات یہ بھی کہتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے...... کیونکہ خدا جانے میں کچھ سمجھتا ہوں...... اور ہو کچھ اور...... وہ یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے...... اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اس سے ہے ......کہ اگرچہ زبانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں...... خیر یہ بھی غنیمت ہے...... کہ کبھی دھیان تو اپنے اللہ کا آ جاتا ہے...... پیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا...... اس کا پتہ بھی نہیں ہے اب فرمائیے کہ یہ کیا حالت واقع ہوئی...... اور کیا علاج کیا جائے...... کل صفحہ ۹۶ رسالہ تعلیم الدین پڑھ رہا تھا...... کہ ایک موقع جہاں پر حضور نے لغزشات سالک تحریر فرمائی ہیں ......نظر سے گزرا بجنسہ اپنی حالت کو اعراض حجاب تفاصل سلب مزید...... سلب قدیم تسلی میں مبتلا پایا...... لیکن الحمد للہ کہ عداوت نہیں پائی جاتی...... اب فرمائیے کیا ہوا...... اور کیا کروں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سالک اگر عبادت میں کوتاہی کرتا ہے...... تو راجع ہو جاتا ہے ...... اب یہ فرمائیے کہ میں کس ذیل میں ہوں...... لِلّٰہ جلد جواب دیجئے گا...... اور علاج فرمائیے گا...... کیونکہ تحریر مذکور الصدر کو دیکھ کر میرا دل بیقرار ہو گیا ہے...... اور بدحواسی سی پیدا ہو جاتی ہے...... جس کا کیا بیان کروں دل ہی جانتا ہے...... اگر خدانخواستہ کوئی بات خلاف ظہور میں آئے...... تو اللہ کو علم ہے کہ میری کیا حالت ہوگی...... لِلّٰہ صاف صاف جواب تحریر فرمائیے گا...... ہر چہ بادا باد للہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں...... پیشتر اس قدر تسبیح پڑھتا تھا...... کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز و نوافل کے روزمرہ ہو جاتی تھیں...... اور ایک ذوق ہوتا تھا اب قسمت میری یہ حالت واقع ہوئی ہر حال اللہ کا شکر ہے...... پیشتر جوش و خروش ابتدا میں تھا...... اب ایک معمولی حالت ہو گئی ہے...... کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی...... بلکہ پیشتر سے اپنے میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے...... میرے خیال میں پیشتر سے بعوض ترقی کے کمی معلوم ہوتی ہے...... اب آپ تحریر فرمائیے کیا ہے...... خدانخواستہ جو عبارت تعلیم الدین میں تحریر ہے...... جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کیفیت تو نہیں ہے مختصراً یہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے...... البتہ میرے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور ہے ......کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے...... یہ کمی اشغال و معمولات میں نہ معلوم

کیوں ہوگئی...... براہ کرم مطلع فرمایا جاؤں...... بعض دفعہ اپنی تصویر مجسم اپنے روبرو بیٹھے ہوئے نظر آتی ہے...... ہرچند آنکھ بند رہتی ہے...... کبھی کبھی آنکھ بند کر لینے سے جو چیز روشن ہو...... یا مثل رنگ آسمان کے ہو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے سے بھی نظر آتی ہے...... مثلاً ایک تجربہ یہ کہ ایک روز اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا...... سامنے دروازہ کے ایک چھجہ تھا...... اور اس پر کچھ کھلا ہوا مطلع اندر مکان سے نظر پڑتا تھا...... آنکھ بند کر کے جو دیکھا...... تو وہی نقشہ نظر آیا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا بجنسہ نظر آیا فقط۔

الجواب:۔ مشفقم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کا حال اچھا خاصا ہے...... عبادت کے مختلف طریقے ہیں...... فکر بھی عبادت ہے...... ذکر بلا قید عدد بھی عبادت ہے...... اپنے کو ذلیل وخوار قاصر وناقص سمجھنا بھی عبادت ہے...... غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے...... ہاں مذموم حالت دو ہیں...... ایک معصیت دوسرے غفلت...... سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے رہا...... غلبہ اور شوق یہ حالات عارضیہ میں سے ہے...... اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں...... اور نہ یہ کیفیت بعینہ قائم ودائم رہ سکتی ہے...... جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے...... وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے...... آپ بلا دلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے...... اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے...... پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہوجاتا ہے...... جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے...... غرض نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج...... البتہ فن کے نہ جاننے سے صحت کی خبر نہیں...... سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں...... اس میں (یہ جواب ہے اس عبادت کا جس میں سائل نے لکھا تھا...... کہ لون آسمان وغیرہ کا آنکھ بند کرنے سے نظر آتا ہے...... ۱۲:۱۲) جو تحریر فرمایا ہے وہ تصرف قوۃ متخیلہ کا ہے...... اکثر حس مشترک میں الوان وانوار مرئی کے رہ جاتے ہیں...... جو آنکھ بند کرنے سے بھی نظر آتے ہیں...... یہ نہ محمود ہے نہ مذموم تردد نہ فرمائیں۔ فقط۔

تدبیر مبدل شدن عشق مجازی بعشق حقیقی

سوال:۔ اس احقر نے اپنے مرشد کی حیات ظاہری میں...... قریب پانچ سال کی ریاضت شاقہ کر کے...... کسی قدر دل کی صفائی حاصل کی تھی...... اور امید تھی کہ نقشہ حب الٰہی

دل پر منقش ہو جائے گا..... مگر بقول شخصے ؎

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل	کہ خضر از آب حیوان تشنہ مے آرد سکندرا

مولانا رحمہ اللہ کی عمر نے وفا نہ کی..... سب بنا بنایا کھیل بگڑ گیا..... نفس اور شیطان جو انسان کے حقیقی دشمن ہیں..... ان کا قابو چل گیا۔ قافلہ سالار آگے چل دیا..... جنگل قافلہ میں ٹھکراتا رہا..... کچھ عرصہ تک تو ذوق وشوق رہا..... آخر کو اس میں کمی شروع ہوئی ..... غرضیکہ اب حالت نا گفتہ بہ تک پہنچ گئی..... نہ کہتے بن پڑتی ہے نہ چھپانے سے کام چلتا ہے..... طبیب حاذق سے مرض چھپانا گویا کہ اپنی موت کا سامان کر لینا ہے..... چونکہ عرصہ سے احقر کا میلان خاطر حضور پرنور کی طرف ہے..... اس لئے آپ سے زیادہ کوئی اپنا معالج نہیں سمجھ سکتا..... اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ بہت جلد اصلاح اور درستی ہو جائے گی..... مفصل حالات تحریر کرنے کے واسطے تو ایک دفتر چاہئے..... مگر کسی قدر مجملاً حضور کی اطلاع کے واسطے تحریر کرتا ہوں..... چھ ماہ کا عرصہ ہوا..... کہ ایک عورت جس کا چال چلن اچھا نہیں ہے خواہ مخواہ میری طرف رجوع ہوگئی..... اول تو اپنے ناز و انداز سے میرے دل کو لبھایا..... اور جب اپنے اوپر اس نے مجھ کو فریفتہ کر لیا تو خود بخود کشش کر بیٹھی..... بس اس کا کھنچنا میرے لئے قیامت کا آجانا ہو گیا..... عشق بازی کا مزہ درد فراق کی لذت..... ہجر کی کیفیت وصل کی طلب کا پورا پورا ذائقہ ہو گیا..... قصہ حضرت شیخ صنانؒ کا جو منطق الطیر میں پڑھا تھا وہ ہو بہو مجھ پر صادق آ گیا..... جو جو کچھ نہ کرنا تھا کیا۔ مصرع

کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

درود وظائف تو درکنار نماز تک چھوٹ گئی..... اس کے ہی نام کا وظیفہ اور باتیں ورد زبان ہونے لگیں..... اور اسی کے روئے کتابی کا مطالع کرنے لگا۔

عشق کے مکتب میں آیا ہوں دبستان چھوڑ کر
اب پڑھا کرتا ہوں حسن و عشق قرآن چھوڑ کر

غرضیکہ اس جنون کا اس وقت پورا شباب ہے..... اس کے وصل کی تدبیر میں ہوں ..... مگر کبھی کبھی خیال آجاتا ہے..... افسوس کیا حال ہو گیا۔ مصرع

بتوں کو پوجتا ہوں اور پھر سیدھا مسلمان ہوں

اسی خیال میں تھا کہ آج حضور کو خط تحریر کیا...... اگر چہ بہت روز سے چاہتا تھا کہ آپ کو تحریر کروں...... مگر وقت نہیں آیا تھا...... اب اس کا وقت آ گیا...... اور خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے...... کہ اب اصلاح ہو جائے گی...... اس لئے عجز و انکسار کے ساتھ عرض ہے...... کہ اس احقر کو ورطۂ ہلاکت سے نکال لئے...... اور للہ میرے واسطے دعا فرمائیے...... آپ پر میرا حق ہے...... آپ مجھ کو اپنا غلام تصور کریں...... اور دعا کریں یہ امر بھی قابل توجہ ہے...... کہ میری طبیعت بالکل پھر جائے...... اور برگشتہ ہو جائے...... پیشتر اس سے کہ وہ مجھ سے کشش کرے...... ورنہ میرے لئے قیامت ہو جائے گی...... گستاخی معاف فرمائیں...... ضروری امر تھا جس کی وجہ سے تحریر کیا گیا...... یہ سب امور لغویات میں سے ہیں...... اصل اصول عشق خداوندی ہے...... اللہ تعالیٰ اپنا عشق اور اپنے حبیب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت عطا فرمائیے...... آمین۔

جواب:۔ مشفقم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بدون ہمت کے آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوتا...... دیکھئے امراض ظاہری میں علاج کے لئے دوائے تلخ و ناگوار پینا پڑتی ہے...... چونکہ صحت مطلوب ہوتی ہے...... اس لئے ہمت کر کے پی جاتے ہیں...... اور امراض باطنی میں تو زیادہ اس کی ضرورت ہوگی...... جب یہ امر معلوم ہوا تو اب اس کا علاج سنئے...... اور ہمت کر کے بنام خدا اس کا استعمال کیجئے...... انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل حاصل ہوگی...... علاج اس کا مرکب ہے چند اجزاء سے اول اس مردار سے قطعاً تعلق ترک کر دیجئے...... یعنی اس سے بولنا چالنا اس کو دیکھنا بھالنا آنا جانا...... حتیٰ کہ دوسرا شخص بھی اگر اس کا تذکرہ کرے...... قطعاً روک دیا جائے...... بلکہ قصداً بتکلف کسی بہانہ سے اس کو خوب برا بھلا کہہ کر اس سے خلاف و خصومت کر لی جائے...... اس طور پر کہ اس کو ایسی نفرت ہو جائے...... کہ اصلاً اس کو ادھر میلان و توقع رام ہونے کی باقی نہ رہے...... اور اس سے ظاہراً اس قدر دوری اختیار کی جائے کہ کبھی غلطی سے بھی اس پر نظر نہ پڑے غرض اس سے انقطاع کلی ہو جائے۔

دوم: ایک وقت خلوت کا مقرر کر کے...... غسل تازہ کر کے صاف کپڑے پہن کر...... خوشبو لگا کر تنہائی میں روبقبلہ ہو کر اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر...... اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کی جائے...... اور اس بلا سے نجات بخشنے کی دعا و التجا کی جائے...... پھر پانچ

سو سے لے کر ایک ہزار مرتبہ تک ...... لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اس طرح کیا جائے ...... کہ لا الٰہ کے ساتھ تصور کیا جائے ...... کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا ...... اور الا اللہ کے ساتھ خیال کیا جائے ...... کہ میں نے محبت الٰہی کو قلب میں جمالیا ...... یہ ذکر ضرب کے ساتھ ہو۔

سوم۔ جس بزرگ سے زائد عقیدت ہو ...... اس کو اپنے قلب میں تصور کیا جائے کہ بیٹھے ہیں ...... اور سب خرافات کو قلب سے نکال نکال کر پھینک رہے ہیں۔

چہارم۔ کوئی حدیث کی کتاب کا ترجمہ ہو ...... یا ویسے ہی کوئی کتاب ہو ...... جس میں دوزخ اور غضب الٰہی کا جو نافرمانوں پر ہوگا ذکر ہو مطالعہ کثرت سے کیا جائے۔

پنجم۔ ایک وقت معین کر کے خلوت میں یہ تصور باندھا جائے ...... کہ میں حق تعالیٰ کے روبرو میدان قیامت میں ...... حساب کے لئے کھڑا ہوں ...... اور حق تعالیٰ فرما رہے ہیں ...... کہ اے بے حیا تجھ کو شرم نہیں آتی کہ ہم کو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف مائل ہوا ...... کیا ہمارا تجھ پر یہی حق تھا ...... کیا ہم نے تجھ کو اس لئے پیدا کیا تھا ...... اے بے حیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو آنکھ کو دل کو ہماری نافرمانی میں تو نے استعمال کیا ...... کچھ شرم بھی آئی بڑی دیر تک اس مراقبہ میں غرق و مشغول رہنا چاہئے ...... اور یہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ گو نفس کو تکلیف پہنچے ...... مگر اس نسخہ کو ہمت کر کے نباہ کر کرنا چاہئے ......

اللہ تعالیٰ شافی مطلق ہے ...... والسلام فقط ۹ شعبان ۱۳۲۱ھ۔

ارشادِ مفید در باب انکشاف انوار لطائف

سوال۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... اگرچہ ہم ذکر برابر کئے جا رہے ہیں ...... لیکن یہ معلوم نہیں کہ حضور نے ذکر جہر ارشاد فرمایا ہے یا کیا ...... اور ہم ابھی تک برابر ذکر جہر کئے جا رہے ہیں اور وہ ہی حالت ہے ...... لیکن نور نیلگون بہت کثرت سے ظاہر ہوتا ہے اور حضور نے جو بارہ ہزار ارشاد فرمایا تھا ...... وہی برابر کرتا ہوں ...... اور پیر جو مرید کو توجہ دیتے ہیں ...... اگر مرید دور ہے تب بھی توجہ پیر کی ہوتی ہے یا نہیں ...... یوں تو توجہ ہونا پیر کا ضرور ہے نہیں ...... بلکہ وہ توجہ جیسا کہ مرید کے حاضر رہنے میں ویسی ہی جس سے مرید کے قلب پر حرارت پیدا ہوتی ہے ...... اس قسم کا توجہ دور کے مرید کو بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب۔ عزیزم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ...... ذکر دونوں طرح مفید ہے...... لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے...... آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے...... یہ نور نیلگوں وغیرہ اہل طریقت کے نزدیک انوار لطائف کے ہیں...... جو ذکر سے منور ہو جاتے ہیں...... گو یہ مقصود نہیں مگر علامت محمود ہے...... انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز ثمرات نیک مرتب ہوتے رہینگے حتیٰ کہ مقصود حقیقی تک وصول میسر ہو جائے گا...... اپنے کام میں لگے رہیں...... ان حالات میں غور وفکر نہ کریں کہ یہ کیا چیز ہے...... کیا بات ہے...... سب سے قطع نظر کر کے ذکر کو مقصود سمجھنا چاہئے...... اگر فرصت ہو تو چھ ہزار اسم ذات اور بڑھا دیں...... اور توجہ کی حقیقت اور اس کے اقسام اور حاضر و غائب سے اس کا اثر ہونا یہ بات زبانی بیان کرنے کے قابل ہے تحریر سے سمجھ میں نہ آئے گی۔ فقط ۲۵ شعبان ۱۳۲۱ھ۔

علاج بعضے اقسام وحشت وسوزش قلبی

سوال۔ یہاں ایک حافظ صاحب ہیں...... پیشہ نعل بندی کا کرتے ہیں...... اور درویش دوست اور ذاکر وشاغل آدمی ہیں...... کل انہوں نے بندہ سے کچھ اپنے حالات کہے...... اور اصلاح چاہی...... بندہ نے عذر کیا کہ میں طفل مکتب ہوں...... اصلاح وعلاج سے کیا علاقہ اور حضور کا پتہ بتادیا...... انہوں نے اصرار کیا کہ تو ہی ایک عریضہ لکھ...... حال یہ ہے کہ یہ صاحب ایک پنجابی درویش صاحب خاموش صاحب نامی کے پاس کسی وقت میں حاضر ہوئے تھے...... طبیعت کے نہایت غبی ہیں...... لیکن قرآن شریف حفظ کرنے کا شوق بے حد تھا درویش صاحب نے دعا کی جس سے بالکل خلاف امید اسی سال میں قرآن شریف حفظ ہو گیا...... تب انہوں نے انہیں کی صحبت چند روز اختیار کی...... بیعت تو نہیں ہوئے مگر کچھ سیکھ لیا...... جب سے ان کی یہ حالت تھی کہ صرف اپنی سد رمق کی مقدار پیشہ نعل بندی میں کما لینا...... اور جب اتنا مل گیا تو نعل باندھنے سے بھی انکار کر دینا...... ان کے بیوی بچے بھی مر گئے مگر ان کو مطلق پرواہ نہیں...... نعل باندھتے ہیں...... اور جماعت قضا نہیں ہوتی...... اگر کوئی اہل اللہ مل جاتا ہے تو نعل بندی کی بھی پرواہ نہیں...... قرآن شریف نہایت اچھا پڑھتے ہیں...... اب چند روز ہوئے کہ ایک فقیر صاحب بجنور میں آئے تھے ظاہر

پابند شریعت تھے...... بہت لوگ ان کی طرف رجوع تھے...... چند اشخاص نے ان سے بھی کہا کہ مل لو...... انہوں نے اول انکار کیا مگر لوگوں کے اصرار سے چلے گئے...... فقیر صاحب نے ان کو پاس بلا کر دوزانو بٹھایا...... اور کہا آنکھیں بند کرو...... اور زبان کو تالو سے لگا کر سانس میں خیال کرو کیا آواز معلوم ہوتی ہے...... انہوں نے اسی طرح کیا معلوم ہوا کہ نیچے اوپر دونوں سانسوں میں اللہ اللہ نکلتا ہے...... فقیر صاحب نے فرمایا اسی طرح روز ذکر کیا کرو...... انہوں نے چند روز کیا...... اب کہتے ہیں کہ میرے سینہ میں سوزش ہے...... اور قلب میں وحشت اس قدر ہوگئی ہے...... کہ کسی کام میں دل نہیں لگتا...... حتیٰ کہ نماز و تلاوت میں بھی دل گھبراتا ہے...... کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ نماز چھوڑ دوں...... احقر نے ہر چند عذر کیا...... مگر انہوں نے کہا ضرور کچھ بتادو...... اب حضور کوئی علاج ارشاد فرمائیں۔

جواب۔ ان صاحب سے کہہ دیجئے کہ گھبرائیں نہیں...... اور وہ ذکر اگر اب بھی کیا کرتے ہوں تو ان سے کہہ دیجئے کہ اس کو بالکل چھوڑ دیں...... اور بجائے اس کے اتنا وقت تلاوت قرآن یا درود شریف میں صرف کریں...... اور چلتے پھرتے بھی درود شریف پڑھیں اور ہر نماز کے بعد اور رمضان شریف میں صرف مغرب وعشا کے بعد...... اور سحر کھا کر درود شریف گیارہ مرتبہ پانی پر دم کر کے پیا کریں...... اور خلوت میں بیٹھ کر اپنے قلب پر چاند کا تصور کیا کریں...... اور آب تازہ یا آب گرم سے جو موافق مزاج ہو روزانہ غسل کرلیا کریں...... اور تین چار روز کے بعد اپنے حالات سے پھر اطلاع دیں...... انشاء اللہ تعالیٰ بالکل سکون ہوجائے گا...... اور آئندہ سے اس کا خیال رکھیں...... کہ ہر شخص کی تعلیم پر خصوصاً سیاحوں کی ہرگز عمل نہ کریں...... کسی شیخ محقق کو اپنا عروہ وثقی بنالیں والسلام۔ ۲۵ شعبان ۱۳۲۱ھ

خط ہدایۃ نمط نزد عزیزے کہ از ہجوم وساوس وخطرات عاجز ومغلوب آمدہ قصد خودکشی کردہ بود

از اشرف علی عفی عنہ بخدمت مومن کامل مجاہد النفس بارک اللہ تعالیٰ فی ایمانکم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... کئی روز ہوئے آپ کا خط آیا حالات معلوم ہوئے...... ماشاء اللہ آپ کا ایمان بالکل کامل ہے...... اس میں کسی طرح کا نقصان وخلل نہیں ہے...... جو حالت آپ

نے لکھی ہے...... اور اس کو موجب نقصان ایمان سمجھا ہے...... یہی حالت آپ کے کمال ایمان کی دلیل ہے...... مگر چونکہ آپ کو ابھی علم کم ہے...... اس وجہ سے اندیشہ اور قلق کا ہجوم ہو گیا ہے ...... ورنہ آپ کی حالت بڑی خوشی کے قابل ہے...... یہ حالت وسوسہ کی خواہ وہ ایک وسوسہ ہو یا ہزار ہوں...... کچھ آپ کو اول پیش نہیں آئی...... کوئی ایسا سالک وواصل الی اللہ نہیں ہے ...... جس کو رستہ میں یہ گھاٹی نہ آتی ہو...... پس ان میں جو خود عارف یا کسی عارف سے تعلق و محبت و اعتقاد کا رکھنے والا ہے...... اس کی نظر میں تو یہ لاشے محض معلوم ہوتی ہے...... اور جو ناواقف ہیں وہ تل کو پہاڑ کر کے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں...... اے عزیز صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کسی عالم کا کسی عارف کا رتبہ نہیں ہوا...... ان تک کو یہ قصہ پیش آیا کہ انواع انواع وساوس نے گھیرا...... اور وساوس بھی ایسے جس کو وہ زبان پر لانا جل کر کوئلہ ہو جانے سے بدتر اور سخت تر اور گراں تر وناگوارتر جانتے تھے آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کو ذکر کیا حضور نے فرمایا ذاک صریح الایمان...... یعنی یہ تو کھلی نشانی ایمان کی ہے...... دو وجہ سے اول اس لئے کہ چور وہاں جاتا ہے جہاں متاع پاتا ہے...... پس اگر متاع ایمان اس شخص کے قلب میں نہ ہوتا تو ہرگز شیطان اس کے پیچھے نہ پڑتا...... یہی وجہ ہے کہ اکثر نیک لوگوں کو وساوس پیش آتے ہیں...... اور جو فساق وفجار واشرار ہیں ان کو کبھی اس کا اتفاق بھی نہیں ہوتا...... کیونکہ شیطان ان سے جب گناہ کرا رہا ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے ...... کہ وہ ایسے امر میں مبتلا کرے...... جس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں...... نرا رنج ہی رنج ہے...... دوسرے اس لئے علامت ایمان کی ہے...... کہ مومن نے جب اس کو برا سمجھا...... پس اگر اس شخص کے ایمان میں خلل ہوتا...... تو ان خیالات کفریہ کو حق سمجھتا اور ان کو دل سے قبول کرتا...... اور ان پر مطمئن ہوتا اور ان میں اس کے قلب کو انشراح ہوتا...... کراہت نہ ہوتی جیسا تمام کفار کو دیکھا جاتا ہے...... جب اس شخص نے ان کو مکروہ سمجھا...... تو ان کے اضداد کو حق سمجھتا ہے...... اور یہی ایمان ہے...... غرض ان وجوہ سے یہ علامت ایمان کی ہے...... ہرگز ہرگز کفر نہیں بلکہ گناہ ومعصیت بھی نہیں...... کیونکہ گناہ وہ فعل مذموم ہے جو باختیار خود کرے اور چونکہ وساوس پر اختیار نہیں ہے...... اس لئے وہ گناہ نہیں ہوسکتا جب گناہ نہیں پھر اس پر پریشان ہونا

فضول ہے...... یہ تو تحقیق ہے وسوسہ کی برے یا بھلے ہونے کی...... رہا اس کا علاج بس سب معالجات سے بہتر علاج جس کو اکسیر اعظم کہنا چاہئے...... یہی ہے کہ اس کا کچھ علاج نہ کیا جائے...... بلکہ جرأت ودلیری کے ساتھ اور یقین وعزم کے ساتھ یہ سمجھے...... اور دل میں خیال کرے کہ جب یہ عنداللہ گناہ نہیں...... اور شرعاً کوئی مرض نہیں...... پھر کیا غم بلکہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ دلیل ایمان ہے...... تو اس پر الٹا اور خوش ہونا چاہئے...... جب یہ شخص خوش ہوگا تو شیطان نے وہ وسوسہ تو خاص اسی لئے القا کیا تھا کہ یہ شخص محزون ہوگا۔

جب وہ دیکھے گا کہ یہ شخص تو خوش ہوتا ہے...... اور اس کا خوش ہونا اس کو پسند نہیں...... پس وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا...... اور بہت آسانی سے اس شخص کو اس سے نجات ہوجائے گی...... اور اگر نجات نہ بھی ہو تو بھی پروا نہیں...... کیونکہ جب یہ معصیت نہیں تو اس سے نجات کی ضرورت کیا ہے...... اور جیسا بے پروائی و دلیری اور بے توجہی سے یہ قطع ہوجاتا ہے...... اسی طرح اگر اس سے ڈرا کرے اور اس کے غم میں پڑ جائے...... اور یہی فکر و ذکر رکھے اور سوچا کرے تو یہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے...... گو اس کے بڑھنے سے گناہ تو نہیں ہوتا...... مگر خواہ مخواہ ایک واہیات پریشانی ہوتی ہے...... پس عمدہ علاج یہ ہے اور ہر وسوسہ کا بالتفصیل جواب سوچنا یا کسی سے پوچھنا...... یہ طریقہ مضر ہے اس میں اگر فوری تسلی بھی ہوجاتی ہے...... تو دو چار روز کے بعد پھر اس جواب میں کوئی خدشہ ہوجاتا ہے...... پھر وسوسہ ستانے لگتا ہے اور نفس میں اچھا خاصہ ایک مناظرہ کا میدان گرم ہوجاتا ہے...... اس لئے اس طریق کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہئے...... بلکہ بجائے اس سوچ بچار کے ذکر اللہ کا شغل رکھے...... کہ وہ قاطع وسوسہ بھی ہے...... جیسا حدیث میں آیا ہے...... اور اس سے قلب میں بھی قوت پیدا ہوتی ہے...... جس سے وہ ایسے خرافات سے متاثر نہیں ہوتا...... پس خلاصہ تمام تر تقریر کا تین امر ہوئے...... (۱) ایسے وساوس کی کچھ پرواہ نہ کریں نہ ان کے دفع کی فکر کریں...... (۲) اس کا جواب نہ سوچیں نہ کسی سے وجہ پوچھیں...... کتاب وسنت کو بلا دلیل حق سمجھیں...... اور اس کے خلاف کو اعتقاداً باطل سمجھیں...... گو کسی بات کی وجہ سمجھ میں نہ آئے گو قلب میں اس کا خطرہ آئے...... (۳) ادھر سے اعراض کر کے اللہ کے ذکر میں

متوجہ رہیں...... خواہ درود شریف خواہ استغفار یا اور کچھ اسی میں خیال لگائے رہیں...... انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو ایک ہی روز میں، بلکہ ایک ہی منٹ میں پوری تسکین و راحت حاصل ہو جائے گی...... اور پھر کبھی عمر بھر بھی تشویش نہ ہوگی...... اگر اور کوئی بات پوچھنا ہو تو بے تکلف ظاہر کر دیں۔ والسلام از تھانہ بھون یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ۔

معالجہ صدمہ مفرط

سوال۔ میرے مولانا مرشدنا...... السلام علیک۔ مجھ پر اس وقت ایک حادثہ بہت بڑا گزرا ہے...... کہ جس کے بارگران کا متحمل میرا قلب نہیں ہوتا ہے...... میرا فرزند جگر بند بعمر ۱۹ سال کہ اس نے اپنی ذاتی لیاقت سے انٹرنس پاس بھی کر لیا تھا...... اب زمانہ اس کے پھل پھول کا آیا تھا...... یک لخت بمرض ہیضہ مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوا...... چونکہ وہ میرا ایک ہی لڑکا تھا...... دنیا میں میرا قصہ ختم ہو گیا...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا	بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

للہ آپ میرے واسطے دعائے صبر فرمائیے گا...... ورنہ مجھ کو وحشت ہوا چاہتی ہے ...... یا کچھ پڑھنے کو بتائیے گا فقط۔

جواب۔ مجمع اخلاق والطاف دام لطفہم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صاحبزادہ کے انتقال سے رنج ہوا...... اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں...... اور آپ کو صبر جمیل بخشیں ...... آپ کیمیائے سعادت یا اس کے ترجمہ اکسیر ہدایت کا باب صبر نکال کر بتکرار مطالعہ کیجئے ...... اور لاحول اٹھتے بیٹھتے کثرت سے پڑھئے...... اور اخیا میں جس کے ساتھ زیادہ عقیدت ہو...... اس کی صورت کا بکثرت خیال رکھئے...... ان شاء اللہ تعالیٰ سکون ہو جائے گا ...... میں بھی دعائے خیر کرتا ہوں...... چونکہ آپ کو میرے ساتھ دینی تعلق ہے...... جس سے خیر خواہی میں تکلف کی اجازت نہیں...... اس لئے یہ بھی لکھنا ضرور ہوا کہ اس انتقال کے رنج سے زیادہ اس بات کا رنج ہے...... کہ آپ نے وجہ تاسف میں اقتضائے طبعی سے تجاوز کر کے وجہ عقلی اس کی یہ لکھی ہے کہ انٹرنس پاس کر لیا تھا...... اور اب زمانہ اس کے پھل پھول کا آیا تھا...... دنیا میں اب میرا قصہ ختم ہو گیا...... اھ تو معلوم ہوا کہ زیادہ تاسف کی وجہ

حظوظ دنیا کا فوت ہوجانا ہے...... تو گویا اعظم مقصود دنیا ہے طالب حق کی زبان وقلم سے ایسے کلمات نکلنا...... ایسا ہے جیسا موحد کی زبان سے کلمات شرک نکلنا...... اس مصیبت سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ قلب ایسا کیوں ہے...... جس کی یہ آرزو نہیں میں اس کی اصلاح ضروری ہے۔ ۷ا جمادی اولاولی ۱۳۲۲ھ۔

پندسودمند در عشق نفسانی

سوال۔ حضرت مخدومی و معظمی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب...... تسلیم باعث تحریر آنکہ میں ایک بلا میں مبتلا ہوں ایک دوست کی خفگی وناراضی نے مجھے تباہ کردیا...... لِلّٰہ میری دستگیری فرمایئے...... توجہ خاص کے ساتھ دعا فرمایئے...... کہ وہ مجھ سے راضی ہوجائے ...... اس بارہ میں اگر کوئی وظیفہ وعمل مجرب مرحمت ہوتو عین بندہ نوازی ہے...... میرا تعلق اس کے ساتھ اضطراری ہے...... اختیاری نہیں...... فسق وفجور کا وہاں خیال نہیں...... محض میری اوقات گزاری کے لئے واسطہ وذریعہ ہے...... اگر یہی حال رہا تو خدا معلوم میرا کیا حال ہوگا ...... اور میرے حال پر نظر فرمایئے اور جلد جواب سے سرفراز فرمایئے...... زیادہ والسلام۔

جواب۔ عنایت فرمایئے بندہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ چونکہ آپ سے تعلق پیر بھائی ہونے کا ہے...... اس لئے گستاخانہ مگر خیر خواہانہ عرض ہے۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود	عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق بامردہ نباشد پائدار	عشق را باحی و باقیوم دار
غرق عشق شوکہ غرق است اندرین	عشقہائے اولین و آخرین
عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا	یافتند از عشق اوکار وکیا

طلب حق اور غیر پر نظر اللہ سے ڈریئے اور شرمایئے...... مانا کہ تعلق اضطراری ہے ...... لیکن نظر اور تخیل اور اکتساب تدابیر قرب یہ تو سب اختیاری اور شرعاً معصیت ہے ...... معصیت کے ساتھ قرب حق ورضائے حق کہاں...... اور اوقات گزاری سے مراد اگر لذت نظر وقرب ہے...... تو معصیت شریعت ہے...... اور اگر کفالت رزق ومصارف ہے تو خلق پر نظر معصیت طریقت وخلاف توکل ہے...... اور یہ جو فرمایا ہے کہ کیا حال ہوگا سو

......حال کیا ہوتا ہے غایت سے غایت موت سو...... من عشق فعف و کتم فمات فهو شهيد آپ نے سنا ہوگا......اور اگر حال فقر ہے تو

خدا گر بحکمت بہ بندو درے	کشاید بفضل و کرم دیگرے

غرض توبہ کیجئے مجھ کو یہی تعویذ اور عمل آتا ہے...... گستاخی معاف فرمائیے...... والسلام

۱۵ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

جواب اشکالے

سوال۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو جب ذکر شریف تعلیم فرمایا تھا تو یہ فرمایا تھا ......کہ لا الہ کے وقت یہ خیال کرے ......کہ جس قدر محبتیں غیر خدا کی قلب میں ہیں ......سب کو نکال کر پس پشت ڈال دیں......اور الا اللہ کے وقت یہ خیال کرے......کہ صرف اللہ کی محبت قلب میں داخل کی......تو اب وسوسہ پیدا ہوتا ہے......کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی محبت کو بروقت ذکر شریف کے ایسا ہی خیال کرے......اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہوگی...... مسلمان نہیں۔

جواب۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عین خدا کی محبت ہے...... بلکہ جمیع اہل اللہ کی محبت بھی ......عین خدا تعالیٰ کی محبت ہے......پس مراد اس تعلیم میں یہ ہے کہ جو محبتیں خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتیں......ان کو پس پشت ڈال دیا......اب کوئی اشکال نہیں

فقط ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔

بے معنے شدن عاق کردن شیخ مر مرید را

سوال۔ کوئی شیخ اپنے مرید کو عاق کردے......اور مرید کا اعتقاد سالم رہے...... تو بیعت اس صورۃ میں قائم رہتی ہے...... یا نہیں۔

جواب۔ عن جابر بن عبدالله ان اعرابيا بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم فأصاب الاعرابى وعک بالمدينة فاتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا محمد اقلنى بيعتى فابى رسول الله صلى الله عليه وسلم الى قوله عليه السلام ان المدينة كالكير تنفى خبثها وتنصع طيبها متفق عليه.

دوسری روایت کعب بن مالکؓ کی ہے...... کہ غزوۂ تبوک کے تخلف کے سبب آپ ان سے منقبض ہو گئے...... مگر ان کا اعتقاد درست رہا پس پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرے لیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہا ہے...... تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے...... اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہو جائے...... لیکن مرید کا اعتقاد باقی اور قائم رہے...... تو بیعت باقی رہتی ہے...... اور ویسے بھی ظاہر ہے کہ مدار اعظم بیعت کا ارادت پر ہے...... سو یہ صفت مرید کی ہے...... نہ کہ شیخ کی...... پس اس کے بقاء و زوال کا دوران ارادت کے عدم و وجود پر ہے واللہ اعلم۔

عدم انحصار وصول فی الاوراد والریاضۃ الشدیدۃ

سوال۔ حضور مولانا مرشدنا مولوی محمد اشرف علی صاحب قبلہ دام برکاتہم...... السلام علیکم...... بحمد للہ بخیریت ہوں...... اور صحت وری ذات والا مدام درگاہ خدا سے مستدعی...... حضور والا در حیرتم کہ سر انجام ماچہ خواہد بود...... اس مرتبہ بعد علالت کیفیت یہ ہوگئی ہے...... کہ جب دو تین روز جم کر نماز تہجد و دوازدہ تسبیح کا شغل شروع کرتا ہوں...... طبیعت خراب ہو جاتی ہے...... اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر شغل مذکور چھوٹ جاتا ہے...... رمضان شریف میں ہر چند چاہا کہ حسب معمول ورد و ظائف کو شروع کروں...... لیکن وہی حالت پیش آئی...... جو عرض کر چکا ہوں...... اخیرہ عشرہ رمضان میں نہایت مستعدی سے چاہا کہ ۲۱ ماہ مذکور سے اعتکاف کروں...... اور تلافی مافات کروں...... لیکن ۲۰ ماہ مذکور سے طبیعت خراب ہوئی...... اور ۸ شوال تک اس علالت کا سلسلہ رہا...... ۹ شوال سے پھر نماز تہجد کو اٹھا تین روز تک محنت کی تھی کہ کل ۱۱ شوال کو پھر حرارت پیدا ہوگئی...... معلوم نہیں کہ کیا منظور خدا ہے...... تعلقات دنیوی سے قطع کر کے چاہا تھا کہ اللہ اللہ کروں...... لیکن میری بدقسمتی یہ بھی کرنے نہیں دیتی...... ان واقعات سے طبیعت ایسی متوحش اور پریشان ہے کہ کیا عرض کروں...... وہی مثل ہوئی کہ نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے...... آج طبیعت کو بے حد قلق اور افسوس ہوا...... لہٰذا خدمت بابرکت میں عرض کیا گیا اگرچہ شکایت تنفس تابعدار کو عرصہ سے ہے...... لیکن باوصف اس شکایت کے ورد و ظائف کو انجام دیتا تھا...... دوسرے آواز اس قدر پست ہوگئی ہے کہ ذکر جہر

نہیں کر سکتا...... البتہ ایسی آواز سے کہ خود سن سکوں جب افاقہ ہوتا ہے کرتا ہوں...... اور بحالت نادرستی طبیعت کے کچھ نہیں ہوسکتا...... باقی خیریت ہے اور حالت بدستور ہے۔

جواب۔ مخدومی...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بزرگان دین کا ارشاد ہے...... طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق...... یعنی جس قدر مخلوقات کے سانس میں خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے اتنے رستے ہیں...... اور اصل مقصود وصول الی اللہ ہے...... یعنی ضعف نسبت مع الخلق وقوت نسبت مع الخالق خواہ کسی طریق سے ہو...... پس جس طرح اوراد و نوافل کی کثرت اس کا ایک رستہ ہے...... اسی طرح مرض اور حزن اور انقباض اور ضیق قلب و تاسف و ندامت و خجلت و انکسار بھی...... ایک رستہ بلکہ اقرب رستہ ہے...... پس حالت مرقومہ خط سامی میں گو نفسانی اور جسمانی کلفت وصعوبت ہے...... لیکن روحانی ترقی و نفع ہے بالکل مطمئن رہئے ...... اور جس قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے کرلیا کیجئے...... اور نہ ہو سکے نہ کیا کیجئے۔

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست	برصراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

البتہ نفس یوں چاہتا ہے کہ مجھ کو ذکر و شغل کا ثمرہ عاجل دنیا میں مل جائے...... سو یہ خطائے عظیم ہے...... اصل موقع مشاہدہ ثمرہ کا آخرت ہے...... جس نے یہ نکتہ پختہ کرلیا اس کو رضا و تفویض کی حلاوت نصیب ہوئی...... اور جو اس نکتہ سے غافل ہے...... عمر بھر مشوش رہے گا...... مخدوما جو کچھ میں نے لکھا ہے گو مختصر ہے...... مگر نہایت جامع اور تجربہ کی بات ہے...... آپ شک نہ لائیے...... والسلام۔

از رسالہ اورادرحمانی

خمسۂ اردو ظفر بر قصیدہ فارسیہ حکیم سنائی رحمہما اللہ تعالیٰ

یہ اس لئے نقل کیا ہے کہ [illegible] کبھی ذوق وشوق سے اس کو پڑھ لیا کرے
کہ توبہ ومناجات وتوحید پر مشتمل ہے۔ ۱۲ منہ

پئے دنیا یونہی بک بک کے عبث جان کھپائی
ندیا منزل عقبیٰ کا مجھے رستہ دکھائی
مگر اب جی میں ہے سب چھوڑ کر یہ ہرزہ درآئی
ملکا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی
نروم من بجز آن رہ کہ تو آن رہ بنمائی

نہ پھروں عہد سے جب تک کہ مرے دم میں رہے دم
رہوں پیمان محبت پہ تری میں یوں ہی محکم
طلب وصل تری دل سے مری ہو نہ کبھی کم
ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درکار تو پویم
ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی

نہ چپ وراست سے گر ہووے تری نصرت دیاری
نہ ترا عرش سے تا فرش اگر فیض ہو جاری
نہ کہے کیونکہ خدایا یہ خدائی تجھے ساری
تو خداوند یمینی تو خداوند یساری
تو خداوند زمینی تو خداوند سمائی

نظر آتی ہے جہان میں جو سفیدی و سیاہی
قلم صنع پہ دے ہے ترے دن رات گواہی
تری یکتائی مبرا ہے ہر اک شے الٰہی
توزن و جفت نہ جوئی تو خوروخفت نہ خواہی
احدا بے زن و جفتی ملکا کام روائی

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت
نہ عنایت تجھے درکار کسی کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی کی نہ کسی کی ہے قرابت
نہ نیازت بولادت نہ بفرزند تو حاجت
تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری
جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے حقیری
کرم و عفو سے کیونکر نکرے عذر پذیری
تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی
ترے الطاف سے محروم نہ میخوار نہ زانی
کہ تو ستار ہے اور واقف اسرار نہانی
ہمہ راغیب تو پوشی ہمہ راعیب تو دانی
ہمہ رارزق رسانی کہ تو باجود وعطائی

خرد و فہم سے گر دل نے کوئی بات تراشی
کہ ہوا اول و آخر کی حقیقت کا تلاشی
مرے نزدیک سوا اس کے ہے سب سمع خراشی
نہ بدی خلق تو بودی نہ بود خلق تو باشی
نہ تو خیزی نہ نشینی نہ تو کاہی نہ فزائی

رہی مصروف ثنا میں ترے ہر چند خلائق
نہ ادا پر وہ ثنا ہو جو ثنا ہے ترے لائق
کہ وہ فوق اور ہے جس فوق سے ہے سب تو فائق
نہ سپہری نہ کواکب نہ بروجی نہ دقائق
نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی

رہ توصیف تری رکھتی نہایت ہے درازی
نہ لگے ہاتھ یہ کوچہ تری بے بندہ نوازی
نہ چلے کنہہ حقیقت میں تری نکتہ طرازی
بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی
بری از صورت و رنگی بری از عیب و خطائی

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشۂ دشمن
نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ ترا شیون
نہ تجھے چاہئے ماوی نہ تجھے چاہئے مسکن
بری از خوردن و خفتن بری از تہمتہ مردن
بری از بیم و امیدی بری از رنج و بلائی

نہ رہا عالم طفلی و جوانی ہوئی پیری
غم دنیا کی ہوس میں مجھے رہے گی یہ اسیری
نہ روا رکھ میرے حق میں تو یہ خواری و حقیری
تو علیمی تو حکیمی تو خبیری تو بصیری
تو نمائندہ فضلی تو سزاوار خدائی

ترے اوصاف بیان کرنیکی باندھی ہے جو دھن جی
دم تقریر ہے گونگی دم تحریر ہے لنجی
مری گو نوک زبان گنج معانی کی ہے کنجی
نہ توان وصف تو گفتن کہ تو در وصف نہ گنجی
نتوان شرح تو کردن کہ تو درشرح نیائی

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تری دیکھے تجلی
نہ خرد کو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرابھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کروں تیری
احدٌ[1] لیس کمثلی صمد لیس کفصلی
لمن الملک تو گوئی کہ سزا وار خدائی

ظفر اس وقت میں خاموش ہو گیا غنچہ کی مانند
کہ یہ اشعار مناجات کے یاد آئے اسے چند
کرے توصیف میں کس طرح تری اپنی زبان بند
لب و دندان سنائی ہمہ توحید تو گویند
مگر از آتش دوزخ بودش زود رہائی

تمام ہوا حصہ اول تکشف کا

---

[1] ازلفظ احد تا لمن الملک مفعول ست مرفعل گوئی را یعنی تو گوئی کہ کے مثل من نیست الخ ۔۱۲ منہ

حصہ دوم از مجموعہ تکشف

برائے متوسط الاستعدادان

قصد السبیل[1] اس میں سے عالم فارغ کے معمولات کے
متعلق جو مضمون ہے وہ مطالعہ سے مستثنٰی ہے۔
تعلیم الدین پانچواں باب....حق السماع تمام
کمالات[2] امدادیہ تمام....رونمائے مثنوی تمام

از امداد الفتاویٰ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ
تعلیم ذکر زنان را و معنی انا الحق

سوال: حضرت اقدس مولانا صاحب...... بعد سلام مسنون آنکہ نامۂ نامی رسید قبول بیعت منکوحہ بندہ معلوم گردید خرسندگی لانہایت حاصل گروید وظیفہ مرقومہ احسب فرمان جناب تعلیم یافت و بالفعل آن خادمہ جناب امیدوار ست از ذکر اذکار نیز ارشاد فرمایند زیادہ از طرف او سلام و امید دعاست ثانیا اینکہ درینجا چند مردمان لفظ انا الحق می گویند و بعض مولویان این دیار اوشان را کافر گویند لہٰذا امید وارم معنی انا الحق چیست و نزد صوفیہ کرام جائز است یا نہ تحریر فرمایند۔

جواب: عزیز من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ زنان را اوراد و وظائف بس است

---

[1] اس کے بعد وہ مضمون مطالعہ کیا جائے جو حصہ اول میں قصد السبیل کے نام کے بعد بعنوان تذئیل قصد السبیل تحریر کیا گیا ہے۔ [2] بالخصوص اس کے آخر میں جو نظم ملحق ہے اس کو گاہ گاہ پڑھنے سے شوق وطلب میں اشتعال و ہیجان ہوتا ہے۔

اذ کار کہ بطور اشغال می باشند مناسب حال اوشان نیست ہاں اگر نزدیک معلم باشند لا باس بہ است اگر زیادہ اصرار ورغبت یابند اسم ذات اللہ اللہ شش ہزار بار بخلوت نشستہ خواندن امر فرمایند و ہر تغیرے کہ درحالت پیش آید بزودے ہر چہ تمام تر اطلاع دادہ باشند اوشان را از من سلام ودعاء رسانند۔ انا الحق اگر بلا تاویل وبلا غلبہ حال گفتہ شود بیشک موجب کفر است شکے نیست واگر بتاویل گویند کہ انا الثابت الموجود لا الموہوم کما یقول بہ السوفسطائیۃ یا انا مظہر الحق کما یکون المصنوع مظہر اللصانع کفر نباشد مگر چونکہ موہم کفر ست لہذا معصیت وبدعت سیئہ خواہد بود توبہ وکف ازین کلمات واجب خواہد بود واگر درغلبہ حال کہ عادم اختیار وقصد باشد گوید نہ عاصی خواہد بود ونہ کافر وانی مثل ہذا ظاہر از حال جہال این زمان کہ خرقہ تصوف در برکشیدہ اند ہمین ست کہ ازین کلمات متاع ایمان بربادمی دہند ہداہم اللہ تعالیٰ وہر چہ در شرع ناروا ست نزد صوفیہ ہم خطا است صوفیہ کرام از جادہ شرع بیرون نمی روند وہر کہ بیرون افتاد تصوف از دست داد ہمہ انچہ گفتہ شد ظاہر وباہر است کالشمس فی نصف النہار واللہ اعلم۔ فقط۔

حل شعرے از مثنوی

کور کورانہ مرو در کربلا	تا نیفتی چون حسین اندر بلا

اس میں منشا تمام تر اشکال کا لفظ تا ہے موجہین نے عموماً اس کو تعلیل پر بمعنی کے (عربی) اور تا کہ (اردو) کے محمول کیا ہے اور احقر اس کو غایت پر بمعنی حتی (عربی) اور جب تک (اردو) کے محمول کرتا ہے اب معنی صاف ہیں یعنی جب تک حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح مجاہدہ وبلا دصبر وتحمل جفا میں واقع نہ ہو چکو اور نفس کو ریاضت کا خوگر نہ بنالو اس وقت تک کربلا مقام عشق میں ناعاقبت اندیشی کے ساتھ قدم مت دھرو البتہ جس طرح حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اول اپنی ہمت کو قوی کرلیا تھا اور سب بلاؤں کے برداشت کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے اور اس وقت میدان کربلا میں تشریف لے گئے تھے اسی طرح اگر تم پہلے ریاضات ومجاہدات سے نفس میں قوت پیدا کرلو اس وقت طریق عشق میں آنا مبارک ہو حاصل اس کا طرق وصول الی اللہ میں سے طریق عشق کو اختیار کرنے کی شرائط کا بیان کرنا ہے اور جو شخص اس شرط پر قادر نہ ہو اس کے لئے دوسرا طریق ابرار کا باعافیت موجود ہے حضرت شیخ

شیرازی علیہ الرحمۃ نے اسی کو دوسرے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

اگر مرد عشقی کم خویش گیر	وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

۲۹ جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ

تشخیص سبب زہوق روح بعضے اہل حال از سماع و تحقیق اختلاف در مسئلہ سماع

سوال: ایک امر قابل گزارش ہے اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے حضور اور مولانا احمد حسن صاحب مرحوم اور مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی حضرت حاجی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والغفران کے مرید ہیں باوصف اتحاد بیعت حالت علیحدہ علیحدہ نظر آئی حضور کو سماع سے نفرت اور مولانا احمد حسن صاحب کو نہ اقبال اور نہ انکار اور مولانا محمد حسین صاحب مرحوم کو بغیر سماع چین نہ تھا اس میں کیا اسرار تھا اور غالباً وجہ انتقال جناب مولانا محمد حسین صاحب مرحوم حضور نے بھی سماعت فرمائی ہوگی اس واقعہ سے مجوزان سماع کے واسطے ایک بہت بڑا موقع اس کے جواز کا مل گیا اگر براہ کرم تحریر فرمایا جائے کہ ایسا کون قوی سبب ہوا کہ عین حالت سماع میں مولانا صاحب ممدوح ومغفور نے رحلت فرمائی تو باعث تسکین خاطر خاکسار متصور ہو۔

جواب: کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت نہیں کہ کسی حالت پر موت آ جانا اس حالت کے محمود ہونے کی علامت ہے ...... بعض لوگوں کو عین معصیت میں موت آ گئی ہے ...... چنانچہ پانچ چھ سال ہوئے کہ سہارنپور میں ایک بوڑھا آدمی ...... ایک بازاری عورت سے عین مشغولی کی حالت میں مر گیا تھا ...... اور شدت لذت سے اس کی روح فنا ہو گئی تھی ...... اسی طرح سکر شدید کہ منجملہ سمیات ہے ...... قاتل ہے تو اگر کوئی شخص جو غنا و مزامیر کو بدلیل شرعی معصیت کہتا ہے جواب میں بطور احتمال یہ کہے ...... کہ ممکن ہے کہ اس معصیت میں اس وقت لذت ایسی شدید ہوئی ہو ...... یا سکر ایسا قوی ہوا ہو ...... کہ اس سے روح فنا ہو گئی ہو ...... یا تو اس وجہ سے کہ روح فی نفسہ ضعیف تھی جس کا سبب ممکن ہے کہ کوئی بیماری ہو ...... جیسا محل کلام میں اختلاج قلب کا مرض پہلے سے عارض تھا ...... یا یہ کہ سکر ولذت اس سے بھی زیادہ قوی ہو ...... کہ اس کی قوت کے اعتبار سے روح قوی بھی ضعیف ہو گئی ...... کیونکہ

قوت وضعف امور اضافیہ سے ہے..... تو استدلال کرنے والے کے پاس اس احتمال کا کیا جواب ہے..... اس سے کوئی بزرگوار یہ نہ سمجھیں..... کہ یہ احقر مولانا مرحوم کی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے حاشا وکلا یہ صرف جواب ہے اہل غلو کا..... جو ادلہ شرعیہ کے معارضہ میں واقعہ محتملہ سے استدلال کرتے ہیں..... باقی خود احقر کا مشرب اولاً سب کے ساتھ حتی الامکان حسن ظن رکھنا ہے..... خصوصاً ایک عالم اور صاحب سلسلہ کے ساتھ..... پھر خاص کر بعد وفات کے اس لئے میرے نزدیک اس واقعہ کی توجیہ بظن غالب یہ ہے..... (اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) کہ مختلفین فی حکم السماع میں سے مولانا مرحوم کا مذاق یہ تھا..... کہ سماع فی نفسہ اہل کے لئے جائز ہے..... اور آلات میں حرمت لغیرہ ہے..... اور وہ غیر قوت شہوۃ بہیمیہ ہے اور اپنے کو اس قوت کا مغلوب نہ پاتے تھے..... اس لئے تو جائز سمجھتے تھے ..... اور اس جائز کو وجدان مسئلہ وحدت وجودی نے جس کا سبب واللہ اعلم کثرت مطالعہ و استماع اقوال موحدین سے شدت تخیل تھا راجح کر دیا تھا..... کیونکہ سماع کے وقت بوجہ یکسوئی کے اس وجدان میں ایک خاص قوت ولذت ہو جاتی ہے..... یہ سبب ہو گیا تھا اس عمل میں منہمک ہونے کا..... جب ایک مجمع میں کہ وہاں سب مولانا مرحوم کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے..... جو سبب اعظم ہے اجتماع خاطر وانبساط کا اور کوئی سبب انقباض وانتشار کا وہاں نہ تھا ..... وہ مضمون نظم میں پڑھا گیا..... مضمون حسب مذاق نظم دلکش کلام ایک صاحب حال کا پھر معتقد فیہ کا قول خوش آواز..... یہ خصوصیات تو فاعل کی جانب میں کچھ اختلاج کے دوروں سے قلب میں..... ضعف کچھ تقلیل طعام سے روح میں نظافت..... یہ خصوصیات منفعل کی جانب میں نغمات والحان سے کچھ ایسا سمان بندھا کر بے خود ہو گئے..... اور اس بے خودی میں اس مضمون سے مظہر برنگ ظاہر یا یوں کہئے کہ ظاہر برنگ مظہر وجداناً متخیل ہوا..... اور اس تخیل کے جزم اور جانب مقابل کی طرف اصلا التفات نہ ہونے نے..... شوق من المشاہدہ یا شوق الی المشاہدہ کو ایسا غالب اور قوی کر دیا کہ دفعتہً روح نے تن کو چھوڑ دیا۔

سو اس تقریر پر اس واقعہ میں کئی جزو مختلف فیہ ہیں..... مثلاً سماع کے باب میں تحقیق مذکور کا صحیح ہونا..... یا نہ ہونا دوسرے وحدۃ الوجود کے یہ معنی ہونا..... یا نہ ہونا یا خود وحدۃ الوجود کا مطابق واقع کے ہونا یا نہ ہونا..... اور ایک جزو بلا اختلاف قابل نظر ہے..... کہ

خواص کا فعل گو وہ کسی وجہ سے ان کے لئے مباح ہو...... اگر عوام کے لئے موجب مفسدہ ہو جائے...... تو خواص کے لئے بھی واجب الترک ہو جاتا ہے...... لیکن احقر اجزاء تلف فیہا میں خود اختلاف کو اور جز و غیر مختلف فیہ میں...... عدم تعمق یا عدم اطلاع و عدم التفات الی المفاسد کو موجب عذر سمجھتا ہے...... بہر حال صاحب حال سے اگر کوئی امر موہم خلاف صادر ہو...... تو منتہائے حسن ظن یہ ہے کہ خود اس کے فعل میں تاویل مناسب کر کے اس کو قواعد شرعیہ کے تابع بنا دے...... نہ یہ کہ شریعت میں تبدیل کر کے شریعت کو اس کے تابع بنا دے...... یہ جواب ہے سوال ثانی کا...... اور اسی تقریر میں جو ایک قول یہ ہے (مختلفین فی حکم السماع میں الی قولہ منہمک ہونا......) اور دوسرا قول یہ ہے (ایک جز و بلا اختلاف الی قولہ واجب الترک ہو جاتا ہے) ان قولوں سے سوال اول کا جواب بھی نکل آیا...... کہ جو شخص مانع اور خود ممتنع ہے وہ یا تو آلات کو فی نفسہ محرم سمجھتا ہے...... یا اپنے کو قوت بہیمیہ کا مغلوب پاتا ہے...... یا اپنے فعل کو موجب مفسدہ عوام کہتا ہے اور جو شخص نہ انکار کرتا ہے...... نہ اہتمام کرتا ہے...... وہ ان امور کو جائز اور اپنے کو قوت بہیمیہ پر غالب سمجھتا ہوگا...... اور مفاسد عوام کی طرف ملتفت یا ان پر مطلع نہ ہوگا...... یہ وجہ عدم انکار کی ہے اور وجدان مرجح مثل تخیل وحدۃ الوجود...... ونحو ذلک اس پر غالب نہ ہوگا...... یہ وجہ عدم اہتمام کی ہے...... اور انہماک کی وجہ ان اقوال میں مصرحاً مذکور ہے...... رہا یہ شبہ کہ ایک پیر کے مرید ہو کر عمل مختلف کیوں ہے...... سو ایسے امور نہ مریدی کے ارکان ہیں...... نہ شرائط یا لوازم تاکہ اتحاد سلسلہ کے ہوتے ہوئے ان میں اختلاف ہونا موجب شبہ ہو...... یہ اپنا اپنا مذاق اور تحقیق اور نظر ہے...... جس میں خود پیر اور مرید کا باہم دگر مختلف ہونا بھی محل استعجاب نہیں...... فقط واللہ اعلم۔ ۲۳۔

معنی ذکر و فکر و تصور شیخ و رابطہ و فنا و ثمرات آنہا

سوال: خاندان نقشبندیہ میں...... (۱) جو اول ذکر فکر کے ساتھ بتایا جاتا ہے...... اور (۲) تصور شیخ اور پھر (۳) رابطہ اور (۴) فنا اور پھر (۵) گم شدنی اس کی تفصیل کی

مجھے خاص ضرورت ہے...... جس سے میں ہر ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لوں...... اور پھر ان سے کیا کیا نفع مرتب ہوتے ہیں۔

جواب: یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا...... البتہ جو ذکر اول بتایا جاتا ہے...... وہ اسم ذات ہے...... لیکن اس قید کے ساتھ جو سوال کیا گیا ہے کہ فکر کے ساتھ اس کی تحقیق نہیں...... اور یوں ہر ذکر کے ساتھ فکر واحضار قلب ضروری ہے...... البتہ متاخرین مشائخ نے اسم ذات کے ساتھ ہی شغل لطائف کا معمول رکھا ہے...... متقدمین کے یہاں یہ طریقہ نہ تھا...... یہ تو اس کی حقیقت ہے...... باقی نفع ذکر کا ظاہر ہے بلکہ تمام تر منافع اسی کے ثمرات ہیں...... جس میں اصل نفع وہ ہے جو قرآن مجید میں موعود ہے...... فاذکرونی اذکرکم الآیۃ۔

نمبر۲ و نمبر۳۔ تصور شیخ کا مفہوم عام ہے...... رابطہ۔ کے مفہوم سے کیونکہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے...... جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر...... اور خیال کو سادھ کر دیکھا جاتا ہے فیفرض کانہ حاضر ناظر لکن تصور افقط لا اعتقادا فانہ شرک والذی یمنع منہ العوام وھذا ھو المراد فی کلام بعض الاکابر حیث ادخل ھذا فی عموم قولہ تعالٰی ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون یہ تو حقیقت ہے اس کی...... اور فائدہ اس کا شغف ہے...... شیخ کے ساتھ...... جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے...... چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے...... اس لئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں...... لکن لما کان ضررہ للعوام اکثر من ھذا النفع المذکور لم یعتبر ھذا النفع فی منعھم منہ اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں...... بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے...... جو لغۃً مفہوم ہوتی ہے محل اس کا وہ وقت ہے...... کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو...... اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں...... تو منتہی اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے کرتا ہے...... اور متوسط زیادت توجہ الی الذکر سے...... کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جائے گی...... حسب قاعدہ فلسفیہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد...... دوسری طرف نہ رہے گی...... اور مبتدی چونکہ غائب...... یعنی مذکور کی طرف

زیادت توجہ کا خوگر نہیں...... اور ذکر گو امر حسی مشاہد و مسموع ہے...... اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں...... اس لئے وہ جمتا نہیں اس سبب سے اس کے لئے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے...... کہ وہ محسوس بھی ہے...... اور محبوب بھی ہے...... اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے...... اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہو جاتے ہیں...... مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جماتے...... کہ اشتغال بغیر المقصود مخل اشتغال بالمقصود ہے...... اور اس تقریر سے حقیقت کے ساتھ ان دونوں کا نفع بھی معلوم ہو گیا۔

نمبر ۴ نمبر ۵۔ یہ دونوں لفظ بھی متقارب المعنی ہیں...... صرف عموم و خصوص ہی کا فرق ہے...... فنا عام ہے گم شدن خاص کیونکہ فنا دو قسم ہے فنائے واقعی اور فنائے علمی...... فنائے واقعی یہ کہ افعال ذمیمہ ملکات ردیہ زائل ہو جائیں...... مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جائیں...... قلب سے حب غیر اللہ حرص و طول امل و کبر و عجب و ریا وغیرہ سب نکل جائیں...... اس کو فنائے واقعی اس لئے کہتے ہیں...... کہ اس میں جو چیز زائل ہوئی ہے...... یعنی افعال و ملکات ردیہ وہ واقع میں بھی فنا ہو گئے...... بخلاف دوسری قسم کے جیسا عنقریب آتا ہے...... اور اس کو بعضے اصطلاحاً فنائے حسی بعضے فنائے جسمی بھی کہتے ہیں...... اور فنائے علمی یہ کہ غیر اللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا...... یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا...... بایں معنی کہ جیسا التفات و استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا...... بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہو گیا...... اور غیر سے ذہول ہو گیا...... جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے...... کہ محبوب دل میں زیادہ بسا رہتا ہے...... غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے...... ورنہ گنجائش نہیں ہوتی...... پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں...... حتیٰ کہ کسی کو استغراق محض ہو جاتا ہے...... کسی پر سکر غالب ہوتا ہے کوئی مجذوب محض ہو جاتا ہے...... کوئی پھر بعض احوال کی تکمیل کے لئے یا دوسروں کی تکمیل کے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے...... مگر ابتداء کے علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کماً و کیفاً و غایتاً مختلف ہوتا ہے اس حالت کو بقاء کہتے ہیں...... جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنا کے وقت فانی کے اضداد کے حصول کا نام بقاء ہے...... اس قسم ثانی کو فنا علمی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو

چیز اس کے تعلق علمی سے خارج ہوگئی...... وہ واقع میں فانی ومعدوم نہیں ہوئی...... مثلاً ہم کو زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں زید معدوم تو نہیں ہوا...... فنا کی اس دوسری قسم کا نام گم شدنی ہے...... پس مطلق فنا مقسم اور عام ہے...... اور گم شدنی اس کی ایک قسم اور خاص ہے...... فائدہ قسم اول کا ظاہر ہے کہ ترک ہے مضرات شرعیہ کا جس کو تقویٰ کہنا چاہئے...... اور قسم ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیاء بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہو جاتا ہے...... پس اسباب بعیدہ سے بچنا کمال ہے تقویٰ کا...... التماس میں نے کسی خاص جگہ سے نقل نہیں کیا...... بلکہ کچھ کتابی نظر سے کچھ صحبت شیخ سے کچھ ذوق سے لکھ دیا ہے...... شاید کسی جگہ اس سے کافی تر مل جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ ہجری۔

حل بعضے اشعار مثنوی

سوال: اشعار ذیل کا مطلب تحریر فرمایا جائے۔

جملہ قرآن ست در قطع سبب	عز درویش وہلاک بولہب
ہمچنیں زآغاز قران تاتمام	رفض اسباب است وعلت والسلام

جواب: اولاً باید دانست کہ مراد در اشعار مسئول عنہا رفض وقطع اسباب مطلقاً نیست وچگونہ آنصورت می توان بست ہرگاہ خود در قرآن امر ببعض اسباب وارد شدہ کقولہ تعالیٰ فی الاسباب الاخرویۃ اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وبرین اعمال مسببش رامرتب فرمودہ یدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار وغیر ذلک من الآیات وفی الاسباب الدینویۃ ولیاخذوا اسلحتھم ودرعلتش فرمودود الذین کفروا لوتغفلون الخ کہ مشعراست بودن اخذ سلاح سبب حفظ ازحملۂ اعداء چنانچہ ظاہراست بلکہ مراد اسبابے ست کہ مزاحم ومعارض مشیت یارضائے الٰہی باشد ہرگاہ این مقدمہ ممہد شد پس معنی اشعار ہویدا است کہ مقصود افادہ این امراست کہ اے ظاہر پرست تو بر اسباب طبعیہ وتدابیر تراشیدہ خیلے اعتماد داری نمی بنی کہ ابولہب چہا تدابیر وسامان در اضرار وکسر شوکت درویشان ومساکین اہل اسلام کہ فراہم نیاوردہ وخود چہ قدر اسباب از اموال وحشم میداشت لیکن چون تدبیرش خلاف مشیت حق بود چگونہ معاملہ منقلب شد وآن مشتے چند مساکین روئے

زمین رادر گرفتند واین ابولہب درخاک وخون غلطید پس بہ ہوش باش تاہر گز بررائے وتدبیر خود بمقابلہ مشیت ایزدی نظر نکنی وہمہ کار از تقیر وقطمیر خود مفوض بقادر مطلق کن آرے تدبیرے کہ ماذون فیہ یا ماموربہ در شرع باشد چون آن معارضہ برضاء یقیناً ندارد ومعارضہ بمشیت غیر معلوم اگر این تدبیر را اختیار کنی برتو ملامت نرود اگر ماموربہ باشد برتو واجب است باز اگر مصلحت در علم قدیم اتمامش باشد خود تمام خواہند فرمود واگر مصلحت در عدم اتمامش باشد تمام نخواہد شد وترا درین صورة ہم منافع گونا گون ظاہری و باطنی بدست خواہد آمد فالتدبیر تدبیران محمود و مذموم فالمنفی ہوالثانی والمثبت ہوالاول فاتضح الحق فقط ۱۴۔ رمضان ۱۳۲۲ ہجری۔

فرق درمیان دعوے وتحدث بالنعمة

سوال۔ زید کہتا ہے کہ انا خیر منہ مطلقاً تکبر نہیں ہے ...... نمازی کو اس نیت سے اپنے کو بہتر سمجھنا ...... اور بے نمازی کو ترجیح دینا کہ یہ نماز کی توفیق نعمت خداوندی ہے ...... جو مجھے دی گئی ہے ...... اور اس شخص سے روکی گئی ہے ...... مبغوض تر کیا ہو محمود بلکہ مقصود و ماموربہ ہے ...... غرض کسی نعمت پر نعمت من اللہ سمجھ کر اپنا اس شخص سے بہتر سمجھنا ...... جو اس نعمت سے محروم ہے تکبر نہیں ہے ...... البتہ اس سے قطع نظر کر کے یا نماز کو اپنا فعل ذاتی اور کارگزاری سمجھ کر ...... دوسرے سے بہتر سمجھنا تکبر ہے ...... بلکہ دوسرے کی جانب نسبت نہ بھی ہو تب بھی مذموم ومنہی عنہ ہے ...... جس کا نام عجب وخودستائی ہے ...... یہ صحیح ہے یا غلط۔

جواب۔ زید نے جو تفصیل کی ہے صحیح ہے ...... لیکن جبکہ صرف مرتبہ عنوان میں نہ ہو ...... بلکہ معنون کا مرتبہ بھی اس کو حاصل ہو ...... جس میں اکثر دھوکہ ہوجاتا ...... بالخصوص مبتدیوں کو اس کی باطنی پہچان جو وجدان سے معلوم ہوسکتی ہے ...... یہ ہے کہ اگر اسکے قلب میں اپنے دوسرے عیوب سے ذہول اور خود اس کمال کے زوال سے بے فکر ہے ...... اور دوسرے کے کمالات سے بھی ذہول ...... اور اسمیں اس کمال کے پیدا ہوجانے سے بے التفاتی اور اپنے اس طاعة کے عدم قبول کے احتمال سے اور اس کی معصیت کے عفو کے احتمال سے بے فکری ہو ...... تو مرتبہ معنون کا حاصل نہیں ہے ...... اور اگر سب امور پیش نظر ہوں ...... اور لرزان ترسان ہو تو معنون حاصل ہے فقط واللہ اعلم۔

تذکیرِ موت[1] از رسالہ فروع الایمان

ضمیمہ مفیدہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر واذکر ھاذم اللذات یعنی الموت رواہ الترمذی۔ چونکہ تکمیل ایمان کی اعمال صالحہ واخلاق فاضلہ سے ہوتی ہے...... اور تحصیل ان اعمال واخلاق کو بوجہ نسیان آخرت وحب دنیا کے دشوار ہورہی ہے...... اس لئے اس مرض کا علاج حدیث مذکور میں یہ فرمایا گیا کہ تم موت کو زیادہ یاد کیا کرو...... اس سے سب کام بن جاتے ہیں...... اور ظاہر ہے کہ موت کی یاد وہی ہے کہ اس کے سب اگلے پچھلے حالات متعلقہ پیش نظر کئے جائیں...... اس لئے اس مضمون کا ایک قصیدہ سلیس حضرت شیخ سعدیؒ کے کلام سے نقل کرتے ہیں...... کہ اس کو گاہ گاہ مطالعہ کرکے سفر آخرت میں چست وچالاک ہوں۔

---

[1] یہ مضمون اس لئے نقل کیا گیا ہے...... کہ گاہ گاہ اس کو پڑھ لینے سے موت نصب العین رہے گی...... جو علاج ہے حب دنیا کا۔ ۱۲ منہ

قصیدہ

روزے کہ زیر خاک تن ما نہان شود
آنہا کہ کردہ ایم یکا یک عیان شود

یارب بہ فضل خویش بہ بخشائے بندہ را
آن دم کہ عازم سفر آن جہان شود

بیچارہ آدمی کہ اگر خود ہزار سال
مہلت بیابداز از اجل و کامران شود

ہم عاقبت چونوبت رفتن بدو رسد
باصد ہزار حسرت ازینجا روان شود

فریا دازان زمان کہ تن نازنین ما
بربستر ہو ان فتدونا تو ان شود

اصحاب راچو واقعۂ ماخبر کنند
ہر دم کسے برسم عیادت روان شود

وانکس کہ مشفق ست دلش مہربان ماست
درجستن دوابہر این و آن شود

وانگہ کہ چشم بر رخ ما افگند طبیب
در حال ماچوفکر کند بد گمان شود

گوید فلان شراب طلب کن کہ سودتست
مارا بدان امید بسے در زیان شود

شاید کہ یک دو روز دگر ماند عمر ما
وان یک دو روز برسر سود وزیان شود

یاران و دوستان ہمہ در فکر عافیت
کاحوال برچگونۂ وحال ازچسان شود

تا آن زمان کہ چہرہ بگردد ز حال خویش
وان رنگ ارغوانی ماز عفران شود

وان رنج در وجود بنوعے اثر کند
کز لاغری بسان یکے ریسمان شود

در ورطۂ ہلاک فتد کشتی وجود
نیز از عمل بماندوبے بادبان شود

آمد شد ملائکہ در وقت قبض روح
چون بنگریم دیدۂ ماخون فشان شود

بایدکہ درچشیدن آن جام زہرناک
شیرینی شہادت ما در زبان شود

یارب مدد بہ بخش کہ مارادران زمان
قول زبان موافق قول جنان شود

ایمان ماز غارت شیطان نگاہدار
تا از عذاب و خشم تو جان دراماں شود

فی الجملہ روح وجسم زہم مفترق شوند
مرغ از قفس برآید ودرآشیان شود

جان ار بود پلید شود در زمین فرو — در پاک باشد او زبر آسمان شود
آوازہ درسرائے بیفتد کہ خواجہ مُرد — وزبم وزیر خانہ پر آہ وفغان شود
ازیک طرف غلام بگیرید بہائے ہائے — وزیک طرف کنیز بزاری کنان شود
دریتیم گوہر یک دانہ راز اشک — جزع دودیدہ پر زعقیق یمان شود
تابوت وپنبہٴ وکفن آرند ومردہ شوے — اوراد و ذکر آن زکران تا کران شود
آرند نعش تا بلب گور وہر کہ ہست — بعد از نماز باز سر خان و مان شود
ہرکس رود بہ مصلحت خویش وجسم ما — محبوس ومستمند دران خاکدان شود
پس منکر ونکیر بہ پرسند حال ما — دین جملہ حکمہازپئے امتحان شود
گرکردہ ایم خیرونماز وخلاف نفس — آن خاکدان تیرہ بما گلستان شود
درجرم ومعصیت بودوفسق کار ما — آتش دروفتد بہ لحد ہم دخان شود
یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم وبیش صبح وشام — با گریہ دوست ہمدم وہمداستان شود
حلواسہ چار صحن شب جمعہ چند بار — بہر ریا بخانہٴ ہرگور خان شود
وان ہمسر عزیز کہ از عدہ دست داشت — خواہد کہ بازبستہٴ عقد نسلان شود
میراث گیر کم خرد آید بہ جستجوے — بس گفتگوے برسر باغ و دکان شود
نامی زما بماندو اجزاے ماتمام — درزیر خاک باغم وحسرت نہان شود
وانگہ چند سال برین حال بگذرد — آن نام نیز گم شود بے نشان شود
وان صورت لطیف شود جملہ زیرخاک — وان جسم زور مند کفے استخوان شود
از خاک گور خانہٴ ماخشت ہا پزند — وان خاک وخشت دستکش گل گران شود
دوران روزگار بما بگذرد بسے — گاہے شود بہار و دگرکہ خزان شود
تاروز ، رستخیز کہ اصناف خلق را — تنہا زبہر عرض قرین روان شود
حکم خداے عزوجل کائنات را — درفصل ہر فصیلہ بہ کلی روان شود
از گفتن وشنیدن واز کردہائے بد — در موقف محاسبہ یکیک عیان شود
میزان عدل نصب کنند از براے خلق — یک سرسبک برآید ویک سرگران شود
ہرکس نگہ کند بہ بدونیک خویشتن — انجا یکے غمین ویکے شادمان شود

بندند باز برسر دوزخ پل صراط
ہر کس ازو گشت مقیم جنان شود

وانکس کہ از صراط بہ لرزید پائے او
در خواری و عذاب ابد جاودان شود

اشرار راحرارت دو رخ کند قبول
وابرار را عنایت حق سائبان شود

بس روے ہمچو ماہ زخجلت شود سیاہ
بس قدہمچو تیر زہیبت کمان شود

بس شخص بینوا کہ ورا از علو قدر
عشرت سرائے جنت اعلیٰ مکان شود

بس پیر مستمند کہ درگلشن مراد
بوے بہشت بشنود و نوجوان شود

مسکین اسیر نفس وہوا کاندران مقام
باصد ہزار غصہ قرین ہوان شود

برگے کہ از برائے مطیعان کشد خدائے
عاصی چگونہ برسر آن برگ خوان شود

خرم دلے کہ درحرم آباد امن وعیش
حق رابخوان لطف وکرم میہمان شود

این کار دولت است نداند کے یقین
سعدی یقین بجت خلدت چسان شود

فائدہ: حصہ سوم تکشف کے اخیر میں جو رسالہ حقیقت الطریقۃ لگا ہے ...... ہر چند کہ باعتبار علو مضامین کے اس کا مطالعہ اہل استعداد کے لئے تجویز کیا گیا ہے ...... لیکن چونکہ احادیث کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے ...... اور خود ان احادیث کے مضامین میں بوجہ ان کے مجتہد فیہ نہ ہونے کے کچھ زیادہ غموض نہیں ہے ...... اس لئے اگر متوسط الاستعداد والے بھی جن کے لئے یہ حصہ دوم لکھا گیا ہے ...... اس کا مطالعہ کر لیں تو امید نفع کی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ فقط۔

فائدہ متعلقہ اشعار تذکیر موت
کہ عنقریب بالا گذشت از شوق وطن

وہ اشعار تو ترہیب عن الموت کے لئے تھے اور ذیل کے اشعار[1] ترغیب و تشویق موت کیلئے ہیں۔

قال العارف الشیرازیؒ

خورم آن روز کزین منزل ویران بروم	راحت جان طلبم واز پئے جانان بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر این غم روزے	تا در میکدہ شادان وغزل خوان بروم

قال العارف الجامیؒ

دلاتا کے درین کاخ مجازی	کنی مانند طفلان خاکبازی
توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چرازان آشیان بیگانہ گشتی	چودونان چغدایں ویرانہ گشتی
بیفشان بال و پرز آمیزش خاک	پرتا کنگرہ ایوان افلاک

قال العارف الرومیؒ

گر بریز دخون من آن دوست زو	پائے کوبان جان برافشانم برو
آز مودم مرگ من درزندگی است	چون رہم زین زندگی پایندگی است
اقتلونی اقتلونی یا ثقات	ان فی قتلی حیوۃ فی حیات

[1] ان اشعار کے پڑھنے سے حب آخرت وشوق لقاء حق کا اشتعال ہوگا۔۱۲ منہ

یا منیر الخدیا روح البقا	اجتذب قلبی وجدلی باللقاء
لی حبیب حبہ یشوی الحشا	لویشا یمشی علی عینی مشا
اقتلونی یا ثقاتی لائما	ان فی قتلی حیوتی دائما
ان فی موتی حیوتی یافتے	کم افارق موطنی حتی متے
فرقتی لو لم تکن فی ذاالسکون	لم یقل انا الیہ راجعون
اے مسافر بامسافر راے زن	زانکہ پایت لنگ داردرائے زن رائے رخندہ
از دم حب الوطن بگذر مایست	کہ وطن آنسوست جان این سوی نیست
گر وطن خواہی گذر زان سوی شط	این حدیث راست راکم خوان غلط
معنی حب الوطن آمد درست	تو وطن بشناس ایخواجہ نخست

تمام شد حصہ دوم تکشف

حصہ سوم از مجموعہ تکشف

برائے ذی استعدادِ اہل علم
قصد[1] السبیل تمام.... تلخیص[2] البدایہ

ملخص الانوار والتجلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبعد فہذا تلخیص رسالتی انوار الوجود+ فی اطوار الشہود+ والتجلی العظیم فی احسن تقویم+ ولا جلہ اشتمل علی جزئین۔

الجزء الاول فی مسئلۃ التنز لات الستۃ

اعلم ان مرتبة الاحدية + من الحضرة الصمدية + تسمى بالذات البحت واللاتعين والباطن ومجهول النعت والصفات+ والغيب المطلق ومقطوع (وتسمى ايضاباسماء اخر كالوجود المطلق وغيب الغيب و مجهول الكفية والذات المكلفه والذات الساراذج ۱۲ منه) الاشارات+ ومرتبة الوحدة هى اول مراتب الظهور لمن له المجد وحده+ وهى بدء التعينات + واول التنزلات + واعلم ان معنى اطلاق الذات ولاتعينها + ثم تنزلها وتقيدها + ليس مايفهم من ظاهر هذه الكلمات + كيف وهو تعالے متعين بالذات + ومنزه عن التغيرات + بل معنى التنزل فى الاصطلاح ظهور الشىء مع بقاء ذاته وصفاته الاولىٰ + فى مرتبته اخرى + وراوفه التعين والتجلى + والتقيد

---

[1] اس کے بعد وہ مضمون مطالعہ کیا جائے جو حصہ اول میں قصد السبیل کے نام کے بعد بعنوان تذییل قصد السبیل لکھا گیا ہے۔ [2] یہ رسالہ مجموعہ تلخیصات عشر میں چھپا ہے۔ ۱۲ منہ

والتدلی + وهذا هو المعنی بالبعدوالفراق + الذی یترنم به اهل الاشواق + الذی محصله غلبة احکام مابه الامتیاز والافتراق + علی مابه الاتحاد والاتفاق + کالاشخاص والظلال + والاعیان والمثال + ولا دلیل علی استحالة هذا المعنی فی ذات الحق + والوجود المطلق + ومعنی الاطلاق اطلاقه عن مثل هذه التعینات لا عن التعین الذی هو عین الذات + فافهم حتی لاتقع فی الزلات + ولا تهجر بالمفوات + ومرتبة الواحدیة + هو تنزل ثان لمستحق الماجدیة+ ویقال لهذه المراتب الثلثة المراتب الآلیة + لانها مندرجة ومند مجة فی الذات الغیر المتناهیة + ولم تشم رائحة من التباین العینی + وان حصل بینها الامتیاز العلمی + علی خلاف المراتب الثلثة الکونیة والمرتبة الجامعة فانها مبائنه عن الذات وان کانت العینیة فیها لامعة + واعلم ان التقدم والتاخر ذاتی فیما بین هذه المراتب + لئلا یلزم الخلوعن الکمالات بالفعل لذات الواجب + سبحانه و تعالےٰ عما یقولون علوا کبیرا + والاربعة الاخیرة التی ظهور ها عیانی + التقدم والتاخر فیما بینها زمانی + واما فیما بین الثلثة والاربعة فلوا عتبرفی الترتب الزمانی وجود السابق + فی زمان لایوجد فیه اللاحق + واعتبر الزمان موجودا محققا + فلیس بینها ترتب زمانی مطلقا + وان وسع فی الزمان مفهوما + او قدرمو هوما + فالترتب بینها بالزمان + والترتب بالذات محفوظ فی کل اوان + واما الروح + فهو تنزل ثالث للقدوس السبوح + وعالم المثال + هو تنزل رابع لحضرة الجلال + وعالم الاجسام + هو تنزل خامس لحضرة الاکرام + والانسان هو سادس التنزلات = لذات الحق + فهو مظهر اتم للوجود المطلق + وهذا هو المعنی الصحیح عند المحققین + لحدیث خیر المرسلین ان الله خلق آدم علی صورته + ومن هنا قیل من عرف نفسه فقد عرف ربه + والعلم بهذه المسئلة یسمی عند الصوفیة الخیار + بعلم الوحدة وحقائق الاسرار + والی هذا اشار العارف الرومی فی مفتح المثنوی المعنوی ؎

بشنو از نی چون حکایت میکند	وز جدائیہا شکایت میکند
کز نیستان تامرا ببریده اند	از نفیرم مرد وزن نالیده اند

وفسر هذا الاشعار + المولوی الجامی بشرح لم یات احد با حسن منه عند اولی الابصار + ولنسمعک بعضها ؎

جہدا روز یکہ پیش از روز و شب	فارغ از اندوہ و آزاد از طلب
متحد بودیم با شاہ وجود	حکم غیریت بکلی محو بود
بود اعیان جہان بے چند و چون	ز امتیاز علمی و عینی مصون
نے بلوح علم شان نقش ثبوت	نے ز فیض خوان ہستی خوردہ قوت
نے ز حق ممتاز و نے از یکدگر	غرق در دریائے وحدت سربسر
ناگہان در جنبش آمد بحر جود	جملہ را درخود زخود باخود نمود
امتیاز علمی آمد درمیان	بے نشانے رانشانہا شدعیان
واجب و ممکن زہم ممتازشد	رسم و آئین دوئی آغاز شد
بعدازان یک موج دیگر زد محیط	سوئے ساحل آمد ارواح بسیط
موج دیگر زد پدید آمدازان	برزخ جامع میان جسم و جان
پیش آن کز زمرہ اہل حق است	نام آن برزخ مثال مطلق است
موج دیگر باز در کار آمدہ	جسم و جانہا ز و پدیدار آمدہ
جسم ہم گشت است طور ابعد طور	تا بنوع آخرش آفتادہ دور
نوع آخر آدم است و آدمی	گشتہ محروم از مقام محرمی
برمراتب سربسر کردہ عبور	پایہ پایہ ز اصل خود افتاد دور
گر نگردد بار مسکین زین سفر	نیست ازوے ہیچکس مہجور تر
نے کہ آغاز حکایت میکند	زین جدائیہا شکایت میکند
کز نیستانے کہ در وے بر عدم	رنگ وحدت داشت دریائے قدم
تابہ تیغ فرقتم ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
نیست مرد اسمائے خلاق ودود	کان بود فاعل در اطوار وجود
نیست زن اعیان جملہ ممکنات	منفعل گشتہ ز اسماء صفات
چون ہمہ اسما واعیان بقصور	دارد اندر رتبہ انسان ظہور
جملہ را در ضمن انسان نالہ ہاست	کہ چرا ہر یک ز اصل خود جداست

این بود آتشے مرد و زن	شد گریبان گیر شان حب الوطن

وتری ان نریک صورۃ ترتیب المراتب + لینتقش ماذکرنا علی لوح ذھنک الثاقب.

وہذہ صورۃ ترتیب المراتب مع بعض الاصطلاحات

مرتبہ اول	مرتبہ ثانیہ	مرتبہ ثالثہ	مرتبہ رابعہ	مرتبہ خامسہ	مرتبہ سادسہ	مرتبہ سابعہ
ذات	تنزل اول	تنزل ثانی	تنزل ثالث	تنزل رابع	تنزل خامس	تنزل سادس
احدیۃ	وحدۃ	واحدیۃ	روح	مثال	جسم	انسان
باطن	حقیقت محمدیہ	اعیان ثابتہ	×	×	×	×
مراتب الٰہیہ		مراتب کونیہ				مراتب جامعہ
	حضرات خمسہ					
	ظہور علمی .... ظہور عینی					
	تنزلات ستہ					

وهذه المسئلة مسئلة واحدة من الفن فی بادی النظر + لكن بعد الامعان جميع الفن فيه مستتر + لان امهات مسائل الفن عند القوم احد عشر + وساتلو عليک ساميها وانها كيف اندرجت فيها فخذبالمختصر + وان شئت التفصيل القولی فعليک باالكتب المستطر + وان اشتقت الی شرح الصدر فعليک بخدمة اهل الحق فانه فيها انحصر + والمسائل هذه (۱) التنزلات الستة معرفة (۲) النفس معرفة (۳) الحق وحدة (۴) الوجود (۵) العينية والغيرية (۶) القرب (۷) والوصال المعية (۸) اندراج الشیء فی الشیء (۹) تجدد الامثال (۱۰) القضاء والقدر (۱۱) ماهية الروح اما الاولی فهو المقصود بالبحث والتقول + واما الثانية والثالثة فاندراجهما ظاهر لايحتاج الی تامل + واما الرابعة فلانه لما انكشف ان العالم كله ظهور لوجود الحق سبحانه + ثبت ان الوجود الحقيقی له وحده ما اعظم شانه + واما الخامسة فلانه اذا قطع النظر عن التعينات فالكل عين + واذا اعتبرت ففيه غيرية وبين + ولاتنس ان العينية والغيرية اصطلاحيتان لالغويتان + فلا تلحد ولا تزندق ولا الشيطان + واما السادسة والسابعة فتمقاربتان وای

مرتبة منهما اكثر من الوحدة التى قام عليها البرهان + واما الثامنة فلان العالم لما كان ظهور الحضرة الذات والصفات + والصفات لاشک فی اندراجها فی الذات + فحقيقة الاندراج باقية فی هذاه التنزلات + والعالم هی العلوم التی كانت فی الاعيان الثابتات + واما التاسعة فلان العالم لما كان ظهور اللاسماء والصفات وظاهران تعطلمامن المستحيلات + فلابدان يفعل كل اسم فی هذه الممكنات + فكان القول تجدد الامثال من الواجبات واما العاشرة فلان حقيقة العالم لنا كانت هی الاعيان الثآبتة القابلة للتجليات + والتجلی يكون علی حسب استعداد المنفعلات + ولا بخل من المبدء الفياض علی الكائنات + كما قيل ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست	در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

وقال آخر ؎

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام	فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

فاعطی كل شیء ما سأله بلسان استعداده + من كفره وايمانه وصلاحه وفساده + قال تعالی وآتاكم من كل ماسألتموه الاية فالرزية كل الرزية نقصان استعدادنا + ولا اعتراض علی كريمنا وجوادنا + اما الحادية عشر فترجع الی الثانية + والرسالة لعنان البيان الی التتميم ثانته.

الجزء الثانی فی جامعية الانسان

اعلم ان الانسان + جامع الاسماء والاعيان + وبيان هذه الجامعية علی وجه التفصيل + خارج عن طوق البشر واحاطة القال والقيل + لان الاسماء الآلٰهية غير متناهية بالفعل وتخرج عن العد + والاعيان لاتتناهی بمعنی انها لاتقف عند حد + والعلم الانسانی المتناهی + كيف يمكن احاطته بغير المتناهی + قال الله تعالی قل لوكان البحر مدادالكلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربی ولو جئنا بمثله مددا + وقال تعالی ولو ان مافی الارض من شجرة اقلام والبحر يمده من بعده سبعة ابحر مانفدت كلمت الله ان الله عزيز حكيم. نعم يمكن بيانه بالاجمال اونبذ من التفصيل + وانه لابد من تمهيد مقدمة قبل هذا المقصود الجليل.

مقدمة اعلم ان حقائق الاعيان الكونية + هی الاسماء الآلٰهية + وتلک الاعيان مظاهر لهذه الاسماء + وهی تفوت الحصر والا نتهاء + لان الاسماء

بجذاء الكمالات + والكمالات الالٰهية من غير المتناهيات + الا ان الاصول هذه الاسماء تسعة وتسعون اسماء من احصاها دخل الجنة حتما + واصول هذه الاسماء التسعة والتسعين اسماء ثمانية وعشرون + التى هى مربيات للاكوان الكلية الشاملة لجميع الجزنيات مما كانت فى الوجود او تكون + واصول هذه الاسماء الثمانية والعشرين هى الصفات السبع + الحيوٰة والعلم والقدرة والارادة والكلام والبصر والسمع + اذا تمهدت المقدمة فالتقرير الاجمالى للجامعية ان الحق فا لاكرام والجلال + جعل الانسان مظهر الهذه الصفات السبع على وجه الكمال + واشير اليه اجمالا فى قوله عليه السلام ان الله خلق آدم على صورته وتفصيلا فى حكايته عليه السلام عن الله تعالٰے بى يسمع وبى يبصر الحديث ومن ثم ظهر غلط من حكم على الانسان بانه هو الله الحق + نعم يصح له ان يقال انه صورته اى ظهوره المطلق + فاذا كان الانسان جامعا لهذه الصفات + كان بالضرورة جامعا الجميع الاسماء والكونيات + اذهى فروع لهذه الصفات بلاواسطة اوبالواسطة + والمتبوع يستلزم التابع لما يكون بينهما من الرابطة + وان اشتهيت شيئا من التقرير المفصل + فاعلم ان ارباب الاكوان الكلية الثمانية والعشرين هى الاسماء الثمانية والعشرون كما سيتضح من هذا الجدول + فتجلى هذه الاسماء فى الانسان + كما علم اجمالا فيما مرمن البيان + وسيعلم تفصيلا عما قليل من الزمان + مستلزم لوجود جميع المربوبات الكلية + فى البنية المبشرية + والكليات لاتوجد الا فى ضمن الجزئيات + فلزم وجود الاسماء والاكوان جزئيا جزئيا فى اشرف المخلوقات + والجدول الموعود هذا الذى يستطر + مستخر جامن الفتوحات المكية للشيخ الاكبر +

عدد	اسم الٰہی	اسم عین	اسم حرف	منزل قمر	......	یوم
۱	بدیع	عقل اول	ء	شرطین	......	......
۲	باعث	لوح محفوظ	ہ	بطین (کذیر ۱۲)	......	......
۳	باطن	طبیعت	ع	ثریا	......	......
۴	آخر	جوہر ہبا	ح	وبران (محرکہ ۱۲)	......	......
۵	ظاہر	جسم کل	غ	ہقعۃ	......	......

۶	حکیم	شکل	خ	ہنعہ		
۷	محیط	عرش	ق	ذراع		
۸	شکور	کرسی	ک	نثرۃ		
۹	غنی الدہر	فلک اطلس	ج	طرف		
۱۰	مقدر	فلک منازل	ش	جبہۃ الاسد		
۱۱	رب	سماء اولی	ی	خراتان (زبرۃ ۱۲)		سبت
۱۲	علیم	سماء ثانیہ	ض	صرفہ		خمیس
۱۳	قاہر	ثالثہ	ل	عوا	ثلاثا	
۱۴	نور	رابعہ	ن	سماک اعزل	احد	
۱۵	مصور	خامسہ	ر	غفر	جمعہ	
۱۶	محصی	سادسہ	ط	زبانیا العقرب	اربع	
۱۷	مبین	سماء دنیا	ر	اکلیل	اثنین	
۱۸	قابض	کرۂ نار	ت	قلب الاسد		
۱۹	حی	کرۂ ہوا	ز	شولۃ		
۲۰	محی	کرہ ماء	س	نعائم		
۲۱	ممیت	کرہ ارض	ص	بلدۃ		
۲۲	عزیز	معادن	ظ	سعد الذابح		
۲۳	رزاق	نباتات	ث	سعد بلع		
۲۴	مذل	حیوان	ذ	سعد السعود		
۲۵	قوی	ملائکہ	ف	سعد الاخبیۃ		
۲۶	لطیف	جن	ب	مقدم والے		

۲۷	جامع[1]	انسان	م	فرع موخر	......	......
۲۸	رفیع الدرجات	تعیین[2] مراتب	و	رشاة	.....	

ولوارت تفصيلا ازيد منه فاسمع نبين لک تجلى الاسماء التسعة والتسعين وبعض الكونيات الجزية العظيمة فى الانسان ولنقدم الاسماء على الاكوان + اعلم ان تجلى الاسماء على قسمين تكويني وتشريعى + وان شئت سميتهما بالتعلقى والتحلقى + ومعناهما سياتی + ولما كان التجلى التكوينى ارفع من العقول المتوسطة طوينا الكشح عن اظهار سره + واقتصرنا على بيان التجلى التشريعى وذكره + ولنذكر مع كل اسم طريق تجليه + ولنسموه بلفظ الفيض فتفكر فيه + وهذا ماخوذ من كلام الشيخ عبدالحق المحدث الدهلوى + فى شرح حديث رواه الامام الترمذى + عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تسعة وتسعين اسما من احصاها دخل الجنة . هوالله الذى لا اله الا هو فالله علم للذات المستجمع لجميع الصفات والكمالات فيضه ان لايشاهد غير المسمى ولا يثبت له الوجود الرحمن الرحيم فيضهما ان يرحم عباد الله سيما المحاديج والمساكين منهم الملك فيضه ان يكون حاكما على نفسه وقلبه القدوس فيضه ان يتقدس مما سواه السلام فيضه ان يسلم من الذنوب والذمائم المؤمن فيضه ان يؤمن الناس من لسانه ويده المهيمن فيضه ان يحفظ ظاهره وباطنه من المعاصى والاوصاف الذميمة العزيز فيضه ان يغلب على نفسه ولا يذل بالطمع من اهل الدنيا الجبار فيضه ان يجبر نقائصه بتحصيل الكمالات المتكبر فيضه ان يحقر الدنيا وما فيها الخالق البارى المصور فيضهما ان يحصل فى نفسه الكمالات والعلوم الغفار فيضه ان يصفح عن زلات الناس القهار فيضه ان يقهرا عداء الدين من النفس والشياطين الوهاب فيضه ان يبذل بنفسه وماله فى الله الرزاق فيضه ان ينفق على عياله ويفيض على الطالبين من المعارف الفتاح فيضه ان لا يغلق باب العلم والنفع ويقضى بين الخصماء العليم فيضه ان يتعلم ماينفعه القابض الباسط فيضهما ان يضيق على نفسه اذا طغى ويوسع عليه اذامل الخافض الرافع فيضهما ان يخفض الباطل ويرفع الحق المعز المذل فيضهما ان يعز الاخيار ويذل الاشرار

---

[1] واسم الجامع ہو اللہ ۱۲

[2] یعنی اسمائے کونی والٰہی ۱۲ ف لیعلم ان مع کل سماء فلکها و کوکبها و نبیها وملکها ۱۲ منه

السمیع البصیر فیضهما ان لایسمع ولا یبصر مالا یرضی الله تعالےٰ الحکم فیضه ان یحکم علی نفسه ویراعی العدل فی الحکم العدل فیضه ان یراعی العدل ولاستقامة فی کل امر + اللطیف فیضه ان یرفق بعباد الله فی المعاملات والمواعظ والارشاد الخبیر فیضه ان یکون خبیراً بمکائدا النفس ویخبر الغافلین الحلیم فیضه ان یخالق الضعفا بالحلم والعفو العظیم فیضه ان یعظم همته ولایصغر للدنیا واشیا ع ابلیس الغفور فیضه ان یغفر ذنوب الناس الشکور فیضه ان یشکر النعمة والواسطة فیها العلی فیضه ان لاینخفض للشیطان واهل الدنیا الکبیر فیضه قریب من اسم العلی الحفیظ فیضه ان یحافظ علےٰ حدود الشر ع المقیت فیضه ان یطعم الجائعین الحسیب فیضه ان یکفی الناس فی حاجاتهم ویحاسب نفسه الجلیل فیضه ان یجل نفسه بصفات الکمالات الکریم فیضه ان یختار صفات الکرم الرقیب فیضه ان یراقب نفسه ولا یدع النفس والشیطان یغلبانها المجیب فیضه ان یجیب ربه بالاطاعة والناس بقضاء حاجاتهم الواسع فیضه ان یکسب العلوم والمعارف الوسیعة ولا یضیق علی الناس فی المعاملات الحکیم فیضه ان یکتسب الحکمة فی العلوم والاعمال الودود فیضه ان یود اهل الدین ینصح الناس اجمعین المجید فیضه ان یتصف بالمجدبتهذیب اخلاقه الباعث فیضه ان یحیی قلبه المیت ویبعث رسول الروح الی النفس الشهید فیضه ان یشهد الخیر وخدمته الدین ویتصف بما یجعله اهلاً للشهادة یوم القیامة الحق فیضه ان یستغرق فی وجوده بحیث ینسی غیره الوکیل فیضه ان یصلح امور الناس خصوصا الضعفاء منهم القوی المتین فیضهما ان یقوی علی نفسه ویثبت فی الدین الولی فیضه ان ینصر الدین واهله الحمید فیضه ان یکون حامداً لله تعالےٰ ومحمود اللناس المحصی فیضه ان یواظب علی احصاء اعماله والذنوب ولا یغفل المبدئ المعید فیضهما ان یبدأ بالخیر ویعید مافات منه المحیی الممیت فیضهما ان یحیی قلبه ویمیت نفسه الحی فیضه ان یحصل حیوۃ دائمة بالمجاهدة القیوم فیضه ان یقوم فی الطاعة وقضاء حاجات الناس الواجد فیضه ان یوجد الکمالات فی نفسه ویستغنی عما سوی الله الماجد فیضه ان یطلب المجدبتحصیل الکمال الواحد فیضه ان یجتهد فی کمالات العبودیة ویتوحد فیها ویتفردالصمد فیضه ان یکون مرجعاً للناس بتحصیل الکمالات القادر المقتدر فیضهما ان یقدر علی الشهوات النفسا نیة المقدم الموخر فیضهما ان یقدم نفسه فی الطاعات ویوخرها عن المحظورات

الاول الآخر فيضهما ان يكون اول الناس فى الدين وآخرهم فى الدنيا الظاهر الباطن فيضهما ان يحلى ظاهره بالشريعة وباطنه بالحقيقة الولى فيضه ان ينصر الروح بمقابلة النفس والشيطان ويحكم عليهما المتعالى فيضه ان يتعالى على النفس والشيطان البرفيضه ان يحسن الى المخلوق التواب فيضه ان يقبل معذرة الناس المنتقم فيضه ان لايداهن فى الشرع وينتقم من اعداء الدين العفو فيضه ان يعفوعن الناس الرؤف فيضه ان يكون بالناس رؤفا مالک الملک ذوالجلال والاكرام فيضه ان يملک ملک وجوده ويجل نفسه ويكرم عباد الله المقسط فيضه ان يقسط الجامع فيضه ان يجمع فى نفسه الكمالات العلمية والعملية الغنى والمغنى فيضهما ان يستغنى عن الناس ويغنى اهل الفقر المعطى المانع فيضهما ان يعطى المستحقين ويمنع الفساق والظالمين الضار النافع فيضهما ان يضرا عداء الدين وينفع المطيعين النور فيضه ان يتنور بالايمان والعرفان الهادى فيضه ان يهدى الضالين والجاهلين البديع فيضه ان يكون وحيداً فى الكمال ويبدع ماينفع الخلق الباقى فيضه ان يعمل مايبقى نفعه بعد موته ويبقى بالله بعد فنائه فيه الوارث فيضه ان يرث الانبياء فى العلوم والمعارف الرشيد فيضه ان يثبت على الرشد ويهدى اليه غيره الصبور فيضه ان يصبر فى كل حال وقدتم بحمدالله تعالٰے ههنا بيان التجلى الاسمائى مع التخلق بها + وانه كيف يكون الانسان جامعاً لها + فالآن نسمعک انه كيف يكون جامع للاكوان + وله ثلث طرق من البيان فالادنى ماذكره الحكماء المحبوس نظرهم فى هذه الارض والسماء + وهو ان الاجسام فى العالم السفلى قسمان بسائط و مركبات + فالبسائط هى العناصر والمركبات ما عداها من الجمادات والنباتات والحيوانات + والبسائط محفوظة عند محققيهم فى حالة التركيب بالماهيات + فكان كل مركب جامعام للااسطقسات + ثم ادنى درجات التركيب ان تفيض على المركب الصورة النوعية الحافظة للتركيب + ولا يكون فيه شىء من النمود والشعور والنطق والفكر والترتيب + ويسمى هذا المركب بالجماد + ففيه شيئان البسائط والصورة الحافظة لتركيب المواد + ثم اذا فاضت عليه النفس النباتية ويحدث فيه النمودون الشعور + يسمى بالنبات وتجتمع فيه ثلثة امور + البسائط والصورة الحافظة الحامية + والثالث هى النفس النباتية اے القوة النامية + ثم اذا فاضت النفس الحيوانية ووجدت فيه الحس والحركة + يسمى بالحيوان وفيه امور اربعة ء البسائط والصورة الحافظة +

والنفس النباتية والنفس الحيوانية الرافعة الخافضة + ثم اذا فاضت عليه النفس الناطقة وجعل يتفكر في الاشياء - سمي بالانسان وفيه خمسة اجزاء + البسائط والصورة الحافظة والنفس النباتيه + والنفس الحيوانية والنفس الانسانيه - وهذا الاجتماع المذكور + على القول ببقاء نفس وقت ورود جزئ كما هو المشهور + فلم يبق جزء من اجزاء العالم العنصرى خارجا من الانسان + واما المجردات فوجود غير النفس الناطقة منها فلم يقم عليه عندهم برهان + ولما راى بعضهم هذا التقرير غير كاف + اختار واوجها آخر وزعموا انه شاف واف - فقالوا ان الانسان اذا علم الترتيب الواقع بين الاجسام وما بين المجردات ارتسم صورة هذا المجموع في ذهنه كما هو من البديهيات + ولما كان حصول الاشياء بانفسها صحيحا عند اهل الاتقان + وجد العالم كله بهذا النمط في الانسان وهذا التقرير ايضا لايسمن ولا يغنى من جوع + لتوقفه على تصور الانسان هذا المجموع + وما اصدق قول القائل

پائے استدلالیان چوبین بود	پائے چوبین سخت بے تمکین بود

والبيان المتوسط لهذه الجامعية ماذكره الاطفال الطريق الشيخ الاكبر محيى الدين ابن العربى + في الباب السابع والعشرين من كتاب التدبيرات وعبارتها ذي + مافي العالم الاعلى من لطيفة الاستواء وهي الحقيقة الكلية المحمدية وفلكها الحيوة تنظر اليها من الانسان لطيفة روحه القدسى ثم في العالم العرش ينظر اليه من الانسان الجسم ثم في العالم الكرسى بنجومه ينظر اليه من الانسان النفس بقواها ولما كان ذلك موضع القدمين فكذلك النفس محل الامر والنهى والمدح والذم ثم في العالم البيت المعمور ينظر اليه من الانسان القلب ثم في العالم الملئكه ينظر اليه من الانسان ارواحه والمراتب كالمراتب ثم في العالم زحل وفلكه ينظر اليهما من الانسان القوة الذاكرة ومؤخر الدماغ ثم في العالم المشترى وفلكه ينظر اليهما من الانسان القوة العاقله واليافوخ ثم في العالم الاحمر وفلكه ينظر اليهما من الانسان القوة الغضبية وفلكها الكبد ثم في العالم الشمس وفلكها ينظر اليهما من الانسان القوة المفكرة ووسط الدماغ ثم في العالم الزهرة وفلكها ينظر اليهما من الانسان القوة الوهمية والروح الحيوانى ثم في العالم عطارد وفلكه ينظر اليهما من الانسان القوة الخيالية ومقدم الدماغ ثم في العالم القمر وفلكه ينظر اليهما من الانسان القوة الحسيه والحواس واما عالم الاستحالة فمنه الفلك الاثير وروحه الحرارة واليبوسته ينظر اليهما

من الانسان الصفراء وروحه القوة الماضمة ثم فى العالم فلك الهواء وروحه الحرارة والرطوبة وينظر اليهما من الانسان الدم وروحه القوة الجاذبة ثم فى العالم فلک الماء وروحه البرودة والرطوبة ينظر اليهما من الانسان البلغم وروحه القوة الدافعة ثم فى العالم فلک التراب وروحه البرودة واليبوسته ينظر اليهما من الانسان السوداء وروحها القوة الماسكة + واما الارض فسبع طبقات سوداء وغبراء وحمراء وصفراء وبيضاء وزرقاء وخضراء ينظر اليها من الانسان طبقات الجسم من الجاروالشحم واللحم والعروق والعصب والعضلات والعظام واما عالم عمارة الامكنة فمنه الروحا نيون ينظر اليهم من الانسان القوى التى فيه ثم فى العالم الحيوان ينظر اليه مايحس من الانسان ثم فى العالم النبات ينظر اليه من الانسان مايسوثم فى العالم الجماد ينظر اليه من الانسان مالا يحس واما عالم النسب فمنه العرض وينظر اليه من الانسان اسود وابيض وما اشبه ذلک ثم فى العالم الكيف ينظر اليه من الانسان صحيح وسقيم ثم فى العالم الكم ينظر اليه من الانسان سنه عشر اعوام وطوله خمسة اذرع ثم فى العالم الاين ينظر اليه من الانسان الاصبع موضعه الكف والذراع موضعه المفصل ثم فى العالم الزمان ينظر اليه من الانسان تحرک وجهى وقت تحرک راسى ثم فى العالم الاضافة ينظر اليه من الانسان هذا اعلاه وهذا اسفله ثم فى العالم الموضع ينظر اليه من الانسان قيامه وقعوده واستلقاؤه واضطجاعه وفى العالم الملک ينظر اليه من الانسان لبسه وزينته ثم فى العالم ان يفعل ينظر من الانسان اكله ثم فى العالم ان يفعل ينظر اليه من الانسان ذبح فمات وشرب فروى واكل فشبع ثم فى العالم اختلاف الصور فى الامهات كالفيل والحمار والاسدوالصرصر ينظر اليه من الانسان القوة التى يقبل الصور المعنوية من مذموم ومحمود هذا فطن فهو فيل وهذا بليد فهو حمار وهذا شجاع فهوا اسد وهذا جبان فهو صر صر فهذه مضاهاة الانسان بالعالم الكبير مستوفى مختصراً انتهى كلامه رضى الله عنه بعبارته اخذته من حاشية عبدالحكيم على تفسير البيضاوى يقول العبد الضعيف وكذلک الآثار والاخلاق والافعال المحمودة فى الانسان مثال للجنان + والمذمومة منها مثال لعقوبة النيران + وسمى فى الحديث حلق الذكر رياض الجنة وسبحان الله والحمدلله غراس الجنة وسمى فى القران اكل مال اليتيم اكل النار وقال تعالى وان جهنم لمحيطة بالكفرين وقال تعالى واحاطت به خطيئته فثبت ان الخطايا هى جهنم والبلايا قال العارف الرومى رحمه الله

چون بجودی یار کوئی مرد گشت	شدوران عالم بجودِ او بہشت
چونکہ پرداز دہانت حمد حق	مرغ جنت ساختش رب الفلق
حمد وتسبیحت نماند مرغ را	ہمچو نطفہ مرغ بادست وہوا
چون زدستت رفت ایثار وزکوۃ	گشت این دست آنطرف نخل ونبات
آب خیرت آب جوئی خلد شد	جوئی شیر خلد مہر تست ووُد
ذوق طاعت گشت جوئے انگبین	مستی و شوق توجوئے خمر بین
این سببہا آن اثرہا رانماند	کس نداند چونش جائے آن نشاند
این سببہا چون فران تو بود	چار جو ہم مرترا فرمان نمود
ہر طرف خواہی روانش میکنی	آن صفت چون بدچنانش میکنی
چون منی توکہ درفرمان تست	نسل تو در امر تو آیند چست
میدود در امر تو فرزند تو	کہ منم جزوت کہ کردیش گرو
آن صفت درامرتو بود این جہان	ہم در امر تست آن جوہا روان
آن درختان مرترا فرمان برند	کان درختان از صفاتت بابرند
چون برامرتست اینجا این صفات	پس در امر تست آنجا آن جزات
چون زدستت زخم برمظلوم رست	آن درختے گشت ازان زقوم رست
چون زخشم آتش تو در دلہازدی	مایۂ نارِ جہنم آمدی
آتشت اینجا چو آدم سو زبود	انچہ ازوے زاد مردافروز بود
آتش تو قصد مردم می کند	نار کزوے زاد برمر دم زند
آن سخنہائے چومارو کژدمت	مارو کژدم گشت ومیگرد دست

ووجود الایمانیات والکفریات بهذا الطریق + هو المراد بقوله تعالے هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن الآیة عند اهل التحقیق + وکذلک الاعضاء الانسانیه + خلقت کمافی بحر الحیوة علی اشکال البروج الفلکیه + واکثرها علی شکل حروف الهجا وبعضها علی صورة اسم الجلالة + ولرقمت تیک الصور لولا خوف الملامة والاطالة + وهذا الذی ذکر کان المقصود منه التمثیل + دون لاحاطة والتفصیل + ومن تامل بالامعان + وجد جمیع کائنات

العالم اجمالا فی الانسان + واما الاعلی من طرق البیان + لهذا المطلب الجلیل الشان + فیحتاج الی کشف وعیان + ولا یفی به اللسان + ولا الرقم بالبنان + نعم یمکن ان یفهم بقدران الانسان لما کان جامعاً للااسماء + کما ذکر تفصیلا متوسطاً فی شرح حدیث الاحصار + وهذه الاسماء العالیات + هی حقائق الکائنات + فکان الانسان لحقائق الاکون جامعاً + والکون کله ظلاً له تابعاً + فکان وجود الانسان بهذا لاعتبار بالذات + ووجود الکون بالنسبة الیه بالعرض کالفرعیات + فای جامعیة اکمل من کون الانسان اصل الاکوان+ والاکوان فرع الانسان فتامل ولا تغفل + قال العارف الرومی ؎

صوفیئے درباغ از بہر کشاد	صوفیانہ روی برزانو نہاد
پس فرورفت او بخود اندر لغول	شد ملول از صورت خوابش فضول
کزچہ خسپی آخر اندر رزنگر	این درختان بین وآثار خضر
امر حق بشنو کہ گفت است انظر وا	سوئے این آثار رحمت آررو
گفت آثارش دل است ای بوالہوس	آن برون آثار آثار ست وبس
باغ ہاؤ میوہ ہا اندر دل است	عکس لطف اوبرین آب وگل است

واما الانکشاف الزائد علی المذکور + فیحتاج الی الجلاء والنور + کما علمه العارف الرومی ؎

پنبہ اندر گوش حس دون کنید	بند حس از چشم خود بیرون کنید
پنبۂ آن گوش سرگوش سرست	تاکرد داین کر آن باطن کرست
بے حس وبے گوش وبے فکرت شوید	تا خطاب ارجعی رابشنوید
تا بگفت وگوے بیدار اندری	توز گفت خوب کے بوئے بری
سیر بیرونی است فعل وقول ما	سیر باطن ہست بالائے سما
حس خشکی دید کزخشکے بزاد	موسی جان پاے دردریانہاد سیر جسم خشک
چونکہ عمر اندر رہ خشکی گذشت	گاہ کوہ وگاہ صحرا گاہ دشت
آب حیوان را کجا خواہی تویافت	موج دریا راکجا خواہی شگافت
موج خاکی فہم ووہم وفکر ماست	موج آبی صحو سکرست وفناست

تادرین فکری ازان سکری تو دور	تا ازین مستی ازان جامی نفور
گفتگوے ظاہر آمد چون غبار	مدتے خاموش کن ہین ہوش دار
چشم بندو لب بہ بندو گوش بند	گرنہ بینی نور حق برمن بخند
اے برادر عقل یک دم باخود آر	دمبدم در تو خزان ست و بہار

فاذا رزقت الصفاء من المقتدر الملک + لرأیت الکل فیک + کما قیل۔

تمست اگر ہوست کشد کہ بسیر سروچمن درآ	توزغنچہ کم ندمیدۂ دردل کشا نجمن درآ
دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار	جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
کرغور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی	یہ شیشہ نہیں خالی دیکھا اس میں پری ہوگی

فہل علمت ان الانسان ای شیء من العالم + ومن ثم شرفه الله تعالیٰ و کرم + قالے تعالےٰ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا هم فی البر والبحر ورزقنا هم من الطیبات وفضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفصیلا وقال تعالےٰ وصورکم فاحسن صورکم وقال تعالےٰ لقد خقلنا الانسان فی احسن تقویم فیاحسرۃ علیه اذلم یعرف قدره ولم یتفکر فے من عرف نفسه فقد عرف ربه + نسی حقیقة ولم یتامل + وبقی محبوسا فی العالم الاسفل۔

آمد آئینہ جملہ کون ولے	ہیچو این آئینہ نکر دہ جلی
بہ نمودند درو بوجہ کمال	صورت ذوالجلال والافضال
زانکہ بود این تفرق عددی	مانع از سر جامع احدی
گشت آدم جلای این مرآت	شدعیان ذات او بجملہ صفات
مظہرے گشت کلی وجامع	سر ذات و صفات از ولامع
شد تفاصیل کون رامجمل	برمثال لقین اول
بوئے این دائرہ مکمل سد	آخرین نقط عین اول شد
بدرون تست مصرے کہ توئی شکرستانش	چہ غم است گرز بیرون مددِ شکر نداری
شدۂ غلام صورت بمثال بت پرستان	توچہ یوسفی ولیکن سوئے خودنظر نہ داری
بخدا جمال خود راچو در آئینہ بہ بینی	بت خویش ہم تو باشی کیے گزرنداری

وها ان التدارک بعد مقدور + فلينج نفسه من دار الغرور + واليعرف حقيقة نفسه + ثم ليشاهد جمال ربه + وليبذل في رضاه مهجته وماله + والافلعله سمع مآله + قال الله تعالٰى ومن كان فى هذه اعمىٰ فهو فى الآخرة اعمى واضل سبيلا + فان قيل اذا كان الانسان جامعالحقائق الاسماء كما حقق فيما مضىٰ + يلزم ان يتجلى على ابى جهل اسم الهادى وكذا على المقبولين اسم المضل وهذا كما ترىٰ + اجيب من هذا الاعضال + بان وجود الحقائق لايستلزم صدور الآثار والافعال + اماترى ان صفات الحق تعالٰى قديمة بالبرهان + ثم بعض آثارها حادث بالزمان + فيمكن ان يظهر فى البعض اسم الهادى ويبطن اسم المضل مع وجود حقيقة فيه + ولا يبعدان يكون قوله عليه السلام نعم معى شيطان ولكنه اسلم اشارة الى هذا التوجيه + ويظهر فى البعض اسم المضل ويخفى اسم الهادى + ولا يظهر اثر منه فى النظر البادى + ولو لم يكن حقيقة اسم الهادى فى ابى جهل وغيره من اهل الطغيان + لما خوطبوا بالايمان + واشيرالى هذه المرتبة فى قوله عليه السلام + كل مولوديولد على الفطرة اى الاسلام + والجواب الآخران التجلى له صورتان + مثلاً اذا اراد الحاكم اظهار حكموته فله طريقان + احدهما ان يؤمر احداً علےٰ مامور + وثانيهما ان يتامر على مقهور + بل التجلى الاول اكمل من الثانى + كما هو ذوقى ووجدانى + فتجلى الاسماء الجلالية على الانبياء والاولياء يكون بالطريق الاول + وكلما كان الاتصاف اتم كان شانهم اكمل + والاكميلة المطلقة اعطيها سيدنا محمدٌ خير البرية + عليه وعلى آله اكمل السلام والتحية فان اول مراتب ظهور الحق هى الحقيقة المحمدية + ولنعم ماقيل ؎

يا صاحب الجمال ويا سيدالبشر	من وجهک المنير لقد نورالقمر
لايمكن الثناء كما كان حقہ	بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

فالانسان الكامل كلى مشكك اكمل افراده هو عليه السلام جامع الجلال والجمال ثم على قدر مناسبة اعطى الآخرون الكمال + ومن ثم علم ان تخصيص الصوفية الانسان الكامل بالجامعية مع ان هذا الحكم لكل بشر شامل + مبناه هو الاتصاف المذكور الذى لايشارک فيه احد الانسان الكامل + هذا الذى ذكر كان بيانا لتجلى اسماء الجلال + على المقبولين فى حضرة الكبير المتعال + واما تجليها على الكفار فبالمعنى الثانى + اى ضلوا باسم المضل وضاع عمرهم الفانى + فارتفع الاشكال + عن تجلى اسماء الجلال + على اهل الجمال واما تجلى اسماء الجمال كالهادى مثلا على ابى جهل واحزابه + فقد فرغنا عن جوابه + وجواب آخرانه لايلزم الهداية فى امور المعادبل يقال ان ذكاءه ودهاءه فى المعاش كان يتجلى اسم الهاد+ وبهذا المعنى عمم الهداية فى القرآن لكل

الوریٰ فقال تعالیٰ اعطی کل شیء خلقه ثم هدی + **فائدة** اعلم ان تجلی الاسماء علی قسمین اضطراری یسمی الکتوینی + ولا یترتب علیه الثواب والعقاب الدینی فمن تجلت علیه اسماء الجمال + حصل له شیء من الکمال + عاجلا کان اوفیما لایزال + ومن تجلت علیه اسماء الجلال + اتصف بالنقص والزوال + والقسم الثانی الاختیاری ویسمی التشریعی فی الکلام + والامروالنهی یتعلقان بهذا المقام + فمن اورد علی نفسه التجلیات الجمالیة یسمی مطیعا + ویستحق ثواباً ومقاماً رفیعاً + ومن ثم ظهرت عظمة الاحکام الشرعیة + حیث ان کل من عمل بها هو ابو الوقت من الصوفیة + فاذا شاء ان یتجلی علیه صفة المعبود یصلی ویقوم واذا شاء تجلی اسم الصمدینوی ویصوم + وهذا هو المراد بقوله تعالیٰ فاذکرونی اذکرکم ولما کان عشق طالبی الجمال متزائداً غیر زائل + شرع لبقائه وزیادته النوافل + ومن اورد علی نفسه الصفات القهریة بان باشرمایوجب غضب الحق تعالیٰ یوم الحساب + یسمی عاصیا ویستحق العقاب ومتی غلب الضلال والعصیان + خرج حنیئذ عن حقیقة الانسان + ولحق بسائر الحیوان + لکن الصورة لاتتغیر فی هذه الامة ببرکة سید الانس والجان + ومن قبلنا کانوا یمسخون للذل والهوان + نعم یظهر هذه الصورة بمناسبة الصفات یوم القیامة کما قاله الثعلبی فی تفسیر القرآن + والیه الاشارة فی قوله تعالیٰ اولئک کالانعام بل هم اضل الآیة وهذا الحکم الشرعی الذی هو العصیان + مظهر للاسماء الکثیرة عند اهل العرفان + کما یظهر بالتامل والامعان + ومن عجائب الصنع الا لهی ان یرا داحیانا ان یتجلی علی عبد صفة التواب والرحیم + وانه یتوقف علی صدور خطاء صغیر ا وعظیم + فیصدر منه الخطاء ولو بالتاویل + وقد یطلع العبد علی هذه الارادة با الامارة او الدلیل + کآدم علیه السلام لما قیل له یرحمک الله فی جواب العطاس + استدل به علی الخطر والیاس + وقد لایطلع فیخطی ُجاهلا + ویذنب غافلا + ثم اذا صدر منه الخطاء تجلی علیه اسم التواب فیتوب + ثم صفة الرحمة فیرحم برفع درجاته ومغفرة الذنوب + وهذا هو السرفی زلات الانبیاء + ومشاجرات الصحابة وخطیات الاولیاء + فافهم وکن من البصراء + ولا تخبط خبط عشواء + وقد یعکس الامر فیوفق للعبادة ثم تورث عجبا + فیهلک کما وقع لابلیس قهرا وغضبا + ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهدیتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب + فیا اهل النظر اقضوا من قدرته وحکمة العجب ، کیف اخفی القهر فی اللطف واللطف فی الغضب + ثم التلخیص فی ثالث شهر رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ بعدزهاء خمسة عشر سنة من الاصل + ولهذا لفصل حکم الوصل

الفتوح فیما یتعلق بالروح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ جاننا چاہئے کہ روح انسانی کے باب میں ایک قول تو حکماء وصوفیہ مکاشفین کا ہے کہ وہ ایک جوہر مجرد مدبر بدن ہے اور دوسرا قول اکثر اہل کلام وعلماء ظاہر کا ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے اور اسی سے حیات ہے اور تیسرا قول اطباء کا ہے کہ وہ ایک بخار ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور باختلاف محل افعال مختلفہ کا مصدر ہوتا ہے چنانچہ قلب میں اس کے متعلق ابقاء حیات ہے اور اس اعتبار سے وہ روح حیوانی سے مسمی ہے اور کبد میں اس کے متعلق ہضم ہے اور اس اعتبار سے اس کا نام روح طبعی ہے اور دماغ میں اس کے متعلق احساس وادراک ہے اور اس مرتبہ میں اس کا لقب روح نفسانی ہے پھر خود حکماء وصوفیہ میں باہم یہ اختلاف ہے کہ صوفیاء اس کو حادث قبل حدوث البدن مانتے ہیں اور قدماء حکماء اس کو قدیم مانتے ہیں اور متاخرین حکماء اس کو حادث بعد حدوث البدن سمجھتے ہیں اور حکماء اپنی اصطلاح میں اس کو نفس ناطقہ کہتے ہیں اسی طرح قول دوم وسوم میں گو جسم ماننا دونوں میں مشترک ہے لیکن قول دوم میں اکثر نے تو اس جسم کے عنصری وغیر عنصری ہونے سے سکوت لیا ہے اور بعض نے تصریح کردی ہے کہ وہ جسم عنصری نہیں ہے چنانچہ ہمارے علماء میں سے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے سورہ الم سجدہ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے انسان کی جان غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی الخ اور قول سوم میں اس کا جسم عنصری ہونا مصرح ہے کیونکہ بخار مرکب عنصری ہے پس یہ کل مذاہب پانچ ہوئے ایک حکماء متقدمین کا کہ جوہر مجرد قدیم ہے دوسرا حکماء متاخرین کا کہ جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے تیسرا صوفیہ مکاشفین کا کہ جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے چوتھا علماء متکلمین کا کہ جسم غیر عنصری ہے پانچواں اطباء کا کہ جسم عنصری ہے اور گو اقوال اور بہت سے

ہیں مگر قابل بحث یہی پانچ ہیں منجملہ ان کے قول اول و دوم کا مبنیٰ محض دلائل عقلیہ ہیں۔ سو اولاً سب ممنوع و مخدوش ہیں جیسا کتب کلامیہ میں مبسوط ہے اور ثانیاً مذہب اول اس لئے باطل ہے کہ قدم خود دلیل عقلی سے باطل ہے جس کی تقریر بوجوہ شتی ہو سکتی ہے یہاں ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ اگر ارواح یا باصطلاح مشہور نفوس قدیم ہوں تو کسی خاص ایسے مسئلہ عقلیہ یا نقلیہ کے اعتبار سے جس کا علم اس کو بعد تعلق بدن کے اکتساباً حادث ہوا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ قبل تعلق بدن اس روح کو اس مسئلہ کا علم قدیم تھا یا اس کا جہل قدیم تھا یا دونوں حادث تھے اس طرح سے کہ ہر علم سے پہلے جہل تھا اور اس جہل سے پہلے علم شق اول پر جب وہ علم قدیم تھا اور قدیم پر طریان زوال وعدم کا محال ہے تو بعد تعلق بدن کے وہ علم کیسے زائل ہو گیا جس میں اکتساب جدید کی احتیاج ہوئی اور شق ثانی پر جہل قدیم ہے اور قدیم پر طریان زوال کا محال ہے تو اس اکتساب جدید سے وہ جہل کیسے منعدم ہو گیا اور شق ثالث پر جب ہر ہر فرد علم اور جہل سے حادث ہے تو مجموعہ علوم و جہالات بھی حادث ہے کیونکہ اس مجموعہ کے اجزاء یہی افراد ہیں اور حدوث اجزاء مستلزم حدوث مجموع کو ہے جب دونوں مجموعے حادث ہیں اور حادث مسبوق بالعدم ہوتا ہے تو جبکہ دونوں مجموعے معدوم تھے وہ روح اس مسئلہ کے علم اور جہل دونوں سے خالی تھی اور یہ ارتفاع نقیضین[1] ہے اور محال۔ پس قدم ارواح جو مستلزم محال کو ہوا وہ باطل ہے پس حدوث حق ہے پس مذہب اول یقیناً باطل ہوا اور مذہب دوم میں حدوث کا حکم تو صحیح ہے اور اس حدوث کا بعد البدن ہونا فی نفسہ ممکن تھا لیکن وقوع یا عدم وقوع اس کا محتاج دلیل ہے سو وقوع جو مدعا ہے حکماء کا اس پر گو انہوں نے دلیل عقلی قائم کی ہے لیکن اس کے مقدمات محض مخدوش ہیں جیسا درایۃ العصمۃ میں مذکور ہے اور عدم وقوع پر گو کوئی عقلی دلیل قائم نہیں لیکن دلیل نقلی اس حدوث بعد البدن

---

[1] (سمی العلم والجهل نقیضین مجازًا انماهما عدم وملکة سمیا بهما تشبیها بهما لان النقیضین کما یستحیل رفعهما مطلقا کذلک یستحیل رفع العدم والملکه عن المحل القابل الموجود والمحل ههنا موجود یستحیل رفعهما عنه فافهم وان شئت قصرت المسافة وقلت ان الروح لو کان قدیما استحال کون شیء من العلوم لحاصلة له حادثا وقد فرض حادثا وجه الملازمة انه لو کان شیء من العلوم الحاصلة له حادثا لزم کون القدیم محلا للحادث وهو محال لان محل الحادث حادث کما تقرر فی محله ھف ۱۲ منه)

کے وقوع کا ابطال کرتی ہے چنانچہ حدیث مرفوع میں ہے الارواح جنود مجندۃ رواہ البخاری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حالت میں سب مجتمع تھیں اور ظاہر ہے کہ بعد تعلق بالبدن کے یہ اجتماع جمیع ارواح کا کسی موطن میں اب تک واقع نہیں ہوا پس لامحالہ یہ اجتماع قبل تعلق بالابدان تھا جس سے ثابت ہوا کہ قبل تعلق بالابدان کے موجود ہو چکی تھیں پس حدوث بعد البدن باطل ہوا چنانچہ حاشیہ لمعات میں بھی اس حدیث سے حدوث قبل البدن پر استدلال کیا ہے غرض مذہب اول وثانی باطل ٹھہرے اب باقی رہ گئے تین مذہب اخیر یعنی تیسرا اور چوتھا اور پانچواں سو تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی دلیل شرعی کے مخالف نہ ہو تو صحت کو محتمل ہے ورنہ نہیں اور یہ کشف مخالف نہیں ہے کسی دلیل شرعی کے جیسا عنقریب واضح ہوتا ہے پس محتمل صحۃ ہوا اور پانچویں مذہب کی دلیل مشاہدہ ہے جو کہ شرعاً حجۃ ہے اور اگر وہ کسی دلیل شرعی کے ظاہراً مخالف ہو تو دلیل شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے لیکن یہاں یہ مخالفت نہیں ہے جیسا عنقریب نیز واضح ہوتا ہے اور چوتھے مذہب کی دلیل ظاہر نصوص شرعیہ ہیں چنانچہ سورہ سجدہ میں ہے **ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ** اس سے معلوم ہوا کہ روح منفوخ ہے اور منفوخ کا جسم ہونا ضروری ہے لیکن وہ غیر ہے مسوٰی کا اور مسوٰی جسم عنصری ہے پس جسم عنصری کا غیر ہوا اور جسم ہونا منفوخ ہونے سے ابھی ثابت ہوا پس جسم غیر عنصری ہوا اور یہ معنی مغائرت کے ظاہری ہیں ورنہ فی نفسہ احتمال یہ بھی ہے کہ باوجود عنصری ہونے کے مغائرت محض مصداق میں ہو مگر ظاہر ہونا اس کا اس وجہ سے ہے کہ اگر یہ عنصری ہوتا تو تسویہ کا متعلق اس کو بھی ٹھہرانا ظاہراً مناسب تھا پس آیت اس مدعا میں ظنی الدلالۃ ہوئی جو مسئلہ ظنیہ میں دلیل کافی ہے اور سورہ مؤمنون میں بعد علقہ و مضغہ وکسوۃ عظام باللحم کے فرمایا **ثم انشاناہ خلقا آخر** جس سے مراد یقیناً نفخ روح ہے اور علقہ وغیرہ عنصری ہوگا اور جسم ہونا اوپر ثابت ہو چکا پس جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہو گیا اور نیز دوسری مخلوقات کے بارے میں ارشاد ہوا ہے **واللہ خلق کل دابۃ من ماء** اور فرمایا **ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین** اور فرمایا **خلق الجان من مارج من نار** اور ملئکہ کو حدیث میں مخلوق من النور فرمایا رواہ مسلم پس ان نصوص میں ان مخلوقات کا مادہ

باوجود کسی کے نہ پوچھنے کے بتلایا ہے اور روح کے بارے میں باوجود سوال کئے جانے کے فرمایا قل الروح من امر ربی جس سے عندالتامل معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح عنصر سے مکون ہوتی تو جواب میں من الھوا، یا اس کے مثل فرمادیتے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کسی عنصر سے مکون نہیں اور جسم ہونا اوپر ثابت ہو چکا تو اس کا قوام کسی ایسے لطیف مادہ سے ہے جس کو من نور بھی نہ فرمادیا اور نیز احادیث میں ہے اذا خرجت روح المومن اور انطلقوا بہ الی آخر الاجل اور یعاد روحہ اور ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ وغیر ذلک اور خروج اور انطلاق اور عود اور دخول فی قوالب الطیور یہ سب خواص اجسام سے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ جسم ہے اور غیر عنصری ہونا پہلے ثابت ہو چکا پس جسم غیر عنصری ہوا اگر کہا جائے کہ یہ امور خواص اجسام سے نہیں بلکہ خواص مادہ سے ہیں اور مادی ہونے کو جسم ہونا لازم نہیں ممکن ہے کہ جوہر فرد ہو جواب اس کا بعد تسلیم ثبوت جوہر فرد کے یہ ہے کہ ایک حدیث میں روح کافر کے باب میں آیا ہے فتفرق فی جسدہ رواہ احمد اس سے ظاہراً انقسام معلوم ہوتا ہے پس وہ جوہر فرد نہ ہوئی اور حدیثوں میں اسی کا نام نفس اور نسمہ بھی آیا ہے اور کتاب وسنت میں زیادہ بحث اسی روح سے کی گئی ہے اور قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا سے احکام مذکورہ کے غیر معلوم ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مقصود اس سے نفی علم بالکنہ کی ہے اور جو مذکور ہوا اس سے علم بالوجہ کا اثبات ہوتا ہے فلا منافاۃ چنانچہ جواب میں من امر ربی فرمانا اسی بنا پر ہے کہ اس جسم کی حقیقت مبین نہیں ہوئی جو کہ نور سے بھی الطف ہے۔ اب سمجھنا چاہئے کہ جب مذہب رابع کا مدلول نصوص ہونا ثابت ہوا اور مذہب ثالث وخامس اس کے معارض ہے تو بظاہر یہ متوہم ہوتا ہے کہ ثالث تو باطل ہوگا اور خامس چونکہ مشاہد ہے اس کی وجہ سے نصوص مذکورہ میں تاویل واجب ہوگی سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ تعارض اس وقت ہوتا کہ جب ایک دوسرے کی نفی کرتا اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل نے ایک ایک امر کا اثبات کیا ہے اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا نام روح رکھا ہے اور اس نے دوسرے سے تعرض نہیں کیا نہ اثباتاً نہ نفیاً تو اس میں کچھ اشکال نہ رہے گا اور چونکہ اکثر محققین کے کلام

سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے مظنون یہ ہے کہ بدن انسانی کے ساتھ تینوں متعلق ہیں اس طرح سے کہ روح بمعنی جوہر مجرد کا تعلق بدن سے بواسطہ روح بمعنی جسم غیر عنصری کے ہے اور روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بواسطہ روح طبی بمعنی جسم عنصری کے ہے اول کا فعل بدن میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے موت کے وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف بھی مفارق ہو جاتا ہے اور بعد خروج یہ ثالث عناصر میں مل جاتی ہے جیسا کہ اصل میں جزء عناصر ہے اور ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جو کہ ایک مکان ہے جس کا بیان آگے آتا ہے جیسا قبل تعلق بدن بھی وہاں ہی تھی اور اول چونکہ مجرد ہے اس لئے وہ کسی مکان میں نہیں کیونکہ مکان خواص مادہ و مادیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی اسی طرح وہ مکان میں نہ تھی اس لئے اس کو لامکانی کہتے ہیں اور مجازاً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ لامکان میں رہتی ہے اور صوفیہ نے لطائف کی بحث میں اس کی نسبت اسی معنی کو کہا ہے کہ فوق العرش ہے جس کے معنی یہ نہیں کہ عرش کے اوپر رہتی ہے بلکہ چونکہ عرش منتھی ہے امکنہ ثابتہ بالدلیل کا اور یہ امکنہ سے مجرد ہے اس لئے فوق العرش کنایہ ہے غیر مکانی ہونے سے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں سے عماء بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس سوال پر کہ این کان ربنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فی عماء فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات باری تعالیٰ سے منفی ہے پس عماء لامکان[۱] ہی کو فرمایا پس معنی جواب کے یہ ہوئے کہ وہ قبل خلق خلق بھی منزہ مکان سے تھا جیسا کہ اب منزہ ہے فھو الآن کما کان پس سوال ہی این سے باعتبار معنی ظاہری کے صحیح[۲] نہیں اور یہ معنی نہیں کہ لامکان کسی مکان کا نام ہے جیسا

---

[۱] فی القاموس عماہ تعمیۃ صیرہ اعمی ومعنی البیت اخفاہ والعماء الغوایۃ واللجاج والاعما الجھال جمع اعمی واغفال الارض التی لاعمارۃ بھا والعماء السحاب المرتفع والکثیف او الممطرا والرقیق او الاسود اوالابیض اہ قلت والقدر المشترک بین الابنیۃ وھو اصل معنی المادہ الستر والخفاء فصح ارادۃ اللامکان بہ وفی اللمعات وروی عمی بالکسر ومعناہ لیس معہ شیء ۱۲ منہ [۲] اور یہ صحابہ چونکہ فقیہ تھے اس لئے یہ جواب دیا گیا اور ایک جاریہ سے آپ نے خود پوچھا ہے این اللہ کیونکہ وہ محض عامی تھی۔ ۱۲ منہ

عوام سمجھتے ہیں اور چونکہ محدود ہونا خواص مکان سے ہے اور اس لئے لا مکان محدود نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کے غیر محدود ہونے کو ما فوقہ ہواء و ماتحتہ ہواء سے تعبیر فرمایا یہاں ھواء بمعنی خلاء کے ہے جیسا قرآن میں ہے **افئدتھم ھواء** تو یہ لفظ بھی عماء سے متقارب المعنی ہے پس یہ کلام اس قوت میں ہوا فی لا مکان فوقہ لا مکان وتحتہ لا مکان لا بمعنی ان اللا مکان اسم شی موجود بل بمعنی ان لیس فوقہ مکان ولاتحتہ[1] مکان اور اس کو فوق اور تحت کہنا باعتبار صورت عنوان کے مجازاً ہے جیسا عماء کا ظرف ہونا بھی جو کہ مدلول فی کا ہے ایسا ہی ہے اور باعتبار حقیقت معنون کے معنے مقصود نفی ہے فوق وتحت[2] کی اور ہر چند کہ اکثر متکلمین نے ممکنات میں مجرد کے پائے جانے سے انکار کیا ہے بلکہ بعض نے قائلین بوجود المجرد کی تکفیر تک کی ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ نفس تجرد کے ابطال پر کوئی دلیل نہیں البتہ مجرد کا قدم یہ بیشک باطل ہے عقلاً بھی نقلاً بھی اور تجرد کے ابطال کی دلیل جوانہوں نے بیان کی ہے کہ تجرد اخص صفات باری تعالیٰ سے ہے اس لئے اس میں دوسرا مشارک نہیں ہوسکتا اور اسی بنا پر تکفیر بھی کی ہے سو خود یہ مقدمہ ممنوع ہے بلکہ ممکن ہے اور واقع میں صحیح بھی ہے کہ اخص صفات صرف وجوب بالذات اور قدم مطلق ہے پس اگر کوئی کسی ایسے مجرد کا قائل ہو جو ممکن اور حادث بمعنی مسبوق بالعدم الواقعی ہو تو اس میں کیا حرج ہے پس معلوم ہوا کہ ان تینوں مذاہب میں تعارض ثابت نہیں اور اگر کوئی حکیم یا طبیب تعارض کا قائل ہو اگر مدلول نصوص کی نفی کرے تو اس پر واجب ہوگا کہ تعارض یا نفی پر دلیل قائم کرے جس پر قیامت تک بھی قادر نہ ہوگا رہی یہ بات کہ ثواب وعقاب کس روح کو ہوگا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی سو روح طبی تو اوپر معلوم ہو چکا کہ وہ عناصر میں مل گئی اور اس پر عقاب وثواب گو ممکن ہے مگر کہیں مذکور نہیں اس واسطے قائل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ مورد ثواب وعقاب نہیں کیونکہ ممکن

---

[1] وفی اللمعات قوله وما تحته هواء كناية من مانه ليس معه شيء لوقيل هوتتميم لدفع توهم المكان فان الغمام المتعارف يستحيل وجوده بدون مكان ۱۲ [2] لان الهواء بمعنى اللامكان نفي للمكان وقيد بالفوق والتحت وظاهر ان اللامكان لكونه مفهوما عدميا لايوصف بالفوق والتحت فكان معنى قوله فوقه لامكان اے ليس فوقه مكان بانتفاء القيد والمقيد كليهما اے لامكان ولا فوق ۱۲ منه

ہے کہ وہ مستحیل ہوکر پھر غذا بنے پھر اس غذا سے کسی دوسرے متغذی کے بدن میں بخار لطیف پیدا ہوا اور اس شخص کے اعمال پہلے شخص کے خلاف ہوں پھر یہ مرجائے تو لازم آئے گا روح واحد کا معذب و متنعم ہونا اور یہ باطل ہے نیز اس روح کا ہمیشہ گھٹنا بڑھنا حرکت سے تحلیل ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے اور روح مذکور فی الشرع کا (جس پر عذاب وثواب کا ذکر آیا ہے) بقا نصوص سے معلوم ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یہ بخار مورد ہے عذاب نہیں ثواب نیز یہ بخار یہاں ہی رہ جاتا ہے اور روح شرعی کو ملائکہ کا لے جانا وارد ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے گو یہ احتمال بعید باقی ہے کہ اس بخار میں کا کوئی ذرہ یا چند ذرات اول سے آخر تک بدن انسانی میں باقی رہتے ہوں اور روح غیر عنصری کے ساتھ ملائکہ اس کو بھی لے جاتے ہوں اور اس وجہ سے یہ ذرات دوسرے بدن میں نہ پہنچ سکتے ہوں لیکن بلا دلیل ہم نہ اس کے معتقد ہوں گے اور نہ اس نفی کو مدلول شرعی قطعی کہیں گے واللہ اعلم البتہ ظاہر یہ ہے کہ یہ مورد نہیں اب دو روحیں باقی رہ گئیں ایک غیر عنصری دوسری مجرد سو ایسا مظنون ہوتا ہے کہ دونوں مثاب و معاقب ہیں لیکن غیر عنصری کو تو ثواب وعقاب حسی ہوتا ہے اور مجرد کو ثواب و عقاب عقلی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی اور غالباً اب یعنی دنیا میں بھی کسی راحت وکلفت پہنچنے کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں متالم و متنعم ہوتی ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اب رہی یہ بات کہ ان دونوں روحوں کا تالم و تنعم بواسطہ تعلق بدن کے ہے یا بلا واسطہ سو ممکن تو دونوں امر ہیں لیکن نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے اس روح بمعنی جسم غیر عنصری کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اب یہ کہ وہ کونسا بدن ہے آیا یہی بدن دنیوی یا اور کوئی بدن تو اس کی کوئی ایسی تصریح وارد نہیں جس میں احتمال مخالف کا نہ رہے لیکن مظنون یہ ہے کہ وہ دوسرا بدن ہے جیسا حدیثوں میں اجواف طیر خضر وغیرہ آیا ہے اس بدن کو اہل کشف بدن مثالی[1] کہتے یعنی وہ بدن اسی بدن کی مثل یعنی خاص خاص صفات و کیفیات میں اس کے مشابہ ہے اور بعض حدیثوں سے اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے

---

[1] اس مثال سے وہ مراد نہیں جو لفظ عالم مثال میں مثال سے مراد ہے جس کی تحقیق کلید مثنوی میں کسی قدر رکھی گئی ہے ۱۲ منہ

کہ آدم علیہ السلام کو ان کے پیدا کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر دکھلائی فاذا فیھا آدم[1] و ذریتہ رواہ الترمذی اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام عالم حس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کونسے آدم تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے اور اس دوسری چیز کو آدم کہا جس سے متبادر بدن مع الروح ہے سو بدن تو یقیناً متعدد ہوا رہی روح سو ممکن ہے کہ ایک ہی روح دونوں بدن سے متعلق ہو چنانچہ حدیث معراج سے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو آپ نے متعدد جگہ دیکھا ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابدان مختلفہ تھے اور ایک روح سب کی مربی تھی اسی وجہ سے دوسرے بدن کو بھی اسی نام سے مسمی کیا گیا رہا یہ کہ ایک روح دو بدن کے ساتھ کس طرح متعلق تھی سو اس کے چند طرق ہو سکتے ہیں ممکن ہے کہ ایک میں ساری و نافذ ہو اور دوسرے میں روحانی قوت سے متصرف ہو اور ممکن ہے کہ دونوں میں روح غیر عنصری کے کچھ کچھ اجزا ہوں اور ان دونوں میں روح مجرد تصرف کرتی ہو کہ کبھی ان کو جمع کر دے کبھی متفرق نیز بعض اولیاء کو ایسے واقعات حیات دنیا میں بھی پیش آئے ہیں پس جب بدن متعدد ہوا بدن مثالی کا وجود ثابت ہو گیا اور کیا عجب کہ میثاق کے وقت یہی ابدان ہوں البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض وعود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن دنیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح و بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادۃً کسی حکمت سے اسی وقت شرط ہو جبکہ جسد عنصری باقی ہو اور اگر وہ متفرق و متلاشی ہو گیا ہو تو سوال وغیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں پھر بعد سوال اس روح کا پھر آسمان کی طرف لے جایا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح ملتی ہے کیونکہ آخر ان سے بھی یقیناً کبھی سوال ہوا تھا اور برزخ مؤمنین کا یہی مکان ہے چونکہ آسمان پر ہے مسمی بہ علیین جیسا کہ برزخ کفار کا ارض سفلی میں

---

[1] ویتاید ماقلت بما فی بعض الحواشی علی قولہ فاذا فیھا آدم و ذریتہ ای مثال آدم و مثال بنیہ فی عالم .عسب ۱۲ منہ

ہے مسمی بہ سجین کمارواہ السیوطی فی شرح الصدور وبشری الکئیب عن روایات کثیرۃ منھا قول کعب جوابالسوال ابن عباس اما علیون فالسماء السابعۃ فیھا ارواح المومنین واما سجین فالارض السابعۃ السفلی فیھا ارواح الکفار احادیث نم کنومۃ العروس جس سے لظاہر کون الروح فی القبر متوہم ہوتا ہے سو عند التامل اس قول کے فی القبر ہونے سے نوم کا فی القبر ہونا لازم نہیں آتا کہ معارض عروج الی علیین کے ہو گو بن وجہ قبر سے بھی تعلق رہتا ہو اور نوم کہ عبارۃ ہے راحت سے نیز منافی لقاء وکلام کے نہیں اب رہا قصہ آخرت کا سو نصوص میں تصریح ہے کہ یہی بدن عنصری زندہ کیا جائے گا چنانچہ ارشاد ہوا ہے کما بدأنا اول خلق نعیدہ ومثلہ فی الاحادیث اور اس بدن کے ساتھ وہ روح بمعنی جسم غیر عنصری تو ضروری ہی متعلق ہوگی لیکن یہ روح عنصری ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی متعلق ہو کیونکہ یہ بھی اجزاء بدن سے ہے پس حشر میں یہ بھی شریک ہوگا اور یہ اشکال کہ اس بدن کو کسی نے کھالیا ہو اور وہ اس کا جزو بدن ہو گیا ہو یا یہ بخارات کسی اور کے جزو بدن ہو گئے ہوں پھر یہ کیسے اعادہ کئے جائیں گے بایں وجہ مدفوع ہے کہ ان میں سے کچھ اجزاء اصلیہ ایسے ہوں کہ وہ اس دستبرد سے محفوظ رہتے ہوں وہ سب اعادہ کئے جائیں رہا روح مجرد کا تعلق سو مظنون یہ ہے کہ قبر اور آخرت دونوں میں وہ مثل تعلق دنیوی کے ہو دلیل ذلک کلہ ظاہر قولہ تعالے کمابدأنا اول خلق نعیدہ کیونکہ تشبیہ کا تام ہونا جیسا کہ ظاہراً تشبیہ کا مدلول ہے اسی کو مقتضی ہے پھر جنت و دوزخ میں بھی یہی بدن جائے گا اور اس کے واسطہ سے روح کو الم یا لذت ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ روح مجرد کو عقاب وثواب عقلی ہوگا اور روح مادی کو حسی واللہ اعلم۔

تنبیہ: اور جاننا چاہئے کہ ایک روح کا علی سبیل التعاقب بدن عنصری پھر بدن مثالی کے ساتھ متعلق ہونا خواہ وہ بدن برزخ میں رہے جیسا کہ عادت غالبہ اس کے لئے یہی ہے خواہ اس عالم میں بھی کبھی اس کا ظہور ہو جائے یا یہ ظہور روح کا کسی بدن عنصری کے ساتھ ہو جو بعد حصول مقصود فوراً مضمحل ومنحل ہو جائے جیسا بعض اولیاء یا شہداء سے منقول ہے اس میں سے کوئی صورت مستلزم تناسخ نہیں کیونکہ تناسخ کی حقیقت ہے کہ دوسرا بدن جو مثل بدن اول کے ہو حدوثاً و بقاءً وفناءً اس کے ساتھ روح اول کا متعلق ہونا بغرض جزاوسزا کے اور یہ قیود یہاں مفقود ہیں یہ

تمثل کہلاتا ہے جیسا ملائکہ کو ہوتا ہے جبکہ اس عالم میں نظر آتے ہیں قال اللہ تعالیٰ فتمثل لها بشرا سويا اور تناسخ گو عقلاً متساوی الوجود والعدم ہے کیونکہ نہ اس کے وجوب پر کوئی عقلی دلیل قائم ہے نہ اس کے امتناع پر لیکن نقلاً منفی ہے لقولہ تعالے قالوا ربنا امتنا اثنتين الخ فلو صح التناسخ لما صح كون الاماتة اثنتين والا الاحياء اثنتين فافهم۔

خلاصہ تمام تر تقریر کا یہ امور ہوئے بعضے قطعاً بعضے ظناً بعضے امکاناً۔

امر اول: مذہب روح کے بارہ میں پانچ ہیں نمبر ا۔ قول حکماء متقدمین کا کہ جوہر مجرد قدیم ہے نمبر ۲۔ قول حکماء متاخرین کا کہ جوہر مجرد حادث بعد البدن ہے۔ نمبر ۳۔ قول صوفیہ مکاشفین کا کہ جوہر مجرد حادث قبل البدن ہے۔ نمبر ۴۔ قول علماء متکلمین کا کہ جسم غیر عنصری ہے۔ نمبر ۵۔ قول اطباء کا کہ جسم عنصری ہے۔

امر دوم: باطل ان مذاہب میں یہ ہیں قول نمبر ا قول نمبر ۲۔

امر سوم: حق ان مذاہب میں یہ ہیں قول نمبر ۳ قول نمبر ۴ قول نمبر ۵

امر چہارم: اقوال نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں روح کے جو تین مصداق ہیں تینوں حادث ہیں۔

امر پنجم: یہ تینوں بدن انسانی کے متعلق ہیں نمبر ۳ بواسطہ نمبر ۴ کے اور نمبر ۴ بواسطہ نمبر ۵ کے۔

امر ششم: نمبر ۴ و نمبر ۵ جسم اور مکانی ہیں اور نمبر ۳ مجرد اور غیر مکانی ہے۔

امر ہفتم: بعد موت کے نمبر ۵ عناصر میں مل جاتی ہے اور نمبر ۴ برزخ میں رہتی ہے اور نمبر ۳ بحالہ غیر متمکن ہے۔

امر ہشتم: مثاب و معاقب برزخ میں نمبر ۳ و نمبر ۴ ہیں۔

امر نہم: ان کا تالم و تلذذ برزخ میں بواسطہ بدن مثالی کے ہوتا ہے۔

امر دہم: آخرت میں تینوں روحیں نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ بدن عنصری سے متعلق ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

الحمد للہ کہ تبییض رسالہ ہذا کی ۲۴ محرم ۱۳۲۷ ہجری کو مقام علی گڑھ میں ختم ہوئی اور تسوید اس کی رسالہ قصد السبیل کے ساتھ ہوئی تھی اتفاقات وقت سے تبییض میں اس قدر توقف ہوا والخیر فیما وقع۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

عرفان حافظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ خاکپائے طالبان خدا و سالکان راہ ہدیٰ مظہر مدعا ہے کہ کتاب لطیف دیوان حافظ کو جو اکثر عوام و خواص میں ایک خاص مقبولیت حاصل ہے ظاہر ہے میرے دل میں خود بھی خیال تھا اور بعض احباب کے اشارہ سے وہ خیال اور زیادہ مؤکد ہو گیا کہ اس کے جو اشعار متضمن تحقیقات یا حالات باطنی میں ان کی مختصر اور سہل طور پر توضیح کردی جائے اور جو اشعار محض شاعرانہ نکات و لطائف پر مبنی ہیں ان کا حل غرض خاص کی تکمیل و تحصیل میں دخیل نہیں سمجھا گیا الا نادراً لفائدۃ ما اور چونکہ حافظ قدس سرہ بوجہ صاحب حال ہونے کے ان اشعار خاصہ میں بیشتر حقائق و معارف بیان فرماتے ہیں اس لئے اس مجموعہ پریشان کا نام عرفان حافظ رکھنا زیادہ موزوں معلوم ہوا۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ دیوان کے اشعار اجزاءِ غزل ہیں لہٰذا ان میں باہم ارتباط و تناسب مفہوماً ضروری نہیں فباللہ احول و ثقتہ بہ اقول۔

قال الحافظؒ ؎

الایا ایہا الساقی ادرکا ساونا ولہا	کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ساقی شراب پلانے والا مراد محبوب حقیقی۔ کاس پیالہ شراب مراد جذب عشقی یعنی ادھر متوجہ ہو کر اے محبوب حقیقی دور دیجئے پیالہ (جذب عشقی) کو اور (اس دور میں) وہ پیالہ مجھ کو بھی دے دیجئے یعنی مجھ کو اپنی طرف منجذب کر لیجئے) کیونکہ (راہ) عشق (کا سلوک) اول اول آسان معلوم ہوا تھا (چونکہ اس کے عقبات نہ دیکھی تھیں) لیکن (سلوک کے وقت) بڑی بڑی مشکلیں واقع ہوئیں (جن سے راہ قطع ہونا دشوار ہو گیا سو آپ کے جذب سے یہ سب مشکلیں سہل ہو جائیں گی۔

توقف وصول بر جذب

اس شعر میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ سلوک محض بلا جذب کے وصول الی المقصود میں کافی نہیں ہوتا۔ اور سلوک اور جذب کے معنی کوئی شخص ہوش اور بیہوشی کے نہ سمجھ جائے بلکہ سلوک کہتے ہیں مقامات یعنی اخلاق باطنہ کی اصلاح کو مع پابندی اعمال ظاہرہ کے اس سے نسبت باطنی کے حاصل ہوجانے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہوجاتی ہے لیکن نسبت باطنی کا بالفعل حاصل ہوجانا یہ باختیار سالک نہیں ہے محض فضل الٰہی پر موقوف ہے پس وہ فیض غیبی و عنایت حق جس سے یہ نسبت حاصل ہوجائے جذب کہلاتا ہے اور اسی نسبت کو وصول الی اللہ بھی کہتے ہیں۔ غرض سلوک اختیاری ہے اور جذب غیر اختیاری خوب سمجھ لو اسی مضمون کو کسی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

نگرد د قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا	کہ می بالد بخود این راہ چون تاک از بریدنہا

قالؒ ؎

ببوئے نافۂ کاخر صبازان طرہ بکشاید	زتاب جعد مشکش چہ خون افتاد در دلہا

(بوے امید۔ طرہ کھلے ہوئے بال۔ جعد گندھے ہوئے بال۔ لفظی مدلول یہ ہے کہ) بامید اس نافہ (یعنی خوشبو) کے جس کو آخر (کبھی نہ کبھی تو) بادصبا اس طرہ سے کھولے (اور پھیلائے) گی (اس امید پر) محبوب کے جعد مشکین کے پیچ و تاب کی وجہ سے کیسے کیسے خون قلوب میں پڑ رہے ہیں (اور عشاق ان کو اسی خوشبو کی امید پر کہ وہ بھی ایک گونہ قرب و وصال سے جھیل رہے ہیں)

قبض و بسط

اور بلسان اشارہ جعد سے مراد واردات سالک کا بند ہونا جس کو قبض کہتے ہیں اور نافہ سے مراد ان واردات کا نازل ہونا جس کو بسط کہتے ہیں اور ان واردات کو مرتبہ قبض میں جعد سے اور مرتبہ بسط میں طرہ سے تعبیر کرنا نہایت لطافت و رعایت شاعرانہ بھی ہے۔ اور صبا سے مراد فیض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات و برکات الٰہیہ کا پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک کو ناامید و دل شکستہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے کہ قبض

سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اور اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر اور التفات سے اٹھ جانا یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لئے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بسط سے یعنی اس وجہ خاص سے پس اس حالت میں ناامید اور پریشان نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے اور امید رکھے کہ جب میرے لئے مصلحت ہوگی بسط ہو جائے گا کہ وہ بھی قرب کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ قبض بھی من وجہ قرب ہے۔ اور نسبت الی الصبا میں اشارہ ہے کہ قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے کیونکہ قبض کے علل و آثار و مصالح و طرق بسط یا اس قبض کا عین بسط یعنی حکمت میں مثل بسط ہونا یہ سب مراتب مرشد سے حل ہوتے ہیں۔ نیز اس سے لازم آ گیا کہ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اسمیں صورۃً یا معنیً ہلاک ہو چکے ہیں۔ قبض کے باب میں یہ مضمون مولانا کے کلام میں زیادہ مصرح ہے۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو دردے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن برجبین

قالؒ

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(مے شراب مراد وہ امر مباح جو طریقت کے خلاف معلوم ہو اور قابل احتراز ہو باوجود مباح شرعی ہونے کے طریقۃً محترز عنہ ہونے کے وصف کے سبب شراب سے تشبیہ دے دی مطلب یہ ہے کہ) می میں سجادہ رنگین کرنا گو سخت امر منکر ہے لیکن) اگر تجھ کو پیر مغان (یعنی مرشد) بتلاوے تو عمل کیجیو کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا (اور راہ دیکھا ہوا) ہے وہ منازل کے طرق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا (طریق رستہ اور رسم جو راہ پر نشان بنے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر راستہ چلتے ہیں)

اطاعت شیخ در سلوک

اسی طرح اگر مرشد مسترشد کو کوئی ایسا امر بتلادیں جو شرعاً تو جائز تھا لیکن بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے تو سالک کو چاہئے کہ اس کو مضر سلوک نہ سمجھے بلکہ اس

پر عمل کرلے کہ وہ واقع میں مضر نہ ہوگا بلکہ مفید ہوگا کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب وفراز کا زیادہ تجربہ ہے۔ تفہیم کے لئے ایک مثال عرض کرتا ہوں مثلاً کسی سالک کو قبض ہوا اور شیخ نے اپنی بصیرت وتجربہ سے پہچان لیا کہ تکثیر اشغال اور ضعف وملال طبیعت کا اس کا سبب ہوا ہے شیخ نے امر فرمایا کہ برائے چندے شغل بالکل چھوڑ دو اور طبیعت کو راحت دو اور احباب میں بیٹھ کر مزاح ومطالبہ سے فرحت حاصل کرو اور اکثر حصہ شب کا سوؤ اور خوب لذیذ کھانے کھاؤ تو بظاہر یہ امور خلاف طریقت معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں عین طریقت ہیں کیونکہ علت قبض کا اس میں علاج بالضد ہے کہ ملال اور ضعف کا علاج نشاط وتقویت ہے اس علاج سے بسط ہوجائے گا اور ذکر وشغل اطمینان سے ہوگا تو درحقیقت شیخ نے شغل ترک نہیں کرایا بلکہ شغل کے دوام کا سامان کیا ہے۔ تنبیہ۔ یادرکھو کہ بمی سجادہ رنگین کن میں تشبیہ المفرد بالمرکب ہے اجزاء مرکب کے جدا جدا مشبہ بہ نہیں۔ اور مغان لغت میں آتش پرستوں کو کہتے ہیں چونکہ اہل فارس اصل میں آتش پرست تھے اس لئے فارسی زبان میں وہی محاورے آئیں گے لیکن مراد محض معنی مجازی ہوں گے اور سالک جو شیخ کو کہہ دیا ہے اس کے معنی آنکہ سلوک میکند نہیں بلکہ آنکہ سلوک کردہ وفارغ شدہ باشد ہیں۔ اور احقر نے جو تفسیر بمی سجادہ رنگین کن کی کی ہے قرینہ اس کا ظاہر ہے کہ جس فن کا یہ مضمون ہے اسی فن کے اعتبار سے جو امر منکر ہو وہ متعین الارادہ ہے معنی لغوی لینا بالکل فن سے خارج ہوجانا ہے خوب سمجھ لو۔ قال؎

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم	جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

(منزل جاناں مقام وحال باطن۔ جرس اثر ارشاد عرفاء اور شوق قلب مراد یہ کہ) مجھ کو کسی مقام یا حال باطنی میں امن وعیش (یعنی استقرار وسکون) کیونکر حاصل ہو جبکہ ہر وقت قلب میں جو عارفین کے (اس) ارشاد کا اثر ہے (کہ سالک کو کہیں توقف نہ کرنا چاہئے) اور شوق قلب بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہاں محمل (کجاوہ) لادو اور سفر کرو۔

طلب ترقی در باطن

اس میں تعلیم ہے کہ کسی خاص حالت باطنی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر دم طالب مزید ہو عمل وسعی سے بھی توجہ اور ارادہ سے بھی اور دعا والتجا سے بھی مولانا نے بھی اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے۔

اے برادر بے نہایت درگہی است	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

تنبیہ۔ عادت تھی کہ کوچ کے وقت جرس بجاتے تھے جیسے اسٹیشن پر گھنٹی بجتے دیکھی ہوگی۔ قالؒ

شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں ہائل	کجادا نند حال ماسبکساران ساحلہا

(اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے مع ایک گونہ عذر معترضین اور ملامت گروں کے) یعنی ہماری حالت (حیرت میں) ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ورطہ ہولناک (میں کشتی آ گئی) ہو تو ہمارے (اس) حال کی ان لوگوں کو کب خبر ہوسکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں (جنہوں نے دریا میں قدم بھی نہیں رکھا)

حالت حیرت

مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی عقبۂ باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اس کے افعال و اقوال پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں مگر یہ اعتراض خود دلیل اس کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گزری پس ان کے ناواقف ہونے کا اور مبتلائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے۔ رہے واقف اور عارف لوگ وہ اس پر رحم کرتے ہیں اور اس کی دستگیری کرتے ہیں۔ تنبیہ اس میں تشبیہ مرکب بالمرکب ہے۔ قالؒ

ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر	نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(خود کامی استعجال وصل) یعنی جلدی کامیاب ہو جانے کے تقاضے کی بدولت میرے کام کا انجام یہ ہوا کہ تمام میں رسوا ہو گیا (کیونکہ اس جلدی میں ہر کسی سے تدبیریں پوچھنے لگا جس میں اظہار راز محبت کرنا پڑا سب کو میرا حال معلوم ہو گیا) اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے مجمع کیا جائے (جیسے میں نے مجمع کر لیا)

ضرر استعجال در حصول مقصود

اس میں یہ بتلا دیا کہ سالک کو استعجال اور جلدی ثمرہ حاصل ہو جانے کا تقاضا مضر ہے

کیونکہ ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت وطمانیت نہیں رکھتا بلکہ اہل کی تخصیص بھی نہیں رکھتا ہر کس وناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور سب کو اس کا مخفی حال معلوم ہو جاتا ہے اور مخفی حال کا اظہار بجز مرشد کے کسی سے مذموم ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہر جائی ہونے کی وجہ سے پوری توجہ وشفقت اس شخص پر کسی کو بھی نہیں ہوتی اور شیخ کی عنایت ولطف بھی جاتا رہتا ہے اور مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول خارج از اختیار ہوتا ہے اس سے پریشانی اور بڑھتی ہے غرض ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ سالک ہرگز تقاضا اور جلدی نہ مچائے اور غیر مرشد سے اپنا حال نہ کہے۔ قالؒ

حضوری گرہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ	متی ماتلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

یعنی اگر تم (محبوب حقیقی کے دربار میں) حضوری (اور قرب وقبول) چاہتے ہو تو اس سے غائب (یعنی دل سے غافل) مت ہو (بلکہ اس کی طرف متوجہ رہو) اور جب ملاقات کرو اپنے محبوب سے (یعنی اس کے طرق لقاء میں کہ عبارت ہے عبادت سے مشغول ہو) تو دنیا کو چھوڑ دیا کرو (یعنی قصداً دنیا ومافیہا کی طرف اس وقت التفات مت کیا کرو)

طریق وشرط نفع ذکر وعبادت

اس میں تعلیم ہے ذکر وعبادت پر دوام کرنے کی اور اس ذکر وعبادت کے نفع کی شرط کی کہ اس وقت قصداً غیر اللہ کو متحضر نہ کرے کہ مفوت نفع ہے اور بلا قصد اگر آئے تو اصلاً مضر نہیں اور مکرر ذکر کی طرف متوجہ ہو جانے سے وہ آیا ہوا خیال از خود دفع ہو جاتا ہے قصداً دفع کرنے کی ضرورت نہیں اور دفع بھی نہیں ہوتا اور اگر توجہ ذکر سے بھی دفع نہ ہو تو اصلا پروا نہ کرے کیونکہ امر غیر مضر قابل اہتمام نہیں ہوتا ورنہ اس کے درپے ہو جانے سے پھر وہ پورا وبال جان ہو جاتا ہے۔

غزل - قالؒ

ای فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما	آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما

فروغ وآبرو بمعنی رونق متقارب۔ حسن وخوبی مترادف۔ روی رخشان وچاہ زنخدان عبارت از ذات باعتبار اتصاف بکمالات۔ ماہ حسن باضافۃ مشبہ بہ سوی مشبہ مثل لجین الماء۔

مطلب ظاہر ہے کہ حسن جو مشابہ چاند کے ہے اور خوبصورتی ان کی رونق اے محبوب تمہارے روے رخشان اور چاہ زنخدان کی بدولت ہے یعنی تمہارا رخ اور زنخ حسن کا محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے۔

تحقیق ارتباط بین الذات والصفات

احقر کے ذوق میں یہ شعر اشارہ ہے ایک مسئلہ متعلقہ ذات وصفات کی تحقیق کی طرف اس کی تقریر سے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ ذات وصفات کے درمیان وجہ ارتباط کے باب میں چند اقوال ہیں۔ عینیت محضہ کل میں اور عینیت بعض میں اور غیریت بعض میں۔ اور لاعینیت۔ اور لاغیریت کل میں اور یہی مذہب اخیر منسوب ہے عامہ اہل سنت کی طرف جس کا حاصل یہ ہے کہ صفات کا قیام ذات کے ساتھ اس طور پر ہے کہ وہ زائد علی الذات ہیں لیکن لازم وممتنع الانفکاک ہیں زیادۃ علی الذات کو لاعینیۃ سے تعبیر کیا گیا اور لزوم کو اصطلاحاً لاغیریت کہہ دیا گیا اور ظاہر صیغ واردہ فی النصوص سے زیادہ ہی مفہوم ہوتی ہے اور لزوم خود امر عقلی ہے لہٰذا مذہب منصور یہی ہے اور صوفیہ کا عین کہہ دینا چونکہ مبنی بر اصطلاح ہے اس قول کے منافی نہیں۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھو کہ اس قول پر ظاہراً ایک اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ اس قول پر دو امر لازم آتے ہیں ایک یہ کہ صفات محتاج ہوں ذات کی طرف اپنے قیام میں سو اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں اور دوسرے یہ کہ ذات محتاج ہو صفات کی طرف اپنے متصف بالکمال ہونے میں مثلاً **لولا صفة العلم لما كان الذات عالما موصوفا بالكمال العلمي** وقس علیہ سائر الکمالات اور احتیاج ذات کی کسی دوسری شیء کی طرف محال ہے کیونکہ احتیاج مستلزم ہے امکان وحدوث کو جو کہ واجب میں محال ہے جب قول بزیادۃ الصفات مستلزم ہوئی احتیاج ذات الی غیرہا کو اور مستلزم محال کو محال ہے پس قول بالزیادۃ محال ہے اس اشکال کا بعض اکابر نے یہ جواب دیا ہے کہ مطلق احتیاج کا استحالہ غیر مسلم ہے البتہ احتیاج الذات الی غیر صفاتہا محال ہے سو وہ لازم نہیں آیا اور جو لازم آیا وہ محال نہیں لیکن اس سے اقرب اور اصوب جواب وہ ہے جس

کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم اسی کونہیں مانتے کہ اس سے ذات میں احتیاج لازم آتی ہے جیسا کہ تقریر مطلب میں لکھا گیا ہے کہ تمہارا رخ اور زنخ (یعنی ذات) حسن کا (یعنی صفات کا) محتاج نہیں بلکہ خود حسن تمہارے رخ اور زنخ کا محتاج ہے یعنی صفات کو تو ذات کی طرف اپنے قیام میں احتیاج ہے لیکن ذات کو صفات کی طرف احتیاج نہیں اور اس کی دلیل میں یہ کہنا کہ **لو لا صفة العلم** الخ سواس سے احتیاج لازم نہیں آتی کیونکہ احتیاج کے لئے تقدم محتاج الیہ کا لازم ہے اور یہاں تحقق صفت علم کا تقدم اتصاف بالکمال العلمی پر غیر مسلم ہے کیونکہ تقدم وتاخر کے لئے متقدم ومتاخر کا متغائر بالمفہوم ہونا لازم ہے اور یہاں تغائر نہیں ہے کیونکہ تحقق صفۃ علم خود اتصاف بالکمال العلمی ہی ہے جیسا کہ بدیہی ہے پس دونوں عین ہوئے اور عینیت کے بعد تقدم کے قائل ہونے سے تقدم الشیء علی نفسہ لازم آئے گا جو کہ محال ہے پس تقدم تحقق صفۃ علم کا اتصاف باالکمال العلمی پر محال ہوا جو بناء تھی احتیاج کی پس احتیاج لازم نہ آئی وہو المطلوب بلکہ خود یہ کہنا **لو لا صفة العلم** الخ اگر بناء علی الاطلاق العرفی توسعاً وتاولاً ہے تو اصطلاح میں مناقشہ نہیں اور اگر تحقیقاً ہے تو غلط ہے کیونکہ ایک شئے اور اس کے عین میں لولاہ لامتنع کا حکم باطل ہے بخلاف کمالات ممکنات کے کہ وہاں گواحتیاج کی حقیقت یہ نہیں ہے لیکن خود اصل صفات ان کی مستفاد ہیں غیر سے اور حق تعالیٰ کی صفات میں یہ احتمال ہی نہیں اور اگر اس اطلاق عرفی ہی کے مرتبہ میں صحت حکم کو احتیاج کہا جائے تو اس اصطلاح میں کوئی ضرر ومحذور لازم نہیں آتا مقصود تو نفی کرنا ہے احتیاج کی حقیقت میں اور نفی حقیقتاً اور اثبات اصطلاحاً میں کوئی تعارض نہیں۔ اور بعض اکابر کے جواب مذکور کو اگر اسی جواب کی طرف مخلل ومفصل کیا جائے تو بعد توجیہ ممکن ہے۔ نکتہ ماہ کے مقابلہ میں رخشان جو اکثر خورشید میں مستعمل ہوتا ہے اور چاہ کے مقابلہ میں آپ لانے میں لطافت شعری ظاہر ہے۔ التماس چونکہ مضمون ہی مشکل تھا اس لئے میں اس کو آسان نہ کرسکا۔ قالؒ

عزم دیدار تو دارد جان برلب آمدہ	باز گردد یا برآید چیست فرمان شما

اے محبوب یہ عاشق تیرے دیدار کا عزم رکھتا ہے اور (اس اشتیاق میں) لبوں تک جان آ چکی ہے سو اب کہو تمہارا کیا حکم ہے وہ جان واپس ہو جائے یا نکل آئے یعنی واپس ہونے میں تو اور چند روز مصیبت کے بھگتنے پڑیں گے اور نکل جانے میں اس سے نجات ہو جائے گی سو جس میں تمہاری رضا ہو اس پر راضی ہوں۔

حکمت عروج ونزول سالک

اور بلسان اشارۃ اس کی شرح یہ ہے کہ جان برلب آمدن کنایہ ہے فناء سے جو آخر سلوک میں پیش آتا ہے اور منتہاء عروج ہے اور دیدار عبارت ہے مشاہدہ تجلیات مکشوفہ طریق سے اور باز گردد سے مراد ہے حصول بقاء بعد الفناء جو منتہا نزول ہے اور برآید سے مراد ہے ترقی احوال فنا کی اور انشاء استفہامی بمعنی اخبار ہے پس مقصود مقام یہ مسئلہ بتانا ہے کہ سالک جب مراتب سلوک میں عروج کرتا ہوا مرتبہ فنا تک پہنچتا ہے اور ہر مرتبہ میں تجلیات اسمائی و صفاتی کا انکشاف ومشاہدہ غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے جو اصطلاح میں عروج کہلاتا ہے تو غایت سکر سے متمنی ترقی احوال فنا کا ہوتا ہے لیکن محبوب حقیقی کا معاملہ اس مرتبہ کے بعد ہر سالک کے ساتھ جداگانہ ہوتا ہے بعض کو تو حسب تمنا ان کے ان ہی احوال فنا میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ان کو مستغرق کر دیتے ہیں اور ان لوگوں سے آئندہ سلسلہ افاضہ کا جاری نہیں ہوتا اور بعض کو اس سکر وفنا سے افاقہ بخشتے ہیں اور یہ بقاء ونزول کہلاتا ہے اور ایسے لوگ مسند ارشاد پر متمکن ہو کر خلق اللہ کو فیض پہنچاتے ہیں اور وہ تجلیات اسمائی وصفاتی ان سے بھی منقطع و مختفی نہیں ہوتیں بلکہ ان کی معرفت ان اہل فنا سے اقوی ہوتی ہے لیکن یہ حضرات ان تجلیات میں مغلوب نہیں ہوتے اور چونکہ اشتیاق ان کا مقتضی ہوتا ہے تجردتوجہ الی الحق کو اور شان ارشاد کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق بھی گو ان کے لئے یہ توجہ اس توجہ سے مانع نہیں بلکہ معین بلکہ عین ہے لیکن تاہم تجرد تو نہیں لہذا ایک گونہ کلفت برداشت کرنا پڑتی ہے جس کو تقریر ترجمہ میں مصیبت بھگتنے سے تعبیر کیا گیا ہے پس حافظ گو یہ بات بتانا مقصود ہے کہ اس عروج ونزول کا مدار سالک کی تمنا پر نہیں ہے بلکہ مرضی حق پر ہے کما قال ایضاً

درکار گلاب وگل حکم ازلی این بود	کان شاہد بازاری وین پردہ نشین باشد

اور جاننا چاہئے کہ فنا کی کئی قسمیں ہیں یہاں فناء علمی مراد ہے جس میں فانی واقع میں منفی الوجود نہیں ہوتا البتہ غیر ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جاتا ہے اور بقاء اسی کا مقابلہ ہے یعنی ملتفت الیہ بحسب العلم ہو جانا۔ اور مشاہدہ سے مراد رویت نہیں بلکہ غلبہ استحضار علمی مراد ہے۔ قالؒ

کے دہد دست این غرض یارب کہ ہمدستان شوند	خاطر مجموع ما زلف پریشان شما

ہمدستان موافق۔ مطلب یہ کہ خدا جانے یہ مقصود کب حاصل ہوگا کہ تمہارے زلف پریشان کا وصال اس طرح حاصل ہو کہ ہمارے دل کو اس وقت جمعیت نصیب ہو (یعنی اطمینان خاطر سے وصال میسر ہو اور مجموع اور پریشان کے تقابل میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

حجاب نبودن خلق منتہی را از حق

اور بلسان اشارت زلف سے مراد عالم کثرت وجہ تشبیہ چار امر ہیں اول زلف میں بھی بالوں کی کثرت ہوتی ہے۔ دوم زلف ساتر ہوتی ہے روئے محبوب کی اسی طرح عالم کثرت حجاب ہے مشاہدہ وحدت سے۔ سوم زلف مظہر جمال محبوب ہوتی ہے اور عین محبوب نہیں اسی طرح عالم کثرت مظہر صفات الٰہیہ ہے اور عین ذات وصفات نہیں۔ چہارم زلف محبوب سیاہ ہوتی ہے اسی طرح عالم کثرت بہ نسبت انوار الٰہیہ کے مظلم ہے اور وجہ دوم وسوم میں ظاہرا تعارض کا توہم نہ کیا جائے کہ ساتر ہونا اور مظہر ہونا کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ دفع اس توہم کا یہ ہے کہ ساتر ہونا باعتبار مجوبین کے ہے اور مظہر ہونا باعتبار عارفین کے یا عارف ہی کے حق میں ساتر بھی ہے اور مظہر بھی ساتر تو ذات ہے اور مظہر صفات کا پس بعنوان آرزو اس میں یہ مسئلہ بتانا منظور ہے کہ سالک کو بالخصوص منتہی کو جو توجہ عالم کثرت کی طرف ہوتی ہے اس کی توجہ اور عوام کی توجہ میں فرق ہے وہ یہ کہ عوام کی نظر میں تو وہ محدثات کثیرہ ہی خود مقصود ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمیشہ پریشان رہتے ہیں کیونکہ اکثر حصول میں کہ وہ بھی غیر اختیاری ہے باہم متزاحم ہوتے ہیں بخلاف خواص کے کہ ان کو ان محدثات کثیرہ سے بھی مقصود توجہ الی الحق ہوتی ہے اور اس کثرت کو وہ آئینہ مشاہدہ وحدت سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو ہمیشہ جمعیت رہتی

ہے کیونکہ علاوہ اس توجہ مقصود کی اختیاریت کے خود اس توجہ میں کوئی جزو عالم مزاحم نہیں ہوسکتا بلکہ مرأت و معین ہے اور چونکہ اس توجہ میں عالم کثرت کا واسطہ ہونا متضمن ہوتا ہے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کو اس لئے اس کو توجہ مذکور کا مرأۃ بنایا جاتا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ عالم کثرت کی طرف مطلقا توجہ کرنے کی مذموم مت سمجھو بلکہ جب یہ توجہ جمعیت قلب کے ساتھ ہو جو فرع ہے ملاحظہ وحدت کی تو مضر نہیں پس تمنا کے طور پر کہتے ہیں کہ یا اللہ وہ کونسا وقت ہوگا کہ عالم کثرت کی طرف جو مجھ کو پریشانی کے ساتھ اور من حیث الکثرۃ توجہ ہے وہ زائل ہو جائے اور اگر توجہ رہے تو جمعیت خاطر اور ملاحظۂ وحدت کے ساتھ ہو اور محط فائدہ یہی قید ہے پس اگر مصلحت الٰہیہ اصلاً عدم توجہ الی الخلق کو مقتضی ہو تو یہ آرزو اس کی نافی نہیں کیونکہ نفس توجہ الی الخلق محط فائدہ نہیں بلکہ قید ملاحظۂ وحدت بر تقدیر توجہ مطمح قصد ہے واللہ اعلم۔ قالؒ

کس بدور نرگست طرفے نہ بست از عافیت	بہ کہ بفروشند مستوری بمستان شما

دور نوبت نرگس چشم و نچنیں مستان اے چشمان مست۔ طرف بستن حاصل نمودن بفروشند حوالہ کنند۔ مستوری گوشہ نشینی متقارب عافیت۔ مطلب یہ کہ اے محبوب تمہارے چشمان مست کے دورے اور زمانہ میں کوئی شخص آج تک عافیت حاصل نہیں کرسکا (کیونکہ سب اس سے گھائل اور زخمی رہے اس لئے) بہتر یہی ہے کہ عشاق اپنی عافیت (کی فکر جانے دیں اور اس کو) تمہارے چشمان مست کے حوالہ کردیں (کہ وہ چشمان مست جو تصرف ان کے بارے میں کریں اس پر راضی رہیں اور اس کو تسلیم کریں)

منع طلب سالک حالت خاصہ را

اس میں تعلیم ہے سالک کو کہ طریق سلوک میں اپنے لئے کسی خاص حالت کو جو اس کے مذاق کے موافق ہو اور اس میں اپنی منفعت بالذت سمجھتا ہو مثل شوق یا انس یا وجد یا اور کوئی تجلی خاص ہرگز تجویز نہ کرے اور اسماء متقابلہ کی تجلیات سے جو اس کی حالت میں تکوین ہو کہ بعض اس میں سے اس کی مراد اور مذاق کے خلاف بھی ہے اس سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ مقصود اس سب سے اس کی تربیت ہوتی ہے اور تربیت کا طریق خود مربی زیادہ جانتا ہے

پس حافظؒ اس تجویز مراد کی لم بتلا کر اس کی اصلاح کرتے ہیں یعنی اصل سبب اس تجویز کا طلب عافیت اور راحت ہے جس میں نفس کا ایک کید خفی ہے کہ طلب حق میں بھی اپنے مرغوبات و مشتہیات کو نہیں چھوڑتا اور مشقت سے بھاگتا ہے اس لئے سالک کو چاہئے کہ سمجھ لے کہ عافیت کہ مقتضائے نفس ہے طریق میں مطلوب نہیں بلکہ باقتضائے حکمت الہیہ حاصل بھی نہیں ہوا کرتی اس لئے اپنے کو ان تجلیات و واردات کے تابع کر دینا چاہئے حتی کہ جس حالت پر قرار دینا حسب استعداد طالب مرضی محبوب ہوگا اس پر تمکین عطا فرمائیں گے ۔

چونکہ برمیخت بہ بندوبستہ باش	چون کشاید چابک وبرجستہ باش

قالؒ

بختِ خواب آلودِ ما بیدار خواہد شد مگر	زانکہ زد بر دیدہ آبے روے رخشان شما

(یعنی اب امید ہے کہ) شاید ہمارا بخت خفتہ (جس سے ہم فراق میں مبتلا ہیں) بیدار ہو جائے (اور ہم کو وصال میسر ہو جائے) کیونکہ تمہارے روے رخشان نے اب (ہماری) آنکھوں پر پانی کا چھینٹا دیا ہے (یعنی تمہارے روے رخشان کی شعاع حسن کو دیکھ کر آنکھوں سے پانی بہنے لگا جیسا آفتاب کی طرف نظر کرنے سے واقع ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ سوتے کی آنکھوں پر پانی چھڑکنے سے وہ جاگ اٹھتا ہے یہ کنایہ ہے رونے سے کہ اکثر محبوب کو اس سے رحم آ جاتا ہے رعایت شاعرانہ سے اس عنوان خاص سے تعبیر کیا)

ف۔ بلسان اشارت تعلیم ہے اس مسئلہ کی جب طالب کی بیقراری اور گریہ وزاری بڑھتی ہے تو محبوب حقیقی کا فضل اس کے حال پر متوجہ ہوتا ہے ۔

تانہ گرید ابر کے خندد چمن	تانہ گرید طفل کے جو شد لبن

اور وجہ اس بیقراری کی تنگی اور حیرت ہوتی ہے اور یہ علامات کامیابی سے ہے لہذا تنگی کو گران نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے اور جب یہ کیفیت پیش آئے امید کو قوی کرے۔ قالؒ

باصبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ	بوکہ بوے بشنویم از خاک بستان شما

یعنی اپنے رخ سے ایک گلدستہ باد صبا کے ہمراہ بھیج دیجئے تاکہ ہم آپ کے خاک

بوستان کی ایک خوشبو سونگھ لیں ف صبا سے مراد ذکر و شغل بوجہ واسطۂ فیض ہونے کے۔ گلدستہ سے مراد فیوض غیبیہ جو قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ بستان سے مراد ذات وصفات۔ حاصل مضمون یہ کہ اے محبوب ذکر و شغل کے واسطہ سے فیوض غیبیہ قلب پر نازل فرمائے تا کہ قدرے ذات و صفات کی معرفت نصیب ہو جس سے آگے اور طلب اور شوق میں زیادتی ہو۔ اشارہ ہے واردات غیبیہ کی حکمت کی طرف کہ اس سے ذوق و شوق بڑھتا ہے تو وہ ثمرۂ اصلی ذکر و شغل کا نہیں بلکہ طریقہ تربیت کا ہے جس سے طالب کو آسانی ہوتی ہے سو اگر یہ واردات قلب پر نہ آئیں تو اصلی ثمرہ سے کہ وہ رضاء وقرب ہے اپنے کو محروم نہ سمجھنا چاہئے اور ہمت سے کام میں لگا رہنا چاہئے بلکہ بعض اوقات واردات کے منکشف نہ ہونے سے یا بعد انکشاف کے بند ہو جانے سے قلب میں ضیق ہوتا ہے اور یہی ضیق سبب توجہ رحمت کا ہو جاتا ہے جیسا اوپر کے شعر میں مذکور ہوا۔ غرض بسط میں بھی حکمت ہے اور قبض میں بھی مصلحت ہے۔ قالؒ

دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید	زینہار ای دوستان جان من و جان شما

یعنی (میرا) دل خرابی کر رہا ہے (کسی طرح درست نہیں ہوتا) دلدار کو آگاہ کر دو (کہ مجھ پر عنایت کرے) ضرور اے دوستو (ایسا کرو) میری جان اور تمہاری جان تو ایک ہی ہے (میرے ساتھ ہمدردی کرنا چاہئے)

ف: بلسان اشارت تعلیم ہے اس امر کی کہ مجاہدہ وریاضت حصول مقصود کی علت تامہ نہیں بعض اوقات اس سے کشود کار نہیں ہوتا اس وقت اہل اللہ کی دعا سے استعانت کرنا چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ سے عرض کریں جس سے باطن کی درستی ہو پس دلدار کو آگاہ کرنا مجازاً کنایہ ہے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرنے سے اگرچہ وہ پہلے سے بھی آگاہ ہیں اور جان من و جان شما میں اثبات ہے اتحاد کا طالبان حق کے درمیان میں کہ ان میں طالبان دنیا کی طرح تنازع نہیں ہوتا۔ اور اس جملہ اخیرہ کی ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پس میری جان ہے اور تمہاری جان ہے یعنی اب میں ہوں اور تم ہو میں تم کو چھوڑوں گا نہیں۔ قالؒ

عمرتان بادا درازای ساقیان بزم جم	گرچہ جام مانشد پر مے بدوران شما

یعنی اے بزم جم کے ساقیو تم تا دیر سلامت رہیو اگرچہ تمہارے دور میں ہمارا جام

شراب سے نہیں ہوا (اور ہم کو شراب نہیں ملی) ف یہ تتمہ ہے ماسبق کا اور اشارہ ہے اس طرف کہ بستگی مقصود کے وقت جب اہل اللہ سے استعانت اور طلب ہمت کی جائے اور اس کے بعد بھی دیر ہو تو ان سے بداعتقاد نہ ہو اور ان کے کمال سے بدگمان نہ ہو ان سے ویسی ہی محبت اور عقیدت رکھے اول تو اس وجہ سے کہ وہ محبوبان حق ہیں دوسرے اس لئے کہ ان سے دوسروں کو نفع ہو رہا ہے۔ تیسرے تحقیق یہ ہے کہ اس کو بھی نفع ہوا ہے گو سردست محسوس نہیں ہوا جیسا کسی کو ایک قیمتی جوہر مل جائے مگر اس کی ماہیت سے بے خبر ہو تو باوجود حصول کے محرومی کا گمان کرتا ہے بعد چندے خود یا کسی کامل کی تنبیہ سے اطلاع ہوتی ہے تو شکر کرتا ہے۔ قالؒ

اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو	کاے سر حق ناشناسان گوی میدانِ شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست	بندۂ شاہ شمائیم وثنا خوان شما

شعر ثانی کے مصرع اولیٰ میں ہمت بحذف مضاف مبتدا ہے یعنی ہمت مادور نیست اور پورا شعر ثانی جواب ہے ندا کا۔ مطلب یہ کہ اے صبا شہر یزد کے رہنے والوں سے ہماری طرف سے یوں کہنا کہ اے بزرگو جن کی شان یہ ہے کہ ناحق شناس مخالف لوگوں کا سر تمہارے میدان میں گیند کی طرح خدا کرے ہمیشہ مارا مارا پھرا کرے (یعنی فشر کما لخیر کما فداء) اور وہ بات کہنے کی یہ ہے کہ ہم اگرچہ آپ لوگوں کے بساط قرب ظاہری سے دور ومہجور ہیں لیکن ہماری ہمت یعنی توجہ تام دور نہیں ہے (بلکہ سراسر دل آپ ہی کی طرف مصروف ہے اور ہم آپ کے بادشاہ (یعنی حق تعالیٰ) کے غلام ہیں اور آپ لوگوں کے بھی ثنا خوان ہیں ف اس میں بھی مثل سابق کے خطاب ہے اہل اللہ کو اور اشارہ ہے دو مسئلوں کی طرف اول یہ کہ اولیاء اللہ سے اگرچہ ظاہر میں دور ہو لیکن غیبت میں بھی ان سے محبت و عقیدت کامل رکھے اور ان کے اقوال وافعال کا خیال رکھے تاکہ اتباع کی توفیق ہو۔ ویمکن حملہ علی مسئلۃ تصور الشیخ للخواص بشرائط لا للعوام فانہ کما قیل۔

درحق اونور ودر حق تو نار	در حق او درد حق تو خار

ددوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کے احسان ماننے کے بعد ان حضرات کا بھی احسان مانے اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے من لم یشکر الناس لم لشکر اللہ۔ اوران دونوں

مسئلوں میں یہ امر قابل سمجھنے کے ہے کہ مقبولین کے ساتھ محبت اور ان کا ممنون ہونا منافی کمال توحید واخلاص کے نہیں کیونکہ توحید واخلاص جس کا حق ہے یہ اسی کے امر سے ہے اور اسی کے واسطے ہے اور اسی کی توحید کی تکمیل کے لئے ہے کیونکہ تعلیم اس کی ان ہی حضرات کے وسائط سے ہے بخلاف قول اہل شرک کے مانعبد هم الا لیقربونا الی الله زلفی کیونکہ عبادات حق میں عبادت غیر کے واسطہ کی تو حاجت نہیں پس وہ اشراک ہے اور تعلیم غیر کی حاجت ہے پس وہ آلہ ادراک ہے فافہم ۔ قالؒ

دور دار از خاک وخون دامن چو برما بگذری	کاندرین ره کشتهٔ بسیارند قربان شما

یعنی اے محبوب جب تمہارا ہم پر گزر ہو تو اپنا دامن (ہمارے) خاک وخون سے بچانا (کبھی آلودہ نہ ہو جائے) کیونکہ اس راہ میں بہت لوگ تم پر قربان ہو چکے ہیں (اور خاک و خون میں آغشتہ ہو رہے ہیں اپنا دامن سب سے دور رکھنا چاہئے۔

عدم مواخذہ بر اہل شکر

بلسان اشارت خاک وخون سے مراد وہ امور ہیں جو غلبۂ حالت سکر وفنا میں خلاف ظاہر شرع صادر ہو جاتے ہیں کہ باوجودیکہ ان میں عذر مسموع ہے لیکن فی نفسہ تو ان میں آلودگی ونقصان ہے اس لئے خاک وخون سے تشبیہ دی گئی اور دامن سے مراد نظر والتفات ہے مطلب یہ کہ ایسے امور پر نظر نہ فرمایئے بلکہ ان کو معاف کر دیجئے کیونکہ اوروں پر بھی ایسے حالت گزری ہے اور ان کے ساتھ معاملہ عفو کا کیا گیا ہے مجھ کو بھی امید ہے۔ خطاب کے پیرایہ میں یہ مسئلہ بتلانا منظور ہے کہ مغلوب الحال کی لغزشیں معاف ہوتی ہیں جیسا کہ مجنون شرعاً غیر مکلف ہے پس اہل ظاہر کو ان پر اعتراض کرنے میں مبادرۃ نہ چاہئے۔ قالؒ

ای شہنشاہ بلند اختر خدارا ہمتے	تا ببوسم ہمچو گردون خاک ایوان شما

یعنی اے بادشاہ بلند اقبال خدا کے لئے ایک توجہ فرمایئے تاکہ (اس کی برکت سے) آپ کے ایوان کی خاک کو بوسہ دوں جس طرح آسمان اس کو بوسہ دیتا ہے ف شہنشاہ سے مراد یا محبوب حقیقی ہے اور بلند اختر مجازاً بمعنی عالی صفات لے لیا اور خدارا میں وضع مظہر موضع مضمر ہے یعنی برای خود۔ اور یا مراد مرشد ہے مجموعہ ہر دو توجیہ کا حاصل یہ تعلیم ہے کہ

مجاہدہ محض وصول الی المطلوب کے لئے کافی نہیں بلکہ عنایت حق وتوجہ اہل اللہ اس میں زیادہ موثر و دخیل ہے سو مجاہدہ پر مغرور نہ ہو۔

بے عنایات حق و خاصان حق	گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

قالؒ

میکند حافظ دعائے بشنوو آمین بگو	روزی مابا د لعل شکر افشان شما

یعنی حافظ ایک دعا کرتا ہے تم آمین کہنا وہ دعا یہ ہے کہ خدا کرے ہم کو تمہارا لب شکر افشان نصیب ہو ف خطاب ہے مطلوب حقیقی کی طرف اور آمین کہنا کہ کلمہ استجابت ہے کنایہ ہے استجابت سے مطلب یہ کہ آپ کا وصل میری تمنا و دعا ہے آپ اس کو مستجاب فرمالیں۔اس میں بھی تعلیم ہے کہ اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو بلکہ جناب باری تعالیٰ سے التجاو تضرع کرتا رہے فقط۔غزل۔قالؒ

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا	دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا

یعنی میرے ہاتھ سے دل نکلا جاتا ہے اے صاحبدلو خدا کے واسطے (سنبھالو) ہائے افسوس کہ (اب راز نہانی (دل کا) ظاہر ہو جائے گا (حالانکہ اس کا پوشیدہ کرنا مصلحت ہے)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ احوال باطنی کا ضبط و اخفا زیادہ بہتر ہے اس میں چند مصلحتیں ہیں اول اس صورت میں ترقی زیادہ ہوتی ہے دوم اظہار میں احتمال ہے کہ مدح و اعتقاد عوام سے عجب و پندار پیدا ہو جائے۔سوم بعض امور کا اظہار موجب فتنہ عوام بوجہ ان کی بے علمی کے ہو جاتا ہے اور نیز اس سے لازم آیا کہ مغلوب الحال ہونے سے غالب علی الحال ہونا زیادہ افضل و اکمل ہے وجہ لزوم ظاہر ہے کہ مغلوب الحال اخفا پر کم قادر ہے۔نیز اس میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی حالت غالب ہو جس کے سبب ضبط سے عاجز ہو جائے تو شیوخ کاملین کی توجہ سے ضبط آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہوتا ہے پس اس سے اس کی تعلیم بھی لازم آئی کہ ایسے وقت اس کی خدمت میں رجوع اور عرض کرے۔قالؒ

دہ روزہ مہر گردون افسانہ ایست وافسون	نیکی بجاے یاران فرصت شمار یارا

یعنی یہ چند روزہ مہربانی آسمان کی...... (یعنی مساعدت زمانہ کی جس سے تم صاحب

نعمت وحشمت ہورہے ہو) ایک خواب وخیال (یعنی فنا ہوجانے والی چیز) ہے تو اے یار اپنے یاروں (اور رفیقوں) سے نیکی اور احسان کرنے کو غنیمت سمجھو...... (اور جو نفع کسی کو پہنچا سکو اس میں دریغ نہ کرو) اس میں تعلیم ہے...... خدمت خلق اللہ کی کہ سالک کے لئے ازبس نافع ہے...... دووجہ سے اول اس میں خوگر ہوتا ہے تواضع کا...... جس کی صفائے باطن کے لئے سخت ضرورت ہے...... کیونکہ کبراور خودی اعلیٰ درجہ کا حجاب ہے...... دوسرے جن لوگوں کی خدمت کرے گا ان کو راحت پہنچے گی...... اور وہ دل سے اس کے لئے دعا کریں گے...... اگر کسی اخلاص مند کی دعا کارگر ہوگئی...... اس کا کام بن گیا...... شیخ نے اسی کو فرمایا ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست	بہ تسبیح وسجادہ و دلق نیست

مگر یہ یادرہے کہ ضرورت خدمت سے زیادہ اختلاط نہ کرے کہ وہ منافی عزلت کے اور مضرات باطن سے ہے اور سالک کے لئے عزلت ضروری ہے۔ اور یہ توجیہ بعید ممکن ہے کہ شیوخ کو خطاب ہو کہ تم کو کمال کا ناز نہ چاہئے طالبین کے ساتھ ملاطفت وتوجہ رکھو۔ قالؒ

کشتی شکستگانیم ای باد شرط برخیز	باشدکہ باز بینیم آن یار آشنارا

یعنی ہماری کشتی (مثل) شکستہ (کے) ہوگئی...... (کہ جس طرح اس کے سوار چاروں طرف متحیر ہوتے ہیں...... اسی طرح ہم ہیں گوواقع میں کشتی شکستہ نہ ہوئی ہو...... کیونکہ آگے کہتے ہیں کہ) اے بادموافق اٹھ (اور چل سو یہ قرینہ اس مجاز مذکور کا ہے...... ورنہ ظاہر ہے کہ بادموافق کشتی شکستہ کو کیونکر چلاسکتی ہے) شاید کہ ہم (کشتی کے پار لگنے سے منزل مقصود تک پہنچ جائیں...... اور) اس یار آشنا یعنی محبوب کو دیکھ لیں...... اور بعض نسخوں میں ہے کشتی نشستگانیم...... اس کی دوتوجیہیں ہوسکتی ہیں...... ایک یہ کہ کشتی مانشستہ است یعنی مثل اس کشتی کے ہے جودھنس گئی ہو کہ چلتی نہیں...... اسی طرح ہوائے موافق نہ ہونے سے وہ نہیں چلتی گوواقع میں دھنسی نہیں اس مجاز کا قرینہ بھی وہی ہے کہ دھنسی ہوئی کشتی کو ہوا کیسے چلائے گی...... دوسری توجیہ یہ کہ درکشتی نشستہ ایم یعنی سفر کیلئے تیار ہیں...... اب اسباب موصلہ کی ضرورت ہے۔ ف ہر تقدیر پر بادشرط سے اشارہ ہے توجہ وتعلیم مرشد کامل کی طرف کہ عقبات سلوک سے اس کی بدولت گزرتا ہے...... اور باز بینیم میں اشارہ ہے اس طرف کہ

اصلی حالت روح کی مشاہدہ حق تھا ...... مگر تعلقات کی ظلمت حجاب شہود ہوگیا تھا ...... ریاضت اور سلوک سے پھر مشاہدہ اصلیہ عود کر آتا ہے ...... مگر اتنا فرق ہے کہ مشاہدہ اولی ناقص اور ناقابل ترتب اجر وقرب ہے۔ لیکن نفس مشاہدہ امر مشترک ہے ...... اس لئے باز کہہ دیا ...... اور یہ بھی ایک محمل ہے منجملہ محامل قول مشہور کے ...... النہایۃ ہو الرجوع الی البدایۃ اور دوسرا محمل باعتبار ظاہری حالت کے ہے کہ منتہی کا حال بوجہ تمکن کے ظاہراً مثل مبتدی خالی عن الاحوال کے ہوجاتا ہے ...... تیسرا محمل باعتبار کیفیت معرفت کے ہے کہ جس طرح ابتداء میں معرفت سادج ہوتی ہے ...... الوان وقیود سے اسی طرح انتہا میں بوجہ کمال تحقیق وحذف قیود خیالیہ کے ہوجاتی ہے ...... البتہ توسط میں بسبب تلوین کے ہمیشہ خیالات وتصورات بدلتے رہتے ہیں من لم یذق لم یدر والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔ قالؒ

درحلقۂ گل ومل خوش خواند دوش بلبل	ہات الصبوح حیوایا ایہا السکارا

یعنی گل اور شراب کے مجمع میں (مراد یہ کہ محبوب اور محبت کی مجلس میں) شب گزشتہ میں بلبل نے (مراد یہ کہ عاشق نے) خوب بات کہی کہ (اے ساقی) صبوحی (یعنی شراب صبح یا مطلق شراب) دے (اور) اے مستو آؤ (اور جو شراب ملے پیو)

طلب مزید۔ اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو چاہئے کہ ہمیشہ مزید کا طالب رہے ...... اور جو حال باطنی بھی حاصل ہو اس پر قناعت نہ کرے ...... چنانچہ ہات الصبوح اس طرف مشیر ہے ...... اور نیز یہ اشعار ہے کہ دوسرے سالکوں کی حالت محمودہ دیکھ کر خوش ہو اور ان کی مزید نعمت میں راغب ہو۔

مسرت بر دولت طالبان۔ حیوایا ایہا السکارا اس کا مشعر ہے ایسا نہ کرے ...... جیسے بعض نوآموز جاہل ہوتے ہیں ...... کہ اگر کسی کی اچھی حالت دیکھ لیتے ہیں ...... تو حسد کرنے لگتے ہیں یا خود ذرا قلب میں گداز پاتے ہیں ...... تو مغرور ہو کر اسی کو انتہائی کمال سمجھنے لگتے ہیں ...... پس حیوایا ایہا السکارا بلسان حال ہے اور یہ مراد نہیں کہ لسان قال سے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا پھرے ...... کیونکہ یہ عمل مبتدی کے لئے موجب شہرت ومضر ہے ...... خوب یاد رکھو۔ قالؒ

ای صاحب کرامت شکرانۂ سلامت روزی تفقد می کن ...... درویش بینوا را قولہ شکرانہ

اے بشکرانہ...... یعنی اے صاحب اعزاز (اپنی) صحت سلامتی کے شکرانہ میں کسی دن تو درویش بینوا کی خبر لے لو۔ توجہ

بر حال طالبین۔ مطلب یہ ہے کہ صاحب کمال کو طالبین سے استغنا مناسب نہیں ...... جیسا کہ بعض کی عادت ہے...... بلکہ اس شکریہ میں کہ خدا تعالیٰ نے سب کدورات وظلمات نفسانیہ سے سالم و ناجی کر دیا...... دوسرے حاجت مندوں کی تربیت کی طرف توجہ بلیغ کرنا چاہئے...... جیسا کسی زمانہ میں خود بھی چاہا ہوگا کہ کاملین میرے حال پر توجہ فرمائیں۔ قالؒ

آسایش دوگیتی تفسیر این دوحرف است	بادوستان تلطف بادشمنان مدارا

الفاظ کا ترجمہ ظاہر ہے کہ...... دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں سے مداراۃ ...... کرنے سے دونوں جہان کی آسایش نصیب ہوتی ہے (دنیا کی تو ظاہر ہے...... اور آخرت کی اس لئے کہ یہ خوش اخلاقی ہے...... اور خوش اخلاقی آخرت میں نافع اور موجب ثواب ہے)

قطع تعلقات مشوشہ

تلطف سے اختلاط مراد نہیں...... بلکہ اگر مل جائیں تو ان سے رفق وترحم برتنا...... اور مداراۃ کہتے ہیں دفع الوقتی کو...... مراد یہ ہے کہ سالک کو تعلقات بڑھانا نہ چاہئے...... نہ دوستی کے نہ دشمنی کے کہ دونوں وقت اور قلب کے مشغول کرنے والے ہیں...... پس نہ دوستوں سے اختلاط نہ دشمنوں سے مخالفت کا برتاؤ کرے...... کہ یہ بجائے خود ایک مستقل شغل ہو جائے گا...... جو جان کو وبال لگ جائے گا اور ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا...... بلکہ دوست مل جائیں تو ان سے صرف جان بچانا ثابت نہ ہو...... ورنہ پھر وہ اس کی تحقیق وتفتیش میں لگیں گے اور دشمن مل جائے...... تو اس سے ظاہری اخلاق برتے...... تاکہ اس کا ہیجان نہ بڑھے...... ورنہ وہ اس کی ایذا کے درپے ہوگا...... اور یہ اپنی حفاظت میں لگے گا...... غرض ہر طرح وقت ضائع جائے گا...... مولانا نے خوب فرمایا ہے ؎

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک و بد	کاین دلم از صلحہا ہم میرمد

قالؒ

درکوی نیک نامی مارا گذر ندادند	گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

عدم اعتراض بر طبق ترتیب

ترجمہ ظاہر ہے اور اشکال بھی ظاہری معنی پر قوی ہے...... لیکن حقیقت کلام سمجھنے کے بعد کچھ اشکال نہیں...... حاصل اس کا یہ ہے کہ طالبین میں ہر ایک کی استعداد فطری جدا ہوتی ہے...... اور اسی استعداد کے موافق ہر ایک کی تربیت علیحدہ علیحدہ طور پر کی جاتی ہے مثلاً کسی پر بے خودی غالب کرتے ہیں...... کسی کو افاقہ دیتے ہیں...... اور ان ہی احوال کے اختلاف سے ہر ایک سے بعضے افعال بھی مختلف صادر ہوتے ہیں...... اور گو وہ افعال سب ہوتے ہیں دائرہ اباحت شرعیہ کے اندر...... لیکن ان میں بعض شان اہل تکمیل کے خلاف ہوتے ہیں...... جن کا غیر مقتدا سے صادر ہونا مضر عامہ خلق بھی نہیں ہوتا...... اس لئے وہ ان کے لئے نہ بالذات ممنوع ہیں نہ بالغیر مثلاً نماز کے اندر غلبہ حال سے آواز گریہ کی نکل جانا کہ بے اختیاری کی حالت میں مباح ہے...... لیکن نماز کی ہیئت جس ادب کو مقتضی ہے اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ظاہر نظر میں قابل ملامت ہے...... سو ممکن ہے کہ کسی شخص کی استعداد اسی کو مقتضی ہو کہ ملامت سے اس کو باطنی نفع ہوگا...... بوجہ اس کے کہ تذلل معالجہ ہے کبر نفس کا...... مثلاً پس جو شخص فن تربیت کے اصول سے ناواقف ہے وہ بعض اوقات ان امور پر...... باوجود ان کے انطباق علی الشرع کے اعتراض کرنے لگتا ہے...... اس شعر میں اس شخص کی تعلیم ہے کہ قضائے الٰہی جو ہماری تربیت باطنی کے ساتھ متعلق ہوئی ہے...... اس میں ہمارے لئے بدنامی کے افعال مقدر ہیں...... گو بددینی کے نہیں سوائے معترض...... اگر تو اس کو پسند نہیں کرتا تو اس قضا کو مبدل کر دے...... جس سے تو محض عاجز ہے...... جب عاجز ہے تو اعتراض ترک کر دے...... پس اس شعر میں جبر کا ہرگز کوئی شائبہ نہیں...... کیونکہ قضا سے مراد ہر قضا نہیں...... باقی مطلق قضا کے اعتبار سے اگر کوئی شخص خود اپنی طرف سے ایسی تقریر کرے...... تو وہ ایک مسئلہ مستقلہ ہے...... جس کے حل کا یہ مقام نہیں۔ قالؒ

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر	تابر تو عرضہ دار داحوال ملک دارا

منقول ہے کہ دارا دو شخص ہوئے ہیں...... ایک دارائے اکبر جو جمشید کا مقابل تھا

......دوسرا دارائے اصغر جو سکندر واضع آئینہ کا مقابل تھا جمشید نے ایک جام طلسمی بنایا تھا ......جس میں دور کی چیزیں منکشف ہوتی تھیں ......اور غرض اس سے دارائے اکبر کی تدبیرات و سامان وغیرہ کا دریافت کرنا تھا ......تاکہ ہر تدبیر کے مقابل مناسب تدبیر کرلے ......پس ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ آئینہ سکندری بمنزلہ جام جم کے ہے ......اس کو دیکھا کرو تاکہ تم کو دارا کے ملک کا سارا حال بتلادیا کرے ......اور بلسان اشارت آئینۂ سکندر سے مراد سالک کا قلب جو باعتبار انکشاف علوم ومعارف کے ......آئینۂ سکندرو جام جم کے مشابہ ہے ......اور دارا سے مراد سلطان عشق جو بوجہ تسلط واستیلاء کے ایک بادشاہ سے تشبیہ دیا گیا ......اور بوجہ عافیت سوز ہونے کے اس تشبیہ میں خصوصیت دارا کا لحاظ کیا گیا ......وجہ شبہ مطلق ضرر رسانی ہے ......قطع نظر حقیقی وصوری ضرر سے ......اور اس دارا کا ملک خود اس عشق کے افعال اور تصرفات اور احوال سے مراد جوان افعال سے آثار وثمرات پیدا ہوتے ہیں ......خلاصہ یہ کہ قلب میں دو شعبے ہیں ......ایک معرفت کا دوسرا عشق کا ......پس فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی برکت واثر سے قلب پر جو علوم ومعارف وارد ہوتے ہیں ......ان میں مراقب ہوا کرو تاکہ عشق کے تصرفات سے قلب میں جو ثمرات حالیہ پیدا ہوتے ہیں ......وہ تم کو مشاہد ہوں تاکہ ان نعمتوں کا شکر موجب ترقی ہو ......ف اس میں یہ بتلادیا کہ واردات علمیہ کا مشاہدہ واردات حالیہ کی تقویت کا سبب ہوتا ہے۔ قالؒ

سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد	دلبر کہ در کف او موم ست سنگ خارا

دلبر فاعل ہے بسوزد کا ......اور جملہ در کف اوالخ صفت ہے دلبر کی ......مطلب یہ کہ سرکشی اور کبر مت کرو ......کبھی تم کو محبوب حقیقی (جس کی یہ صفت ہے کہ ......اس کی ہیبت سے سنگ خارا بھی موم ہوجاتا ہے) غیرت کی وجہ سے ......جو کہ معاصی عباد پر ظاہر ہوتی ہے سوختہ کردے ......جس طرح شمع سرکشی کرتی ہے ......اور سوختہ ہوتی ہے ......غرض کبر کی مذمت ظاہر ہوئی ......اور شمع کی مثال محض تنظیر ہے تمثیل نہیں ......کیونکہ شمع کا جلنا کسی معصیت سے نہیں ......اور بلسان معنوی سالک کو عجب وپندار سے منع فرماتے ہیں ......یا واصل کو ناز بیجا سے کہ طالبین کے ساتھ کیا جائے روکتے ہیں ......اور اس معنی میں بسوزد سے

اشارہ ہوگا...... اختلال یا سلب احوال کی طرف...... نعوذ باللہ۔ اور جو اعراض یا انکار یا تشدد طالب کی اصلاح یا امتحان کی غرض سے بقدر ضرورت ہو...... وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قالؒ

گر مطرب حریفان این پارسی بخواند	در وجد و حالت آرد پیران پارسارا

حریفان یاران...... این پارسی یعنی کلام حافظ کہ مشتملبر مضامین عشق است...... مراد مطلق مضامین عشقیہ...... مطلب ظاہر ہے کہ اگر مطرب اس کلام عشقی کو پڑھ کر سنائے...... تو بڑے بڑے پارساؤں کو جو بڑے خوددار ہیں...... وجد میں لے آئے بوجہ اپنے موثر ہونے کے...... اور معنی مقصود اشارہ کرنا ہے...... مضامین عشق کے موثر ہونے کی طرف...... جو کہ مرشد کے منہ سے نکلتے ہیں...... کہ اس سے زہد خشک جس میں دعویٰ و پندار ہوجاتا رہتا ہے...... اس ضمن میں تعلیم ہے اہل عرفان کے پاس آنے جانے...... اور ان کے کلام سننے کی تاکہ اپنے اندر بھی جذبہ عشق پیدا ہوجائے۔ قالؒ

آن تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند	اشھیٰ لنا واحلیٰ من قبلۃ العزاری

ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ وہ شراب تیز کہ صوفی اس کو ام الخبائث کہتا ہے...... ہم کو دوشیزہ لڑکیوں کے بوسہ سے بھی زیادہ مرغوب اور شیریں معلوم ہوتی ہے...... اور بلسان معنوی تلخوش سے مراد مجاہدہ ونفس کشی ہے...... جو نفس پر گراں و تلخ گزرتا ہے...... اور صوفی سے مراد زاہد خشک مدعی تقویٰ...... اور ام الخبائث سے مراد مطلق معصیت...... مطلب یہ کہ مجاہدہ ونفس کشی کو زاہد اہل ظاہر معصیت کہتا ہے بوجہ اس کے کہ ظاہراً تہلکہ ہے...... جس کی ممانعت آئی ہے...... **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** الآیہ...... لیکن ہم کو اس میں بوجہ غلبہ محبت کے یا بامید وصول الی المقصود کے لذت آتی ہے...... اس عنوان میں ظاہر پرست کے استدلال کا جواب بھی ہوگیا...... کہ ممنوع ہونے کی علت تہلکہ ہے...... اور جس کو اس میں لذت آتی ہو...... اس کے لئے تہلکہ کیوں ہوگا...... پس ممنوع بھی نہ ہوگا...... تحقیق اس میں یہ ہے کہ مجاہدہ بمعنی تکثیر عبادات وتقلیل لذات...... اگر اس مرتبہ تک ہے کہ حقوق واجبہ نفس کے بھی فوت ہوجائیں...... یا ترک لذات کو قربت مقصودہ سمجھنے لگے...... تب تو معصیت و بدعت ہے...... جیسا حدیث میں ہے...... **ان لجسدک علیک حقا وان لعینک**

علیک حقا الحدیث اور قرآن میں ہے...... لاتعتدوا الآیہ اور یہ واقعی تہلکہ میں داخل ہے...... اور جس میں صرف حظوظ فوت ہوں...... اور اس کو معالجہ سمجھے وہ خود مقاصد شرع سے ہے...... اور اس میں لذت آنا اور زیادہ سلامت قلب وانشراح صدر ونورانیت روح کی دلیل ہے...... کہ سنن شرعیہ مثل مرغوبات طبعیہ کے ہو گئے...... کم فہم دونوں میں خلط کر دیتا ہے...... اس شعر میں اس کی اصلاح ہے۔ قالؒ

ہنگام تنگدستی درعیش کوش و مستی	کاین کیمیای ہستی قارون کند گدارا

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے کہ تنگدستی کے وقت مغموم مت ہو...... بلکہ عیش و مستی میں کوشش کرو یعنی خوش رہو...... کیونکہ یہ خوشدلی جس کو کیمیائے ہستی تشبیہا کہہ دیا گداو مفلس کو بھی غنی کر دیتی ہے...... کیونکہ اصل غنا غنائے قلب ہے...... اگر یہ فقر میں بھی حاصل ہے تو غنا ہے اور اگر غنائے ظاہری میں یہ نہ ہو تو وہ فقر ہے...... اور بلسان معنوی تنگدستی سے اشارہ ہے ...... قلت واردات قلبیہ کی طرف...... جس کو قبض کہتے ہیں...... اور عیش و مستی سے مراد بسط اس کا وہ مطلب ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن برجبین
چونکہ قبضے آیدت اے راہ رو	آن صلاح تست آیس دل مشو

آگے اس کی علت فرماتے ہیں کہ یہ عیش و مستی...... یعنی حالت قبض میں بھی خوش رہنا ...... اور دلگیر نہ ہونا غیر صاحب واردات کو قرب الٰہی میں مثل صاحب واردات کے بنا دیتا ہے ...... یعنی اصل مقصود قرب الٰہی ہے...... اور وہ واردات پر موقوف نہیں...... بلکہ صاحب واردات کا قرب بوجہ تعلق و نسبت مع اللہ کے ہے...... پس اگر صاحب قبض اپنی حالت پر صابر شاکر رہا...... اور اس میں مصلحت و حکمت سمجھ کر راضی رہا...... اور اللہ تعالیٰ کی قضا سے تنگ نہ ہوا...... تو اس کو بھی قرب حاصل رہا...... بخلاف اس کے کہ راضی بقضا نہ ہوا...... اور اس سے بڑھ کر یہ کہ شکوہ شکایت کرنے لگا تو بعید ہو جائے گا...... جیسا کہ صاحب بسط اگر عجب میں مبتلا ہو گیا...... تو وہ بھی بعید ہو جائے گا...... بلکہ بوجہ اس کے کہ قبض میں انکسار و اضمحلال وجود زیادہ ہے...... اور یہ خود مقاصد طریق سے ہے...... من وجہ بسط سے بھی ارفع وانفع ہے۔ قالؒ

خوبان پارسی گو بخشندگان عمرند	ساقی بده بشارت پیران پارسارا

مطلب ظاہری تو یہ کہ فارس کے معشوقوں کو بخشندگان عمر کہنا چاہئے...... کیونکہ ان کے دیکھنے سے فرحت ہوتی ہے...... اور فرحت سے عمر کا لطف بڑھتا ہے...... اے ساقی فارس کے بوڑھوں کو جن کی عمر ظاہرا قریب ختم ہے...... بشارت دو کہ تمہارے پاس ہر وقت دیکھنے کے واسطے ایسے محبوب موجود ہیں...... ان کو دیکھنے سے تمہاری عمر بھی بڑھ جائے گی...... اور پیران فارس کی تخصیص اسی قرب کی وجہ سے کی گئی...... اور بلسان اشارت خوبان سے مراد تجلیات جو سالک کے قلب پر ہوتی ہے...... اور پیران فارس سے مراد سالکین اور عمر بخشی انشراح وسرور اور ساقی سے مراد مطلق مبشر...... مطلب یہ کہ تجلیات سے سالک کو بڑی فرحت ہوتی ہے...... اور اس سے قلب کو تقویت ہوتی ہے...... بالخصوص غیر واصل کو کہ اس سے مجاہدہ میں سرگرم ہو کر مشرف بہ ترقی ہوتا ہے...... **کما قال الجنیدؒ فی بعض هذه الواردات تلک خیالات تربی بها المفال الطریقة** ...... گو وہ مقصود نہ ہوں ...... جیسا اس کے قبل شعر میں بیان ہوا ہے...... لیکن محمود ضرور ہیں اگر خلاف کتاب وسنت نہ ہوں گویا اس شعر میں بسط کی حکمت کا بیان ہے...... جیسا اوپر قبض کے متعلق بیان تھا پس مجموعہ میں تعلیم ہو گئی کہ...... اگر بسط ہو اس میں بھی خوش رہو...... کہ اس میں خاص حکمتیں ہیں...... اور اگر قبض ہو اس میں بھی راضی رہو کہ وہ بھی حکمت سے خالی نہیں...... اور جاننا چاہئے کہ اوپر بھی ایک شعر کے قافیہ میں پارسا آیا ہے...... لزوم تکرار قافیہ سے بچنے کے لئے بعض نے وہاں فارس کے اور یہاں پارسا کے معنی لئے ہیں...... لیکن میں نے عکس مناسب سمجھا...... کیونکہ مضمون عشق سب کو عام ہے...... اور یہاں قرب مخصص ہے۔ قالؒ

حافظ بخود نپوشید این خرقہ می آلود	ای شیخ پاک دامن معذور دار مارا

مطلب ظاہری یہ کہ یہ شراب آلودہ خرقہ میں نے خود نہیں پہنا...... بلکہ مقدر یہی تھا ہم کو معذور سمجھو...... یعنی مثل معذور کے ہمارے ساتھ معاملہ کرو...... اس باب میں کہ اپنا ترفع اور تقویٰ جتلا کر ہم کو براہ کبر حقیر مت سمجھو...... اس تقریر سے شبہ جبر رفع ہو گیا...... اور جو انکار بطور اصلاح ہو وہ (اس سے خارج ہو گیا...... کہ وہ ضروری اور سنت انبیاء علیہم السلام

ہے...... اور بلسان معنوی خرقہ می آلود اشارہ ہے مشرب ملامتی کی طرف نہ باین معنی کہ خلاف شرع امور کے مرتکب ہوں ...... بلکہ خلاف وضع اور خلاف شان امور اختیار کریں بعض کے لئے شیخ کامل اس کو بعض مصالح سے تجویز کرتا ہے...... مثلاً ایک شخص میں کبر دیکھا اس کے لئے یہ تجویز کیا...... یا ایک شخص کو ہجوم خلق سے ضرر ہوگا د...... یا تنگ مزاجی کی وجہ سے ہجوم میں خلق کو اس سے ضرر ہوگا...... یا کسی کی استعداد نور بصیرت سے معلوم ہوگئی کہ تذلل سے وہ واصل الی المقصود ہوگا...... یا ایسی ہی اور کوئی حکمت ہو...... اس لئے اس کے واسطے یہ مشرب تجویز کیا جاتا ہے...... پس فرماتے ہیں کہ یہ طریق میں نے اپنی رائے سے اختیار نہیں کیا...... بلکہ میری استعداد کا مقتضا یہی ہے کہ میری یہ حالت رہے...... اس لئے ہم کو معذور رکھو...... کوئی یوں نہ سمجھے کہ ملامت سے تو خوش ہونا چاہئے...... معذور رکھنے کی درخواست کیوں کرتے ہیں...... اصل یہ ہے کہ یہاں معترض کی غلطی کا بتلانا ہے...... اور یہ تو یہ بھی جانتے ہیں کہ معترض کبھی معذور نہ رکھے گا...... اس غلطی بتلانے سے طالبان حق کو نفع علم حقیقت کا ہوجاتا ہے...... اور پاکدامن باعتبار دعوی اس شخص کے کہہ دیا جو مشیخت اور تقدس کا مدعی ہے...... گو واقع میں نہ ہو۔ قالؒ

غزل

ساقی بنور بادہ برا فروز جام ما	مطرب بگوکہ کار جہان شد بکام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے کہ...... اے ساقی نور شراب سے ہمارا پیالہ روشن کردے ...... یعنی شراب تابان بھردے کہ پیالہ روشن ہوجائے...... اور اے مطرب (خوشی کا یہ نغمہ) کہہ دے...... کہ دہر کا تصرف ہمارے مقصود کے موافق ہوگیا...... یعنی ہم کامیاب ہوگئے۔ اور بلسان اشارت مصرع اولی میں مرشد سے درخواست کرتے ہیں...... کہ شراب محبت و عشق سے ہمارا قلب لبریز کردے...... یعنی عشق حقیقی عطا فرما...... اور مصرع ثانیہ میں اس طلب کی کامیابی پر خوشی ظاہر کرتے ہیں...... خلاصہ یہ کہ ہدایت کے مرتبہ ابتدائی کے حصول پر مسرور ہیں...... اور اس کے مرتبہ انتہائی کے وصول کے متمنی ہیں...... واللہ اعلم مقصود ترغیب ہے...... دوام طلب پر اور تعلیم شکر ہے حصول مقصود پر۔ قالؒ

مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	ای بے خبرز لذت شرب مدام ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے...... کہ شراب خواری پر ملامت کرنے والے کو جواب ہے ...... کہ پیالہ شراب میں روے محبوب کا عکس ہم کو نظر آیا تھا...... اس لئے شراب پیتے ہیں تو کیا جانے...... اور بلسان اشارت پیالہ سے مراد قلب جیسا شعر بالا میں تھا...... حاصل یہ کہ اے وہ شخص جو آثار عشق سے بے خبر ہے...... ہم کو جو غلبہ سکر کی حالت میں بعض امور غیر قابل اظہار کے اظہار پر ملامت کرتا ہے ...... تجھ کو اس کی خبر نہیں کہ ہمارے قلب پر ...... بعض تجلیات الٰہیہ وواردات غیبیہ کا غلبہ ہوا...... اس نے ہم کو مغلوب کر دیا...... اور اظہار راز ہو گیا اگر تجھ کو خبر ہوتی تو ہم کو معذور سمجھتا...... مقصود ارشاد ہے کہ اہل حال کے ایسے اقوال وافعال کی...... جو گاہے صادر ہو جائیں...... تاویل مناسب ہے۔ قالؒ

چندان بود کرشمۂ وناز سہی قدان	کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

مطلب لفظی تو یہ ہے کہ...... اور محبوبوں کا کرشمہ وناز ہمارے محبوب کے جلوہ گری شروع کرنے تک ہے...... جس وقت وہ جلوہ افروز ہو جائے گا...... سب کے ناز وکرشمہ ختم اور بیقدر اور گم ہو جائیں گے...... اور مطلب معنوی یہ ہے کہ محبوبان مجازی اسی وقت تک محبوب اور دلربا معلوم ہوتے ہیں...... کہ محبوب حقیقی کا جمال کسی کے قلب پر متجلی نہیں ہوتا...... اور جس وقت اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے...... پھر سب کا حسن وجمال لاشی معلوم ہونے لگتا ہے...... پس اس میں تعلیم ہے کہ عشق حقیقی حاصل کرو...... تاکہ مجازی طرف التفات نہ رہے۔ قالؒ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

مطلب لفظی تو بہت ظاہر ہے کہ...... عاشق کا ذکر خیر مرور دہور تک قائم رہتا ہے...... اور مطلب معنوی بھی زیادہ خفی نہیں...... یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی ...... وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ لذت قرب علی وجہ الکمال...... اس کو حاصل ہو جاتی ہے...... اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہئے...... اور یوں تو مرنے کے بعد عوام مومنین بھی بایں معنی زندہ ہوتے ہیں...... لیکن زیادہ تقرب کی وجہ سے اس عاشق کو ترجیح ہے ...... اس مرتبہ میں تخصیص کی گئی اور کفار بھی زندہ رہتے ہیں...... لیکن چونکہ وہ حیات مقرون

بالعذاب موت سے بھی بدتر ہے...... لہٰذا قابل شمار نہیں...... مقصود ترغیب ہے...... محبوب حقیقی کی محبت کی تحصیل کی۔ قالؒ

مستی بچشم شاہد دلبند ماخوش ست	زان روسپردہ اند بمستی زمام ما

مراد لفظی تو یہ ہے کہ مستی ہمارے محبوب کی چشم کے لئے زیبا ہے...... اس لئے ہم کو اس مستی کے حوالہ اور اس کا مسخر کیا گیا...... کہ وہ مست و مستغنی رہے...... اور ہم پست اور اسکے محتاج رہیں...... اور مراد معنوی میں مستی سے اشارہ صفت غنا کی طرف...... اور چشم سے اشارہ ذات کی طرف...... اطلاقاً للجزء علی الکل مراد یہ کہ غنا محبوب حقیقی کو زیبا ہے...... اور عبد کے لئے تو احتیاج اس کے لوازم ذات سے ہے...... اس لئے ہم اس کی صفت غنا کے محتاج اور اس کے ساتھ وابستہ کئے گئے...... مقصود تعلیم ہے کہ عبد کو گاہے آثار عبدیت کا چھوڑنا اور خواص الوہیۃ کا دعویٰ کرنا...... جیسا کہ مدعیان کاذب یا صوفیان خام کا شیوہ ہے طریق وصول کے موانع سے ہے...... اور جاننا چاہئے کہ غنائے ذات کے معنی بعضے یہ سمجھتے ہیں...... کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ خلق کی طرف توجہ اور ان پر نظر نہیں...... اس معنی کو آیات واحادیث رحمت ورافت تصریحاً رد کرتی ہیں...... نعوذ باللہ منہ بلکہ غنا مقابل احتیاج کے ہے...... حاصل اس کا یہ ہے کہ وہ کسی کے محتاج نہیں...... پس اس صفت سے تو عنایت کی زیادہ امید ہوتی ہے...... کیونکہ وہ جب کسی کے محتاج نہیں تو ہمارے اعمال سے نہ ان کا نفع...... نہ ان کا ضرر اور رحمت ان کی ثابت...... پس امید ہے کہ ہماری تقصیرات زیادہ معاف ہوجائیں...... بخلاف اس شخص کے جو کہ متضرر ہوتا ہو...... وہاں احتمال ہوتا ہے کہ ہمارے افعال سے اس کو مضرت پہنچے...... اس لئے معافی کی امید نہیں...... اسی طرح طاعات کے قبول ہونے کے زیادہ امید ہے...... گو وہ زیادہ خالص نہ ہوں...... بخلاف اس شخص کے جو ہماری خدمت سے متنفع ہوتا ہو...... چونکہ اعمال غیر کاملہ سے اس کو کم نفع پہنچتا...... اس لئے عوض بھی ہم کو کم ملتا۔ قالؒ

ترسم کہ صرفۂ نہ بردروز باز خواست	نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صرفہ بردن بصلہ از بمعنی غلبہ بردن...... روز باز خواست...... قیامت کہ دران از اعمال پرسش...... وسوال واقع شود...... معنی یہ ہیں کہ گو ہم گنہگار ہیں...... اور شیخ یعنی عابد اہل

ظاہر متقی ہے...... لیکن ہم میں چونکہ عجز و مسکنت اور اعتراف بالتقصیر ...... اور اس عابد میں ریا و دعویٰ و تکبر اور دوسروں کی تحقیر پائی جاتی ہے...... اس لئے مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ شاید شیخ کا تقویٰ ...... ہماری معصیت پر ذریعہ نجات ہونے میں غالب نہ آ سکے ...... بلکہ مغلوب ہو جائے اور اس پر دارو گیر ہونے لگے ...... اور ہماری تقصیرات سے درگزر ہو جائے ...... مقصود منع ہے پندار سے نہ کہ گناہ پر جرأت دلانا...... قالؒ

ای باد اگر بگلشن احباب بگذری	زنہار عرضہ دہ برجانان پیام ما
گو نام مازیاد بعمداً چہ می بری	خود آید انگہ یا دنیاری زنام ما

مدلول لفظی تو یہ ہے کہ ہوا کو خطاب فرضی کر کے کہتے ہیں ...... کہ اگر تیرا گزر گلشن احباب تک ہو جائے ...... جس کا سر مجلس محبوب ہے تو ضرور محبوب سے میرا پیام کہہ دینا ...... کہ میرا نام قصداً اپنی یاد سے کیوں دور کرتے ہو ...... یعنی مجھ کو قصداً کیوں فراموش کرتے ہو خود وہ وقت عنقریب آ جائے گا ...... کہ میں مر جاؤں گا اس وقت میرا نام کبھی یاد نہ کرو گے ...... پھر ابھی سے کیوں بھلا دیا ...... اور مدلول معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ قائل پر حالت قبض غالب ہے ...... اور وہ توجہ مرشد سے احیاناً اور تعلیم مرشد سے اکثر ...... بلکہ دواماً دفع ہو جاتا ہے اس لئے حالت قبض میں تنگ ہو کر ...... مضطربانہ مرشد سے بعنوان شکایت عرض ہے ...... کہ حضرت میرے حال پر توجہ اور میری خبر گیری کیجئے ...... کیونکہ ابھی تک تو مرا نہیں جب مر جاؤں گا ...... جب ہی رخ پھیر لیجئے ...... چونکہ قبض شدید میں گونہ معذور ہوتا ہے ...... اس لئے ایسے امور معاف ہیں ...... اور اس میں تعلیم بھی ہے ...... قبض میں رجوع الی المرشد کی۔ قالؒ

بگرفت ہمچو لالہ دلم درہو ای سرد	ای مرغ بخت کے شوی آخر تو رام ما

مطلب لفظی تو ظاہر ہے ...... کہ جیسا لالہ خون ہوتا ہے اسی طرح میرا دل ایک سرو قامت کے عشق اور فراق میں ...... منقبض اور گرفتہ ہو گیا ...... اے طالع تو میرے موافق کب ہوگا ...... یعنی وصل محبوب کب میسر ہوگا ...... اور مدلول معنوی یہ ہے کہ حالت قبض میں تنگ ہو کر کہہ رہے ہیں کہ محبوب کے عشق میں بالکل خون در خون ہو گیا ...... خدا جانے وصول کب میسر ہوگا۔ قالؒ

دریای اخضر فلک و کشتی ہلال	ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

شراح نے لکھا ہے کہ حاجی قوام کوئی وزیر تھا...... اس کے یہاں خواجہ حافظ کی دعوت تھی...... کسی شوربا وغیرہ کے پیالہ میں آسمان اور ہلال کا عکس نظر آیا...... تو بر طریق مطائبہ کے خواجہ نے یہ مضمون فرمایا...... جو ترجمہ سے ظاہر ہے...... اور میرے نزدیک اس میں معنوی مراد ڈھونڈنا تکلف ہے...... گو یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاجی قوام کنایہ مرشد سے ہے...... اور مطلب یہ ہے کہ ہمارے مرشد کے فیوض باطنہ کے سامنے ظاہر عالم کے بڑے بڑے اجرام ہیچ ہیں...... کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی ہے...... اور مقصود ترغیب ہو تحصیل کمال باطنی کی اور تعلیم ہو ترک التفات کائنات جسم کی...... کہ اشتغال ان کا مانع توجہ الی الحق سے ہے۔ قالؒ

حافظ زدیدہ دانۂ اشکے ہمے فشان	باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما

یعنی اے سالک...... ہمیشہ گریۂ وزاری وطلب و بیقراری میں رہا کر...... امید ہے کہ وصل محبوب میسر آجائے...... اس میں تعلیم ہے کہ راہ نیاز اختیار کرنا چاہئے...... کہ وصول کا موقوف علیہ ہے...... ناز اور دعویٰ استحقاق اور عجب وخود بینی منجملہ مہلکات عظیمہ ورہزن طریق ہے واللہ اعلم۔ قالؒ غزل

صلاح کار کجا و من خراب کجا	ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

مدلول الفاظ تو ظاہر ہے...... اور معنی مقصود یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اعمال صالحہ و ذکر وشغل سے جو اکثر کم ظرف...... مبتدیوں کو عجب و پندار پیدا ہو جاتا ہے...... اس کا معالجہ بتلاتے ہیں...... حاصل یہ ہے کہ اس شخص کو چاہئے کہ صلاح کار کا تو اعلیٰ درجہ...... جو کہ مطلوب ہے پیش نظر رکھے...... اور پھر غور کر کے اپنی خرابیوں اور عیبوں اور ظاہری باطنی لغزشوں کو عجب کے وقت دیکھا کرے...... اس سے پھر گمان بزرگی اور کمال کا اپنی نسبت پیدا نہ ہوگا...... پس اس شعر میں تعلیم ہے...... سلوک کی۔ قالؒ

چہ نسبت است برندی صلاح وتقویٰ را	سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

اس کا مقصود بھی قریب قریب مقصود شعر سابق کے ہے...... کہ بعضے لوگ تھوڑے سے

اعمال حسنہ اختیار کر کے...... باوجود ارتکاب قبائح کے مغرور ہو جاتے ہیں...... حالانکہ صلاح و تقوی و سماع وعظ کو جس پر وہ نازاں ہیں...... رندی اور نغمہ رباب سے کہ وہ اس میں بھی مبتلا ہوتے ہیں...... کیا نسبت کہ ان قبائح کے ہوتے ہوئے ان طاعات کا دعویٰ بے جا ہے۔ قالؒ

دلم زصومعہ بگرفت وخرقۂ سالوس	کجاست دیر مغان وشراب ناب کجا

صومعہ معبد یہود...... مراد مطلق معبد...... سالوس مکر...... مغان آتش پرستان...... ناب خالص...... یہاں اس عبادت ریائی کی مذمت ہے جس میں اخلاص نہ ہو...... اور ترغیب ہے صحبت اہل محبت اور تحصیل محبت وطاعت خالصہ کی...... تقریر شعر کی ظاہر ہے۔ قالؒ

بشد زیاد خوشش یاد روزگار وصال	خود آن کرشمہ کجا رفت وآن عتاب کجا

یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے...... از یاد شدن فراموشی ونسیان کہ باعتبار معنی مجازی کنایت...... از ترک کما صرح بہ المفسرون...... فی قولہ تعالی نسیناھم۔ کرشمہ ادائے محبت عبارت از تجلی جمالی...... عتاب عبارت از تجلی جلالی...... حالت بسط میں جو کہ وصال کی ایک خاص صورت ہے...... جو قلب پر واردات ہوتے ہیں...... ان میں بعضی تجلیات جمالیہ ہوتی ہیں...... بعضی تجلیات جلالیہ...... اور ہر ایک میں سالک کو ایک خاص حظ ہوتا ہے...... اور دونوں آثار اس قرب ووصال خاص کے ہیں...... پس قبض میں وہ واردات جو منقطع ہو گئے اس لئے تنگ ہو کر کہتے ہیں...... کہ اس وصال وبسط کی حالت میں جو تجلیات وواردات ہوتے تھے کہاں گئے...... جاننا چاہئے کہ یہ تنگی طبعی واضطراری ہے...... ورنہ قبض میں ایک حالت رفیعہ اور ایک گونہ قرب ووصل ہے...... کمابین فی محلہ اور کامل جو قبض جملے تنگ ظاہر کرتا ہے...... مقصود وافتقار وانکسار ہوتا...... ہے نہ کہ شکوہ وشکایت کما قال العارف الرومی ؎

دل ہمی گوید ازو رنجیدہ ام	وز نفاق ست او خندیدہ ام۔ فافہم

قالؒ

زروی دوست دل دشمنان چہ دریابد	چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا

مدلول الفاظ ظاہر ہے کہ...... مخالفین کا قلب محبوب کے حسن وجمال کو کیا ادراک

کرے گا...... جیسا بجھے ہوئے چراغ کو شمع آفتاب یعنی آفتاب سے کوئی نسبت نہیں...... اسی طرح مدرک و مدرک مذکور میں کوئی نسبت نہیں...... شاید اس میں یہ مسئلہ حقیقت کا بتلانا منظور ہے کہ...... محبوب حقیقی کی ذات یا صفات مشہورہ یا غیر مشہورہ کے جو بعضے معاند منکر ہیں...... واقع میں نقصان ادراک ان ہی کی جانب ہے...... ورنہ وہ مع اپنی ذات و صفات و کمالات کے اظہر من الشّمس ہیں...... کسی نے خوب کہا ہے ؎

شدہفت پردہ بر چشم این ہفت پردۂ چشم	بے پردہ ورنہ ماہے چون آفتاب دارم

بلکہ محققین نے کہا ہے کہ...... غایت ظہور ہی سبب غایت بطون کا ہوگیا ہے...... وتفصیل فی محلّہ۔ قالؒ

ببین بہ سبب زنخدان کہ چاہ درراہ ست	کجا ہمی روی ای دل بدین شتاب کجا

لفظی مطلب تو ظاہر ہے کہ...... اے دل تو کہاں جلدی جلدی جا رہا ہے...... راہ میں زنخدان بھی ہے...... کبھی تو اس میں نہ پھنس جائے پھر نکلنا مشکل ہو جائے...... اس لئے حسن پرستی سے دور ہی رہنا سلامتی ہے...... اور اصطلاح قوم میں سبب زنخدان عبارت ہے محبوب کے لطف قہر امیز سے...... جس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات باوجود معصیت ظاہری کے نعمت ظاہری سلب نہیں ہوتی...... اور اسی طرح باوجود معصیت باطنی مثل بدعت یا عجب وغیرہ کے نعمت باطنی...... مثل واردات و مکاشفات و وخارق وغیرہا کے مسلوب نہیں ہوتی...... جس سے سالک کو دھوکہ مقبولیت کا رہتا ہے...... اور اس معصیت پر تنبہ یا اس سے توبہ کا عزم نہیں ہوتا...... تو ظاہر میں تو یہ لطف ہے...... مگر واقع میں قہر غضب اور ایک نوع کا استدراج ہے...... پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اے سالک تو جو باوجود صدور معاصی کے...... اپنی حالت پر جما ہوا چلا جا رہا ہے...... اور اس میں تبدل نہیں ہوا...... ذرا دیکھ تو یہ لطف قہر آمیز ہے...... کبھی اسی عقبہ میں تو پھنسا رہے...... اور ترقی وعروج قرب سے رک جائے...... ذرا سنبھل اور غور سے کام لے...... اور قواعد شریعت وطریقت کو معیار بنا کر اپنی اصلاح کرے۔ قالؒ

چو کحل دیدۂ ما خاک آستان شماست	کجا رویم بغرما ازین جناب کجا

قرار وخواب زحافظ طمع مدارا ے دوست	قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا

ان دونوں کا ظاہری مطلب تو ظاہر ہے ......اور بلسان معنی اس میں تعلیم ہے ......سالک کو کہ خواہ طریق طلب میں کچھ ہی پیش آئے ......ناکامی و نامرادی وقبض وتنگی وغیرہ وغیرہ......لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ......اس کو چھوڑ نا نہ چاہئے طلب میں لگا رہے ......ورنہ دوسرا ٹھکانہ کہاں ہے ...... یہ تو عدم حصول مراد کی حالت میں ہے......اور شعر ثانی میں حصول مراد کی حالت کے متعلق تعلیم ہے کہ خواہ کیسا ہی کمال یا حال یا مقام حاصل ہو جائے ......لیکن پھر بھی طلب ہی میں سرگرم رہے ......قناعت اور توقف نہ کرے......آگے بڑھتا رہے خوب کہا ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہے ست	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

غزل

اگران ترک شیرازی بدست آردو دل مارا	بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

معنی ظاہری ظاہر ہیں......کہ اگر وہ محبوب شیراز کا رہنے والا جہان کے محبوب حسن و جمال میں مشہور ہیں......ہماری دلداری کرے......یعنی ہم کو اپنے دیدار سے کامیاب کرے......تو میں صرف اس کے ایک سیاہ تل (دیکھنے) کے عوض اور شکریہ میں ......سمرقند اور بخارا کو جہان کہ حسین وجمیل نیز مشہور ہیں ......دے ڈالوں اور نثار کر دوں......اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اگر محبوب حقیقی اپنی تجلیات سے مشرف فرمائے ......تو اس کی ادنیٰ تجلی کے مقابلہ میں دونوں عالم کو فدا کر دوں ......کیونکہ مقصود بالذات کے سامنے مقصود بالعرض کی طرف التفات نہیں ہوا کرتا۔قالؒ

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	کنار آب رکنا بادو گلگشت مصلا را

رکنا باد ایک چشمہ ہے ......شیراز میں اور مصلا عید گاہ کو کہتے ہیں ......وہاں اکثر عوام بطور تفریح وسیر کے جاتے تھے ......اور نیز اکثر خواص واہل ریاضت وہاں رہ کر مجاہدات عمل میں لاتے تھے ......معنی ظاہری یہ ہیں کہ اے ساقی شراب زندگی بخش ......ان دلکشا مقامات میں مجلس آراستہ کر کے دے دے ......کیونکہ جنت میں یہ چیزیں نہ ملیں گی ......اور معنی باطنی

یہ ہیں کہ اے مرشد شراب محبت یہاں عطا کر دیجئے ......اس طرح سے کہ اذکار واشغال جو مورث محبت ہوں تعلیم فرمادیجئے ...... کیونکہ جنت میں پھر ریاضت اور مشقت جن پر مدار ترقی مراتب ہے میسر نہ ہوگا...... چنانچہ معلوم و مسلم ہے کہ جنت میں اعمال وطاعات موجب ترقی قرب نہ ہوں گے ......اس لئے دنیا ہی میں ان اعمال کا طریقہ بتلا دیجئے ......تا کہ محنت مشقت کر کے اس کے ثمرات سے......ابدالآباد متمتع ہوں۔قالؒ

فغان کین لولیاں شوخ شیریں کار شہر آشوب	چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمارا

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ......میں ان شاہدان شوخ شیریں حرکات شہر آشوب کے ہاتھ سے فریاد کرتا ہوں...... کہ انہوں نے متاع صبر و قرار اس طرح غارت کر دیا......جس طرح ترک خوان یغما کو لوٹ بھاگتے ہیں......اور معنی باطنی یہ ہیں کہ اذکار واشغال میں جو انوار وغیرہ منکشف ہوتے ہیں......اور اپنی دل کشی سے سالک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں ......اے مرشد میں ان سے فغان کرتا ہوں جلدی اس کی طرف مشغول ہونے سے بچنے کا طریقہ بتلائیے...... کیونکہ ان میں مشغول ہونا مانع وصول الی المقصود الحقیقی ہے...... چنانچہ اسی مضمون کو حضرت حافظ نے دوسری جگہ اس طرح فرمایا ہے۔

دلبران گر دلبری زینان کنند	زاہدان رارخنہ در ایمان کنند

احقر نے حضرت پیرو مرشد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ...... حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے......قالؒ

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است	بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روی زیبارا

اس میں اصلاح ہے ایک غلطی کی......جو اکثر اہل طریق کو ایک مشہور مسئلہ...... کنت کنز امخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق سے اور اس کی شرح میں جو بعض کلمات اس قسم کے مشہور و منقول ہیں۔

نکورو تاب مستوری ندارد	چو در بندی سراز روزن برآرد

اور جیسے کہا جاتا ہے کہ...... جمال الٰہی مقتضی ظہور کا ہوا تا کہ مرأۃ خلق میں اپنا مشاہدہ

کرے...... اور خلق بھی اس جمال کا مشاہدہ کرے...... وامثال ذلک ایسے کلمات سے وہ غلطی واقع ہو جاتی ہے...... اور یوں سمجھنے لگتے ہیں...... کہ غایت ظہور کی یہی مشاہدہ و معرفت ہے جو موقوف ہے ہمارے وجود پر...... تو گویا بدون ہمارے اس غایت کا استکمال نہ ہوسکتا تھا ...... اور پھر تقاضائے جمال اس ظہور کو مستلزم ہے...... جس سے ایک گونہ ابہام اضطرار کا ہوتا ہے...... **سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون** سو اس شعر میں اس کی اصلاح ہے...... کہ خود ہمارا عشق اور عرفان ہی ناتمام ہے...... اور ذات جمیلہ محبوب حقیقی کی خود موصوف ایسے کمال تام کے ساتھ ہے...... کہ وہاں استکمال بالغیر محال ہے خصوص جبکہ وہ غیر محض ناقص ہو...... جیسا فرض کرو کوئی شخص نہایت زیبا صورت ہو...... تو اس کو دیگر محسنات عارضیہ کی کوئی احتیاج نہیں ...... اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ ہر احتیاج سے منزہ ہیں...... اور وہاں احتیاج محال ہے...... اور مشاہدہ مذکورہ کا غایت ظہور ہونا...... اسی طرح کمال و جمال کا مستلزم ظہور ہونا...... یہ دونوں امر مستلزم احتیاج ہیں...... جو محال تھی اور مستلزم محال خود محال ہے...... پس غایت مذکورہ اور استلزام مذکور کا حکم محال ہوگا...... بلکہ یہ سب کچھ ہمارے ہی حال پر عنایت فرمانے کے لئے اور ہمارے استکمال کے لئے ہو...... وہ بھی بارادہ واختیار جیسا کہ مولانا رومی کا بھی ارشاد ہے ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم	بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

باقی ایک وقت تک عدم رہنا...... پھر وجود عطا ہونا اس کا حقیقی راز اور حکمت خدا ہی کو معلوم...... اور کلمات مشہورہ جو اس کے خلاف کے موہم ہیں...... وہ بوجہ اس کے کہ مقال اہل حال ہے...... ماول ہوگا کیونکہ ہماری تحقیق مذکور قرآن و حدیث کا منطوق ہے...... اور محکم۔ خوب سمجھ لو۔ قالؒ

من از آن حسن روز افزون کہ یوسف داشت دانستم	کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را

عصمت سے مراد خودداری...... جو اکثر زاہدان خشک میں ہوتی ہے...... جس کی وجہ واردات قلبیہ سے بے بہرہ ہونا ہوتا ہے...... اور جب کسی کامل کی توجہ اور تعلیم سے ان واردات کا...... توارد ہوتا ہے...... بیچارہ کی ساری خودداری خاک میں مل جاتی ہے...... اس تقریر کے بعد مطلب ظاہر ہے کہ...... یوسف یعنی محبوب حقیقی کے حسن روز افزون سے...... یعنی ان

واردات سے جو سالک کے قلب پر علی سبیل التزائد متجلی ہوتے ہیں...... مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کا اثر کہ عشق و معرفت ہے...... اس سالک کو اس کی قدیم خودداری کے دائرہ سے ضرور نکال دے گا...... چنانچہ انکسار و شکستگی کا ترتب اس پر مشاہد ہے...... قالؒ

حدیث از مطرب و می گو و رازِ دہر کمتر جو	کہ کس نکشود و نہ کشاید بحکمت این معمارا

اس میں اصلاح ہے...... ان لوگوں کی جنہوں نے شب و روز اپنا بڑا شغل...... اور بڑا مقصود مسائل تصوف و اسرار حقیقت کی تحقیق کو بنا رکھا ہے...... اور جو اصل مقصود ہے ذکر و شغل اس میں کمی کرتے ہیں...... ان کو غیر مقصود کی طرف التفات سے روک کر ...... مقصود کی طرف کہ محبت و معرفت ہے...... اور جن اعمال سے محبت و معرفت پیدا ہوتی ہے...... ان کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ قالؒ

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست دارند	جوانان سعادتمند پند پیر دانارا

یہ شعر اوپر کے شعر سے متعلق ہے...... چونکہ اس میں مسائل تصوف کی تحقیق سے منع کیا تھا...... اور اس کا غیر نافع بلکہ مضر ہونا مبتدی کی سمجھ میں آتا نہیں...... اس لئے شاید وہ اس کے ماننے میں پس و پیش کرتا...... لہٰذا نہایت شفقت سے اس کو اس مضمون کے ساتھ خطاب کرتے ہیں...... اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستقل نصیحت ہو...... کہ اگر مبتدی کی سمجھ میں مرشد کے کسی امر بالمباح کی حکمت نہ آئے تب بھی اطاعت کرنا چاہئے۔ قالؒ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس میں تعلیم ہے...... مسترشد کی کہ اگر مرشد کبھی تلخ و درشت کہے تو اس میں اپنی اصلاح سمجھ کر...... بزبان حال اس کو اس شعر کا مخاطب قرار دے کر دلگیر نہ ہو...... مولانا روم کا ارشاد ہے۔

صبر کن در کارِ خضرای بے نفاق	تانگوید خضر روہذا فراق

اور جب مرشد کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا ضروری ہے...... تو اگر احیاناً محبوب حقیقی کی جانب سے...... کسی ایسے خطاب و عتاب کا انکشاف و القا ہو...... تو اس کو حکمت پر مبنی سمجھ کر مکدر و معطل نہ ہو۔ قالؒ

غزل گفتی ودر سفتی بیا وخوش بخوان حافظ	کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

چونکہ غزل مذکور میں بہت مفید مضامین ہیں...... اس لئے اس شعر میں اس غزل کی ثنا کرتے ہیں...... ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما	چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما
درخرابات مغان مانیز ہم منزل شویم	کاین چنیں رفت است درعہد ازل تدبیر ما
مامریدان روبسوی کعبہ چون آریم چون	روبسوی خانۂ خمارد ارد پیر ما

مطلب ظاہری ظاہر ہے...... معنی معنوی یہ ہے کہ مسجد اور کعبہ سے مراد طریق کثرت عبادت...... اور میخانہ اور خرابات مغان اور خانہ خمار سے مراد طریق عشق ومحبت اور یہ دونوں طریق وصول الی اللہ کے مملوک ہیں...... ہر شخص کی جیسی استعداد ہوتی ہے...... اسی طرح اس کو تربیت کیا جاتا ہے...... اور طریق محبت کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ اس میں عبادت نہیں ہوتی...... کہ یہ تو الحاد محض ہے بلکہ کثرت عبادت نہیں ہوتی...... یعنی نوافل وغیرہ کا اہتمام زیادہ نہیں ہوتا...... پس وہ طریق بھی خلاف شرع نہیں ہے...... اور یہ تعیین طریق تربیت کی کبھی شیخ کی فراست سے ہوتی ہے...... اور کبھی غیبی طور پر اس پر ویسے ہی واردات ہونے لگتے ہیں...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ابتدا ایک طریق سے ہوئی تھی...... اور تکمیل دوسرے طریق سے ہوتی ہے...... کبھی کامل کے حال میں بھی تبدل ہو جاتا ہے...... گو وہ تبدل مبتدی کا سا نہیں ہوتا...... جب یہ سب مقدمات سمجھ میں آ گئے...... اب مطلب اشعار کا سمجھنا چاہئے...... شعر اول سوال ہے...... دوسرا شعر جواب ہے...... تیسرا شعر اس جواب کی دلیل ہے...... پس فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کی حالت غیبی طور پر کچھ بدلی ہے...... کہ پہلے ان پر طریق کثرت عبادت کا غلبہ تھا...... اب طریق عشق کا غلبہ ہو گیا گو جامعیت دونوں حالتوں میں پائی ہے...... اب سوال کے طور پر کہتے ہیں کہ اس حالت میں ہمارے لئے کیا تدبیر مناسب ہے...... آیا اس تبدل سے دوسرے شیخ کو بدلنا چاہئے...... یا اسی شیخ کا اتباع

......اس طریق میں کرنا چاہئے ...... کیونکہ اس وقت تعلیم میں بھی اثر اسی کا غالب ہوگا ......پھر خود جواب میں تدبیر بتلاتے ہیں...... کہ ہم کو بھی شیخ کے ساتھ ہم منزل ہو جانا چاہئے ......یعنی اسی طریق میں شیخ کا اتباع چاہئے کیونکہ ظاہراً ہماری تربیت اسی طرح مقدر ہے ......اس ظاہر کی دلیل یہ ہے کہ ایسے اسباب جمع ہو گئے ...... کہ اس شیخ سے ہمارا تعلق ہو گیا ...... یہ علامت باہمی تناسب کی ہے...... جو مدار فیض وافادہ ہے...... جیسا حدیث میں ہے الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف آگے اس کی دلیل فرماتے ہیں کہ جب ہمارا شیخ ایک طریق پر ہے...... تو ہم دوسرے طریق پر کیسے ہو سکتے ہیں ...... حاصل دلیل کا یہ ہوا کہ افادہ واستفادہ میں اتحاد مشرب شرط ہے ......اگر ہم نے دوسرا طریق اختیار کیا تو شرط فیض ہو جائے گی ...... پھر فیض بھی نہ ہوگا اور یہ احتمال کہ دوسرے سے فیض ہو...... شعر ثانی میں قطع ہو چکا ہے...... کہ ظاہراً فیض اسی شیخ سے مقدر ہے...... اور چونکہ مبحث باب عملیات سے ہے...... عملیات میں خطابیات احتجاج کے لئے کافی ہیں...... اس واسطے اس تقریر پر کوئی غبار نہیں...... حاصل مقام کا یہ ہوا کہ جیسے بعض خام طبع ذرا ذرا سی بات میں کہ ان کے خلاف طبع ہو...... گو خلاف شرع نہ ہو پیر سے بدگمان اور منحرف ہو جاتے ہیں ...... یہ دلیل حرمان کی ہے ایسے اسباب سے قطع تعلق کرنا نہ چاہئے ...... بلکہ اس کا اتباع وموافقت حد شرعی تک ضروری ہے...... کہ ممکن ہے اسکے حال میں ترقی ہوئی ہو...... اور یہ تبدل اس کا اثر ہو اور ممکن ہے کہ تمہاری تربیت اس تبدل سے وابستہ ہو...... کہ تمہارا تبدل مقصود ہو...... واللہ اعلم...... قالؒ

عقل گرداند کہ دل در بند زلفش چوں خوش است	عاقلان دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

یعنی گو طریق سلوک میں...... کیفیات عشقیہ مثل آہ و نالہ وفریاد وزاری و درد و غم کو دیکھ کر عقلاء ظاہری سمجھتے ہوں گے ...... کہ یہ لوگ بڑی مصیبت میں ہیں ...... لیکن ہماری روحانی مسرت ونشاط کی اگر ان کو خبر ہو جائے ...... تو اس زنجیر زلف وقید عشق کی طلب اور تمنا اور اشتیاق میں وہ خود دیوانوں کی طرح پھرنے لگیں...... اور خود بھی ان کیفیات کے جویان و خواہان ہو جائیں...... مطلب یہ کہ محنت عشق پر ہزاروں راحت قربان ہیں۔ قالؒ

روئے خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد	زان سبب جز لطف وخوبی نیست در تفسیر ما

یہ شعر تجلی جمالی ...... یعنی اس درجہ کے غلبہ کی حالت کا معلوم ہوتا ہے ...... یعنی میری تفسیر و بیان میں جو رجا ور حمت کے مضامین زیادہ معلوم ہوتے ہیں ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کے روی خوب یعنی تجلی جمالی نے لطف و رحمت کی صفت ...... مجھ پر منکشف کر دی اس لئے جس کیفیت کا قلب پر غلبہ ہے ...... زبان سے بھی اسی کا صدور ہوتا ہے ...... اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ ...... ظاہری اقوال واحوال بھی جبکہ بے ساختہ صادر ہوتے معلوم ہوں ...... علامت ہوتی ہے اس شخص کی کیفیت باطنی کی ...... پس پیر کی تلاش کرنے والے کو اس سے استبداد چاہئے ...... اور آیت و تفسیر کا جمع کرنا لطف شاعری ہے۔ قالؒ

بادل سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے	آہ آتشبار و سوز نالۂ شبگیر ما

لفظ سنگین مجاز از صفت غنا ولفظی بے ادبی در غلبۂ عشق عفواست ...... شبگیر آخر شب ...... لفظ آیا برائے تمنا ...... در گیرد مجاز از رحم آرد بدون اعتبار انفعال ...... حاصل یہ کہ تمنا کرتے ہیں کہ ہماری مناجات سحری جس کا منشاء عشق ہے ...... آپ کی صفت غنا کو ہمارے حال پر مصدر رحمت کر دے ...... یعنی ہم پر رحمت فرمانے میں گو کوئی آپ کو حاجت نہیں ہے ...... اور یہی معنی ہیں غنا کے ...... مگر ہماری حاجت کی وجہ سے ہم پر رحمت فرمائیے ...... خلاصہ یہ کہ تمنائے رحمت کر رہے ہیں ...... اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے ...... کہ سالک اپنے مجاہدات وریاضات پر نظر کر کے اپنے کو مستحق فیضان کا نہ سمجھے ...... بلکہ انکسار افتقار و تذلل و عرض حاجت کرتا رہے ...... تنبیہ بعضے کم فہم غنا کے معنی بے التفاتی کے سمجھتے ہیں ...... جو محض غلط ہے بلکہ اس کے معنی بے احتیاجی کے ہیں ...... جو مقتضی ہے زیادت التفات وعنایت کو کیونکہ خلق جو التفات میں کمی کرتے ہیں تو بوجہ اس کے کہ بعض منافع کے محتاج ہوتے ہیں ...... جس سے وہ منفعت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف التفات کرتے ہیں ...... جس سے وہ منفعت حاصل نہیں ہوتی ...... اس کی طرف التفات نہیں کرتے ...... پس عدم التفات کی علت احتیاج ہے ...... اور یہ وہاں مفقود ہے پس التفات زیادہ متوقع ہے ...... ہاں اگر عبد ہی کی طرف سے کوئی امر مانع ہو مثل کفر وشرک وغیرہ کے تو وہ اور بات ہے تو وہ سمجھ لو۔ قالؒ

مرغ دل راصید جمعیت بدام افتادہ بود	زلف بکشادی وباز ار دست شد نخچیر ما

زلف کنایہ از صفت قابض بمناسبت انکہ زلف پریشانی دارد...... ودر حالت قبض ہم پریشانی رود ہد...... پس ہر دورا تعلقے است باپریشانی...... ونیز چنانچہ زلف ساتر رخ است ...... ہمچنان قبض ساتر واردات جمالیہ است ...... ودر مجاز ہمیں قدر مناسبت کافی است...... یعنی ہمارے قلب میں کیفیت سکون کی ہوگئی تھی...... مگر قابض کی تجلی سے قبض ہوا...... اور پھر آشفتگی اور پریشانی ہوگئی...... اس میں تحقیق ہے تعاقب بسط وقبض کی...... اور تعلیم ہے کہ کسی حالت مرغوبہ پر عجب نہ کرے...... کہ ورود ضد سے ہر وقت زوال محتمل ہے۔ قالؒ

باد برزلف تو آمد شد جہان برمن سیاہ	نیست ازسودای زلفت بیش ازین توفیر ما

باد سبب پریشانی زلف می باشد...... کنایہ از صفت ارادہ کہ سبب تعلق صفت قابض باشد ...... باحوال قلبیۂ سالک جہان سیاہ شدن پریشان شدن...... توفیر زیادت و محاصل...... سودا خیال عشق...... مطلب یہ کہ آپ نے جب ارادہ فرمایا کہ...... میرے قلب پر کیفیت قبض کی وارد کردیں...... تو اس کے ورود سے میری پریشانی بڑھ گئی ...... جو کہ لازمۂ قبض ہے...... آگے کہتے ہیں کہ واقعی تجلی اسم قابض کا یہی فیض ہے اور لفظ سودا بڑھانے میں اشارہ ہے...... ایک تحقیق کی طرف وہ یہ کہ صفات الٰہیہ سب جمیل اور محبوب ہیں...... اور عاشق کو واجب ہے کہ ہر صفت کے فیض کو...... خواہ جمالی ہو یا جلالی ہو دل وجان سے قبول کرے...... اور اس میں اپنی تربیت سمجھے...... پس قبض سے بھی دلگیر نہ ہو۔ اور سودا اور زلف میں لطف شاعری بھی ہے۔ قالؒ

تیر آہ ماز گردون بگذرد جان عزیز	رحم کن برجان خود پرہیز کن از تیر ما

اگر اس کا مخاطب ظاہر پرستوں کو کہا جائے...... جو کہ عشاق کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں...... اور ان کو ایذائیں پہنچاتے ہیں تب تو معنی بے تکلف ہیں...... کہ ہمارا تیر آہ کہ آہ مظلوم ہے آسمان سے گزر کر پایۂ سریر سلطانی تک پہنچتا ہے...... اور مقبول ہوتا ہے تو اے جان عزیز (یہ شفقتہ کہہ دیا) ہم کو ایذا مت پہنچاؤ...... اپنے اوپر رحم کرو اس صورت میں اس

میں ارشاد ہوگا...... کہ غیر اہل حال کو اہل حال پر انکار جو منجر بایذا ہونا چاہئے...... اور اگر محبوب حقیقی کو منادی کہا جائے...... تو مجازات بعیدہ کا تکلف کرنا پڑے گا...... اور مقصود کا ماحصل یہ ہوگا کہ چونکہ محبوب حقیقی نہایت رحیم ہے...... اس کو اپنے بندہ کی پریشانی گوارانہیں...... اس لئے عرض کرتے ہیں کہ ہم کو فراق سے نجات دیجئے...... ورنہ ہماری پریشانی سے آپ کو ایذا ہوگی...... اس کے قریب استعمالات مجازیہ کتاب وسنت میں بھی وارد ہیں...... **قال اللہ تعالیٰ یؤذون اللہ وفی الحدیث عن اللہ تعالیٰ ماترددت فی شیء ماترددت فی قبض نفس المومن ھو یکرہ الموت وانا اکرہ مسأتہ** یہ حدیث کا مضمون ہے...... لفظ اچھی طرح یاد نہیں...... لیکن تردد اور کراہت کے لفظ میں کوئی شک نہیں...... بعد تعیین محصل مقصود کے...... اب انطباق الفاظ شعر کا اس معنی پر کچھ دشوار نہیں۔ قالؒ

بردر میخانہ خواہم گشت چون حافظ مقیم	چون خراباتی شدای یار طریقت پیر ما

چون حافظ مانند حافظ۔ یہ مقطع ہم مضمون مطلع کا ہے۔ غزل۔ قالؒ

شب از مطرب کہ دل خوش بادو یرا	شنیدم نالۂ جان سوزنے را
چناں درجان من سوزش اثر کرد	کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را
حریفے بدمرا ساقی کہ مردم	ززلف ورخ نمودی شمس ودی را
چوشوقم دیدور ساغرے افزود	بگفتم ساقی فرخندہ پے را
رہانیدی مرا از شرہستی	چو پیمودی پیاپے جام مے را
حماک اللہ عن شر النوائب	جزاک [illegible] فی الدارین خیرا
چو بیخود گشت حافظ کے شمارد	بیک جو مملکت کاؤس وکے را

مطرب کنایہ از شیخ و عارف...... نالہ ائے مضامین عشق...... سوزش سوزاو۔ حریف مصاحب وئے بفتح دال مخفف دیجور (کذا قیل لیکن صاحب غیاث نے اس کی تغلیط کی ہے...... چنانچہ کہا ہے وانچہ لفظ دے را مخفف دیجور گویند وسندان مصرع خواجہ حافظ ارند مصرع

ززلف ورخ نمودی شمس ودی راء خطا است...... چه دیجور صفت شب واقع شود...... نه آ نکه دیجور مطلق شب سیاہ را گویند...... وسبب این غلطی نسخه است صحیح چنیں ست ع ززلف ورخ نمودی شمس و فے فے بالفتح بمعنی سایہ دریں صورت مقابلہ شمس و فے بمشابہت زلف ورخ درست می شود...... پس وی را مخفف دیجور فہمیدن موجب عدم فہم است اھ منہ مدظلہ العالی) نوائب حوادث مملکت ملک...... اس پوری غزل کے اشعار بطور قطعہ بند کے ہیں ......سب میں ایک ہی مضمون ہے...... یعنی اسرار عشقیہ وحقائق عرفانیہ کی تعلیم پانے پر مسرت اور شیخ تعلیم کنندہ کا شکریہ...... خلاصہ یہ کہ شب گزشتہ میں میں نے شیخ سے کہ خدا تعالیٰ ان کو خوش رکھے...... اسرار عشق سے جو کہ جانسوز تھے ان مضامین کے سوز نے ......میرے اندر ایسا اثر کیا کہ کسی شے کو میں نے رقت سے خالی نہ پایا...... اس وجہ سے کہ اپنے اندر جو کیفیت ہوتی ہے اس کا اثر ہر شے میں محسوس ہوا کرتا ہے...... اس توجیہ پر تو رقت صفت ہر شے کی ہوگی...... اور یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ رقت صفت متکلم کی ہو...... اور معنی یہ ہوں گے کہ میں نے ہر شے کو اس طور پر دیکھا کہ اس کو دیکھ کر مجھ کو رقت ہوتی تھی ......وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شے نظر معرفت میں آئینہ جمال الٰہی ہے...... جب اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں...... تو ہر شے کو اسی نظر سے دیکھتا ہے...... اور اس نظر کے لئے تاثر ورقت لازم ہے...... آگے پھر شیخ کے بیان اسرار کا بیان ہے...... کہ ایسا ہمراہی اور رفیق میرا ساقی تھا یعنی ایسا شیخ ان معارف کو بیان کررہا تھا...... کہ واردات جلالیہ و جمالیہ کے بیان سے شمس اور دیجور کا نقشہ دکھلا رہا تھا...... یا یوں کہا جائے کہ ان واردات کو اپنے تصرف سے قلب پر افاضہ کررہا تھا...... جب اس نے میرا شوق دیکھا تو پیالہ میں شراب اور بڑھادی یعنی میرے قلب میں تعلیماً یا افاضۃً وہ اسرار وواردات اور القا فرمائیے...... اس وقت میں نے خوش ہوکر ساقی فرخندہ پے سے کہا کہ آپ نے مجھ کو ان اسرار کے افاضہ کی بدولت ہستی موہوم کے شرور وآفات سے...... یعنی آثار ظلمانیہ وکدورات نفسانیہ سے چھڑادیا ......جبکہ علی التواتر وہ اسرار مجھ پر افاضہ فرمائے...... پس اللہ تعالیٰ آپ کو تمام حوادث کے شر سے محفوظ رکھے...... اور دونوں جہان میں اس کی جزائے خیر دے...... اور جب میں ان اسرار سے بےخود ہوگیا تو تمام سلاطین کے ملک ودولت کی ایک جو کی برابر بھی...... میری آنکھ

میں قدر نہ رہی...... چنانچہ ظاہر ہے کہ دولت باطنی کے سامنے دولت ظاہری لاشی محض ہے۔

غزل۔ قالؒ

صوفی بیا کہ آئینہ صاف است جام را	تا بنگری صفاے مئے لعل فام را

صوفی کا اطلاق کبھی صوفی حقیقی پر آتا ہے...... کبھی مدعی پر یہاں معنی ثانی مراد ہیں...... اور جام سے مراد قلب اس کو آئینہ سے تشبیہ دی باعتبار انخلاء کے مجاہدہ و ریاضت سے...... اور مئے سرخ رنگ سے مراد عشق و محبت باعتبار سکر و بیخودی کے...... مطلب یہ کہ اے مدعی تم اپنے کمالات پر کیا دعویٰ کرتے ہو...... ادھر طریق اہل صدق کی طرف آؤ...... اور صدق اختیار کرو...... کہ آئینہ قلب فی نفسہ صاف ہے...... صرف اوصاف ذمیمہ کا اس پر حجاب پڑا ہے...... صدق کی برکت سے یہ اٹھ جائے گا...... پھر اس وقت اس میں تجلیات ذات وصفات کی منعکس ہو کر محبوب حقیقی کی معرفت ہوگی...... اور معرفت سے محبت وعشق کا غلبہ ہوگا...... اس وقت نور محبت کا ادراک ہوگا...... حاصل شعر کا ترغیب دینا ہے ......تصفیہ وتزکیہ میں...... کہ ذریعہ وصول الی المحبوب ہے۔ قالؒ

راز درون پردہ ز رندان مست پرس	کاین حال نیست صوفی عالیمقام را

یہاں بھی صوفی سے وہی معنی ثانی مراد ہیں...... جو شعر بالا میں مذکور ہوئے...... اور عالیمقام باعتبار شان وشوکت ظاہری کے کہا۔ مطلب یہ کہ اسرار حقیقت عشاق و تارکان تعلقات...... مستغرقان محبت سے دریافت کرنا چاہئے...... کہ مدعیوں پر احوال باطنی ہی طاری نہیں ہوئے...... تا کہ ان سے قلب پر واردات حالیہ یا علمیہ فائض ہوتے...... اس میں بھی مذمت ہے دعویٰ کی...... اور ترغیب ہے صدق وترک ماسوی کی۔ قالؒ

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین	کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

باد بدست بیحاصل...... عنقا کنایہ از ذات باعتبار اختفائے دائم...... مطلب یہ کہ جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کرسکتا...... بس دام پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہے...... اسی طرح کنہ ذات بحت کو کوئی ادراک نہیں کرسکتا...... اس لئے فکر اور سوچ بیکار ہے...... اس

میں سالک کو یہ بتاتا ہے کہ...... انکشاف ذات کی فکر میں پڑ کر پریشان نہ ہو...... اور اپنا وقت صرف نہ کرے...... پس اس شعر میں علم وعمل یعنی حقیقت وطریقت دونوں کی تعلیم ہے۔ قالؒ

من آن زمان طمع ببریدم زعافیت	کاین دل نہاد در کف عشقت زمام را

یعنی میں نے تو اسی وقت عافیت سے امید قطع کر دی تھی...... جبکہ میرا دل تیرے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا...... اس میں تعلیم ہے کہ عاشق حق کو عافیت اور بے فکری کی طلب عبث ہے ...... جو حالت شدید سے شدید عشق میں پیش آئے...... اس کو برداشت کرے...... یہ مضمون ان لوگوں کے یاد رکھنے کا ہے...... جو بعض احوال باطنی سے تنگ آ کر دوسرے احوال مرغوبہ کی تمنا کیا کرتے ہیں...... ممکن ہے کہ یہ ناگوار حالت اس گوارا حالت سے انفع ہو۔ قالؒ

ما را بر استان تو بس حق خدمت است	ایخواجہ بازبین بترحم غلام را

ہر چند کہ شان محبوب کے لائق کسی سے بھی خدمت نہیں ہو سکتی...... مگر اپنی طاقت سے زیادہ جوش محبت وعشق میں...... اس کا صدور ہو جاتا ہے...... اور ثمرہ وکامیابی میں دیر ہونے سے ولولہ میں وہ طاعات زبان پر بھی آ جاتی ہیں...... یعنی مدت ہوئی طلب وخدمت میں سرگرم ہوں...... اب تو کامیاب فرما دیجئے...... یہ ایک حالت ہے، جس میں عاشق معذور ہے ...... اور اگر مقصود افتقار ہو تو ماجور ہے کقول یعقوب علیہ السلام انما اشکوبثی وحزنی الی اللہ و کتوسل اھل الغار باعمالھم الصالحۃ فی الخروج عن الغار. قالؒ

در عیش نقد کوش کہ چون آبخور نماند	آدم بہشت روضۂ دارالسلام را

عیش نقد سے مراد اعمال وطاعات ومجاہدہ...... جس کو سر دست عمل میں لے آئے ...... اور اگلے وقت پر نہ رکھے...... مطلب یہ کہ جو کچھ ذخیرہ آخرت جمع ہو سکے جمع کر لو ...... اور نفس کی تسویلات وتسویفات میں مت رہو کہ کل کر لیں گے پرسوں کر لیں گے...... حتیٰ کہ عمر یوں ہی ختم ہو جاتی ہے...... بلکہ جو کچھ کرنا ہو فوراً کر لو...... کیونکہ جب آدم علیہ السلام کا حصہ جنت میں قیام کرنے کا علم الٰہی میں ختم ہو گیا...... تو ان کو ایسے اسباب پیش آئے کہ بہشت چھوڑنا پڑی...... پس جب بہشت جو کہ فی نفسہ دار اقامت ہے...... اجل معین

گزرنے پر چھوٹ گئی تو دنیا جو کہ دارالزوال ہے...... اس کو تو اجل موعود پر تم کو بدرجہ اولے چھوڑنا پڑے گا...... پھر کس کے بھروسے۔ٹال رہے ہو۔قالؒ

دربزم دور یک دو قدح درکش و برو	یعنی طمع مدار وصال دوام را

یہاں وصال سے مراد تجلی ذاتی ہے...... جس کے معنی اصطلاح میں یہ ہیں کہ ذات بحت کی طرف توجہ میں ایسا استغراق ہو کہ غیر ذات کی طرف اصلا التفات نہ رہے...... اور ممکن ہے کہ مطلق تجلی مراد ہو...... عام تجلی ذات وصفات سے...... مگر وہی جس میں استغراق تام ہو...... حاصل شعر کا یہ ہے کہ بعض سالکین ایسے بعض احوال کے طاری ہونے کے بعد اس کا دوام چاہتے ہیں...... اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ اکثر اس کا دوام نہیں ہوتا...... اور اسی میں نفع بھی ہے...... کیونکہ حسب تنصیص ائمہ فن استغراق میں ترقی نہیں ہوتی...... کیونکہ ترقی ہوتی ہے عمل سے...... اور اس میں عمل نہیں ہوتا...... دوسرے تعطل بھی ہو جاتا ہے...... اور مقصود زیادت طاعت ہے...... تیسرے بدن کی تدبیر بھی مختل ہو جاتی ہے...... اور قوام بدنی کا اعتدال موقوف علیہ ہے طاعت کا...... ان حکمتوں سے یہ تجلیات دائم نہیں ہوتیں...... اس لئے فرماتے ہیں کہ...... جو کچھ احیانا ان تجلیات سے مشرف ہو جاؤ غنیمت سمجھو اور پھر سلوک میں لگ جاؤ برو سے اسی طرف اشارہ ہے...... کیونکہ رفتن ترجمہ ہے سلوک کا۔قالؒ

ای دل شباب رفت ونچیدی گلے زعمر	پیرانہ سرمکن ہنر ننگ و نام را

یعنی جوانی کی عمر جو کہ مجاہدہ وریاضت کا وقت تھا گزر گئی...... اور افسوس ہے تو نے کوئی کام نہ کیا اب بڑھاپا آیا...... تو علاوہ ضعف جسمانی وروحانی کے اب زیادہ ہوس رہتی ہے جاہ کی...... اور اسی کو ہنر سمجھتے ہیں...... خواہ جاہ دنیوی یا جاہ دینی...... جیسا اہل علم ظاہری کو پیش آتی ہے...... اور وہ جاہ بہت سے اعمال وقربات وطلب مقصود سے مانع ہوتی ہے...... اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ اس ننگ ونام کے ہنر کو پیشہ مت کرو...... کہ اب تو ہم خود صاحب شان یا صاحب کمال مشہور ہیں...... اب کیا کسی سے رجوع کریں...... یا مبتدیوں کے احوال واشغال کو کیا اختیار کریں...... یا خلو عن الکمال کا کیا اعتراف کریں...... کہ مشیخت میں خلل پڑتا ہے...... اللہم احفظنا بلکہ اس بڑھاپے ہی کے حصہ میں جو کچھ ہو سکے اس میں

دریغ نہ کرے ...... پس مکن میں جعل بسیط ہے ...... ایک ہی مفعول پر تمام ہو جاتا ہے ...... یعنی لاتجعل الانفة یعنی لاتستنکف و اللہ اعلم۔ قالؒ

حافظ مرید جام جم است ای صبابرو	وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را

جام جم قلب پیر شیخ جام پیریکہ ایں چنیں قلب دارد۔ ترجمہ تو ظاہر ہے شاید مقصود اس سے تنبیہ ہو ...... حقوق شیخ پر کہ مرید کتنا ہی کامل ہو جائے ...... جیسے کہ حافظ شیرازی تھے مگر تب بھی شیخ کا ادب اور احترام اور اعتراف اس کے ولی نعمت ہونے کا ...... بلکہ حسب موقع اس کا اظہار بھی کرتا رہے ...... حتیٰ کہ اس کی حالت غیبوبت میں بھی اس کے حقوق میں تساہل و تغافل نہ کرے ...... پس اس تقریر پر اس شعر میں تعلیم ہوگی آداب شیخ و حقوق صحبت کی ...... واللہ اعلم۔

غزل۔ قالؒ

رونق عہد شباب است دگر بستان را	میرسد مژدۂ گل بلبل خوش الحان را

یہ شعر زمان بسط کا معلوم ہوتا ہے ...... کہتے ہیں کہ بستان یعنی قلب میں پھر عہد شباب یعنی زمانہ بسط کی رونق ...... یعنی شگفتگی حاصل ہوئی ہے اور گل یعنی محبوب حقیقی کا مژدہ ...... یعنی تجلیات جمالیہ بلبل خوش الحان یعنی عاشق پر وارد ہے ...... اور معنی ظاہری ظاہر ہیں۔

ای صبا گر بجوانان چمن باز رسی	خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را

سرو گل و ریحان سے مراد ...... وہی جوانان چمن بطور وضع مظہر موضع مضمر کے ...... مراد اس سے یاران طریقت مثل پیر بھائیوں کے ...... اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ صاحب طریقہ کو اپنے اصحاب و احباب کا خادم اور نیاز مند رہنا چاہئے ...... کہ اس میں علاوہ ادائے حق و اختیار تواضع کے ان کی دعا و ہمت و تطییب قلب سے باطنی نفع بھی ہے۔

ای کہ برمہ کشی از عنبر سارا چوگان	مضطرب حال مگردان من سرگردان را

سار بالف زائدہ بمعنی مثل چون خاکسار ای مثل عنبر ...... یا سارا بمعنی جا چون نمک سار و بر ہر دو تقدیر ...... مراد زلف و چوگان ...... ہم کنایہ از زلف بمناسبت امتداد و طول ...... وکلمہ از برائے بیان ...... یا عنبر سار صفت مفت و چوگان موصوف و مفعول کشی محذوف اے

پردہ...... ومہ مراد بدورخ...... مطلب یہ ہے کہ زلف عنبر سار...... یعنی تجلی جلالی سے کہ اس کے لوازم سے قبض ہے ماہ کو...... یعنی تجلی جمالی کو مستور نہ کیجئے...... اور مجھ کو مضطرب حال نہ کیجئے...... ہرچند کہ تجلی جلالی بھی تجلی محبوب ہی ہے...... لیکن اس کے عدم تحمل کے بیان سے اپنے ضعف کا اظہار ہے...... کہ افتقار وانکسار عین مطلوب ہے۔ قالؒ

ترسم آن قوم کہ بردردکشان میخندند	درسرِ کارِ خرابات کنند ایمان را

سرخیال۔ کار خرابات مے نوشی...... مطلب یہ ہے کہ جو ظاہر پرست مدعی زہد وتقویٰ عشاق پر ہنستے ہیں...... جو کہ شراب محبت سے بے خود ہیں...... اور اس وجہ سے بعضے امور غلبہ عشق سے ان سے ایسے سرزد ہو جاتے ہیں...... جو ظاہر پرستوں کی سمجھ میں نہیں آتے مجھ کو یہ اندیشہ ہے...... کہ اس تحقیر واستکبار کی نحوست سے یہ کسی ایسی حالت میں مبتلا نہ ہوں...... کہ سچ مچ ایمان وتقویٰ میں خلل انداز ہو مثلاً کسی مخلوق ہی کے ناجائز تعشق میں مبتلا ہو جائیں...... اس میں تعلیم ہے کہ کسی پر ہنسنا اور طعن کرنا نہ چاہئے...... ہاں اصلاح کے موقع پر اصلاح کے طریقہ سے اصلاح کرنا ضروری ہے۔ قالؒ

یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح	ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

کشتی نوح طریقہ یا صحبت اہل حق...... مردان خدا اہل حق۔ خاک قناعت۔ طوفان جاہ وثروت...... آبے حصہ ازان۔ یعنی اے طالب حق...... تو اہل اللہ کی معیت وخدمت کو مت چھوڑ...... کیونکہ اہل اللہ کے طریقۂ حلم وعمل یا صحبت میں ایسی قناعت وترک ماسوی کی تعلیم اور تحصیل ہے...... کہ تمام جاہ وسلطنت کو ذرہ برابر بھی نہیں سمجھتے...... اس میں تعلیم ہے ترک ماسوی کی...... اور ایسے تارکین کے ساتھ لگے لپٹے رہنے کی...... پس اثبات ہے برکت صحبت کا بھی۔ قالؒ

برواز خانہ گردون بدرونان مطلب	کاین سیہ کاسہ درآخر بکشد مہمان را

بروا مراز رفتن...... بدر بمعنی برون...... خانہ گردون دنیا۔ نان تعلقات...... سیہ کاسہ بخیل...... یعنی اس دنیا سے بے تعلق رہ اور تعلقات کا طالب مت ہو...... کیونکہ یہ گردون

یعنی اہل دنیا کہ زیر گردون آباد ہیں...... آخرکار مہمان کو یعنی تجھ کو کہ مہمان چند روزہ ہے ہلاک کریں گے...... یعنی تعلقات دنیویہ سے کسی کو فلاح نہیں ہوتی...... بلکہ خسران وحرمان ہی ہاتھ آتا ہے۔ قالؒ

گرچنیں جلوہ کند مغ بچۂ بادہ فروش	خاک روب درمیخانہ کنم مژگان را

مغ آتش پرست کنایہ از طالب نور حقیقی...... وگاہے کنایہ از پیر باشد مغ بچہ بچۂ مغ مراد از خلیفہ...... ارشاد کہ نائب پیر باشد...... یعنی اگر خلیفہ ارشاد...... کہ قاسم محبت ہے...... اسی طرح مظہر کمالات ہو تو میں پلکوں سے اس کے در پر جھاڑو دوں...... اس میں تعلیم ہے کہ خلیفہ ارشاد گو پیر بھائی ہو...... لیکن جب وہ بانابت شیخ افاضہ کرے تو اس کو مخدوم سمجھنا چاہیے...... مساوات کا دعویٰ اور حسد موجب حرمان ہے۔ قالؒ

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود	گر تو سرگشتہ شوی دائرہ امکان را

اگر وجود سے مراد وجود حقیقی واجب ہے...... جیسا کہ امکان کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے...... تب تو اسرار سے مراد کنہ اور حقیقت ہے یعنی اگر وجود ممکن کے کل حقائق کو بھی محیط ہو جاؤ...... تب بھی واجب کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی...... اور اگر وجود سے مراد وجود ممکن ہو تو اسرار سے مراد حکمتیں ہیں...... یعنی اگر تمام عالم میں پھر جاؤ تب بھی حدوث اشیا کی حکمتیں معلوم نہیں ہو سکتیں...... کہ یہ عالم کیوں پیدا ہوا...... دونوں تقدیروں پر اس میں تعلیم ہے کہ جو امور احاطہ ادراک میں کبھی نہ آ سکیں...... طالب حق کو چاہیے کہ اس کے ادراک میں اپنا وقت صرف نہ کرے...... جیسے بہت لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ قالؒ

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشت خاک است	گو چہ حاجت کہ برافلاک کشد ایوان را

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود تعلیم ہے...... ترک تعلقات وطول امل کی...... کہ لازمۂ طلب مقصود حقیقی ہے۔ قالؒ

ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد	وقت آن است کہ پدرود کنی زندان را

یعنی اے روح یا قلب کہ مشابہ یوسف علیہ السلام کے ہے...... مسند یعنی مقام عشق تجھ

کو بفضلہٖ تعالیٰ میسر ہو گیا...... اب دنیا کو کہ سجن مومن ہے ترک کر دو...... مقصود اس میں بھی ارشاد ہے...... ترک تعلقات دنیویہ کا۔ قالؒ

درسر زلف نہ دانم کہ چہ سودا داری	کہ بہم برزدہٗ گیسوی مشک افشان را

زلف کنایہ از عالم کثرت کہ ساتر وحدت است...... چنانکہ زلف ساتر رخ است...... چونکہ سالک کو بعد عروج کے نزول اور بعد فنا کے بقا ہوتا ہے...... اور اس کے لوازم سے ہے توجہ الی الخلق...... اگر چہ وہ للحق ہوتی ہے...... اس لئے بعنوان استفہام کہ مقصود اس سے تقریر ہے...... کہتے ہیں کہ خدا جانے اس عالم کثرت کی طرف متوجہ کرنے میں کیا راز ہے کہ منتہی کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے...... یعنی بڑا راز ہے اور وہ راز تربیت خلق ہے...... اس مسئلہ کا حقائق میں سے ہونا تو ظاہر ہے...... اور فن سلوک کے اعتبار سے تعلیم ہے...... اس امر کی کہ اگر بعد بقا کے یہ حالت عطا ہو...... تو اس کو حاجب عن الحق نہ سمجھے...... کہ یہ بھی موجب قرب الی اللہ ہے۔ قالؒ

ملک آزادگی و گنج قناعت گنجے است	کہ بشمشیر میسر نہ شود سلطان را

ترجمہ ظاہر ہے...... اور مقصود تعلیم ہے قناعت کی...... کہ شرط طریق ہے۔ قالؒ

حافظا می خور و رندی کن و خوش باش و لے	دام تزویر مکن چون دگران قرآن را

مے و رندی میرے نزدیک معنی ظاہری پر محمول ہیں...... کیونکہ لفظ و لے بمعنی ولیکن...... ان الفاظ کو معنی محمودہ کے ساتھ ماؤل کرنے سے آبی ہے...... چنانچہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے اجازت و اباحت نہیں...... بلکہ مبالغہ ہے تزویر کی تقبیح میں...... جیسا ہمارے محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ زہر کھا لینا...... مگر فلانے شخص کے گھر کا کھانا مت کھانا...... یعنی وہ زہر سے بھی بدتر ہے پس اسی طریق پر اس کا مطلب ہے...... کہ ظاہری گناہ کا کام کر لینا مگر دین کو ذریعہ تزویر مت کرنا...... یعنی یہ عمل سب معاصی سے بدتر ہے...... وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اور معاصی میں کسی کو خداع اور دینی ضرر نہیں پہنچتا...... بخلاف تزویر بالدین کے۔ غزل۔ قالؒ

بلا زمان سلطان کہ رساند این دعا را	کہ بشکر پادشاہی زنظر مران گدا را

چہ قیامت است جانان کہ بعاشقان نمودی	رخ ہمچو ماہ تابان دل ہمچو سنگ خارا
زرقیب دیو سیرت بخدا ہمی پناہم	مگر آن شہاب ثاقب مددی کند خدارا
دل عالمی بسوزی چو عذار برفروزی	تو ازین چہ سود داری کہ نمی کنی ندارا
مژہ سیاہت ارکردسوی خون مااشارت	زفریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب درین امیدم کہ نسیم صبحگاہی	بہ بپام آشنائے بنو ازد آشنارا
بخدا کہ جرعۂ دہ تو بحافظ سحر خیز	کہ دعای صبحگاہی اثرے کند شمارا

ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے...... کہ بے تکلف مرشد کے خطاب پر ان کا انطباق ہوسکتا ہے...... محبوب حقیقی کو مخاطب بنانا...... بعض اشعار میں قریب ناممکن کے ہے...... ان سب کا حاصل مرشد سے توجہ کی درخواست کرنا ہے...... اور چونکہ سکر طلب میں مغلوب ہیں ...... اس لئے بعض الفاظ موہم سوء ادب صادر ہوگئے ہیں ...... چونکہ بعض اوقات طالب کو اپنی حالت [illegible] اور خرابی کے ساتھ یہ گمان ہوتا ہے...... کہ مرشد کی توجہ و ہمت کی کمی اس کا سبب ہے اور بعض اوقات اس خیال میں کسی قدر صحت بھی ہوتی ہے ...... اس لئے بلسان طالب فرماتے ہیں ...... کہ بادشاہ طریقت یعنی مرشد کی خدمت میں کوئی شخص یہ التماس پہنچائے ...... کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو شان ارشاد عطا کیا ہے...... اس کا شکر یہ ہے کہ مسترشدین کو اپنی نظر توجہ سے دور نہ کیجئے ...... بلکہ ان کے حال پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھئے کہ ان کو نفع کامل ہو...... اور یہ کیا غضب کی بات ہے کہ جو آپ نے طالبوں کے ساتھ برتاؤ کر رکھا ہے...... کہ کمالات تو ماشاء اللہ ایسے کچھ مگر قلب میں ایسا استغناء کہ ...... طالبین کی طرف سے کم توجہی فرمائی جاتی ہے...... یہ تو شان ارشاد کا مقتضا نہیں ہے ...... میں دشمن شیطان خصلت سے ...... یعنی نفس امارہ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں ...... یعنی اس کے شر سے ترسان ولرزان ہوں...... کیا عجب ہے کہ نظر مرشد کہ مثل شہاب ثاقب کے دفعیہ شر نفسانی میں ہے ...... کچھ خدا واسطے سمجھ کر امداد فرمائے ...... جس وقت آپ کے کمالات کا ظہور ہوتا ہے تو ایک عالم کے قلب میں اضطراب طلب پیدا ہوجاتا ہے...... پھر

جو آپ ان کی دلجوئی اور ان کی طرف توجہ نہیں فرماتے ..... اور وہ یوں ہی تڑپ کر رہ جاتے ہیں ..... اس سے کیا فائدہ بلکہ آپ کے منصب ارشاد کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے حال پر توجہ فرمائیں ..... اور اگر آپ کی مژگان سیاہ ..... یعنی صفت استغناء نے ہمارے خون یعنی ہمارے ساتھ سختی و بے توجہی کرنے کا اشارہ کیا ہے ..... تو اسکے مقتضا پر عمل نہ کیجئے ..... کبھی اس باب میں غلطی نہ ہوجائے ..... غلطی یہی کہ توجہ ضروری کو غیر ضروری سمجھ لیا جائے ..... میں تمام شب یعنی تمام اوقات انقباض میں اس کا منتظر رہتا ہوں ..... کہ شاید ادھر سے کچھ لطف وعنایت ہوجائے ..... کہ میرا کام بن جائے ..... سوخدا کے واسطے آپ اپنی توجہ کا کچھ حصہ حافظ سحر خیز کو دے دیں ..... کہ شاید اس کی دعا سے آپ کو اور زیادہ نفع ہوجائے ..... کیونکہ اصاغر کی دعا سے بھی اکابر کی ترقی ہوتی ہے۔ قالؒ

صبا بالطف بگو آن غزال رعنا را	کہ سر بکوہ وبیابان تو دادۂ مارا
شکر فروش کہ عمرش دراز بادچرا	تفقدی نہ کند طوطی شکر خارا
غرور حسن اجازت مگر ندادای گل	کہ پرسشے نہ کنی عندلیب شیدارا
بحسن خلق تو ان کرد صید اہل نظر	بہ بندو دام نگیر ندمرغ دانارا
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	بیاد آر حریفان بادہ پیمارا
ندانم از چہ سبب رنگ آشنائی نیست	سہی قدان سیہ چشم ماہ سیمارا
جز این نتوان گفت در جمال تو عیب	کہ خال مہر و وفا نیست روی زیبارا
در آسمان چہ عجب گر زگفتۂ حافظ	سماع زہرہ برقص آورد مسیحارا

اس غزل کا حاصل بھی بعینہ مثل غزل سابق کے معلوم ہوتا ہے ..... کہتے ہیں کہ اے [illegible] سان [illegible] کی دعا [illegible] سے میرے مرشد سے جو کہ غزال رعنا کی طرح مجھ سے نفور ہیں [illegible] کہنا کہ آپ نے تمام کوہ وبیابان میں مجھ کو پریشان کر رکھا ہے ..... یعنی بے توجہی [illegible] کو محرومی ہے ..... اور اس سے میں پریشان ہوں ..... اور معلوم نہیں کیا بات ہے کہ یہ [illegible] ادائی ..... اور تقسیم فیوض کی قابلیت میں شکر فروش کے مشابہ ہیں ..... طالبین

کی خبر گیری کیوں نہیں کرتے ...... جو کہ مشابہ طوطی طالب شکر ...... یعنی فیض کے ہیں ...... معلوم ہوتا ہے کہ ناز کمال اس کا باعث ہوگیا ہے ...... کہ عشاق کی بات نہیں پوچھتے ...... سو ایسا مناسب نہیں بلکہ خوش اخلاقی وعنایت ضروری ہے کہ طالبین اس سے مائل ہوں گے ...... اور ان کے مستفید ہونے سے آپ کو بھی ثواب ہوگا ...... اور یہ لوگ دوسرے اسباب سے مثل لذات وتمعات مقید نہیں ہوتے ...... اور اے مرشد جب آپ حق تعالیٰ کے قرب اور اختصاص سے خاص طور پر مشرف ہوں ...... یعنی آپ کی توجہ اور دعا کا وقت ہو ...... تو طالبین کو بھی یاد فرمالیا کیجئے ...... یعنی جس طرح ہمت کی آپ سے درخواست ہے ...... اسی طرح دعا کی بھی کہ یہ اس سے زیادہ نافع ہے ...... اور معلوم نہیں کہ ان اہل کمال کو جو کہ مجمع فضائل ہوتے ہیں ...... بے توجہی کی عادت کیوں ہو جاتی ہے ...... آپ میں ماشاء اللہ تعالیٰ ساری خوبیاں ہیں ...... مگر اتنی کسر ہے کہ توجہ وعنایت جیسی ہونا چاہئے وہ نہیں ہے ...... آگے مقطع کا شاعرانہ مضمون ہے ...... جو ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ف توجیہ الفاظ موہمہ سوء ادب کی غزل سابق کی تمہید میں مذکور ہو چکی۔ غزل۔ قالؒ

ساقیا برخیزد درده جام را	خاک برسرکن غم ایام را

یعنی اے مرشد مجھ کو جام عشق الٰہی دے دیجئے ...... جس سے دنیوی غم واندیشہ کے سر پر خاک ڈال دوں۔ قالؒ

ساغری برکفم نہ تازسر	برکشم این دلق ازرق خام را

ازرق بتقدیم زای معجمہ برراى مہملہ ...... کبود مراد ہستی مستعار ...... یعنی شراب محبت مجھ کو دے دیجئے ...... تاکہ ان تعلقات فانیہ کو برطرف کردوں۔ قالؒ

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان	مانمی خواہیم ننگ و نام را

یعنی اگرچہ عاشقی موجب بدنامی ہے ...... کیونکہ جاؤ وضع داری بھی اس میں برباد ہو جاتی ہے ...... عقلاء میں جو اہل دنیا ہیں ان کے نزدیک تو بدنامی کا یہ سبب ہے ...... اور ان میں جو اہل دین ہیں اور درد دل سے ناآشنا ہیں ...... ان کے نزدیک وجہ یہ ہے

کہ بعض امور غلبہ عشق میں ایسے صادر ہو جاتے ہیں...... جو ظاہراً قواعد شرعیہ پر بلا تاویل منطبق نہیں ہوتے...... وہ اس لئے برا بھلا کہتے ہیں...... لیکن ہم کو ننگ و نام نہ چاہئے ...... رضائے الٰہی کافی ہے۔ قالؒ

بادہ دردہ چند ازین باد غرور	خاک برسر نفس نافرجام را

عامل در قول او چند ازین باد غرور مقدر...... یعنی سخن رانم...... مطلب یہ کہ اس باد غرور ...... یعنی دعویٰ ہستی و تعلقات فانیہ کا کہاں تک چرچا کرتا رہوں...... اور کب تک اس میں مبتلا رہوں...... مجھ کو شراب محبت دے دیجئے کہ یہ سب رخصت ہو...... اور گو نفس پر یہ شاق ہے مگر اس نفس نافرجام کی ایسی تیسی۔ قالؒ

دود آہ سینۂ سوزان من	سوخت این افسردگان خام را

اس میں عشق کی تاثیر بتلاتے ہیں...... کہ میرے سینہ سے جو آہ سوزان نکلی اس کا یہ اثر ہوا ...... کہ جو لوگ عشق سے مناسبت نہ رکھتے تھے...... ان میں بھی سوزش اور شورش پیدا ہو گئی۔ قالؒ

محرم رازدل شیدای من	کس نمی بینم زخاص و عام را

یعنی چونکہ دنیا میں عشاق کم ہیں...... اور بدون عشاق کے عاشق کا حال کوئی سمجھ نہیں سکتا...... اس لئے میں کسی شخص کو اپنا محرم اور راز فہم نہیں دیکھتا۔ قالؒ

بادلارامی مرا خاطر خوش است	کزدلم یکبارہ برد ارام را

اس میں بیان ہے...... قوت عشق محبوب حقیقی کا...... اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قالؒ

ننگرد دیگر بسرو اندر چمن	ہر کہ دید آن سرو سیم اندام را

اس میں بیان ہے...... محبوب حقیقی کے احسن و اجمل و اکمل ہونے کا...... کہ اس کے مشاہدہ کے بعد پھر محبوبان مجازی کی طرف التفات نہیں رہتا۔ قالؒ

از سرِ دنیا گذشتی غم مخور	خوش بخور ہم خوش بدارا یام را

اس میں تعلیم شکر ہے...... تعلقات دنیا سے دل سرد ہو جانے پر...... کہ منجملہ اثار قبول ذکر و ثمرات رضائے حق کے ہے...... کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ قالؒ

صبر کن حافظ بسختی روز و شب	عاقبت روزے بیابی کام را

اس میں تعلیم ہے...... صعوبات مجاہدہ کی برداشت کی...... ترجمہ ظاہر ہے۔ غزل۔ قالؒ

مابر فتیم تودانی و دل غم خورما	بخت بدتا بکجامی برد آبشخورما

معلوم ہوتا ہے کسی اتفاق سے ان میں اور مرشد میں مفارقت ہوئی ہے...... خواہ ان کو سفر پیش آیا ہو...... یا مرشد کو یا دونوں کو چنانچہ بعض اشعار اول احتمال پر دال ہیں...... بعض ثانی پر اور دونوں کا مجموعہ ثالث پر...... آبشخور بمعنی قسمت وحصہ...... مطلب ظاہر ہے کہ ہم جدا ہوتے ہیں...... آپ کو میرے دل غمزدہ کا حال معلوم ہے...... دیکھئے مرا طالع واژگون اس جدائی کے حصہ کو کہاں تک امتداد دیتا ہے۔ قالؒ

از نثار مژہ چون زلف شوُدر گیرم	قاصدے کز تو سلامی برساند برما

نثار مژہ اشک ومیم مضاف الیہ مژہ...... ودرگیر بمعنی پر گوہر...... یعنی اگر کوئی قاصد آپ کی طرف سے اس حالت مفارقت میں کچھ سلام و پیغام لائے...... تو اس قدر اشک نثار کروں...... اور اس کے سامنے آپ کی یاد اور محبت میں روؤں...... کہ وہ پر گوہر ہو جائے ...... جس طرح آپ کی زلف پر گوہر ہے...... اکثر محبوبوں کی عادت ہے کہ زلف میں موتی پروتے ہیں...... اور اشک کو اکثر شعرا گوہر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قالؒ

بدعا آمدہ ام ہم بدعا دست برآر	کہ وفا باتو قرین بادو خدایا ورما

یعنی رخصت کے وقت میں بھی دعا کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں...... آپ بھی دعا فرمایئے ...... کہ آپ کی توجہ وعنایت ہمیشہ میرے حال پر رہے...... اور خدا تعالیٰ ہمارا یاور رہے ...... یاوری سے یہی مراد ہے کہ مرشد کی عنایت ہمیشہ ہمارے حال پر مبذول رکھے ...... چونکہ طالب زیادہ محتاج ہوتا ہے...... اس لئے دعا میں اپنی ہی تخصیص کی۔ قالؒ

گرہمہ خلق جہان برمن وتو حیف خورند	بکشد از ہمہ انصاف ستم داورما

حیف خورند رشک برند...... یعنی اگر حساد آپ کی اور میری محبت کو ناگوار سمجھیں...... تو ہمارا حاکم حقیقی اس ظلم کا انصاف کرے گا۔ غالباً اس میں تعریض ہے...... حاسد پیر بھائیوں

کی طرف یا دنیادار ناداں دوستوں کی طرف...... جو سمجھا کرتے ہیں...... کہ فلاں بزرگ کے پاس آنے جانے سے ہمارا عزیز دنیا سے جاتا رہا۔ قالؒ

بسرت گرہمہ عالم بسرم بجز وشندا	نتواں بردہوائے تو بروں از سرما

بسرت قسم بسرتو...... مطلب ظاہر ہے کہ گو خلقت مجھ کو ملامت کیا کرے...... مگر آپ کی محبت ہرگز زائل نہیں ہوسکتی۔ قالؒ

فلک آوارہ بہر سوکندم میدانی	رشک می آیدش از صحبت جان پرورما

اس میں تاسف ہے...... ایسے اتفاقات کے پیش آجانے پر...... کہ مرشد کی صحبت نصیب نہیں ہوتی...... باقی اس کی نسبت کرنا فلک کی طرف...... اور اس کو رشک سے تعبیر کرنا ...... یہ شاعرانہ طرز ہے...... اصل مقصود تاسف مذکور ہے۔ قالؒ

درد مندیم خبر میدہد از سوز دروں	دہن خشک و لب تشنہ و چشم ترما

اس میں مقصود اظہار ہے...... اپنی دردمندی کا...... کہ لازمہ غلبۂ عشق ہے...... ترجمہ ظاہر ہے۔ قالؒ

ماز وصف رخ زیبای تو تادم زدہ ایم	ورق گل تجل است ازورق دفترما

اس میں مقصود وصف ہے...... محبوب کے جمال وکمال کا بطور کنایہ کے...... جس کی تقریر ظاہر ہے۔ قالؒ

زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم	اے خوش آنروز کہ آید بسلامت برما

برما بمعنی نزدما...... اس میں تسلی دیتے ہیں اپنے دل کو...... کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ زمانہ مفارقت کا جلدی مبدل بہ وصل ہوگا...... دوسرے مصرع میں اس کی تمنا ہے...... اور ترجمہ ظاہر ہے۔ قالؒ

ہر کہ گوید کہ کجارفت خدارا حافظ	گو بزاری سفرے کردو برفت از برما

اس میں اظہار ہے اپنے رنج اور زاری کا...... وقت مفارقت کے بعنوان خاص...... یعنی اے مرشد اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ خدا واسطے بتادیجئے...... کہ حافظ کہاں گیا تو آپ کہہ دیجئے کہ گریہ وزاری کرتا ہوا ہمارے پاس سے سفر میں گیا...... ف غالباً ایسے مضامین سے تنبیہ مقصود ہو طالبین کو...... کہ مفارقت شیخ کو امر ناگوار سمجھنا چاہئے...... اور بے ضرورت

اس سے جدا نہ ہونا چاہئے ...... واللہ اعلم ۔غزل ۔قالؒ

لطف باشد گر نپوشی از گدا ہا روت را	تا بکام دل نہ بیند دیدۂ ماروت را

روت را در ہر دو مصرعہ بمعنی روی ترا و درین ایہام ست ...... باسم ہاروت و ماروت ...... اس میں تمنا ہے مشاہدہ دائمہ کی ...... کہ جب تک ہم جی بھر کر آپ کی تجلی کا مشاہدہ نہ کرلیں ...... کیا خوب ہو کہ وہ مستتر نہ ہو ...... اور جی بھرنا باقتضائے عشق ممتنع ...... پس تمنائے دوام مشاہدہ اس سے حاصل ہوگئی ۔قالؒ

ہمچو ہارو یتم دائم در بلائے عشق زار	کاشکے ہرگز نہ دیدے دیدۂ ماروت را

ہاروت در مصرعہ اول بمعنی متعارف ...... و ماروت در مصرعہ دوم بمعنی مرکب از ضمیر جمع متکلم ...... وروی مضاف بضمیر خطاب وتشبیہ در ابتلائے عشق بہ ہاروت بنا بر مشہور ...... ترجمہ ظاہر ہے البتہ بظاہر یہ اشکال ہے کہ عاشق ہو کر ...... اس تمنا کے کیا معنی ...... کہ کاش میں محبوب کو نہ دیکھتا ...... حل اس کا یہ ہے کہ ایسا دیکھنا جس کے بعد استتار وفراق ہوگیا ملزوم ہے ...... اورغم و پریشانی لازم ہے ...... پس یہاں ملزوم سے مقصود ولازم ہے ...... اور اس کی تمنا میں کچھ مضائقہ نہیں ۔قالؒ

کے شدی ہاروت و چاہ زنخدانش اسیر	گر نگفتے شمۂ از حسن او ماروت را

ہاروت و ماروت در ہر دو مصرعہ ...... بمعنی متبادر وضمیر شین ...... واو در حسن او راجع بسوے زہرہ بقرینہ مقام ...... ورا در ماروت را متصل بلفظ شمہ ...... یعنی اگر ماروت شمہ را از حسن زہرہ بہ ہاروت نگفتے الخ ...... واین ہم مبنی است ...... بر قصہ مشہور کہ بعضے گویند کہ اول ماروت آنرا دیدہ بہ ہاروت گفت ...... مطلب ظاہر ہے غالباً مقصود اس سے یہ بتلانا ہے کہ عشق حقیقی کا سلسلہ چلنے میں ...... مرشد کے بیان معارف کو بھی بڑا دخل ہے ...... کہ مسترشد سن سن کر معرفت حاصل کرتا ہے ...... اور معرفت سے محبت بڑھتی ہے ...... جیسا مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار از خیزد	بسا کین دولت از گفتار خیزد

قالؒ

بوی گل برخاست گوئی در چمن ہاروت بود	بلبلان مستند گوئی دیدہ چون ماروت را

تادر ہاروت ماروت برائے خطاب...... تو گوئی در ہر دو مصرعہ بمعنی گویا...... مطلب یہ کہ یہ جو پھول کی خوشبو پھیل رہی ہے...... معلوم ہوتا ہے وہاں آپ کے جمال کا ظہور ہوگا ......اور یہ خوشبو اس کا اثر ہوگا......اور اس پھول پر جو بلبل مست ہو رہے ہیں...... معلوم ہوتا ہے ہماری طرح انہوں نے آپ کا اجمال دیکھ لیا ہے...... مطلب یہ کہ عالم میں جہان کہیں حسن و جمال ہے...... آپ ہی کے حسن و جمال کا ظہور ہے......اور جہاں کہیں عشق و محبت ہے...... وہ آپ ہی کے ساتھ واقع میں متعلق ہے...... گو خود اس عاشق کو جہل کی وجہ سے اس کا ادراک نہ ہو...... اس میں تحقیق ہے مسئلہ مظہریت خلق و ظاہریت حق کی...... جس کو بندہ نے کلید مثنوی میں چند جا لکھا ہے......طویل الذیل ہونے کی وجہ سے یہاں گنجائش نہیں ......اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جس مخلوق پر کوئی کسی وصف کمال کے سبب عاشق ہوگا ......اور وہ وصف کمال درحقیقت کمال حق تعالیٰ کا ہے...... پس اصل محبوب حق تعالیٰ ہوا ...... جیسے دیوار پر تابش آفتاب دیکھ کر کوئی عاشق ہو جائے...... تو واقع میں وہ دھوپ کا عاشق ہے مگر جاہل ہے...... اور اس لئے مورد ملامت بھی ہے۔ قالؒ

میکشم جور و جفاہایت زہجران ای صنم	روی بنما تا بہ بیند حافظ ماروت را

چون بت را عابدان او بقدر وسع...... بالبسہ واقمصہ وحلیہا می آرایند...... لہٰذا بر محبوب اطلاق او عادت شدہ است۔ وروت ای روی تو...... وحافظ ما مظہر موضع مضمر ای تا بہ بینم...... ترجمہ ظاہر ہے کہ تمنا ہے توارد تجلیات جمالیہ کی...... بعد صعوبات قبض ومجاہدات شاقہ کے۔

غزل۔ قالؒ

تا جمالت عاشقان راز و بوصل خود صلا	جان و دل افتادہ انداز زلف دخالت در بلا

زلف و خال مراد از حسن...... مطلب یہ ہے کہ جب سے عشاق کو بذریعہ انبیا و اولیاء کے...... آپ کے وصل و قرب کا ممکن الحصول ہونا معلوم ہوا ہے...... تو اس امید میں مشغول طلب ہوئے ہیں......اور طرح طرح کے صعوبات کو گوارا کر رہے ہیں...... شاید اس میں یہ بتانا ہو کہ عاشق کو صعوبات سے گھبرانا نہ چاہئے...... کہ اس کا ثمرہ اخیر دولت قرب ہے۔ قالؒ

انچہ جان عاشقان از دست ہجرت میکشد	کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا

اس میں بیان کرنا مقصود ہے...... شدائد عشق وہجران کا...... کہ عبارت ہے قبض سے جو عادۃ لوازم اکثر یہ عشق سے ہے...... شاید مقصود اس سے بھی پہلے سے بتلا دینا ہو...... طالب کو تاکہ وقوع کے وقت بددل اور کم ہمت نہ ہو۔ قالؒ

ترک ماگر میکند رندی ومستی جان من	ترک مستوری وزہدت کرد باید اولا

ترک در مصرعہ اول بضم تا...... مراد معشوق ودر مصرعہ ثانی بفتح تا گذاشتن...... و جان من منادی خطاب بنفس خود یا بمسترشد ورندی ومستی مراد غالب کردن آثار عشق...... ومستوری وزہد مراد وضع داری وتحفظ از ملامت...... مطلب یہ کہ اگر محبوب حقیقی کی جانب سے ایسے واردات عشقیہ کا غلبہ ہو...... جس سے ظاہرداری منہدم اور وضعداری منعدم ہوتی ہو...... تو اس میں یہ پس وپیش نہ کرے...... کہ خلق ملامت کرے گی...... یا ریاکار کہے گی بلکہ ان آثار کے تابع ہو جانا چاہئے...... بلا سے کوئی برا بھلا کہئے...... حاصل یہ کہ شرع کا پاس ضروری ہے وضع کا ضروری نہیں۔ قالؒ

بزم عیش وموسم شادی وہنگام طرب	پنجروز ایام عشرت راغنیمت دان ولا

اس میں طالب کو تضیع اوقات سے منع کرنا مقصود ہے...... یعنی مجمع صلحاء وذاکرین اور اوقات...... ذکروطاعت اور زمانۂ جوانی وقوت کو کہ یہ چندروزہ عمر تک میسر ہے...... غنیمت سمجھو...... اور کچھ ذخیرہ جمع کرلو۔ قالؒ

حافظا گرپای بوس شاہ دستت میدہد	یافتی در ہر دو عالم زینت عز وعلا

مقصود اس سے تہوین وتسہیل ہے امر مجاہدہ کی...... یعنی مجاہدات سے مت گھبراؤ...... کیونکہ اگر اس سے قرب محبوب حقیقی کا میسر ہو گیا...... جیسا کہ غالب امید بلکہ وعدہ واثقہ ہے...... تو تم کو تمام تر عزت وعلو اور سب کچھ دولت میسر ہو گئی...... یہ ایسا مضمون ہے جیسا کسی نے کہا ہے ع: متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے...... واللہ علم۔ تمام شد ردیف الف

ردیف الباء

غزل

میدمد صبح کلہ بستہ سحاب	الصبوح الصبوح یا اصحاب
میچکد ژالہ بر رخ لالہ	المدام المدام یا احباب
می وزد از چمن نسیم بہشت	خوش بنو شید دائماً می ناب
تخت زرین زدست گل بچمن	راح چون لعل آتشین دریاب

کلہ پردہ تنک کہ جہت دفع نکس و پشہ وغیرہ کشند...... صبوح شراب صبح...... مدام وراح بمعنی شراب...... ژالہ مراد شبنم...... وسحاب فاعل بستہ ای سحاب کلہ رابستہ وکشیدہ است...... وراح مفعول دریاب...... ان اشعار میں صبح اور سحاب اور ژالہ اور لالہ وغیرہا مفردات کو جدا جدا امور باطنیہ پر منطبق کرنا...... جیسا عام شراح نے کیا ہے...... تکلف محض ہے...... بلکہ سہل یہ ہے کہ کہا جائے کہ چونکہ عادۃً ایسے وقتوں میں شراب پیا کرتے ہیں...... کہ صبح کا وقت ہو ابر ہو رہا ہو پھولوں پر شبنم کے قطروں کا ترشح ہوا ہو...... پھول شگفتہ ہوں...... اس لئے یہ مجموعہ کنایہ ہے...... شراب پینے کے موقع اور وقت سے...... حاصل یہ ہوا کہ اب شراب پینے کا موقع ہے...... خوب شراب پیو۔ مطلب معنوی یہ کہ عمر ہے...... مہلت ہے۔ فراغت ہے ذکر وطاعت ومعرفت کو غنیمت سمجھو...... جیسا حدیث میں ہے۔

اغتنم خمسا قبل خمس...... صحتک قبل سقمک...... وحیاتک قبل موتک وفراغک قبل شغلک...... وشبابک قبل ھرمک...... الخ او کما قال واللہ اعلم۔

لب و دندان تو حقوق نمک	داشت برجان وسینہامی کباب

مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ...... کباب کی گردن پر محبوب کے لب و دندان اپنا حق نمک رکھتے ہیں ...... یعنی کباب میں جو چاشنی اور لذت ہے ...... وہ محبوب کے لب و دندان کی چاشنی ولذت سے مستفاد ہے...... اور مدلول معنوی یہ ہے کہ جس ممکن میں جو صفت دلکشی و دلربائی کی موجب ہے ...... وہ محبوب حقیقی کے افاضہ اور افادہ کی بدولت ہے...... پس طالب حقیقت کو چاہئے ...... کہ اس کو اپنا قبلہ توجہ بنادے ماوشما میں دل نہ پھنسائے۔

در میخانہ بستہ اند دگر	افتح یا مفتح الابواب

میخانہ سے مراد عالم قبض...... یعنی پھر قبض ہوگیا ہے بسط عنایت کیجئے...... گو قبض اور بسط عارف کے نزدیک یکساں ہے...... لیکن بعض اوقات طلب بسط میں اظہار عبدیت و افتقار و احتیاج وضعف ہے...... اور یہ خود بھی اعلیٰ مطالب سے ہے...... اور ایک دقیق کمال ہے اور بعض نسخوں میں دگر کی جگہ مگر ہے...... خواہ تحقیق کے لئے یا بمعنی شاید...... کیونکہ قبض کبھی محقق ہوتا ہے کبھی مشتبہ ہوتا ہے۔

در چنیں موسمے عجب نہ بود	کہ بہ بندند میکدہ بشتاب

اور بعض نسخوں میں ہے...... عجب باشد...... پس نسخہ اولے پر بہتر ہے کہ میکدہ سے مراد محل ذکر و طاعت لیا جائے...... اور یہ شعر علت ہوگی اشعار چارگانہ ابتدائی غزل کی...... یعنی میں اس لئے ذکر و طاعت کی ترغیب دیتا ہوں...... کہ کہیں اس کا محل (کہ عمر دنیا ہے) مسدود اور ختم نہ ہو جائے...... پھر دار الجزاء میں عمل معتبر نہیں...... اور نسخہ ثانیہ پر میکدہ سے عالم قبض مراد لیا جائے...... جیسا کہ اس سے اوپر کے شعر میں میخانہ سے یہی مراد تھا...... یعنی ایسے موسم میں کہ انبساط مطلوب ہو...... فیوض واردات کا بند ہونا تعجب کی بات ہے...... اور اس تعجب کی یہ وجہ نہیں کہ یہ امر نامناسب ہے...... کیونکہ عارف تو اس کو نامناسب ہرگز نہیں سمجھتا...... بلکہ عقائد صحیحہ میں سے یہی امر ہے کہ ایسے حوادث و بلیات موجب رحمت ہیں ...... بلکہ مقصود تعجب سے تاسف طبعی یا بنا بر اظہار افتقار ہے...... جس کی شرح اوپر ہوئی

ہے...... چونکہ یہ قبض خلاف توقع ہوا...... اور تعجب خلاف مزموم امر پر ہوتا ہے...... اس لئے اس تاسف کو تعجب سے تعبیر کر دیا گیا...... واللہ اعلم۔

زاہد اے بنوش رندانہ	فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

رندی سے مراد مطلق بے تکلفی تصنعات سے ...... نہ کہ آزادی حدود شرعیہ سے ...... یعنی ذکر واطاعت، میں ریا و تصنع مت کرد کہ حابط عمل ہے ...... اور اس بارے میں خدا سے ڈرو کہ مقتضائے عقل ہے۔

گرنشان ز آب زندگی جوئی	مئے نوشین بخور ببانگ رباب

بانگ رباب سے چونکہ حرکت اور رغبت ہوتی ہے شراب پینے کی طرف...... مراد اس سے محرکات ذکر وطاعت ہیں ...... یعنی تعلیم انبیاء واولیاء کی ...... مطلب یہ کہ اگر حیات ابدیہ مطلوب ہو...... تو حسب ارشاد ہادیان طریق ذکر وطاعت اختیار کرو...... جیسا دوسری جگہ کہا ہے...... ہرگز نہ میرد انکہ دلش زندہ شد بعشق

چون سکندر حیات اگر طلبی	لب لعل نگار رادر یاب

لب لعل نگار سے مراد یہی ذکر محبوب ہے...... اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے۔

بررخ ساقی پری پیکر	موسم گل بنوش بادہ ناب

عادت ہے کہ محبوب کے جمال کو دیکھتے جاتے ہیں ...... اور مستی میں شراب پیتے جاتے ہیں...... حاصل یہ کہ ذکر وطاعت میں محض ظاہری اقوال وافعال پر اقتصار مت کرو...... بلکہ حضور قلب واقبال علی اللہ کے ساتھ کرو...... جیسا حدیث میں ہے ان تعبداللہ کانک تراہ اور حدیث میں ہے من صلی رکعتین مقبلا بقلبہ علیھما اور قرآن میں ہے فی صلاتھم خاشعون۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت	عاقبت برکشد زچہرہ نقاب

اس میں تسلی ہے سالک کی ...... کہ مجاہدات وریاضات یا اور واردات شاقہ سے ...... اور حصول ثمرات مطلوبہ میں توقف ہونے سے دلگیر اور مایوس نہ ہونا چاہئے ...... حسب وعدہ صادقہ و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ضرور واصل الی المطلوب ہوگا

......جیسا دوسری جگہ کہا ہے...... عاقبت روزی بیابی کام را۔

غزل

گفتم ای سلطان خوبان رحم کن براین غریب	گفت درد بنال دل رہ گم کند مسکین غریب
گفتمش بگذر زمانے گفت معذورم بدار	خانہ پروردے چہ تاب آرد غم چندین غریب
خفتہ برسنجاب شاہی نازنینے راچہ غم	گرز خار وخارہ سازد بستر وبالین غریب
ایکہ درزنجیر زلفت جاے چندین آشناست	خوش فتاد آن خال مشکین بررخ رنگین غریب
بس غریب افتادہ است آن مورخط گرد رخت	گرچہ بنود در نگارستان خط مشکین غریب
مینماید عکس مے دررنگ روے مہوشت	ہمچو برگ ارغوان برصفحۂ نسرین غریب
گفتم ای شام غریبان طرۂ شبرنگ تو	درسحرگاہان خدر کن چون بنالداین غریب
باز گفتم ماہ من آن عارض گلگون مپوش	ورنہ خواہی ساخت ماراختہ ومسکین غریب
گفت حافظ آشنایان درمقام حیرت اند	دور بنود گرنشیند ختہ ومسکین غریب

غریب درشعر چہارم وپنجم وششم...... بمعنی عجیب وزیبا وخوش...... مورخط موی سیاہ و خورد مثل مور...... چنانچہ سعدی گفتہ است۔

سوال کردم وگفتم جمال روے ترا	چہ شد کہ مورچہ برگرد ماہ جوشیدہ است

اس مجموعہ غزل میں بیان ہے مخاطبات ومعاملات کا...... درمیان مسترشد مغلوب الحال ومرشد ہادی طریق وصاحب کمال کے...... جاننا چاہئے کہ طالب حریص بوجہ صاحب غرض ہونے کے مثل مجنون کے ہوتا ہے...... اور یہ معلوم ہے کہ مدار فیض کا مرشد کی توجہ پر ہے...... کہ تعلیم وہمت ودعا سب اسی توجہ کے فروع ہیں...... اور بعض اوقات اپنے زعم میں مسترشد اپنے کسی حال میں کمی پاتا ہے تو اس کو وہم ہوتا ہے...... مرشد کی کم توجہی کا جس کا منشایہ ہوتا ہے کہ اولاً مرشد پرہجوم ہوتا ہے مسترشدین کا...... اب وہ ایک ہی کو کس طرح لے

کر بیٹھ جائے...... پھر احوال وواردات کے باب میں اس کو پوری بصیرت وخبرت ہوتی ہے...... جانتا ہے کہ اختلاف استعداد کی وجہ سے بعض ثمرات میں ضعف یا توقف بھی ہوتا ہے...... بعض تغیرات عادۃ لازمہ طریق ہوتے ہیں...... اور مسترشدان امور میں محض ناتجربہ کار ہوتا ہے...... ادنیٰ ادنیٰ تبدل اور تخیل سے وہ پریشان ہوجاتا ہے...... اور مرشد اس کو معمولی بات سمجھتا ہے...... اس لئے وہ بقدر ضرورت توجہ کو کافی سمجھتا ہے...... اور مسترشد توجہ میں غلو کا طالب ہوتا ہے...... اور مرشد پر بوجہ اس کے کہ وہ متبوع ہے اتباع رائے مسترشد کا واجب نہیں ہوتا...... ایسے وقت میں طبعاً مسترشد تنگ ہوتا ہے...... اور مرشد کی بےتوجہی کے اس کو وساوس آتے ہیں بس اس غزل میں ان وساوس کو اور مرشد کے تمکین و معاملہ و عدم غلو فی التوجہ کو بصورت مقاولات بیان کرتے ہیں...... کہ میں نے رحم کی درخواست کی تو جواب ملا کہ اپنے دل کے کہنے سے یعنی اپنے قصد واختیار سے تو گم گشتہ اور سرگشتہ ہوا ہے...... یعنی سلوک قصداً اختیار کیا ہے...... تو سلوک میں تو ایسی گم گشتگی اور تحیر لازم ہے...... پھر اتنا شور وغل کاہے کے واسطے...... یہ شعر اول ہوا...... میں نے درخواست کی کہ میرے پاس کو تو کسی وقت گزرنا چاہئے...... یعنی زیادہ معمول سے...... جواب ملا کہ میں اس سے معذور ہوں...... کیونکہ صدہا طالب ہیں...... میں تنہا (کہ خود خانہ پرور، ولطیف المزاج ہوں) سب کی برداشت ہر ایک کی مرضی کے موافق کیسے کرسکتا ہوں...... یہ دوسرا شعر ہوا۔ اور صاحب تمکین صاحب تلوین کی پریشانی سے متاثر نہیں ہوا کرتا...... یہ تیسرا شعر ہوا...... اور آپ خلائق کے مرجع ہیں آپ کے کمالات میں یہ بےتوجہی واستغنا کا خال بھی بہت ہی خوشنما ہے...... کیونکہ مرشد محبوب ہوتا ہے اور محبوب کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے گو محبّ کو اس سے تکلیف ہی کیوں نہ ہو یہ چوتھا شعر ہوا...... اور گو نگارستان کمالات میں یہ بےتوجہی کی صفت فی نفسہ محمود نہیں...... کیونکہ کمال تو توجہ کرنا حال طالب پر ہے...... لیکن آپ کے رخ زیبا نے کمالات کے ساتھ یہ خط سیاہ...... بےتوجہی کا خوشنما معلوم ہوتا ہے...... بالوجہ الذی ذکر...... یہ شعر پنجم ہوا۔ اور آپ کے چہرہ پر آثار محبت ومعرفت الہیہ کے نمودار ہیں...... جس طرح صفحہ نسرین پر برگ سرخ خوشنما معلوم ہوتا ہے...... یعنی آپ

صاحب کمال ضرور ہیں...... گومجھ کو بے توجہی کی شکایت ہے...... یہ شعر ششم ہوا میں نے عرض کیا کہ آپ کی زلف شبرنگ شام غریبان ہے...... یعنی جس وقت زلف کو رخ پر لٹکا کر رخ کو چھپا لیتے ہیں...... غریبوں کی نظر میں عالم تاریک ہوجاتا ہے...... مثل شام کے...... حاصل یہ کہ آپ کی بے توجہی سے رنج اور پریشانی ہوتی ہے...... جب غریب سحر گاہ میں نالہ کیا کرے...... یعنی اپنا غم ظاہر کرے تو نالہ سے حذر کیا کیجئے...... یعنی استغنا کی مضرت سے اندیشہ کر کے توجہ کیا کیجئے...... یہ شعر ہفتم ہوا...... پھر میں نے مکرر درخواست کی کہ آپ مجھ سے توجہ کو منعطف نہ کیجئے...... ورنہ پھر ہم کو آپ مبتلائے غم کردیں گے...... یہ شعر ہشتم ہوا...... مرشد نے جواب دیا کہ اے حافظ خود آشنا...... یعنی عارفین اپنے حال کے مناسب مقام تحیر میں ہیں...... اور وصل وقرب تام میسر نہیں...... تو پھر خستہ و مسکین (کہ ناآشنا) ہے اگر غمزدہ ہوا بیٹھا رہے تو مستبعد نہیں...... یہ شعر مقطع کا ہوا...... اور مسترشد کی جانب سے جو خطابات موہمہ سوءادب ہیں...... غلبہ حال اس کا عذر ہے...... فقط۔ غزل۔ قالؒ

آفتاب ازروی اوشد درحجاب	سایہ رابا شد حجاب از آفتاب

یعنی جب محبوب حقیقی کی تجلیات...... سالک کے قلب پر مستولی ہوتی ہیں...... تو یہ محبوبان مجازی کہ مثل آفتاب کے حسین وجمیل ہیں اس کے قلب سے غائب ومحجوب ہوجاتے ہیں...... اور مصرعہ ثانیہ تمثیل ہے کہ جس طرح آفتاب کے سامنے سایہ غائب ہوجاتا ہے...... اس میں ایک وارد کی تحقیق بھی ہے...... اور ترغیب بھی ہے کہ تعلقات ماسوی اللہ کو محو کرنا چاہو...... تو معرفت اور تعلق محبوب حقیقی کا حاصل کرو کہ...... ایک طریقہ سلوک کا یہ بھی ہے جس میں وصل مقدم ہے فصل پر...... اور ایک دوسرا طریقہ بھی مشہور ہے...... جس میں فصل یعنی قطع تعلقات ماسوی اللہ مقدم ہے...... وصل یعنی تعلق باللہ پر جس سالک کو جیسی مناسبت ہو...... اس کے لئے وہی نافع ہوتا ہے۔ قالؒ

دست ماہ و مہر بر بندد بحسن	ماہ بے مہرم چوبر بندد نقاب

ماہ ومہر مصرع اول میں بمعنی ماہتاب وآفتاب کنایہ از محبوبان مجازی...... و ماہ در مصرع

دوم کنایہ از محبوب حقیقی ...... و بے مہری کنایہ از استغناء ذاتی و د اختیار این عنوان رعایت تجنیس است ...... و چون مصرع اولی بنا بر جزا بودن رتبہ مؤخر خراست مرجع بند دور آن ماہ بے مہر توان شد ...... مطلب اس کا بھی مثل شعر اول کے ہے ...... کہ محبوب حقیقی سب محبوبان مجازی کو اپنی تجلی سے عاجز اور مغلوب کر دیتا ہے۔ قالؒ

از خیالم باز نہ شناسد کسے	گر در آغوشش بہ بینم شب بخواب

اس میں اشارہ ہے محویت سالک کی طرف ...... وقت غلبہ تجلی کے ...... حاصل یہ کہ اگر میں اس کو کسی شب کو خواب میں اپنی آغوش میں دیکھ لوں ...... چونکہ غلبہ تجلی کی حالت مشابہ منام کے ہوتی ہے ...... اس لئے اس کو شب سے تشبیہ دے دی ...... اور آغوش کنایہ ہے قرب سے ...... یعنی اگر ایسی حالت ہو جائے تو میں ایسا محو ہو جاؤں کہ ...... مجھ میں اور خیال میں تمائز باقی نہ رہے ...... یہ محمول ہے مبالغہ پر ...... اور خواب و خیال کے اجتماع میں جو صنعت اور لطافت ہے ...... ظاہر ہے۔ قالؒ

شاہدان مستور و مستان بے شکیب	خانقہ معمور و درویشان خراب

شاہد ان تجلیات محبوب حقیقی ...... مستان عاشقان و مجاذیب۔ درویشان سالکان وعارفان ...... خانقہ عبادت خانہ زاہدان ...... مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کی محبت کا مختلف رنگوں میں سب ہی جگہ اثر پہنچا ہے ...... کیونکہ وہ تو مع اپنی تجلیات کے مستور ہے ...... اور سب ہیں اس کے طالب ...... پس ان طالبوں میں جو مشرب عشق رکھتے ہیں ...... وہ تو طلب میں بے صبر ہیں ...... جو کہ لوازم عشق سے ہے ...... اور جو سالک و عارف ہیں ...... کہ کسی قدر انکشاف مطلوب کا ان کو ہوا ہے ...... وہ اس کے اثر سے خراب ...... یعنی فناء و محو ہو چکے ہیں ...... اور جو زاہد ہیں ...... کثرت عبادت کے طریقہ سے وصول چاہتے ہیں ...... اور ان پر عشق کا غلبہ نہیں ...... وہ عبادت خانوں میں مشغول طاعات ہو رہے ہیں ...... اور عبادت خانے ان سے آباد ہو رہے ہیں اور مستوری اور مستی میں اور معموری اور خرابی میں ...... جو صنعت تقابل ہے ظاہر ہے ...... اس میں محبوب حقیقی کے وصول کے طرق کے تکثر اور طالبین کے اقسام کی تعداد کی

طرف بھی مجملاً اشارہ ہے...... جیسا کہا گیا ہے **طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق**...... اوراس پر یہ بھی متفرع ہوتا ہے...... کہ جب تک کسی طالب حق کی حالت کا حد شرعی کے اندر رکھنا تاویل سے ممکن ہو خروج کا حکم نہ لگادینا چاہئے۔ قالؒ

خون دل درجام دیدم از سرشک	آبرو برباد وادم از شراب

از سرشک بیان است مرخون دل را...... ومراد از شراب عشق...... اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا...... یعنی آنسوؤں سے جو خون دل نکلا جام میں شراب کو دیکھنا گویا اس کو دیکھنا ہے...... دونوں سرخ وارغوانی ہیں...... اور شراب محبت ایسی پی کہ اس سے ننگ و ناموس سب جاتا رہا...... اس میں من وجہ یہ بھی اشارہ ہے کہ عاشق کو ایسے حال میں تحمل چاہئے...... کہ یہ حال لوازم عشق سے ہے۔ قالؒ

از برائے بادہ مے باید زدن	محتسب راحد بیحدوحساب

مے شراب عشق...... ومحتسب ظاہر پرست وکلام محمول است برمطائبہ...... یعنی محتسب جو کہ ترک می نوشی کی غرض سے حد لگا رہا ہے لوگوں کو چاہئے کہ اسکوی نویشی کی غرض سے بے حساب حد لگادیں...... یعنی اہل ظاہر طریق عشق سے کیا منع کرتے ہیں خود انہی کے لئے اس طریق میں لانے کی کوشش مناسب ہے...... حداور بے حد میں صنعت تقابل ظاہر ہے۔ قالؒ

سوز ستان گر بداند محتسب	دروم ازمی شان زند برآتش آب

اس کا مضمون مثل تتمہ شعر سابق کے ہے...... یعنی اہل ظاہر جو مانع طریق عشق سے ہیں...... وجہ یہ ہے کہ وہ سوز عشاق سے بےخبر ہیں...... ورنہ اگران کو اس کی خبر ہوجائے تو فی الفوران کی آتش پر جو پانی چھڑکیں وہ بھی شراب ہی ہو...... یعنی اگران کے سوز کی حقیقت سے آگاہ ہوں...... تو بجائے اس کے کہ اس کا علاج منع عن العشق کو کہتے ہیں...... خود عشق ہی سے اس کا علاج تجویز کریں کیونکہ عشق میں سوز ہوتا ہے...... فراق محبوب سے...... اور فراق کا علاج وصل ہے...... اور وہ وصل چونکہ بوجہ غیر متناہی ہونے کمالات محبوب کے منتہی و صالات کا نہیں ہے...... اس لئے خود اس وصل کے لئے عشق اس کے اوپر کے درجہ وصل کا

لازم ہے...... اس لئے وصل کے علاج ہونے کو عشق کے علاج ہونے سے تعبیر کردیا ...... پس شعر بالا میں محتسب کے منع عن العشق کے امر کا بیان تھا...... اور اس میں منع مذکور کے موثر اور علت یعنی بے خبری کا بیان ہے...... دردم بمعنی فی الفور ازمی بیان مقدم آب۔ قالؒ

حافظا وعظ و نصیحت گو مکن	ترک ترکان خطا بنود صواب

اس میں بھی تعریض ہے محتسب پر...... یعنی اس محتسب سے کہہ دو کہ تم نصیحت مت کرو ...... کیونکہ شہر خطا کے ترکوں یعنی محبوبوں کو ترک کرنا...... مطلب یہ کہ طریق عشق سے تجلیات محبوب حقیقی کا طالب نہ ہونا) قرین صواب نہیں ہے...... کیونکہ استعداد طالبین کی مختلف ہے ...... پھر کیسے ترک کردیا جائے...... ترک بالفتح اور ترک بالضم اور خطا اور صواب میں جو صنعتیں ہیں ظاہر ہیں۔ غزل۔ قالؒ

تعالے اللہ چہ دولت دارم امشب	کہ آمد ناگہان دلدارم امشب
چودیدم روی خوبش سجدہ کردم	بحمد اللہ نکو کردارم امشب
نہال عیشم ازوصلش برآورد	زبخت خویش بر خوردارم امشب
کشد نقش انا الحق برزمین خون	چو منصور ارکشی بردارم امشب
برات لیلۃ القدرے بدستم	رسید از طالع بیدارم امشب
برآن عزمم کہ گر خودمی رودسر	کہ سر پوش ازطبق بردارم امشب
تو صاحب نعمتی من مستحم	زکوۃ حسن دہ حق دارم امشب
ہمی ترسم کہ حافظ محو گردد	ازین شوری کہ درسر دارم امشب

یہ غزل حالت بسط کی معلوم ہوتی ہے...... اسی لئے اس میں بعض مضامین شکر بشین معجمہ کے...... اور بعض مضامین سکر بسین مہلہ کے...... اور بعض مضامین طلب مزید واحتیاج اور بعضے ابتہاج کے ہیں...... چنانچہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج مجھ کو کیا دولت حاصل ہے کہ دفعتہً قبض رفع ہوکر تجلی بسط کی ہوگئی...... اور جب مجھ کو اس تجلی کا مشاہدہ ہوا تو میں نے سجدہ شکر

ادا کیا...... اور بفضلہ تعالے اچھا کام کیا کیونکہ شکر خود محبوب کو مطلوب ہے...... اور میرے نہال زندگی کو اس کے وصل کا ثمر لگا...... پس بر بمعنی ثمر واز وصلش بیان مقدم او آج اپنے نصیب سے میں خوب فیضیاب ہورہا ہوں...... اور آج تو مجھ کو وہ جوش ہے...... کہ مجھ کو محبوب حقیقی منصور کی طرح قتل بھی کردے تو میرا ہر قطرہ خون نقش انا الحق بنانے لگے...... جیسا منصور کا قصہ اسی طرح مشہور ہے...... اور آج طالع بیدار سے مجھ کو ایسی چیز ملی جو مایہ مسرت ہونے میں مشابہ ہے...... برات لیلۃ القدر کے...... برات وہ پروانہ ہے جس میں کوئی شاہی حکم جاگیر یا انعام وغیرہ کا لکھا جائے شب قدر کی طرف...... اس لئے نسبت کی جاتی ہے کہ اس میں کتابت اقدار وارد ہے...... اور وہ مکتوب برات ہے۔ اور مجھ کو وہ جوش نشاط ہے...... کہ اگر سر بھی جاتا رہے کچھ پروانہیں پکا ارادہ کرلیا ہے کہ آج طبق اسرار کا سر پوش اٹھائے دیتا ہوں ...... اور اے محبوب حقیقی آپ مالک نعمت ہیں...... اور میں مستحق نعمت ہوں...... یعنی با استحقاق فضل پس آج مجھ کو حقدار ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ حسن دے دیجئے...... یعنی خوب انکشاف تجلیات فرمائیے...... پھر مقطع میں ہے کہ اگر یہی جوش وخروش رہا تو خدا خیر کرے مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں فنا واستہلاک نہ ہوجائے...... خواہ عقل وحواس کا یا نفس وروح کا جس کا حاصل جنوں ہے...... یا موت کیونکہ وارد کے قوی اور مورد کے ضعیف ہونے کا یہی انجام ہے۔

غزل

صبح دولت میدہد کو جام ہمچون آفتاب	فرصتے بہ زین کجا باشد بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش وساقی یار مطرب بذلہ گو	موسم عیش ست و دور ساغر وعہد شباب
شاہد وساقی بدست افشان ومطرب پائے کوب	غمزۂ ساقی زچشم می پرستان بردہ خواب
خلوت خاص است وجائے امن ونزہت گاو انس	اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

یہ اشعار بھی حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں...... اور مقصود ان سے بھی طلب مزید اور شکر علی الحاصل ہے...... یعنی اس وقت استعداد وصل ترقی پر ہے...... اور دولت وصل کی قوت قریبہ حاصل ہے...... جیسے صبح نور بخش وسرور افزا قریب ہوتی ہے...... سو ایسے میں محبوب حقیقی

سے عرض ہے کہ وہ جام نورانی فیوض وتجلیات کا عطا فرما دیجئے ...... اس سے بہتر اور کیا موقع ہوگا ...... کیونکہ بحمد اللہ استعداد کے سب شرائط مجتمع ہیں ...... چنانچہ عالم میں کوئی مزاحم نہیں ...... جس کی مزاحمت موثر ہو ...... اور معطی فیوض خود محبوب حقیقی اور شیوخ کاملین تعلیم کنندہ ...... اور وقت بھی بسط اور عیش کا جس میں شوق ترقی پر ہوتا ہے ...... اور دور تقسیم ساغر کا کہ ایسے وقت فیوض کی قابلیت خوب ہوتی ہے ...... اور عہد شباب اور ہمت وعزم کا اور شاہد وساقی کی معنون واحد کے دو عنوان ہیں ...... وہ محرک شوق ہے اور مطرب یعنی مرشد کامل اس شوق کا معین ہے ...... اور جو مشاہدہ اس بسط میں ہو چکا ہے جو مشابہ غمزدہ کے ہے وہ غفلت اور سستی زائل کر چکا ہے ...... اور دل تعلق اغیار سے خالی ہے ...... مثل خلوت خاص کے اور امن کا مقام ہے کہ اس وقت کسی کا خوف بھی قلب پر مستولی نہیں ...... اور جو وحشت قبض میں تھی ...... جس سے بعض اوقات بعض سالکوں کو بعض کام مشکل ہو جاتے ہیں ...... وہ بھی مبدل بہ انس ہے اور یہ اجتماع غایت عجیب ہونے کے سبب محل حیرت ہے ...... جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بیداری میں ہے یا خواب میں ...... پس ایسے میں خوب مشاہدات وفیوض عطا فرما دیجئے۔ قالؒ

از خیال لطف می مشاطۂ چالاک طبع	در ضمیر برگ گل خوش میکند پنہان گلاب

اول اس کا حل لفظی کا کسی قدر صعب ہے ...... قابل تحقیق ہے ...... قاعدہ ہے کہ شراب کو لطیف کرنے کے لئے اس میں خوش عیش لوگ گلاب ملا کر پیتے ہیں ...... اور یہ بھی معلوم ہے کہ گلاب باطن برگ گل میں بالقوہ مضمر ہوتی ہے ...... اور یہ بھی طبعیات کا مسئلہ ہے کہ نباتات اور اسی طرح حیوانات کے آثار ...... اور قوے کا صدور اس نبات یا حیوان کی قوت طبعیہ سے باذن خالقہا ہوتا ہے ...... ان امور سہ گانہ کے محقق ہو جانے کے بعد ترجمہ سننا چاہئے ...... یعنی شراب کی لطافت بڑھانے کے خیال اور غرض سے قوت طبعیہ نباتیہ نے (کہ مشابہ مشاطہ چالاک کے ہے ...... جس کا کام ہوتا ہے عروس کو لطیف بنانا) باطن برگ گل میں کیسی اچھی طرح گلاب کو مخفی کیا ہے کہ اس سے یہ گلاب نکلے گا ...... اور پھر شراب میں ملے گا اور شراب کی لطافت بڑھ جائے گی ...... اب حل معنوی سمجھنا چاہئے وہ اس طرح ہے کہ ...... جیسے شراب ظاہری کہ سرمایہ نشاط نفسانی کے مجموعہ کا جزو اعظم ہے ...... محتاج ہے لطف بخشی

میں ایسی چیز کی جو صاحب نشاط کے اختیار سے خارج ہے...... یعنی فاعل طبعی اسی طرح شراب باطنی و مجموعہ سامان استعداد حصول فیوض...... جو اوپر مذکور ہیں موقوف ہیں اس پر کہ فاعل حقیقی ان کو جمع کر دے...... مطلب یہ کہ بسط میں سالک مغرور نہ ہو جائے...... جیسا کہ بعض اوقات بسط میں عجب ہو جاتا ہے...... یہ تمام تر سرمایہ واہب حقیقی کا جمع کیا ہوا ہے...... پس احتیاج اسی کی طرف رکھے اور اسی سے استدعا کرے...... جیسے ہم اوپر کر چکے ہیں...... بدہ جام شراب...... اور اس اجتماع کو اپنی کسی طاعت کا ثمرہ یا اپنے کو اس کا مستحق نہ سمجھے...... بلکہ اپنے کو محض نا قابل سمجھے...... جیسا ہم سمجھ رہے ہیں جو اس مصرع سے ظاہر ہو رہا ہے...... اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب...... کیونکہ اپنے کو مستحق اور قابل جاننے والا...... اس طرح استبعاد و تحیر سے نہیں پوچھتا...... اور یہ تقریر حل معنوی کی خود حضرت حافظؒ کے ایک ارشاد سے مفہوم ہوئی...... جو بعض شروح میں ان سے اسی شعر کے معنی میں منقول ہے...... تا کہ مطلوب طالب را بخو دنخواند طالب مطلوب رسیدن نتواند۔ قالؒ

از پے تفریح طبع و زیور حسن و طرب	خوش بود ترکیب زرین جام بالعل نداب

زیور بمعنی آرائش اطلاقا للسبب علی المسبب...... زرین جام موصوف وصفت مراد قلب کہ کاسہ شراب محبت بود...... نداب گداختہ مراد شراب کہ در سرخی بالعل تشبیہش...... دادہ کہ گداختہ شدہ باشد...... اس میں بھی مثل اشعار بالا کے طلب ہے...... مزید مشاہدہ و عرفان کی یعنی تفریح طبع و حسن طرب کی آراستگی کے واسطے بہت مناسب ہے...... کہ قلب اور مزید محبت و معرفت میں اقتران کر دیا جائے۔ قالؒ

تا شد آن مہ مشتری درہای حافظ را بگوش	میرسد ہر دم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

چونکہ غزل کے اشعار متضمن ہیں مضامین حسنہ کو...... اس لئے مدح کے طور پر کہتے ہیں...... کہ جب سے حافظ کا سلام محبوب حقیقی کے نزدیک مقبول ہوا ہے...... (تضمنہ الشکر والدعاء) جب سے ملکوت اعلیٰ میں اس کا غلغلہ پڑ گیا ہے...... جیسا ایک حدیث میں ہے کہ عبد مقبول کی مقبولیت ملائکہ میں مشتہر کر دی جاتی ہے...... اور ماہ مشتری اور زہرہ کے اجتماع میں جو صنعت ہے مخفی نہیں۔

غزل۔ قالؒ

زباغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب	زتاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب
چوچشم من ہمہ شب جویبار باغ بہشت	خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
بحسن عارض قدتو بردہ اندہ پناہ	بہشت وطوبی طوبی لہم وحسن مآب
بہار شرح جمال تو دادہ درہر فصل	بہشت ذکر جمیل تو کردہ درہر باب

ان چاروں شعر میں محبوب حقیقی کا کمالات کے ساتھ بالذات وبالاصالۃ متصف ہونا ......اور جمیع ممکنات کا امین محتاج ومفتقر ہونا مذکور ہے......جس کو مسئلہ عینیت ومظہریت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں......یعنی ریاض جنت کو خود اپنی تازگی میں آپ کے انتساب کی احتیاج ہے......اور شرار دوزخ میں جو یہ حرارت ہے......وہ ایک مظہر آپ کے ہجر وغضب کا ہے......اسی طرح خود جویبار باغ بہشت شب بھر......یعنی ہر وقت آپ کے نرگس مست کے خیال میں رہتی ہے......جس طرح میری آنکھیں شب کے وقت خواب میں آپ کے نرگس مست کے خیال کو دیکھتی رہتی ہیں شب اور بخواب چشم کی رعایت سے لے آئے......اور جویبار میں بعینہ ان کا تحقق ضروری نہیں......محض تاولاً ان کا اعتبار کافی ہے ......اور اکثر جویبار کے اطراف میں نرگس لگا دیتے ہیں......کہ جویبار میں ان کا عکس پڑے اس عکس کو خیال کہتے ہیں......اس میں اس عادت کی طرف بھی تلمیح ہے جو کہ رعایت شاعرانہ ہے اور آپ کے عارض وقد کا وہ حسن ہے کہ خود بہشت اور طوبی بھی اسی کی پناہ لیتا ہے......اور ان چیزوں کی بڑی خوش قسمتی اور نیک انجامی ہے......کہ ایسا مستند ان کو ملا...... اور بہار جو ہر فصل میں گل اور ثمر لاتی ہے......یہ محض آپ کے جمال کی شارح ہے۔ اور بہشت میں جو ہر باب کے نعم ہیں......یہ بھی آپ کے اوصاف جمیلہ کی ذاکر ہیں...... ان عنوانات کا انطباق مضمون مذکور پر محتاج تقریر وتصریح نہیں۔ قالؒ

لب ودہان ترا اے بسا حقوق نمک	کہ ہست برجگر دیش وسینہ ہای کباب

بسوخت این دل خام و بکام دل نرسید	بکام اگر برسید ے فریختے خون ناب

اس میں بیان ہے وارد وقبض کا...... جس کو سخن تلخ نمک ریز سے تعبیر کیا کرتے ہیں...... یعنی اگر آپ کے لب ودہان سے سخن نمک ریز نکلا...... جس کا اثر جگر اور سینہ سوزان پر پڑا تو کچھ مضائقہ نہیں...... کیونکہ آپ کے لب ودہان کے اس جگر وسینہ پر بہت حقوق و احسانات ہیں...... یعنی محبوب کی عنایات بے غایات ہوچکی ہیں...... اگر قبض وارد ہوا تو کیا شکایت ہے...... آگے اسی کو سوزش و ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں...... کہ اگر کامیاب ہوتا تو بیشک خون ناب...... یعنی خون آلود کیوں بہاتا...... شعر اول بناء علی الشکر الاختیاری ہے ......اور شعر ثانی بناء علی الاضطراب الاضطراری ہے۔ قالؒ

گمان مبر کہ بدور تو عاشقان مستند	خبر نہ داری زاحوال زاہدان خراب

خبر نہ داری بحذف حرف استفہام...... یعنی آیا خبر نداری یعنی خبر میداری کقولہ تعالیٰ الایعلم من خلق...... اس کا مطلب اس ردیف الباء کی غزل سابق آفتاب ارزوی اوشدا الخ...... کے شعر چہارم کے قریب ہے...... یعنی سب ہی آپ کے عشق وطلب میں سرگرم ہیں...... قالؒ

مرابدور لبت شد یقین کہ جوہر لعل	پدید می شود از آفتاب عالمتاب

معنی لفظی تو یہ ہیں...... کہ میں نے محبوب کے لب کو جو کہ مشابہ لعل کے ہے...... جب اس کے چہرے کے اندر جو کہ مشابہ آفتاب کے ہے...... دیکھا تب اس کا یقین آیا...... کہ جوہر لعل الخ ورد پہلے سنا کرتے تھے...... اور معنی مقصود احقر کے نزدیک مثل اشعار اولی اس غزل کے ہیں...... کہ آپ کے فیض تکوینی سے لعل ظاہری یا قلوب عارفین کو متلون ہوتا ہوا دیکھ کر اس کا یقین ہوا...... کہ ذات ہی مبدأ فیوض اور محتاج الیہ فی الکمالات ہے۔ قالؒ

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد و حافظ	بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب

مطلب ظاہر ہے کہ ناصحانہ واعظانہ مضمون ہے کہ مقصود حقیقی کو حاصل کرلو۔

ردیف التاء

غزل

بیا کہ قصر امل سخت ست بنیادست	بیار بادہ کہ بنیاد عمر برباد ست
غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود	زہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزادست
نصیحتے کنمت یادگیرو درعمل آر	کہ این حدیث ز پیر طریقتم یادست
مجو درستی عہد از جہان ست نہاد	کہ این عجوزہ عروس ہزار دامادست
چہ گویمت کہ بمیخانہ دوش مست وخراب	سروش علام غیبم چہ مژدہا دادست
کہ ای بلند نظر شاہباز سدرہ نشین	نشیمن تو نہ این کنج محنت آبادست
تراز کنگرہ عرش میزنند صغیر	ندامت کہ دریں دامگہ چہ افتادست
غم جہان مخور وپند من مبرا زیاد	کہ این لطیفۂ نغزم زرہروے یادست
رضا بدادہ بدہ وزجبین گرہ بکشاے	کہ برمن وتو درِاختیار نکشادست
نشان مہروفا نیست درتبسم گل	بنال بلبل مسکین کہ جاے فریادست
حسد چہ میبری اے ست نظم برحافظ	قبول خاطر ولطف سخن خدادادست

بجز مقطع کے کہ اس میں ظاہرا تمدح اور حقیقۃ تحدث باللہ ہے...... باقی تمام غزل میں ترغیب ہے...... تعلقات ماسوے اللہ سے آزادی اختیار کرنے کی...... اور ترک انہماک و حرص کی اور تحصیل محبت ومعرفت و طاعت الہی کی...... پس فرماتے ہیں کہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ...... کیونکہ حرص و امل کا قصر نہایت ست بنیاد ہے...... (اس لئے قابل توجہ

کے نہیں)اور محبت آلٰہی حاصل کرو...... کیونکہ عمر کی بنیاد برباد ہورہی ہے...... (اس لئے اس کو محبت الٰہی میں صرف کرنا چاہئے...... تا کہ اس عمر کا کچھ ماحصل ہاتھ آئے)اور اس چرخ کبود کے نیچے (یعنی اس عالم میں)میں تو اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں...... جس کی یہ حالت ہو کہ جس چیز میں شائبہ تعلق کا ہو...... اس سے آزاد رہے...... اور میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں ...... اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو...... کیونکہ یہ مضمون شیخ طریقت سے مجھ کو یاد ہے (اور وہ نصیحت یہ ہے کہ) عالم ضعیف الذات (یعنی فانی الوجود) سے...... درستی عہد (یعنی دوام اجتماع) کے طالب (اور امیدوار)مت رہو...... کیونکہ یہ عجوزہ (یعنی دنیائے کہنہ)ہزاروں شوہر کی عروس رہ چکی ہے (اور کسی سے مرافقت نہیں کی...... سب سے مفارقت کی اس سے تعلق رکھنا بڑی غلطی ہے...... اور)میں تم سے کیا کہوں...... کہ کل (یعنی اس کے قبل) میخانہ (یعنی مقام انکشاف حقیقت) میں جبکہ میں مست اور فانی تھا (یعنی مجھ پر محویت طاری تھی ...... جس میں حقائق امور قلب پر وارد اور منکشف ہوا کرتے ہیں) سروش عالم غیب نے مجھ کو کیا کیا بشارتیں دیں (یعنی میرے قلب پر یہ مضامین القاء کئے گئے) کہ اے بلند نظر جو شہباز سدرہ نشین کے مشابہ ہے (کیونکہ روح کائنات عالم علوی سے ہے) تیرا نشیمن (اور مسکن) یہ کنج محنت آباد نہیں ہے (مراد دنیا کنج بوجہ تنگی کے کہا اور محنت آباد اس لئے کہ دار المحن ہے ......یعنی دنیا تیرا وطن اصلی نہیں ہے...... پھر اس میں کیوں دل لگاتا ہے اور) تجھ کو تو کنگرۂ عرش (یعنی عالم علوی) سے پکار رہے ہیں...... پھر معلوم نہیں کہ اس قید گاہ میں تجھ کو کیا چیز پسند آئی ہے (جو اس میں جی لگاتا ہے پس تجھ کو چاہئے کہ) دنیا کے غم (وتعلق) میں مت پڑ اور میری نصیحت مت بھلا...... کیونکہ یہ لطیفہ عجیبہ مجھ کو ایک سالک سے یاد ہے وہ یہ کہ جو کچھ مل جائے...... اس پر راضی رہ اور پیشانی پر بل مت ڈال (یعنی قناعت ورضا اختیار کر اور کراہت وحرص ترک کر) کہ وہ خواہ میں ہوں یا تو ہو کسی کو (ایسے امور رزق وغیرہ میں) اختیار نہیں دیا گیا...... (اور اس تفسیر پر اس شعر کو مسئلہ جبر واختیار فی الافعال سے کوئی تعلق نہیں یعنی جب مقدمہ تکوینیات میں کچھ بس نہیں چلتا...... تو حرص وکراہت بے سود محض ہے اور) جس طرح تبسم گل کو بقا نہیں اسی طرح اس عالم ناپائیدار میں مہر ووفا کا نشان نہیں...... تو اے بلبل یعنی

طالب دنیا...... تو (اپنی اس حالت طلب دنیا پر) تاسف کر (اور عالم باقی کی طلب سے اس کا تدارک کر...... آگے مقطع ہے کہ) اے سست نظم تو حافظ پر کیا حسد کرتا ہے...... قبول خاطر اور لطف سخن تو محض خداداد امر ہے...... (ذلک فضل الله یوتیه من یشاء)

غزل۔قالؒ

بروبکار خودای واعظ این چہ فریادست	مرافتاد دل از کف تراچہ افتادست

واعظ سے مراد جو مانع ہو طریق عشق سے...... بتو ہم اس کے غیر مشروع ہونے کے اور منحصر سمجھتا ہو وصول الی اللہ کو...... طریق طاعات ظاہرہ میں ایسے ناصح کو کہتے ہیں کہ...... جاؤ اپنا کام کرو...... کیوں خواہ مخواہ نصیحت میں غل مچا رکھا ہے...... میں تو مغلوب العشق ہوگیا تم کو میری کیا فکر پڑی ہے...... (کیونکہ حسب قول اہل طریق طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق طریق عشق بھی ایک طریق بلکہ اقرب طرق ہے...... کما بین فی کتب الفن) قالؒ

بکام تانر ساندمرالبش چون نالے	نصیحت ہمہ عالم بگوش من بادست

لب کنایہ از لطف...... نائے واصل کامل...... یہ بھی متمم ہے سابق کا...... یعنی جب تک واصل کامل کی طرح اس کے لطف سے میں مقصود تک نہ پہنچوں گا...... تمام عالم کی نصیحت جو درباره ترک عشق کے ہے...... بے اثر سمجھوں گا۔قالؒ

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ	دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادہ است

مطلب لفظی تو ظاہر ہے...... کہ کمر کی باریکی کا بیان ہے...... اور مطلب معنوی یہ ہے کہ میان سے مراد واسطہ ورابطہ...... بین الحق والعبد ہے اس میں اس کا غموض بیان فرماتے ہیں...... کہ وہ ایسی مخفی چیز ہے کہ کسی مخلوق کو اس کی پوری اطلاع نہیں ہوتی...... جیسا کسی اور سخن گو نے کہا ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست

وجہ یہ ہے کہ وہ واسطہ خاص تعلق قرب ورضا ہے...... جو کہ غیب ہے اور ظاہر ہے کہ غیر منصوص القبول کو تو خود اسی کی اطلاع قطعی طور پر نہیں ہوتی...... اور منصوص القبول کو گو نفس

قرب و رضا کی اطلاع ہوتی ہے۔ لیکن اس کے خصوصیات خاصہ کی اطلاع نہیں ہوتی وھذا ھو المعنی بقولہ علیہ السلام واللہ ادری مایفعل بی ولا بکم اور اس تعلق کو آفریدہ کہنا...... بوجہ اس کے حدوث کے ظاہر ہے...... اور آفریدہ از ہیچ کہنا مبالغۃً غایت غموض کی وجہ سے ہے...... اور یا اس کی یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے...... کہ یہ رابطہ امور اضافیہ میں سے ہے...... اور امور اضافیہ بوجہ اس کے کہ ان کا وجود انتزاعی ہوتا ہے...... فی نفسہ مستقلاً متحقق و ثابت نہیں ہوتے۔ قالؒ

گدای کوی تو از ہشت خلد مستغنی است	اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

مطلب ظاہر ہے کہ...... محبوب حقیقی کے طالب کو دوسری کوئی چیز خواہ کچھ ہی ہو ...... مطلوب بالذات نہیں۔

اگرچہ مستی عشقم خراب کردو لے	اساس ہستی من زین خراب آباد است

یہ اشارہ ہے بقا بعد الفنا کی طرف...... جیسا شیخ شیرازی نے بوستان میں فرمایا ہے۔

مترس از محبت کہ خاکت کند	کہ باقی شوی چون ہلاکت کند

قالؒ

دلا منال ز بیداد و جور یار کہ یار	ترا نصیب ہمین کردہ است واین داد است

بیداد و جور مراد تاخیر وصل کہ اثر مثل جور دارد...... اس میں تعلیم ہے کہ اگر سالک کو وصول ...... یا ورود احوال میں توقف ہو جائے تو تنگی و شکایت نہ چاہئے...... کیونکہ محبوب نے اس کے لئے یہی تجویز کیا ہے...... اور یہ عین عنایت ہے...... کیونکہ اس میں مصلحت ہوگی اور راز اس میں یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد جداگانہ ہے...... اور استعداد کے موافق تربیت کی جاتی ہے...... اور اس کا علم محیط مخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ ہے...... چنانچہ تاخیر وصل کی ایک مصلحت ایک بار مثنوی معنوی میں عجیب طور پر نظر سے گزری...... جس کی حکایت یہ ہے کہ ایک بار احقر پر یہ خیال غالب ہوا...... کہ حق تعالیٰ کو طالب کے طالب ہونے کا علم بھی ہے...... اور وصل الی المقصود پر قدرت بھی ہے اور طالب کے حال پر رحمت بھی ہے...... اور اس مجموعہ کا مقتضا یہ تھا کہ جلدی

کامیابی ہوجایا کرتی...... پھر معلوم نہیں تاخیر میں اور پریشانی میں کیا حکمت ہے...... یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مثنوی جو کھولی تو یہ اشعار سر صفحہ پر نکلے...... جن میں علم اور قدرت اور رحمت کے اثبات کے بعد اس کی حکمت مذکور ہے...... جس سے پوری تسلی ہوگئی...... وہ اشعار یہ ہیں۔

چارہ می جوید پی من درد تو	من شنیدم دوش آہِ سرد تو
می توانم ہم کہ بے این انتظار	رہ نمایم دادہم راہ گدار
تا ازین گرداب دوران وارہی	برسر گنج و صالم پانہی
لیک شیرینی ولذات مقر	ہست برانداز رنج سفر
آنگہ از فروز و خویشان برخوری	کز غریبی رنج و محنتہا بری

قالؒ

بروفانہ مخوان وفسون مدم حافظ	کزین فسانۂ وافسون مرابے یادست

اس میں تعریض ہے...... مدعی طلب کا ذباؤ مرآئی کی طرف...... یعنی اوپر جس قسم کے مضامین مذکور ہیں...... یہ اگر ادعا محض ہوں تو اس صورت میں بلسان محبوب تنبیہ ہے...... کہ مجھ کو ہر چیز کا علم ہے مجھ سے جھوٹی باتیں بنانا کیا فائدہ...... پس اس میں تعلیم ہے اخلاص مع اللہ کی...... اور مذمت ہے احوال باطنیہ میں تصنع کی۔ واللہ اعلم۔

روزہ یکسو شد وعید آمد ودلہا برخاست	می بمیخانہ بجوش آمد وی باید خواست

روزہ مراد ریاضت ومجاہد وعید کنایہ از وصل ومشاہدہ...... یعنی الحمد للہ کہ زمانہ مجاہدہ کا گزر گیا...... اور وقت وصول ومشاہدہ کا آ گیا اور قلوب میں نشاط وفرحت وصل سے جوش پیدا ہوگیا...... اور عشق ومحبت میں ترقی ہوئی...... اور اس میں ترقی کی اور طلب چاہئے ...... پس مصرعہ اولی میں اشارہ ہے...... کہ مشاہدہ کے لئے مجاہدہ شرط عادی ہے...... اور مصرعہ ثانیہ میں اشارہ ہے کہ بعد وصول وحصول مقصود سالک کو بس نہ کرنا چاہئے...... طلب اور طاعت میں طالب مزید ہونا چاہئے جیسا ارشاد ہے۔

ای برادر بے نہایت در گہے است	ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

قالؒ

نوبت زہد فروشان گران جان بگذشت	وقت شادی وطرب کردن رندان برخاست

زہد فروشان ریا کاران...... گران جان کاہلان مراد شیخان مزوران کا ریا کار کہنا تو ظاہر ہے...... اور گران جان ہونا اس لئے ہے کہ ریا کاری میں بوجہ فقدان صدق رغبت کے باطناً کاہلی ضروری ہے...... اور رند سے مراد مخلص غیر متصنع وطالب صادق...... اس شعر میں صورت خبر میں مقصود انشاء اس امر کا ہے...... کہ شیوخ متصنعین کو ترک کرنا چاہئے...... جبکہ شیوخ کاملین میسر ہوسکتے ہیں...... طالب صادق کو ان کی جستجو لازم ہے...... اور ان کے میسر ہونے کا وقت نہایت خوشی کا وقت ہے۔

چہ ملامت بود آنرا کہ چو ما بادۂ خورد	این نہ عیب است بر عاشق رند ونہ خطاست

بادہ سے مراد طریق محبت مقرون بملامت...... مطلب یہ کہ طریق ملامتی میں جس کا حاصل ترک وضع ہے...... نہ کہ ترک شرع...... عشاق مخلصین کے لئے کوئی عیب اور خطا نہیں ہے...... جیسا کہ اہل ظاہر میں سے عوام تو اس کو اس لئے عیب سمجھتے ہیں...... کہ اس کو بوجہ قصور نظر کے خلاف شرع خیال کرتے ہیں...... اور خواص اس کو موہم خلاف شرع...... اور محتمل تعدیہ ضرر الی الغیر ہونے کی وجہ سے عیب سمجھتے ہیں...... پس لفظ چو ما میں تو اشارہ کردیا جواب شبہ عوام کی طرف...... یعنی جو ہماری طرح ہو کہ خلاف شرع نہ کرے...... جیسا اسی غزل کے ایک شعر میں اپنی حالت بیان کی ہے...... فرض ایزد بگذاریم الخ اور ظاہر ہے کہ معصیت منافی ہے...... ادائے فریضہ کے جو اس خاص امر کے متعلق ہے...... اور لفظ بر عاشق رند میں اشارہ کردیا جواب شبہ خواص کی طرف...... جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدا میں وہ علت نہی کی جارہی ہے...... اور عاشق رند جو کہ مقتدا نہیں ہے اس تعلیل سے خارج ہے...... پس جب علت نہیں معلول بھی نہیں رہا...... یہ کہ لوگ اس کی غیبت کریں گے...... تو یہ شخص اس کا سبب ہوا تو ان لوگوں کی طرف سے اس میں یہ عذر ہوسکتا ہے...... کہ ان کو جب بعض رذائل کے معالجہ کی

طرف اس خاص طریق ملامت میں توجہ غالب ہوتی ہے...... تو اس مفسدہ مذکورہ سے ذہول ہوجاتا ہے...... اور قصد ہوتا ہے اپنی اصلاح کا...... نہ کہ افساد غیر کا گولازم آتا ہے اور اتقوا مواضع التھم کو یہ حضرات مخصوص کہیں گے...... غیر موضع ضرورت میں اور معالجہ موضع ضرورت ہے...... اوران کی یہ توجیہات محل اجتہاد ہوسکتی ہیں فلفی بہ عذر الہم ۔قالؒ

بادہ نوشی کہ درد ہیچ ریائی نہ بود	بہتر از زہد فروشی کہ درروی وریاست

اس شعر میں اپنے کسی فعل کی توجیہ یا طرفداری نہیں ہے...... بلکہ اہل طریق کو نصیحت ہے...... کہ ذکر وطاعت میں دعویٰ وریا کرنا اور دوسرے اہل معاصی کو حقیر سمجھنا مذموم ہے ...... پس فرماتے ہیں کہ جس بادہ نوشی کے ساتھ ریا نہ ہو...... وہ اس زہد ادعائی سے اچھا ہے جس میں ریا ہو...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاصی میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے...... کوئی اکبر کوئی کبیر کوئی صغیر کوئی اصغر...... اور یہ قواعد شرع سے نہایت واضح وظاہر ہے۔قالؒ

ما نہ مردان ریائیم وحریفان نفاق	انکہ اوعالم سراست بدین حال گواست

گومخفف گواہ۔ مطلب ظاہر ہے...... اور مقصود اس سے پندار ودعوی نہیں...... بلکہ ترغیب ہے طالبین کی...... اپنا حال بیان کرنے سے کہ ان کو بھی ایسا ہی ریا ونفاق سے بچنا چاہئے...... اوراس سے یہ امر مستفاد ہوا کہ کامل...... اگر اپنا حال اس قصد سے ظاہر کرے کہ ناقصین اتباع کریں...... تو مذموم نہیں ہے۔قالؒ

فرض ایزد بگذاریم وبکس بد نہ کنیم	وانچہ گو یندروا نیست بگوئیم رواست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے...... اور غرض مقصود یہ ہے کہ اصل مقصود تکثیر طاعات واوراد نہیں ہے...... بلکہ ورع کے ساتھ تقلیل طاعات کافی ہے...... اور وہ ورع حقوق اللہ وحقوق العباد سب میں ہونا چاہئے...... چنانچہ فرض ایزد بگذاریم میں اشارہ حقوق اللہ و تقلیل طاعات کی طرف ہے...... اور بکس بد نہ کنیم میں اشارہ حقوق عباد کی طرف ہے...... اور مصرع ثانی میں اس انچہ سے مراد میرے نزدیک طریق ملامت یعنی ارتکاب خلاف وضع ہے...... گو ظاہر نظر میں خلاف شرع ہو...... مگر حقیقت میں خلاف نہ ہو...... اوراس کے جواز وعدم جواز

میں اختلاف کی تحقیق ...... جیسا کہ اس مصرع سے معلوم ہوتا ہے ...... مفصلاً شعر بالا چہ ملامت الخ کی شرح میں گزر چکی ہے۔ قالؒ

چہ بود گر من وتو چند قدح بادہ خوریم	بادہ ازخون رزان ست نہ ازخون شماست
این نہ عیب است کزین عیب خلل خواہد بود	در بود عیب چہ شد مردم بے عیب کجاست

رزان جمع رز بمعنی انگور...... خون رز مشیرہ انگور...... خون شما خون و گوشت مردم اشارہ بسوی ...... آیت ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ میتا الآیہ ...... ان اشعار کا مضمون بھی قریب قریب مضمون شعر بادہ نوشی الخ کے ہے ...... یعنی اگر کوئی مرتکب بادہ خواری کا ہوجائے ...... خواہ تم ہو یا میں ہوں ...... تو غایت مافی الباب وہ شیرا انگور ہے لحم انسان تو نہیں ہے...... جس کے کھانے میں معترض مبتلا ہے کہ غیبت وعیب جوئی میں مشغول ہے...... اوراس کا بادہ خواری سے اشد ہونا بوجہ حق عبد ہونے کے ظاہر ہے...... پس معترض اشد میں مشغول اوراخف پر معترض ہے...... اوردوسرے شعر میں اس سے عیب ہونے کی نفی ...... یا تو بایں معنی ہے...... کہ جس درجہ کا عیب طاعن سمجھ رہا ہے(کہ اس کو غیبت سے بھی بڑھ کر قرار دیا ہے ...... جیسا کہ اس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے ...... کہ بادہ خواری کی مذمت کررہا ہے اورغیبت کو اختیار کررکھا ہے) یہ اس درجہ کا عیب نہیں ہے...... بلکہ معاملہ بالعکس ہے...... اورشعر ثانی کے مصرع ثانیہ میں علی سبیل التنزل کہتے ہیں...... کہ اگر معترض کا قول مسلم بھی ہوجائے ...... کہ یہ غیبت سے بھی اشد ہے ...... تو خیر یوں ہی سہی مگر بے عیب کون ہوتا ہے ہم میں یہ عیب ہے ...... معترض میں دوسرا عیب ہے ...... اور مقصود اس تنزل سے محض ترک جدال ہے جو مقتضا ہے وضع درویشی کا...... نہ کہ توجیہ اپنے فعل کی...... یا رجوع تحقیق بالا سے کہ اشدیت ہے غیبت کی...... اور یا عیب ہونے کی نفی بایں معنی ہے کہ بعض اقسام نبیذ کے مختلف فیہ بین الائمہ ہیں ...... اور قواعد احتساب میں ثابت ہے کہ مسائل مختلف فیہا میں احتساب نہیں کیا جائے گا...... اور مصرع دوم برطبق تقریر بالا نیز ترک جدال پرمحمول کیا جائے گا...... باقی اجزاء کی تقریر ظاہر ہے...... اور بہرحال اس مضمون میں تعلیم ہے

......ترک جدال وترک استحضار وترک اعتراض کی...... جولوازم طلب مقصود سے ہے۔ قالؒ

حافظ از عشق خط وحال تو سر گردان ست	ہمچو پرکار و لے نقطۂ دل پا بر جاست

مدلول لفظی ظاہر ہے...... مقصود تعلیم ہے طالبان حق کی کہ طریق محبت میں کیسی ہی پریشانی وحیرانی پیش آئے...... مگر ثبات قدم وتحمل وصبر واستقلال واستقامۃ کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے...... کہ شرط وصول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ قالؒ

غزل

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است	سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

اس میں خطاب ہے معترض ظاہر بین کو...... جو اہل حال کے کلام پر خوردہ گیری کرتا ہے...... استہزاء اس کو دلبر کہا...... جیسے اردو کے محاورہ میں ایسے موقع ہیں...... کہتے ہیں میرے پیارے یا برخوردار یا مہربان...... پس فرماتے ہیں کہ اہل حال کے کلام کو غلط مت کہو بلکہ وہ غلطی تمہاری فہم میں ہے...... کیونکہ تم سخن شناس نہیں ہو اہل حال کے کلام کو نہیں سمجھتے ہو...... اس میں تعلیم ہے کہ اہل اللہ کے کلام کو جلدی سے رد نہ کردے...... البتہ بے سمجھے اس کے ظاہری معنی کا معتقد بھی نہ ہو...... بلکہ سکوت اسلم ہے۔ قالؒ

سرم بدنیا وعقبی فرونمی آید	تبارک اللہ ازین فتنہا کہ درسر ماست

فتنہ سے مراد شورش...... مطلب یہ کہ چونکہ میرا مقصود بالذات قرب ورضائے حق ہے...... اس لئے نہ دنیا بالذات مطلوب ہے اور نہ عقبی گو بالعرض مقصود ہو...... آگے بطور استعظام امر کے فرماتے ہیں...... کہ ہمارے دماغ میں بھی عجیب شورش طلب حق کی بھری ہوئی ہے...... کہ بالذات کسی چیز کی طرف التفات نہیں رہا۔ قالؒ

در اندرون من خستہ دل نہ دانم کیست	کہ من خموشم واو در فغان ودرغو غاست

یعنی مجھ خستہ دل کے اندر معلوم نہیں کون شخص ہے...... کہ میں تو خاموش ہوں اور وہ شور وفغان میں ہے...... مراد اس شخص سے خود دل ہے...... جو محبوب کی یاد اور طلب میں شور وفغان میں رہتا ہے...... گو لب پر ظاہراً خاموشی رہے۔

دلم زپردہ برون شد کجائی ای مطرب	بنال ہان کہ ازین پردہ کار ما بنواست

یعنی میرا دل قابو سے باہر ہو گیا...... اے مطرب سماع سنادے کہ اس پردہ سرود سے ہماری حالت اصلاح پذیر ہو جائے گی اس میں بیان ہے (اس کا کہ سماع کا جواز ایسی مخصوص حالت میں ہے...... جب قلب کی حالت خود رفتگی تک پہنچ جائے...... اوراس سے اکثر مشتغلان سماع کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔ قالؒ

مرا بکار جہان ہرگز التفات نبود	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست

یہ اشارہ ہے منتہی کی حالت کی طرف...... کہ ابتداء حال میں اس کا التفات خلق کی طرف اس لئے نہیں ہوتا...... کہ وہ حجاب ہوتا ہے توجہ الی الحق سے...... لیکن منتہی کے لئے ہر شی ءمخلوقات میں سے آئینہ ہوتی ہے...... مشاہدہ جمال محبوب کی اور آلہ ہوتا ہے...... وصول وقرب کا علماً بھی اور عملاً بھی...... اس لئے وہ عین التفات الی الحق کی حالت میں ملتفت الی الخلق بھی ہوتا ہے۔ قالؒ

نہ خفتہ ام بخیالے کہ میپزم شبہا	خمار صد شبہ دارم شرابخانہ کجاست

یعنی طلب میں مجھ کو آرام اور سکون نہیں ملتا...... اور مدتوں کا مجھ کو خمار ہے فنا وسکر کہاں حاصل ہوا کرتا ہے...... تاکہ ایک گونہ وصول میسر ہونے سے طلب کی بے آرامی ختم ہو...... گواس میں بھی دوسری طرح کی بے چینی ہو...... کما قال الشیخ الشیر ازی فی المعنی الاول ۔

تعلق حجاب است وبیحاصلی	چو پیوندہا بگسلی واصلی

وقال فی المعنی الثانی ۔

دلارام در بر دلارام	لب از تشنگی خشک و برطرف جوہی
نہ گویم کہ برآب قادرنیند	کہ برساحل نیل مستقے اند

قالؒ

چنین کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلم	گرم بباده بشوئید حق بدست شماست

درکلام تقدیرے ست ...... یعنی مجاہدہ تا چنین رسیدہ الخ ...... مطلب یہ کہ ظاہری طاعت یہاں تک کی کہ میرے خون دل سے صومعہ خون آلودہ ہوگیا ...... اب اے محبوب یا اے مرشد اگر مجھ کو بادہ محبت یعنی جذبۂ عشق سے غسل دیا جائے ...... تو آپ کی شان کے شایان ہے ...... اس میں اشارہ ہے کہ سلوک وریاضت بدون جذب وعنایت کے مفید نہیں ۔ قالؒ

ازاں بدیر مغانم عزیز میدارند	کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ دردل ماست

دیر مغان مجمع اہل عشق ...... یعنی عشاق کی جماعت میں مجھ کو اس لئے عزیز سمجھتے ہیں ...... کہ میرے دل میں آتش عشق مشتعل ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اہل اللہ مال ودولت کی قدر نہیں کرتے ...... بلکہ دولت باطنی ہی کی قدر کرتے ہیں ۔ قالؒ

چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق	کہ رفت عمر وہنوزم دماغ پرزصداست

اس میں اشارہ ہے خطاب الست بربکم کی طرف ...... یعنی اس خطاب کی اب تک لذت حاصل ہے ...... یا تو یہ کہا جائے کہ حقیقتاً بعض کو یاد رہتا ہے ...... اور یا کہا جائے کہ اس کا اثر باقی ہے ...... جس سے التذاذ ہوتا ہے ...... اور یہی دونوں احتمال ہیں شیخ شیرازیؒ کے اس ارشاد میں بھی ؎

الست ازازل ہمچنان شان بگوش	بفریاد قالوا بلے درخروش

معنی اول کا مصداق ایک کشف ہے ...... اور معنی ثانی کا مصداق ایک حال ہے ۔ قالؒ

خمار عشق تودی شب دراندرونم بود	کجاست وقت عبادت چہ جائے وقت دعاست

مطلب یہ کہ میرے مقتضائے استعداد کے موافق ...... میری تربیت عشق سے کی گئی ہے ...... اس لئے اس کے غلبہ میں عبادت ودعا کی تکثیر مجھ سے نہیں ہوسکتی تھی ...... اشارہ ہے کہ طریق تربیت سالکین کا ہرایک کی استعداد کے موافق جدا جدا ہے ۔ قالؒ

ندای عشق تو دوشم در اندرون دادند	فضائے سینۂ حافظ ہنوز پرزصداست

مطلب ظاہر ہے ...... کہ میرے لئے نسبت عشقیہ تجویز کی گئی تھی ...... جس سے اب تک میرا سینہ پُر ہے ...... لان المقدر لایغیر واللہ عالم ۔ قالؒ

غزل

روضۂ خلد برین خلوت درویشان است	مایۂ محتشمی خدمت درویشان است

اس میں درویشوں کی خلوت اور خدمت کی مدح ہے...... اول کو روضۂ خلد برین سے تشبیہ دی گئی ہے...... اس وجہ سے بڑی نعمت جنت میں مشاہدہ حق تعالیٰ ہے...... سو یہ ایک قسم کا مشاہدہ درویشوں کو خلوت میں میسر ہوتا ہے...... یعنی بالقلب گو جنت میں بالعین ہوگا اور خلوت کی قید اس لئے کہ اس میں استحضار تام ہوتا ہے...... گو بعض اوقات جلوت کا استحضار ناتمام اس تام سے کسی عارض کی وجہ سے افضل ہو...... مثلاً کسی حق واجب کا ادا کرنا یا کسی کو نفع پہنچانا ومثل ذلک...... اور بعد مدح درویشوں کے مصرع ثانیہ میں ان کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں...... کہ احتشام حقیقی کہ مقبولیت عندالحق ہے...... مقبولین کی خدمت سے کہ ان کی اطاعت اور محبت اس کے لوازم عادیہ سے ہے...... میسر ہوتا ہے۔ قالؒ

گنج عزلت کہ طلسمات عجائب دارد	فتح آن در نظر ہمت درویشان ست

اس میں ترغیب ہے...... کہ مقبولین حق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنا چاہئے ...... کہ ان کی توجہ میں یہ برکت ہے...... کہ خلوت نشینی کا خزانہ عجیب کہ مراد اس سے حضور تام و مشاہدہ ہے...... اس سے میسر ہوتا ہے...... چنانچہ توجہ کی یہ برکت ہونا تجربہ سے بھی ثابت ہے ...... اور ظاہری لم بھی اس کی یہ ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں...... اور حق تعالیٰ اکثر متقی کی مراد پوری فرماتا ہے...... اور توجہ سے ان کی مراد یہی ہوتی ہے...... کہ طالب کہ محل توجہ ہے مشرف اس دولت سے ہو جائے...... ونیز ثابت ہوا ہے کہ بعضے تصرفات محض توجہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ قالؒ

قصر فردوس کہ رضوانش بدربانی رفت	منظری از چمن نزہت درویشان ست

یعنی قصر فردوس جس کا دربان رضوان ہے...... درویش جس چمن کی سیر کرتے ہیں ...... اس کا ایک منظر ہے...... کیونکہ درویشوں کا سیر گاہ ذات وصفات وافعال حق ہے ...... اور جنت میں ان اشیاء کا کامل ظہور ہوگا...... ونیز ان کی سیر کا حاصل مراقبہ ومشاہدہ ہے ...... اور جنت کے مقامات عالیہ ان اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے...... جیسا لفظ فردوس اشارہ ہے

مقامات عالیہ کی طرف...... گومطلق جنت مطلق اعمال کاثمرہ ہے۔قالؒ

انچہ زرمی شود از پرتو آن قلب سیا	کیمیاے ست کہ درصحبت درویشان ست

می شود فعل ناقص...... قلب سیاہ اسم آن...... وزرخبر آن نہ کہ بالعکس فتنبہ...... مراد ظاہر ہے کہ اہل کمال صحبت میں ناقص کامل ہو جاتے ہیں۔قالؒ

وانکہ پیشش بنہد تاج تکبر خورشید	کبریائے ست کہ درحشمت درویشان ست

اس میں بیان ہے مقبولان حق کی عظمت کا...... کہ ان کے سامنے خورشید بھی پست ہے ...... کیونکہ اس کو ظاہری رفعت ہے ...... اور ان حضرات کو باطنی و حقیقی رفعت ہے ...... لکونهم فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔قالؒ

دولتے راکہ نباشدغم از آسیب زوال	بے تکلف بشنو دولت درویشان ست

مطلب ظاہر ہے...... کیونکہ درویشوں کی دولت اخروی ہے...... اور دوسری دولتیں دنیوی ہیں اورنص ہے...... ماعندکم ینفدو ماعند اللہ باق۔قالؒ

خسروان قبلۂ حاجات جہانند ولے	از ازل تا بہ ابد فرصت درویشان ست

فرصت مراد سلطنت ...... یعنی گو سلاطین کو ظاہری چند روزہ سلطنت حاصل ہے ...... لیکن حقیقی وابدی سلطنت مقبولان حق کو ہے ابدی ہونا تو نصوص خلود سے ظاہر ہے ...... اور ازلی ہونا باعتبار تقدیر وعلم الٰہی کے ہے...... یا ازل سے مراد مطلق ابتدالی جائے ...... یعنی جب سے اس کا حصول ہوا ہے...... معنی مشہور مالا اول لہ نہ لئے جائیں۔

روی مقصود کہ شاہان جہان می طلبند	مظہرش آئینۂ طلعت درویشان ست

یعنی جن مطالب کوسلاطین دنیا مانگتے پھرتے ہیں...... وہ محض درویشوں کی زیارت سے میسر ہو جاتا ہے...... مقصودمبالغہ ہے کہ درویش مفتاح حصول مراد ہیں...... خواہ بواسطہ ان کی دعا کے خواہ بواسطہ توسل کے ان کے ساتھ...... اور خواہ اس واسطہ سے کہ ان کی معیت سے ان کی محبت ہوتی ہے...... اور محبت ان کی طاعت ہے...... اور اہل طاعت کی مشکلات غیب سے آسان کی جاتی ہے...... ونحوہ مافی المثنوی۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال	مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
ای تونگر مفروش این ہمہ نخوت کہ ترا	سروری در کنف ہمت درویشان ست

کنف پناہ ...... یعنی اغنیاء ظاہری کی یہ ثروت وجاہ ان مقبولان حق کی دعاء و برکت کی فرع ہے ...... فی الحدیث ھل ترزقون وتنصرون الابضعفاء کم ونیز حدیثوں میں ہے کہ ابدال کی برکت سے بارش وغیرہ ہوتی ہے ...... ونیز قصہ خضر علیہ السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انتظامات تکوینیہ ...... بعض اہل اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں ...... وفی المقام کلام طویل لایتحملہ المقام۔ قالؒ

گنج قارون کہ فرومیرود از قعر ہنوز	خواندہ باشی تو کہ از غیرت درویشان ست

درویشاں کی جمعیت جنسیت کے لئے ہے ...... مراد موسیٰ علیہ السلام۔

مطلب اور قصہ ظاہر و مشہور ہے۔

بندۂ آصف عہدیم کہ در سلطنتش	صورت خواجگی و سیرت درویشان ست

اس میں دو احتمال ہیں یا تو مراد اس سے وزیر اکمل زمانہ کا ہے ...... جس کا نام بعض محشین نے آصف لکھا ہے ...... اور ظاہراً مقصود اس کی مدح ہے ...... اور اشارۃ مدح ہے ہر ایسے شخص کی جو باوجود جاہ و حشم ظاہری کے سیرت درویشانہ رکھے ...... اور دین کو دنیا پر ترجیح دے اور دوسرا احتمال یہ کہ یہ کنایہ ہو شیخ وقت سے ...... جس کی شان یہ ہے کہ اس کی سلطنت باطنی میں صورت ظاہری عوام کی سی ...... اور باطن خواص کا سا ہو ...... جس کی حکمت کتمان اور تواضع اور اتباع سنت ہے۔ قالؒ

حافظ اینجا بادب باش کہ سلطان و ملک	ہمہ در بندگی حضرت درویشان ست

یعنی کاملین کے ساتھ باادب رہو ...... کہ ان کی یہ عظمت ہے کہ ناسوت کے اکابر کہ سلاطین ہیں ...... اور ملکوت کے عظماء کہ ملائکہ ہیں ...... سب ان حضرات کے سامنے بعجز ونیاز پیش آتے ہیں ...... چنانچہ مسجودیت آدم علیہ السلام ...... ومنصوریت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم فی الغزوات بواسطہ ملائکہ ...... اور عالم باعمل کے لئے ملائکہ کا استغفار ...... اور

جبریل علیہ السلام کی ندا پر ملائکہ کا محبوبان حق سے محبت کرنا...... قرآن واحادیث میں منصوص ہے...... اور نیاز سلاطین کا مشاہد ہے۔ قالؒ

غزل

مطلب طاعت و پیان صلاح از من مست	کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روز الست

اس میں اہل حال کی بعضی معذوریوں کا بیان ہے...... کہ اگر مستی کے غلبہ میں طاعت و صلاح میں ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان سے دارو گیر و ملامت مناسب نہیں...... کہ روز الست سے (مراد مجاز اُمرتبہ اعیان ثابتہ کا سے) میں پیمانہ کشی...... یعنی سرشاری محبت و مغلوبیت حال کے ساتھ موصوف ہوں...... حاصل اس کا وہی ارشاد ہے کہ مرفوع القلم کو معذور سمجھنا چاہئے۔ قالؒ

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

چار تکبیر زدن ترک کلی کردن...... یعنی جب عشق حقیقی کا غلبہ ہوا سب ماسوی اللہ سے تعلق قطع کردیا...... اس میں بیان ہے عشق الٰہی کے اثر کا...... کہ وہ ماسوا سے نظر کو اٹھا دیتا ہے۔ قالؒ

می بدہ تا دہمت آگہی از سر قضا	کہ بروی کہ شدم عاشق بر بوی کہ مست

اس میں خطاب ہے معترض ملامت گر کو...... اور می بدہ میں اسناد مجازی ہے...... جیسا عنقریب واضح ہوگا حاصل یہ ہے کہ تو جو مجھ پر اعتراض و ملامت کر رہا ہے...... جس کا سبب غلبہ احوال عشق میں کچھ نشیب و فراز واقع ہو جانا ہے...... سو مجھ کو ذرا مستی ہونے دے اسی کو مجازا می بدہ کہہ دیا ہے...... اس وقت تجھ کو راز قضا سے آگاہ کروں گا...... کہ میں کس ذات پر عاشق ہوا ہوں...... اور کس کی صفات و کمالات سے مست ہوا ہوں...... اور وہی عشق و مستی اس نشیب و فراز کا سبب ہو گیا ہے...... اس کو سر قضا اس لئے کہا کہ اس عشق و سکر سے ایسے امور کا وقوع مقدر ہو چکا تھا...... اس میں ارشاد ہے کہ اہل سکر پر اعتراض مناسب نہیں۔ قالؒ

کمر کوہ کم است از کم مور اینجا	ناامید از در رحمت مشوای بادہ پرست

کوہ سے مراد عوائق و موانع سلوک و وصول...... ان کو بوجہ ثقل کے کوہ سے تشبیہ دی......

مطلب یہ کہ سالک وطالب کو کبھی ناامید نہ ہونا چاہئے...... کیونکہ جن موانع کو تم ثقیل سمجھتے ہو ...... وہ نظر بفضل ورحمت الٰہیہ نہایت ضعیف وخفیف ہیں...... ان کا رفع ہو جانا کچھ دشوار نہیں وہذا کما قال العارف الرومی ۔

تو مگو مارا بدان شہ بار نیست	بر کریمان کارہا دشوار نیست

اس تعلیم سے باعتبار فن کے یہ نفع ہے کہ اس سے دل میں نشاط ہوتا ہے...... اور اس سے مجاہدہ آسان ہو جاتا ہے...... اور مجاہدہ کا مفتاح مشاہدہ ہونا معلوم ہے...... غرض یہ معین حصول مقصود ہے۔ قالؒ

جان فدای دہنت باد کہ در باغ نظر	چمن آرای جہان خوشتر ازین غنچہ نہ بست

ممکن ہے کہ اس میں مدح مرشد کی ہو...... اور چونکہ دہن سے تعلیم وتلقین ہوتی ہے جو مظہر ہے ذرائع قرب کا...... اس لئے اس کی تخصیص ذکری کی گئی...... اس میں اشارہ ہوگا وحدت مطلب کی طرف ...... کہ مسئلہ ہے فن کا جس کی شرح حسب ارشاد مولائی مرشدی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے...... کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے کہ زندہ بزرگوں میں اس سے بہتر مجھ کو نفع پہنچانے والا میسر نہ ہوگا...... قالؒ

بجز آن نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد	زیر این طارم فیروزہ کسی خوش نہ نشست

نرگس مستانہ چشم محبوب مراد از چشم اہل اللہ کو مقصود در او یدہ...... یعنی بجز اہل اللہ کے اس عالم میں کوئی خوش نہیں...... بلکہ سب طالب ماسوی اللہ پریشان ہیں......

قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکرا و انثی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ وقال تعالے ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشتہ ضنکا وقال الرومی ۔

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است	گر شکر خواری ست ان جان کندن ست

وہذا مشاہدہ اور جملہ دعائیہ چشمش مرساد معترضہ ہے۔ قالؒ

حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت	یعنی از وصل تو اش نیست بجز باد بدست

باد بدست کنایہ از عدم حصول...... یعنی چونکہ محبوب حقیقی کا وصل مجھ کو حاصل نہ ہوا

......تو بادبدست ہونے کی وجہ سے مجھ کو رتبہ سلیمانی حاصل ہے...... کیونکہ ایک معنی کے اعتبار سے وہ بھی بادبدست تھے...... یعنی بادان کی مسخر تھی...... اس تعبیر میں صنعت شاعری ہے اصل مقصود دوامر کا بتلانا ہے...... ایک یہ کہ سالک کو چاہئے کہ کبھی اپنے کو واصل نہ سمجھے...... کیونکہ سلوک کا حقیقت میں کہیں منتہیٰ نہیں...... اور حقیقت وصول کی انتہا ہے سلوک کا...... دوسرے یہ کہ سلوک میں نامرادی کو بھی کہ عدم الوصول اس کی ایک فرد ہے دولت سمجھے...... اور تنگ دل نہ ہو کہ اس میں بھی مصالح ہیں...... اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس سے اوپر کا شعر اس کے معارض ہے...... کیونکہ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ طالب حق ہمیشہ خوش رہتا ہے...... اور یہاں اس کی نامرادی کہ مستلزم ناخوشی کو ہے معلوم ہوتی ہے...... جواب یہ ہے کہ یہ مقدمہ کہ نامرادی مستلزم ناخوشی کو ہے غلط ہے...... گو طبعاً اس پر حزن و تاسف ہو...... مگر عقلاً وہ اس پر بھی راضی و مسرور ہوتا ہے...... کیونکہ یہ حالت بھی منافی قرب نہیں...... بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق ثابت و مقرر ہے...... فافہم وفی المقام بسط۔ اور غزل آئندہ کا شعر اول اسی مضمون میں ہے غزل۔ قالؒ

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست	کہ ہر چہ بر سر ما میرود ارادت اوست

یعنی ہمارا سر ارادت و تسلیم محبوب حقیقی کے آستان پر رکھا ہے...... کسی حال میں اس کی شکایت نہیں کرتے...... کیونکہ ہم پر جو کچھ گزر رہا ہے یہ اسی کی مشیت سے ہے...... اور اس کی مشیت سراسر حکمت و مصلحت ہے...... اس لئے قبض و بسط وغیرہ سب خیر ہے...... تنبیہ جاننا چاہئے کہ مایتعلق به المشية الازالية...... اگر فعل عبد نہیں مثل احوال و مواجید تب تو من کل الوجوہ اس پر رضا واجب ہے...... اور اگر فعل عبد ہے تو حسن شرعی کا بھی یہی حکم ہے...... اور اگر وہ قبیح شرعی ہے تو من حیث انہ مخلوق للہ تعالیٰ اُس پر رضا واجب ہے اور اُس میں بھی من حیث المجموع حکمت ہے۔ اور من حیث انہ صادر من العبد اس پر رضا جائز نہیں...... اور اس حیثیت سے وہ خلاف حکمت ہے فافہم...... پس شعر میں مراد ہر چہ سے غیر فعل عبد ہے۔ قالؒ

نظیر دوست نہ دیدم اگر چہ از مہ و مہر	نہادم آئینہ ہا در مقابل رخ دوست

از مہ و مہر بیان آئینہ ہاست...... یعنی یہ امر معتاد ہے کہ آئینہ میں مرئی کا جو عکس پڑتا

ہے...... وہ من وجہ نظیر مرئی کا ہوتا ہے مگر محبوب حقیقی ایسا بے نظیر ہے کہ میں نے مہر و ماہ کے آئینہ میں بھی کہ انور المرایا ہیں...... نظر کر کے دیکھا تو اس کا نظیر نہ پایا...... اس میں ایک دقیق مسئلہ کی تحقیق ہے...... وہ یہ کہ قوم کی لسان پر مشہور ہے کہ مخلوقات مرایا ومظاہر ہیں جمال الٰہی کے...... اس سے عوام یوں سمجھتے ہیں کہ ان مخلوقات میں جو صفات ہیں...... ان ہی کے امثال خالق میں ہوں گے...... اور وہ صفات خالق ان مخلوقات میں بعینہ منعکس و مرتسم ہیں...... اس میں اس غلطی پر متنبہ کر دیا کہ یہ مرآۃ باین معنی نہیں...... کما حقیقۃ فی شرح المثنوی المسمی بکلید مثنوی...... بلکہ جس طرح ہر مصنوع اپنے صانع کی صفات کمال پر دال ہوتا ہے...... اس مرتبہ میں یہ مصنوعات صانع برحق کی صفات کے لئے مابہ الانکشاف ہے۔ قالؒ

نثار روی تو ہر برگ گل کہ در چمن ست	فدای قد تو ہر سروبن کہ درلب جوست

برگ گل و سروبن کنایہ از محبوبان مجازی...... یعنی سب محبوبان مجازی کا حسن و جمال ناقص ہے...... اور محبوب حقیقی کا کامل اور ناقص کا کامل پر فدا ہونا زیبا ہے۔ قالؒ

مگر تو شانہ زدی زلف عنبر افشان را	کہ باد غالیہ سا گشت وخاک عنبر یوست

مدلول لفظی تو ظاہر ہے...... اور مراد معنوی یہ ہے کہ یہ مخلوقات جو مختلف کمالات سے متصف ہو رہی ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ کامل حقیقی نے اپنی صفات کا اظہار کیا ہے۔ قالؒ

رخ تو در دلم آمد مراد خواہم یافت	چرا کہ حال نکو در قفاے فال نکوست

مطلب معنوی یہ ہے...... کہ محبوب حقیقی کا تصور میرے دل میں جم گیا ہے...... تو اب امید ہے کہ وصول الی اللہ میسر ہو جائے گا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ذکر اور فکر مفتاح ہے کا مگاری قرب کی۔ قالؒ

صبا ز حال دل تنگ ماچہ شرح دہد	کہ چون شکنج ورقہاے غنچہ تو بر توست

مراد معنوی یہ معلوم ہوتی ہے کہ زبان سے دل کا حال پورا ظاہر نہیں ہو سکتا...... کیونکہ حال دل بوجہ ذوقی و وجدانی ہونے کے باطن در باطن و غیر معبر عنہ ہے...... اشارہ اس طرف ہے کہ اہل حال کے کلمات پر مدار حکم نہ چاہئے۔ قالؒ

نہ من سبوکش این دیر زہد سوزم و بس	بسا سرے کہ درین آستانہ سنگ سبوست

سبوکش محنت کشندہ ...... دیر زہد کنایہ از عشق کہ احوال زہد ظاہری را مغلوب سازد ...... سنگ و سبو صدمہ سید وبلا ...... یعنی اس عشق سے صرف میں ہی گرفتار بلا نہیں ہوا ...... بلکہ بہت سے گرفتار بلا ہو چکے ہیں ...... اشارہ اس طرف ہے کہ طریق محبت میں مصاعب ومتاعب سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ قالؒ

زبان ناطقہ در وصف حسن ادلال ست	چہ جای کلک بریدہ زبان بیہودہ گوست

قاعدہ مقرر ہے کہ تقریر سے ادائے مافی الضمیر ...... بہ نسبت تحریر کے زیادہ ممکن ہے ...... اور جس کی تعبیر زبان سے نہ ہو سکے تحریر سے بدرجہ اولے نہیں ہو سکتی ...... مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے کمالات نہ تقریر میں آسکتے ہیں ...... نہ تحریر میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق کے کلام میں جو کچھ محبوب حقیقی کی شان میں وارد ہوتا ہے اس کو عبارت کافیہ نہ سمجھا جائے ...... وہ ناتمام تعبیر ہوتی ہے ...... اس لئے نہ حق تعالیٰ سے اعتقاد خراب کرے ...... نہ عشاق سے فافہم۔ قالؒ

نہ این زمان دل حافظ در آتش طلب ست	کہ داغدار ازل ہمچو لالۂ خودروست

یعنی میرا عشق وطلب امر مستانف نہیں بلکہ مقدر ہے ...... اشارہ اس طرف ہے کہ کمالات میں اپنے اکتساب کو موثر نہ سمجھے ...... بلکہ حقیقی علت اس کی مشیت وموہبت ہے جیسے لالہ خودرو کہ مزروع نہیں ہوتا ...... محض قدرتی چیز ہے۔

غزل قالؒ

دل سرا پردۂ محبت اوست	دیدہ آئینہ دار طلعت اوست

طلعت بمعنی طلوع وظہور مراد آیات صنع وقدرت میں حیث آنہا آیات ...... یعنی دل محبوب حقیقی کی محبت سے ...... اور آنکھ اس کی آیات قدرت کے مشاہدہ سے لبریز ہے ...... اس میں ترغیب ہے تحصیل مقامات وعلوم محمودہ کی ...... کہ محبت مقام ہے ...... اور مشاہدہ آیات للاعتبار والاستدلال علم مطلوب ہے۔ قالؒ

منکہ سر در نیا ورم بدو کون	گردنم زیر بار منت اوست

حاصل اس کا یہ ہے کہ میں دونوں عالم کی طرف التفات نہیں کرتا...... اور اپنے محبوب کا ممنون ہوں...... اور اس کی دو تقریریں ہو سکتی ہیں...... ایک یہ کہ اول مصرع علت اور دوسرا معلول ہو...... دوسرے اس کا عکس...... یعنی چونکہ میں دونوں عالم سے مستغنی ہوں...... اس لئے محبوب کا ممنون ہوں...... کہ اس کی عنایت سے یہ نعمت میسر ہوئی...... یا یوں کہا جائے کہ چونکہ میں محبوب کا ممنون اور اس کا محبّ ہوں...... اس لئے دونوں عالم سے مستغنی ہوں...... اور اس استغناء و بے التفاتی سے مراد یہ ہے کہ درجہ استحضار میں اس کی طرف التفات نہیں...... ورنہ آخرت ایک درجہ میں مطلوب ضرور ہے...... گو بالعرض سہی چنانچہ کہا گیا ہے

ع عاشقان جنت برائے دوست میدارند دوست۔ قالؒ

تو وطوبے وماوقامت یار	فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

یہ خطاب ہے زاہد کو...... کہ تو جنت کا طالب ہے اور ہم محبوب حقیقی کے...... پس یہ شعر بھی قریب قریب شعر اول کے ہے...... اور گو جنت زاہد کو بھی مطلوب بالذات نہیں...... مگر ظاہر ہے کہ بہ نسبت عاشق کے زاہد کو جنت کا استحضار زیادہ ہے...... قالؒ

دور مجنون گذشت و نوبت ماست	ہر کسی پنج روزہ نوبت اوست

اس شعر کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں...... ایک یہ کہ کوئی شخص اپنی طلب و محبت پر مغرور نہ ہو...... کیونکہ عشاق ہر زمانہ میں ہوا کئے ہیں...... دوسرے یہ کہ ترغیب ہو تحصیل عشق کی...... کہ عشق و طلب کا چرچا ہر زمانہ میں رہا ہے...... تم کو بھی اس کی تحصیل میں سعی کرنا چاہئے...... تیسرے یہ کہ محبوب کا حسن دائم ہے اور عشاق فنا ہوتے چلے جاتے ہیں...... اور میرے نزدیک یہ تیسرا اقرب ہے۔

منکہ باشم درآن حرم کہ صبا	پردہ دار حریم حرمت اوست

قاصد کو باعتبار سبک روی و تبلیغ خبر کے صبا سے تشبیہ دیا کرتے ہیں...... کہ وہ بھی خفیف السیر و ناقل روائح و شمائم ہوتی ہے یہاں مراد ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام ہیں...... یعنی جب محبوب

حقیقی کی عظمت کا ادراک...... ومعرفت مرتبہ کنہ ذات میں ایسے مقدسین ومقربین کو حاصل نہیں ...... بلکہ وہ بھی پردہ کے باہر ہیں کما قال سید البشر علیہ صلوۃ لاتحصی ولا تحصر لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک...... اس میں تعلیم ہے کہ ذات من حیث الذات کا ادراک محال ہے...... اس کی فکر میں نہ لگے کما قالؒ۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین	کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

قالؒ

من و دل گر فنا شویم چہ باک	غرض اندر میان سلامت اوست

مطلب یہ ہے کہ اگر میں...... یعنی احوال جسمیہ از قبیل قوت ونشاط اور دل...... یعنی احوال قلبیہ از قبیل لذت وانبساط فانی وزائل ہوجائیں...... تو کچھ غم نہیں جیسا اکثر ناواقف احوال کو مقصود سمجھتے ہیں...... احوال قلبیہ کو بالذات اور جسمیہ کو ان احوال قلبیہ کی تحصیل کے لئے ...... اور ان کی کمی سے تنگ اور پریشان ہوتے ہیں...... اس شعر میں اس خیال کی غلطی ارشاد فرماتے ہیں...... کہ ان کا کچھ غم نہ کرنا چاہئے...... کیونکہ احوال اختیاری نہیں...... اور امور غیر اختیاریہ مقصود نہیں اصل مقصود تعلق وقرب محبوب ہے...... جو وابستہ ہے ذکر وطاعت کے ساتھ سلامت اوست سے یہی مراد ہے...... یعنی سلامت تعلق اوکمال قال العارف الرومی فی التوحید۔

جملہ شان پیدا او ناپیداست باد	آنکہ ناپیداست ہرگز کم مباد

ای از دل ما کذا فرو مرشدیؒ وفی ہذا المعنی قال الرومیؒ۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

روز ہا ای احوال ومواجید وغیرہا

بے خیالش مباد منظر چشم	زانکہ این گوشہ خاص خلوت اوست

مطلب ظاہر ہے کہ دوام ذکر ومشاہدہ کی تمنا کرتے ہیں...... اور چشم سے مراد بصیرت ہے بصر نہیں...... اور اس کو خلوت اس لئے کہا کہ قلب میں دوسرے کی گنجائش نہیں...... اور

بعض نسخوں میں خلوت کی جگہ دولت ہے ...... مراد ملک و حق۔ قالؒ

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

مطلب ظاہری تو یہ کہ حساد جو مجھ پر محبوب کے معاملہ میں تہمتیں لگاتے ہیں ...... تو میرا ملوث ہونا تو عجیب نہ تھا ...... مگر وہ تو پاک دامن ہے ...... اس سے استدلال ہوسکتا ہے ان تہمتوں کے کذب ہونے پر ...... اور بلسان اشارہ عجب نہیں ...... کہ ایک مسئلہ حقیقت کی طرف اشارہ ہو ...... جس کو اہل کلام نے بیان کیا ہے ...... وہ یہ کہ عبد سے جو صدور قبائح کا ہوتا ہے ...... اور اہل حق خالق ان قبائح کا حق تعالیٰ کو کہتے ہیں ...... اس سے کوئی نقص ذات حق میں لازم نہیں آتا ...... کیونکہ صدور قبائح کا قبیح ہے ...... جس سے عبد کو آلودہ دامن کہیں گے ...... اور وہ کچھ عجیب اور مستلزم محذور نہیں ...... لیکن خلق قبائح کا قبیح نہیں ہے ...... اس کی نزاہت باتفاق اہل ملل علی حالہا ہے۔

ہر گلے نو کہ شد چمن آرائے	اثر رنگ و بوی صحبت اوست

صحبت سے مراد تعلق تکوینی ...... مطلب یہ کہ جو کامل عالم میں ظاہر ہوتا ہے ...... وہ محبوب حقیقی کی صنعت کا طفیل ہے ...... یعنی کامل حقیقی وہی ہے ...... دوسرا کوئی قابل طلب و التفات نہیں ...... پس اس میں ترغیب ہوئی اعراض عما سواسے۔ قالؒ

فقر ظاہر مبین کہ حافظ را	سینہ گنجینۂ محبت اوست

مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ کی ظاہری بے سروسامانی سے ان کی تحقیر نہ کرے ان کے پاس بڑا خزانہ محبت و معرفت الٰہیہ کا موجود ہے۔

غزل

آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست	چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
گرچہ شیرین دہنان پادشہانندو لے	آن سلیمان زمان ست کہ خاتم با اوست
روی خوبست و کمال ہنرو دامن پاک	لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست
خال مشکین کہ بر آن عارض گندم گون ست	سر آن دانہ کہ شدر ہزن آدم با اوست

دلبرم عزم سفر کرد خدارا یاران	چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با اوست
با کہ این نکتہ تو ان گفت کہ آن سنگین دل	کشت مارا ودم عیسیٰ مریم با اوست
حافظ از معتقدان ست گرامی دارش	زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست

اس غزل کے شعر چہارم کی ترکیب محتاج تنبیہ ہے...... اس لئے لکھتا ہوں...... خال مشکین اپنے مابعد کی صفت سے مل کر مبتداء ہے...... اور مصرع ثانی اس کی خبر ہے...... اور با او میں ضمیر اور راجع ہے طرف مبتدا کے...... اور اس غزل کو ظاہر سے منصرف کرنا میرے نزدیک تکلف ہے...... ظاہر یہی ہے کہ یہ مضمون شاعرانہ ہے...... اور محبوب ظاہری کے باب میں ہے...... جو رنگ میں ملیح ہوگا...... اس میں اہل نظر کا ذوق مختلف ہوتا ہے...... بہر حال حاصل یہ ہے کہ میرا محبوب ملیح کہ تمام عالم کی شیرینی وحلاوت اس میں مجتمع ہے...... (یہ مبالغہ ہے) اس کے پاس یہ چیزیں ہیں...... چشم میگون...... لب خندان...... دل خورم (یعنی لوازم محبوبیت) اور وہ میرا محبوب...... اور محبوبوں سے وہ نسبت رکھتا ہے...... جو سلیمان علیہ السلام دوسرے سلاطین سے نسبت رکھتے ہیں...... میرے محبوب کی چونکہ صورت بھی اچھی ہے...... اور صاحب ہنر یعنی جامع صفات حمیدہ بھی ہے...... اور اس کے ساتھ عفیف بھی ہے...... اس لئے دونوں عالم کے پاکوں کی توجہ اس کی طرف ہے (یہ مطلب نہیں کہ دنیا والوں کی بھی اور ملکوت والوں کی بھی...... بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں جو دو طرح کے پاک لوگ موجود ہیں...... بعضے وہ جو دنیا دار کہلاتے ہیں...... اور محرمات سے بچتے ہیں...... اور بعضے وہ جو دیندار کہلاتے ہیں...... اور محرمات سے بچتے ہیں...... پس دونوں عالم والوں سے مراد اہل دنیا و اہل دین...... رہا یہ کہ جب ان کی توجہ اہل نفس کی طرف ہوئی...... تو وہ پاک کہاں رہے...... سو بات یہ ہے کہ توجہ کے اقسام مختلف ہیں...... ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا ہو...... وہ بے شک پاکی کے خلاف ہے...... اور ایک وہ جس میں شائبہ شہوت کا نہ ہو...... مگر طبعی امر ہے کہ شے مستحسن سے قلب کو انبساط ہوتا ہے...... اور شے مستقبح سے انقباض ہوتا ہے...... خواہ وہ غیر آدمی ہو جیسے صاف کپڑے کو دیکھ کر

فرحت ہوتی ہے...... اور میلے کپڑے کو دیکھ کر کدورت ہوتی ہے...... یا آدمی ہو جیسے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ایام شیر خوارگی میں بدشکل آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے...... پس اس توجہ سے مراد یہ انبساط ہے...... اور یہ پاکی کے خلاف نہیں...... مگر دونوں میں فرق کرنا سخت دشوار ہے...... بالخصوص اول نظر میں اس لئے عوام کو مطلق نظر والتفات سے روکنا واجب ہوگا...... اور چونکہ یہ دوسری توجہ شائبہ معصیت وشہوت سے پاک ہے ...... اور مخصوص ہے پاک لوگوں کے ساتھ...... اس لئے اگر اس استحسان کے ساتھ اس حسین آدمی میں اخلاق محمودہ اور عفت نہ ہو...... جن کا نہ ہونا مقتضی ہے پاک لوگوں کے تنفر وانقباض کو...... اور مانع ہے توجہ سے اس صورت میں وہ استحسان موجب توجہ ان حضرات کا نہ رہے گا...... بخلاف توجہ شہوانی کے کہ وہ اس صورت میں بھی ہوگی...... سو فرماتے ہیں کہ چونکہ میرا محبوب جامع حسن صورت وحسن سیرت کا ہے...... اس لئے پاک لوگوں کو اس کی طرف دوسری قسم کی توجہ ہے...... خوب سمجھ لیا جائے آگے فرماتے ہیں کہ اس کا وہ خال مشکین جو اس رخسارہ گندم گون پر ہے...... اس کی یہ شان ہے کہ جو دانہ آدم علیہ السلام کا رہزن ہوا تھا...... اس دانہ کا سرا اس خال سے ملا ہوا ہے...... (جس سے اس کا اس میں یہ اثر آ گیا ہے کہ یہ خال بنی آدم کا رہزن ہو گیا ہے...... کہ لوگ اس پر مفتون وشیدا ہوتے ہیں) اور میرے محبوب نے کہیں کے سفر کا ارادہ کیا ہے یاروخدا کے لئے بتلاؤ ...... میں اس دل مجروح کا کیا علاج کروں...... کہ اس کا مرہم تو (کہ کنایہ دیدار سے ہے) اس محبوب کے پاس ہے (اور وہ سفر میں جاتا ہے...... پھر یہ دل بے مرہم رہ جائے گا) اور یہ باریک مضمون کس سے کہا جا سکتا ہے...... کہ اس سنگین دل نے ہم کو قتل کر ڈالا...... حالانکہ انفاس مسیحائی اس کے پاس ہیں (جن کا مقتضا احیاء ہے...... اور اسی لئے اس کو باریک مضمون کہا...... کہ ظاہر جمع بین الضدین ہے...... کہ سبب احیاء سبب اماتت ہو جائے) حافظ تمہارے ماننے والوں میں ہے...... اس کی خاطر کیا کرو کیونکہ (علاوہ عقیدت مندی کے ایک اور سبب بھی اس کے اکرام کا ہے وہ یہ کہ) بہت سے بزرگ روحوں کی مہربانی اس کے حال پر ہے (اگر ان ارواح سے مراد ارواح حیاء ہیں تب تو معنی ظاہر ہیں کہ بہت سے اچھے

اچھے لوگ اس کی برز گداشت کرتے ہیں..... وہ ایسا برا آدمی نہیں ...... جس سے تم کو تنفر نہ ہو...... اور اگر ارواح اموات مراد ہیں تو یہ موقوف ہے اثبات فیضان ارواح پر...... جو اپنے محل میں ثابت ہے...... اور غیاث میں روح مکرم جبریل علیہ السلام کو لکھا ہے...... مگر لفظ بس چونکہ تعدد پر دال ہے...... معنی یہ ہوں گے کہ بہت سے جبریل صفت بزرگوں کی عنایت اس کے حال پر ہے...... اور اگر ان اشعار کو محبوب ظاہری سے منصرف کر کے کلام عارفانہ بنایا جائے تو غایت مافی الباب مرشد کو خطاب ہو سکتا ہے...... جس میں بعض اشعار بے تکلف درست ہو جاتے ہیں...... اور بعض کسی قدر تکلف سے جس میں زیادہ تامل کی ضرورت نہیں ...... اسی واسطے انطباق کی تقریر مفصل کی حاجت نہیں سمجھی گئی...... واللہ اعلم۔ مثلاً شعر اول میں سیاہ پردہ سے اشارہ ہوگا کہ کمالات اس مرشد کے نظر عوام سے مستتر ہیں...... جیسا حسن ملیح کا کہ خفی ہوتا ہے...... بمقابلہ حسن صبیح کے یا اس وجہ سے کہ حسن ملیح بہ نسبت حسن صبیح کے متمکن ہوتا ہے...... اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف...... اور مثلاً شعر چہارم میں خال مشکین سے مراد لوازم بشریت...... جو ناشی ہیں ظلمات ہیولی سے سو بشر کامل میں لوازم بشریت کا خلط صفات ملکوتیہ کے ساتھ عجب لطف دیتا ہے...... بہ نسبت ملکیت محضہ کے...... کیونکہ صفات ملکیہ کا ظہور باوجود موانع کے دلیل زیادہ کمال کی ہے۔

غزل

دارم امید عاطفے از جناب دوست	کردم جنایتے وامیدم بعفو اوست
دانم کہ بگذرد ز سہ جرم من کہ او	گرچہ پری وشست ولیکن فرشتہ خوست

یہ دونوں شعر مقام رجا کے ہیں...... کہ مجھ کو حضرت محبوب حقیقی سے امید رحمت کی ہے ...... میں نے گناہ تو کیا ہے لیکن اس کے عفو کی امید ہے...... میں جانتا ہوں کہ وہ میرے جرم سے درگزر فرمائے گا...... کیونکہ اگرچہ اس میں صفات جلالیہ وقہریہ بھی ہیں...... لیکن ساتھ ہی صفات جمالیہ ولطفیہ بھی ہیں...... (پری چون از نار باشد کہ مہلک است کنایہ از قہر شد وفرشتہ چون از نور باشد کہ مربی ست کنایہ از لطف شد)۔

بے گفتگوی زلف تو دل را ہمی برد	با زلف سرکش تو کراروی گفتگوست

زلف کنایہ از جذبہ غیبی و گفتگو کنایہ از دعوی استحقاق...... یعنی کوئی شخص اس قابل نہیں کہ استحقاق انجذاب کا دعویٰ کرے...... کیونکہ کسی کے پاس ایسا عمل نہیں...... محض آپ کا فضل ہے کہ جس پر عنایت ہوتی ہے...... اس کو مجذوب فرمالیتے ہیں...... ویویدہ من الحدیث قولہ علیہ السلام مامنکم احد یدخل الجنة بعمله قالت عائشةؓ ولا انت یا رسول الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا انا الا ان یتغمد نی الله برحمته اھ اور بعض نسخوں میں باروی دلکش ہے...... اشارہ ہوگا طرف قرب و مشاہدہ مقصود کے...... یعنی اگر جذب نہ ہوتا تو مشاہدہ ووصول کا مستحق اور مدعی کون ہوسکتا تھا...... محض آپ کا جذبہ ہی موصل ہے۔

عمریست تا ز زلف تو بوی شمیدہ ایم	زان بوی درمشام ماہنوز بوست

حاصل یہ ہے کہ جب سے ہم عاشق ہوئے ہیں...... وہ عشق بحالہ باقی ہے...... اس میں تغیر وزوال نہیں آیا...... اشارہ ہے اس مسئلہ کی طرف الفانی لا یرد۔

ہیچ است آن وہان کہ ندیدم ازو نشان	موئیست آن میان ندانم کہ آنچہ مویست

وہاں ومیان کنایہ از صفات ست...... وہان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہرست ...... چنانچہ درحزب اعظم ست...... اسئالک باسمک الذی وضعته علی الارض فاستقرت وعلی السموات فاستقلت وعلی الجبال فرست واسالک باسمک الذی استقربه عرشک وباسمک الذی وضعته علے النهار فاستنارو علی اللیل فاظلم دومیان از صفاتیکہ آثارش در مصنوعات ظاہر نیست کہ بسیاری ازہما وصفات درعلم غیب خاص مخزون ومکنون است چنانچہ در حصن حصین آمدہ۔ اسلک بکل اسم هولک سمیت به نفسک اوا نزلته فے کتابک او علمته احدا من خلقک اوا ستاثرت به فی علم الغیب عندک. ولایرد علی عدم ظهور بعض الاسماء والصفات مایقال ان الاسماء جمیلة یقتضی الظهر

فان المراد هی الاسماء التی ظهرت اثار هافی الاکوان لان هذا القول یقال لبیان حکمة وجود الاکوان فیختص بالاسماء التی لها دخل فی هذا الوجود وهذا لاقتضا وللظهور لیس اضطرار یابل هوداخل تحت المشیة فما اراد اقتضاء ہ اقتضی ومالا فلافافهم فان المقام مطرح الانظار ومزل الافکار والله اعلم بحقائق الاسرار. مطلب یہ ہوا کہ صفات حق سبحانہ وتعالیٰ کنہ کسی کو مدرک نہیں ہوئی...... جو کچھ علم ہے بالوجہ ہے...... یہ مسئلہ تصوف وکلام میں مشترک ہے۔

دارم عجب از نقش خیالش کہ چون نرفت	از دیدہ ام دمبدمش کارشست وشوست

ترجمہ ظاہر ہے...... اشارہ اس طرف ہے کہ محبت جب دل میں رچ جاتی ہے...... پھر اس کا زوال نہیں ہوتا...... جیسا حدیث میں ہے کذلک الایمان اذا خالط بشاشته القلوب...... اور رونے سے جو کچھ جوش میں کمی معلوم ہوتی ہے...... وہ بعض آثار عارضہ میں ہوتی ہے محبت میں نہیں۔

چندان گریستم کہ ہر آنکس کہ برگذشت	از دیدہ ام چودیدروان گفت این چہ جوست

قولہ برگذشت ای برمن...... قولہ چودیدروان ای اشک را باقی ظاہرست...... اس میں اشارہ ہے بعض الوان محبت کی طرف کیونکہ اہل محبت میں سے کسی پر شوق کا غلبہ ہوتا ہے...... کسی پر انس کا کسی پر ہیبت کا کسی پر حزن کا...... عجب نہیں کہ صاحب دیوان پر غلبہ شوق کا ہو جس سے گریہ غالب رہتا ہو۔

ماسر چوگوی برسر کوی تا باختیم	واقف نشد کہ کسی کہ چہ گویست وانچہ کوست

اس میں یا تو اس طرف اشارہ ہے...... کہ بعض الوان محبت کا کسی کو ادراک نہیں ہوتا...... جیسے اکثر منتہیوں کی حالت ہوتی ہے...... کہ غایت لطافت وعلو احوال باطنیہ کے سبب عوام سے بھی ممتاز نہیں ہوتے...... وہذا احد وجود قولہم فی تفسیر النہایۃ ہی الرجوع الی البدایۃ...... اور یا اس طرف اشارہ ہے کہ مطلقا نسبت بین الاعبد و بین اللہ کی کنہ دوسرے شخص کو مدرک نہیں ہوتی...... گو بعض میں بعض آثار کا بعض کو ادراک ہو جائے...... وہذہ

النسبۃ ہی الولایۃ التی قبل فیہا ۔

میان عاشق و معشوق رمزیست	کراما کاتبین راہم خبر نیست
۔ حافظ بدست حال پریشان تو و لے	بریاد زلف یار پریشانیت نکوست

یعنی گو یہ پریشانی ظاہراً قبیح معلوم ہوتی ہے......لیکن اس کی یاد میں یہ مستحسن ہے...... اشارہ اس طرف سے کہ سالک قبض سے اور بعض احوال وواردات سے گو بہت تنگ و پریشان ہوتا ہے......حتیٰ کہ بعض نے خودکشی تک کرلی ہے......لیکن واقع میں وہ اسکے حق میں بہتر ہے......یا تو اس لئے کہ انجام اس کا بسط و جمعیت ہے......اور یا اس لئے کہ قطع نظر انجام سے......خود وہ اپنی ذات میں بھی اس کے لئے مصلحت ہے......کیونکہ خود سالک کو معلوم نہیں ہوسکتا......کہ میری تربیت کس طریق سے مناسب ہے......حق تعالیٰ حقائق امور پر مطلع ہیں......جس طرح اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے......اس کی تربیت فرماتے ہیں ......مثلاً ممکن ہے کہ بسط سے اس کو عجب ہوجاتا......اور قبض سے تذلل و انکسار ہوگا ......بالکل طبیب و مریض کا سا قصہ ہے۔

غزل

آن شب قدری کہ گویند اہل خلوت امشب ست	یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکب ست

ظاہراً یہ شعر حالت بسط کا ہے......اور گو بسط فی نفسہ مطلوب نہیں......لیکن اس پر مسرت ہونا امر طبعی ہے......اور امور طبعیہ کا حالت کمال میں بھی انفکاک نہیں ہوتا......اور دوسرے مصرع میں کہ بعنوان تعجب سے اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے......کہ واردات کو اپنا استحقاق اور اپنے اعمال و طاعت کا ثمرہ نہ سمجھے......بلکہ اپنے کو اس کا اہل نہ سمجھ کر خدا تعالیٰ کا فضل جانے......جیسا تعجب سے معلوم ہوسکتا ہے......اور نسبت کرنا کوکب کی طرف ......بناء علی المشہور شاعری ہے۔

تا بگیسوی تو دست ناسزایان کم رسد	ہر دلے در حلقۂ درذ کر یارب یارب ست

ترجمہ کا حاصل تو یہ ہے...... کہ اے محبوب تیرے ہر حلقہ زلف میں جو عشاق کے قلوب پھنس رہے ہیں...... وہ یارب یارب کے ذکر میں اس لئے مشغول ہیں...... کہ تیرے گیسو تک نا اہلوں کا ہاتھ نہ پہنچے...... اور اس نام کی برکت سے وہ محفوظ رہے...... یا یہ کہ مقصود اس یارب سے یہ دعا ہے کہ یارب ناسزایان را دسترس بگیسوی محبوب مباد تو توجیہ اور بھی ظاہر ہے...... اور اشارہ اس معنی کی طرف ہوسکتا ہے کہ طریق وصول میں جو طالبین کے لئے اسباب ہدایت ہیں...... وہ معاندین کے لئے سامان ضلالت ہیں...... **کما قال تعالی یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا وقال تعالی فاما الذین امنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون واما الذین فی قلوبهم مرض فزادتهم رجسا الی رجسهم.** تقریر کلام کی یہ ہوگی...... کہ حق تعالی کے طالبین ومحبین ومومنین...... جو ذکر وطاعت میں مشغول ہیں...... معترضین و معاندین وکفار جو کہ نا اہل ہیں...... اس کو دیکھ کر ان کر اور بھی حق سے بعید ہوتے جاتے ہیں...... پس اس سببیت کو مبالغۃً بعنوان غایت بیان کردیا...... کیونکہ ظاہر ہے کہ طاعت وایمان کی غایت تو یہ نہیں ہے...... کہ دوسرے گمراہ ہوں...... لیکن چونکہ بواسطہ یہ اس کی طرف مفضی ہوجاتا ہے...... پس گویا مشابہ اس کے ہوگیا کہ گویا اسی غرض سے طاعت وایمان میں مشغول ہیں...... اور اس مسئلہ کے اظہار سے اس تعلیم پر تنبیہ ہوگئی...... کہ ایمان وطاعت وذکر وغیرہ کو اپنے علم واستعداد کی طرف منسوب نہ کرے...... کیونکہ اگر یہ امور علت تامہ ہوتے تو کفار میں معلول کیسے تخلف ہوتا...... بلکہ محض حق تعالی کی نعمت اور اس کا فضل سمجھے۔

کشتۂ چاہِ زنخدان توام کز ہر طرف	صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب ست

صد ہزار مبتدا وشین مضاف الیہ...... جان راجع بصد ہزار و مابعد او خبر وے یعنی صد ہزاران...... مردم چنین ست کہ گردن جان ایشان زیر طوق غبغب ست مطلب یہ کہ چونکہ لاکھوں تیرے عشق میں گرفتار ہیں...... میں بھی گرفتار ہوں...... اگر یہ ترتب محض ذکری باعتبار تقدم وتاخر وجود کے ہے...... تب تو توجیہ ظاہر ہے...... اور اگر ترتب علیہ ہے تو اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے...... کہ عاشق کو دیکھ کر بھی عشق پیدا ہوجاتا ہے...... اور ایک ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ شین مضاف الیہ غبغب کا ہو...... راجع بہ زنخدان باضافۃ بیانیہ یعنی صد ہزاران

گردن جان زیر طوق غبغب آن چاہ زنخدان ست۔

تاب خوی برعارضش بین کافتاب گرم رو	درہواے آن عرق تاہست ہرروزش تب ست

تاب فروغ...... خوی عرق...... عارض رخسارہ...... قاعدہ ہے کہ محبوب کے چہرہ پر پسینہ آنے سے حسن افزون معلوم ہوتا ہے...... مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب...... اس کے حسن کو دیکھو کہ جب سے آفتاب اس عرق عارض کے عشق میں مبتلا ہوا ہے...... اس کو گرمی عشق سے تپ ہوگئی ہے...... حاصل یہ ہے کہ محبوبان مجازی حسن و جمال میں محبوب حقیقی کے سامنے کالعدم ولاشئے...... اوراپنی صفت میں اس کی طرف مفتقر ہیں...... غرض اس سے یہ ہوسکتی ہے کہ طالب حقیقت کو ماسوے اللہ سے استغناء چاہئے...... قال الشیخ الشیرازی۔

برعاشقان جز خدا ہیچ نیست

اندران موکب کہ برپشت صبابندزین	باسلیمان چون برانم من کہ مورم مرکب ست

ترجمہ لفظی یہی ہے کہ جو جماعت...... کہ پشت صبا پرزین باندھنے والے...... یعنی چلنے والے ہیں...... اس جماعت میں سلیمان علیہ السلام کی برابری...... مجھ جیسے شخص سے جس کی سواری ایک مورضعیف ہے...... کب ہوسکتی ہے اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے...... کہ عشاق گرم رو عالی ہمت کے مجمع میں عارف کامل کی برابری مجھ کو ہمت کم قوت سے کب ہوسکتی ہے...... اس میں تعلیم ہے کہ خواہ آدمی کیسا ہی صاحب کمال ہوجائے...... مگر کاملین سے بالخصوص مرشد سے اپنے کو ہمیشہ کمتر سمجھے...... نہ مثل کم ظرفوں کے کہ اپنے کمال کے معتقد ہوکر سب سرمایہ برباد کرلیتے ہیں۔

شہسوارمن کہ مہ آئینہ دارروی اوست	تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب ست

شہسوارمع مضاف الیہ...... وصفت مبتداومصرع ثانیہ خبراو...... وآئینہ دارخادمیکہ خدمت آئینہ سپرداوباشدمثل موتراشان...... مطلب یہ کہ میرا وہ شہسوار کہ چاند اس کا خادم اور غلام ہے...... ایسا ہے کہ تاج خورشید اس کے نعل مرکب کی خاک ہے...... اس سے بھی مثل شعر تاب خوی برعارضش الخ...... کے وہی محبوب حقیقی کامحتاج الیہ...... اورمحبوبان مجازی کامحتاج ہونامقصود ہے۔

آب حیوانش زمنقار بلاغت می چکد	زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب ست

ش مضاف الیہ بلاغت وراجع بسوی زاغ ...... ودر کلام تقدیم وتاخیر ست ...... یعنی زاغ کلک من چہ عالی مشرب ست کہ آب حیوان از منقار بلاغتش میچکد وبنام ایزد برای تعظیم میگویند ...... وتشبیہ کلک بزاغ شاید کہ باعتبار سیاہی باشد ...... ترجمہ لفظی ظاہر ہے ...... مقصود معنوی یہ ہوسکتا ہے ...... کہ میرا قلم نہایت بلند رتبہ ہے کہ اس سے مضامین حقائق و معارف سرزد ہوتے ہیں ...... اس میں ترغیب وتحسین ہے ...... اس فن شریف کی تاکہ اس کو حاصل کریں ...... کیونکہ علم ہی زینہ عمل ہے ...... اورصوفی جاہل مسخرہ شیطان ہے۔

من نخواہم کرد ترک لعل یار وجام می	زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب ست

مطلب یہ ہے کہ ...... مجھ سے طریق عشق ترک نہ ہوگا ...... زاہد لوگ مجھ کو معذور سمجھیں ...... یہ بات مقرر ہے کہ وصول الی اللہ کے طرق حسب اختلاف استعداد مختلف ہیں ...... ان میں ایک طریق زہد کا ہے ...... ایک طریق غلبہ وشورش عشق کا ہے ...... اس لئے ایک کو دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں ...... مگر یہ سب طرق دائرہ شریعت سے خارج نہیں ...... کہ اس سے خروج ضلالت وخسران ہے۔

آنکہ ناوک زیر چشمی بردل حافظ زند	قوت جان حافظش درخندۂ زیرلب ست

قوت بروزن حوت غذا وشین مضاف الیہ لب ...... حاصل مطلب یہ کہ اگر محبوب کی تجلی جلالی سے میں کشتہ ہوجاتا ہوں ...... جیسا قبض میں ...... تو اس کی تجلی جمالی سے زندہ بھی ہوجاتا ہوں ...... جیسا بسط میں ...... پس اس میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ دونوں حالت میں راضی رہے کہ دونوں میں اسی کے ساتھ نسبت ہے ...... قال العارف الرومیؒ۔

چونکہ قبض آمد تو دروے بسط بین	تازہ باش وچین میفگن برجبین

غزل

سینہ ام زآتش دل درغم جانانہ بسوخت	آتشی بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت

تنم از واسطۂ دوری دلبر بگداخت	جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت

ان اشعار میں بعض آثار عشق کے بیان کئے گئے ہیں...... جو بعض احوال میں بسبب حزن یا شوق یا قبض...... کے پیش آتے ہیں اور ترجمہ ظاہر ہے۔

ہر کہ زنجیر سر زلف پریروے تو دید	شد پریشان و دلش برمن دیوانہ بسوخت

اس میں بیان ہے اس کا کہ جو خود عشق میں مبتلا ہوتا ہے اس کو دوسرے عشاق کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور جو اس سے بے بہرہ ہیں...... وہ عشاق پر اعتراض کیا کرتے ہیں...... اور ترجمہ ظاہر ہے۔

سوز دل بین کہ زبس آتش واشکم دل شمع	دوش برمن زسر مہر چو پروانہ بسوخت

آتش سے مراد سوختگی اور اشک سے مراد گریہ۔ اس میں بیان ہے اپنی عاشقی کی شدت تاثیر کا۔ یعنی میری سوختگی وگریہ کی کثرت سے وہ لوگ بھی متاثر ہوئے جو خود دوسروں کے دلربا ومحبوب ہیں اور یہ شعر بالا کے معارض نہیں کیونکہ علم بالکنہ عشق کا تو عاشق ہی کو ہوتا ہے اور علم بالوجہ غیر عاشق کو بھی ہوسکتا ہے اور مطلق تاثر وترحم کے لئے علم بالوجہ بھی کافی ہے۔

چون پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست	چون صراحی جگرم بے مئے وپیانہ بسوخت

مراد توبہ سے ضبط کرنا اور ظاہر نہ کرنا آثار عشق کا۔ اور می وپیمانہ سے مراد اسباب عشق جیسے اس کا تذکرہ وچرچا۔ مطلب یہ کہ بعض ناصحین کے کہنے سے جو اسباب ترقی عشق کو ترک کیا اور آثار عشق کے ظاہر ہونے سے اپنے کو ضبط کیا تو میرا دل پیالہ کی طرح پاش پاش اور میرا جگر خشک صراحی کی طرح تفتہ ہوگیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض احوال میں ضبط مقدور یا مناسب نہیں ہوتا۔ والتفصیل لیس ہذا محلہ۔ اور پیالہ وصراحی کے جمع کا لطف شاعرانہ ظاہر ہے۔

ماجرا کم کن وباز آ کہ مرا مردم چشم	خرقہ از سر بدر آوردو بشکرانہ بسوخت

خرقہ از سر برآوردن کنایہ ہے بے حیا بن جانے سے۔ جس طرح ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص نے تو بالکل کپڑے ہی اتار کر رکھ دیئے یا فلاں شخص تو بالکل ننگا ہی ہوگیا یا فلاں شخص نے ایسی حرکت کی کہ دیکھنے والوں کے کپڑے سے اترے جاتے تھے یعنی

ایسا انقباض ہوتا تھا جیسے کپڑے اترنے سے ہوتا ہے اور چونکہ اکثر حیا کی نسبت آنکھ کی طرف ہوتی ہے اس لئے سر برآوردن کی اسناد مردم چشم کی طرف کی گئی۔ اس میں خطاب ہے ملامت گر کو یعنی تم مجھ سے زیادہ بحث نہ کرو اور اپنی حالت اصلیہ کی طرف کہ سکوت ہے رجوع کرو کیونکہ میں نے تو حیا و شرم کا لباس اتار کر حصول عشق کے شکرانہ میں جلا پھونک دیا ہے تو تمہاری ملامت در باب عشق کے مجھ کو کارگر نہ ہوگی۔ یہاں حیا و شرم سے مراد ننگ و ناموس دنیوی ہے جو عشق سے زائل ہو جاتی ہے کما قال الرومیؒ ۔

شاد باش اے عشق خوش سودای ما	وی طبیب جملہ علت ہای ما
ای دوای نخوت و ناموس ما	ای تو افلاطون وجالینوس ما

اور سوختن کو شکرانہ سے مناسبت یہ ہے کہ اکثر عوام عزیزوں کے آنے کے وقت دفع نظر بد کے لئے اس پند و وغیرہ جلاتے ہیں سو فرماتے ہیں کہ میں نے حیا و شرم کو اس خوشی میں جلایا اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا یعنی وہ مزیل ننگ ونخوت ہے۔

آشنای نہ غریب ست کہ دلسوز من ست	جون من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت

غریب بمعنی عجیب و بعید و تقدیر کلام چنین ست کہ عجیب و بعید نیست کہ آشنا دل سوز من ست الخ۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی میرا ہم مذاق میرا دل سوز ہو تو تعجب نہیں میں تو جب مغلوب عشق ہوا جو لوگ اس مذاق سے اجنبی تھے یعنی عاشق نہ تھے وہ بھی دلسوزی نہ کرنے لگے۔ اس کی شرح میں اس غزل کے شعر سوم و چہارم سے مدد لینا چاہئے۔

خرقۂ زہد مرا آب خرابات ببرد	خانۂ عقل مرا آتش خمخانہ بسوخت

خرقہ زہد زہد ریائی و آب خرابات شراب مراد عشق۔ و مراد از عقل عقل معاش۔ و آتش خمخانہ شراب کنایہ از عشق۔ ترجمہ اس کا ظاہر ہے اور مطلب مثل شعر ششم اس غزل کے ہے۔

ترک افسانہ بگو حافظ و می نوش دمے	کہ نخوردیم مے و شمع بافسانہ بسوخت

یعنی دنیا کی فضول قیل و قال کو ترک کرو اور محبت الٰہی حاصل کرو کہ اب تک اسی زق زق بق بق میں شمع عمر گداختہ ہوگئی اور محبت الٰہی حاصل نہ کی۔ اس میں ارشاد تعلیم ہے ترک

ماسوی اللہ اور اشتغال باللہ کا اور ترغیب وتخصیص ہے توبہ پر اور بعض نسخوں میں بجای نخوردیم می کے نخفتیم شب ہے یعنی شب بسبب افسانہ پردازی نخفتیم ای از گفتگوی بے حاصل نیارمیدیم ای دلرا بترک تعلقات دینویہ آرام ندادیم وعمررا بر بادکردیم۔

غزل

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست	در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

ترجمہ ظاہر ہے۔ مقصود تعلیم ہے کہ معترض مدعی سے دلگیر نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے اعتراض کو محمول عدم علم پر کرنا چاہئے راز اس تعلیم میں یہ ہے کہ اعتراض کی طرف ملتفت ہونا اور اس کے جواب میں مشغول ہونا مانع طریق ہے۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست	بر صراط مستقیم ای دل کسی گمراہ نیست

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اعتقاداً وعملاً صراط مستقیم پر ہو کہ وہ امر اختیاری وقصدی ہے پھر حالاً اس کو خواہ کوئی امر پیش آئے قبض یا بسط۔ جمعیت یا تشویش۔ ذوق یا بے ذوقی وغیر ذلک جو کہ امور غیر اختیاریہ ہیں ان سب میں خیر ہے اور یہ دلیل ضلالت عن الطریق نہیں کیونکہ جن امور کا انسان مکلّف نہیں وہ اسباب قرب وبعد وقبول ورد نہیں ہیں اور غیر اختیاری کا مکلّف نہیں۔

تا چہ بازی رخ نماید بیذقی خواہیم راند	عرصہ شطرنج رندان رامجال شاہ نیست

بیذق نام مہرہ شطرنج کہ آنرا پیادہ ہم گویند۔ وشاہ دادن وشہ دادن مغلوب کردن۔ وعرصہ شطرنج بساطے کہ بردبازی کنند۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے انکار واعتراض وملامت سے میں بے دل نہ ہوں گا اپنے کام میں لگا رہوں گا اور گو میرا عشق اور طاعت ناتمام اور ادنیٰ درجہ کی ہو جیسا شطرنج میں بیذق مگر میں اسی پر ثبات ودوام رکھوں گا کچھ تو ثمرہ ظہور کرے ہی گا اور معترضین ومعاندین کی مجال نہیں کہ عشاق کو شہ دیسکیں یعنی ان کو بیدل اور مغلوب کرسکیں۔ اس حکایت میں تعلیم ہے اہل سلوک کو تحمل واستقلال وصبر اور عدم التفات الی الخلاف اور رجاء حصول مقصود اور اپنے مجاہدہ کو ناتمام اعتقاد کرنے کی۔ اور لفظ رخ لالے میں جو لطافت شاعری ہے ظاہر ہے۔

این چہ استغناست یارب این چہ داور حاکم ست	کاین ہمہ زخم نہان ست ومجال آہ نیست

اول تین مقدمے سمجھ لئے جائیں پھر شرح شعر کی صاف ہو جائے گی۔اول غلبہ عشق کا مقتضا ہے طلب تعجیل وصول اور اس میں تاخیر ہونے سے جو کہ مبنی ہے حکمت پر طبعاً وہ دل تنگ ہوتا ہے۔دوم عشق میں جس قدر اس کے آثار سوزش وفریاد کو ضبط کیا ہمارے نفع زیادہ ہوتا ہے گو اظہار میں بھی معذور ہے مگر بوجہ انفع ہونے ضبط کے گویا وہ ایک درجہ میں مطلوب اور مامور بہ ہے۔سوم شدت ضبط کے بعد بعض اوقات بیتابی بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں اگر کوئی کلمہ بصورت شکوہ نکل جائے معنی بے ادبی نہیں وفیہ قال العارف الرومی ؎

گفتگوی عاشقان درکار رب	جوشش عشق ست نے ترک ادب

اب مطلب شعر کا سمجھئے فرماتے ہیں کہ یہ کیسا استغناء ہے کہ ہم طلب میں مررہے ہیں اور محبوب کو جیسا التفات ہماری تمنا ہے کہ جلدی وصال میسر ہو نہیں ہوتا کما بین فی المقدمۃ الاولی اور کیسا زبردست حاکم ہے کہ اندر ہی اندر عشق کے زخم لگ رہے ہیں اور ضبط کی تاکید ہے کما بین فی المقدمۃ الثانیۃ اور استغناء وغیرہ کلمات کا لانا غایت بیتابی سے ہے کما بین فی المقدمۃ الثالثۃ۔ہکذا ینبغی ان یفہم المقام کما افہمنی العزیز العلام۔اور بعض نسخوں میں داور حاکم کی جگہ نادر حکمت ہے ؎

چیست این سقف بلند سادۂ بسیار نقش	زین معما ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست

سقف بلند سے مراد آسمان اور سادہ کہنا بناء علی القول المشہور لاہل الہیئۃ ہے کہ وہ ثوابت کو فلک ثامن پر کہتے ہیں اور سیارات کو دوسرے افلاک پر ایک ایک سیارہ ایک ایک فلک پر جس میں اس آسمان دنیا پر صرف قمر ہے سو اتنے بڑے کرہ میں ایک کوکب کا ہونا عادۃً منافی اس کی سادگی کے نہیں اور بسیار نقش کہنا باعتبار مرئی ہونے کے ہے یعنی دیکھنے میں سب کواکب اسی پر نظر آتے ہیں سو توجیہ کلام کے لئے بناء ضعیف بھی کافی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظؒ قول اہل ہیئت کے معتقد ہوں کیونکہ وہ خود اسی شعر میں تصریحاً آگاہ نیست کا حکم لگا رہے ہیں۔ترجمہ لفظی تو اس شعر کا ظاہر ہے مگر مقصود مسوق لہ الکلام میں گفتگو

ہے۔ مشہور شراح میں یہ ہے کہ جمع حوادث را بگردش چرخ منسوب دارند چون بنظر حقیقت دیدہ شود این بیچارہ محکوم امرا دست و چون بمعرفت ان کسے را راہ نیست کہ این چہ نسبت باد چراپس این معمائے ست کو ہیچ کس را فہم اوراہ نیست اھ لیکن احقر کا مذاق اس کو قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ قول محض نجومیوں کا ہے کہ سب حوادث آسمان کی طرف منسوب ہیں باقی کوئی دانا اس کا قائل نہیں اور نجومیوں کا حکماء میں شمار نہیں پس یہ کہنا کہ ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست اس صورت میں نہیں بنتا پھر یہ کہ چیست کہنے سے ظاہراً نفی علم ماہیت کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ نسبت حوادث کی پھر جب کوئی دلیل عقلی ان احکام نجومیہ پر قائم نہیں اور اس لئے دلائل عقلیہ میں تعارض نہیں تو اس کا معما کہنا کیا معنی پس احقر کے نزدیک حاصل اس کا یہ ہے کہ طالب حق کو ارشاد فرماتے ہیں کہ علویات کی تحقیق میں سر کھپانا جیسا اکثر لوگوں کو اسرار ملکوت ولاہوت کی تحقیق کا شوق ہوتا ہے بیکار ہے یہ اسرار تو بہت عالی و غامض ہیں علویات میں جو اجسام اور مادی ہیں ان ہی کی حقیقت عقلاء کو آج تک مدرک نہیں ہوئی مثلاً آسمان ہی کو کسی نے موجود وہمی کہا کسی نے موجود حقیقی کسی نے سیال کہا کسی نے صلب پس طالب حق کو اپنے کام میں لگنا چاہئے اور جیسے عقول ان احکام فلکیہ میں متحیر ومتعارض ہیں اسی طرح مکاشفات ان اسرار میں متحیر ومتعارض ہیں۔ غرض جو چیز ہماری حس اور دلیل عقلی قطعی اور نقل صحیح سے بعید اور بالاتر ہے اس میں خوض کو ترک کرنا چاہئے **من حسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه. ولا تقف مالیس لک به** علم کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں۔

صاحب دیوان ما گویا نمی داند حساب	کاندرین طغرا نشان حسبۃ للہ نیست

نشان حسبۃ للہ نشانیست کہ اہل دیوان برائے غربا ومساکین رعایا در دیوان می نویسند۔ وطغرا نشانیکہ بر بالای دفتہ در خط پیچیدہ باشد مراد دفتر اطلاقاً للجزء علی الکل۔ شراح نے تو اس کے معنی عجیب وغریب کہے ہیں اے معشوق ما گویا حساب نمی داند کہ در دیوان عشق بر عاشقان بے چارہ ترحم نہ میفرماید۔ اس تقریر کو اگر محبوب مجازی پر چسپاں کیا جائے تو مضائقہ نہیں لیکن سیاق وسباق سے یہ بعید ہے کہ دونوں میں بیان ہے حقائق تصوف کا۔ اور اگر محبوب حقیقی پر منطبق کیا جائے تو گو مثل شعر چہارم یہاں بھی توجیہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن

اس کے الفاظ اس سے زیادہ موحش ہیں کہ گنجائش تاویل کی نہیں رکھتے اس لئے احقر کے مذاق میں یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ مراد صاحب دیوان سے محتسب ظاہر پرست ہو جو اہل حال صادق کے عذر کو نہیں جانتا اور ان پر بھی داروگیر کرتا ہے کہ احتساب بھی ایک قسم کا حساب ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے محتسب صاحب کے یہاں تاویل وعذر وترحم کا باب ہی نہیں ہے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں۔اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل عذر کو معذور رکھنا اور ان کو نشانہ اعتراض نہ بنانا ضروری ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو	گیرودارو حاجب ودربان درین درگاہ نیست

مطلب یہ کہ جس کا جی چاہے درگاہ حق کی طرف آ جائے اور اس کی محبت ومعرفت اختیار کرے جس کا جی چاہے اعراض کرے یہاں نہ کوئی آنے کو روکے نہ جانے کو ٹوکے پس گویا یہ شعران آیات کی شرح ہے۔قال تعالی . من جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغنى عن العالمين . وقال تعالى من عمل صالحا فلنفسه ومن اسآء فعليها. وقال تعالے ان تكفروا فان الله غنى عنكم. وقال تعالى من ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا . پس اس میں ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنے مجاہدہ پر مغرور نہ ہو حق تعالیٰ کا کوئی نفع وضرر نہیں ہر شخص اپنے لئے کر رہا ہے۔

ہر چہ است از قامت ناساز بے اندام ماست	ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بے اندام بے زیب وناموزوں چہ اندام درلغت بمعنی زیبائی وآراستگی ست شیخ سعدیؒ گفتہ

سرور اباقامت زیبا کہ ہست	پیش اندام تو ہیچ اندام نیست

مطلب شعر کا یہ ہے کہ ہمارا جو کچھ حرمان ہے اپنے اعمال کی کمی سے ہے ورنہ محبوب حقیقی کی طرف سے تو کسی کے لئے بھی دریغ نہیں۔اس میں ارشاد ہے کہ اپنے اندر کمی پانے سے محبوب حقیقی کا شکوہ دل میں نہ لائے بلکہ اپنے اعمال کی طرف منسوب کرے بہت سے سالک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کسی حالت مقصودہ میں کمی دیکھتے ہیں تنگ ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح نہیں کرتے۔

بردر میخانہ رفتن کاریکر نگان بود	خودفروشان را بکوی می فروشان راہ نیست

بردر میخانہ رفتن شراب نوشیدن مراد حصول دولت عشق۔ دیکر نگان مخلصان۔ وخود فروشان ریا کاران و مقابلہ اش با یکرنگان باین معنی ست کہ درریا کار دورنگ باشد معبود خدارامی داند ومقصود خلق را ومیفروشان اہل عشق۔ مطلب ظاہر ہے کہ حصول دولت عشق اخلاص پر موقوف ہے ریا کاروں کا وہاں تک گزر نہیں للمنافاۃ بینہما وجہ یہ کہ لوازم عشق سے ہے غیر کو نظر انداز کرنا اور ریاء میں خود غیر ہی مطمح نظر ہے۔اس میں تعلیم ہے اخلاص کی۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم ست	ورنہ لطف شیخ وزاہد گاہ نیست وگاہ نیست

زاہد سے مراد وہ شخص جو صرف اصلاح اعمال ظاہری کا طریقہ بتلاتا ہو۔شیخ سے مراد وہ شخص جو اصلاح اعمال باطنی کا طریقہ بھی بتلاتا ہو مگر نسبت عشقیہ اس پر غالب نہ ہو۔اور پیر خرابات سے مراد وہ جو دونوں اصلاحوں کے ساتھ نسبت عشقیہ کا غلبہ بھی رکھتا ہو گو تمکین کی وجہ سے ظاہری حالت اس کی شیخ بالمعنی المذکور کے ہمرنگ ہوگئی ہو۔اب سمجھنا چاہئے کہ جس پر غلبہ عشق کا نہ ہوگا اس کی نظر دوسرے کے عیوب پر زیادہ پڑے گی اور جس پر غلبہ عشق کا ہوگا اس کی نظر بوجہ نیستی و پستی کے اپنے عیوب پر زیادہ پڑے گی اس لئے شیخ وزاہد مسترشدین سے ان کی تقصیرات پر کبھی دل سے بھی لطف کم کردیتے ہیں اور پیر خرابات گو مسترشدین کی مصلحت کے لئے ظاہرا بے لطفی کرتے ہیں لیکن دل سے چونکہ اس حالت میں بھی وہ ان کو اپنے سے اچھا سمجھتے ہیں اس لئے باطنی لطف میں کمی نہیں کرتے۔

حافظ ار برصدر نہ نشیند زعالی ہمتی ست	عاشق دردی کش اندر بند مال وجاہ نیست

حاصل یہ کہ بعض اہل عشق کا مذاق یہی ہے کہ وہ مشیخت وارشاد کا کام نہیں کرتے آزادی ویکسوئی وبے تعلقی ان کا مقتضائے طبعی ہے کیونکہ مخالطت کا ان کو تحمل نہیں ہوتا سو ان حضرات کی نسبت یہ نہ سمجھا جائے کہ ان میں کچھ نقصان ہے بلکہ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ غیر محبوب کی طرف اصلا التفات نہیں کرنا چاہتے اسی کو عالی ہمتی کہا ہے ورنہ اس سے زیادہ عالی ہمتی ان اہل عشق کو ہے جن کو التفات الی الحق مانع نہیں ہوتا التفات الی الحق سے اور وہ باجود

فنای اتم وعشق اکمل کے پھر خلق کو نفع پہنچاتے ہیں اوران کی مخالطت پر صبر کرتے ہیں قال علیہ السلام المومن الذی یخالط الناس ویصبر علی اذا ھم خیرمن المؤمن الذی لایخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم. آ گے تعریض ہے شیخان مزور پر نہ کہ شیخان صادق پر یعنی عشاق کو مکار پیروں کی طرح جاہ و مال کی طلب وحرص نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ مشیخت کی دو وجہ ہیں مشیخت کاذبہ کی تو حرص جاہ و مال اور مشیخت صادقہ کی تحمل مخالطت جو حضرات ان دونوں سے مبرا ہیں لامحالہ وہ مشیخت کو نہیں لیتے۔

غزل

آن پیک نامہ بر کہ رسید از دیار دوست	آورد حرز جان زخط مشکبار دوست
خوش میدہد نشان جلال و جمال یار	خوش میکند حکایت عزو وقار دوست
جان دادمش بموده وخجلت ہمے برم	زین نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست

شراح کے نزدیک اس میں قرآن مجید کے نزول کا بیان ہے اور احقر کے مذاق میں مراد اس سے واردات علمیہ حقائق و معارف کا انکشاف ہے جو بذریعہ الہام ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں اعظم العلوم صفات الہیہ کے اسرار ہیں اور تیسرے شعر میں اس پر اظہار مسرت ہے کہ لوازم شکر سے ہے اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ میں کلمہ زبیانیہ ہے۔

سیر سپہر ودورِ قمر راچہ اختیار	درگرد شند برحسب اختیار دوست

مطلب ظاہر ہے کہ ابطال ہے مذہب اہل نجوم کا اور تعلیم ہے تکمیل توحید کی۔

شکر خدا کہ ازمدد بختِ کارساز	برحسب مدعاست ہمہ کاروبار دوست

کاروبار دوست یعنی معاملہ کہ از جانب دوست با عاشق پیش آید مطلب یہ کہ آج کل محبوب حقیقی کا معاملہ ہمارے حسب خواہش ہو رہا ہے خدا کا شکر ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو معاملہ جس میں مکلف کا اختیار نہ ہو پیش آئے سب خیر و مصلحت ہے لیکن پھر بھی ہر انسان کی طبیعت جس طرز خاص پر مجبول اور پیدا ہوئی ہے اس کا

اقتضاء ایک خاص معاملہ ہوتا ہے جس کی خواہش طبعی طور پر ہوا کرتی ہے گو عارف اس کو دفع اور مغلوب کر دیتا ہے لیکن تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اگر خواہش کی موافق حالت وارد ہوجاتی ہے تو مسرت اس سے ضرور زیادہ ہوتی ہے اور گو وہ حالت بالخصوص مقصود نہ ہو مگر چونکہ محمود تو ہے ہی اس لئے مورد شکر بھی ہے اس میں ارشاد ہے کہ اگر کوئی حالت محمودہ موافق مذاق طبیعت کے ہو تو اس پر زیادہ شکر کرنا چاہئے کہ مراد طبعی کا پورا ہونا خود فی نفسہ ایک نعمت ہے۔

گر باد فتنہ ہر دو جہان راہم زند	ماؤ چراغ و چشم ورہِ انتظار دوست

مقصود بیان کرتا ہے اپنی پختگی عشق کا کہ خواہ کچھ ہی حوادث واقع ہوں مگر ہم عشق سے اعراض نہ کریں گے اور اگر شبہ ہو کہ فتنہ کا اثر عالم دنیا پر تو پہنچتا ہے مگر آخرت تک تو نہیں پہنچتا پھر ہر دو جہان کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ یا تو دونوں عالم سے مراد برو بحر ہے کما قال تعالٰے ظهر الفساد فی البر والبحر اور یا ظاہر و باطن ہے کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعوذ بالله من الفتن ماظهر منها ومابطن۔ اور اگر دنیا و آخرت ہی مراد ہوں تو مقصود مبالغہ ہے جس کی تقریر یہ ہوگی کہ اگر حوادث و آفات بمنزلۂ نزول نمایند کہ کونین را بہم زنند الخ۔ اور انتظار و اشتیاق کے لئے یہ سامان عادۃً لازم ہے۔ منتظر۔ چراغ چشم۔ راہ اس لئے یہ مجموعہ کیا یہ اس سے ہوگیا۔ اس میں تعلیم ہے استقامت علی الصراط کی خواہ کیسے ہی مزاحمات پیش آئیں۔

کحل الجواہری بمن آرای نسیم صبح	زان خاک نیک بخت کہ شدرہ گذار دوست

مقصود بیان اشتیاق ہے۔ ترجمہ لفظی ظاہر ہے اور کلام مبنی ہے تمثیل پر یعنی جس طرح دوست مجازی کے چلے ہوئے رستہ کی خاک کو عاشق کحل الجواہر سمجھتا ہے کہ اس کو دوست سے تلبس ہے اور وہ اس کی یادگار ہے اسی طرح میں ان کلمات حقائق و معارف کا مشتاق ہوں جو محبوب حقیقی کو یاد دلا دیں اور ان الطاف غیبیہ کا محتاج ہوں جن کو محبوب حقیقی کے ساتھ تلبس مصدریت و مبدائیت ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ محبوب کے ذکر اور اس کے تعلق کا جو حصہ بھی میسر ہو اس کو نعمت سمجھے۔ بعضے نادان ان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور اپنے کو خدا

جانے کن کن ثمرات کا مستحق سمجھتے ہیں۔

مائیم و آستانۂ عشق و سرنیاز	تا خواب خوش کرابود اندر کنار دوست

درین بیت باید دید قبل مصرعہ ثانیہ محذوف ست۔ مطلب یہ کہ محبوب کے در کو پکڑ رکھا ہے دیکھئے کس کو وصل میسر ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ نہ دعویٰ ہے نہ استحقاق ہے نہ کسی کا مجاہدہ اور طلب علت تامہ وصول کی ہے مدار کا مشیۃ اور فضل پر ہے اس لئے آس لگائے بیٹھے ہیں دیکھئے ہماری قسمت میں ہے یا نہیں۔ اس میں تعلیم ہے خوف و رجا و قطع دعویٰ و زعم استحقاق کی۔

دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک	منت خدای را کہ نیم شرمسار دوست

حاصل یہ ہے کہ گو شیطان میری رہزنی کا قصد کر رہا ہے مگر مجھ کو اندیشہ نہیں کیونکہ خدا کا احسان ہے کہ میں اس کی اطاعت و موافقت نہیں کرتا کہ دوست سے شرمندہ ہونا پڑتا بلکہ خدا نے اس سے مجھ کو بچا رکھا ہے اور اس پر میں شکر و منت بجالاتا ہوں جب مجھ پر محبوب کا فضل ہے تو دشمن کیا کر سکتا ہے اور یہ دعویٰ تزکیہ کا نہیں بلکہ تحدث بالنعمۃ ہے کما یدل علیه قوله منت الخ وهذا هو الذی قال تعالےٰ انه لیس له سلطان علی الذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه آلایه. اور یہ مطلب نہیں کہ مجھ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی خاص جن میں حب غیر اللہ غالب ہو جو کہ محبوب سے زیادہ شرمساری کا موجب ہیں اور زیادہ منافی محبت ہیں اور زیادہ مقصود شیطانی ہیں ان سے بچا ہوا ہوں۔

غزل

زلفت ہزار دل بیکے تار مو بہ بست	راہ ہزار چارہ گراز چارہ سو بہ بست

یعنی آپ کے جذبہ عشق نے ہزاروں کو مقید کر رکھا ہے اور بڑے بڑے عقلاء چارہ ساز کو یعنی جو قبل عشق عقلاء تھے یا جو عقلاء کہ عشاق کا علاج و تدبیر کرنا چاہتے ہیں بیچارہ اور عاجز کر دیا ہے۔ اس میں بیان کرنا ہے آثار عشق کا۔

تاعاشقان بوی نسیمش دہند جان	بکشود نافۂ ودر ہر آرزو بہ بست

مصرعہ اولے علت ومصرعہ ثانیہ معلل۔ ونافہ تجلی اجمالی کہ اول بردل سالک نازل می شودومراد از آرزو تجلی تفصیلی۔ وبوی نسیم کنایہ از ذوق ومشاہدات۔یعنی سلوک میں من وجہ تجلی وظہور مرتبہ اجمال میں اور من وجہ استتار مرتبہ تفصیل میں واقع ہوتا ہے پس ایسی مثال ہے کہ جیسے نافہ تو کھول دیا تا کہ عشاق اس کے رائحہ نسیم پر جان دیدیں اور طلب میں لگ جائیں پھر آرزوی حصول ووصول تام کا باب مسدود کردیا کیونکہ عالم دنیا کے قوی اس کے متحمل نہیں البتہ آخرۃ میں ایسی استعداد ہوجائے گی۔اس میں ارشاد ہے کہ یہاں انکشاف تام کی تمنا کرنا ہوس واضاعت وقت ہے۔

شید اازان شدم کہ نگار چو ماہ نو	ابرو نمود وجلوہ گری کردو رو بہ بست

رو بہ بست ای درنقاب کنایہ از اختفاء واستتار۔یعنی جس طرح ماہ نو اول کچھ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ وہ پورا چاند نہیں ہوتا جتنا ظاہر ہوتا ہے وہ بشکل ابرو ہوتا ہے اور تھوڑی دیر جلوہ کرکے مستتر ہوجاتا ہے اسی طرح میرے محبوب نے کیا کہ تجلی کرکے مستتر ہوگیا اس لئے میں زیادہ والہ وشیدا ہوگیا۔ یہ شعر یا تو ہم مضمون شعر بالا کا ہے اور یا دونوں میں یہ فرق ہے کہ شعر بالا میں اس استتار کا ذکر ہے جو عین حالت تجلی میں ہوتا ہے یعنی تجلی تام نہیں ہوتی اور اس شعر میں اس استتار کا ذکر ہے جس میں وہ تجلی اجمالی بھی نہیں رہتی اور یہ از قبیل قبض ہے جس میں بہت سی حکمتیں ہیں پس اس تقریر پر اس میں تعلیم ہے کہ یہ استتار بھی لوازم عادیہ سلوک سے ہے اس سے پریشان ومتوحش نہ ہونا چاہئے۔

ساقی بچند رنگ می اندر پیالہ ریخت	این نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست

اول شراب کدو میں رکھی ہوتی ہے اس سے پیالہ میں ڈالی جاتی ہے اسی طرح محبت الٰہی اول قلب حقیقی میں ودیعت رکھی جاتی ہے پھر اس سے قلب صنوبری میں القاء وافاضہ ہوتا ہے۔پس کدو سے مراد قلب حقیقی اور پیالہ سے مراد قلب صنوبری۔اور در کدو بہ بست کے یہ معنی نہیں کہ خود کدو کو منقش کردیا جیسا بعض شراح نے سمجھا ہے بلکہ محل نقش تو وہی شراب ہے

اور کدو ظرف نقش ہے یعنی کدو کے اندر شراب کو مختلف الوان سے موصوف کر دیا اس میں بیان ہے الوان و آثار عشق کے مختلف ہونے کا یا تو باعتبار مختلف اشخاص کے کسی میں محبت کا ایک طور ظاہر ہوتا ہے کسی میں دوسرا مثلاً انس وشوق و ہیبت یہ تینوں الوان محبت ہی کے ہیں ہر شخص میں اس کی استعداد کے موافق ایک ایک لون سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یا باعتبار ایک ہی شخص کے مختلف اوقات کے اعتبار سے پس اس میں دونوں تقریروں پر ایک ایک امر کی تعلیم ہے۔ ایک یہ کہ جس میں ایک لون غالب ہو وہ دوسرے لون والے کو خالی نہ سمجھے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایک کیفیت مغلوب یا زائل ہو کر دوسری کیفیت غالب یا حادث ہو جائے گو وہ پہلی کیفیت اس کو پسند تھی تو دوسری سے دل تنگ نہ ہو اور سلب حال پر محمول نہ کرے ان دونوں غلطیوں میں بکثرت لوگ مبتلا ہیں ؎

یا رب چہ سحر کرد صراحی کہ خون چشم	با نغمہای قلقلش اندر گلو بہ بست

سحر تصرف عجیب۔ نغمہ آواز۔ قلقل آواز ریختن شراب از صراحی وضمیر شین راجع بصراحی۔ صراحی سے شراب لے کر پیتے ہیں اسی طرح مرشد سے فیوض کو اخذ کرتے ہیں پس یہ کنایہ ہوا مرشد سے۔ اس میں بیان ہے مرشد کے اکمال تربیت اور اس کی قوت تکمیل کا کہ مرشد کی کس غضب کی تربیت و تکمیل ہے کہ جو مسترشد عشق میں ہر وقت روتا تھا اور چشم سے خون برساتا تھا آج اس کو وہ تمکین حاصل ہوئی ہے کہ باوجودیکہ مرشد اس کو قل قل کہہ رہا ہے یعنی ضبط پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ صاحب تمکین کو بمقتضای وقت اظہار احوال واسرار دونوں مضر نہیں مگر اس کا خون چشم ایسا بند ہوا ہے کہ نکلتا نہیں مراد خون چشم سے آثار ہیں عشق کے اور چونکہ رونے کے ضبط کرنے کا اثر گلو میں ہوتا ہے کہ گلا رکنے لگتا ہے اس لئے درگلو کہا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ اب وہ آثار گریہ وزاری وسوزش ونالہ ظاہری نہیں ہوتے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اہل تمکین مالک الاحوال ہوتے ہیں مملوک الاحوال نہیں ہوتے الا نادرا۔ اور یا رب کلمہ تعجب ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہی حالت تمکین کی عالی وعظیم الشان ہے۔ وللقائلین اقوال لاتشفی ؎

دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز	ہنگامہ باز چیدو در گفتگو بہ بست

غالباً اس میں بیان ہے اہل خلوت کے تقلیل کلام کا۔ چرخ حقہ باز سے مراد مجاز اہل زمانہ ہیں کیونکہ بقول حکماء زمانہ متعلق ہے اہل چرخ سے کہ اس کی مقدار حرکت ہے پھر اہل کا لفظ مقدر کرلیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ چونکہ اہل زمانہ کی غرض پرستی وتخالف ظاہر و باطن کا تجربہ کرلیا اور معلوم ہوا کہ ان کو کہنا سننا لا حاصل وغیر مفید ہے اس لئے ان حکماء نے ان سے کلام کی تقلیل کردی اور اپنے وقت کو اس سے زیادہ اہم وانفع کام میں مشغول کیا اور امر و نہی کا وجوب مقید ہے رجاء قبول کے ساتھ اس لئے یہ حضرات تارک واجب نہیں چنانچہ جہاں امید قبول ہوتی ہے وہاں سکوت نہیں کرتے۔

مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع	بر اہل وجد و حال درہای وہو بہ بست

یہ بھی ہم مضمون ہے شعر بالا سے سابق والے شعر کا اور در پردہ سماع سے اشارہ ہے کہ اہل تمکین کو بھی ایک گونہ جوش رہتا ہے مگر وہ خود اس پر غالب رہتے ہیں۔

حافظ ہر آنکہ عشق نورزید ووصل خواست	احرام طوف کعبہ دل بے وضو بہ بست

مطلب ظاہر ہے کہ بلا طلب کے وصول نہیں ہوتا وقال تعالٰی انلزکموھا وانتم لھا کارھون وقال تعالٰی ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین بلا طلب کے وصول کی تمنا رکھنا ایسا ہے کہ جیسے بے وضو طواف کرنا کہ باطل محض ہے اور یہ تشبیہ اس قول پر ہے جس میں وضو نفس صحت طواف کی شرط ہے غالباً حافظ کا یہی مذہب ہے

غزل

مرحبا ای پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست	تا کنم جان از سر رغبت فدای نام دوست

پیک مشتاقان سے مراد وارد قلبی ہے وارد کی تمنا اور اس کے ورود پر مسرت ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ وارد سے انکشاف ہوتا ہے بعض اسرار الٰہیہ کا اس کو پیغام دوست سے تعبیر کیا اور چونکہ ان امور سے محبوب کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ کے مضمون کو اس پر مرتب فرمایا۔

وال وشیداست دائم ہمچو بلبل در قفس	طوطی طبعم ز شوق شکرو بادام دوست

اس میں کیفیت شوقیہ کا بیان ہے جو بعض اوقات واحوال میں سالک پر غلبہ کرتی ہے یعنی میری طبیعت کہ مشابہ طوطی کے ہے محبوب حقیقی کے لذت قرب ووصال کے (کہ مشابہ شکرو بادام کے ہے) شوق میں اس طرح شیدا و بیتاب ہے جس طرح قفس میں بلبل کہ کب رہائی ہو کہ گلشن قرب تک پہنچوں۔ پس اس شعر کا حاصل قریب قریب شعر مثنوی کے ہے۔

بشنواز نے چون حکایت میکند	وز جدائیہا شکایت میکند
کز نیستان تامر ابریدہ اند	از نفیرم مردوزن نالیدہ اند

قالؒ

زلف اودام ست وخالش دانہ آن دام ومن	برامید دانۂ افتادم اندر دام دوست

مقصود کو کہ قرب ووصال ہے دانہ سے تشبیہ دی اور چونکہ قرب ووصال کا متعلق بفتح اللام قرب ہے اس لئے اس کو (یعنی اس قرب ووصال کو) خال کہہ دیا اور طریق کو کہ عشق اور طلب ہے دام سے تشبیہ دی اور چونکہ وہ ثمرہ اور اثر ہے جذبہ غیبی کا کما قال تعالیٰ **یحبھم ویحبونہ** اور جذب محبوب کی صفت ہے اس لئے اس کو زلف کہہ دیا مطلب ظاہر ہے کہ امید وصل پر گرفتار عشق ہو گیا۔ اس میں بیان واقع کا بھی ہے اور طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ طلب میں سرگرم رہو کہ اس سے امید وصال کی ہے۔

سرزمستی برنگیرد تابہ صبح روز حشر	ہر کہ چون من درازل یک جرعہ خورداز جام دوست

اس میں بیان ہے کہ عشق بعد حصول کے زائل نہیں ہوتا اور ازل سے مراد مرتبہ اعیان ثابتہ کا ہے اور اس کا ازلی ہونا ظاہر ہے۔ اور صبح روز حشر سے مراد مجاز اابد ہے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

من نوشتم نامۂ از شرح حال خود ولی	دردسر باشد نمودن بیش ازین ابرام دوست

ابرار اصرار ومبالغہ وبستوہ آوردن کنایہ از ناخوش کردن۔ ودردسر کنایہ از ایذا رسانیدن بالمعنی **الذی فی قولہ تعالیٰ یوذون اللہ** وتقدیر عبارت چنین ست کہ بیش ازین ابرام

دوست نمودن اورادردسر وادن ست ۔ حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض احوال کے اظہار میں ایک گونہ شکوہ یا جزع وفزع یا سوءادب و گستاخی کی نوبت آ جاتی ہے اوراس وقت ایسا غلبہ ہوتا نہیں کہ شرعاً معذور رہواور یہ امر حضرت حق تعالیٰ کے نزدیک نامرضی ہے اس لئے کہتے ہیں کہ میں اب زیادہ اظہار حال یا شوق کی جرأت نہیں کرتا اس میں اسی کی تعلیم بھی ہے ۔

میل من سوی وصال وقصد اوسوی فراق	ترک کام خود گرفتم تابرآید کام دوست

یہاں فراق ووصال سے مرادصورت فراق ووصال ہے ورنہ فراق حقیقی پر رضا اور وصال حقیقی کا ترک کسی طرح جائز ہی نہیں بلکہ بعض حالتیں قبض وانقطاع واردات کی ایسی پیش آتی ہیں کہ اس کو سالک غیر عارف فراق سمجھتا ہے اور وصال کواس کی ضد میں منحصر سمجھتا ہے مگر بعد حصول معرفت کے اسی فراق کواس وصال پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ شعر گویا اس شعر عربی کا ترجمہ ہے ۔

ارید وصالہ ویرید ہجری	فاترک ما ارید لما یرید
گرددیدستم کشم درد یدہ ہمچون توتیا	خاک راہ کان مشرف گردداز اقدام دوست

قدم افتادن محبوب توجہ وتقدم وتقرب اووخاک راہ محل ان توجہ کہ قلب محبّ باشد فھو کما فی الحدیث من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث و کما فی الحدیث کما اظن ولکن ینظر الے قلوبکم مطلب یہ کہ جس محبّ پر محبوب کی توجہ ہے اس کی ظاہری پستی وخاکساری مانع خدمت ونیازمندی نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کو غنیمت اور عزیز سمجھ کراس کوذریعہ تقرب بنانا چاہئے اوراس کی خدمت کواپنی سعادت سمجھنا چاہئے ۔

حافظ اندر درداومی سوز وبادرمان مساز	زانکہ درمانی ندارد درد بے آرام دوست

اشارہ اس طرف ہے کہ محبت وطلب میں پورا سکون وقرار قلب کونصیب نہیں ہوتا جیسا بعضے مبتدیان یا متوسطان سلوک اس کی تمنا کیا کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک گونہ آرام و عافیت طلبی ہے جو خدا طلبی کے رنگ میں متخیل ہوتی ہے پس تصریح فرمادی کہ یہ ہوہی نہیں سکتا اس کی استدعا ہی عبث بلکہ مضر باطن ہے کہ اصل کام میں اس مشغولی کی وجہ سے کمی ہونے لگتی ہے

غزل

آن ترک پری چہرہ کہ دوش از بر ما رفت	آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت

یہ قبض کے وقت کا شعر معلوم ہوتا ہے بلکہ تمام غزل اسی مضمون کی ہے۔ترک پری چہرہ کنایہ ہے تجلیات وواردات سے ۔اور خطا بمعنی گناہ بھی آتا ہے اور ایک شہر بھی ہے جہاں کے محبوب مشہور ومعروف ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ اول بمعنی گناہ ہے اور دوسرا بمعنی شہر چونکہ وہ شیراز سے کسی قدر دور ہے تو کنایہ مطلق بعد سے ہوگیا اور یہ بھی احتمال مرجوح ہے کہ دونوں بمعنی گناہ ہوں اور از راہ بمعنی از سبب کے ہو بہرحال اس میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ قبض کے اسباب میں سے ایک سبب صدور معصیت بھی ہے و الیہ الاشارۃ فی قولہ تعالٰی کلابل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون اور اس کا تدارک عذر وتوبہ سے ہے۔

تارفت مرا از نظران نور جہان بین	کس واقف مانیست کہ از دیدہ چہا رفت

نور جہاں بین نور چشم ہوتا ہے مقصود تشبیہ دینا محبوب کو مجموعہ موصوف وصفت کے ساتھ ہے نہ کہ صرف نور کے ساتھ تشبیہ دینا پھر مشبہ کو جہاں بین کہنا کیونکہ اسکو جہان بین کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ۔محبوب کو نور جہاں بین یا ایک نسخہ پر چشم جہان بین کہنا اس بنا پر ہے کہ اس سے عاشق کی آنکھیں منور رہتی ہیں۔ یہ بھی اشارہ ہے قبض کی طرف یعنی جب سے محبوب سے بعد ہوا ہے کسی کو خبر نہیں کہ آنکھ سے کیسے آنسو رواں ہوئے ۔یا یہ کہ کہا جائے کہ آنکھ میں سے کیا چیز رخصت ہوگئی یعنی روشنی ۔اس میں بیان ہے قبض پر حزن کا اگر وہ قبض عصیان سے ہے تب تو حزن عقلی بھی ہے اور اگر اور سبب ہے تو حزن طبعی ہے ورنہ عقل کامل تو اسکو مصلحت سمجھتی ہے۔

بر شمع نرفت از گذر آتش جان سوز	آن دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت

گزر رفتن وراہ وسبب مراد اینجا معنی اخیر آتش جان سوز عشق کہ سوزندہ جان ست وہمین مرادست از آتش دل کہ در بعض نسخہ ہاست ۔معنی آنست کہ بسبب آتش عشق دودے کہ از سوز جگر بر سر ما رفت بر شمع ہم نرفتہ یعنی آنقدر سوزش دارم کہ شمع ہم ندارد ۔اس میں بھی حالت قبض کا بیان ہے۔

دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم	سیلاب سرشک آمد وطوفان بلا رفت

اس بعد سے مراد بھی وہی حالت قبض کی ہے معنی آن ست کہ بسبب دوری از رخ تو کہ داریم دمبدم از چشمۂ دیدگان ما سیلاب سرشک روی نمود وطوفان درد وبلا روی داد۔

از پای فتادیم چو آمد شب ہجران	دردر و بماندیم چو از دست دوا رفت

دوا کنایہ از وصل مراد بسط۔ یہ بھی حالت قبض کا مضمون ہے اور مطلب ظاہر ہے۔

دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت	عمری ست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت

یعنی دل کہتا ہے کہ اس کا وصل دعا سے میسر ہوسکتا ہے لیکن مدت ہوئی کہ میری عمر کا تو ایک معتدبہ حصہ دعا ہی میں صرف ہوا مگر وصل میسر نہ ہوا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض لوگ جو نری دعا اور تمنا سے کام نکالنا چاہتے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقصود کا جو طریق ہے عادۃً اس کا حصول اسی سے ہوتا ہے البتہ دعا سے اس طریق میں برکت وتاثیر ہوجاتی ہے اور جو کام صرف دعا کے متعلق ہے اس کے لئے البتہ دعا ہی کافی ہے مثلاً قرب الٰہی کے لئے طریق عادی سعی فی العمل وترک منہیات ہے جو شخص اوامر ونواہی میں عمر بھر قصداً اختلال رکھے اور نری دعا سے کام نکالنا چاہے تو محض نادان ہے البتہ مجاہدہ کرکے پھر دعا کرے کہ وہ سعی مقبول ہو اور دعا کی یہ ضرورت سمجھے کہ عمل ومجاہدہ علت تامہ نہیں تو یہ دعا البتہ مفید اور بجائے خود ہے۔

احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست	در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت

چون طواف کعبہ اصل مقصود ست وسعی متمم آن پس احرام طواف قبلہ کنایہ از عبادات مقصودہ است وسعی کنایہ از عبادات متمم آن وچنانکہ طواف موقوف بروجود قبلہ است وسعی موقوف بر مجموعہ صفا ومروہ ومقصود بالعبادت حق تعالیٰ ست نہ قبلہ ونہ صفا ومروہ ہمچنان کمال عبادات مقصودہ ومتمہ موقوف برحضور قلب ست پس حضور قلب باعتبار عبادت مقصودہ مشبہ بقبلہ شد وباعتبار عبادت متمہ مشبہ بمجموعہ صفا ومروہ شد ودر قبض حضور قلب خواہ فی الواقع اگر سبش معصیت باشد یا بزعم سالک اگر سبب غیر او باشد لامحالہ رو بکمی می آرد پس تضجر میفر مایند کہ عبادت چہ کنیم کہ شرط کمالش مفقود ست ومقصود آن نیست کہ عبادت عبث است وفقدان

صفارا کہ جزو مجموعہ است با دعاء شاعرانہ آوردند زیرا کہ صفا بمعنی لغوی ست ۔

دی گفت طبیب از سر حسرت چو مرادید	ہیہات کہ رنج تو ز قانون شفا رفت

قانون بمعنی قاعدہ و نام کتابے ورطب از شیخ ابو علی سینا وہمچنین شفا بمعنی صحت و نام کتابے از شیخ مذکور وانیجا قانون بمعنی قاعدہ است وشفا محتمل ہر دو معنی است ولطافت شاعری پوشیدہ نیست یا تو اشارہ اس طرف ہے کہ غیر کاملین حالت قبض کو دیکھ سن کر سالک کو اور بھی پریشان اور ناامید کردیتے ہیں ۔ اور یا اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اقسام قبض کا ازالہ اختیار اور تدبیر سے خارج ہے بجز تحمل واستقلال کے کوئی چارہ نہیں کما قال الشیر ازیؒ فی موضع آخر ۔

باغبان گر پنجروزے صحبت گل بایدش	بر جفای خار ہجران صبر بلبل بایدش
ای دوست پرسیدن حافظ قدمی نہ	زان پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت

اس میں استدعا ہے بسط کی قبل اس کے کہ حزن قبض میں ہلاک ہونے کی نوبت آجائے ۔

غزل

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہ من ست	دعاء پیر مغان ورد صبحگاہ من ست

میخانہ عالم عشق ۔ پیر مغان مرشد کامل ۔ یعنی اور لوگ تو ریائی خانقاہ واوراد میں مشغول ہیں اور میرے لئے بجائے خانقاہ کے عالم عشق ہے اور بجائے اوراد کے دعائے وتوجہ مرشد ہے اور یا وہی ۔ مطلب ہے کہ کسی کے لئے طریق زہاد وابرار انفع ہے اور کسی کے لئے طریق عشاق حسب اختلاف الاستعداد ۔

گرم ترانۂ چنگ وصبوح نیست چہ باک	نوای من بسحر آہ عذر خواہ من ست

چنگ وصبوح سے مراد یا تو اعمال ریائی ہیں مطلقاً یا خاص سماع وحال ریائی ہے جس کو اکثر عوام جزو یا لازم درویشی کا سمجھتے ہیں ۔ نوای سحری اشارہ اس آیت کی طرف ہے کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون حاصل یہ ہوا کہ طمطراق ظاہری کا فقدان کچھ مضر نہیں میرا تھوڑا سا اخلاص فی العمل اور اعتراف زلل یہ کافی عذر خواہ

ہے۔اس میں مذمت ہے تصنع وحب شہرۃ کی اور ترعیب ہے اخلاص وانکسار وخمول کی۔

زبادشاہ و گدا فارغم بحمداللہ	گدای خاک در دوست بادشاہ من ست

اشارہ ہے اس طرف کہ طالب حق کو خلق سے مستغنی ہونا چاہئے البتہ اہل اللہ کا خادم رہنا چاہئے۔

غرض زمسجد و میخانہ ام وصال شماست	جز این خیال ندارم خدا گواہ من ست

مسجد طریق زہد و میخانہ طریق عشق یعنی جس وقت میں میری جو حالت بھی ہو اس سب سے مقصود آپ ہی ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سالک کو تکوینات میں مقصود اسی کو سمجھنا چاہئے کسی خاص لون کا طالب ہو کر پریشان نہ ہو۔

مرا گدای تو بودن ز سلطنت خوشتر	کہ ذل جور و جفای تو عز و جاہ من ست

اشارہ اس طرف ہے کہ طالب حق کو محبّ جاہ نہ ہونا چاہئے۔

مگر بہ تیغ اجل خیمہ برکنم ورنہ	رمیدن از در دولت نہ رسم و راہ من ست

یعنی مرجاوں تو مجبوری ہے ورنہ محبوب سے تو کبھی منہ پھیروں گا نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مرکر چھوڑ دوں گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر نہ چھوڑوں گا اور موت کے بعد تو اس کا احتمال ہی نہیں کہ اس وقت تو حالت خام اور بھی ممتنع الزوال ہوجاتی ہے۔اس میں ارشاد ہے استقامت کے لئے گو کیسے ہی شدائد وبلیات کا ہجوم ہو۔

ازاں زماں کہ برآں آستان نہادم روی	فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من ست

یعنی عزت حقیقیہ تعلق مع اللہ ہی میں ہے قال اللہ تعالیٰ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون۔

گناہ گرچہ نہ بود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش کاین گناہ من است

اس میں اعتقاد جبر کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ افعال عباد میں گو مرتبہ تحقیق میں دونوں نسبتیں ہیں باعتبار خالقیت کے حق تعالیٰ کے ساتھ اور باعتبار کسب کے عبد کے ساتھ مگر بلاضرورت تم نسبت اولیٰ کا ذکر مت کرو صرف نسبت ثانیہ کے ذکر پر اکتفا کرو کہ مقتضائے ادب یہی ہے پس نبود اختیار ما سے مراد نفی موثریۃ تامہ اختیار کی ہے نہ کہ نفی نفس اختیار کی۔

غزل

لعل سیراب بخون تشنہ لب یار من ست	از پئے دیدن اوودادن جان کار من ست

سیراب بخون صفت لعل و موصوف مع الصفۃ مبتدا۔ وتشنہ لب مضاف بسوے یار ومضاف مع مضاف الیہ خبر مبتدا۔ مقصود بیان کرنا ہے محبوب کے کامل ہونے کا حسن و جمال میں۔ مطلب یہ کہ لعل جوکہ سرخی میں ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گویا خون سے سیراب ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ سیرابی کے بعد کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی پس یہ کنایہ ہوا اپنی صفت میں کامل ہونے سے یعنی ایسا کامل کہ اپنی صفت میں بالکل سیراب ہے مگر وہ بھی میرے محبوب کا تشنہ لب اور محتاج ہے حاصل یہ کہ تمام ممکنات اپنے کمالات میں محتاج ہیں واجب الوجود کے اور مصرعہ ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ ایسا کامل ہے اس لئے اس کی تحصیل لقا کے لئے فنا ہو جانا یہ میری عین سعی ہے۔ پس اس میں ترغیب ہے طالبین کو۔

شرم ازان چشم سیہ بادش ومژگان دراز	ہر کہ دل بردن اودید و درانکار من ست

ہر کہ الخ مبتدا موخر وشرم الخ خبر مقدم وضمیر شین درمصرعہ اولی راجع بہ ہر کہ لتقدمہ رتبۃ۔ اس میں بیان ہے معترض کی غلطی کا اور چشم سیاہ ومژگان دراز کنایہ ہے مطلع حسن و جمال سے یعنی جس کو معلوم ہو گیا ہو کہ وہ محبوب ایسا کامل ہے اور ایسے جمال وکمال کا لازمی اثر ہے دلربائی پھر بھی مجھ پر انکار وطعن کرتا ہو اس کو شرم کرنا چاہئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ طالب کو طلب میں کسی کے اعتراض وانکار کے سبب ننگ وعار نہ چاہئے کیونکہ یہ تو حق پر ست عجلت وغیرت تو معترض کو چاہئے۔

ساربان رخت بدروازہ مبرکان سرکوی	شاہراہیست کہ منزلگہ دلدار من ست

دروازہ پر اسباب اس وقت لے جاتے ہیں جب سفر چھوڑ کر قیام کا ارادہ ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا توقف کرنے سے سلوک میں مبرکان سرکوی موصوف ہے اور جملہ منزلگہ دلدار من ست اس کی صفت اور یہ مجموعہ مبتدا اور شاہراہیست اس کی خبر اور ساربان خطاب ہے اپنے نفس کو کہ وہ مرکب بدن پر سوار ہو کر اس راہ کو قطع کرتا ہے مطلب یہ ہوا کہ اے نفس تو اس سفر سلوک میں

توقف کا ارادہ مت کر اور شاہراہ کو کہ محل سفر ہے چھوڑ کر کہیں اور قیام وتوقف کا تجویز مت کر کیونکہ وہ محبوب جس سر کوی اور محلہ میں رہتا ہے وہ کوئی گھر نہیں بلکہ یہی شاہراہ ہے جو منزل کو قطع کرتا ہے۔ برخلاف دوسرے محبوبوں کے کہ گھروں میں رہتے ہیں پس وہ اسی شاہراہ پر ملے گا سفر کے انقطاع سے نہ ملے گا۔ خلاصہ یہ کہ طلب سے تقاعد نہ کرے وہذا کما قیل۔

ای برادر بے نہایت در گہے ست	ہر چہ بروے میرسی بروی مایست

وقیل۔

اندرین رہ می تراش ومی خراش	تادمی آخردمی فارغ مباش

ہذا ما ذہب الیہ ذوقی وللشراح والمحشین اقوال عجیبۃ غریبۃ بعیدۃ غیر قریبۃ۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اوراس میں اشارہ اس کی لامکانی ہونے کی طرف بھی ہوگیا۔

بندۂ طالع خویشم کہ درین قحط وفا	عشق آن لولی سرمست خریدار من ست

مطلب اظہار مسرت ہے کہ برخلاف اور محبوبوں کے جن میں وفا کا قحط ہے میرا محبوب کہ فی نفسہ شان استغناء ہیں ایسا ہے جیسا آن کا مشار الیہ مگر پھر بھی غایت رافت سے میرا خریدار ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری من المؤمنین الآیہ وقال علیہ السلام عن اللہ تعالیٰ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا الحدیث پس اس میں نعمت کا شکر بھی ہے اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف بھی ہے طالبین کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے محبوب کا طالب ہونا چاہئے۔ اور تشبیہ مذکور فی الشعر کے الفاظ گو موحش ہیں مگر نظرا الی المعنی لا سیما بعد انضمام غلبۃ الحال قابل تسامح ہے۔

طبلہ عطر گل ودرج عبیر افشانش	فیض یک شمہ زبوی خوش عطار من ست

ضمیر شین راجع بگل مراد از گل اہل کمال ومراد از طبلہ عطر ودرج عبیر افشان کمالات آن اہل کمال مطلب یہ کہ میرا محبوب ایسا کامل ہے کہ سب اہل کمالات کے کمالات اسی کا فیض ہے۔ اس میں بھی ترغیب ہے توجہ الی اللہ واعراض عما سوی اللہ کی۔

باغبان ہمچو نسیمم زدر خویش مران	کاب گلزار تو از اشک چوگلنار من ست

چوگلنار صفت اشک۔ سہل توجیہ یہ ہے کہ باغبان سے مراد مرشد ہو اور مقصود تعلیم ہو

شیوخ کو کہ طالبین کے ساتھ بہت عنف اور بے دماغی نہ چاہئے کہ طالبین کی طلب اور استرشاد سے بھی مرشدین کے کمال میں ترقی ہوتی ہے کما فی الحدیث لان یهدی الله بک رجلا خیرلک من حمر النعم. وفی الحدیث من سن سنة حسنة فله اجره واجر من عمل بها الخ. وفی الحدیث الدال علی الخیر کفاعله وفی الحدیث او علما ورثه وغیر ذلک. اور راندن میں نسیم کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی کہ نسیم باغ سے باہر ہوجاتی ہے گو خوشبودار ہوکر نکلتی ہے مگر وہ خوشبو عارضی ہوتی ہے اس لئے تہی دست ہی سمجھی جائے گی اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ بدون توجہ مرشدین کے مسترشد بے بہرہ رہتا ہے اور جو تھوڑی بہت مناسبت مقارنت سے ہوتی ہے وہ جلد زائل ہوجاتی ہے۔

شکروقندوگلاب از لب یارم فرمود	نرگس اوکہ طبیب دل بیمار من ست

ازلب۔ ونرگس فاعل فرمود۔ مراد از نرگس صفت علمیہ بمناسبت آنکہ نرگس مشابہ چشم باشد وچشم آلہ معائنہ است وہمین سان علم آلہ اطلاع باشد۔ مطلب یہ ہوا کہ میرے محبوب نے میری حالت دیکھ کر میرے لئے علاج اپنا لطف اور رحمت کہ مشابہ قندوگلاب ہے تجویز فرمایا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب حقیقی برخلاف دوسرے محبوبوں کے طالبین پر شفیق ورحیم ہے پس ترغیب ہے طلب ومجاہدہ کی۔

آنکہ درطرز غزل نکتہ بحافظ آموخت	یار شیرین سخن و نادرہ گفتار من ست

ترجمہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص نے مجھ کو یہ طرز سخن سکھلادیا ہے وہ شخص میرا محبوب ہے جو کہ خود شیرین سخن ونادر گفتار ہے اور اس کا سکھلانا یا حقیقتہ ہے یا مجازا۔ اول اس طرح کہ اس نے طریقہ بتلایا ہو۔ دوسرا اس طرح کہ اس کے عشق میں احوال مختلفہ پیش آئے اور جوش میں ایسا بولنا آگیا لیکن یار کو شیریں سخن کے ساتھ موصوف کرنا قرینہ مرجح احتمال اول کا ہے۔ اور بلسان حقیقت یہ اشارہ ہوسکتا ہے کہ ممکن کے کمالات مستفاد ہوتے ہیں کمال واجب سے پس تعلیم ہوگئی مسئلہ حقیقت کی

غزل

روزگاری ست کہ سودای بتان دین من ست	غم این کار نشاط دل غمگین من ست

جمعیت بتان برای جنسیت ست۔ مطلب ظاہر ہے کہ مدت سے یعنی جب سے نصیب ہوا ہے عاشقی میرا مسلک ہے اور اس مشرب میں جو مجھ کو غم بھی پیش آتا ہے وہ مجھ کو سرور معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ترغیب سے عشق وطلب کی اور اس میں تحمل شدائد کی۔ قال الشیخ۔

خوشاوقت شوریدگان غمش	اگر ریش بینندوگر مرہمش
دمادم شراب الم در کشند	اگر تلخ بینندوم در کشند

قالؒ

دیدن روی ترا دیدۂ جان می باید	وین کجا مرتبۂ چشم جہان بین من ست

ترجمہ لفظی تو ظاہر ہے اور مراد معنوی اس سے اشارہ ہوسکتا ہے تحقیق مسئلہ رویت کی طرف یعنی اس آنکھ سے رویت حق تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی بلکہ دنیا میں تو محض عقل وبصیرت سے ہوسکتی ہے اور آخرت میں گو چشم سر سے ہوگی مگر اس میں ایک خاص قوت پیدا ہوجائے گی جو کہ اب نہیں ہے اسی سے اس کا تحمل ہوجائے گا اور حقیقت اس قوت کی غلبہ روحانیت کا ہے جو کہ تمام جسد کو عام ہوگا اور یہی بناء ہوگی س کے بقاء کی پس لفظ دیدۂ جان دونوں صورتوں کو شامل ہے دنیا میں چشم بصیرت کو اور آخرت میں چشم سر کو باعتبار غلبہ روح کے پس جو شخص دنیا میں دعوی رویت کا چشم سر سے کرتا ہے اس کی غلطی کی طرف اشارہ ہوگیا۔

تامرا عشق تو تعلیم سخن گفتن کرد	خلق را ورد زبان مدحت وتحسین من ست

ظاہر ہے کہ عشق ومحبت کی باتیں لذت بخش ہوتی ہیں اس لئے ایسی باتوں کا کرنے والا ممدوح ہوتا ہے مقصود یہ ہوسکتا ہے کہ جب باتیں ایسی لذیذ ہیں تو خود عشق کیسا لذیذ ہوگا پس اشارہ ہوگیا اس کی ترغیب تحصیل کی طرف۔

دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار	کاین کرامت سبب حشمت وتمکین من است

مقصود یہ ہے کہ فقر الی اللہ ہی سبب عزت حقیقیہ کا ہے اس کو چھوڑ کر جاہ وہمی میں نہ پڑو۔

واعظ شحنہ شناس این عظمت گو مفروش	زانکہ منزلگہ سلطان دل مسکین من است

مدلول لفظی یہ ہے کہ اے واعظ گو تیری جان پہچان کوتوال سے ہے مگر اس بھروسہ تو مغرور مت ہو (عظمت فروختن غرور کردن) کیونکہ مجھ کو سلطان سے قرب ہے۔ اور مقصود معنوی یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض مدعی کو خطاب ہے کہ گو تیرے پاس آلات تقویت اعتراض کے اور ایذا رسانی کے مجتمع ہیں لیکن مجھ کو حق تعالیٰ کے ساتھ معیت اور نسبت ہے تیری مخالفت سے مجھ کو ضرر نہیں ہوسکتا یا تو ظاہراً بھی نہیں یا صرف باطناً نہیں۔ اس میں تعلیم ہوگی اہل ظاہر کو کہ ناحق اہل باطن کے درپے نہ ہونا چاہئے اور ان سے تعرض نہ چاہئے۔

یارب این کعبۂ مقصود زیارتگہ کیست	کہ مغیلان طریقش گل ونسرین من ست

مراد ز کاف بمعنی کدام در قولہ کیست مزورست زائر نیست۔ ویارب کلمہ ایست کہ ہنگام تحیر گویند یعنی کعبہ مقصود پر پہنچ کر کس کی زیارت اور جلوہ گری ہو رہی ہے کہ اس طریق کے شدائد بھی راحت معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں ارشاد ہے کہ محبوب حقیقی کی راہ میں شدائد کو راحت سمجھنا چاہئے کہ ع متاعِ جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے۔

یار ما باش کہ زیب فلک و زینت دہر	از مہ روی تو واشک چو پروین من ست

مطلب ظاہری تو یہ ہے کہ عالم کی رونق حسن محبوبان و عشق محبان سے ہے اس لئے اے محبوب ہمارا یار بنا رہ کہ مجھ سے اور تجھ سے مل کر رونق اور زینت ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے دعا کرتے ہیں کہ میرے حال پر عنایت وتوجہ رکھئے آگے اس توجہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جب روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا بھی نہ رہے گا اور اللہ اللہ کہنا موقوف ہے توفیق الٰہی پر اور توفیق عطا ہوتی ہے اسی کو جس پر عنایت وتوجہ ہو پس اس عالم کا بقاء موقوف ہوا وجود ذاکرین پر جو کہ کسی درجہ میں محبّ ہیں اور اس کے واسطہ سے موقوف ہوا عنایت وتوجہ حق پر جس کو روی محبوب کہہ سکتے ہیں لان التوجہ صرف الوجہ الی شی پس اگر آپ مجھ پر مثلاً توجہ نہ فرمائیں گے اور توفیق ذکر وطاعت کی نہ دینگے تو ذکر مفقود ہو جائے گا اور عالم درہم وبرہم ہو جائے گا۔ اور مثلاً اس لئے بڑھا دیا کہ کسی شخص خاص کے ذکر وطاعت پر توقف کا بیان کرنا مقصود نہیں پس

اس بنا پر مناسب ہے کہ مطلق طالبین کے لئے دعا کرنا مقصود ہو اور بیان حکمت سے مقصود تعلیم حکمت نہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا بلکہ موکد کرنا ہے مضمون دعا کو جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں غلبہ مومنین کیلئے جب دعا فرمائی تو اس کی وجہ میں یہ فرمایا اللھم انک ان لم تشأ لم تعبد بعد اور فرمایا اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبدا ونحو ذلک خوب سمجھ لو۔ اور لفظ اس کے جو کسی درجہ میں موہم وموحش ہیں مقام ادلال پر محمول کر لینے سے اس ایہام وایحاش کا تدارک ہو سکتا ہے۔

حافظ از حشمت پرویز دگر قصہ مخوان	کہ لبش جرعہ کش خسرو شیرین من ست

یعنی اہل دنیا کی حشمت وشوکت کو کیا بیان کرتے ہو ان کی عزت اہل اللہ کی عزت کے سامنے ادنیٰ درجہ کی ہے کالمحتاج بالنسبۃ الی المحتاج الیہ۔ اور خسرو اور پرویز ایک ہی شخص ہے۔ اور خسرا اور شیرین یا تو موصوف وصفت ہے پس شیرین بمعنی لغوی ہوگا یا مضاف و مضاف الیہ ہے پس شیرین سے مراد محبوب حقیقی ہوگا اور خسرو سے مراد دونوں صورت میں اللہ والے ہیں جو شیرین بھی ہیں اور ایک حقیقی شیرین کے ساتھ منتسب بھی ہیں۔

غزل

ای شاہد قدسی کہ کشد بند نقابت	وی مرغ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت

اس غزل کے اکثر اشعار میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ناصحانہ خطاب کسی ایسے شخص کو ہے جو ان سے چھوٹا ہے اور ان کا محبوب ہے جیسا مشہور ہے کہ اپنی بیوی کو فہمائش کرتے ہیں جو آزردہ ہو کر میکہ میں چلی گئی تھی پھر بعد اس فہمائش کے وہ آ گئی مگر شعر ثانی کو ظاہر الفاظ کے اعتبار سے اس فہمائش سے خارج کہنا چاہئے۔ یا اور کوئی مسترشد مخاطب ہو جو طریق رشد سے منحرف ہو اور حافظؒ براہ شفقت اس کا راہ پر لانا چاہتے ہوں بہر حال اس میں اشارہ ہوگا کہ مرشد کو استغناء میں غلو نہ چاہے جہاں ارشاد نافع ہونے کی امید ہو دلجوئی سے گو وہ نیازمندی کے مرتبہ میں پہنچ جائے کام لینا چاہئے اور بعض اشعار دوسرے مضامین کے بھی ہیں پس اس شعر اول میں اپنے کسی عزیز کو بعنوان خاص خطاب

ہے یعنی اس کی روح کو کہ حقیقت انسانیہ ہے خطاب فرماتے ہیں کہ اے عالم قدس (یعنی عالم ارواح) کے شاہد (یعنی محبوب کیونکہ حقیقت انسانیہ بوجہ مقصود اعظم بالخلق ہونے کی فی نفسہ احب الخلق ہے یا احب الی الخلق ہے۔ یا شاہد بمعنی حاضر لیا جائے کیونکہ روح ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں حاضر تھی۔ اسی طرح مرغ بہشتی بھی اسی کو کہا خواہ باعتبار مبدأ کے پس بہشت سے مراد عالم قدس ہوگا یا اس اعتبار سے کہ آدم علیہ السلام بہشت میں رہے تھے اور سب ذریت ان کے وجود میں مندرج تھیں اور خواہ باعتبار معاد کے کہ حدیث سے مومنین کی ارواح کا قنادیل عرش میں رہنا اور جنت میں جہاں چاہیں کھاتے پیتے پھرنا ثابت ہے رواہ السیوطی فی شرح الصدور اور اصل صفت روح کی ایمان ہی ہے اگر عوارض نہ ہوں تو مومن ہی رہے اس لئے اس عنوان سے خطاب مطلق روح کو بھی صحیح ہوسکتا ہے۔ پس ان عنوانات سے خطاب فرماتے ہیں کہ تو جو قید جسم میں مقید ہو کر اپنے مقر اصلی سے جدا ہو گیا ہے اور یہ جسم بمنزلہ حجاب و نقاب کے ہو گیا ہے اور اس کی تقیید مثل بند کے ہو گئی ہے تو یہ تو سوچ کہ تیرے اس بند نقاب کو کون کھولے گا اور اس قید سے کون رہائی دے گا اور بعد رہائی کے آب و دانہ یعنی نعمتیں عالم آخرت کی تجھ کو کون دے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رہائی دینے والا اور آب و دانہ دینے والا حق تعالیٰ ہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ جب وہ ایسا منعم و محسن ہے تو تجھ کو چاہئے کہ اسکی طاعت و ذکر میں مشغول ہو اور خلاف رشد کام کرنے سے باز رہے۔ وھو یقارب قول الجامیؒ ؎

توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چرا زان آشیاں بیگانہ گشتی	چو دونان چغد این ویرانہ گشتی

هذا ما القی فی قلبی وللاخرین اقوال اخر لاتشفی ولا تکفی واللہ اعلم

خوابم بشد از دیدہ درین فکر جگر سوز	کاغوش کہ شد منزل آسایش وخوابت

یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ غایت شفقت سے اس عزیز کو فرماتے ہیں کہ اس فکر میں میری راحت جاتی رہی کہ اپنے محبوب حقیقی سے بعد اختیار کر کے کس کا قرب اختیار کیا ہے مطلب یہ کہ شیطان کا قرب اختیار کیا ہے جو کہ عدو مبین ہے وہذا کقول السعدی۔ ع ببین کہ

ازکہ کستی وبا کہ پیوتی اور اس توجیہ پر زوجہ کا بھی مخاطب ہونا' بلا اعتبار ہوسکتا ہے اور آغوش مضاف ہے کلمہ کاف کی طرف جو بمعنی کدام ہے۔

درویش نمی برسی وترسم کہ نباشد	اندیشۂ آمرزش وپروای ثوابت

اس میں بھی اسی عزیز کو نصیحت ہے کہ تم غیر جنس کی صحبت میں پڑ کر درویشوں سے جو تمہارے ناصح ہیں بفحوائے الحق مر بھاگنے لگے ہو مجھ کو یہ خوف ہے کہ کبھی غفلت بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ مغفرت اور ثواب سے بھی استغناء ہو جائے یعنی فکر آخرت دل سے نکل جائے اس میں اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے جو اہل طریق نے فرمایا ہے کہ اس راہ کی لغزش کے سات درجے ہیں۔ اعراض۔ حجاب۔ تفاصل۔ سلب مزید۔ سلب قدیم۔ تسلی۔ عداوت اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت وتوبہ نہ کی حجاب ہوگیا اگر پھر بھی اصرار رہا تفاصل ہوگیا اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں ایک زائد کیفیت ذوق وشوق کی تھی وہ سلب ہوگئی یہ سلب مزید ہے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت کہ زیادتی کے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہوگئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارہ کرنے لگا یہ تسلی ہے اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بعداوت ہوگئی نعوذ باللہ منہا کذا فی فوائد الفواد اور شعر ہذا میں غالباً مرتبہ تسلی کا مراد ہے۔

راہ دل عشاق زد آن چشم خماری	پیداست ازیں شیوہ کہ مست ست شرابت

مراد از مست مست کنندہ مبالغۃ مست گفتہ کما قال الشاعر۔ تحیۃ بینہم ضرب وجیع۔ راہ زدن بیقرار ساختن وجمیعت عشاق برائے جنس ست مراد ذات خود۔ اس عزیز کو فرماتے ہیں کہ میں تیری جدائی میں بیقرار ہوں بیشک تیری شراب یعنی آنکھیں کہ پرخمار ہیں مست کنندہ ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ بعض اوقات اپنی محبت کا ظاہر کر دینا مخاطب کو متوجہ کر دیتا ہے سو اگر نصیحت میں اس کی ضرورت ہو تو ایسا کیا جائے رہا یہ کہ اہل حقیقت کو مجازی محبت کب ہوتی ہے جواب اس کا اس ردیف التاء کی غزل نہم آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست الخ کی شرح دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

تیرے کہ زوی بردلم از غمزہ خطا رفت	تا باز چہ اندیشہ کندرای صوابت

یعنی تو نے جو مجھ سے جدائی اختیار کر کے یہ سمجھا تھا کہ یہ مسخر محبت ہے میری محبت میں اپنے طریق رشد کو چھوڑ دے گا وہ خیال تو غلط نکلا اور نشانہ خالی گیا اب دیکھیں کہ آئندہ کے لئے کیا تجویز کیا جاتا ہے اور صواب کہنا تالیف قلب کے لئے ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبت حق تعالیٰ کی سب محبوبوں کی محبت پر غالب رہنا چاہئے اور یہی غلبہ دلیل ہے اس کی کہ یہ شخص محبّ حق تعالیٰ ہی کا ہے اور دوسروں پر محض رحمت ہے اکابر پر یہی خیال کرنا چاہئے۔

ہرنالہ وفریاد کہ کردم نہ شنیدی	پیداست نگارا کہ بلندست جنابت

اس میں بھی اس عزیز محبوب کو خطاب ہے کہ میں نے تیری نصیحت میں کتنا شور وغل مچایا مگر تو نے ایک نہ سنی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی شان بڑی عالی ہوگئی ہے کہ کسی کی سماعت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بطور عتاب کے کہا گیا جیسے اس طرح کے موقع پر بولا کرتے ہیں کہ اب تو آپ کا دماغ آسمان پر پہنچ گیا ہے کسی کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

ای قصر دل افروز کہ منزلگہ انسی	یا رب نکناد آفت ایام خرابت

اس میں اس عزیز محبوب کو دعا ہے اس طور سے کہ اس کے گھر کو دعا دیتے ہیں جس طرح اس شعر عربی میں۔

ان المروة والسماحة والذمری	فی قبة ضربت علی ابن الحشرج

یعنی اے قصر دل افروز جو کہ منزلگاہ انس ہے خدا کرے آفت زمانہ تجھ کو ویران نہ کرے یعنی ہمیشہ آباد رہے اور اس میں اس عزیز کو یہ دعا ہے کہ خدا اس کی اصلاح کرے کیونکہ گھر کی حقیقی آبادی یہی ہے کہ اس کا بسنے والا صالح الاحوال ہو ورنہ معنی وہ ویران ہے جیسا حدیث میں ہے مساجدھم عامرة وھی خراب۔ خوب سمجھ لو۔

دور ست سرآب درین بادیہ ہشدار	تا غول بیابان نفریبد بسرابت

یہ دوسرے مضمون کا شعر ہے اس میں سالک کو تنبیہ ہے کہ ابتدائی یا توسط کی کیفیات پر مغرور نہ ہو جائے اور اپنے کو کامل اور واصل نہ سمجھ جائے کیونکہ وہ امور مقصود نہیں ہوتے گو مشابہ

مقصود کے ہوں جس قدر سراب کہ مشابہ آب کے ہوتا ہے آب نہیں ہوتا پس فرماتے ہیں کہ پانی کا کنارہ ابھی دور ہے ہوشیار رہنا کبھی شیطان تم کو سراب سے دھوکہ نہ دے۔ اور ممکن ہے کہ اسی عزیز کو خطاب ہو شاید کسی قرینہ سے معلوم ہوا ہو کہ وہ کمال کے زعم میں ہادی اور مصلح سے اپنے کو مستغنی سمجھنے لگا ہے اور اس لئے اس نے بے اعتنائی کی ہو اس وجہ سے اس کو یہ نصیحت کی ہو۔

تادر رہ پیری بچہ آئین روی اے دل	باری بغلط صرف شد ایام شبابت

اس میں نصیحت ہے اپنے نفس کو یا دوسرے شخص کو بطرز قولہ تعالی **ومالی لااعبد الذی فطرنی**۔ اور ترغیب ہے تدارک ایام گزشتہ کی۔

حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد	لطفے کن وباز آ کہ خرابم زعتابت

یا تو اس میں خطاب ہے محبوب حقیقی کو جیسا غلام اور خواجہ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے یعنی میں اب اس در پر آپڑا ہوں ٹلنے والا نہیں میرے حال پر کرم فرمائیے میں آپ کے عتاب سے جس کی علامت قبض کی نوع خاص ہے پریشان ہوں اس کو دور کیجئے۔ اور یا اسی عزیز کو خطاب ہے اور خواجہ اور غلام غایت ملاطفت وانکسار سے کہہ دیا واللہ اعلم۔

غزل۔

باغ مراچہ حاجت سرو صنوبر ست	شمشاد سایہ پرور ما از کہ کمتر ست

سرو صنوبر قسمی از سرو و شمشاد قسمی از سرو۔ سایہ پرور ناز پروردہ۔ اقرب یہ ہے کہ اس میں جواب ہے اس شخص کا جوان کو کسی دوسرے مرشد کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا مرشد کس سے کم ہے جو ہم کو دوسرے کی حاجت ہو۔ اس میں اشارہ ہوگا مسئلہ وحدت مطلب کی طرف اور سایہ پرور سے ممکن ہے کہ اشارہ ہو مرشد کے صاحب تمکین ہونے کی طرف کیونکہ تمکین میں سکون ہوتا ہے جیسے سایہ میں سکون ہوتا ہے بخلاف دھوپ کے کہ اس میں تیزی و حرارت ہوتی ہے۔ اور ترکیب از کہ کمتر ست گو موضوع ہے نفی کمی کے لئے مگر عرفاً مستعمل ہے اثبات زیادت کے لئے جیسے قرآن مجید میں ترکیب و من اظلم موضوع ہے نفی زیادت کے لئے مگر مستعمل ہے اثبات کمی کے لئے یعنی اس مذکور سے اور سب ظالم کم ہیں۔

ای نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتۂ	کت خون ما حلال تراز شیر مادرست

اگر اس کو شاعرانہ مضمون کہا جائے تو محبوب مجازی پر محمول کرنے سے بتکلف معنی درست ہو جائیں گے اور اگر صوفیانہ مضمون کہا جائے تو بہتر ہے کہ اس کا مخاطب ناصح کو کہا جائے جس طرح اوپر کے شعر میں بھی ناصح ہی مخاطب تھا۔ اور نازنین پسر بطور استہزاء کے کہا گیا تقریر یہ ہوگی کہ میاں صاحبزادے تم نے ہماری جان کیوں کھا رکھی ہے اور ہمارے خون کے کیوں پیاسے ہو رہے ہو اور کیوں ہمارے پیچھے پڑے ہو ہم راہ محبت میں تمہاری نہ سنیں گے اور اپنے پیر کو نہ چھوڑنا بھی اس عموم میں داخل ہے۔

چون نقش غم زدور بہ بینی شراب خواہ	تشخیص کردہ ایم ومداوا مقررست

یعنی جب غم والم کے آثار معلوم ہونے لگیں گو پاس نہ آئے ہوں اور پاس آنے پر تو بدرجہ اولے اس وقت شراب عشق سے اس کا علاج کرو کہ یہی تدبیر متعین ہے ہم تشخیص کر چکے ہیں۔ غم والم سے مراد دنیوی غموم بھی ہو سکتے ہیں اور وساوس وخطرات بھی اور ترک دنیا کے ساتھ توجہ الی اللہ اور ذکر وفکر دونوں کا علاج مجرب ہے۔

یک قصہ بیش نیست غم عشق واین عجب	از ہر کسے کہ می شنوم نامکررست

نامقررست:۔ یعنی غیر معین وما حاصل معنیش آنکہ جدید مختلف است

یعنی غم عشق کا ہے تو ایک قصہ مگر جس سے سنا جائے جدید مضمون معلوم ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ عشق میں ہر ایک کو جدا حالات پیش آتے ہیں چنانچہ مشاہد ہے۔ اور اس میں تعلیم ہے اس کی کہ ایک حال والے کو دوسرے حال والے پر انکار نہ چاہئے۔

از آستان پیر مغان سر چرا کشم	دولت درین سرا وکشایش درین درست

یعنی مرشد سے کیوں اعراض کروں جبکہ دولت وکشود باطنی کا مدار وہی ہے۔ یہ بھی شعر اول سے متقارب المعنی ہے۔

دی وعدہ داد وصلم ودر سر شراب داشت	امروز تا چہ گوید وبازش چہ در سرست

اس کو محبوب حقیقی کے معاملہ پر محمول کرنا بعید بلکہ ممتنع ہے کہ اس میں صریح احتمال بداور

خلف وعدہ کا مذکور ہے گو شراح نے اسکو اختیار کیا ہے چنانچہ کہا ہے در میثاق معشوق حقیقی مارا وعدہ وصل داد درحالیکہ عشق داشت چنانچہ در حدیث قدسی آمدہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف امروز معلوم نیست کہ ارادہ او چیست آیا مارا بدیدار خود فائز میگرداند یا نہ چرا کہ سعادت وشقاوت باختیار اوست سبحانہ واہل سعادت فائز بدیدار و اہل شقاوت محروم ازان معلوم نیست کہ مارا امروز ای درین نشاۃ عنصریہ از اہل سعادت میکند یا از اہل شقاوت فافہم اھ اس لئے سہل یہ ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت پر محمول کرلیا جائے یعنی اول تو مجھ سے وعدہ وصل کرلیا تھا خدا جانے اس وقت کس نشہ میں تھا مگر اس کا اعتبار نہیں آج کیا دماغ میں سمایا ہوا ہو وہ ایفاء کرے یا نہ کرے اور کیا کہہ اٹھے اور ممکن ہے کہ جس ناصح کو اوپر کے اشعار میں خطاب ہے وہ کسی شیخ دنیادار کی طرف بلاتا ہو اس لئے اس شعر میں ایسے دنیاداروں کی مذمت کرتے ہوں کہ یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کسی مطلب یعنی مال وجاہ وغیرہ کا نشہ دماغ میں سماجاتا ہے تو جھوٹے جھوٹے وعدے تعلیم وتلقین و تکمیل وتربیت کے کرتے ہیں مگر وہاں تو کچھ ہے ہی نہیں اس لئے اپنا مطلب نکال کر آرے بلے بتلاتے ہیں اور لطف ودلجوئی کے خیالات کو بدل ڈالتے ہیں ۔

ما آبروی فقر وقناعت نمے بریم	بابا دشہ بگوی کہ روزی مقدرست

مطلب ظاہر ہے اس میں تعلیم ہے قناعت وتوکل کی۔ بدر الشروح میں منقول ہے در لطائف الطوائف آوردہ کہ بادشاہ آن عصر حافظ را طلب کرد حضرت ہمین بیت نوشتہ فرستادو خود نرفتند ۔ یہ حکایت حافظؒ کی بزرگی کی صاف دلیل ہے ۔

شیراز وآب رکنی وآن بادخوش نسیم	عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشورست

آب رکنی رکناباد کہ چشمہ ایست در شیراز مقصود ظاہر اُمدح ہے شیراز کی اور بتاویل بعید کہا جاسکتا ہے کہ اشیاء مذکورہ مصرعہ اولے کا مجموعہ اشارہ ہو قالب عنصری کی طرف اس طرح سے کہ شیراز سے خاک اور آب رکنی سے آب اور بادخوش نسیم سے باد اور چونکہ اکثر کا ذکر بجائے کل کے ہے اس لئے نار کا ذکر نہ کرنا مضر نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس جسد کی تحقیر مت

کرو کہ ہفت کشور کی یہ زینت ہے کیونکہ عالم لطیف میں روح انسانی اور عالم کثیف میں جسد انسانی اشرف المخلوقات و مقصود اعظم ہے اس لئے ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور ارشاد ہے صور کم فاحسن صور کم یہ تو شرف باعتبار ذات کے ہے اور شرف باعتبار غایت کے یہ ہے کہ مقصود اصلی روح کے لئے ترقی حاصل کرنا ہے اور وہ موقوف ہے عبادت پر اور بعض انواع ترقی کے بعض ایسی عبادات سے وابستہ ہیں کہ ان عبادات کا صدور موقوف ہے تعلق جسد پر مثل صوم و صلوٰۃ ونحو ذلک یہ فائدہ بدون تعلق جسد عنصری کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے جسد کی حفاظت و صحت کی رعایت خود مسنون ہے کہ ان لجسدک علیک حقا۔ اور مجاہدہ واتعاب نفس میں بھی مصالح ہیں مگر جبکہ اعتدال کے ساتھ ہو پس ہمیں بعض لوگوں کی غلطی کی طرف اشارہ ہو جائے گا جو مشقت نفس میں غلو کرتے ہیں۔

فرق ست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست	تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

اللہ اکبر چشمہ ایست در شیراز کہ از میان کوہ برآید ہر کہ آنرا بیند بے اختیار گوید اللہ اکبر۔ اس میں بھی ظاہر امدح ہے شیراز کی مبالغہ کے ساتھ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مقصود ترجیح بیان کرنا ہو حیات قلب کی حیات بدن پر۔ اور آب خضر کی اضافۃ محض ادنی ملابستہ کے لئے پتہ کے طور پر ہے یہ نہیں کہ اس اضافۃ کو مرجوحیت میں کچھ دخل ہوتا کہ ایہام تحقیر کا شبہ ہو چونکہ آب حیات کا لقب آب خضر ہو گیا ہے اس لئے مفہوم لقبی کے طور پر تعبیر کر دیا گیا مفہوم اضافی کے طور پر نہیں کیا گیا اور حیات قلب کو آب سے تعبیر کرنا مجازاً ہے کہ جعلنا من الماء کل شی ء حی اور اللہ اکبر میں توریہ ہوگا یعنی ذکر اللہ سے جو حیات حاصل ہوتی ہے۔ اور ظلمات جای اوست میں اشارہ لطیفہ ہے کہ حیات دنیا کی کتنی ہی طویل ہو بدون ذکر اللہ کے مجموعہ کدورات وظلمات ہے۔

درکوی ماشکستہ دلی میخرند وبس	بازار خود فروشی ازان سوی دیگر ست

اس میں عجز و نیاز کا اسباب قرب میں سے اور خود نمائی و تکبر کا اسباب بعد میں سے ہونا مذکور ہے اور یہ ظاہر و معلوم ہے۔

حافظ چہ طرفہ شاخ نباتی ست کلک تو	کش میوہ دلپذیر تراز شہد و شکر ست

اس میں بیان ہے مضامین عشقیہ کے لذت وحلاوت کا کہ حافظ کے قلم سے جو مضامین نکلتے ہیں تو ان کی کلک گویا شاخ نبات ہے۔

غزل

شگفتہ شد گل حمرا وگشت بلبل مست	صلامی سرخوشی ای صوفیان بادہ پرست

چونکہ عرفا گل حمرا کی شگفتگی کا اور بلبل کی مستی کا وقت بادہ نوشی کا موقع ہوتا ہے اس لئے حاصل شعر کا یہ ہے کہ جب انسان کو صحت وفراغ اور اسباب عمل میسر ہوں تو غنیمت سمجھے اور وقت کو ضائع نہ کرے بلکہ اس کو مجاہدہ و ذکر میں مشغول کرے جیسا حدیث میں ہے اغتنم **خمسا قبل خمس صحتک قبل سقمک وفراغک قبل شغلک وشبابک قبل هرمک وغناک قبل فقرک وحیاتک قبل موتک** پس تشبیہ مفرد بالمفرد کے تکلف کی حاجت نہیں۔

آساس توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود	ببین کہ جام زجاجی چہ گونہ اش بشکست

یہ توبہ معاصی سے نہیں بلکہ توبہ اظہار احوال سے ہے اور عہد اور عزم ہے کتمان کا مطلب یہ کہ جب غلبہ وارد کا ہوتا ہے وہ عہد ٹوٹ جاتا ہے اور یہ حال توسط سلوک میں ہوتا ہے۔

بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا	چہ پاسبان وچہ سلطان چہ ہوشیار چہ مست

اس میں تقویت ہے رجاء کی اور ازالہ ہے یاس کا یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے امور مذکورہ فی الشعر میں سے نہ کوئی امر شرط ہے نہ مانع جیسا سلاطین دنیا کے درباروں میں ایسے امور پر نظر ہوتی ہے بلکہ بوجہ استغناء کے اس درگاہ میں سب برابر ہیں غریب امیر اور عاقل اور کم عقل

ازین رباط دودر چون ضرورت ست رحیل	رواق طاق معیشت چہ سر بلند وچہ پست

اس میں تعلیم ہے زہد کی کہ دنیا کے مال و جاہ میں زیادہ منہمک مت ہو گزر ہر طرح ہو جاتی ہے رواق محل طاق ایوان کذا فی البدر۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج	بلا بحکم بلی بستہ اند روز الست

اس میں ترغیب وتقویت ہمت ہے مجاہدہ وتحمل شدائد سلوک پر یعنی جب یوم میثاق میں الست کے جواب میں بلی کہا تھا جس میں اقرار تھا الوہیت کا تو ابتلاء وامتحان تو اس کے ساتھ ہی وابستہ ہو گیا تھا کیونکہ حکمت امتحان کی یہی ہے کہ یہ شخص اس اقرار پر قائم رہتا ہے یا نہیں ۔

بہ ہست ونیست مرنجان ضمیر وخوش میباش	کہ نیست است سرانجام ہر کمال کہ ہست

مصرع اول میں ہست ونیست سے مراد مطلق وجود وعدم نہیں بلکہ مرغوبات دنیویہ کا وجود وعدم اور یہی مراد ہے مصرع ثانیہ میں ۔ مطلب یہ کہ مال وجاہ وغیرہ کی فکر میں مت پڑو کہ اگر ان میں کمال بھی حاصل ہو گیا پھر اس کا انجام زوال ہی ہے ۔ یہ بھی تعلیم ہے زہد کی ۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر	بباد رفت وازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست

طرف بستن فائدہ حاصل کردن ۔ آصف نام وزیر سلیمان علیہ السلام اما اینجا مراد سلیمان علیہ السلام مجاز اومراد بخواجہ نیز سلیمان علیہ السلام ۔ یعنی ان کے پاس حشمت کا کس قدر سامان تھا مگر بالذات وہ ان کے لئے نافع نہ ہوا اور بالغیر بوجہ تلبس ذکر وطاعت وآلۂ سعی وعمل ودعوت الی اللہ تعالی ہونے کے نافع ہونا حقیقت میں ذکر وطاعت وغیرہ کا نافع ہونا ہے ۔ پس گویا یہ شعر متقارب المعنی ہے شعر اول کا ۔

ببال وپر مرو ازرہ کہ تیر پرتابی	ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

پرتاب مقدار تیر انداختنی ۔ اس میں بھی نصیحت ہے کہ دنیا کے مال وجاہ واسباب عیش پر مغرور مت ہو کہ یہ چند روزہ ہے جس طرح تیر پرتابی تھوڑی دیر ہوا میں رہتا ہے پھر آخر خاک میں مل جاؤ گے جس طرح وہ تیر خاک میں گر پڑتا ہے ۔

زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید	کہ تحفۂ سخنت میبرند دست بدست

اپنی ذات کو خطاب کرتے ہیں کہ اے حافظ تیرا قلم محبوب کی اس نعمت قبول کا کیا شکر یہ ادا کر سکتا ہے کہ اس کلک کے تراویدہ مضامین کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں ۔ اس میں تعلیم ہے کہ عبد کو چاہئے کہ کسی کمال کو اپنی طرف حقیقۃً منسوب نہ سمجھے بلکہ سب کو اس کی عطا جانے ۔ وما بکم من نعمة فمن اللہ ۔

غزل

زلف آشفتہ وخوی کردہ وخندان لب مست	پیرہن چاک وغزل خوان وصراحی در دست
نرگسش عربدہ جوی دل بش افسوس کنان	نیم شب مست ببالین من آید بنشست
سر فرا گوش من آورد بآواز حزین	گفت کای عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقی را کہ چنین بادۂ شب گیر دہند	کافر عشق بود گرنہ بود بادہ پرست

خوی کردہ عرقناک۔ پیرہن چاک بیباک۔ افسوس کنان تمسخر کنان مراد خندان۔ یہ سب اشعار قطع بند ہیں اور مراد ان حالتوں سے سامان ولوازم ووضع محبوبی ہے اسی طرح آواز حزین سے مراد آواز نرم کہ معشوقوں کی آواز ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ نصف شب کے وقت محبوب حقیقی کی طرف سے قلب پر یہ وارد آیا کہ ایسے وقت تو سوتا ہے یہ وقت بادۂ شبگیر یعنی ذکر ومشغولی کا ہے جو شخص اس وقت بھی اس کو اختیار نہ کرے وہ راہ محبت کا حق ضائع کرنے والا ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے ترک غفلت اور اشتغال مع اللہ کی اس وقت مبارک میں۔

بروای زاہد وبردرد کشان خوردہ میر	کہ ندادند جز این تحفہ بما روز الست

اکثر زاہدان خشک بعض امور پر جو غلبہ عشق میں اہل حال سے صادر ہوجاتے ہیں طعن و اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب دے رہے ہیں اور اس میں ارشاد ہے ترک اعتراض کا اہل حال پر۔

انچہ او ریخت بہ پیانۂ ما نوشیدم	اگر از خمر بہشت ست وار از بادہ مست

یہ شعر بھی گویا متمم ہے شعر بالا کا اور پیانہ سے اشارہ مرتبہ استعداد کی طرف ہے اور چونکہ خمر بہشت میں نشہ نہ ہوگا کما قال تعالے لاینزفون اس لئے یہ اشارہ ہے ضبط واخفا کی طرف جو اہل تمکین کو میسر ہوتا ہے اور بادہ مست سے اشارہ ہے اظہار و جوشش وشورش کی طرف جو کہ لازمہ تلوین ہے یعنی جس مرتبہ میں جیسی استعداد ہے وہی حال پیش آئے گا ہمارا اس میں کیا اختیار ہے پھر اعتراض کیا۔

خندۂ جام می وزلف گرہ گیر نگار	ای بسا توبہ کہ چون توبہ حافظ بشکست

مذکورات مصرعہ اولیٰ سے مراد سامان مستی ہے اس کا مطلب بھی مثل شعر بالا کے ہے یعنی میں عزم بھی اخفا کا کرتا ہوں مگر جب اسباب مستی مجتمع اور غالب ہوتے ہیں وہ عزم کالعدم ہو جاتا ہے۔

غزل

خدا چو صورت ابروی دل کشای تو بست	کشادِ کارِ من اندر کرشمہ ہای تو بست

اسکا خطاب مرشد کو ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تمہاری ذات کو بنایا (اطلاقا للازم علی الملزوم لان تصویر الحاجبین لازم عادی لجعل الذات) تو میرا کشود کار باطنی تمہارے فیض کیساتھ وابستہ کیا کیونکہ پہلے سے مقدر تھا کہ فلاں فلاں شخصوں کو ان سے نفع ہوگا۔

ہزار سرو چمن رابخاک راہ نشاندا	زمانہ تاقصب زرکش قبای تو بست

قصب جامہ باشد کہ از کتان وابریشم بافند کذا فی الغیاث۔ وفاعل نشاند زمانہ۔ یعنی جب سے زمانہ نے تمہارے بدن پر لباس مشیخت آراستہ کیا ہے ہزاروں سرکشوں کو خاکسار بنادیا یعنی آپ سے ایسے ایسے لوگوں کی اصلاح ہوئی جن کی اصلاح کی امید ہی نہ تھی اور ایک نسخہ میں ہزار سرو کی جگہ مراد سرو ہے یعنی مجھ کو بھی اور دوسرے سرکشوں کو بھی الخ۔ اور ایک نسخہ میں زرکش کی جگہ نرگسین ہے اس کے معنی ایک شارح نے اس طرح لکھے ہیں نوعے از قبا کہ گلہائے نرگس برو منقش بود۔

مرا و مرغ چمن را از دل ببرد آرام	سحر گہ آن کہ دل ہر دو در نوای تو بست

فاعل ببرد آن کہ مراد عشق۔ نوا آواز مراد رطب اللسانی وعذب البیانی۔ ونوا نیز بمعنی گرفتاری وقید آمدہ کذا فی الغیاث۔ یعنی سحر گاہ کے وقت تمہارے جس محبت نے تمہاری گویائی یا تمہاری قید میں میرا اور مرغ چمن یعنی دیگر طالبین کا دل پھنسا دیا اس نے ہم کو بے چین کردیا۔ مقصود بیان کرنا بیقراری کا ہے تاکہ مرشد کو توجہ ہو۔ اور سحر گاہ کی تخصیص اس لئے کہ وہ وقت پھولوں کی شگفتگی کا اور باد صبا کے چلنے کا ہوتا ہے جو کہ پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرتی ہے اس وقت مرغ چمن کی بے چینی اور ولولہ کی زیادتی ہوتی ہے پس یہ کنایہ ہوا وقت ظہور کمالات شیخ سے یعنی جب سے آپ کے کمالات کا ظہور ہوا ہے طالبین کا یہ حال ہے۔

نگار ما و دل غنچہ بس گرہ بکشود	نسیم صبح جو دل در پئے ہوای تو بست

ہوا محبت۔ مطلب لفظی تو یہ ہے کہ نسیم صبح نے جو اپنا دل تیری محبت میں لگایا تو اس میں یہ اثر ہو گیا کہ ہماری اور دل غنچہ کی گرہیں کھول دیں یعنی ہم کو شگفتگی ہوئی اور غنچہ بھی کھل گیا۔ اور معنی مقصود یہ ہو سکتے ہیں کہ آپ کے مخصوصین اور فیض یافتوں سے جو آپ کے کمالات و فیوض کی خبر سنی تو مجھ کو اور دوسرے طالبین کو انشراح ہوا اور تردد جو طلب مرشد میں تھا رفع ہو گیا۔

مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد	ولی چہ سود کہ سر رشتہ در رضای تو بست

براہ تواضع اپنی کم ہمتی کا بیان کرتے ہیں گو تو میری یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ کی گرفتاری محبت و عقیدت پر میں راضی ہو گیا اور آپ کو مرشد تجویز کر لیا مگر مجھ کو اس سے پورا نفع اس لئے نہ ہوا کہ اصل مدار نفع تام کا آپ کی رضا پر ہے اور میں اپنی کم ہمتی سے اس کی تحصیل و تکمیل نہیں کر سکا کیونکہ مرشد کی رضا جب ہوتی ہے کہ جب پوری طور سے مرضیات الٰہیہ کو اختیار اور نامرضیات سے اجتناب کرے اور افسوس مجھ کو اس کی توفیق نہیں ہوئی اور بست کا فاعل دوران چرخ ہے باسناد مجازی۔

چو نافہ ہر دل مسکین من گرہ مفکن	کہ عہد با سر زلف گرہ کشای تو بست

خلاصہ مطلب تو یہ ہے کہ میرے دل کو منقبض اور افسردہ مت کر کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہے اور اپنے عاشق سے ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے۔ اب اس کے ساتھ لطافت شاعری کی غرض سے دل کے انقباض کو گرہ افگندن سے اور اس کے مقابلہ کے لئے زلف کو گرہ کشائی سے تعبیر کیا اور نافہ کو خود بھی زلف سے مناسبت ہے پھر بستن کا لانا خود لطف کو بڑھاتا ہے کشادن کے مقابلہ میں۔ اور نافہ سے تشبیہ گرہ افگندن میں شاید اس لئے ہو کہ نافہ خشک ہو کر سمٹ جاتا ہے جیسے کوئی چیز بند ہو گئی ہو یا اس لئے ہو کہ اس میں خون منجمد و منعقد ہو جاتا ہے۔ اور زلف کو گرہ کشا اس لئے کہا کہ اس کو دیکھ کر عاشق کو انبساط ہوتا ہے۔ اور مرشد کو یہ خطاب اس تقریر سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس خادم جان نثار سے بے توجہی نہ کیجئے۔

تو خود حیات دگر بودی ای زمان وصال	خطا نگر کہ دل امید بر وفای تو بست

حیات بخش راحیات گفتن وفاعل وصال رازمان وصال گفتن مجازست ونکتہ درمجازثانی آن ست کہ زمانہ درپے وفائی وبدعہدی مشہورست ہمچنان محبوب رافرض کردہ کہ وعدہ وصل کردہ خلاف نمودہ پس گویا فاعل وصال نیست بلکہ زمان وصال ست۔ اگر محبوب مجازی مخاطب ہوتو معنی ظاہر ہیں اور اگر مرشد کو خطاب ہو تو کہا جائے گا کہ مرشد کی ظاہری کم توجہی جو کسی مصلحت سے ہوگی مسترشد اس کی مصلحت نہیں جانتا اس لئے تنگ ہوکر غلبہ حال میں کہتا ہے کہ بس آپ سے اوروں ہی کو نفع ہے ہماری حماقت ہوئی جو آپ سے امید توجہ رکھی اور ایسی تنگی ومغلوبیت میں ایسی بیباکی عفو ہے۔

ہم از نسیم تو روزی کشایشی یابد	چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوای تو بست

یہ گویا شعر بالا کا تدارک ہے یعنی جو شخص آپ کے در کو محکم پکڑے رہے گا اور اس ظاہری بے التفاتی سے تنگ ہوکر آپ کا دامن نہ چھوڑے گا کسی نہ کسی دن آپ کے الطاف سے اس کو کشائش باطنی میسر ہو ہی جائے گی پس گویا اس میں نفس کو تسلی دیتے ہیں۔ اور حاصل تشبیہ کا یہ ہے کہ جیسے غنچہ کہ ہوا کا دامن نہیں چھوڑتا آخر وہ ہوا جب نسیم کی کیفیت سے متصف ہوتی ہے اس غنچہ کو شگفتہ کردیتی ہے۔

زدست جور تو گفتم زشہر خواہم رفت	بخندہ گفت بروحافظا کہ پای تو بست

کہ بمعنی کدام مدلول لفظی تو ظاہر ہے۔ مرشد کو خطاب اس طرح ہوسکتا ہے کہ حضرت اگر مجھ سے کچھ کدورت ہوتو فرمادیجئے میں کہیں اور چلا جاؤں چونکہ یہ گمان مسترشد کا غلط تھا اس لئے ان کو اس کی وہم پرستی پر بجائے برہمی کے ہنسی آگئی اور فرمایا کہ بسم اللہ جایئے آپ کو باندھا کس نے۔ مقصود امر فرمانا نہ تھا بلکہ مسترشد کی غلطی کا اس عنوان لطف آمیز سے ظاہر کرنا کہ محب اس ادا ہی سے سمجھ سکتا ہے کہ مجھ سے ناخوش نہیں ہیں واللہ اعلم فقط۔

غزل

ای ہدہد صبا بسبا می فرستمت	بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت

احقر کے مذاق میں یہ خطاب ہے روح کو اس کو محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کی

ترغیب دیتے ہیں کہ میں تو تجھ کو دیارِ محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہوں دیکھ تو کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہوں اس کے قبول کرنے میں تجھ کو ذرا پس وپیش نہ چاہئے۔ اور صبا سے تشبیہ اس اعتبار سے دی کہ صبا مبلغ ہوتی ہے روائح کی اسی طرح روح عالم قدس کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے مورد ہوتی ہے واردات ونفحات غیبیہ کی اور اسی بناپر ہدہد کہا۔ اور اضافت ہدہد کی صبا کی طرف ایسی ہے جیسے لجین الماء میں۔

حیف ست طائری تو درخاکدان دہر	زینجا بآشیان وفا می فرستمت

یعنی تو طائر عالم قدس ہو کر اس خاکدان میں پھنس رہا ہے حیف کی بات ہے میں اس عالم پر جفا سے تجھ کو آشیان وفا کی طرف کہ عالم علوی ہے متوجہ کرتا ہوں وہذا کما قال الجامیؒ ۔

توئی آن دست پرور مرغ گستاخ	کہ بودت آشیان بیرون ازین کاخ
چوازان آشیان بیگانہ گشتی	چودونان چغد این ویرانہ گشتی

قالؒ

درراہ عشق مرحلۂ قرب وبعد نیست	می بینمت عیان ودعا می فرستمت

می فرستمت یعنی میفرستم نزدتو۔ یہ خطاب ہے محبوب حقیقی کو یعنی آپ کی راہ محبت میں قرب و بعد متعارف نہیں کیونکہ وہ خواص اجسام سے ہے اور آپ اس سے منزہ ہیں میں باوجود آپ کے باطن ہونے کے چونکہ آپ ظاہر بھی ہیں اس لئے عیاناً آپ کو دیکھتا ہوں پس ایک بعد معنوی کہ خفاء ہے ذات کا دوسرے قرب معنوی سے کہ بواسطۂ افعال و مصنوعات کے ظہور ہے صفات کا حاجب اور مانع نہیں اس تجلی افعالی کو عیان دیدن سے تعبیر کر دیا فلم یبق فیه اشکال۔ اور اس معائنہ کی حالت میں آپ کے حضور میں دعائیں یعنی اپنی حاجت کے لئے التجائیں پیش کر رہا ہوں کیونکہ حق دعا اس غلبۂ استحضار ہی سے میسر ہوتا ہے۔ اور یا دعاء سے مراد مطلق نداء اور یاد اور یا اس سے مراد مطلق ثنا وانقیاد کما قیل فی تفسیر الدعاء فی السجود الوارد فی الحدیث ع ان الثناء علی الکریم دعاءٌ۔ بہرحال یہ اشکال مندفع ہوگیا جو ظاہر میں متوہم ہوتا ہے کہ محبوب حقیقی کو دعا کی کیا

حاجت ہے اور منشاء اس اشکال کا صرف یہ ہوا کہ دعا کو بالمعنی المتعارف لیا اور اس میں بلا دلیل قید لگائی للمحبوب کی خوب سمجھ لیا جائے۔

ہر صبح و شام قافلۂ از دعای خیر	درصحبت شمال وصبامی فرستمت

شمال بادیکہ از شمال درآید وآن برقول اطباء بادیست موافق مزاج آدمی۔ وصبا بادیکہ ازمشرق وزدوآن مشہورست۔ اگر اس کو مجاز پرمحمول نہ کیا جائے تو احقر کے مذاق میں اقرب یہ ہے کہ شمال وصبا سے مراد ملائکہ ہوں جو حسب حدیث صبح وشام علی سبیل التعاقب آتے جاتے ہیں اور وہ اعمال لے جاکر پیش کرتے ہیں اور دعا میں وہی توجیہات ہوں جو اس سے اوپر کے شعر میں گزرے ہیں اور مقصود اس حکایت سے دوسروں کو ترغیب دینا ہو کثرت طاعت وذکر کی۔

در روی خود تفرج صنع خدای کن	کائینۂ خدای نمامی فرستمت

اس میں خطاب ہے طالب حق کو کہ مصنوعات میں عموماً اور اپنی ذات میں خصوصاً غور وفکر تفکر کرو کہ صانع کی معرفت ہو میں تجھ کو اس آئینہ نما خدا کا پتا بتلاتا ہوں اس پتہ بتلانے کو می فرستم سے تعبیر کردیا قال اللہ تعالیٰ سنریھم اٰیتنافی الافاق وفی انفسھم اور ذات انسانی کی خصوصیت ہی کی وجہ سے اکابر طریقت نے فرمایا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور اس قول کو مسئلہ وحدۃ الوجود سے کوئی مس نہیں جیسا اکثروں کا مزعوم وموہوم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کے اندر جو تقلبات وتلوینات وتصرفات الٰہیہ عجیب وغریب نظر غائر سے مشاہدہ کئے جائیں جو کہ اور مصنوعات کی تصرفات متعلقہ سے ممتاز ہیں تو زیادہ معرفت صانع کی ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس میں تعلیم ہے طریق ترقی معرفت کی۔

تالشکر غمت نکند ملک دل خراب	جان عزیز خود بفدا امی فرستمت

قاعدہ ہے کہ بعض مشقت ومصیبت سے بچنے کے لئے آدمی کچھ فدیہ ومعاوضہ خرچ کیا کرتا ہے پس اسی بنا پر محبوب حقیقی سے خطاب کرتے ہیں کہ میں نے اپنی جان عزیز فدیہ میں اس لئے پیش کردی ہے تاکہ پھر آپ کا لشکر غم میرے ملک دل پر تاخت وتاراج کرکے ویران

نہ کرے۔ اور لشکر غم سے مراد بعد وسخط ہے۔ اس میں تنبیہ وتعلیم اس امر کی ہے کہ نفس پروری وخودداری اصل ہے معاصی کی جس پر بعد وسخط مرتب ہوتا ہے اور تفویض وتسلیم سے قرب ورضا حاصل ہوتا ہے قال اللہ تعالی ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم الخ۔ پس اپنی جان کو جان نہ سمجھے اور اس کے مشتہیات غیر مشروعہ سے بچے پھر نہ دنیا میں اس کو ضیق وضنک پیش آتا ہے اور نہ آخرت میں وہ عذاب ہجران میں مبتلا ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحا من ذکرا وانثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم الخ. وقال تعالیٰ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی.

ہردم غمی فرست مراد بگو بناز	کاین تحفہ از برای خدا می فرستمت

اس میں اظہار ہے رضا بالقضا کا یعنی جو امر ناگوار نفس کہ غم سے یہی مراد ہے مجھ کو پیش آئے اے محبوب میں اس پر راضی ہوں اور جب آپ کی رضا اس میں پاؤں تو اس میں طلب مزید کرتا ہوں آپ اور بھیجئے۔ اور اس میں تعلیم ہے طالب کو کہ سلوک کے تشویشات وصعوبات مثل قبض وغیرہ سے دلگیر اور تنگ نہ ہونا چاہئے بلکہ چونکہ اس میں مصلحتیں ہوتی ہیں اسکو تحفہ سمجھنا چاہئے۔

ای غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل	میگویمت دعا وثنامی فرستمت

غائب از نظر ہونا محبوب حقیقی کا ظاہر ہے قال الرومیؒ۔ عشق من پیدا ومعشوقم نہان۔ اور ہمنشین دل گویا اس حدیث کا ترجمہ ہے انا جلیس من ذکرنی اور دعا کی وہی توجیہ ہے جو غزل کے شعر ثالث کی شرح میں گزری اب معنی شعر کے بالکل ظاہر غیر محتاج الی البیان ہیں۔

تا مطربان زشوق منت آگہی دہند	قول وغزل بساز ونوامی فرستمت

مصرعۂ اولے علت ہے اور مصرعہ ثانیہ معلول پس ترتیب کلام میں اول موخر ہے اور ثانی مقدم۔ نوا سرود۔ یعنی اشعار خود موافق ساز ونوا مرادا این کلمات دلکش وسخنان خوش کہ در رشتہ نظم می آید میفرستمت تا مطربان پیش تو سرایند وشوق من برتو اظہار کنند۔ احقر کے مذاق میں اس کی سہل توجیہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے اشتیاق اور مدح میں جو کلام منظوم کہا جائے ظاہر ہے کہ وہ منظوم ہی کے لباس میں وہاں پیش ہوگا کیونکہ اقوال بعینہا پیش ہوتے ہیں۔

قال تعالیٰ مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید اور ساز ونوا سے مجازاً محض اس کی منظومیت مراد لی جائے اور پیش کرنے والے جو ملائکہ ہیں چونکہ اس وقت وہ کلام منظوم کے حال کی ہیں اس لئے گو لفظاً بے ادبی ہے مگر نظراً الی المقصود ان کو مطرب سے تعبیر کر دیا۔ اور آگہی دہند کے معنی خبر را حکایت کنند لئے جائیں سو اس پر یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ حق تعالی تو پہلے ہی آگاہ ہیں اور ایسے مضامین خود حدیثوں میں آئے ہیں مثلاً مجالس ذکر سے جب ملائکہ لوٹ کر جاتے ہیں تو حق تعالی پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ میرے بندے کیا کر رہے ہیں اور پھر وہ عرض کرتے ہیں الخ اس میں بھی تعلیم وترغیب ہے ذکر الٰہی کی اور بشارت ہے اس کے مقبول اور معروض ہونے کی نظم ہو یا نثر ہو خلوص سے ہو حدود کے اندر ہو وحدالنظم اوسع من النثر لا سیما لاہل الحال والشوق واللہ تعالیٰ اعلم۔

ساقی بیا کہ ہاتف غیبم بمژدہ گفت	با درد صبر کن کہ دوامی فرستمت

قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت ساقی کو بلاتے ہیں اور بادہ نوشی کیا کرتے ہیں پس یا تو ساقی بیا محض اظہار فرح وبشاشت ہے جیسے یا بشری اور یا مراد اس سے مرشد ہے اور حاصل یہ ہے کہ مجھ کو ہاتف کے ذریعہ سے محبوب حقیقی کی جانب سے یہ بشارت ملی ہے جو حاصل ہے ان مع العسر یسرا کا چونکہ واردات دقیقہ کی تحقیق وتعبیر اور واردات صریحہ غیر محتاج الی التحقیق کی پوری شرح اور تفصیل میں مرشد ہی کی حاجت ہے اور یہ وارد صریح تھا اس لئے مرشد سے درخواست ہے کہ ذرا ادھر متوجہ ہو جائیے یہی معنی ہیں بیا کے اور اس کی زیادہ تفصیل کر دیجئے کہ مسرت افزون ہو اور کمال نعمت پر خوب شکر ادا کروں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان مع العسر یسرا اور اشارہ اس طرف ہے کہ واشکرو انعمة اللہ۔

حافظ سرود مجلس ماذکر خیرتست	تعجیل کن کہ اسپ وقبا می فرستمت

اس میں خطاب ہے محبوب سے محب کی طرف خواہ مستقل ہو خواہ تتمہ ہو مقولہ گفت شعر سابق کا اور سرود مجلس ماذکر الخ حاصل ہے اس حدیث کا من ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأخیر منهم۔ اور اسپ وقبا بھیجنا کنایہ ہے بلانے سے کیونکہ جس کو بلاتے ہیں درباری لباس پہننے کے

لئے اوراسپ قطع مسافت کے لئے بھیج دیتے ہیں حاصل یہ کہ محبوب نے فرمایا کہ چونکہ تو ہمارے ذکروطاعت میں رہتا ہے ہماری مجلس میں بھی تیرا ذکر رہتا ہے اب ہم جلد تجھ کو مرتبۂ قرب ووصال تک پہنچانے والے ہیں اور یہی ہے بلانا تو بھی جلدی جلدی اس مرتبہ کی استعداد حاصل کرلے یعنی خوب ذکروطاعت کرکہ استعداد میں قوت ہوجائے اوراس مرتبہ کی فعلیت میسر ہو۔اس میں ترغیب کے لئے اشارہ اس طرف ہے کہ طاعت ومجاہدہ پر یہ ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

غزل

(درخطاب مرشدکہ وہم بے توجہی اومسترشدرادست داد)

ای غائب از نظر بخدامی سپارمت	جانم بسوختی وبدل دوست دارمت
تادامن کفن نکشم زیر پای خاک	باورمکن کہ دست زدامن بدارمت
گربایدم شدن سوی ہاروت بابلی	صد گونہ ساحری بکنم تابیارمت
محراب ابروان بنماتاسحر گہے	دستِ دعابرآرم ودرگردن آرمت
خواہم کہ پیش میرمت ای بیوفاطبیب	بیمار باز پرس کہ درانتظارمت
صدجوی آب بستہ ام ازدیدہ ہرکنار	بربوی تخم مہرکہ دردل بکارمت
میگریم ومرادم ازین چشم اشکبار	تخم محبت است کہ دردل بکارمت
خونم بریز وازغم ہجرم خلاص کن	منت پذیر غمزۂ خنجر گزارمت
گردیدہ ودلم کند آہنگ دیگرے	آتش زنم درآن دل ودیدہ برآرمت
بارم دہ ازکرم برخود تابسوز دل	درپات دمبدم گہرازدیدہ بارمت
حافظ شراب وشاہدورندی نہ وضع تست	فی الجملہ می کنی وفرومی گزارمت

اگراس غزل کا مضمون شاعرانہ ہوتو مخاطب محبوب مجازی ہوگا اورکوئی شعرمحتاج توجیہ نہ ہوگا اوراگرمضمون محققانہ ہوتو مرشدکومخاطب قراردینا سہل ہے۔مسترشدکومرشد کی کچھ بے

توجہی کا شبہ ہو گیا ہے گو وہ شبہ غلط ہی ہو کیونکہ بعض اوقات جس توجہ کو وہ مطلوب سمجھتا ہے وہ ضروری نہیں ہوتی اور مسترشد ولولہ طلب میں تنگ ہو کر مرشد کی نسبت شکایت آمیز الفاظ کہنے لگتا ہے اس تقدیر پر تاریخی شبہ اس قدر وارد ہوتا ہے کہ حافظؒ کے کوئی مرشد بطریق متعارف نہ تھے صرف مشہور ہے کہ حضرت نجم الدین کبریؒ کے نظر کردہ تھے پھر اس احتمال کی گنجائش کہاں ہے اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اوروں کا حال بیان کر رہے ہیں جو احیاناً پیش آتا ہے اور یہ ذرا بعید ہے کیونکہ اہل حال کو دوسرے کے حال بیان کرنے کی فرصت کہاں وہ اپنے ہی واردات اکثر بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ جن کے نظر کردہ تھے ان ہی کی توجہ باطنی دور سے کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی ہو مثل اشراقیین کے اور شاید غائب از نظر اس طرف اشارہ ہو واللہ اعلم۔ پس فرماتے ہیں کہ گو آپ میری نظر سے غائب اور دور ہیں خواہ ظاہراً بھی خواہ باطناً کہ کنایہ ہے بے توجہی سے میں آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور گو آپ نے میری جان کو فراق یا بے توجہی سے سوختہ کر دیا مگر میں آپ کو دل سے چاہتا ہوں اور محبت بھی اس درجہ کی ہے کہ مرتے دم تک اس محبت کو نہ چھوڑوں گا اور آپ کے متوجہ اور راضی کرنے کی جہاں تک بن سکے گا ہر طرح کی تدبیریں کروں گا حتیٰ کہ اگر فرضاً ہاروت کے پاس بابل میں جا کر سحر سیکھنا پڑے میں یہ بھی کروں گا (مقصود مبالغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگر مرشد کی طرف سے کچھ بے اعتنائی و بے توجہی پیش آئے مسترشد کو چاہیئے کہ اس کی محبت واطاعت میں کمی نہ کرے) آگے توجہ کی درخواست ہے کہ ابرو جو مشابہ محراب کے ہے وہ دکھلا دیجئے یعنی میری طرف التفات کیجئے تاکہ کسی سحر گاہ کو تو یہ بات میسر ہو کہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا کر آپ کی گردن میں ڈال لوں یعنی ثمرات توجہ سے متمتع ہوں (اور اس عنوان سے تعبیر کرنا بمناسبت محراب کے ہے) اور میری تو یہ خواہش ہے کہ آپ کے سامنے مر جاؤں یعنی آپ پر فدا ہو جاؤں پس میں ایسا عاشق ہوں تو ایسے عاشق کو بیماری میں تو پوچھ لیجئے کہ میں آپ کے انتظار میں ہوں مقصود وہی ہے کہ امراض باطنی میں مبتلا ہوں ذرا توجہ کیجئے اور طبیب کہا بوجہ حذاقت فی التکمیل کے اور بیوفا بوجہ بے توجہی کے آگے اپنی بیقراری کا طلب توجہ میں بیان ہے کہ میں نے تمام اطراف ونواحی میں

(کنار طرف) سینکڑوں ندیاں اشک چشم کی قائم کر رکھی ہیں صرف اسی امید پر کہ آپ کے دل میں ترحم پیدا ہو (کنار کی مناسبت جوی سے اور اس کی رعایت سے مہر کو تخم سے تعبیر کرنا ظاہر اللطافۃ ہے) آگے اس ہجر سے نجات پانے کی ایک تدبیر تجویز کرتے ہیں کہ میرا بالکل ہی کام تمام کر دیا جائے تا کہ اس ہجر سے نجات ہو میں ایسے غمزہ قتالہ کا جو خنجر کی طرح پار ہو جائے ممنوں ہوں گا۔ یہ یا تو محض اظہار تضجر ہے یا اشارہ اس طرف ہے کہ مجھ کو مقام فنا تک پہنچا دیجئے پھر ہجر سے اس لئے نجات ہو جائے گی کہ فراق فراق ہی معلوم نہ ہوگا کیونکہ جس کو فراق و بے توجہی سمجھ رہے ہیں وہ واقع میں تو فراق ہے نہیں بلکہ عین حکمت ہے صرف اس شخص کے اقتضائے طبع کے خلاف ہے سو غلبہ فناء سے مقتضیات طبع خود مغلوب ہو جائیں گے اس لئے وہ فراق فراق نہ معلوم ہوگا آگے توحید مطلب کا بیان ہے کہ باوجود آپ کی اس بے توجہی کے مجھ کو دوسری طرف التفات نہیں حتیٰ کہ اگر قلب یا چشم کسی طرف التفات کرے تو اس قلب اور چشم کو آگ لگا دوں اور خاکستر کر کے آپ کے سامنے نکال کر رکھوں۔ آگے درخواست ہے کہ مجھ کو اتنا بار تو دید یجئے کہ آپ کے سامنے اپنے سوز و گریہ کو دل کھول کر ظاہر کر لوں کہ یہ موجب ترحم ہونے کے علاوہ کسی قدر سرمایہ تسلی بھی ہے۔ اور مقطع کا شعر ممکن ہے کہ ساری غزل کے جواب میں بلسان مرشد ہو جس میں بے توجہی و عتاب کی علت اور پھر معذرت پر عفو کی بشارت بھی ہے اول کا بیان مصرعہ اول میں اور ثانی کا بیان مصرعہ ثانی میں ہے۔ یعنی اے حافظ تم بعض امور مثل اظہار سکر و شطح خلاف وضع درویشی کے کرتے ہو اس لئے معتوب کئے جاتے ہو کہ اصلاح ہو جائے۔ آگے کہتے ہیں کہ خیر چونکہ گاہ گاہ ایسا ہو جاتا ہے اس لئے چھوڑے دیتا ہوں اور معاف کئے دیتا ہوں فی الجملہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حتی الامکان ضبط کرنا ضروری ہے اور مغلوبیت میں معذوری ہے۔ اور ممکن ہے کہ حافظ درجہ نفس لوامہ میں یہ خطاب اپنے ہی کو کرتے ہوں اور فرو میگذارمت کا مطلب یہ ہوگا کہ ارتکاب معاصی میں جو سزا سالک اپنے نفس کو دیتا ہے وہ نہیں دیتا ہوں بوجہ عذر کے۔ اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو جائے گا کہ اگر عذر قوی نہ ہو تو شطحیات پر سالک کو چاہئے کہ نفس پر عقوبت کرے۔

بجان خواجہ وحق قدیم وعہد درست	کہ مونس دم صبحم دعای دولت تست

یہاں خواجہ سے مراد خود مخاطب ہی ہے جیسے محاورات میں کہا جاتا ہے کہ سرکار کے سرکی قسم اب اس کی توجیہ کی حاجت نہ رہی کہ غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی۔ اور جان سے مراد صفت حیوۃ ہے پس بجان خواجہ ترجمہ ہوالعمر اللہ وحیوۃ اللہ کا اور حقوق الٰہیہ کا قدیم ہونا ظاہر ہے اور عہد درست سے مراد میثاق ربوبیۃ لینا بہتر ہے جو الست بربکم الآیہ میں مذکور ہے۔ یعنی میں کلام کو قسم سے مؤکد کر کے کہتا ہوں کہ صبح ہی اٹھتے آپ کی عظمت کا ذکر کرتا ہوں دعاء سے مراد ثنا ہونا پہلے مع توجیہ گزر چکا ہے۔

سرشک من کہ زطوفان نوح دست ببرد	زلوح سینہ نیارست نقش مہر تو شست

قاعدہ ہے کہ پانی سے نقش خام دھل جاتا ہے اسی طرح آنسوؤں سے دل کا غبار نکل کر کیفیت قلبیہ ضعیف ہوجاتی ہے خصوص جب کثرت سے ہوں مگر کہتے ہیں کہ محبوب کا نقش محبت اس درجہ راسخ ہے کہ باوجود ان مقتضیات ضعف کے اس میں ضعف نہیں ہوا اور زطوفان نوح دست ببرد یہ مبالغہ شاعرانہ ہے اور حقیقت پر بھی اس اعتبار سے محمول کر سکتے ہیں کہ طوفان نوح تو موقوف ہوگیا تھا اور گریہ محبت جب تک جان میں جان ہے ختم ہی نہیں ہوتا پس خاص لاتقف عند حد ہونے کی حیثیت سے یہ اس سے فائق ہے۔

بکن معاملہ واین دل شکستہ بخر	کہ باشکستگی ارزو بصد ہزار درست

درست ضد شکستہ واشرفی ہر دو معنی صحیح می تواند شد۔ مطلب یہ کہ گو یہ دل شکستہ ہے مگر باوجود شکستگی کے بڑا قیمتی ہے کہ لاکھوں درست چیزوں کے یا لاکھوں اشرفیوں کی برابر ہے اس واسطے اس دل شکستہ کو خرید لو چونکہ حدیث میں انا عند المنکسرۃ قلوبھم اس لئے اگر خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو بطور دعا کے کہتے ہیں کہ میرا قلب ایسا ہی ہے جو آپ کی پسند کے لائق ہے اس لئے آپ حسب وعدہ اس کو لے لیجئے کقول اللہ تعالیٰ ان اللہ اشتری الخ اور وعدہ کی بنا پر دعا کرنا قرآن میں بھی وارد ہے ربنا وآتنا ماوعدتنا الخ اور اس میں اپنی مدح وقابلیت مقبولیت کا دعویٰ لازم نہیں آتا بلکہ اظہار ہے امتثال وانقیاد کا کہ آپ

کے امر کے موافق شکستہ کرلیا ہے اب آپ قبول فرمائیے۔

کقولہ تعالی ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا الآیۃ

شدم زعشق تو شیدای کوہ ودشت وہنوز	نمی کنی بترحم نطاق سلسلۂ سست

نطاق کمر بند وگھنڈی کذافی البدر۔ مطلب ظاہر ہے کہ اب تک باوجودیکہ میں نے بہت سی مصیبتیں عشق کی اٹھائیں مگر تو نے رحم نہ کیا اور زنجیر کا بند ڈھیلا نہ کیا۔ اگر محبوب حقیقی مخاطب ہو تو مقصود شکایت نہ ہوگی بلکہ محض تضجر اپنے عجز کی وجہ سے اور ترحم سے مراد مطلق ترحم نہ ہوگا بلکہ ترحم خاص ہوگا جو صاحب قبض کو حالت قبض میں مطلوب ہوتا ہے جس کا حاصل بسط ہے گو عند اللہ اس کی مصلحت کے اعتبار سے حالت موجودہ میں ترحم ہو وھذہ الارادۃ للترحم الخاص کارادتہ فی قولہ تعالی. ولو لافضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلا فافھم.

ملامتم بخرابی مکن کہ مرشد عشق	حوالتم بخرابات کرد روز نخست

مرشد بمعنی ہادی مراد اللہ تعالی۔ یعنی یوم المقادیر میں یا اعیان ثابتہ میں میری استعداد کے اعتبار سے اللہ تعالی نے میری تربیت کے لئے کیفیت عشقیہ تجویز فرمائی ہے جس کے لئے خرابی بمعنی وارفتگی وشورش لازم ہے پس اے وہ شخص جو یہ مذاق نہیں رکھتا تو اس پر مجھ کو ملامت مت کر۔

دلا طمع مبراز لطف بے نہایت دوست	چولاف عشق زدی سر بباز چابک وچست

یعنی جب طریق عشق میں قدم رکھا ہے تو سر بازی وجان نثاری سے اندیشہ مت کرو اور اس کے صلہ میں لطف غیر متناہی کے امیدوار رہو کہ فنا کے بعد بقاء موعود لازم ہے۔

زبان مور بر آصف دراز گشت ازان	کہ خواجہ خاتم جم یاوہ کرد وباز نجست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور نہ ہونا ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ توجیہ اس کی محتاج تکلف بعید ہے کیونکہ ظاہر عنوان اس کا موہم ہے کہ کسی قصہ کی طرف اشارہ ہو جس میں آصف نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری گم کردی ہو مگر کوئی قصہ اس کا منقول نہیں البتہ اس اشارہ سے قطع نظر کرکے اگر مور سے مراد مطلق شخص ضعیف لیا جائے اور آصف سے مراد

خلیفۃ اللہ انسان اور جم سے مراد مستخلف یعنی حق تعالی اور انگشتری سے مراد قلب جو ودیعت ہے حق تعالی کی انسان کے پاس اور محل ہے تجلی اسماء الٰہیہ کا کہ ہر اسم ان میں اعظم ہے۔ اور یا وہ کردن سے مراد اضاعۃ حق لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ بعضے مخلوق جو کہ باعتبار نوع کے رتبہ میں انسان سے مفضول ہیں جیسے ملائکہ یا آسمان وزمین جو کہ اعمال سیئہ انسانیہ کی گواہی دیں گے اور بعضے ملامت بھی کریں گے سو ان مفضولوں کی ملامت وغیرہ اس افضل المخلوقات پر محض اس لئے ہے کہ اس نے قلب کی استعداد ضائع کردی اور اس سے کام نہ لیا ورنہ مفضول کی کیا مجال تھی افضل پر اطالت لسان کی اور نوع کی قید اس لئے لگائی کہ باعتبار شخصیۃ کے تو اکثر ملائکہ اکثر انسانوں سے افضل ہیں۔

بصدق کوش کہ خورشید زائد از نفست	کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

اس میں حسن التعلیل کے طور پر استدلال ہے اس پر کہ صدق کا خاصہ ہے نور کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح صادق دیکھ لو اور کذب کا خاصہ ہے ظلمت کا پیدا ہونا مثال اس کی صبح اولین یعنی صبح کاذب ہے۔ اور مراد صدق سے صدق معاملہ مع اللہ ہے اور کذب سے مراد سوء معاملہ مع اللہ۔

مرنج حافظ واز دل بران وفا کم جوی	گناہ باغ چہ باشد چواین گیاہ نرست

دلبراں سے مراد دلبران مجازی اس میں قطع تعلق عما سوی اللہ کے لئے ارشاد ہے خواہ تعلق حب کا ہو یا تعلق رنج کا اور دوسرا مصرعہ مرنج کی دلیل ہے۔ مصرعہ اول کا خلاصہ تعلیم ہے رضا وزہد کی اور مصرعہ ثانیہ تعلیم ہے ایک مسئلہ حقیقت کی۔ حاصل یہ ہوا کہ ماسوی اللہ سے کوئی تعلق نہ رکھو نہ تو وفا کی توقع وطمع کرو اور نہ اس توقع کے خلاف ہونے سے رنج کرو غرض ادھر التفات ہی نہ کرو اور یہ سمجھو کہ ان کی استعداد مقدر کا یہی مقتضا ہے سو استعداد پر نظر کر کے ان کے گنہگار ہونے پر بھی نظر مت کرو اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی باغ میں گھاس نہ جمے تو باغ کی کیا خطا اس سرزمین کی استعداد ہی ایسی ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ترک وفای واجب میں جو کہ فعل مکتسب ہے گناہ نہیں ہوتا بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس مرتبہ میں ان کو گناہ ہوتا ہے تم اس پر خیال ہی نہ کرو کیونکہ سالک مغلوب المحبت ومشغول الذکر کو اس پر خیال کرنا اپنے کام

سے معطل ہو جاتا ہے اور وہ مرتبہ جس میں گناہ کا حکم کیا جاتا ہے مرتبہ شریعت کا ہے سو دوسرے کی مذمت یا اصلاح کے لئے اس پر نظر کرنا کام اہل فتویٰ و مشائخ کا ہے نہ کہ ذاکرین تارکین کا بلکہ اس شخص کو چاہئے کہ نظر حقیقت پر کر کے اس فعل کو مقدر سمجھ کر اس سے بے التفات ہو جائے جیسا فرمایا گیا ہے۔ از خدادان خلاف دشمن و دوست۔ اور کہا گیا ہے

۔ چون بہ بے رنگی رسی کان داشتی	موسیٰ و فرعون و دارز آشتی

اور بعضے نسخوں میں مصرع ثانی اس طرح ہے۔ گیاہ باغ چہ باشد الخ اس میں اقناط کلی ہے یعنی جب دلبران مجازی میں عہد کر کے بھی وفا نہیں جو کہ امر واجب تھا تو ان سے ابتداء لطف و کرم کی کیا توقع ہے جو کہ محض مندوب ہے کیونکہ تارک واجب سے فعل مندوب کی جو کہ اس سے بھی اشق ہو کیا امید ہے اور اس کی مثال میں فرماتے ہیں کہ جب اس سرزمین کی ایسی استعداد خراب ہے کہ اس میں معمولی گیاہ بھی نہیں جمتی تو گیاہ باغ جمنے کی تو کیا توقع ہے کہ اس کے لئے تو زیادہ لطافت کی ضرورت ہے۔ گیاہ باغ سے مراد پھول پھلواری اور ترکاری جو عمدہ زمین میں لگائی جاتی ہے کیونکہ معمولی گھاس تو ویسے بھی جم آتی ہے جب زمین ایسی شور ہو کہ اس کے قابل بھی نہ ہو تو گل و لالہ کے قابل تو کب ہوگی ۔

غزل

خلوت گزیدہ را بہ تماشا چہ حاجت است	چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے ارشاد ہے تارکان تعلق کو کہ التفات الی الکثرۃ نہ چاہئے اور اس بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا کر رہے بلکہ محض توجہ الی الحق بلا شرکت کافی ہے گو ظاہراً جماعت میں ہو جس کو خلوت در انجمن کہتے ہیں تنبیہ۔ البتہ اگر کسی کو بدون اختلاط ترک کئے ہوئے تشتت رفع نہ ہو تو اس کے لئے اس کے اہتمام کی بھی ضرورت ہے ۔

جانا بحاجتے کہ تراہست باخدای	آخر دمے بپرس کہ ماراچہ حاجت ست

ترجمہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ مخاطب اس کا مرشد ہو یعنی گو آپ صاحب کمال ہیں مگر

حق تعالیٰ سے تو آپ کو بھی ہر وقت احتیاج ہے اس پر نظر کر کے میری احتیاج کا بھی لحاظ اور اس کا تفقد ضروری ہے۔ یہ خطاب ایسے وقت ہو سکتا ہے جب مسترشد کو مرشد کے استغناء کا وہم غالب ہو جائے اور اسی غلبہ کی بنا پر یہ بیبا کی کا عنوان بھی معاف ہے ؎

ای پادشاہ حسن خدارا بسوختیم	باری سوال کن کہ گدارا چہ حاجت ست

اسہل و اقرب یہ ہے کہ یہ بھی خطاب مرشد کو ہو اور حسن سے مراد حسن باطنی ہو۔ یعنی میں آپ کے استغناء سے سوختہ ہو گیا اب تو تفقد احتیاج ضروری ہے ؎

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست	در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست

اس میں اشارہ ہے اس حال کی طرف جس کے غلبہ میں دعا متروک ہو جاتی ہے اور حاصل اس کا دو امر کا غلبہ ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی صفت علمیہ کے انکشاف و استحضار کا کہ اس کے اقتضاء سے اظہار حاجت بے سود نظر آتا ہے۔ دوسرے اپنی ناکارگی و نااہلی کے مشاہدہ کا کہ اس کے اقتضاء سے زبان کھولتے ہوئے شرم آتی ہے کما قیل ؎ احب مناجاۃ الحبیب باوجه + ولکن لسان المذنبین کلیل + زبان سوال نیست بمعنی زبان لائق سوال نیست اشارہ ہے امر ثانی کی طرف اور مصرعہ ثانیہ اشارہ ہے امر اول کی طرف اور یہ حال گو محمود ہے لیکن کمال مقصود یہ ہے کہ اس پر بھی دعا کرے اور راز اس کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب کمال کی نظر میں ان دونوں امروں کے ساتھ ایک تیسرا امر یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود اس کے حق تعالیٰ کا امر ہے دعا کے لئے اگر حکمت بھی اس کی منکشف نہ ہو تب بھی غلبہ انقیاد و اطاعت یہی دعا کے لئے محرک کافی ہے اور اگر حکمت بھی منکشف ہو جائے تو اور بصیرت بڑھ جاتی ہے اور وہ حکمت اظہار انکسار و افتقار ہے جو کہ عبدیت کا شعبہ عظیمہ ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسلک دعا ہی رہا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو جواب حسبی عن سوالی علمه بحالی مشہور ہے یا تو وہ روایت تاریخیہ ثابت نہیں اور یا بعد فرض ثبوت یوں کہا جائے کہ اس وقت آپ کو بالتخصیص کسی حکمت کی وجہ سے اسی کا امر جزئی ہوا ہو گا پس نصاً یہ اس سے مستثنیٰ ہو گیا ولا کلام فی المخصوص نصاً۔

جام جہان نماست ضمیر منیر دوست	اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

اس میں بھی باختلاف عنوان وہی مضمون ہے جو اس سے پہلے والے شعر میں گزرا اور جام جہان نما تعبیر ہے صفت علمیہ سے۔

آن شد کہ بار منت ملاح بردمی	گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست

شراح نے غضب کیا ہے کہ ملاح سے مراد مرشد لیا ہے اور تقریر کی ہے کہ بعد وصول الی اللہ کے مرشد کی احتیاج نہیں رہتی اور گو یہ امر بہ تفصیل و شرح خاص صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ادب مرشد کی پھر بھی حاجت رہتی ہے ورنہ سب حال وکمال سلب ہو جاتا ہے اور ادب کے اقتضاء سے مسترشد باوجود استغناء کے دعویٰ استغناء کا نہیں کرسکتا کہ یہ دعویٰ سخت بے ادبی ہے پھر بے ادبی کے ساتھ خود وہ گوہر بھی فوت ہو جائے گا تو کلام بے معنی ہو جائے گا اس لئے احقر کے مذاق میں مراد دریا سے علوم استدلالیہ ہیں جن میں خوض کرکے گوہر حقیقت تک رسائی ہوتی ہے اور ملاح سے مراد اہل استدلال ہیں مطلب صاف ہے کہ جب حقیقۃ مطلوبہ ذوقاً و مشاہدۃً حاصل ہوگئی اب استدلال و اہل استدلال کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ فافہم حق الفہم۔

ای مدعی بروکہ مرا باتو کار نیست	احباب حاضرند باعدا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اعراض عن المخاصمۃ کی اور ترک صحبت ناجنس کی اور اکتفاء علی صحبۃ الاخوان کی چنانچہ ظاہر ہے

محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست	چون رخت از آن تست بیغما چہ حاجت ست

ضمیر در نیست راجع بہ جان گرفتن کہ مفہوم ست از قول او گرت قصد خون ماست یعنی جو متاع کا مالک ہو اس کو لوٹ مار کی کیا ضرورت ہے وہ ویسے بھی تو لے سکتا ہے تو اگر میری جان لینا ہے تو جنگ اور تکلیف دینے کی کیا حاجت ہے جان لے لیجئے۔ سالک پر جو تجلی جلالی ہوتی ہے بعض اوقات اس سے تنگ ہو جاتا ہے تو ایسے کلام کا صدور طبعاً مستبعد نہیں گو یہ حقیقت کے اس لئے خلاف ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی خاص مصلحت اسی خاص تجلی میں ہو مگر غلبہ حال کی وجہ سے اس کلام میں معذور ہوگا۔

ای عاشق گدا چولب روح بخش یار	میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت ست

اس میں بیان ہے کہ کرم محبوب کا اور تسلی ہے طالب کی یا اپنے دل کی اور ت مضاف الیہ وظیفہ کا ہے یعنی تیرا روزینہ معمولہ محبوب کو معلوم ہے تقاضا کی ضرورت نہیں اور داند کی اسناد لب کی طرف یا تو اس لئے ہے کہ وہ روزینہ خود لب میں ہے مثلاً بوسہ بمعنی لطف۔ اور یا اس لئے کہ روزینہ کے لئے حکم لب ہی سے صادر ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا حاصل بھی وہی ہے جو دو شعر بالا کا تھا یعنی ارباب حاجتیم الخ اور جام جہان نما الخ۔

حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیاں شود	بامدعی نزاع و محابا چہ حاجت ست

اس میں تعلیم ہے اہل حق کو اہل باطل سے گلخپ نہ ہونے کی یعنی تم بات کو ختم کرو مراد بات سے حق بات ہے اس میں اشارہ ہوگیا کہ حق کا اظہار تو کر دیا جائے مگر اس کو ظاہر کر کے کلام کو ختم کر دیا جائے اور ہنر سے مراد اپنا کوئی کمال نہیں بلکہ امر حق مراد ہے حاصل یہ کہ امر حق خود ظاہر ہو جاتا ہے خواہ دنیا ہی میں آثار و برکات سے کما قیل الحق یعلو ولا یعلی اور یا آخرت میں مرنے کے بعد پس کسی سے نزاع و تکرار کی جبکہ وہ محض بے سود ہے کیا ضرورت ہے۔

غزل

خوشتر زعیش وصحبت وباغ وبہار چیست	ساقی کجاست گوسبب انتظار چیست

قاعدہ ہے کہ جب عیش ہو اور ہم جنسوں کی صحبت ہو اور باغ میں بیٹھے ہوں اور موسم بہار ہو اس وقت اہل نشاط شراب پیا کرتے ہیں اور ساقی سے اس کی درخواست کیا کرتے ہیں پس یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ جب شراب محبت کا موقع میسر ہے یعنی طالب کو فرصت بھی ہے قوت بھی ہے تو مرشد سے درخواست کرنا چاہئے کہ وہ توجہ و تعلیم طریق محبت و معرفت میں توقف نہ فرمائیں اور تقاضا کر کے اس میں مشغول ہونا چاہئے۔

بمعنی آب زندگی وروضۂ ارم	جز طرف جویبار و مئے خوشگوار چیست

یہاں آب زندگی اور روضہ ارم سے مراد بہشت اور اس کی نعمتیں نہیں کہ اس مراد لینے میں نفی یا تحقیر ان کی لازم آتی ہے وہما باطلان بلکہ مطلب یہ ہے کہ آب حیات جو مشہور ہے

جیسا کہ بعض روایات غیر مرفوعہ سے اس کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح روضۂ ارم جو عوام کی زبان زد ہے کہ شداد نے بنایا تھا جس کا کسی دلیل صحیح سے وجود ثابت نہیں یہ دونوں چیزیں زیادہ رغبت کے قابل نہیں بلکہ حقیقی آب حیات اور حقیقی روضہ ارم جو قابل تحصیل ہے مجلس اہل اللہ کی جس کو طرف جویبار کہہ دیا جو موقع ہوتا ہے شراب پینے کا اور محبت الٰہیہ ہے جس کو مئے خوشگوار سے تعبیر کردیا۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس راوقوف نیست کہ انجام کارچیست

یعنی ذکر وطاعت کے لئے جو حصہ عمر کا مل جائے غنیمت سمجھو شاید انجام کار میں یہ فرصت نہ ملے کما فی الحدیث اغتنم خمسا قبل خمس۔ اور انجام سے مراد احتمال سوء خاتمہ نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ حکم سابق کی علت نہ بن سکے گا۔

پیوند عمر بستہ بموئے ست ہوشدار	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

بموبستہ بودن کنایہ از بے ثباتی۔ مطلب ظاہر ہے کہ دوسروں کی فکر میں کیوں لگے اپنی فکر کرو کہ عمر کا کچھ اعتبار نہیں کبھی یوں ہی ختم نہ ہو جائے اور دوسروں کی فکر سے جو ممانعت کی اگر مراد اس سے فکر فضول یا فکر معصیت مثل آزاررسانی وغیبت واعتراض وغیرہ ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر فکر راحت رسانی وخیر خواہی ہے تو بھی شاغل غیر صاحب تمکین کو مضر ومشوش قلب ہے البتہ جو فرد اس کی واجب ہے وہ خود شغل موجب قرب ہے اور مستثنیٰ ہے۔

رازِ درونِ پردہ زرندان مست پرس	ای مدعی نزاع تو باپردہ دار چیست

راز درون پردہ راز باطنی۔ ومدعی مراد ظاہر پرست یعنی جو اسرار باطنہ متعلق مشاہدہ و ذوق ووجدان کے ہیں ان کی خبر اہل حال ہی کو ہوتی ہے اہل ظاہر کا انکار کرنا اور ان سے الجھنا محض لغو حرکت ہے البتہ اگر سمجھ میں نہ آئے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے ہاں اگر دلیل شرعی یا دلیل عقلی قطعی کے خلاف ہو تو اعتقاد اس دلیل کے موافق رکھے اور اہل حال کے کلام کو منصرف عن الظاہر سمجھے گو توجیہ انصراف کی بالتعیین سمجھ میں نہ آئے لیکن اگر وہ شخص خود علامات صدق سے عاری ہے تو اس پر انکار واجب ہے اور علامات ملفوظات اکابر میں مذکور ہیں۔

مستور ومست ہر دو چو از یک قبیلہ اند	مادل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست

مستور انکہ بروے سلوک غالب باشد ومست آنکہ بر دجذب غالب باشد۔ مطلب یہ کہ دونوں قسم کے شیوخ وعرفاء ایصال الی اللہ میں مشترک ہیں پھر علما یا عملا ہم کس کو ترجیح دیں کہ ایک کو افضل سمجھیں یا ایک سے فیوض لیں ہمارا کچھ اختیار نہیں جہاں حق تعالیٰ کو نفع دینا مقصود ہوگا ادھر ہی مناسبت اضطراریہ پیدا ہو جائے گی اور نفع حسب استعداد حاصل ہو جائے گو اشارہ اس طرف ہے کہ طالبین کو ان ترجیحات وتفصیلات میں مشغول نہ ہونا چاہئے جیسا اکثر بوالفضول ایسے مباحث میں رہتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

سہو وخطای بندہ چو گیرند اعتبار	معنی عفو ورحمت پروردگار چیست

سہو وخطا سے مراد اگر معنی متبادر ہوں تب تو کچھ اشکال ہی نہیں خود نص موجود ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان اور اگر کنایہ مطلق ذنوب سے لیا جائے تو مراد نفی مطلق اعتبار کی نہیں لانہ خلاف النص بلکہ اعتبار بمعنی موثریت تامہ کی نفی ہے جیسا معتزلہ کا مذہب ہے کہ ذنوب پر تعذیب ضروری ہے اور عفو ممتنع ہے پس اس کا رد مقصود ہے۔ اور اصل فساد ان کے مذہب میں عقل کے حاکم مستقل ماننے سے پیدا ہوا ہے پس اس شعر میں تعلیم ہوگی تصحیح عقائد کی جو کہ شرائط سلوک سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ تقویت رجا بھی ہے جو کہ اخلاق مفروضہ ومقامات مہمہ سے ہے۔

زاہد شراب کوثر وحافظ پیالہ خواست	تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست

مطلب یہ نہیں کہ ان میں ایک موصل ہے ایک غیر موصل بلکہ موصل تو دونوں ہیں کیونکہ کوثر سے مراد طریق ابرار اور پیالہ سے مراد طریق عشاق ہے پس مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذاق کے موافق ایک طریق وصول کا تجویز کرتا ہے مگر یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ تربیت کس طریق سے مناسب ہوگی۔

غزل

ماہم این ہفتہ شد از شہر و بچشمم سالی ست	حال ہجران تو چہ دانی کہ چہ مشکل حالی ست

اگر عشق حقیقی کے متعلق اس شعر کو کہا جائے تو محمول ہوگا حالت قبض واستتار تجلیات و

انقطاع واردات پر اور شہر کنایہ ہوگا قلب سے اور دائی میں خطاب ہوگا منکر و معترض کو حاصل معنی یہ ہوگا کہ پریشانی ہجر کے غلبہ میں جو کچھ اقوال یا افعال حد عقل سے خارج مجھ سے سرزد ہو گئے منکر کیا اعتراض کرتا ہے اس کو کیا معلوم کہ حالت ہجر کیسی صعب حالت ہے میں چونکہ آج کل بتلائے ہجر ہوں اس لئے پریشان ہوں منکر پر یہ حالت گزری نہیں وہ کیا جانے۔

مردم دیدہ زلطف رخ او در رخ او	عکس خود دید وگمان کرد کہ مشکین خالی ست

ترجمہ لفظیہ کی تقریر یہ ہے کہ محبوب کا رخ ایسا روشن اور تابان ہے کہ اس رخ کی رخشانی اور تابانی کی وجہ سے جو اس رخ میں پتلی کا عکس پڑا تو اپنا عکس اس میں دیکھ کر اس عکس کی نسبت یہ سمجھا کہ یہ اسی رخ پر مشکین خال ہے۔ اور بلسان اشارت مردم دیدہ کنایہ ہے مکاشف سے بمناسبت صفت رویت کے اور رخ سے مراد ذات حق اس لئے کہ رخ ترجمہ ہے وجہ کا اور وجہ کی تفسیر ذات ہے اور ذات کا لطیف وجمیل ہونا ظاہر ہے اور عکس سے مراد وجود ظلی جو ممکنات کو حاصل ہے اور یہ امر معلوم ومسلم ہے کہ مبدأ ظہور جمیع اشیاء کا کہ موجود بوجود ظلی ہیں ذات حق ہے اس مبدائیت وسببیت کی مناسبت سے مجازاً ذات کو محل انعکاس صور قرار دے کر در رخ کہہ دیا کیونکہ آئینہ بھی بعض مراتب خاصہ ظہور کا مبدأ وسبب ہوتا ہے اور مشکین خال سے مراد صفات متعلقہ بذات حق ہیں جیسا خال متعلقات خاصہ رخ سے ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبہ حال یا اثر اشغال سے مکاشف اپنے لطائف روح وغیرہ کے انوار مشاہدہ کرتا ہے اور ان کو براہ غلط انوار حق سمجھتا ہے اور ہر چند کہ دوسرے مکونات ملکوتیہ کے بارہ میں بھی ایسی غلطی ہوتی ہے لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور اس کی روح ودیگر بعض لطائف کو کہ ذاتاً یا اعتباراً مع اختلاف الاقوال مغائر روح ہیں ذات حق تعالیٰ سے بوجہ تشابہ بعض صفات مثل اطلاق وتجرد وتنزہ عن قید الہیولی کے مناسبت زائد ہے اس لئے ایسی غلطی ان کے بارہ میں زیادہ اور اکثر ہوتی ہے اور اسی لئے مصرعہ ثانیہ میں عکس خود دید میں اس کی تخصیص کی پس وجہ اس غلطی کی بیان فرماتے ہیں کہ ذات حق مبدأ ظہور ہے ان مرئیات کا اور اس مبدائیت کے سبب ربط خاص ومناسبت خاصہ ہے درمیان ذات اور ان مرئیات کے پس بعض احیان میں اس مناسبت کا انکشاف غالب اور تغائر

وتمائز کی جانب مغلوب بوجہ شدت سکر یا قلت علم کے ہوکر ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ اس کو وجود قدیم سمجھتا ہے اور وہ وجود ظلی ہوتا ہے۔ پس اس میں تنبیہ ہے سالک کی غلطی پر کہ گمراہ نہ ہو جائے جیسا بایزیدؒ کا قول مشہور ہے کہ تیس برس تک روح پر دھوکہ حق کا رہا۔

ایک انگشت نمائی بکرم درہمہ شہر	کہ درکار غریبان عجبت اہمالی ست

سہل یہ ہے کہ مرشد کو مخاطب کہا جائے کسی قرینہ سے اس پر گمان کم التفاتی کا ہو گیا کما مرفی توجیہ شرح الاشعار الحدیدۃ غیر مرۃ۔

میچکد شیر ہنوز از لب ہمچون شکرش	گرچہ درعشوہ گری ہر مژہ اش قتالی ست

ترجمہ لفظی کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ فن عشوہ گری میں اس کی ہر مژہ قتال ہے لیکن ابھی وہ کم سن ہے کہ اس کے لب سے ہنوز دودھ ٹپک رہا ہے یعنی گویا دودھ بھی نہیں چھٹا خلاصہ یہ کہ کم عمری ہی میں غضب اور ستم ڈھا رہا ہے اور بلسان اشارت مصرع اولی اشارہ ہوسکتا ہے صفات جمال کی طرف اور مصرعہ ثانیہ صفات جلال کی طرف یعنی گو قاہر ہے مگر لطیف بھی ہے پس سالک کو ظہور صفات جلال کے وقت رجاء منقطع نہ کرنا چاہئے اور یہ تعبیر خاص میچکد شیر الخ اشارہ ہوسکتا ہے شان الآن کما کان کی طرف کہ اس میں تغیر محال ہے۔

بعد از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد	کہ دہان تو درین نکتہ خوش استدلالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے کہ دہن کا غایت کو چک ہونا بیان کرتے ہیں کہ منقسم بھی نہیں جس سے جوہر فرد کے وجود پر استدلال ہوسکتا ہے۔ اور بلسان اشارت وہاں سے مراد کلام نفسی ہوسکتی ہے اور حاصل یہ ہوسکتا ہے کہ جب دلائل حقہ سے وجود کلام نفسی کا جو کہ ایک صفت بسیطہ غیر متجزیہ ہے ثابت ہے باوجود اس کے وہ مبدأ کلام لفظی متجزی کا ہے پس اسی طرح اگر جوہر فرد بسیط مبدأ ہو جائے جسم مرکب کا تو کیا بعید ہے گو دونوں مبدائیت میں تفاوت ہو کہ ایک جگہ سببیۃ ومسببیۃ کے طور پر ہے اور ایک جگہ جزو اور کل کے طور پر۔ پس یہ استدلال ہے ایک نظیر سے دوسری نظیر پر بطور تمثیل کے اور گو ظاہراً صفت کلام سے اثبات کرتے ہیں جوہر فرد کا مگر قصداً جوہر فرد سے اثبات کرتے ہیں صفت کلام کلام کا مبالغۃ قلب کردیا کما قالوا

فی قوله تعالی انما البیع مثل الربوا۔ پس مقصود شعر ہذا سے رد ہے حکماء و معتزلہ پر اور احقاق ہے اہل سنت و جماعت کا اور اس میں تعلیم ہے سالک کی کہ عقائد اہل سنت کے اختیار کرے کہ شرط اول ہے وصول الی المقصود کی۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ۔

مژدہ دادند کہ بر ما گذرے خواہی کرد	نیت خیر مگردان کہ مبارک فالی ست

مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ آثار لطف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر عنایت و رحمت کی جائے گی تو اس ارادہ کو بدلئے گا نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارادہ قدیمہ بدلا جاتا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ تعلق ارادہ کا کہ حادث ہے مشروط ہوتا ہے بعض شرائط کے ساتھ اور حادث میں تبدیل ممکن ہے مثلاً کسی نے اطاعت کی اس کے ساتھ ارادۂ رحمت کا تعلق ہو گیا کسی نے معصیت کی اس کے ساتھ ارادہ غضب کا متعلق ہو گیا اسی طرح عمر بھر ہوتا رہتا ہے پھر خاتمہ ایک پر ہو جاتا ہے تو واقع میں صفت میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ عبد کی حالت میں ہوئی کہ اس پر فعل حق میں کہ حادث ہے تبدیل ہوئی پس مطلب یہ ہوا کہ ہماری مدد فرما کہ ہماری حالت متغیر نہ ہو جس سے آپ اپنا فعل بدل دیں کما قال تعالے ربنا واتنا ماوعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامه انک لا تخلف المیعاد ای اجعلنا اهلا لوعدک لا ان خلف الوعد محتمل تعالی عن ذلک۔

کوہ اندوہ فراقت بچہ حیلت بکشد	حافظ خستہ کہ از نالہ تنش چون نالیست

نال انچہ باریشہ از میان قلم وقت تراشیدن برآید کذا فی الحاشیہ مقصود بیان کرنا اپنی عجز و درماندگی کا ہے جلب ترحم کے لئے و ہذا کقولہ تعالیٰ ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به۔ اور اس میں تعلیم ہے التجا و تضرع و استمداد و استعانت کی اور نہی ہے استبداد و دعوی و وثوق علی العمل و النفس سے۔ فقط

غزل

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاران خوش ست	وقت گل خوش باد کز وی وقت میخواران خوش ست
از صبا ہر دم مشام جان ما خوش می شود	آری آری طیب انفاس ہواداران خوش ست

یہ اشعار حالت بسط کے معلوم ہوتے ہیں۔ صحن بستان سے مراد قلب کہ منبت ومحل واردات کا ہے اور گل سے مراد وارد کہ سبب ہے بسط کا۔ اور یاران سے مراد اپنے ہم مشرب وہم طریقہ اصحاب جن کی صحبت سے حالت بسط میں بسط کو ترقی ہوتی ہے اور دعا دینا گل کو مجاز ہے طلب ترقی واردات سے۔ اور صبا سے مراد مرشد۔ اور طیب انفاس ہوادارن سے مراد کلمات طیبہ وملفوظات مشائخ ومربین کے جن سے روح میں فرحت اور وارد میں قوت ہوتی ہے اب سب مطلب ظاہر ہے۔

نا کشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد	نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش ست

یہ شعر قبض بعد البسط پر منطبق ہوسکتا ہے یعنی ابھی بسط اپنے کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ زوال پذیر ہونے لگا عاشق کو نالہ وزاری کرنا چاہئے کہ خستہ دلوں کی فریاد نافع ہے کہ زاری دلیل شکستگی ہے جو فی نفسہ حالت محمودہ ہے اور نیز بعض اقسام قبض تضرع والتجا سے زائل ہوجاتے ہیں۔

مرغ شبخوان را بشارت باد کاندر راہ عشق	دوست را با نالۂ شب ہای بیداران خوش ست

شعر بالا کے مصرعہ ثانیہ کا جو حاصل ہے وہی حاصل ہے اس تمام شعر کا ہے۔ اور مرغ شبخوان سے مراد عاشق شبخیز۔

گرچہ در بازار دہر از خوش دلی جز نام نیست	شیوۂ رندی وخوش باشی عیاران خوش ست
از زبان سوسن این آوازہ ام آمد بگوش	کاندرین دیر کہن کار سبکساران خوش ست
حافظا ترک جہان گفتن طریق خوش دلی ست	تا نہ پنداری کہ احوال جہانداران خوش ست

ان سب اشعار کا حاصل ایک ہی ہے کہ عالم میں اگر کسی کو حیات طیبہ وحلاوت روحانی میسر ہے تو صرف آزاد عشاق کو جو ماسوی اللہ سے قطع تعلق کرچکے ہیں اور اثقال واحمال تعلقات سے سبک ہوچکے ہیں ورنہ امراء وغیرہ کو خوشدلی محض نام ہی کی ہے۔ اور سوسن کی تخصیص اس لئے کہ اس کی شکل زبان کی سی ہوتی ہے اور آزاد کہلاتا ہے۔

در دیر مغان آمد یارم قدحے در دست	مست از مئی ومیخواران از نرگس مستش ست

قدحے در دست کنایہ از ساقی ومفیض بودن۔ دست از مئی کنایہ از مستغنی بسبب صفت کبریا ومست بودن میخواران از نرگس مست کنایہ از طریان بیخودی از تجلی ذات غنی او۔ غالباً

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی میرے محبوب نے اس صفت کے ساتھ مجھ پر تجلی فرمائی اور میں اس وقت محو ہوگیا جیسا کہ میخوار اس حالت میں محو ہوجاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ وارد جدید جب قلب پر آتا ہے قلب کو ایک گونہ حیرت ہوتی ہے یہ بھی ایک درجہ محویت کا ہے۔ اور مست ازمی میں اشارہ اس طرف کردیا کہ تجلی بسط کی احتیاج متجلی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ تربیت متجلی علیہ کے لئے ہوتی ہے اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ لطف کا منشا احتیاج رب نہیں جیسا مخلوق کے لطف کا منشا یہی ہوتا ہے بلکہ احتیاج عبد ہے۔

از نعل سمند او شکل مہ نو پیدا وزقد بلند اوبالای صنوبر پست

مصرعہ اولی کنایہ ہے اس سے کہ ممکنات اپنے کمالات میں سب محتاج ہیں واجب کے۔ اور مصرعہ ثانیہ کنایہ ہے اس سے کہ سب ممکنات ناقص ہیں بالنسبۃ الی کمالات الواجب کے۔ اور مفردات مثل نعل سمند وقد بلند کا اثبات واجب کے لئے لازم نہیں آتا۔

آخرز چہ گویم ہست از خود خبرم چون نیست از بہر چہ گویم نیست باا و نظرم چون ہست

مصرعہ اولی میں ہست اور نیست کا مرجع خبر ہے۔ اور مصرعہ ثانیہ میں نیست اور ہست کا مرجع نظر ہے اور ہست اول ونیست اول میں اضمار قبل الذکر اس لئے نہیں کہ وہ چون کی جزا میں واقع ہوا ہے اور جزا رتبۃ موخر ہے شرط سے پس اضمار بعد الذکر ہوا۔ مطلب یہ کہ مجھ سے اگر التفات بہ نفس خود کا سوال کیا جائے تو ہست نہیں کہہ سکتا اور اگر التفات بمحبوب کا سوال کیا جائے تو نیست نہیں کہہ سکتا۔ اس میں تعلیم ہے کہ محبت کا حق یہ ہے کہ صرف محبوب نظر میں رہ جائے اور ماسوی نظر سے نکل جائے حتیٰ کہ اپنی ذات کی طرف بھی التفات نہ رہے ونعم ما قیل۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے	تری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

اور مصرع اولیٰ میں لفظ جز اور مصرعہ ثانیہ میں لفظ نظر تفنن ہے اور ممکن ہے کہ وجہ اس کی یہ ہو کہ خبر تو تصور مع الحکم ہے اور نظر بالمعنی اللغوی تصور ساذج ہے اور علم اول مفصل ہے بہ نسبت علم ثانی کے اور ظاہر ہے کہ اپنا علم تو انسان کو تفصیلاً ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ کا اجمالاً کما قیل۔ ای برتر از قیاس وگمان وخیال ووہم الخ + گواجمال بمعنی تصور ساذج نہیں

بلکہ وہ تصور مع الحکم ہے مگر اس تصور مع الحکم کو نفس اجمال میں تشبیہ تصور ساذج کے ساتھ دیدی گئی اور نظر کہہ دیا اور بعض اوقات اس حکم سے بھی ذہول ہوتا ہے اور ساذج بمعنی تصور لابشرط شی ہوتا ہے گو ساذج بشرط لاشی نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو۔

چون شمع وجود من شب تا بسحر خودرا	می سوخت چو پروانہ تا روز ز پانشست

شمع وجود مبتدا و می سوخت خبر و مجموعہ شرط و تا روز الخ جزاء یعنی جب میرے شمع وجود نے شب میں سحر تک اپنے کو پروانہ کی طرح جلانا شروع کیا تو دن نکلنے تک اس نے تقاعد نہیں کیا۔ حاصل یہ کہ میری ہستی نے فنا و جانفشانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کو فنا میں کسل و تردد نہ چاہئے۔ ونعم ما قیل ؎ مترس از محبت کہ خاکت کند+ کہ باقی شوی چون ہلاکت کند ؎

شمع دل دمسازان بنشست چو او برخاست	افغان ز نظر بازان برخاست چو او بنشست

دمساز موافق و محبّ۔ اس شعر کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں باعتبار اختلاف معنی برخاست و بنشست کے جو کہ منسوب ہے محبوب کی طرف اگر برخاست کے معنی آہنگ رفتن اور بنشست کے معنی ترک رفتن کے ہوں تب تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نے ارادہ جانے کا کیا تو غایت حزن کی وجہ سے محبوں کا شمع دل گل ہو گیا یعنی ان کے دل افسردہ ہو گئے اور جب اس نے بیٹھ جانے کا ارادہ کیا تو غایت شوق سے خوشی کے نعرے مارنے لگے اور اگر برخاست کے معنی بنظر آمد کے ہوں اور بنشست کے معنی پنہاں شدن کے ہوں کیونکہ کھڑے ہو جانے سے سب اہل مجلس دیکھنے لگتے ہیں اور بیٹھ جانے سے اہل مجلس کی نظر سے خفا ہو جاتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جب محبوب نمودار ہوا تو عشاق اس کے غلبہ آثار دیدار سے محو ہو گئے اور جب وہ پنہاں ہو گیا تو درد ہجر سے شورش و نالہ میں مبتلا ہو گئے مجموعہ توجیہین کے اعتبار سے تجلی واستتار کے آثار مختلفہ کا بیان ہو جائے گا علی اختلاف احوال الطالبین یعنی کبھی ظہور و تجلی سے شوق اور استتار و غیبت سے حزن ہوتا ہے وہذا حاصل التوجیہ الاول اور کبھی ظہور و تجلی سے محویت و سکر اور استتار و غیبت سے اضطراب اور بیتابی و آہ و نالہ ہوتا ہے۔ فافہم حق الفہم ؎

گر غالیہ خوشبو شد در گیسوی او آویخت	ور وسمہ کمان کش شد با ابروی او پیوست

غالیہ خوشبوی مرکب کہ در گیسو مالند۔ ووسمہ نیل کہ برجبیں متصل با ابرو کشند ومراد از غالیہ ووسمہ یا معنی حقیقی ست کہ از اعیان ست ویا معنی مجازی از اسلام وکفر کہ از اعراض ست وآویختن وپیوستن عبارت از ارتباط۔ گیسو وابرو کنایہ از صفات مختلفہ محبوب۔ مطلب یہ کہ جتنے اعیان واعراض ہیں سب کو محبوب کے صفات مختلفہ سے ارتباط ہے کہ صفات ظاہر اور علل اور مکونات مظاہر اور معلولات ہیں۔ اس میں تعلیم ہے توحید افعالی کی۔

باز آی کہ باز آید عمر شدۂ حافظ	ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد از شست دست

اس میں التجا وطلب ہے توجہ ولطف محبوب کی کہ اس سے توفیق اعمال ومجاہدہ کی ہوگی جس سے عمر ضائع شدہ درحرمان کا تدارک ہو جائے گا گو وقت گزشتہ ہاتھ نہیں آیا کہ اسی کی بعینہ اصلاح ہو سکے لیکن عمر آئندہ کی اصلاح عمر گزشتہ کے فساد کا حسب وعدہ صادقہ رافع ومکفر ہو جاتا ہے۔ اس میں تعلیم ہے توبہ کی اور اس کی کہ اس کی توفیق بھی حق تعالیٰ ہی سے چاہے اپنے عزم وسعی پر اعتماد نہ کرے۔

غزل

گل در بر ومی در کف ومعشوقہ بکام ست	سلطان جہانم بہ چنین روز غلام ست

یہ شعر حالت بسط کا ہے یعنی گل مقصود آغوش میں ہے اور نشاط وانبساط دستیاب ہے اور محبوب کا معاملہ حسب مراد ہے پس دنیا کے سلاطین بھی ایسے وقت میں ہمارے سامنے مثل غلام کے ہیچ وناچیز ہیں کہ یہ دولت ان کو بھی میسر نہیں۔

گو شمع میارید درین بزم کہ امشب	در مجلس ماماہ رخ دوست تمام ست

یعنی جب ہماری مجلس قلب میں محبوب کی تجلیات تمام وکمال کے ساتھ ہیں تو ہم کو اس ظاہری شمع وزینت کی ضرورت نہیں۔ اشارہ اسطرف ہے کہ تنویر قلب کی کوشش چاہئے تزئین ظاہری میں منہمک نہ ہو۔

در مذہب ما بادہ حلال ست ولیکن	بے روی تو ای سرو گل اندام حرام ست

بادہ سے مراد شورش ومستی ووجد کہ غلبہ حال سے ہواور مذہب ما کی تخصیص اس لئے کہ اہل ظاہر تو علی الاطلاق اس کو بوجہ عدم وجدان کے ریاء وناجائز جانتے ہیں پس ارشاد ہے کہ یہ حالت ہمارے نزدیک حلال تو ہے مگر جب ہے کہ منشاء اس کا غلبہ حالی ہو ورنہ اگر خالی ریاء ہے تو ہمارے نزدیک بھی حرام ہے۔

گوشم ہمہ برقول نے ونغمہ چنگ ست	چشم ہمہ برلعل لب وگردش جام ست

قول نے ونغمۂ چنگ کنایہ از سخنان عشق۔ ولعل لب وگردش جام کنایہ از تجلیات کہ بمستی آرد۔ یعنی میرا اتمام تر مقصود ومنتہای مرام محبت الٰہی ہے خواہ اس کے مناشی ہوں جیسے سخنان عشق یا اس سے ناشی ہوں۔

درمجلس ماعطرمیا میزکہ جان را	ہرلحظہ زگیسوی تو خوشبوی مشام ست
از چاشنی قندمگو ہیچ وزشکر	زان روکہ مرا ازلب شیریں تو کام ست

ان دونوں شعر کا وہی حاصل ہے جو اس غزل کے شعر دوم کا حاصل ہے اور ان دونوں شعر میں صنعت التفات ہے کیونکہ میامیز اور مگو کا مخاطب اور ہے اور گیسوی تو اور لب شیرین تو میں خطاب محبوب کو ہے چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے میامیز کے میارید اس التفات کا موئد ہے۔

تا گنج غمت دردل ویرانہ مقیم ست	پیوستہ مرا کنج خرابات مقام ست

گنج غم مراد عشق وکنج خرابات مقام محو وفنای صفات بشریہ ومعنی ظاہرست۔ اس میں اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ محو وفنا لوازم عشق سے ہے اگر یہ لازم متحقق نہ ہو تو حصول عشق کے زعم میں نہ رہے کہ وہ خیال محض ہے۔

ازننگ چہ گوئی کہ مرا نام زننگ ست	وزنام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام ست

حاصل مطلب ظاہر ہے کہ مجھ کو ننگ سے فخر ورفعت ہے اور فخر ورفعت سے ننگ ہے۔ اس شعر کا مضمون گویا متفرع ہے شعر سابق کے مضمون پر اور اس کلیہ کی ایک جزئی ہے یعنی عشق میں نخوت وناموس کا فنا ہوجانا چاہئے کما قال الرومیؒ۔ ای دوای نخوت وناموس ما + وی تو افلاطون وجالینوس ما۔

می خوارہ وسر گشتہ ورندیم و نظر باز	وان کس کہ چوما نیست درین شہر کدام ست

اس کی ایک توجیہ تو ظاہر یہ ہے کہ گو ہماری حالت قابل ملامت ہے مگر اوروں کو بھی ہے اتنا فرق ہے کہ ہم میں ریا نہیں اور لوگ ریا سے اپنے کو صالح بنائے ہوئے ہیں اور یہ باعتبار اکثر کے کہا اور واقعی یہی قصہ مشاہد ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہوگا کہ اپنے عیب کو دیکھنا چاہئے دوسرے کے عیوب پر نظر نہ چاہئے۔ اور ایک توجیہ غامض یہ ہے کہ اگر ہم عاشق ہیں تو کیا ہوا شہر میں ایک بھی اس سے بچا ہوا نہیں ہے گو بواسطہ کسی مخلوق کے سہی اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا محبّ ہے آدمی کا یا جانور کا یا سیم وزر کا وہ کسی کمال کی وجہ سے ہے اور وہ کمال مستفاد ہے کمال حق سے پس محبوب بالذات حق تعالیٰ ہی ہے گو محبّ کو بھی اس کی خبر نہ ہو جیسے عاشق دیوار تابان حقیقت میں عاشق آفتاب تابان کا ہے گو اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اس میں اشارہ ہوگا محبوب حقیقی کے منتہائی کمالات ہونے کی طرف اور جاننا چاہئے کہ ایسے بے خبر محبّ مقبول نہیں کیونکہ ان کا قبلہ توجہ تو مخلوق ہی ہے پس صرف وجود تعلق کافی نہیں ولو اضطراراً بلکہ اس کے ساتھ قصد تعلق بھی ضروری ہے اختیاراً۔

با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز	پیوستہ چوما در طلب عیش مدام ست

مدام شراب۔ یعنی محتسب سے میری کیا شکایت کرتے ہو وہ بھی ہماری ہی طرح مبتلای میخواری وعشق ہے اس کا مفہوم بھی شعر بالا کے مفہوم کلی کا ایک جزئیہ ہے بای المعینین اخذات

حافظ منشین بے مئی ومعشوقہ زمانے	کایام گل و یاسمین وعید صیام ست

عید صیام عید الفطر۔ چونکہ اجتماع اشیاء مذکورۂ مصرعہ ثانیہ عادۃً موقع ہے منادمت ومصاحبت محبوب کا اس لئے حاصل معنی بطور کنایہ کے یہ ہوا کہ آب حیات وصحت وشباب و فراغ کلا یا بعضاً کو مغتنم سمجھو اور ذکر ومحبت کا ذخیرہ جمع کرلو۔

غزل

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف ست	وگر بقہر برانی درون ما صاف ست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ عبد کا کسی حالت میں کوئی استحقاق نہیں جیسا معتزلہ کا

مذہب ہے پس لطف وبسط پر شکر اور ہجر وقبض پر تفویض محض چاہئے۔

بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست	چرا کہ وصف تو بیرون زحد اوصاف ست

یہ شعر حاصل مضمون لا احصی ثناء علیک کا ہے جیسا شعر اول میں عبد کے حق کی نفی تھی اس میں حق تعالیٰ کے حقوق کا غیر متناہی ہونا بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر واحد سے بالخصوص مجموعہ امرین سے حق تعالیٰ کا وفور عطا اور بندہ کا قصور وخطا ثابت ہوجائے اور اس کا استحضار عین وظیفہ سالک ہے۔

جوسرو سرکشی ای یار سنگدل بابا	چہ چشم ہاست کہ برروی ماز اطراف ست

بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور غالباً نہ ہونا راجح ہے کیونکہ کوئی اچھی توجیہ اس کی نہیں بنتی۔ نیز محبوب حقیقی کو خطاب ہو نہیں سکتا اور محبوب مجازی کا خطاب محبوب حقیقی کے خطابات میں متخلل ہونا بدنما معلوم ہوتا ہے اور ہونے کی تقدیر پر اس کی توجیہ میں شفا نہیں ہوئی یہ خیال میں آتا ہے کہ محبوب مجازی کی شکایت ہے کہ تو تو ہم سے سرکشی کررہا ہے اور دوسرے لوگ ہماری طرف کس درجہ متوجہ ہیں پس تجھ کو بھی ہم پر توجہ چاہے۔ **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔**

زچشم عشق توان دید روی شاہد ما	کہ نور چہرۂ خوبان زقاف تا قاف ست

مطلب یہ کہ میرے محبوب کا حسن ایسا ہے کہ دوسرے محبوبوں کا حسن اسی سے مستفاد ہے گویا وہ ان کے چہرہ کا نور ہے یعنی ان کے چہرہ میں جو نور ہے وہ اصلی نہیں ما بالعرض ہے اور اس ما بالعرض کا ما بالذات حسن محبوب حقیقی ہے پس کمال حسن تو ایسا ہے لیکن مجوبوں کو جو ادراک نہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے لئے عشق وطلب شرط ہے اور ان میں شرط فائت ہے۔

زمصحف رخ دلدار آیتے برخوان	نہ این مقام مقالات کشف کشاف ست

این مقام سے مراد مقام عشق یعنی مباحث وکتب سے کام نہیں چلتا بلکہ مطالعہ ومشاہدہ محبوب کا ملازم ہے اور اس سے عبثیت علوم ظاہرہ کی لازم نہیں آتی بلکہ مقصود ان کی عدم کفایت کا بیان ہے جیسے کہا گیا ہے + در کنز وہدایہ نتوان یافت خدارا۔ اور کشف بمعنی شرح ہے اور لطافت اس میں یہ ہے کہ کشف ایک حاشیہ بھی ہے کشاف کا۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ اس طرح ہے کہ آن بیان مقامات کشف وکشاف ست۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ وہ مصحف رخ دلدار خود ہی

بیان مقامات کشف وکشاف کا ہے یعنی جملہ ازان حاصل ست حاجت بکشف وکشاف ندارد اسکا حاصل بھی وہی ہے کہ اس مقام میں اس کی حاجت نہیں مطلق احتیاج کی نفی ہیں جیسے وضو نماز کے قبل ضروری ہے مگر عین نماز کے اندر کوئی وضو کرنے لگے ظاہر ہے کہ نماز نہ ہوگی۔

عدد کہ منطق حافظ طمع کند درشعر	ہمان حدیث ہمای وطریق خطاف ست

یعنی میرا مخالف جو طمع کرتا ہے کہ نظم میں حافظ کی سی گویائی وفصاحت حاصل کرلوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے خطاف کہ ایک پرندہ بیقدر ومنزلت سیاہ رنگ ادنیٰ درجہ کا ہے اور اس کو وطواط بھی کہتے ہیں ہما کی مساوات کا دعویٰ کرنے لگے جو اعلیٰ درجہ کا پرندہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ناقصوں کو کاملین کی مساوات کا دم مارنا نہ چاہئے کہ رہزن سلوک ہے۔

غزل

ماراز خیال تو چہ پروای شراب ست	خم گو سرخود گیر کہ خمخانہ خراب ست

شراب سے مراد ظاہری شراب اور خم سے مراد بھی اسی کا ظرف۔ اور خمخانہ سے مراد اپنا خمخانہ یعنی وجود سالک کا مطلب یہ کہ اے محبوب آپ کے خیال اور ذکر میں جو مستی نقد وقت ہے اس سے اس ظاہری شراب کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ یہ حلال اور دائمی اور وہ حرام اور عارضی اے مخاطب اس ظاہری خم سے کہہ دو کہ اپنا رستہ لے ہمارے یہاں اس کا کچھ کام نہیں کیونکہ ہماری ہستی محبوب کے ذکر ومحبت سے فنا ہوچکی ہے جس کا سکر اس سکر خم سے بدرجہا فائق ہے پھر مفضول سے کیا کام رہا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو یہ سکر حقیقی حاصل نہ ہو وہ محتاج شراب ظاہری کا ہے اور یہ لازم اس لئے نہیں آتا کہ اس حالت میں مانع شرعی تو موجود ہے اور ایک مانع کا وجود بھی کافی ہے اور حالت سکر حقیقی میں دو مانع ہیں ایک مانع شرعی دوسرا وجود سکر حقیقی کا۔ اور اصل یہ ہے کہ مقصود بیان کرنا اکملیت سکر حقیقی کا ہے بہ نسبت سکر خمری کے تا کہ اس کی تحصیل کی رغبت ہو پس باعتبار اس مقصود کے اس لازم کے ورود کا شبہ اور احتمال ہی نہیں۔

گرخمر بہشت ست بریزید کہ بےدوست	ہر شربت عذبم کہ وہی عین عذاب ست

شعر بالا میں محبت ومعیت الٰہیہ کے مقابلہ میں لذات دنیا کا ہیچ ہونا مذکور تھا اور اس

شعر میں بدون اس محبت و معیت کے صورت طاعات دینیہ کا کہ عبادت ریائی ہے ہیچ ہونا مذکور ہے کیونکہ عبادت ریائی میں یہی کمی ہوتی ہے کہ معیت الٰہیہ و خلوص نیت نہیں ہوتا اور چونکہ عبادت فی نفسہ سبب ہے خمر بہشت کا اس لئے اس کو اس عنوان سے تعبیر کیا گو عارض ریا کے سبب یہ سببیت نہیں رہتی ۔

افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریان	تحریر خیال خط او نقش برآب ست
بیدار شوای دیدہ کہ ایمن نتوان بود	زین سیل دمادم کہ درین منزل خواب ست

منزل خواب دنیا کہ محل غفلت ست ۔ و سیل دمادم حوادث و کاروبار دنیا کہ در ہدم دین بمنزلہ سیل ست شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شعر عام نصیحت کا کہ اس حالت قبض کے بھی متعلق ہو سکتا ہے اور دوسرے حالات کے بھی ۔ مطلب یہ کہ محبوب سے غیبت اور مفارقت ہوگئی مگر خیال اس کا باقی ہے اور چونکہ خیال کا اثر چشم پر بھی ہوتا ہے اور اس میں اشک بھر رہے ہیں اس لئے شاعرانہ لطافت سے تجبا اس کو نقش برآب سے تعبیر فرمایا اور مقصود اس سے اس کا سرعت زوال بیان کرنا نہیں ہے کما فہموا ۔ آگے فرماتے ہیں کہ دنیا میں غفلت نہ چاہئے کہ غفلت موجب خسران و مورث حرمان ہے چنانچہ بعض اوقات اسی غفلت سے معصیت اور معصیت سے قبض ہو جاتا ہے ۔

معشوقہ عیان میگذرد برتو ولیکن	اغیار ہمی بیند ازان بستہ نقاب ست

فاعل بیند ضمیر راجع بمعشوقہ و اغیار مفعول بیند یعنی محبوب کی تجلی ظاہر ہے لیکن چونکہ وہ اغیار کو بھی دیکھ رہا ہے اس لئے بطون کا نقاب باندھ رکھا ہے ۔ احقر کے مذاق میں اس میں بیان ہے اس کی حکمت کا کہ دنیا میں جو ظہور محض نہیں ہے جیسا آخرت میں ہوگا بلکہ ممزوج بالبطون ہے حاصل حکمت کا یہ ہوا کہ چونکہ دنیا میں کفار بھی ہیں اور ان کو ابتلاء مکلّف کیا ہے ایمان بالغیب کا پس اگر انکشاف تام ہو جاتا تو ایمان اضطراری ہو جاتا اور وہ خلاف ابتلاء تھا اس لئے انکشاف تام نہیں ہوا اور ہر چند کہ نفس ابتلاء اہل ایمان کے لئے بھی ہے مگر چونکہ وہ قبل مشاہدہ ایمان لا چکے اس لئے ان کے حق میں یہ ابتلاء خاص نہ رہتا ۔ اور اگر کہا جائے کہ

صرف اہل ایمان کے لئے انکشاف تام ہوجاتا سب کے لئے عام نہ ہوتا۔ اس کا جواب دوسرے قاعدہ مستقلہ سے حاصل ہوسکتا ہے وہ یہ کہ عادت الٰہیہ یہی ہے کہ اکثر احکام دینویہ مشترک رہتے ہیں چنانچہ نزول بلیات وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت میں باطن کے ساتھ موصوف نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ وہاں کا بطون صرف مانع درک واحاطۂ حقیقت ہوگا مثل بطون دنیا کے مانع انکشاف ومعائنہ ذات نہ ہوگا۔

گل بر رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	درآتش رشک از غم دل غرق گلاب ست

احقر کے ذوق میں مقصود اس سے محض بیان کرنا ہے کمالات حادث کے بے حقیقت ہونے کا کمالات واجب کے سامنے ترجمہ ظاہر ہے کہ جب سے گل نے محبوب کے رخ پر پسینہ کی لطافت دیکھی ہے غم اور رشک سے عرق ندامت میں ڈوب گیا اس کے عرق ندامت کو گلاب سے تعبیر کردیا۔ والبعد الشراح حیث شبہوا مفردات الشعر بما لایتبادر الی الاذہان۔

در بزم دل از روی تو صد شمع برافروخت	وین طرفہ کہ بر روی تو صد گونہ حجاب ست

اس کا حاصل یہ ہے کہ محبوب عین تجلی میں مستتر اور عین ظہور میں باطن ہے کہ ہر چند کہ قلب میں صد ہا شمع اس کی تجلیات وظہورات کی روشن ہیں مگر پھر بھی ہزاروں حجاب مانع ہیں۔ زیادہ تفصیل شعر بالا کے قبل کے شعر معشوقہ الخ کی شرح میں لکھی گئی ہے۔

سبزست در ودشت بیا تا نگذاریم	دست از ہرآبے کہ جہان جملہ سراب ست

گذاشتن ترک کردن۔ ودر ودشت ہر دو بمعنی صحرا کنایہ از کائنات۔ یعنی تمام ہستی آیات ودلائل ومنبہات سے پر اور معمور ہے آؤ تاکہ کنارہ آب سے کہ اس سے یہ سبزی ہے دست بردار نہ ہوں یعنی بصیرت وفکر سے کام لیں کہ وہی ذریعہ ہے استدلال بالآیات وعبرت وتذکر کا۔ آگے اس کو علت سے موکد کرتے ہیں کہ تمتعات دنیویہ تو محض ہیچ ہیں ان سے دل بستگی مت کرو۔ اور بعض نسخوں میں تا بگذاریم باءِ موحدہ سے ہے معنی یہ ہوں گے کہ آؤ کنارہ آب پر ہاتھ گزار دیں یعنی اس پر قبضہ کرلیں اور اس کو حاصل کرلیں جیسے بولتے ہیں دست برسر گذاشتن یعنی سر پر ہاتھ پھیرنا پس اس از کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کنارۂ

آب پر سے ہاتھ کو گزار دیں لیکن غالباً یہ نسخہ غلط ہوگا کہ ارتکاب تکلف بارد کا کرنا پڑتا ہے۔

درکنج دماغم مطلب جای نصیحت	کاین حجرہ پراززمزمۂ چنگ ورباب ست

مطلب یہ ہے کہ میرا دماغ آثار عشق سے پر ہے اس میں ترک عشق کی نصیحت کی گنجائش نہیں جیسا کہ خشک مزاج ظاہر پرست عشاق پر ملامت کرتے رہا کرتے ہیں۔

راہ توچہ راہ ست کہ از غایت تعظیم	دریای محیط فلکش ہمچو حباب ست

اس میں عظمت طریق وصول کی بیان کرتے ہیں کہ دریای محیط فلک اس طریق کا ایک حباب ہے یعنی فلک کی رفعت اور عظمت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ فلک کے طے کرنے سے وصول الی الملکوت میسر ہوتا ہے و بس اس طریق کے قطع کرنے سے وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے وشتان بین الملائکہ ورب الملائکۃ و ماللتراب ورب الارباب۔ شاید مقصود اس سے امر ہو غایت مجاہدہ وسعی کا کہ مقصود عظیم کے لئے سعی بھی عظیم ہی چاہئے پھر خواہ حصول فضل ہی سے ہو جائے اور یہی ہوتا ہے مگر ارادہ شرط ہے۔

بی روی دل آرای تو ای شمع دل افروز	دل رقص کنان برسر آتش چو کباب ست

یہ شعر حالت قبض پر بسہولت منطبق ہوسکتا ہے اور آتش پر کباب کے الٹ پلٹ ہونے کو رقص سے تعبیر کیا گیا۔

حافظ چہ شد ار عاشق ورندست ونظر باز	پس طور عجب لازم ایام شباب ست

چہ شد جزای مقدم دار عاشق الخ شرط موخر ومصرعہ ثانیہ علت جزاست دعاشق ورند ونظر باز کنایہ از غیر ضابط وشباب مراد ابتدای سلوک یا جوش عشق۔ مطلب یہ کہ حافظ جو غیر ضابط ہے جس پر اس کو ملامت کی جاتی ہے تو تعجب مت کرو کیونکہ ابتداء سلوک یا غلبہ عشق میں یہی طور ہوتا ہے اور اسی حالت میں بہت سے عجب عجب اطوار ہوا کرتے ہیں پھر ملامت نہ کرو۔ اس میں ممکن ہے کہ ارشاد ہو ترک ملامت کا اہل حال پر۔

غزل

کنون کہ درکف گل جام بادۂ صاف ست	بصد ہزار زبان بلبلش دراوصاف ست

بخواه دفتر اشعار ورو بصحرا کن	چہ وقت مدرسۂ و بحث وکشف کشاف ست
فقیہ مدرسہ دی مست بودفتوی داد	کہ می حرام ولی بہ ز مال اوقاف ست
بدرد و صاف ترا حکم نیست ودم درکش	کہ ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

گل سے مراد مرشد راہ عشق بقرینہ جملہ درکف تحمل جام بادہ صاف ست + کیونکہ مرشد بھی فیوض عشقیہ کا قاسم اور واسطہ ہوتا ہے۔اور بلبل سے مراد طالب۔اور زبان سے مراد زبان حال۔اور دفتر اشعار سے مراد لوازم عشق اور صحرا سے مراد جلوہ گاہ و خدمت مرشد کہ مشبہ بگل تھا اور گل صحرا میں ہوتا ہے اور مدرسہ الخ سے مراد خدمت علوم رسمیہ۔اور می سے مراد وہ امور جن کو اکثر اہل ظاہر علی الاطلاق حرام کہتے ہیں اور عشاق مغلوب الحال ان میں مبتلا ہیں مثل شطحیات وسماع وغیر ذلک۔اور مال اوقاف میں بقرینہ مقام یہ بھی قید ہے کہ غیر مستحق را حاصل مطلب یہ ہے کہ شیخ وقت فیوض تقسیم کررہا ہے اور طالب زبان حال سے اس کے ثنا خوان ہیں ایسے وقت میں عشق کے لئے آمادہ ہوکر اس کی خدمت میں پہنچو اور اس حالت میں علوم رسمیہ کی بحث و درس کا موقع نہیں ہے (کیونکہ اہل خلوت کو برائے چندے دوسرے مشاغل غیر مفروضہ کو موخر کرنا پڑتا ہے)اور عشاق کے گو بعض حالات ظاہر امحل ملامت ہیں مگر انصاف کیا جائے اور کسی قدر اثر اور مذاق محبت کا ہو تو فقیہ معترض بھی یہی کہے کہ واقعی گو یہ حالات منکر ہیں مگر مال اوقاف کو جو معترضین بلا استحقاق کھا رہے ہیں اس سے تو یہ حالات اچھے ہیں کیونکہ ان حالات میں بعض امور تو اختلافی منکر ہیں اور مال اوقاف غیر مستحق کے لئے بالاتفاق منکر ہے اور منکر اختلافی اہون واخف ہے منکر اتفاقی سے اور بعض امور گو اتفاقاً منکر ہیں مگر غلبہ حال اس میں عذر ہے اور آکلین بغیر حق کے لئے کیا عذر ہے آگے بطور تعلیم فرماتے ہیں کہ جب فیض و تعلیم مرشد سے واردات عشقیہ کا سلسلہ شروع ہو تو درد و صاف کی تجویز کرنے کا تم کو کوئی حق نہیں یعنی قبض و بسط کی خواہش یا انکار خلاف طریق ہے جو کچھ عطا ہو جائے وہی تربیت باطنی کے لئے مصلحت اور وہی عین لطف ہے۔

ببرز خلق وزعنقا قیاس کار بگیر	کہ صیت گوشہ نشینان زقاف تا قاف ست

اس میں تعلیم ہے ترک بمعنی تقلیل تعلقات کی اور ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔

حدیث مدعیان وخیال ہمکاران	ہمان حکایت زردوز و بوریا باف ست

ہمکاران عشاق اس کا وہی حاصل ہے، جوغزل ہذا کے غزل سابق سے سابق کے مقطع کا حاصل ہے۔

خموش حافظ و این نکتہای چون زر سرخ	نگاہدار کہ قلاب شہر صراف ست

قلاب دغاباز کذافی الغیاث۔ مطلب یہ کہ جہاں نااہل کلام کے جانچنے والے ہوں وہاں حقائق و معارف کا اظہار نہ چاہے کہ مقصود اظہار علم نہیں بلکہ محض افادہ ہے اور وہ مفقود پھر اظہار بے سود۔ اس میں تعلیم ہے کہ حتی الامکان حالات باطنی کا ضبط چاہئے کہ نااہلوں سے یا متکلم کو ضرر ہوگا یا خود ان کو انکار کا ضرر ہوگا یا ان کے انکار سے دوسرے خالی الذہن لوگوں کو مخالفت اہل حال کا ضرر ہوگا۔ یا ان نااہل نافہموں میں بعضے معتقد ظاہر پر محمول کر کے اپنا دین خراب کریں گے۔

غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز ست	ببانگ چنگ مخوری کہ محتسب تیز ست
صراحیے و حریفے گرت بدست افتد	بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز ست
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن	کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز ست
زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از اشک	کہ موسم ورع و روزگار پرہیز ست

جیسے بعض اشعار میں احکام سکر کے بیان ہوتے ہیں ان اشعار میں احکام صحو کے بیان کئے ہیں۔ حاصل یہ کہ اگرچہ عشق سے طبیعت کو جوش ہوتا ہے اور واسطہ فیض سے فیض پہنچ رہا ہے جس کا مقتضا تھا اظہار احوال عشق مگر چونکہ محتسب یعنی مانع اظہار کہ صحو ہے تیز یعنی قوی و غالب ہے اس لئے اظہار مت کرو کیونکہ حالت صحو میں ضبط واجب ہے اور ایسی حالت میں اگر صراحی یعنی دل پر عشق اور حریف یعنی محرم راز میسر ہو تب بھی مقتضای عقل میں کہ اخفاء حال ہے کوشش کرو کیونکہ اہل زمانہ فتنہ انگیز ہیں اور ایسے امور پر فتنہ برپا کرتے ہیں اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا یا خود فتنہ میں پڑنا درست نہیں مگر عارض سکر سے اس نہی کا مکلف نہ رہا تھا

جب سکر نہ رہا پھر حکم اصلی عود کرآیا پس پیالہ شراب یعنی احوال عشق کو آستین خرقہ میں پوشیدہ رکھو کنایہ ہے اخفاء احوال عشق سے کیونکہ اہل زمانہ خونریز ہیں جیسے چشم صراحی خونریز ہوتی ہے اس کو خونریز اس لئے کہا کہ اس میں سے شراب نکلتی ہے جس کا رنگ سرخ مثل خون کے ہوتا ہے۔ شاید چشم صراحی اس کی ٹونٹی کو کہا ہو جس میں سے شراب لیتے ہیں۔ اور اس کے پہلے شعر کے مصرعہ ثانیہ کی جو تقریر تھی وہی اس کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں کہ زمانہ سکر میں جو کچھ اظہار اسرار ہوگیا ہے اب اشک ندامت سے سکر کے اس دھبہ کو خرقہ وجود سے دھونا چاہے یعنی اس سے عذر و توبہ چاہئے کیونکہ اب موسم صحو ہے جس میں ورع وتقویٰ واجب ہے اور لوازم تقویٰ سے تلافی ہے مافات کی۔ اور رہا یہ کہ سکر میں تو گناہ ہی نہ ہوا تھا پھر توبہ کی کیا ضرورت ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو سکر بھی ناقص ہوتا ہے جس میں من کل الوجوہ معذور نہیں ہوتا یعنی اختیار رہتا ہے مگر ناتمام جس میں ضبط متعذر نہیں بلکہ متعسر ہو جاتا ہے تو اس وقت گناہ لکھا جانا بعید نہیں اور اگر سکر تام بھی ہو تب بھی فی نفسہ تو کلمات غیر مشروعہ قبیح ہیں اس کا قبح مقتضی معذرت ہے جیسا بلا اختیار کسی بزرگ کو اپنی ٹھوکر لگ جائے تو اطلاع ہونے پر کس قدر شرماتا ہے اور معذرت کرتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ خلق ضلالت سے محفوظ رہے۔ پس ان اشعار میں دو امر کی تعلیم ہے ایک وجوب ضبط کی حالت صحو میں دوسری تلافی حالت سکر کی جیسا حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ جب صحو میں آتے اور سنتے کہ میں نے حالت سکر میں سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو فرماتے لو قلت سبحانی ما اعظم شانی فانا مجوسی فاقطع زناری واقول اشہد ان لا الہ الا اللہ۔

مجوی عیش خوش از دور واژگون سپہر	کہ صاف این سر خم جملہ درد آمیز ست

واژگون صفت دور سپہر مضاف الیہ دور واژگون۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں راحت مت طلب کرو کہ یہاں کی راحت بھی مکدر ہے مقصود تعلیم ہے ترک تعلق وحب دنیا کی تاکہ فکر آخرت میں لگے۔ اور خم سے مراد فلک باعتبار محدب ہونے کے اور نسبت حوادث کی فلک کی طرف یا اس کو کج رفتار کہنا شاعری ہے۔

سپہر برشدہ پرویز نے ست خون افشان	کہ قطرہ اش سر کسری و تاج پرویز ست

برشدہ بمعنی بلند شدہ صفت سپہر۔ وپرویزن غربال۔ وکسرے وپرویز نام دو بادشاہان یعنی یہ فلک بمنزلہ ایک غربال کے ہے۔ جس میں سے خون ٹپکتا ہے چنانچہ سر کسرے اور تاج پرویز بھی اسی کے قطرہ خون ہیں کہ ان کو خون اور ہلاک کر کے قطرہ قطرہ اور ریزہ ریزہ کر کے چھان ڈالا۔ اور بعض نسخوں میں بجائے قطرہ کے ریزہ ہے بمعنی ریختہ شدہ اس شعر کا مقصود بھی مثل مقصود شعر بالا ہے۔

ہر انچہ میرسد از نور فیض سبحانی	نصیبۂ دل شخصے کہ شب سحر خیزست

یہ شعر گویا شعر سابق کا متمم ہے کہ اس میں تزہید تھی دنیا سے اور اس میں ترغیب ہے امور آخرت کی اور بعض نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے اور اسلوب بھی اس کا کلام حافظ کا سا نہیں۔

عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ	بیا کہ نوبت بغداد وقت تبریزست

ترجمہ تو ظاہر ہے مقصود معنوی یہ ہوسکتا ہے کہ شیوخ کو اشاعت طریق وافادہ خلق کی حرص ہونا چاہئے یہ نہیں کہ اگر چند مقامات پر فیض پہنچ گیا تو اس پر قناعت کریں بلکہ دوسرے مقامات پر توجہ کرنا چاہئے کہ ان کو بھی ان کے افادات سے بہرہ ہو کہ یہ حضرات ورثہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے اور انبیاء علیہم السلام کی یہی سنت ہے

غزل

یارب آن شمع شب افروز بکاشانہ کیست	جان ماسوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
حالیا خانہ برانداز دل ودین من ست	تا ہم آغوش کہ می باشدہ ہمخانۂ کیست
بادۂ لعل لبش کزلب مادور مباد	راح روح کہٗ وپیمانہ دہ پیمانہ کیست
دولت صحبت آن شمع سعادت پرتو	باز پرسید خدارا کہ پروانۂ کیست
میدہد ہر کسش افسونی ومعلوم نشد	کہ دل نازک او مائل افسانہ کیست
یارب آن شاہ وش ماہ رخ زہرہ جبین	در یکتائے کہٗ وگوہر یکدانۂ کیست
آن می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب	ہمنشین کہٗ وہمکاسہ وپیمانہ کیست

گفتم اہ از دل دیوانہ حافظ بے تو	زیر لب خندہ زنان گفت کہ دیوانہ کیست

یہ تمام غزل حالت قبض وفراق کی معلوم ہوتی ہے اور بعض اشعار میں لفظ یارب آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان میں غیر رب کے معاملہ کا بیان ہوگا کیونکہ یہ یارب ندا کے لئے نہیں ہے بلکہ محض تعجب وحیرت کے لئے ہے اور بجز شعر پنجم و مقطع کے سب اشعار کا ایک ہی مضمون ہے مختلف عنوانات سے کہ ہم سے جدا ہو کر معلوم نہیں کس کے حال پر توجہ کی ہے اور دوسرے کے حال پر توجہ سے تعرض بطور غبطہ کے ہے جو کہ محمود ہے۔ پس فرماتے ہیں کہ خدا جانے وہ محبوب کہ مشابہ شمع شب افروز کے رونق بخشی میں ہے کس کے کاشانہ قلب میں متجلی ہے ہماری جان کو تو فراق میں سوختہ کر دیا۔ تحقیق تو کرو کس کا دوست بنا ہے فی الحال تو میرے خانہ دل و دین کو ویران کر دیا ہے فراق میں دل کا ویران ہونا تو ظاہر ہے اور دین کی ویرانی یا تو اس طرح ہے کہ فراق میں شکوہ ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ مخل دین ہے گو عارض عذر سے مواخذہ نہ ہو اور یا اس لئے کہ قبض میں افسردگی ہوتی ہے اور افسردگی بہت طاعات میں مخل ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہم آغوش اور ہم خانہ یعنی کس کا مواصل ہے۔ اس کا بادہ لعل کہ خدا کرے ہم سے بھی اس کو قرب نصیب ہو معلوم نہیں کس شخص کا راحت روح اور کس کے پیمانہ کا ہم عہد ہو رہا ہے یعنی کس کے پیمانۂ دل سے عہد کیا ہوگا کہ تجھ سے قرب کروں گا۔ اور بادہ اور پیمانہ کی مناسبت کا لطف ظاہر ہے اور اس شمع سعادت پرتو کی دولت صحبت کی نسبت پوچھو تو کہ کس کے پروانۂ دل کے ساتھ واقع ہوتی ہے (پس پروانہ کی با زائد نہیں کما فہم البعض) اور سعادت پرتو کے معنی یہ ہیں کہ سعادت پرتوِ فیض وظل اوست۔ آگے شعر پنجم ہے جو دوسرے مضمون کا ہے یعنی ہر شخص محبوب کی تملق کرتا ہے جس کو مجازاً افسوں کہہ دیا اور یہ بالتعیین معلوم نہ ہوا کہ وہ کس سے خوش ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طریقہ ان کی رضا کا کسی کو معلوم نہیں کیونکہ شریعت نے طریق رضا کا خود بتلا دیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ پورا یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس طریق پر مستقیم ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے دقائق جو عوائق رضا ہیں خیال میں بھی نہیں آتے۔ اس سے غرض یہ تعلیم ہوگی کہ مجاہدہ وریاضت کر کے مغرور نہ ہو بلکہ لرزاں وترساں رہے۔ آگے پھر عود ہے مضمون سابق کی طرف کہ وہ محبوب کامل الجلال والجمال معلوم نہیں کس کی منزل دل میں دریکتا و گوہر یکدانہ کی

طرح تجلی فرما ونور افزا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ تجلی جو ایراث سکر میں مثل مے لعل کے تھی اور جس کو میں بخوبی مشاہدہ بھی نہ کر چکا تھا اور مست وخراب ہو گیا خدا جانے کس کی ہمنشین اور کس کی ہم کاسہ اور ہم پیمانہ یعنی کس کی مواصل ہے۔ آگے مقطع ہے یعنی میں نے بزبان حال یا بلسان قال عرض کیا کہ بدون آپ کے حافظ کے دل دیوانہ کی حالت قابل افسوس ہے تبسم زیرلبی کر کے فرمایا کہ تو جو دل کو دیوانہ کہتا ہے تو وہ کس کا دیوانہ ہے۔ ضحک اور سوال منافی نہیں ہے اس معاملہ کے صدور عن المحبوب کے کیونکہ ضحک علی مایلیق بہ احادیث سے ثابت ہے اور سوال کچھ استفادہ میں منحصر نہیں کہ محال لازم آئے بلکہ ممکن ہے کہ تہییج شوق کے لئے ہو اور دوسرے اغراض کے لئے سوال ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسا حدیث فضل ذکر میں آیا ہے کہ ملائکہ سے سوال فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیا کر رہے ہیں الی آخر الحدیث۔ اور مقصود تمام غزل سے اظہار حزن ہے قبض پر جس سے عجز وتضرع معلوم ہوتا ہے جو کہ لازمہ عبدیت ہے اور تعلیم بھی ہے کہ قبض میں خوب تضرع وزاری وعجز ونیاز سے کام لے کہ خواہ کوئی سبب ہو مگر زاری ہر حال میں نافع ہے۔

غزل

بنال بلبل اگر بامنت سر یاریست	کہ مادو عاشق زاریم وکار ما زاری ست

ترجمہ لفظیہ تو ظاہر ہے اور مقصود اس سے اس امر کا بیان کرنا ہے کہ اصل کام عاشق و طالب کا افتقار اور زاری ہے کما قال الرومیؒ دوست دارد دوست این آشفتگی + حتی کہ اگر کوئی اس سے اختلاط کرنا چاہے تو دیکھ لے اگر وہ بھی اسی مذاق کا ہو تو اس سے ارتباط کرے کہ اس سے تقویت حال کی ہوتی ہے ورنہ علیحدہ رہے کہ صحبت ناجنس سے ضرر ہوتا ہے۔

درآن چمن کہ نسیمی وزو زطرۂ دوست	چہ جاے دم زدن نافہ ہای تاتاری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے اور مقصود معنوی یہ ہے کہ تذکرۂ محبوب کے سامنے تمام مفرحات گرد ہیں اس میں تعلیم ہے کہ محبّ کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونا چاہئے۔

بیار بادہ کہ رنگین کنیم جامۂ دلق	کہ مست جام غروریم ونام ہشیار بست

مخاطب کو مشورہ دیتے ہیں کہ شراب محبت الٰہی سے اپنی ہستی کو متصف کرنا چاہئے کیونکہ

ہماری حالت موجودہ واجب الاصلاح ہے اس لئے کہ ہم غرور وغفلت میں مدہوش ہورہے ہیں اور اس کا نام ہشیاری رکھا ہے تو اصلاح ضروری ہوئی اور اصلاح کا یہی محبت الٰہیہ طریقہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں جامہ زرق بمعنی جامہ مکر ہے مراد اس سے وہی ہستی پر غرور ہے۔

نہ بستہ اند در توبہ حالیا برخیز	کہ توبہ وقت گل از عاشقی زبیکاری ست

اس میں ترغیب عشق کے ساتھ مخاطب کو ایک شبہ کا کہ عشق کے متعلق جواب دیتے ہیں وہ شبہ غلبۂ ظاہر پرستی سے پیدا ہوتا تھا کہ یہ حالت چونکہ سلف سے منقول نہیں اس لئے بدعت ومعصیت ہوگی۔ جواب علی سبیل التنزل دیتے ہیں کہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے تو پھر توبہ کرلیجیو عاشقی سے کیوں توبہ واعراض کرتے ہو کہ ابھی وقت ہے اس کی تحصیل کا کہ صحت و فراغ وقرب مرشد میسر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش ہی کے طور پر اس طریق کو اختیار کرلو کما قال الرومیؒ۔ آزمون رایک زمانی خاک باش + اور تحقیقی جواب میں چونکہ مشاغبہ ہوسکتا تھا اس کو شاید اس لئے اختیار نہ کیا ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس عشق کے متعلق دو امر ہیں مبادی اور آثار مبادی مثل مجاہدات خاصہ واشغال خاصہ فی نفسہ امور مباحہ ہیں اور ذرائع مقصود ہونے کی وجہ سے عبادت بالغیر ہیں اور آثار شورش وغیرہ امور وجدانی ہیں جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اور خود محبت مامور بہ اور طاعت مقصودہ ہے پس کوئی امر بھی بدعت ومعصیت نہ ہوا۔

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم	زہی مراتب خوابی کہ بہ زبیداری ست

خواب سے مراد منام نہیں ہے بلکہ مقابل یقظہ کے ہے یعنی حالت بین النوم والیقظہ جو احیانا اہل سلوک کو پیش آتی ہے۔ یعنی اس میں کچھ مشاہدات میسر ہوئے اور ایسا خواب بہت اچھا جو بیداری سے بھی بہتر ہو۔ تنبیہ:۔ یہ حالت مذکورہ از قبیل استغراق ہے اور استغراق میں ترقی ہوتی نہیں اور بیداری میں ترقی ہوتی ہے پھر بیداری سے وہ حالت کیسے افضل ہوسکتی ہے تو اس کی دو توجیہ ہیں ایک یہ کہ مطلق بیداری مراد نہ ہو بلکہ خاص وہ بیداری جس میں مشغول بہ ترقی نہ ہو پس عدم ترقی میں دونوں برابر پھر مشاہدہ میں وہ حالت فائق پس وہی افضل ہوئی دوسرے یہ کہ ابتداء میں بعض اوقات بعض ذرائع زیادہ انفع ہوتے ہیں بعض مقاصد سے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مقاصد میں شرائط کمال نہیں ہوتے مثلاً تلاوت بے خشوع اور ایسی حالت مذکورہ سے خشوع

پیدا ہوگیا پھر وہ مکمل مقصود کا بھی ہوگیا تو اس اعتبار خاص سے ذریعہ افضل ہوگیا بعض مقاصد سے اور بعض اس لئے کہا کہ مقاصد میں جو فرائض وغیرہ ہیں وہ ہر حالت میں ذرائع سے افضل ہیں۔ اور یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ بعض مشائخ اذ کار واشغال میں مشغول کر کے تلاوت ونوافل کی تقلیل کرا دیتے ہیں سو حقیقت میں ان کو ترک کرانا مقاصد کا یا ترجیح دینا ذرائع کو مقصود نہیں بلکہ ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ طالب ان مقاصد کا اصل کامل بن جائے ۔

خیال زلف تو پختن نہ کار خامان ست	کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری ست

مقصود بیان کرنا صعوبت عشق کا ہے کہ زلف مشابہ زنجیر کے ہے اور زنجیر کے تحت میں چلنا بڑی ہوشیاری کا کام ہے پس زلف محبوب کا طالب ہونا ہر خام کا کام نہیں اور یہ صعوبت باعتبار آثار عشق کے ہے کہ واردات شاقہ پیش آتے ہیں مثلاً قبض وہیبت وحیرت و بعض مکاشفات جن میں احتمال اعتقاد امور غیر مشروعہ کا ہوتا ہے جو کہ ہلاکت حقیقیہ کا بھی سبب ہے جیسا دوسری جگہ خود فرمایا ہے ۔

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسی ست	ہشدار و گوش رابہ پیام سروش دار

پس بڑی ہی احتیاط اور حزم درکار ہے ۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق ازو خیزد	کہ نام آن نہ لب لعل وخط زنگاری ست
جمال شخص نہ چشم ست وزلف وعارض وخال	ہزار نکتہ درین کاروبار دلداری ست

مطلب یہ کہ جو جمال مدار ہے عشق کا وہ ایک کیفیت خاصہ ہے محبوب میں جو وجدانا مدرک ہوتی ہے یہ خط وخال وغیرہ مدار اس کا نہیں ہے اسی کو دوسری جگہ فرمایا ہے ۔

شاہد آن نیست کہ موئے ومیانے دارد	بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

اور اس میں ایک تحقیق عظیم کی طرف بھی اشارہ ہوگیا وہ یہ کہ بعض اہل ظواہر نے محبت الٰہیہ بمعنی میلان قلب ورجحان طبع کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس محبت کا سبب صرف حسن صورت ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے اس کا جواب اس طرح ہوگیا کہ ہم اس سبب کا انحصار حسن صورت میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ سبب اصلی ایک جمال وکمال خاص ہے جو علی وجہ الکمال حضرت

حق میں موجود ہے بسط اس بحث کا احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں ہے جو دیکھنے کے قابل ہے ۔

بآستان تو مشکل توان رسید آری	عروج بر فلک سروری بدشواری ست

ترجمہ لفظیہ ظاہر ہے۔ مقصود عظمت بیان کرنا ہے وصول الی المقصود کی تا کہ نعمت عظمی سمجھ کر اس کے لئے خوب سعی کی جائے اور اس کی علامات ظاہر ہونے کے وقت شکر ادا کیا جائے ۔

روندگان طریقت بہ نیم جو نخرند	قبای اطلس آنکس کہ از ہنر عاری ست

قبای اطلس سے مراد عبادات ریائیہ اور ہنر سے مراد اخلاص۔ مقصود و ظاہر ہے کہ اہل حقیقت کی نظر میں عبادت بے اخلاص کی کچھ وقعت نہیں ۔اس میں تاکید ہے تحصیل اخلاص کی۔

دلش بنالہ میازار و ختم کن حافظ	کہ رستگاری جاوید در کم آزاری ست

آزردن مراد ناخوش کردن۔ وکم آزاری مراد عدم ازاری۔ مقصود ارشاد ہے کہ عشق میں جو حالات ناگوار پیش آئیں اس سے شکوہ کرنا خلاف مرضی حق ہے جو مخل رستگاری ونجات ہے بلکہ اصطبار ضروری ہے کما قال السعدیؒ۔ خوشا وقت شوریدگاں غمش + اگر ریش بینند وگر مرہمش + دمادم شراب الم در کشند + وگر تلخ بینند دم در کشند + البتہ مغلوب الحال اس سے مستثنیٰ اور معذور ہے ۔

غزل

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبی ست	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربی ست

عربی مراد سخنان فصیح کہ از صدق حال برخیزد۔ اس میں ایک حالت خاص کا بیان ہے کہ جوش عشق میں اپنی جان نثاری و خدمت گزاری و وفاداری کے اظہار کا بعض اوقات جوش ہوتا ہے اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگرچہ اپنی خوبی و ہنر کا محبوب کے سامنے پیش کرنا بے ادبی ہے اور اسی لئے زبان خاموش بھی ہے لیکن جوش اس قدر ہے کہ ایسے کلمات منہ تک آجاتے ہیں گو ضبط کیا جاتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جوش میں بھی دعویٰ کی کوئی بات نہ ہونا چاہئے کہ خلاف ادب ہے اور طرق العشق کلھا اداب.

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ وناز	بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ کہ عجب قحط بصیرت ہے کہ کاملین کے کمالات سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور شیخان مزور کو کامل سمجھ رکھا ہے اس میں اشارہ ہے کہ تجویز مرشد میں بصیرت و تحقیق سے کام لینا چاہئے کما قال الرومیؒ ۔ پس بر دستی نباید داد دست

سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد	کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببی ست

یہ بطور سبب مضمون سابق کے ہے اور چرخ سے مراد عوام اہل عالم ہیں۔ مطلب یہ کہ عوام کی توجہ کا سبب کیا پوچھتے ہو ان کے رتبہ بخشی کے لئے کسی سبب معتد بہ کی تھوڑا ہی ضرورت ہے محض خیال کے پابند ہوتے ہیں جو جی میں آیا کر گزرے تحقیق کی عادت ہی نہیں۔ پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عوام کے ہجوم سے کسی کے کمال پر استدلال نہ کیا جائے۔

ازین چمن گل بیخار کس نچید آرے	چراغ مصطفوی باشرار بولہبی ست

مقصود یہ ہے کہ کوئی راحت بدون محنت اور کوئی نفع بدون تحمل ضرر میسر نہیں حتیٰ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس محبوبیت کے ابولہب کی ایذائیں سہنا پڑیں۔ پس طریق طلب میں امور شاقہ وصعبہ ظاہرہ یا باطنہ جو خلاف مزاج پیش آئیں ان کا تحمل چاہئے تا کہ دولت مطلوبہ حاصل ہو ۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم	ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

مقصود یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو نہ موثر سمجھے نہ مانع بالکل دارومدار فضل اور مشیت پر ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ نہ اپنے کمالات پر ناز کرے نہ دوسرے کے نقائص پر اس کی تحقیر کرے۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد ۔

جمال دختر رز نور چشم ماست مگر	کہ در نقاب ز جاجی و پردۂ عنبی ست

دختر رز بنت العنب شراب۔ واو چون از عنب حاصل می شود ودرز جاج می ماند بطور حسن التعلیل محبوبیت او را معلل بدین علت ساختہ کہ شاید او در نقاب ز جاجیہ است کہ از رطوبات سہ گانہ چشم ست کہ مجموعہ آن جلسد یہ وز جاجیہ وبیضیہ است وشاید در حجاب عنبی ست کہ از طبقات ہفتگانہ چشم ست کہ مجموعہ آن صلبی و مشیمی و شبکی و عنبی و عنکبوتی و قرنی و ملتحمی

ست ازین رونور چشم ما باشد۔ وبلسان اشارت مقصود بیان کردن ست عزیز بودن نسبت عشقیہ راکہ در مستی مشابہ شراب ست وچون حسن التعلیل محض مضمون شاعرانہ می باشد ضرور نیست کہ درواقع چیزے مصداق آن شود بجز تحسین کلام وتشبیہ پس حاصل معنی آن باشد کہ عشق چنان عزیز ست کہ گویا نور چشم ماست کہ در رطوبت خاصہ وطبقہ خاصہ می ماند۔

دوای درد خود اکنون ازان مفرح جوی	کہ در صراحی چینی و شیشۂ حلبی ست

چون صراحی چینی وشیشۂ حلبی از انفس ظروف شراب ست کہ در وانفس شراب می ماند پس کنایہ شد از اکمل افراد خمر۔ مراد اس سے بھی وہی عشق ہے جو کامل درجہ کا ہو اور درد سے مراد امراض قلب کما قال الرومیؒ۔

ای دوای نخوت وناموس ما	ای تو افلاطون و جالینوس ما

یا درد سے مراد ضلال طلب اور مفرح سے مراد نسبت وتعلیم اور صراحی چینی وحلبی سے مراد مرد کامل یعنی اگر اپنے درد طلب کی دوا کہ عبارت ہے وصول سے چاہتے ہو تو کسی کامل سے فیوض باطنی حاصل کرلو اور اس کی تلقین کا اتباع کرو۔

بہ نیم جونہ خرم طاق خانقاہ ورباط	مرا کہ مصطبہ ایوان وپای خم طنبی ست

مصطبہ میخانہ وطنب خیمہ مشبک (گویم کہ شاید شامیانہ مراد باشد کہ رفیع ہم ست و درمیان سقفش وقناتش شباک ہم ست واللہ اعلم وشاید آنرا طنبی ہم گفتہ باشند منسوب الی الطناب بمعنی رسن) وبنای رفیع کذا فی الغیاث والحاشیۃ والشرح چون در خانقاہ ورباط اکثر رسوم لایعنی وصورت طاعت بے معنی ماندہ بود لہٰذا کنایہ از عبادت ریائی گشت چنانکہ در مصرعہ مشہورہ ع چو بصومعہ رسیدم ہمہ یافتم ریائی + ومراد از میخانہ وخم طاعت مقرون بالمحبۃ والاخلاص ست۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ خانقاہ ورباط کی محراب میں ایک جو کو بھی نہ خریدوں جبکہ میخانہ میرا ایوان ہے اور خم شراب کا پانو میری بناء رفیع ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو ایوان عشق وسامان عشق عطا فرمایا ہے میری نظر میں عبادت ریائی ہیچ ہے۔ مقصود اظہار نفرت ہے ریاء سے۔

ہزار عقل و ادب داشتم من ایخواجہ	کنون کہ مست وخرابم صلای بی ادبی ست

عقل سے مراد عقل معاش اور ادب سے مراد ادب عرفی ہے یعنی وضعداری و تکلف۔ مطلب یہ کہ حصول عشق سے پہلے میں بھی عقل معاش اور ادب عرف کا مقید تھا جس کا منشاء حب مال اور جاہ ہے اب تو اس کے ضد کے ساتھ متصف ہو گیا کما قال الرومیؒ ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد+ اوز حرص وعیب کلی پاک شد+ مقصود بیان کرنا ہے فضل عشق کا ترغیب کے لئے ۔

بیارمی کہ چو حافظ مدام استظہار	بگریۂ سحری ونیاز نیم شبی ست

استظہار پشتی وقوت۔ مطلب یہ کہ اے مخاطب شراب محبت حاصل کرو جس کے لوازم میں سے گریہ و نیاز ہے کیونکہ کامیابی میں امداد اسی گریہ و نیاز سے ملتی ہے جس طرح حافظ کو اسی سے امداد ملی۔ اور بعض نسخوں میں بجائے استظہار کے استغفار ہے یعنی تم جو ظاہری استغفار پر مغرور ہوئے ہو اور عشق و محبت سے مستغنی ہو تو اصل استغفار تو یہی گریہ و نیاز ہے جو موقوف ہے عشق و محبت پر جس طرح حافظ بھی اسی استغفار میں مشغول ہے پس اس کو حاصل کرو۔ اور اگر بیار کا مخاطب ساقی و مرشد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ فیض عشقی عطا فرمائیے کہ حافظ کو جس طرح استظہار یا استغفار اس سے نصیب ہوا مجھ کو بھی ہو پس حافظ کو ایک دوسرا شخص بطور تجرید کے فرض کر لیا گیا۔

غزل

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت	کہ گناہِ دگرے برتو نخواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو بروخودرا باش	ہر کسی آن درو دعاقبت کار کہ کشت
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار و چہ ہست	ہمہ جا خانہ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
سر تسلیم من و خاک درمیکدہا	مدعی گرنکند فہم سخن گو سر وخشت
ناامیدم مکن از سابقۂ روز ازل	تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب ست وکہ زشت
نہ من از خانہ تقوی بدر افتادم و بس	پدرم نیز بہشت ابداز دست بہشت
برعمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گرنہادت ہمہ این ست زہی پاک نہاد	درسرشتت ہمہ این ست زہی پاک سرشت

باغ فردوس لطیف ست ولیکن زنہار	تو غنیمت شمر این سایۂ بید ولب کشت
حافظا روزِ اجل گر بکف آری جامی	یکسر از کوی خرابات برندت بہ بہشت

اس تمام تر غزل میں خطاب ہے ایسے شخص کو جو ظاہر پر جمود کئے ہو اور اہل باطن کے حال سے بے خبر ہو اور اہل حال کو ظاہر میں نصیحت کرتا ہو مگر اس نصیحت میں اعتراض اور طعن اور تحقیر اور اپنے ترفع و تقدس کا اظہار ہو پس اس کا مختلف عنوانوں سے جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اے زاہد پاکیزہ سرشت تم ہم رندوں کا عیب مت کیا کرو (پاکیزہ سرشت باعتبار اس کے زعم کے یا بطور تمسخر کے کہا) دوسرے شخص کا گناہ تمہارے نامہ اعمال میں تو نہ لکھا جائے گا (یہ جواب علی سبیل التنزل ہے یعنی ہماری حالت اگر تمہارے نزدیک گناہ ہی ہے تو بھی اتنا پیچھے کیوں پڑتے ہو گناہ ہم کو ہو گا تم کو تو نہ ہو گا۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر نصیحت نہ کیا کرے یہ تو سنت انبیاء علیہم السلام و نصوص کے خلاف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب ناصح مخاطب کو حق پہنچا چکا تو فرض ادا ہو گیا اب ہر وقت اس کے درپے ہونا اس شخص کا کام ہے جو مامور من اللہ ہو یا مامور من السلطان ہو جیسے انبیاء علیہم السلام یا سلاطین و حکام یا امیر البیت وغیرہ کہ یہ مامون ہوتے ہیں فتن باطنی سے ورنہ اکثر ریا و تفاخر منشاء ہو جاتا ہے پند و موعظت کا۔ اور قرآن مجید میں آیۂ یا یھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور حدیث میں ارشاد لایقص الاامیر اومامور او مختال اسی پر محمول ہے البتہ جو مخلص ہو وہ ملحق بالمامورین ہے وقلیل ماھم اور یہاں کلام باعتبار اکثر اور غالب حالت کے ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اگر میں نیک ہوں یا بد ہوں تم جاؤ اپنا کام کرو (یعنی اپنا کام چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے یہ بھی اشارہ ہے ایک مفسدہ کی طرف جو ایسے ناصح کو پیش آتا ہے یعنی بعض احوال میں دوسرے کو نصیحت کرنا محض مستحب ہوتا ہے مگر اس مشغولی میں اپنے فرض کام ضائع ہو جاتے ہیں تو ایسا مستحب پھر غیر مباح ہو جاتا ہے) ہر شخص انجام کار وہی کاٹے گا جو اس نے بویا ہو گا (آگے دوسرے عنوان سے فرماتے ہیں کہ) تمام آدمی محبوب کے طالب ہیں اس میں ہوشیار و مست سب آ گئے اور ہر جگہ عشق ہی کا ظہور ہے اس میں مسجد اور بت خانہ سب آ گیا (یعنی جس طرح مطلق طلب کی

دو قسمیں ہیں ایک مقبول کہ بالذات و بالقصد طلب کرنا جیسے موحدین کی طلب ہے دوسرے بواسطہ کسی مخلوق حقیقی یا خیالی کے اور بلا قصد کے جیسے مشرکین کی طلب ہے کہ مخلوقات کو ذی کمال سمجھ کر ان کا قصد کرتے ہیں اور وہ کمال خواہ حقیقی ہو یا وہمی مستفاد من الواجب ہے تو حقیقت میں مطلوب وہی ہوا مگر طالب کا قصد اس سے متعلق نہیں گو وہ زعم تعلق میں مغرور ہو اسی طرح طلب مقبول کی دو قسمیں ہیں ایک طلب ہوشیاری کے ساتھ دوسری طلب مستی کے ساتھ جیسے ہماری طلب ہے پھر جب یہ بھی ایک قسم طلب مقبول کی ہے پھر ہم پر اس طلب میں کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ مصرعہ ثانیہ میں تقسیم اول کی طرف اور مصرعہ اولیٰ میں تقسیم ثانی کی طرف اشارہ ہے آگے فرماتے ہیں کہ) میرا سر تسلیم و نیاز تو خاک درمیکدہ سے جدا نہ ہوگا (یعنی حالت عشقیہ کو ایسے اعتراضوں سے نہ چھوڑوں گا) اگر مدعی (یعنی معترض کہ مابہ الاعتراض کا مدعی ہوتا ہے یا اپنی بر وتقویٰ کا مدعی ہوتا ہے بات کو نہ سمجھے (یعنی مختلف عنوانوں سے سمجھانے پر بھی نہ سمجھے) تو اس سے کہہ دو کہ اینٹ سے سر پھوڑ لے (یہ کنایہ ہے عدم حصول مقصود سے آگے فرماتے ہیں کہ) تم مجھ کو روز ازل میں جو قرار پا چکا ہے اس سے ناامید مت کرو (یعنی ایسے حکم مت لگاؤ کہ یہ کافر ہے دوزخی ہے) تم کو کیا معلوم کہ پس پردہ کون اچھا ہے اور کون برا ہے (کما قال تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم هوا علم بمن اتقی مطلب یہ کہ اگر میری حالت بری ہو تو شاید اچھی ہو جائے اور اگر تمہاری حالت اچھی ہی ہو تو شاید بری ہو جائے تو تفاخر اور تحقیر نہایت قبیح ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) کچھ میں ہی خانہ تقویٰ سے باہر نہیں نکلا میرے باپ آدم علیہ السلام نے بھی جنت الخلد کو ہاتھ سے دیدیا تھا (بہشت ابد کے یہ معنی ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ ابد کے لئے الخ حاصل یہ کہ مجھ سے اگر کوئی لغزش و خطا ہو گئی تو آخر آدمی ہوں خود آدم علیہ السلام سے ہو گئی تھی تو اس قدر اور اس طرح سے طعن و تشنیع مناسب نہیں قال علیہ السلام نسی آدم فنسیت ذریۃ و جحد آدم فجحدت ذریۃ۔ آگے فرماتے ہیں تم جو ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اپنے عمل پر تکیہ ہے تو) میاں عمل پر کبھی تکیہ مت کرنا کیونکہ یوم المقادیر میں معلوم نہیں تم کو سعید لکھا ہے یا شقی اور اگر آپ کی یہی ذات ہے تو آپ عجب ذات شریف ہیں اور اگر آپ کی یہی

طینت ہے تو بہت ہی نیک طینت ہے (مطلب یہ کہ اگر اس تنبیہ پر بھی تم باز نہیں آتے اور یہی طرز تمہاری طبیعت ہوگئی ہے تو سلام ہے ایسی طبیعت کو وہذا کما قال فی الشعر الاول پاکیزہ سرشت تہکما وہذا ما ادی الیہ ذوقی۔ آگے فرماتے ہیں کہ تم جو محض اعمال ظاہری کی ترغیب جنت کے لئے دے رہے ہو اس میں شک نہیں کہ) باغ جنت لطیف ہے لیکن یاد رکھو کہ سایہ بید اور لب کشت یعنی نسبت عشقیہ کہ مثل سایہ بید و لب کشت کے فرحت بخش ہے نیز قابل غنیمت سمجھنے کے ہے (یعنی اس کو بھی حاصل کرو کہ جنت کی کامل نعمتیں اسی پر موقوف ہیں قال تعالے والسابقون السابقون اولئک المقربون بعد قولہ تعالیٰ اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ خواہ یہ عشق سلف کے لون سے ہو یا خلف کے لون سے مگر یہ متیقن ہے کہ زہد خشک کو کسی نے سلف میں سے بھی کافی نہیں سمجھا۔ آگے اپنے کو وہی اوپر والی نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی اپنی نسبت عشقیہ پر مغرور مت ہونا اس کا اعتبار بھی خاتمہ پر ہے) اے حافظ اگر خاتمہ کے روز یہ جام محبت حاصل رہا تو اس خرابات دنیا سے سیدھے جنت میں پہنچوں گے (ورنہ خاک بھی نہیں فقط)۔

جز آستان توام در جہان پناہی نیست	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

خطاب ہے محبوب حقیقی کو کہ بجز آپ کے آستانہ کے میری کہیں پناہ نہیں یہی حاصل ہے مصرعہ ثانیہ کا۔ اس میں تعلیم ہے توکل وتفویض واعتماد علی الحق کی۔

عدو چو تیغ کشد من سپر بیند ازم	کہ تیر ما بجز از نالۂ و آہے نیست

نالہ باشباع می باید خواند ورنہ سکتہ لازم می آید۔ وسپر انداختن کنایہ از عجز و ترک جنگ۔ مطلب یہ کہ میں انتقام نہیں لیتا ہمارا ہتھیار صرف آہ و نالہ ہے۔ اس میں تعلیم ہے سالک کو صبر ورضا وتسلیم کی اور تسلیہ ہے وعدہ نصرت سے۔

چراز کوی خرابات روے برتابم	کزین بہم بجہان ہیچ رسم وراہی نیست

بہم مرکب از لفظ بہ بمعنی بہتر ومیم متکلم بمعنی مرا۔ مطلب یہ کہ طریق عشق سے بہتر کوئی طریق نہیں اس کو کبھی ترک نہ کروں گا اس میں تعلیم ہے استقامت وثبات علی مشاق السلوک کی خواہ ظاہری ہوں یا باطنی۔

زمانہ گر بزند آتشم بخرمن عمر	بگو بسوز کہ برمن ببرگ کاہی نیست

یعنی اگر زمانہ مجھ کو ہلاک بھی کردے کچھ پروانہیں کیونکہ عمر وحیات کی قدر میرے نزدیک ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں اس میں تعلیم ہے عدم توحش عن الموت کی کہ یہی توحش سبب ہے حرص وطول امل وغیرہ کا۔

غلام نرگس جماش آن سہی سردم	کہ از شراب غرورش بکس نگاہی نیست

جماش مست ودلیر وشوخ ومراد از نگاہ احتیاج کما فی قولہ تعالیٰ **لا ینظر الیہم ارید بالنظر نظر الرحمۃ لا مطلق النظر**۔ وشراب غرور عبارت از استغناء۔ مقصود بیان کرنا صفت غنا محبوب کا ہے اور علاوہ تحقیق مسئلہ صفات کے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ سالک اس کی غنا پر نظر رکھے اور اپنی عبادت وریاضت پر ناز نہ کرے جو کچھ کوئی کرتا ہے اپنے لئے کرتا ہے قال تعالیٰ **من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین**۔

مباش درپے آزارو ہر چہ خواہی کن	کہ در شریعت ما غیر ازین گناہی نیست

یعنی برابر این گناہے نیست مبالغۃً باین عنوان تعبیر نمودہ۔ مقصود بالخصوص امر فرمانا ہے اہتمام تقویٰ وورع کا حقوق العباد سے کہ سالک کے لئے سب سے بڑھ کر مضر ہے کہ تدارک اس کا خارج از اختیار ہے۔ نیز سلوک میں قلب میں خشوع پیدا کرنا خصوصیت کے ساتھ مطمح نظر ہے کہ وہ منبع ہے جمیع اخلاق حسنہ کا اور ازار دینا ناشی ہے قساوت قلب سے جو منافی خشوع ہے اس لئے بھی خلاف موضوع ہونے میں اشد ہے۔

عنان کشیدہ رواى بادشاہ کشور حسن	کہ نیست برسر راہے کہ دادخواہی نیست

سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو کہ ذرا تفصیلی نظر سے طالبین کی طرف جزئیاً جزئیاً توجہ کیجئے (کیونکہ عنان کشیدہ چلنا سبب اسی تفصیلی نظر کا ہوتا ہے) سرراہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو دادخواہ نہ ہو (یعنی سب محتاج تربیت ہیں۔ اس میں ارشاد ہوگا مشائخ کو کہ طالبین سے استغناء نہ کریں) اور بعض نے محبوب حقیقی کو مخاطب ٹھہرا کر یہ تقریر کی ہے کہ تجلی کے بعد جو استتار ہو جاتا ہے کچھ تو تجلی کو توقف وامہال ہونے دیجئے کہ بہت سے مشتاق رو براہ ہیں۔

عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر	کمان گوشہ نشینے و تیر آہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے۔ شاید مقصود اس سے تنبیہ کرنا ہو اہل ظلم کو کہ اب تک جو باوجود اس ظلم وستم کے بچے ہو اس پر نازمت کرنا کسی اہل دل نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ قلع و قمع ہو جاتا اور ان کی توجہ کا کوئی ضابطہ اور وقت معین نہیں پھر کس چیز کے دھوکے میں ہو۔ اس میں تحذیر ہوگی ظلم سے خصوص اہل دل پر جیسا اکثر منکرین معاندین کا شیوہ ہے۔ اور یا مقصود اس سے درخواست ہے اہل دل سے کہ اپنے معاملہ میں خواہ صبر کرو مگر عامہ خلائق پر جو شخص ظلم کرے اس وقت اپنے تیر وکمان بددعا سے کام لینا چاہئے اور یہ قید دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ جب بذریعہ نصیحت یا دعا اصلاح' ہونے سے یاس ہو جائے۔

چنین کہ در ہمہ سودام راہ می بینم	بہ از حمایت زلف توام پناہے نیست

مدلول لفظی ظاہر ہے مقصود یہ ہے کہ جب شیاطین انس یعنی شیوخ مزورین و شیاطین جن یعنی موسوسین ومغوین کا ہجوم ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کرے کہ وہ ان اعداء سے محفوظ رکھے اور شریعت کو ایسے وقت معیار بنانا اور دعا بھی کرنا یہی اعتصام بحبل اللہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہر خطرہ سے مامون ومصون رہے گا۔

خزینۂ دل حافظ بزلف وخال مدہ	کہ کارہای چنین حد ہر سیاہی نیست

سیاہ غلام حبشی۔ دعا کرتے ہیں کہ میرا دل کہ کنز معرفت ہے بالقوہ یا بالفعل محبوبان مجازی کے زلف وخال میں مبتلا نہ ہونے دیجئے کیونکہ ایسے امور عظیم الشان کہ مالک ہونا ہے ایسے کنز کا ایسے غلاموں کی حیثیت کے لائق نہیں۔ زلف وخال کو سیاہ سے تعبیر کرنے کا لطف ظاہر ہے باعتبار لون کے بھی اور باعتبار بے قدری کے بھی۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشق مجازی سے قصداً بچنا چاہئے اور جو بلا قصد ہو جائے اس سے حقیقت کی طرف متوجہ ہونے کا قصد کرنا چاہئے بطریقہ الذی قد عرف۔

غزل

حال دل با تو گفتنم ہوس ست	خبر دل شنفتنم ہوس ست

مدلول لفظی یہ ہے کہ اپنا حال تجھ سے کہنے کی ہوس ہے اور اس کی ہوس ہے کہ اپنا حال دل کہہ کر تجھ سے اپنے دل کے بارہ میں کوئی خبر اس کے علاج یا لوصل وغیرہ کی سنوں کہ امید بند ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ اے مرشد یوں جی چاہتا ہے کہ اپنے امراض قلب یا واردات بیان کر کے آپ سے اس کے متعلق اصلاح یا تفسیر و تعبیر یا طریق ترقی سنوں۔

طمع خام بین کہ قصۂ فاش	از رقیبان نہفتنم ہوس ست

مطلب لفظی ظاہر ہے کہ باوجود اس قصۂ عشق کے فاش ہونے کے پھر اس کے پوشیدہ رکھنے کی ہوس کرنا طمع خام ہے اور مقصود معنوی اشارہ اس طرف ہے کہ جو حالت بلا اختیار ظاہر و فاش ہو جائے اس کے اخفاء کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اور محققین کا یہی مسلک ہے کہ کسی حال کے نہ اظہار کا قصد کیا جائے نہ اخفاء کا کہ دونوں میں التفات الی الغیر ہے اور اصل مقصود توجہ بحت الی اللہ ہے۔

شب قدری چنین عزیز و شریف	با تو تا روز خفتنم ہوس ست

شب قدر مراد عمر کہ قابل قدرست و چون دنیا محل تاریکی وخفاء حقائق ست تشبیہ بشب دادن مناسب شد درروز مراد روز مرگ کہ وقت انتباہ وانکشاف حقائق ست کما قال علیؓ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا مطلب یہ کہ یوں جی چاہتا ہے تمام عمر دم مرگ تک آپ کے ساتھ معیت بالقلب میسر رہے تا کہ اس کے ثمرہ میں بعد مرگ معیت بلا حجاب میسر ہو۔

دہ کہ در دانۂ چنین نازک	در شب تار سفتنم ہوس ست

ترجمہ لفظی ظاہر ہے کہ شب تاریک میں ایسے گوہر نازک کو سفتہ کرنا ہوس محض ہے۔ اور مقصود معنوی یہ ہے کہ دنیا میں کہ مشابہ شب تاریک کے ہے بالوجہ الذی قد ذکر فی شرح الشعر السابق) وصل بلا حجاب کی تمنا کرنا محض ہوس ہے۔ مقصود بیان کرنا اس خیال کے غلط ہونے کا ہے۔ للامتناع الشرعی ولایؤاخذ بالتمنی الغیر الاختیاری۔

ای صبا امشبم مدد فرما	کہ سحرگہ شگفتنم ہوس ست

یعنی ای فیاض حقیقی یا اے مرشد کہ فیاض مجازی ہے دنیا میں میری مدد فرمائیے تا کہ صبحگاہ

قیامت میں مجھ کو شگفتگی وکمال انبساط کہ وصال بلا حجاب ہے نصیب ہو۔اس میں اشارہ ہے کہ مجاہدات وریاضات میں استمداد من اللہ ہی مدار اعظم ہے اپنی قوت پر اعتماد نہ کرے۔

ازبرای مشرف بنوک مژہ	خاک راہ تو رفتنم ہوس ست

ازبرای وبنوک ہر دو متعلق برفتن۔اس میں تعلیم ہے تحمل مشاق وتذلل کی تحصیل مقصود میں۔

ہمچو حافظ برغم مدعیان	شعر رندانہ گفتنم ہوس ست

رغم خاک آلودہ شدن مراد بعکس مراد مدعیان۔مطلب یہ کہ مدعیوں اور معترضوں کی پروانہ کرنا چاہئے اپنے عاشقانہ کام میں لگا رہنا چاہئے۔

غزل

حسنت باتفاق ملاحت جہان گرفت	آری باتفاق جہان میتوان گرفت

چونکہ ملاحت سے حسن کا کمال سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ کنایہ کمال سے ہوا یعنی چونکہ محبوب حقیقی حسن ذاتی وصفاتی کے ساتھ موصوف ہیں اور اس وصف میں کامل بھی ہیں اس لئے تمام عالم مسخر قدرت ہے طوعاً یا کرہاً اور اس تسخیر میں صفات کمال مثل علم وقدرت وحکمت وغیرہا کا دخل ظاہر ہے اور یہ سب حسن میں داخل ہوگیا وہذا کقولہ تعالیٰ ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً۔مقصود اس بیان کمال سے تصحیح عقیدہ بھی ہے اور طالب کو ترغیب بھی ہے کہ ایسے کامل سے ضرور محبت کا تعلق ہونا چاہئے۔

افشای راز خلوتیان خواست کرد شمع	شکر خدا کہ مہر دلش برزبان گرفت

خواست کردن یعنی کردن خواست۔وراز خلوتیان سوز وگداز کہ لازمہ عشق است وشمع عاشق۔وگرفت گرفتہ شد کنایہ از بند شدن زبان۔ولطافت شعری درین آنست کہ سوزش شمع کہ سر دل اوست در زبان اوکہ طرف بالای اوست میرسد۔ترجمہ لفظی یہ ہے کہ شمع نے چاہا تھا کہ راز اہل خلوت کا ظاہر کرے مگر اس کے راز دل نے زبان تک پہنچ کر اس کو سوختہ کردیا اور اس کو اظہار سے بند کردیا۔مقصود یہ ہے کہ عشق ایک کیفیت وجدانی ہے کوئی شخص اس کے بیان کافی پر قدرت نہیں رکھتا جو شخص اس کا ارادہ کرے اس کی زبان اس سے عاجز ہو جاتی

ہے۔اور تمام امور وجدانیہ کی یہی کیفیت ہے کہ زبان اس کی تعبیر سے عاجز و قاصر ہے پس اگر کوئی مضمون عاشق کا غیر مفہم ہو یا خلاف حق کا موہم ہو اس پر طعن مت کرو۔

میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو	از غیرتش صبا نفس اندر دہان گرفت

شین در غیرتش مضاف الیہ نفس ست۔ مدلول لفظی یہ ہے کہ گل اپنے میں رنگ و بو دیکھ کر تیرے رنگ و بو کے مساواۃ کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا۔ مگر صبا نے غایت غیرت سے اس کا سانس اس کے منہ ہی کے اندر پکڑ لیا یعنی بولنے نہ دیا چنانچہ گل کا نہ بول سکنا ظاہر ہے۔اور اس میں نہ بولنے کی ایک ادعائی علت بطور حسن التعلیل کے ہے۔اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے نفسش در دہان الخ پس غیرتش کے معنی ہوں گے غیرت خود اور بعض نسخوں میں ہے غیرتت یعنی از غیرت برتو۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے مقصود معنوی یہ ہے کہ سالک پر جب غلبہ توحید کا ہوتا ہے تو اپنے افعال وصفات کو عین افعال وصفات حق تخیل کر کے دعویٰ منصوری کرنا چاہتا ہے مگر فیض وحی کہ پیغام رسانی دوست میں مشابہ صبا کے ہے بمقتضائے غیرت کہ صفات حق میں سے ہے جس کا مقتضا نہی عن القبیح ہے اس کی زبان پکڑتا ہے یعنی شریعت بنہی تشریعی اس کو منع کرتی ہے گو اثر اس نہی کا واقع نہ ہو۔ کیونکہ امر تشریعی مستلزم تشریع ہے مستلزم تکوین نہیں۔پس اس میں اشارہ ہے کہ جب تک مرفوع القلم نہ ہو ایسی حالت میں کف لسان واجب ہے گو غلبہ حال سے ضبط میں کسی قدر تکلف اور تکلیف ہی کیوں نہ ہو۔

چون لالہ کج نہادہ کلاہ طرب ز کبر	ہر داغ دل کہ بادۂ چون ارغوان گرفت

ہر داغ دل الخ مبتدا و کج نہادہ الخ خبر چون حرف تشبیہ و کبر کبر ظاہری یعنی استغناء۔ و داغ دل عاشق کہ دلش داغ شدہ باشد و چون ارغوان یعنی سرخ مشابہ ارغوان کہ نام گلے ست سرخ رنگ۔ مطلب یہ کہ جس عاشق نے بادہ عشق نوش کر لیا وہ تمام ماسوی اللہ سے مستغنی ہو گیا گویا لالہ کی طرح کلاہ طرب کج رکھے ہوئے ہے۔اس میں ترغیب ہے تحصیل عشق کی۔اور بعض نسخوں میں ہے ہر دل کہ داغ بادۂ الخ معنی یہ ہوں گے کہ جس دل نے ایسی بادہ کے داغ یعنی طلب کو اختیار کر لیا اور ترکیب وہی ہے۔

زان روی عشق ساغرمی خرمنم بسوخت	کآتش زعکس عارض ساقی دران گرفت

روی وجہ بمعنی سبب یعنی ازان سبب۔ مدلول لفظی تو ظاہر ہے کہ ساغرمئ میں چونکہ عارض ساقی کا عکس پڑتا تھا اس لئے میں اس ساغر کی طلب میں بیتاب وبیقرار ہوگیا اور بلسان اشارت ساغرمئ سے مراد تجلی افعالی اور عارض ساقی سے مراد تجلی صفاتی من حیث انہ ناش من التجلے الذاتی کمایدل علیہ اضافۃ العارض الی الساقی الذی ہوالذات۔ پس مطلب یہ ہوا کہ افعال حق (جو دال ہیں صفات حق پر اور ابتدائے سلوک میں یہی مطمح نظر ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ (**ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا** الآیہ) اس لئے میری خرمن ہستی کے سوختہ کرنے والے اور فاعل حقیقی کے عشق میں بیتاب کرنے والے ہوگئے کہ ان میں صفات کی اور ان کے واسطے سے ذات کی تجلی تھی۔ اس میں تعلیم ہے ترقی نظر کی سلوک میں اس طرح سے کہ افعال سے صفات کی طرف اور ان سے ذات کی طرف توجہ کرے اور بعض نسخوں میں ہے آن روز عشق الخ اور روز سے مراد وقت یعنی اسی وقت سے ایسا ہوگیا تھا۔

آسودہ برکنار چو پر گاری شدم	دوران چونقطہ عاقبتم درمیان گرفت

ترجمہ یہ ہے کہ میں پرگار کی طرح کہ کنارہ پر چلا کرتا ہے نہایت راحت کی حالت میں چل رہا تھا آخر زمانہ نے مجھ کو نقطہ کی طرح کہ وسط میں ہوتا ہے۔ اندر لے لیا۔ اور شرح اس کی بعض شراح نے یہ کی ہے کہ میں پہلے عشق سے خالی تھا مگر آخر اس میں مبتلا ہوکر مصیبت میں پھنس گیا مگر احقر کا ذوق اس کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ سوق کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ پہلی حالت کو ترجیح دے رہے ہیں پچھلی حالت پر اور یہ امر نہایت بعید ہے کہ خلوعن العشق کو عشق پر ترجیح دیں اس لئے احقر کے نزدیک بعض محشیوں کی توجیہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ جب تک دنیا سے بے تعلق تھا بڑی راحت تھی اب تعلقات میں پڑ کر گرفتار بلیات ومصائب ہوگیا۔ پس اس میں تنفیر ہے تعلقات ہوا وہوس سے کہ مضیع راحت روحانیہ ہے اور بعض اوقات متلف راحت جسمانیہ بھی۔

خواہم شدن بکوی مغان آستین فشاں	زین فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت

یعنی اس زمانہ میں کہ آخری زمانہ ہے کہ اس میں وقوع فتن نصوص میں وارد ہے جو فتنے ظاہری و باطنی برپا ہیں ان سب سے اعراض کر کے عشق و معرفت کی پناہ حاصل کروں گا چنانچہ احادیث میں ذکر و طاعت کو حصن سے تشبیہ دی گئی) ہے جس میں احکام شرعیہ و احوال عشقیہ سب داخل ہو گئے کہ ان پر استقامت و استدامت عاصم عن جمیع المکارہ ہے ۔

بر برگ گل زخون شقائق نوشتہ اند	کانکس کہ پختہ شدمی چون ارغوان گرفت

تاردان یعنی اناردانہ ازغیاث ۱۲

شقائق لالہ و مراد از گل گل لالہ یعنی لالہ جو اپنے کمال کو پہنچ کر اپنے خون میں رنگین یعنی سرخ ہو جاتا ہے یہ گویا بزبان حال اس بات کو بتلا رہا ہے کہ جو شخص پختہ یعنی عاقل کامل اور تجربہ کار ہوگا وہ اسی طرح مئی سرخ یعنی طریق عشق کو حاصل کرے گا۔ اس میں بھی فضیلت ہے عشق الٰہی کی کہ کمال عقل کا مقتضا اسی طریق کو اختیار کرنا ہے ۔

می دہ کہ ہر کہ آخرکار جہان بدید	ازغم سبک برآمد و رطل گران گرفت

سبک حال ۔ و آخرکار جہان زوال و اضمحلال ۔ و رطل پیمانۂ شراب و رطل گران پیمانۂ بزرگ کذا فی الغیاث و مقابلہ اش باسبک (در ترکیب ۱۲) لطافت شاعری ست ۔ مطلب یہ کہ اے ساقی عنایت ازلی مجھ کو فیض عشقی عطا فرما کیونکہ عشق ایسی محبوب اور مرغوب چیز ہے کہ جس نے اس دنیا کا انجام کار کہ فنا و زوال ہے دیکھ لیا وہ اس کے غم و فکر سے ہلکا پھلکا نکل کر ساغر عشق ہی کو اختیار کرے گا اور بعض نسخوں میں می خور ہے اور یہ زیادہ واضح ہے ۔

می دہ بجام جسم کہ صباح صبوحیان	چون بادشہ بہ تیغ زرافشان جہان گرفت

صبوح شرابیکہ بامداد نوشند و صبوحی آنکس کہ درین وقت شراب نوشد و صباح صبوحیان ظرف گرفت و فاعل گرفت ضمیر راجع بجام و بہ تیغ متعلق بہ گرفت و جملہ صباح الخ صفت جام جم ای جامیکہ در صباح تمام جہان رامثل بادشاہ بہ تیغ زرافشان گرفتہ است یعنی تمام عالم رامنور ساختہ است مثل بادشاہیکہ جہاں رامسخر کند بہ تیغے کہ شعاعش چون تاب زرریز دو مراد بجام

جم لطیفۂ قلب کہ اول عشق دران پرمی شود وازان پس در قلب مادی ومنور شدن عالم مادی از لطیفہ قلب پرظاہر ست کہ منزہ از مادہ وواسطہ فیوض الٰہیہ ومربی جسم مادی ست مطلب یہ کہ لطیفہ قلب میں کہ مشابہ جام جم ہے اور جس کی ایسی ایسی شان ہے مے محبت بھر کر عطا کر دیجئے اور بعض نسخوں میں جام زر ہے اور اس کا تناسب تیغ زرافشان سے زیادہ ظاہر ہے۔

فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد	عارف بجام می زدواز غم کران گرفت

می مفعول زدو معنی بجام می راز ویعنی بجام انداخت یعنی اے طالب تم فرصت اور موقع کے منتظر رہو جب سامان میسر ہو فوراً تحصیل عشق میں سعی شروع کردو کیونکہ عارفوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب عالم میں کوئی ظاہری یا باطنی فتنہ دیکھا فوراً قلب میں محبت پیدا کر کے سب جھگڑوں سے یکسو ہو گئے۔ یہاں دو شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ تحصیل محبت ہر وقت واجب ہے پھر فرصت نگر کے کیا معنی۔ دوسرے یہ کہ اسی بنا پر وقوع فتن کی قید کیوں ہے۔ جواب یہ کہ یہ دونوں قیدیں ایسی ہیں جیسے حدیث بیعت میں ہے مااطقتن یعنی قید واقعی ہے کیونکہ طاقت ہر وقت ہے اسی طرح فرصت اور وقوع فتن ہر وقت ہے اس طرح کی تعبیر میں تسہیل ہے طبع طالب پر پھر ذرا توجہ سے اس قید کا وقوع بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور مقید کے ایقاع کو ضروری سمجھتا ہے۔

زین آتش نہفتہ کہ در سینۂ من ست	خورشید شعلہ ایست کہ در آسمان گرفت

اس میں معنی ظاہری کے اعتبار سے تو شاعرانہ مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے اور معنی باطنی کے اعتبار سے مضمون محققانہ ہے وہ یہ کہ سینہ سے مراد لطیفہ قلب مجازاً اور چونکہ وہ مادی نہیں اس لئے غیر محدود بمکان ہے اور آتش نہفتہ کہ عبارت ہے محبت سے اس کی صفت بحلول سریانی ہے اور محل کے غیر محدود ہونے سے ایسے حال کا غیر محدود ہونا ظاہر ہے اور آسمان مادی ہے اور اس کا شعلہ آفتاب بھی مادی اور حرارت اس کے واسطے سے مادی اور محدود ہے اور غیر محدود دو معنی اعظم ہے محدود سے پس بوجہ اعظمیت کے وہ مثل کل ومتبوع کے ہوا اور غیر اعظم مثل جزو تابع کے ہوا اس لئے از کہنا صحیح ہو گیا پس مقصود اس سے بیان کرنا ہے شرف ودائع انسانیہ کا تاکہ سالک ان سے کام لے۔

حافظ چو آب لطف زنظم تو میچکد	غیرے چگونہ نکتہ تواند برآن گرفت

ظاہر تو اپنی مدح ہے مگر مقصود یہ ہے کہ ملفوظات اہل حال پر ظاہر الفاظ دیکھ کر نکتہ چینی نہ چاہئے بلکہ لطافت معانی کو دیکھنا چاہیے تا کہ حرمان وخسران سے بچے۔

غزل

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہ ماست	نسیم موی تو پیوند جان آگہ ماست

نسیم موی یعنی نسیمے کہ برموی تو گزر کردہ می آید یا مراد خوشبو مجازاً۔ مدلول لفظی ظاہر ہے اور بلسان اشارت یہ تفسیر ہوسکتی ہے تصور شیخ کی یاد دوام عشق ومعیت محبوب حقیقی کی۔

ببین کہ سیب زنخدان او چہ میگوید	ہزار یوسف مصری فتادہ درچہ ماست

ترجمہ ظاہر ہے مقصود بیان کرنا ہے کہ محبوب حقیقی سب محبوبوں سے اجمل واکمل ہے تا کہ طالب بشراشرہ (پوری طور پر۱۲) اسی کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف التفات نہ کرے۔

برغم مدعیا نے کہ منع عشق کنند	جمال چہرۂ تو حجت موجہ ماست

برغم بمعنی برخلاف یعنی جولوگ مانع عشق ہیں۔ ان کے جواب میں محبوب کا چہرۂ لطیف حجت کافیہ ہے کہ خود اگر دیکھ لیں تو عاشق ہو جائیں یا کم از کم ہم کو تو مورد اعتراض نہ بنادیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشاق پر جولوگ معترض ہیں سبب اس کا حقیقت سے بیخبری ہے۔

اگر بزلف دراز تو دست ما نرسد	گناہ بخت پریشان ودست کوتہ ماست

مطلب یہ کہ محبوب تک جس شخص کی رسائی نہ ہو اس کو چاہئے کہ اپنی استعداد بمعنی قابلیت قریبہ من الفعل کا کہ مکتسب من بعض الافعال ہے کہ بخت اس سے تعبیر ہے اور اپنے مرتبہ فعل واکتساب کا کہ دست کوتہ اس سے عبارت ہے قصور سمجھے محبوب کی طرف سے کرم ولطف میں کمی نہ سمجھے کہ وہ نہایت وسیع ومحیط ہے اور زلف کو دراز کے ساتھ موصوف کرنے میں معنی وسعت واحاطہ کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جب اپنی قوت وفعل کی کوتاہی ہے تو سعی کر کے اس کا تدارک کرے اور بخت سے مراد تقدیر مکتوب واستعداد فطری واضطراری نہیں کہ وہ بلا قصد ودخل عبد کے خود مجعول حق وفعل حق ہے اور وہ خیر محض ہے لتضمنہ حکماً کثیرۃ

اس کو کوتاہی وقصور سے موصوف کرنا محال ہے ۔

بحاجب درخلوت سرای خاص بگو	فلان زگوشہ نشینان خاک درگہ ماست
بصورت از نظر ما اگرچہ محجوب ست	ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست
اگر بسائلی حافظ درے زند بکشا	کہ سالہاست کہ مشتاق روی چون مہ ماست

بسائلی بیای معروف بمعنی سوال ودر بعض نسخ چو سائلے بیای مجہول ست و معنی ظاہر ست ۔ حاجب سے مراد خاص ملائکہ قاسمین فیوض الہیہ جن کو حدیث اسید بن حضیر میں سکینہ فرمایا گیا ہے ۔ پس معنی یہ ہوئے کہ ایسے قاسمین فیوض سے فرمادیجئے کہ فلاں شخص یعنی داعی ہماری درگاہ کا خاک نشین ہے اور گو ظاہراوہ (بوجہ معاصی کے) ہماری نظر خاص سے محجوب (یعنی بعید) ہے (لان البعد من لوازمہ العادیۃ الحجاب) لیکن (بوجہ خاکساری وانکسار ومعذرت تقصیرات کے) ہمارا مورد توجہ ہے تو اگر وہ سائلانہ (وعاجزانہ) دروازہ کھٹکھٹائے (یعنی طالب فیوض ہو) تو دروازہ کھول دینا (یعنی اس کو فیوض پہنچانا) کہ مدت ہوگئی وہ ہمارا مشتاق (اور طالب) ہے (اور طلب ہی پر فیوض ہیں گو شرائط کمال نہ ہوں ۔ پس حاجب سے مراد روکنے والا دربان نہیں بلکہ پہنچانے والا ۔ بعض شراح نے اول معنی سمجھ کر مراد ابلیس لیا ہے اور تکلفات باردہ کا ارتکاب کیا)

غزل

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل ست	صراحی می ناب وسفینۂ غزل ست

صراحی مئے ناب دل مالا مال از عشق وسفینہ غزل کلام وملفوظات اہل اللہ اور مطلب ظاہر ہے ۔ اور تخصیص درین زمانہ کی اس لئے کہ پہلے تو قابل صحبت کاملین کثرت سے تھے اور اس زمانہ میں ان کی قلت اور مزورین کی کثرت ہے اور اخوان دنیا بھی مثل پہلے کے نہ رہے کہ ان سے گزند نہ پہنچتا اب تو اگر دوست ہیں وقت ضائع کرنے والے اور اگر دشمن ہیں تو قلب کے پریشان کرنے والے ۔ البتہ اس صراحی اور سفینہ کے قبل مرشد کا تجویز کرلینا شرط ہے ۔

جریدہ روکہ گذرگاہ عافیت تنگ ست	پیالہ گیر کہ عمر عزیز بے بدل ست

جریدہ بے تعلق از دنیا۔ گذرگاہ راہ پیالہ گرفتن عشق اختیار کردن۔ یعنی دنیا سے بے تعلقی اور حق تعالیٰ سے تعلق اختیار کرو اول کی علت یہ ہے کہ تعلقات میں عافیت نہیں دوسرے کی علت یہ ہے کہ عمر کا بدل نہیں اس لئے عمر کو مغتنم سمجھو اور تنگ ست کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ راہ عافیت میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس میں تعلقات دنیا اور عشق الٰہی دونوں کو لے کر نکل سکو اور چل سکو اس لئے اول کو چھوڑ کر ثانی پر اکتفا کرو۔ اس میں اظہار غلطی ہے ہوسنا کان جمع بینہما کا ۔

نہ من ز بے عملی در جہان ملولم و بس	ملالت علما ہم زعلم بے عمل ست

اس میں مذمت ہے بدعملی کی۔ یعنی صرف میں ہی اس بے عملی سے متنفر نہیں ہوں بلکہ علماء بھی ایسے علم سے متنفر ہیں جو مقرون بالعمل نہ ہو۔ مقصود اس سے تنبیہ ہے مدعیان علم کو جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو تو بیکار ہے اور اگر عمل ہو تو اسکے لوازم میں سے انکسار ہے ۔

بچشم عقل ببین درجہان پرآشوب	جہان وکار جہان بے ثبات و بے محل ست

بے محل بے موقع نیست کہ منافی ست باآیۂ ربنا ماخلقت ھذا باطلا بلکہ بمعنی آنکہ برمحل خود ثبات ندارد پس در لفظین عطف تفسیری ست ومعنی ظاہرست۔ مقصود اس سے تنفیر ہے تعلقات دنیویہ سے جو کہ شرط سلوک ہے۔

دلم امید فراوان زوصل (بوصل) روی تو داشت ولے اجل برہ عمر رہزن امل ست

اس میں حسرت ہے ایسے لوگوں کے حرمان پر جو تمام عمر اسی ہوس میں رہتے ہیں کہ اب سامان تحصیل ذخیرہ آخرت کا کریں گے حتیٰ کہ موت آجاتی ہے پس امید سے مراد امل ہے بقرینہ آخر بیت اور حرمان کو اجل کی طرف منسوب کرنا حالانکہ اگر اجل بھی نہ ہوتی تب بھی یہ لوگ محروم ہی رہتے اس لئے ہے کہ اجل کی تاخیر میں بعض اوقات بوجہ تجربہ قبائح دنیا صحبت کسی کامل کے اس امل کے تحقق کی بھی نوبت آجاتی ہے اور موت آگئی تو یہ احتمال بھی قطع ہوگیا۔ اس میں تعلیم ہے تعجیل فی المقصود کی ۔

زقسمت ازلی چہرۂ سیہ بختان	بشست وشوی نگردد سفید واین مثال ست

اس میں آثار شقاوت وقہر کا بیان ہے۔ اور این مثل ست فرمانا شاید اشارہ اس شعر

مشہور کی طرف ہو۔

باب زمزم و کوثر سفید نتوان کرد	گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

اورز قسمت میں حرف زعلت کے لئے ہے یعنی ہر کہ سیہ بخت باشد بسبب قسمت ازلی۔ اس شعر سے مقصود یا تو تسلیہ ہے کہ مصرین علی العناد کی حالت پر حزن بیکار ہے ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور تسلیہ سے غرض یہ ہے کہ ان کی فکر میں پڑ کر اپنے قلب کو تشویش میں کہ مانع ترقی سلوک ہے کیوں ڈالا جائے۔ اور یا مقصود تخویف ہے کہ آدمی اپنے حال و اعمال پر ناز نہ کرے کیونکہ علم الٰہی میں معلوم نہیں کہ سعید ہو یا شقی۔ اور یہ خوف سبب ترقی سلوک ہے۔

بگیر طرۂ مہ طلعتے وقصہ مخوان	کہ سعد ونحس ز تاثیر زہرۂ وزحل ست

مصرع ثانیہ بیان ہے قصہ کا یعنی فضولیات کو چھوڑ کر عشق الٰہی حاصل کرو۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ مے بینی	مگر بنای محبت کہ خالی از خلل ست

یعنی قرب وقبول کی جتنی بنائیں ہیں جیسے اعمال ظاہرہ و باطنہ بلاحصول نسبت کے ان سب میں احتمال زوال کا ہے مگر محبت الٰہی جو بنای قرب وقبول ہے یہ غیر محتمل الزوال ہے وہوالمراد فی الحدیث ببشاشته **الایمان اذا خالط القلوب**۔

کیونکہ مبنی اعمال کا محض قصد ہے اور قصد کا کسی وقت شہوت یا غضب سے مغلوب ہو جانا اور اس مغلوبیت کا مدت تک استقرار مستبعد نہیں بخلاف نسبت عشقیہ کے کہ وہ بمنزلہ امر طبعی اضطراری کے ہو جاتا ہے اور ایسے امر کا زوال مستبعد ہے گو کسی وقت اثر ضعیف ہو جائے مگر پھر جلد عود کر آتا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ اعمال بیکار ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال کو ذریعہ اس نسبت باطنی کا بنانا چاہئے اور جب تک یہ میسر نہ ہو مجاہدہ شدیدہ کرنا چاہئے اس کے بعد بقدر ضرورت مجاہدہ کافی ہے۔

بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش	چنین کہ حافظ ما مست بادۂ ازل ست

اس میں بیان ہے نسبت عشقیہ کے دوام وثبات کا۔ پس یہ شعر شعر سابق کی تفریع یا شرح کے طور پر ہے۔

غزل

دل ودینم شد ودلبر بملامت برخاست	گفت باما منشین کز تو سلامت برخاست

یعنی عشق میں میرا تو دل اور دین دونوں غارت ہو گئے (جس پر مجھ کو امید قدردانی کی تھی) مگر محبوب ملامت کرتا ہوا اٹھا اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس مت بیٹھو کیونکہ تم سے سلامتی (واعتدال) کی صفت اٹھ کھڑی ہوئی (اور اپنی حالت حد سے متجاوز ہو کر قابل ملامت کے کر لی جو ہم کو پسند نہیں۔ اس میں اشارۃً یہ ارشاد ہے کہ باستثناء مرفوع القلم شخص کے کسی حالت میں ضبط کو جو کہ اختیاری ہو گو اس میں کچھ کلفت بھی ہو ہاتھ سے دے کر اپنی حالت صحت یا حالت دین کو معرض فساد میں ڈالنا اور اعتدال شرعی سے خارج ہو جانا قبیح و مذموم ہے گو بوجہ بے علمی کے اپنی رائے فاسد سے یہ شخص اس کے ادخل فی التقرب والقبول ہونے کا زعم کرتا ہو اسی لئے حدیث میں سوال شوق کے ساتھ یہ قید لگائی ہے **فی غیر ضراء مضرۃ (ای مایعود الی الصحۃ) وفتنۃ مضلۃ (ای مایعود الی الدین) بعد قولہ واسئلک شوقاً الی لقائک.**

کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوش بنشست	کہ نہ درآخر صحبت بندامت برخاست

این بزم سے مراد وہ دنیا ہے اور یہ شعر مقارب المعنی اس شعر عربی کا ہے ۔ **ومن یحمل الدنیا لعیش یسرہ + فسوف لعمری عن قلیل یلومھا** + مقصود اس سے تزہید ہے دنیا میں جو کہ شرائط سلوک سے ہے۔

شمع گرزان لب (رخ) خندان بزبان لافی زد	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست

اس میں حسن التعلیل ہے یعنی شمع جو تمام شب استادہ رہتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے تیرے روئے خندان کی مساواۃ کا دعویٰ کیا تھا۔ اس لئے یہ کھڑا ہونا اس پر جرمانہ ہوا ہے۔ اور بلسان اشارت بیان ہے اس کا کہ غلبۂ توحید میں جن لوگوں نے دعویٰ اتحاد کا کیا انجام کار ان کا مضرت ہوا خواہ جسمانی جیسا منصور کو خواہ نفسانی جیسا بایزید کہ بعد صحو کے پشیمان ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ **کنت الیوم کافرا مجوسیا والآن اقطع زناری واقول**

اشھد ان لا الہ الا اللہ اور پشیمانی وندامت گوفضیلت کی چیز ہے مگر آخر قلب کو اس وقت کلفت تو ہوتی ہے جس کا سبب صدور خطایا ہے اگر خطا نہ ہوتی تو یہ کلفت کیوں ہوتی اس اعتبار سے اس کو ضرر نفسانی میں داخل کیا۔ اور خواہ ضرر روحانی ہو چنانچہ ایسے دعاوی مانع ترقی ہیں اگران پر دوام رہا کیونکہ وہ دلیل سکر ہے اور سکر میں ترقی نہیں ہوتی ۔

درچمن بادبہاری زکنار گل و سرو	بہواداری آن عارض وقامت برخاست

مطلب یہ کہ سب میرے محبوب کے نیاز مند وثناء خواں ہیں حتیٰ کہ باد بہاری جو چمن میں گل وسرو کی بغل میں سے نکلتی ہے یعنی اس پر سے گزرتی ہے وہ بھی گل کے واسطہ سے اس کے عارض کی اور سرو کے واسطہ سے اس کے قامت کی ہواداری اور خدمت کرتی ہے کہ گل کو تازہ وخندان اور سرو کو سبز وریان کر کے اس کے خوبی عارض وقامت کا اظہار کرتی ہے کیونکہ ۔ ففی کل شی ءلہ آیۃ + تدل علی انہ واحد + اس میں محبوب حقیقی کے کمال کا تام ہونا اور ہر مصنوع کا مدلول بالوجہ العام ہونا بتلانا ہے تا کہ اس کی طلب میں سعی کریں ۔

مست بگذشتی واز خلوتیان ملکوت	بتماشای توآشوب قیامت برخاست

مست کنایہ از استغناء۔ وبگذشتی تجلی کردہ مستتر شدی۔ وخلوتیان ملکوت اہل خلوت کہ درمراقبات نسبت بعالم ملکوت پیدا کردہ باشند۔ وتماشا مشاہدہ۔ وبا بمعنی دریا بمعنی برای۔ وآشوب قیامت شورش ونالہ۔ مطلب یہ کہ محبوب حقیقی جو متجلی ہوکر مستتر ہوگیا۔ تو اہل خلوت مشاہدہ سے یا استتار کے بعد مشاہدہ کے لئے بے تاب ہوکر نالہ وفریاد کرنے لگے۔ لان التجلی مفاجاۃ یورث الشوق ویذہب بالسکون وان الاستتار یورث الحزن وکلاہما یوجب الاضطراب۔ اور بعض خلوتیان ملکوت سے مراد ملائکہ لیتے ہیں مگر چونکہ بقول مشہور ملائکہ میں کیفیت شورش نہیں ہے۔ نیز ان کو خلوت کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے احقر نے اس کو پسند نہیں کیا مقصود بیان کرنا آثار احوال کا ہے ۔

پیش رفتار تو پابرنگرفت از خجلت	سروسرکش کہ بناز قد وقامت برخاست

اس میں بھی حسن تعلیل ہے یعنی سرو کا جو پاؤں اپنی جگہ سے نہیں اٹھتا اور وہ نہیں چلتا

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تیرے قد وقامت کے مساوات کا مدعی ہوا تھا اس لئے شرم سے گڑ رہا ہے۔اس کا حاصل مقصود بھی مثل شعر سوم شمع گرزان الخ کے ہے۔

حافظ این خرقہ بینداز مگر جان ببری	کآتش از خرمن سالوس وکرامت برخاست

این خرقہ یعنی خرقہ سالوس بقرینہ مصرعہ ثانیہ وکرامت مراد دعویٰ کرامت۔اس میں مذمت ہے مکراور دعویٰ کی یعنی اگر اپنی نجات چاہتے ہوتو اس خرقہ سالوس واظہار کرامت کوترک کرو کیونکہ اس سے آگ پیدا ہوتی ہے یعنی یہ سبب ہے دخول فی نار جہنم یا وقوع فی نار الہجر ان کا۔

غزل

روی تو کس نہ دید وہزارت رقیب ہست	درغنچۂ ہنوز وصدت عندلیب ہست

تا در ہزارت مضاف الیہ رقیب نہ باین معنی کہ ایشان رقیب تو ہستند یعنی شریک عشق کسے باتو فانہ غیر مقصود بلکہ باین معنی کہ باہم رقیب اندور تو یعنی شریک عشق برتو۔ وکس ندید یعنی تفصیلا وادراکا بالکنہ۔ ودرغنچۂ یعنی مستتری بالمعنی المذکور یا کس ندید نافی رویت باشد دردنیا۔مطلب یہ کہ محبوب حقیقی کو کوکسی نے دنیا میں نہیں دیکھا(**لان الروية لاتقع فی الدنيا ويستثنیٰ منه رسول الله صلی الله عليه وسلم حيث رای ليلة المعراج او يقال انه رای فی الاخرة لان السماء من مكان الاخرة**) اور کسی کو آپ کی تفصیلی معرفت نہیں ہوئی مگر پھر بھی بیشمار عاشق وطالب ہیں شاید مقصود اس سے تصریح اس مسئلہ ہی کی ہوتا کہ اہل سلوک اس ہوس میں نہ پڑیں یا کمال حسن وجمال بیان کرنا ہو کہ اس اجمالی ہی معرفت نے یہ نوبت کررکھی ہے جواوروں کے تفصیلی مشاہدہ میں بھی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ بمراتب غیر متناہیہ اوروں سے اجمل واکمل ہے پس ایسی ذات کا طالب ہونا عین واجب ہے اور کس نہ دید سے اگر نفی رویت کی ہوتو مخصوص ہے دنیا کے ساتھ اور اگر نفی ادراک بالکنہ کی ہو جیسا درغنچۂ سے یہی مراد ہے تو عام ہے آخرت کو بھی کیونکہ احاطہ حقیقت وہاں بھی نہ ہوگا **لامتناعه وهذا هو معنی قوله عليه السلام لايبقیٰ علی وجهه الارداء الكبرياء والله اعلم۔**

گرآمدم بکوی توچندان غریب نیست	چون من درین دیار ہزاراں غریب ہست

غریب در مصرعہ اولی بمعنی عجیب و بعید و در مصرعہ ثانیہ بمعنی متعارف۔ مطلب یہ کہ میں ہی اکیلا آپ کا مشتاق و طالب نہیں ہوں۔ اس میں بھی کمال جمال بیان کرنا مقصود ہے تا کہ سامعین کو طلب کا شوق ہو۔

ہر چند دورم از تو کہ دور از تو کس مباد	لیکن امید وصل توام عنقریب ہست

ترجمہ ظاہر ہے اور مقصود اس سے تعلیم ہے رجاء کی کہ وجوب شرعی کے ساتھ معین سلوک بھی ہے۔ اور شعر ہذا میں اس کے دو محل محتمل ہیں یا تو دنیا میں مجوبی کی حالت میں بقاء آخرت کی امید یا حالت قبض میں بسط کی امید۔

در عشق خانقاه و خرابات شرط نیست	ہر جا کہ ہست پر تو روی حبیب ہست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ خانقاہ کے اعمال اور خرابات کے افعال دونوں موصل و موجب قرب ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ عاشق جس طرح خانقاہ میں ہادی کا مشاہدہ کرتا ہے خرابات کو دیکھ کر مضل کا مشاہدہ کرتا ہے پس اس کی نظر اور توجہ دونوں جگہ اسی کے ظہور و تجلی پر ہے اور یہ توحید افعالی یا صفاتی کی تعلیم کی طرف اشارہ ہے۔

آنجا کہ کار صومعہ راجلوہ مید ہند	ناقوس و دیر و راہب و نام صلیب ہست

اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر کے شعر کی شرح میں مذکور ہوا۔ ومید ہند ای کارکنان قضاوقدر۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد	ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کہ شد کدام شد۔ مقصود تنبیہ ہے ان سالکوں کی جو حرمان کا شکوہ کیا کرتے ہیں مطلب یہ کہ کوتاہی طالب کی طرف سے ہے مطلوب سے دریغ نہیں پس اپنی اصلاح چاہئے۔

فریاد حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست	ہم قصہ غریب و حدیثے عجیب ہست

غالباً اس میں جواب ہے منکران کیفیات وجدانیہ کا۔ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو وجدان نہ ہو تو استدلال ہی سے سمجھ لو کہ عشاق کا یہ حیرت انگیز آہ و نالہ آخر کسی سبب عظیم ہی سے ہے پس بطریق برہان انی ان کیفیات کے وجود کو ثابت سمجھ لو۔

غزل

ساقیا آمدن عید مبارک بادت	وان مواعید کہ کردی نرود ازیادت

معنی ظاہری تو یہ ہیں کہ اے محبوب تو نے عید کو وعدہ وصل کیا تھا اب عید بھی آ گئی وعدہ پورا کرو اور معنی باطنی میں خطاب مرشد کو ہوسکتا ہے جس نے مستر شد سے (کسی ایسے وقت میں کہ مستر شد اس سے کسی تلقین یا توجہ کا طالب ہوا ہوگا اور اس وقت مرشد اپنی کسی باطنی تشویش ہیبت وغیرہ میں مبتلا ہوگا) یہ وعدہ کیا ہوگا کہ ہم کو طمانینت ہو تو تمہاری درخواست پوری کریں گے اور قرائن یعنی بشاشت وغیرہ سے مستر شد کو حصول طمانینت معلوم ہوا ہوگا اس وجہ سے اس حالت طمانینت کو بوجہ مایۂ سرور ہونے کے عید سے تعبیر کر کے اس پر مبارکباد اور اس وعدہ کی یاد پیش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

در شگفتم کہ درین مدت ایام فراق	برگرفتی زحریفان دل و دل میدادت

شگفت تعجب۔ برگرفتی برداشتی۔ حریفان یاران وعاشقان۔ دل میدادت استفہام ست یعنی آیا دل تو گوارا میکرد۔ اس میں بھی سہل یہ ہے کہ مرشد کو خطاب ہو یعنی اتنے روز تک جو آپ نے طالبین کی طرف توجہ نہیں کی تو کیا آپ کے دل نے اس کو گوارا کیا مجھ کو اسی کا تعجب ہے کیونکہ مقتضا ارشاد کا شفقت اور توجہ ہے رہا بموجود مانع وہ اس لئے ضعیف ہے کہ اہل کمال کی بقدر ضرورت توجہ بھی طالب کی اصلاح کے لئے کافی ہے اور وہ ہر حال میں ممکن ہے۔ پس اس شعر میں تعلیم ہے مشائخ کو کہ ایسے اوقات میں طالبین سے علیحدگی و بے التفاتی ویکسوئی و جواب خشک نہ چاہئے ان کی تو پوری بربادی ہے۔

برسان بندگی دختر رز گوبدر آی	کہ دم ہمت ماکرد زبنداز آدت

مخاطب برسان مطلق رسانندہ بندگی تحیت و نیاز۔ دختر رز شراب مراد عشق بمشارکت وصف مستی لیکن بحیثیت بودن آن عشق در خود یعنی عشقیکہ وصف مستر شد ست بدر آی یعنی از خلوت۔ بند مراد پردۂ استتار اس میں بھی مثل سابق بطور تتمہ مضمون سابق مرشد ہی سے عرض مقصود ہے یعنی اے مبلغ ہماری صفت طلب و عشق کی طرف سے مرشد کو۔ سلام کے بعد یہ

پیغام پہنچادے کہ خلوت سے باہر آیئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمایئے اور خدا تعالیٰ نے جو آپ کو یہ نعمت کمال اور قوت تکمیل عطا فرمائی اس کی ایک حکمت یہ بھی سمجھئے کہ طالبین کا افادہ آپ کی ذات سے وابستہ کرنا ہے پس ہمارا جو قصد خدا طلبی ہے یہ بھی سبب ہوگیا ہے آپ کے پردۂ استتار سے منصۂ اشتہار پر آنے کا پس ایک مقصود کمال سے تکمیل بھی ہے تو اس سے دریغ نہ کیجئے فالہمۃ بمعنی القصد واسناد لفظ کردالیہا اسناد مجازی الی السبب ونعم ما قیل فی بیان ہذا الحکمۃ۔ ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے ایک حکمت یہ بھی الخ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمت کا اس میں انحصار نہیں اہل ارشاد میں یہ بھی ایک حکمت ہے البتہ جو اہل ارشاد نہیں ہیں ان کے باب میں کلام نہیں کما قیل۔ احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار+ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

شادی مجلسیان در قدم و مقدم تست	جای غم باد ہر آن دل کہ نخواہد شادت

جای غم باد ای محل وظرف غم باد۔ اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو ان کے استمالت اور ان کے خوش رہنے کی دعا کررہے ہیں۔

چشم بد دور کزین تفرقہ خوش باز آورد	طالع نامور و دولت مادر زادت

یہ بھی خطاب مرشد کو ہے ان کو حصول طمانینت ورفع تفرقہ خاطر یعنی تشویش پر مبارک باد دیتے ہیں مثل شعر اول کے۔ یعنی آپ کی خوش بختی ومقبولیت وہبیہ اس تفرقہ سے نکلنے کی باعث ہوئی اللہ تعالیٰ چشم حساد سے محفوظ رکھے کہ یہ دولت قائم رہے۔

شکر ایزد کہ ازین باد خزان رخنہ نیافت	بوستان سمن و سرو و گل و شمشادت

اس میں بھی خطاب ہے مرشد کو اور باد خزاں سے مراد وہی تشویش وتفرقہ خاطر اور رخنہ سے مراد خلل ومضرت اور بوستان الخ سے مراد کمالات باطنی مرشد کے۔ یعنی حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس حالت عارضہ سے آپ کے کمالات کو گزند نہیں پہنچا۔ اس میں اشارہ ہے اس تعلیم کی طرف کہ اگر مرشد کو کوئی ایسا امر پیش آجائے تو مسترشد کو اس کے کمالات کی کمی کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ سراسر اس کی ہلاکت ہے۔

حافظ از دست مده صحبت آن کشتی نوح	ورنہ طوفان حوادث ببرد بنیادت

شعر بالا میں اصلاح تھی مسترشد کی علماً اور اس میں اصلاح ہے اس کی عملاً یعنی اگر ایسی حالت مرشد کو پیش آ جائے تو اسکی صحبت یا اس کی خدمت نہ چھوڑ دے کہ جب یہ بے توجہی کرنے لگا تو دوسری تدبیر کریں بلکہ اس کی مثال کشتی نوح کی سی سمجھے کہ طوفان سے گو اس کو حرکت تھی مگر غرق سے خود محفوظ اور راکبین کی حافظ تھی اسی طرح گو مرشد میں کسی باطنی حالت کے غلبہ سے ایک گونہ خروج عن السکون عارض ہو جائے مگر وہ اس حالت میں بھی خود ضلال سے محفوظ اور دوسروں کے لئے حافظ ہے۔

غزل

ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام رفت	دردہ قدح کہ موسم ناموس و نام رفت
وقت عزیز رفت بیاتا قضا کنیم	عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت
درتاب توبہ چند توان سوخت ہمچو عود	می دہ کہ عمر در سر سودای خام رفت
مستم کن آنچنان کہ ندانم زبیخودی	درعرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت
بربوی آنکہ جرعۂ جامے بما رسد	در مصطبہ دعای تو ہر صبح و شام رفت
دل را کہ مردہ بود حیاتے ز تو رسید	تابوی از نسیم میش درمشام رفت
زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ	رنداز رہِ نیاز بدار السلام رفت
زاہد تو دان و خلوت و تنہائی و نیاز	عشاق راحوالہ بعیش مدام رفت
نقد دلے کہ بود مرا صرف بادہ شد	قلب سیاہ بود ازان درحرام رفت
دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت	گم گشتۂ کہ بادۂ عشقش بکام رفت

(جاننا چاہئے کہ طریق موصل الی اللہ دو ہیں طریق زہد اور طریق عشق جس کا جیسا مذاق ہو اس کی تربیت اسی سے ہوتی ہے۔ اور بعضے ان ہی دونوں طریقوں کو ریاء اختیار کرتے ہیں سو ایسا زہد ریائی اور عشق ریائی خود موصل ہی نہیں پس اس غزل میں بمناسبت

اپنے مذاق کے طرق عشق کی طلب کرتے ہیں اور طریق زہد کا اپنے لئے غیر کافی ہونا بتاتے ہیں اور کسی کسی شعر میں زہد ریائی کی مذمت کرتے ہیں اور عشق ریائی بھی باشتراک علت اسی طرح مذموم ہے مگر چونکہ حافظؒ کے زمانہ میں کہ زمانہ غلبہ وحکومت اسلام کا تھا اہل طریق عشق پر دار و گیر اور ہجوم بلیات کا زائد تھا اس لئے عشق ریائی قریب قریب مفقود کے تھا اس لئے اشعار میں اس سے تعرض بھی کم کیا جاتا ہے پس فرماتے ہیں کہ)ای ساقی عنایت ازلی مجھ کو طریق عشق عطا فرما کہ زمانہ زہد کا رخصت ہوا یعنی میں نے زہد سے وصول چاہا بوجہ عدم مناسبت مذاق وہ مفید نہ ہوا اس لئے اس کو رخصت کیا۔ اب قدح عشق پلا دیجئے۔ اور اسمیں رسوائی ہوگی مگر ناموس نام کا زمانہ بھی گیا یا تو یہ مراد ہے کہ اس زہد حقیقی سے پہلے جو زہد ریائی اختیار کیا تھا وہ بھی گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حافظ نے ریاء اختیار کیا ہو یہ مطلق اہل طریق کی حالت بیان کر رہے ہیں اور یا یہ مراد ہے کہ زہد حقیقی میں بھی گو نام و ناموس کا لحاظ نہ ہو مگر طبیعت پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے عشق میں یہ بھی نہیں رہتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جس قدر زمانہ بلا نسبت عشقیہ کے گزرا اس کی قضا کریں گے یعنی خوب کوشش کریں گے جس سے اس کا تدارک بھی ہو جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ توبہ کی آگ میں کہاں تک جلا کریں اب تو شراب عشق پلا دیجئے کہ تمام عمر اس سودای خام کے خیال میں کہ زہد سے وصل ہوگا گزر گئی۔ اس توبہ سے یا تو توبہٗ ریائی مراد ہے تب تو اس کا غیر مفید ہونا ظاہر ہے اور یا یہ کنایہ ہے طریق زہد سے کہ اس میں توبہ حقیقی بلا عشق کے ہے اور چونکہ وہ بار بار ٹوٹ جاتی ہے اس لئے ہمیشہ اسی کلفت و کوفت میں رہنا ہوتا ہے بخلاف توبہ مقرون بالمحبۃ کے کہ ہمیشہ کے لئے اس کلفت نقض قصدی سے امن ہو جاتا ہے گو دوسری حالتیں وہاں اس سے بھی صعب ہوں مگر وہ لذیذ ہیں۔ آگے کہتے ہیں کہ مجھ کو اس شراب محبت سے ایسا مست کر دے کہ مجھ کو یہ بھی خیال نہ رہے کہ کون آیا کون گیا یعنی مستی کامل عطا کر دیجئے اور میں اس امید پر کہ کرشمۂ فیض عشقی نصیب ہو جائے مصطبہ یعنی مقام خلوت میں کہ محل طلب شراب محبت ہے آپ کی ثنا وصفت کرتا ہوں (فالدعاء کنایۃ عن الثناء) یا یہ معنی ہوں کہ آپ سے دعا کرتا ہوں۔ پس دعای تو میں اضافہ مفعول کی طرف ہوگی۔ کما وقع ضمیر اللہ تعالٰی مفعولاً للدعاء

فی قولہ تعالٰی دعا نالجنبہ الخ یعنی دعای عشق برای خود از تو آگے فرماتے ہیں کہ جب سے نسیم مئ محبت میرے قلب کے دماغ میں پہنچی ہے وہ مردہ سے زندہ ہوگیا (فالشین مضاف الیہ للمشام) اس زندگی سے مراد نشاطِ عشقی ہے آگے فرماتے ہیں کہ زاہد نے تکبر کیا اور اپنے کو ذی کمال و ذی استحقاق سمجھا تو ہلاک ہوا۔ (جیسا کہ بعض زاہدان جاہل کو یہ بلا دعویٰ تقدس کی پیش آتی ہے) اور عاشق نے عجز و نیاز یعنی انکسار و تذلل اختیار کیا تو وہ دارالسلام یعنی بہشت یا مقام سلامتی و حفظ الٰہی میں جا پہنچا (یعنی عشق کے طریق میں یہ خصوصیت ہے) آگے فرماتے ہیں کہ اے زاہد تم جانو اور سامان زہد جانے یعنی تم اس میں رہو کہ سراسر تعب ہے اور عاشقوں کو تو حصول عشق سے عیش دائمی میسر ہوگیا یعنی ان قیود و تکلیف آمود سے رہائی ہوگئی اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ عشق میں جو متاعب ہیں وہ خود لذت بخش ہیں اس لئے حقیقۃً متاعب نہیں۔ اور اس شعر میں نیاز سے مراد وہ نیاز نہیں جو اس کے قبل کے شعر میں تھا کہ وہ خاصہ عاشق کا ہے مراد عبادت ہے۔ کہ خلوت میں کر رہا ہے اور عبادت کی ذات نیاز ہے۔ آگے کسی معترض معاند و منکر مجادل کے جواب میں فرماتے ہیں کہ تم جو غلبۂ جہل و زہد خشک سے طریق عشق کو حرام حرام کہہ رہے ہو خیر حرام ہی سہی مگر میں نے اپنا دل اس میں اس لئے صرف کیا کہ میرا نقد دل بھی قلب سیاہ یعنی ردی اور معاصی میں سیاہ تھا پس بقول مشہور مال حرام بود بجائے حرام رفت حرام ہی میں صرف ہوگیا۔ پھر کیوں شور و شغب مچایا ہے آمین تعلیم ہے کہ مخاصم سے عاشق خصومت نہ کرے بلکہ ارخاء عنان و تسلیم سے پیش آئے۔ آگے مقطع میں ارشاد ہے کہ جس کے حلق میں بہاؤ عشق چلا گیا وہ دوسرے طریق کو اختیار نہیں کرتا پس حافظ کو نصیحت بیکار ہے اس میں بیان ہے دوام عشق کا گو تمکین میں سکون ہو جائے مگر نسبت وہی رہتی ہے۔

غزل

صبا اگر گزرے افتدت بکشور دوست	بیار نفحۂ از گیسوئے معنبر دوست
بجان او کہ بشکرانہ جان برافشانم	اگر بسوی من آری پیامی از بر دوست

وگرچنانکہ دران حضرتت نباشد بار	برای دیدہ بیادرغباری از در دوست

ان اشعار میں تمنا ہے واردات غیبیہ کی شاید انقطاع واردات کی حالت میں کہا ہوگا اور صبا سے مراد وسائط فیض مثل ملائکہ قاسمین فیض کے جوملقب بہ سکینہ ہیں اور نفحہ سے مراد وار دتجلیات صفاتیہ ہے اور غبار سے مراد وارد تجلیات افعالیہ ہے کیونکہ گیسو متصل ہوتا ہے اور در منفصل اسی طرح صفات غیر مبائن ہیں اور افعال مبائن لوجوب التبائن بین القدیم والحادث اور پیام سے علوم عالیہ پس مطلب یہ ہوا کہ اے قاسمین فیض عالم قدس میں پہنچ کر وارد صفاتی لاکر میرے قلب پر القاء کرو جس سے مجھ پر علوم عالیہ متعلقہ صفات منکشف ہوں اور ان کا عالی ہونا ظاہر ہے کیونکہ ان کا معلوم صفات ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا ہے۔ اگر تم نے ایسا احسان کیا تو میں اس شکرانہ میں اپنی جان نثار کردوں گا۔ اور اگر ایسا امر ہو کہ اس درگاہ میں تم کو دخل نہ ہو (یہ مطلب نہیں کہ یہ ملائکہ فیوض کو لانہیں سکتے بلکہ بات یہ ہے کہ ملائکہ ہر امر میں مامور نصا ہیں سو جس فیض کا نازل کرنا مقصود نہ ہو اس میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا پس مطلب یہ ہوا کہ اگر میں اس فیض کے قابل نہ ہوں اور اس لئے مبدأ فیاض سے ان فیوض کا واسطہ تم کو نہ بنایا جائے پس یہ عدم دخل اسطور پر ہے) تو خیر وارد افعالی ہی کو فائض کردو اور امر واذن کی قید قواعد مشہورہ سے یہاں بھی ہے۔ مطلب یہ کہ قبض کا تحمل نہیں کچھ سلسلہ فیض کا جاری ہونا چاہیے۔

من گدا وتمنای وصل اوہیہات	مگر بخواب بہ بینم جمال ومنظر دوست
دل صنوبریم ہمچو بید لرزان ست	زحسرت قد وبالای چون صنوبر دوست

درشاخ صنوبر گر ہے باشد کہ آنرا بدل تشبیہ دہند ودل صنوبر ہم اوراگویند کذا فی الحاشیۃ

ان اشعار میں بیان ہے اس کا کہ ورود تجلیات میں بھی انکشاف تام یعنی رویت جس طرح آخرت میں ہوگی اس عالم میں واقع نہیں ہوتی لامتناعہ شرعا وان لم یمتنع عقلا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ خواب یعنی حالت استغراق میں تو تجلی ہوسکتی ہے۔ اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ وہ تام نہیں ہوتی باقی وصل یعنی رویت عیاناً کی تمنا ہی مستبعد ہے اور جس قدر

انکشاف ہوتا ہے وہ ایسا ہے کہ اس میں حسرت استتار کی بھی رہتی ہے لکونہ غیر تام۔ پس اس میں رفع ہے بعض۔ ناواقفوں کی غلطی کا۔ اور لفظ گدا سے اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ اس رویت کا مانع ہمارا عدم تحمل وعدم قابلیت ہے جو آخرت میں مبدل بتحمل ہو جائے گا۔

اگر چہ دوست بہ چیزے نمی خرد مارا	بعالمی نہ فروشیم موی از سر دوست

یعنی اگر چہ نقصان امکانی کی وجہ سے ہم اس قابل نہیں کہ محبوب کے مقبول ہوں اور جو کچھ عنایت ہے وہ فضل ہے نہ کہ ہماری قابلیت اسی لئے ممیز دکہا کیونکہ اشترا عادۃً وشرعاً مبیع کے محلیت وقابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لئے جو چیز محل بیع نہ ہو وہ مبیع نہیں ہوسکتی اور قرآن مجید میں ان اللہ اشتری مجاز ہے بہر حال گو ہم اس نقصان امکانی کے سبب قابل مقبولیت کے نہیں مگر محبوب کمال وجوبی کی وجہ سے کامل المحبوبیت ہے اور اسی کی فرع ہے کہ ہم اس نقصان کی وجہ سے مشرف بوصال تام نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ آخرت میں بھی یہ انکشاف حد ادراک کنہ تک نہ پہنچے گا البتہ محض بمشیت وحکمت الہیہ وہاں اس استتار سے حسرت نہ ہوگی اور بجائے وصال تام کے اگر ہم کو واردت صفاتی کہ موئے از سر دوست اس سے عبارت ہے میسر ہوجائے تو ہمارا منتہیٰ معراج ہے۔ جیسا کہ واردات انفعالیہ ابتدا اس کی ہے اور چونکہ وارد انفعالی کے بعد تمنا ہوتی ہے کہ وارد صفاتی نصیب ہو اس لئے اس کی نسبت بعالمی نہ فروشیم کہ کنایہ ہے لاتریداستبدالہ سے نہیں کہا جاسکتا بخلاف وارد صفاتی کے کہ اس کا بدل اس سے خیر کچھ بھی نہیں اور اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جاہ کو حق خداوندی سمجھے اپنے کو جاہ عنداللہ کے قابل نہ سمجھے کما حققہ مرشدیؒ بس نجات ومغفرت وعطا سے حاجت ہی کو بڑی نعمت جانے۔

چہ باشد ار شود از قید غم دل آزادش	چو ہست حافظ مسکین غلام وچاکر دوست

اس کی وہی شرح مناسب ہے جو شعر بالا کے آخر شرح میں مذکور ہوا یعنی تذلل وعدم قصد جاہ عنداللہ اور کفایت برنجات وآزادی۔

غزل

غمش تا در دلم مادے گرفتہ است	سرم چون زلف او سودا گرفتہ است

لب چون آتش آب حیات ست	ازان آب آتشے درما گرفتہ است
ہمای ہمتم عمری ست کزجان	ہوای آن قد بالا گرفتہ است
شدم عاشق ببالای بلندش	کہ کار عاشقان بالا گرفتہ است

ان اشعار میں مختلف تمثیلات سے اظہار ہے اپنے عشق اور اس کے آثار کا پس مفردات مذکورہ فی الاشعار کے مقابلہ میں محبوب حقیقی میں مفردات مشبہ کا ہونا اوران میں وجہ شبہ کی تحقیق کرنا ضروری نہیں ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب سے اس کا غم عشق میرے دل میں جاگزین ہوا ہے اس کے زلف پریشان کی طرح میرا دماغ بھی پریشان ہوگیا ہے اوراس کا لب جوسرخی میں مشابہ آتش کے ہے جان بخشی میں مثل آب حیات کے ہے اس آب سے ہم میں سوز وگداز کی آگ لگ گئی ہے اورایک عمر گزرگئی کہ میرے ہمای ہمت نے اس قد بالا کی ہوا یعنی محبت اختیار کررکھی ہے اور ہما اور ہوا میں مناسبت لفظیہ کی لطافت ظاہر ہے اور ہمت کو ہما اس لئے کہا کہ ہما بلند پرواز ہوتا ہے اور واجب سے محبت کرنا بھی بلند ہمتی ہے اور میں اسکے قد بلند پراس لئے عاشق ہوا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کا مرتبہ بڑا بلند ہے اس لئے اس کی تحصیل کا قصد کیا۔

چوما درسایۂ الطاف اوئیم	چرا اوسایہ از ماواگرفتہ است

یہ چرا بطور اعتراض کے نہیں بلکہ اجمالاً تحقیق حکمت کی طرف اشارہ کے لئے ہے اور یہ شعر حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے یعنی جب ہم اس کے سایۂ الطاف میں تربیت پارہے ہیں پھر جو اس نے ہم سے اپنا سایہ اٹھالیا اس کی کیا وجہ۔ یعنی یہ تو ہونہیں سکتا کہ الطاف کے خلاف کیا ہو کہ حالت الطاف میں بے الطافی محال ہے اور الطاف کا وجود آثار وقرائن سے متحقق ہے پھر بے الطافی کا کب احتمال ہے جب یہ محتمل نہیں تو ضرور سایہ اٹھالینے میں کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت ہی ہوگی کہ وہ بھی ایک گونہ لطف ہے اس لئے تنگ نہ ہونا چاہئے پس مصرعہ اولیٰ میں سایہ الطاف سے مراد مطلق لطف کا سایہ اور مصرعہ ثانیہ میں مراد سایہ سے خاص لطف کا سایہ وارتفاع الخاص لایستلزم ارتفاع العام فافہم۔ اس میں حالت قبض کے

متعلق اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس کا استحضار سالک پر لازم ہے۔

نسیم صبح عنبر بوست امروز	مگر یارم رہ صحرا گرفتہ است

یہ شعر حالت بسط پر زیادہ منطبق ہوتا ہے۔ صحرا سے مراد قلب یعنی آج قلب میں فیوض کی خوشبو مہک رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی تجلی قلب پر ہوگئی ہے اور نسیم صبح مبتدا ہے اور عنبر بو خبر ہے۔

زدریای دوچشم گوہر اشک	جہان در لولوی لالا گرفتہ است

گوہر اشک مبتدا و گرفتہ است خبر۔ وجہان بحذف۔ رامفعول گرفتہ یعنی میری آنکھوں کے دریا سے جو گوہر اشک نکلے ہیں ان گوہروں نے تمام جہان کو در تابان سے گھیر دیا یعنی اس کثرت سے رویا کہ تمام زمین پر ہوگئی۔ مقصود مبالغہ ہے رونے میں۔

حدیث حافظ ای سروسمن ہر	بوصف قد تو بالا گرفتہ است

یعنی حافظ کے کلام نے جو تیرے وصف قد میں ہے رتبہ بلند حاصل کیا ہے مطلب یہ کہ جو کلام وصف محبوب میں ہوتا ہے وہ مقبول اور دل چسپ اور گرامی قدر رہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا شرف علم حقائق کی طرف و معنی سمن برای براو چون سمن در سفیدے یا خوشبو۔

غزل

صبح دم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت	ناز کم کن کہ درین باغ بسے چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم و لے	ہیچ عاشق سخن تلخ بہ معشوق نہ گفت
گر طمع داری ازان جام مرصع مئی لعل	در ویاقوت بنوک مژہ ات باید سفت
تا ابد بوی محبت بمشامش نرسد	ہر کہ خاک درمیخانہ برخسار نرفت

ان اشعار میں مرشد کی خدمت اور ادب کا شرط طریق ہونا اور گستاخی اور بے ادبی کا گو اس کا منشاء کوئی امر مطابق واقع کے ہو مذموم ہونا مذکور ہے۔ یعنی بلبل نے کہ طالب ہے گل نو خاستہ سے کہ مرشد کامل ہے (جیسا گل نو خاست اپنے وصف میں کامل ہوتا ہے) یوں

کہا کہ آپ (اس شان ارشاد پر) ناز نہ کیجئے اور مسترشدین سے استغنا نہ برتئے کہ ایسے ایسے اس باغ دہر میں بہت ہوئے ہیں اور پھر سب فنا ہو گئے اسی طرح تم بھی فنا ہو جاؤ گے تو اس عمر ناپائیدار میں جس قدر ثواب افادہ کا حاصل ہو سکے غنیمت سمجھو۔ مرشد نے (اپنی بلند حوصلگی سے برانہیں مانا بلکہ) ہنس کر فرمایا کہ ہم سچی بات سے ناراض نہیں ہوتے لیکن تمہاری مصلحت کے لئے تم کو تعلیم کرتا ہوں کہ یہ طرز استفادہ کا نہیں ہوا کرتا کیونکہ استفادہ کے لئے ادب شرط ہے اور یہ طرز خلاف ادب ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک) کسی عاشق اور طالب نے اپنے معشوق اور مطلوب سے سخن تلخ نہیں کہا ہے۔ آگے حافظؒ تائید تعلیم مذکور کے لئے کہتے ہیں کہ اگر تم اس جام مرصع یعنی قلب مرشد سے کہ پر از شراب عشق و محبت ہے مئ لعل یعنی فیض عشقی چاہتے ہو تو (طریق نیازمندی اختیار کرنا چاہئے اور) نوک مژہ سے دُر و یاقوت پرونا چاہئے یعنی آنسو سفید کہ مشابہ در کے ہیں اور سرخ خون کے کہ مشابہ یاقوت کے ہیں برسانا چاہئے کہ وہ مژہ میں لگ کر ایسے معلوم ہوں جیسے مژہ سے در و یاقوت میں سوراخ کیا ہو مطلب یہ کہ عاجزی اور تضرع سے کام لینا چاہئے اور جس نے درمیخانہ کو اپنے رخسار سے صاف نہ کیا ہوگا ابد الآباد تک بوئ عشق اس کے دماغ تک نہ پہنچے گی یعنی یہ زاری کا کام ہے زور کا نہیں اس میں تعلیم ہوگئی بعض شرائط طریق کی۔ فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ + جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ۔

در گلستان ارم دوش چواز لطف ہوا	زلف سنبل زنسیم سحری می آشفت
گفتم ای مسند جم جام جہان بینت کو	گفت افسوس کہ آن دولت بیدار بخفت

ان دو شعروں کا نہ مدلول لفظی نہ مقصود معنوی کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا اور شرح سے شرح صدر نہیں ہوا اگر کوئی صاحب سمجھ کر ملحق[1] کر دیں ان کا احسان ہے۔

[1] کئی ماہ کا عرصہ ہوا کہ میں مراد آباد میں مولانا محمد صدیق صاحب دام فیضہ سے کہ علاوہ دوسرے کمالات کے نظم و نثر و مہارت فارسی میں یکتا ہیں ملا ان کو بھی ان اشعار کے حل کا طالب پایا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے پھر انہوں نے اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی کہ غالباً درمیان میں کوئی شعر رہ گیا ہے کہ اس میں جزاء کلمۂ چو کی مذکور ہوگی اور شعر گفتم الخ مستقل ہے اھ تو اس صورت میں شعر ثانی سے مقصود بیان کرنا ہوگا تاجداران جہان کے فنا کا تزہید عن المال والجاہ کے لئے۔ اور مسند جم کو خطاب اس کے وجود فرضی ذہنی کے اعتبار سے ہوگا پھر نظر ثانی کے وقت میں نے باحتمال اس کے کہ شاید اس کا حل کسی تاریخی قصہ پر موقوف ہو تاریخ روضۃ الصفا کا مطالعہ کیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سخن عشق نہ آن ست کہ آید بزبان	ساقیا می دہ وکوتاہ کن این گفت وشنفت

اس شعر کا مدلول لفظی تو ظاہر ہے اور مقصود معنوی بھی خفی نہیں کہ محبت کی طلب کر رہے ہیں مگر بقرینہ لفظ گفت وشفقت۔ اس کو ماقبل سے تعلق ہونے کے احتمال سے اس کی تقریر بھی نہیں لکھی گئی اگر طبع سے پہلے حل ہوگیا تو حاشیہ پر یا آخر میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ والا فلا۔

اشک حافظ خرد وصبر بدریا انداخت	چہ کند سوز غم عشق نیارست ونہفت

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا کہ اشک حافظ دریا ہوگئے اور خرد وصبر اس دریا میں غرق ہوگئے کیا کیا جائے ضبط پر قدرت ہی نہیں۔ اشک مبتدا انداخت خبر خرد وصبر مفعول انداخت۔

غزل

گرزدست زلف مشکینت خطائی رفت رفت	ورز ہندوی شما بر ما جفائے رفت رفت
برق عشق ارخرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت	جورشاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت
گردلے (دلم) لے ازغمزۂ دلدار بار دلم برد برد	درمیان جان وجانان ماجرائے رفت رفت
درطریقت رنجش خاطر نباشدمی بیار	ہر کدورت راکہ بینی چون صفائے رفت رفت
عشق بازی راتحمل بایدای دل پائدار	گر بلائے بود بوداو گرخطائے رفت رفت
ازسخن چینان ملالت ہاپدید آید ولے	چون میان ہمنشینان ماجرائے رفت رفت

شعر آخر کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایسی حالت کے ہیں کہ مرشد سے مسترشد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس میں لکھا ہے کہ جمشید پر شداد نے جس کا باغ ارم مشہور ہے۔ اپنے برادر زادہ ضحاک کو لشکر کشی کے لئے بھیجا تھا جس سے اس کی سلطنت برباد ہوئی مطلب یہ ہوسکے گا کہ میں نے جو شداد کے باغ ارم میں سنبل وغیرہ کی بہار دیکھی تو مجھ کو جمشید یاد آ گیا جس کو تاراج کر کے اس باغ کے بانی کو ترقی ہوئی اس وقت میں نے اس کے مسند کو مخاطب بنا کر پوچھا کہ جمشید کا سامان جس میں سے جام جم بھی ہے جس کی اضافت مسند کی طرف بادنی ملابست ہے کہ اس پر رکھا رہتا تھا کہاں گیا اس نے بزبان حال اس کے ہلاک زدہ اہل کی خبر افسوس کے ساتھ دی اور غرض اس سے وہی تزہید مذکور مع تداول ایام بین الناس ہوجائے گی واللہ اعلم اور یہ توجیہ گو شافی نہ ہو مگر کافی ضرور ہوگئی اور قصہ مذکور کا کوئی جز و اگر ثابت بھی نہ ہو تب بھی مضر نہیں کیونکہ توجیہ شعر کے لئے اسقدر منقول یا مشہور ہونا بھی اس کا مصحح ہوسکتا ہے فقط منہ عشرۂ اولی محرم ۱۳۲۸ھ

کے بارہ میں کسی نے سخن چینی کی ہے اور اس طرف سے کچھ عتاب ہوگیا ہے پھر بعد تحقیق برأت ثابت ہوئی جس سے مرشد کو اپنے بے محل عتاب پر افسوس ہے پس مسترشد اس افسوس کو اس طرح رفع کرتا ہے کہ اگر آپ سے عتاب میں غلطی بھی ہو تب بھی مجھ کو کوئی ملال وشکوہ نہیں اور اس میں تعلیم ہے اس معاملہ خاص کے متعلق جو کہ احیاناً مرشد و مسترشد کے درمیان واقع ہوجاتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں ایسا عملدرآمد کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس سے مکدر ہو کر بیٹھ رہے۔ اور تاویل فعل مرشد کی بہت سہل ہے کہ بشر سے ایسی غلطی۔ ہوجانا منافی اس کے کمال کے نہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ ؎

آنرا کہ بجای تست ہر دم کرمے	عذرش بنہ ارکند بعمری ستمے

اور اگر اس سے محبت مفرطہ ہے تو اس تاویل ہی کی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کدورت ممکن نہیں جس کے لئے رافع کی ضرورت ہو پس فرماتے ہیں کہ اگر محبوب کے زلف مشکین سے غلطی ہوگئی اور اگر محبوب کے ہندو یعنی زلف سے ہم پر کچھ سختی ہوگئی ہوگئی اور اگر برق محبت نے کسی کمل پوش کا خرمن تاب وقرار جلا دیا جلا دیا۔ برق محبت سے مراد غضب ہے جس نے بوجہ محبت کے برق کا سا کام کیا کہ تاب وقرار کھودیا پس اضافۃ برق کی عشق کی طرف ادنیٰ ملا بستہ سے ہے یا برق عشق میں اضافۃ بیانیہ ہو یعنی تمہاری محبت نے کچھ تو خود بواسطہ اس غضب کے میرا خرمن قرار جلا دیا اور اگر بادشاہ کا جور گدا پر ہوگیا ہوگیا اگر کوئی دل یعنی میرا دل محبوب یعنی مرشد کے اس خاص غمزہ یعنی عتاب سے بار رنج یا پیچ وتاب و پریشانی میں مبتلا ہوگیا ہوگیا۔ اور میری جان یعنی ذات اور محبوب اور مرشد میں اگر کوئی ماجرا ہوگیا ہوگیا۔ طریقت میں تو تکدر خاطر کی گنجائش ہی نہیں آپ بدستور اپنی فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ جو کدورت بظاہر معلوم ہو جب صفائی ہوگئی وہ کدورت جاتی رہی (اور بظاہر کی قید اس لئے کہ واقع میں تو کدورت ہوتی ہی نہیں۔ اس شعر میں رفت اول کی ضمیر صفا کی طرف اور رفت ثانی کی ضمیر کدورت کی طرف ہے) عاشقی کے لئے تحمل ضروری ہے۔ دل کو خطاب کرتے ہیں کہ مضبوط رہنا چاہئے اگر یہ قصہ عتاب کوئی امتحان تھا (ایک تاویل یہ بھی نکلی کہ شاید امتحان محبت مقصود ہو) وہ ہوچکا اور اگر کوئی غلطی تھی وہ ہوچکی اور چغل خوروں کی

بدولت ایسے ملال پیدا ہو جایا کرتے ہیں لیکن جلیسوں میں ایسا ماجرا جب گزر گیا گزر گیا اس کو دل میں نہ رکھنا چاہئے۔

غیب حافظ گومکن زاہد کہ رفت از خانقاہ	پای آزادان چہ بندی گر بجائے رفت رفت

یعنی زاہد سے کہہ دو کہ حافظ پر اگر وہ خانقاہ سے چلا گیا اعتراض مت کرو آزاد لوگوں کا پاؤں کیسے باندھ سکتے ہو اگر چلا گیا چلا گیا خانقاہ سے مراد طریق زہد ہے یعنی اگر طریق زہد چھوڑ کر بمناسبت مذاق کے طریق عشق کو اختیار کر لیا جیسا لفظاً آزادان اس مذاق کا قرینہ ہے تو اعتراض کی کیا بات ہے کہ یہ بھی ایک طریق ہے تربیت کا۔

غزل

بکوی میکدہ ہر سالکے کہ راہ دانست	درد گرزدن اندیشۂ تبہ دانست

یعنی جو سالک کہ عشق الٰہی کے طریقہ پر مستقیم ہو گیا وہ دوسرے دروازہ پر جانے کو یعنی غیر کی طرف التفات کرنے کو خیال فاسد جاننے لگا۔ اس میں بیان ہے اثر عشق کا کہ تشبث بالاسباب کو مغلوب کر دیتا ہے بخلاف سالک طریق زہد کے کہ اس کا تشبث بالاسباب بحالہ رہتا ہے اس لئے اعتدال پر آ جاتا ہے اور دنیا داروں کو اس میں غلو ہوتا ہے کہ حلال و حرام میں بھی امتیاز نہیں کرتے۔

زمانہ افر رندی نداو جز بکسے	کہ سرفرازی عالم درین کلہ دانست

یعنی عاشقی کا تاج اسی کو ملتا ہے جو اس میں یعنی اس کے آثار تذلل و بدنامی کو سرفرازی جانتا ہے اور جو ان سے بچنا چاہتا ہے اس کو یہ دولت میسر نہیں ہوتی اس میں تعلیم ہے آمادگی کی ان امور کے لئے۔

بر آستانۂ میخانہ ہر کہ یافت رہے	زفیض جام می اسرار خانقاہ دانست

میخانہ طریق عشق۔ خانقاہ طریق زہد۔ مطلب یہ کہ طریق عشق میں فیض عشقی سے طریق زہد کے ثمرات بھی تصفیہ قلب و تزکیہ نفس سے حاصل ہو جاتے ہیں اور حصول کے بعد دانستن لازم ہے اس لئے اسرار دانست سے تعبیر کیا۔ مقصود ترجیح ہے طریق عشقی کی کہ اس سے غایات طریق زہد کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور شدت تعلق و شغف طبعی محبوب حقیقی کے ساتھ یہ

علاوہ ہے بخلاف طریق زہد کے کہ اس میں طریق عشق کے اور ثمرات تو حاصل ہو جاتے ہیں مگر ایسا شغف نہیں ہوتا۔ مگر یہ ترجیح ایک وجہ خاص کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض کی تربیت کے لئے طریق زہد اس لئے زیادہ راجح ہے کہ وہ مثلاً آثار عشق کا تحمل نہیں کر سکتے۔

ہر آنکہ راز دو عالم ز خط ساغر خواند	رموز جام جم از نقش خاک رہ دانست

ساغر میں جو نقش و نگار بنے ہوتے ہیں خط ساغر سے وہ مراد ہیں اور راز دو عالم سے مراد ان کے احوال تکوینیہ تفصیلیہ نہیں ہیں کیونکہ ان کا انکشاف نہ مقصود ہے اور نہ لازم بلکہ راز سے صرف ان کی ایک صفت یعنی مظہر للموجود الحقیقی ہونا مراد ہے۔ اور یہ راز اس لئے ہے کہ ہر ایک کو اس کی طرف التفات نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو وہ علی الدوام متحضر نہیں رہتا۔ اور جام جم سے مراد جام جم متعارف اور اس کے رموز سے مراد احوال تکوینیہ تفصیلیہ جو اس جام میں منکشف ہوتے تھے اور محط فائدہ از نقش خاک ہے نہ کہ دانست پس اس قرینہ سے یہاں ایک قید مقدر ہے ای ہر گاہ کہ دانست۔ معنی یہ ہوئے کہ جس شخص پر راز عشق منکشف ہو گیا اگر کبھی امور کونیہ اس پر منکشف ہوتے ہیں تو اسکو اہتمام و تکلف و توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا۔ ان لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے جو اسی لئے ریاضت کرتے ہیں اور جیسا جمشید کو واسطۂ جام کی حاجت ہوتی تھی بلکہ محض نقش خاک راہ سے یعنی معمولی اور سرسری طور پر انکشاف ہو جاتا ہے اور اگر نہ ہو تو دوسری بات ہے اور وجہ احیاناً منکشف ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ غلبۂ عشق سے شواغل نفس میں تقلیل ہو جاتی ہے اور یہی مدار ہے کشف کا بشرط اجتماع دوسرے شرائط مناسبہ کے۔ اور ایک توجیہ از نقش خاک رہ دانست کی یہ بھی کہی گئی ہے کہ از نقش خاک یقین کرد و شمار کرد یعنی اس کو ایسے کشوف کی کچھ قدر نہیں رہی نقش پا کی برابر سمجھنے لگا جیسا کہا گیا ہے۔ ما کشف را بر کفش زنیم۔ پس از تقریر اول پر غلبہ ہو گا اور دوسری تقریر پر من قبیل کے معنی میں ہو گا۔ والثانی الطف معنی والاول اوفق للاستعمال لفظاً واللہ اعلم۔

دلم ز نرگس ساقی امان نخواست بجان	چرا کہ شیوۂ آن ترک دل سیہ دانست

نرگس ساقی مراد غلبۂ عشق اطلاقاً للسبب علی المسبب چرا کہ نرگس چشم محبوب سبب این غلبۂ عشقی می باشد چون آنرا مجازاً نرگس گفت دل سیہ گفتن مناسب فن شعر افتاد۔ وسوء ادب کہ

چشم ساقی راسیہ دل بمعنی سنگدل می آید لازم نیامد چرا کہ اطلاق این وصف بر نرگس بالمعنی الحقیقی نیست بلکہ برسبب اویعنی عشق کہ آن وصف عاشقی است وادب اوصاف خود ضروری نیست چنانچہ ہمیں عشق را بلا انگیز ظالم وستمگر ونحو ذلک۔ مطلب ظاہر ہے کہ میں راہ عشق میں جان کی سلامتی نہیں چاہتا بلکہ جان بازی کو تیار ہوں کیونکہ عشق کا تو یہی خاصہ ہے۔ ولنعم ما قیل ۔ اگر مرد عشقی کم خویش گیر + وگرنہ رہ عافیت پیش گیر +۔

ورای طاعت دیوانگان ز ما مطلب	کہ شیخ مذہب ما عاقلی گنہ دانست

طاعت دیوانگان سے مراد جنون عشق اور عاقلی سے مراد ترک عشق یعنی ہم سے ترک عشق کی درخواست مت کرو کہ ہمارے مشرب میں یہ گناہ ہے یعنی طریقت کا کیونکہ طریق تربیت کا ترک کرنا مخل وصول الی المقصود ہے اس لئے مستہجن فی الطریقہ ہے۔

ز جور کوکب طالع سحر گہان چشم	چنان گریست کہ خورشید دید و مہ دانست

شاید قبض کو کہ ایک قسم کا ہجران ہے جور کوکب کہا ہو۔ مطلب یہ کہ میں اس قدر رویا کہ عالم علوی میں بھی مشتہر ہوگیا۔

خوش آن نظر کہ لب جام وروی ساقی را	ہلال یکشبہ وماہ چار دہ دانست

عادت ہے کہ ہلال کو بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور بدر کو ذوق کے لئے دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لب جام کو ہلال کی طرح اور روی ساقی کو بدر کی طرح مشاہدہ کیا کرے۔ پس کلام میں لف ونشر مرتب ہے مقصود یہ ہے کہ عشق اور معشوق ہی میں مشغول رہے اور کسی طرف التفات نہ کرے۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپہر	نمونۂ زخم طاق بارگہ دانست

رواق سقف مقدم خانہ و پردۂ کہ در کشیدہ باشند از سقف و پیشگاہ خانہ و مطلق سقف وطاق بناء خمیدہ ومحراب کذافی الغیاث۔ ومراد از بارگاہ بارگاہ عشق مطلب یہ کہ عالی رتبہ وہ بادشاہ یعنی وہ عاشق ہے کہ عشق کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھے اس کا بھی حاصل وہی ہے جو شعر سابق کا تھا۔ پس اس میں بھی تعلیم ہے عالی ہمتی کی۔ اور عاشق کو بادشاہ اس لئے کہا کہ

ماسوی اللہ سے مستغنی ہے اور استغناء ہی اصل سلطنت ہے وللحافظ ۔ مبین حقیر گدایان عشق راکاین قوم +شہان بے کمر وخسروان بے کلہند ۔

حدیث حافظ و ساغر کشیدن پنہان	چہ جای محتسب وشحنہ بادشہ دانست

حدیث الخ مفعول دانست وضمیر درآن کہ راجع ست بپادشاہ فاعل آن یعنی حافظ کی خفیہ میخواری کی اطلاع بادشاہ تک کو ہوگئی اور محتسب وشحنہ کا تو کیا ذکر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عادۃً کیفیت عشقیہ گو کتنی ہی کوشش اخفاء کی کی جائے مخفی نہیں رہتی کہ عشق ومشک راستوان نہفتن ۔ شاید اشارہ اس طرف ہو کہ اخفا کا بھی قصد نہ کرے **والیہ ذھب المحققون قالوا لا یقصد الاظھار ولا الاخفاء** ۔

غزل

تاسرِ زلفِ تو در دست نسیم افتادہ است	دل سودازدہ ازغصہ دونیم افتادہ است

بعض اشعار آئندہ کے قرینہ سے کہ ان کا انطباق محبوب حقیقی پر خالی از تکلف وسوء ادب نہیں بہتر ہے کہ اس غزل کو شان مرشد میں کہا جائے فاحفظ۔ زلف جب ہوا سے پریشان ہوتی ہے اس کا حسن ظاہر ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہوا ظہور کمال سے یعنی جب سے مرشد کا کمال مجھ پر ظاہر اور منکشف ہوا ہے قلب عشق سے پارہ پارہ اور خستہ ہوگیا ہے اور چونکہ عشق میں بعض اوقات دل گھٹتا ہے اس لئے ازعشق کی جگہ ازغصہ کہہ دیا اور سودا اور زلف میں مناسبت سے لطافت شاعری بڑھ گئی۔

چشم جادوی تو خود عین سوادِ سحر ست	زین قدر ہست کہ این نسخہ سقیم افتادہ است

سواد حوالی شہر ومجازاً بمعنی شہر۔ سقیم بیمار و چیز ناقص مجازاً۔ یعنی مرشد کی چشم جادو کہ کنایہ ہے کمال باطنی سے جس میں خاصہ ہے تسخیر طالبین کا بجائے خود خاص ایک شہر پر جادو ہے اور اس کی دلربائی میں شبہ نہیں لیکن اتنی کسر ہے کہ یہ نسخہ چشم شفا کے لئے ناکافی ہے کیونکہ بے التفاتی غضب کی ہے اور نفع موقوف ہے التفات پر۔ اور عین اور سواد اور سقیم کی مناسبت چشم سے مخفی نہیں۔ یہ کئی جگہ مذکور ہو چکا ہے کہ ولولہ طلب میں بعض اوقات مسترشد شکوہ کرنے لگتا ہے مرشد کی بے التفاتی کا جس کا اس کو وہم ہو جاتا ہے ۔

درخم زلف تو آن خال سیہ دانی چیست	نقطۂ دود کہ درحلقۂ جیم افتادہ است

چون دود سیاہ باشد پس مراد از نقطۂ دود نقطۂ سیاہی ست وشاید چون روشنائی از کاجل تیاری سازند ونقاط حروف عادۃً از روشنائی می دہند ازان بنقطۂ دود تعبیر کردہ باشند۔ مطلب یہ کہ زلف کے اندر وہ خال ایسا اچھا معلوم ہوتا ہے جیسے جیم کے اندر نقطہ۔ مقصود ان تمثیلات سے بیان کرنا ہے کمال استحسان جمال باطنی مرشد کا یا محض بتقاضائ محبت یا واسطے اظہار اعتقاد کے بغرض اس کے متوجہ کرنے کے اور چونکہ یہ غرض محمود ہے اس لئے اس کی تحصیل کے لئے اظہار محبت خوشامد مذموم نہیں ہے خود حدیث میں ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اس پر بھی ظاہر کردو ۔

سایۂ سروتو برقالبم اے عیسیٰ دم	عکس روحی ست کہ برعظم رمیم افتادہ است

اس میں بیان ہے اثر توجہ مرشد کا یعنی آپ کی توجہ سے مجھ کو حیات روحانی نصیب ہوتی ہے پس مجھ پر متوجہ رہے ۔

زلف مشکین تو در گلشن فردوس عذار	چیست طاؤس کہ درباغ نعیم افتادہ است

یعنی آپ کے عذار پر کہ مشابہ گلشن کے ہے زلف مشکین لہراتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے باغ میں طاؤس ٹہلتا ہو اس کا مقصود بھی مثل مقصود شعر ثالث اس غزل کے ہے ۔

دل من در ہوس روی تو ای مونس جان	خاک راہے ست کہ در پای نسیم افتادہ است

یعنی میں ہوا کے قدموں میں خاک راہ بنا ہوا اس لئے پڑا ہوں کہ شاید ہوا مجھ کو اڑا کر آپ تک پہنچا دے اور میں آپ کو دیکھ لوں یہ کنایہ ہے کمال اشتیاق زیارت سے جو آثار محبت سے ہے اور ابتدا میں خصوصاً بہت مفید ہے ۔

ہمچو گرد این تن خاکی نتواند برخاست	از سر کوی تو زان رو کہ عظیم افتادہ است

ہمچو گرد مشبہ بہ منفی کا ہے نفی کا نہیں شعر سابق میں چونکہ مہجوری تھی وہاں تو گرد ہونا مناسب تھا کہ ہوا پہنچائے اور یہاں جب کوئی محبوب میں رسائی ہوگئی اب گرد نہ ہونا مناسب ہے کہ جنبش نہ ہو یعنی میرا تن خاکی آپ کے کوچہ سے نہ اٹھے گا جیسے گرد کہ کنایہ ہے طالب ناقص سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ میں ایک عظیم طور پر پڑا ہوں۔ اس میں بیان ہے اپنے

لزوم عشق وتحمل شدائد کا تا کہ سامعین کو بعض آداب مرشد معلوم ہوں۔ پس عظیم ترکیب میں حال ہے ایسے موقعہ پر ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں بے ڈھب پڑا ہوں۔

انکہ جز کعبہ مقامش نہ بُد از یا دلبت	بر درمیکدہ دیدم کہ مقیم افتادہ است

لب کو اگر کنایہ ملفوظات سے کہا جائے بہت ہی مناسب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہر وقت زہد ہی کا دعوے کرتا رہتا تھا اس نے جو آپ کے کچھ ملفوظات متعلق عشق کے سن لئے اب وہ آپ ہی کے در پر کہ محل فیض عشق ہے پڑا نظر آتا ہے۔

حافظ گم شدہ را با غمت ای جان عزیز	اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است

یعنی مدت دراز سے یہ گم کردہ راہ آپ کے غم عشق میں مبتلا ہے آپ اس کی رہبری کیجئے اور یہی اصلی مقصود ہے اس قسم کے عرض معروض سے پس گم شدہ کہنے میں استجلاب ہے ترحم کا۔

غزل

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت	واندران برگ ونوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش درعین وصل این نالہ وفریاد چیست	گفت مارا جلوۂ معشوق دراین کار داشت

ترجمہ ظاہر ہے اس میں بیان ہے اس کا کہ گریہ عاشق کا ہمیشہ دلیل اس کے فراق و حرمان مقصود کی نہیں ہے بلکہ گریہ کے اور بھی اسباب ہیں منجملہ ان کے خودگرمی محبت ہے جو قرب وتجلی سے زائد ہو جاتی ہے جسکا اس جواب میں ذکر ہے پس کسی کی نسبت کچھ حکم لگا دینے کی جرأت نہ کرے یہ بحث رسالہ ہفت گریہ میں نہایت بسط ووضوح سے مذکور ہے اور یہ سبب فرح کے علاوہ ہے۔ اور ایک حدیث میں جو حضرت ابی بن کعبؓ کا رونا یہ سن کر کہ اللہ تعالی نے میرا نام لیا ہے وارد ہے وہ اسی پر محمول کرنا اقرب ہے۔

یار اگر ننشست با ما نیست جای اعتراض	بادشاہ کامران بود از گدایان عار داشت

عار سے مراد مطلق عدم مناسبت جس کی وجہ محبوب کا کمال وجوب (کہ معبر ہے بادشاہ سے) اور محبّ کا نقصان امکان وافتقار (کہ معبر ہے گدا سے) ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ مقرر

ہے کہ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک اس لئے قرب ووصول نہ ہونا تو اصل ہے اور جای شکوہ نہیں ہاں اگر قرب ووصول ہو جائے یہ البتہ محل تعجب ہے اور فضل محض ہے اس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے سالک متضجر کیلئے کہ اس مضمون کے استحضار سے اس کا ضجر خاطر بالکلیہ زائل ہو جائے البتہ فضل کی درخواست ہر حال میں ضرور ہے۔

عارفی کو سیر کرد اندر مقام نیستی	ہست شد چون مستی از عالم اسرار داشت

یعنی فنا پر بقا مرتب ہوتا ہے اور مستی داشتن یہ بھی ایک قسم ہے فنا کی جس کو فناء علمی کہتے ہیں اور الم اسرار سے مراد واردات عشقیہ کہ غیر عاشق کے اعتبار سے وہ اسرار ہیں ان واردات کے غلبہ سے دوسرے معلومات سے ذہول ہو جاتا ہے یہی فناء علمی ہے۔

در نمگیر د نیاز و عجز ما با حسن دوست	خورم آن کز نازنینان بخت برخوردار داشت

مطلب یہ کہ کوئی اپنے عجز و نیاز کے بھروسہ نہ رہے وہ محبوب کے کمال کے سامنے موثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ادھر تو عجز و نیاز بوجہ ناقص ہونے کے جس سے حق عبدیت جو مقتضا ہے محبوب کی عظمت کا ادا نہیں ہو سکتا فاعل نہیں اور ادھر ذات وصفات بوجہ کامل اور واجب ہونے کے منفعل نہیں پھر تاثیر کی گنجائش کیا ہے بس اکتساب تو موثر نہ ہوا اب جس پر فضل ہے محض موہبت ہے جس کو بخت سے تعبیر کیا گیا ہے البتہ ہمارے امکان اور ان کے وجوب کا مقتضائی نفسہ یہی ہے کہ ہم ان کے سامنے عجز و نیاز کیا کریں۔ اس میں بھی بڑے پاکیزہ (وھی ان الوصول موھوب لامکتوب لکن مع ذلک فی الکسب وجوب ۱۲ الطف رسول) مسئلہ کی تعلیم ہے۔

خیز تا بر کلک آن نقاش جان افشان کنیم	کین ہمہ نقش عجب در گردش پرکار داشت

اس میں صور جمیلہ مخلوقہ سے نظر ہٹانے کا اور خالق الصور کی طرف توجہ بحت کرنے کا امر فرماتے ہیں کہ لائق محبوبیت کے وہ ذات ہے جس کے قلم کی حرکت سے یہ تمام نقوش پیدا ہو گئے اس میں بھی بڑا ضروری مسئلہ مذکور ہے جس میں صدہا غلط فہمی کر رہے ہیں۔

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن	شیخ صنعان خرقہ رہن خانہ خمار داشت

صنعان بالفتح نام بزر گے کہ قصہ آں مشہورست وخمار شراب فروش وخرقہ رہن خانہ خمار داشتن کنایہ از رسوا شدن چرا کہ این فعل ظاہرست کہ موجب رسوائی ست ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شیخ صنعان نے کیا تم بھی وہی کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس نے عشق مجازی میں بدنامی کی پروانہ کی تو تم عشق حقیقی میں اس کی کیوں پروا کرتے ہو قال الرومیؒ

عشق مولےٰ کے کم از لیلےٰ بود + گوی گشتن بہر اواولی بود ۔

وقت آن شیرین قلندر خوش کہ در اطوار سیر	ذکر و تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اطوار سیر احوال سلوک ۔ مطلب تعلیم ہے ترک ریاء کا یعنی وہ بڑا اچھا عاشق ہے جو ظاہر میں گو بدنام ہو مگر مشغول بذکر وطاعت علی الدوام مثل ملائکہ کے ہو جن کی شان ہے لایفترون اور بوجہ اختفاء عن العیون کے ان کی شان لایراؤن بھی ہے حاصل یہ کہ تعمیر باطن کو منظور نظر رکھے گو تعمیر ظاہر نہ ہو ۔ یہ مقصود نہیں کہ ظاہراً شرع کو ترک کردے بلکہ غرض یہ ہے کہ گو جاہ وشہرت واعتقاد عوام نہ ہو اور یہ بھی مقصود نہیں کہ قصداً رسوا ہو چنانچہ لفظ گو سے احقر نے اس کو ظاہر بھی کر دیا ہے ۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن حورین سرشت	شیوۂ جنات تجری تحتہا الانہار داشت

اس میں اقتباس ہے ۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت بکاء کا کہ منجملہ آثار عشق کے ہے ۔

غزل

بدام زلف تو دل مبتلای خویشتن است	بکش بغمزہ کہ اینش سزای خویشتن است

خویشتن ترجمہ نفسہ ست برای تاکید در مصرعہ اولیٰ برای تاکید زلف و در مصرعہ ثانیہ برای تاکید ضمیر شین کہ راجع بدل است و مضاف الیہ سزا ۔ یعنی دل خاص تیرے دام زلف یعنی عشق میں مبتلا ہے (خاص کہنے سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ بواسطہ مظاہر جمیلہ کے نہیں بلکہ بلا واسطہ) اس کو تجلی (جلالی) سے قتل کردے (قید جلالی کا قرینہ بکش ہے کیونکہ جمالی محیی ہے) کہ اس کی یہی سزا ہے (مقصود اس عنوان سے محض حکم بالترتب ہے یعنی عشق پر کشتگی مرتب ہوتی ہے جیسے سزا مرتب علی الفعل ہوتی ہے عاشق کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے ۔

گرت ز دست برآید مراد خاطر ما	بجنش زود کہ خیرے برای خویشتن است

یہ محبوب حقیقی کو خطاب نہیں ہوسکتا لاستحالۃ استکمالہ بالغیر البتہ مرشد کو مخاطب کہنا ممکن ہے اور مطلب ظاہر ہے کہ ہم کو نفع پہنچانے میں آپ کو ثواب واجر ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ہم کو نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ کو بھی ہوگا۔

بجانت ای بت شیرین من کہ ہمچون شمع	شبان تیرہ مرادم فنای خویشتن است

یعنی شبہای تار میں شمع کی طرح کہ وہ جل کر فنا ہوجاتی ہے، میرا مقصود بھی فنا ہی ہے اور تخصیص شب کی اگر حقیقی معنی پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ اعمال جن پر احوال باطنیہ زیادہ مرتب ہوتے ہیں اکثر شب ہی میں واقع ہوتے ہیں اور اگر مجازی معنی یعنی فراق وہیبت وغیرہ پر محمول ہو اس لئے ہوسکتی ہے کہ فنا کے بعض اقسام میں کہ وہ فنا اخلاقی ہے ان خاص احوال کو زیادہ دخل ہے کہ ان سے شکستگی پیدا ہوتی ہے پس اشارہ ہوگا بعض منافع احوال مذکورہ کی طرف۔

چورای عشق زدی با تو گفتم ای بلبل	مکن کہ این گل خودرو برای خویشتن است

یہاں مخاطب وہ شخص ہے، جو طریق عشق کو اس غرض سے اختیار کرے کہ حسب خواہش ثمرات ومواجید اس پر مرتب ہوں گے پس فرماتے ہیں کہ اگر (اس غرض سے) عشق اختیار کرنے کی رائے قرار دی ہے تو میں کہہ چکا ہوں یعنی کہے دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو اس واسطے کہ یہ موجود بالذات (خودرو اس سے کنایہ ہے کہ اس کی روئیدگی بلا کسی کی صنعت کے ہوتی ہے) کائنات سے مستغنی ہے (برای خویشتن اس سے کنایہ ہے اور خودرو میں۔ اشارہ علت استغنا کی طرف کردیا گیا یعنی موجودیت بالذات سبب ہے استغناء کا) اور جو مستغنی بالذات ہوگا اس پر دوسرے کا اثر تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس اثر کی وجہ سے دوسرے کی خواہشیں پوری کیا کرے بلکہ جو امر خود اس کے علم میں قرین حکمت ہوگا وہی کرے گا پس جو شخص اس طریق کو اختیار کرے تجویزوں سے قطع نظر کرلے اور نامرادی کو مراد سے افضل سمجھے ونعم ما قیل اگر مرد عشقی کم خویش گیر + وگرنہ رہ عافیت پیش گیر +

بمشک چین و چگل نیست حسن گل محتاج	کہ نافہاش ز بند قبای خویشتن است

یعنی محبوب کے خود بند قبا ہی سے نافے پیدا ہوتے ہیں مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے

کمالات ذاتی ہیں مستفاد عن الغیر نہیں گویا اس میں من وجہ تفسیر ہے شعر سابق کی ۔

مرد بخانۂ ارباب بے مروت دہر	کہ کنج عافیت در سرای خویشتن است

اس میں نہی ہے حرص واظہار حاجت عند الخلق سے جو کہ شرائط طریق سے ہے ۔

بسوخت حافظ و در شرط عشق و جانبازی	ہنوز بر سر عہد و وفاے خویشتن است

در حرف جار متعلق برابط در خویشتن است یعنی باوجود مصاعب ومصائب کے راہ عشق سے منہ نہیں موڑا۔

اس میں اشارہ ہے کہ جو ظاہری و باطنی بلیات اس راہ میں پیش آئیں ان کا برداشت کرنا واجب ہے کما قیل ۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من	دل فدای یار دل رنجان من+

غزل

صوفی از پرتو می راز نہانی دانست	گوہر ہر کس ازین لعل توانی دانست

پرتو می اثر عشق ۔ راز نہانی معرفت حق ۔ گوہر طینت و استعداد ۔ لعل مراد شراب کہ مصداقش عشق است ولطافت شاعری در ایراد الفاظ متناسبہ مخفی نیست ۔ یعنی سالک کو عشق کے اثر سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی آگے فرماتے ہیں کہ اس عشق کے واسطے سے ہر شخص کی طینت واستعداد معلوم کر سکتے ہو اس طرح کہ جو شخص صالح الاستعداد ہے وہ یا اس میں ساعی ہے یا کم از کم قائل اور جو شخص فاسد الاستعداد ہے وہ اس کا مخالف اور معاند ۔

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند و بس	نہ کہ ہر کو ورقے خواند و معانی دانست

مجموعہ مراد مرتبہ اجمال بقرینہ لفظ شرح یعنی یوں تو محبوب کی معرفت اجمالیہ سب ہی کو حاصل ہے مگر کسی قدر اس کی تفصیل کہ قرب وقبول میں دخل رکھتی ہو یہ صرف طالب ہی کو نصیب ہے نہ اس کو کہ اوراق کا درس کرتا ہو اور مافی الاوراق کے معانی لغویہ واصطلاحیہ جان گیا ہو۔ مقصود یہ کہ یہ علم وجدانی ہے استدلالی نہیں ۔ اور بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ میں کہ پہلے ہے اور نہ پیچھے ہے تو اس صورت میں معانی کے قبل واو نہیں ہونا چاہئے اور معنی یہ

ہوں گے کہ مرغ صحر کے سوا کسی کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات نہیں کہ جس نے اوراق پڑھ لئے ہوں وہ ان معانی واسرار کو جانتا ہو اس لئے مقید بالدرسیات کا اس سے آگاہ ہونا ضرور نہیں مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی کہ یہ علوم قلب پر وارد ہوں۔

عرضہ کردم دو جہان بر دل کار افتادہ	بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

باقی مفعول اول دانست وہمہ تاکید او وفانی مفعول ثانی۔ کار افتادہ آنکہ اورا کار عشق افتادہ۔ مقصود یہ ہے کہ محب بجز محبت الٰہیہ کے کسی طرف ملتفت نہیں ہوتا نعم دنیا کی طرف تو مطلقاً اور نعم آخرت کی طرف بالذات پس نصوص سوال آخرت کہ مرتبہ بالعرض میں ہے اس کے منافی نہیں۔

آن شدا کنون کہ زافواہ عوام اندیشم	محتسب نیز ازین عیش نہانی دانست

محتسب سے مراد وہ منکر جو قدرت ایذاء کی رکھتا ہو اور عوام سے مراد وہ منکرین جو اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں مقصود یہ ہے کہ عشق میں نہ ایذاء بالید سے اندیشہ کرے نہ ایذاء باللسان سے۔

دلبر آسائش ما مصلحت وقت ندید	ورنہ از جانب مادل نگرانی دانست

دل نگرانی بیای مصدری دل نگران ای مشتاق شدن اس میں نہایت مفید مسئلہ کی تعلیم ہے یعنی اشتیاق کے موافق جو احوال پیش نہیں آتے محبوب کو اطلاع تو ہمارے اشتیاق کی ہے مگر ہماری اس آسائش کو جو احوال مرادہ کے وارد ہونے سے حاصل ہوتی ہماری مصلحت کے خلاف جانتے ہیں اس لئے انکار نہیں فرمایا جاتا

ع کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔

سنگ وگل را کند از یمن نظر لعل وعقیق	ہر کہ قدر نفس بادیمانی دانست

ہر کہ فاعل کند ویمن بضم یا برکت وباد یمانی فیض رحمانی کہ مسمی بنفس رحمانی نیز است ماخوذ از روایت مشہورہ علی الالسنہ انی لاجد نفس الرحمان من قبل الیمن کہ درحق اویس قرنی یا اہل یمن وارد شدہ یعنی از یمن اثر فیض الٰہی می یابم کہ مقبولان حق از ان طرف ظاہر خواہند شد۔ مطلب یہ کہ جو شخص فیض رحمانی کی قدردانی کرے گا اور اس کے فائض ہونے کے لئے قابلیت پیدا کر کے اس کا مورد بنے گا اس کو صفت کمال کے ساتھ

قوت تکمیل بھی عطا ہوگی کہ وہ سنگ وگل یعنی ناقص کو لعل وعقیق یعنی کامل کردے گا خواہ مباشرۃ اگر خدمت ارشاد اس کے متعلق ہے خواہ تسبباً اگر یہ خدمت اس کے متعلق نہیں اس طرح سے کہ اس کو دیکھ کر اس کے احوال سن کر ناظرین وسامعین متاثر ہوتے ہیں۔

ای کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی	ترسم این نکتہ بتحقیق ندانی دانست

بتحقیق متعلق نفی یا منفی ودانست مصدر ست ای دانستن ندانی بحذف مضاف ای طریق دانستن ندانی واغلب کہ بجای ندانی نتانی باشد پس توجیہ ظاہر است مقصود اس کا بھی مثل مقصود شعر ثانی کے ہے کہ علم عاشقی درسی واستدلالی نہیں ذوقی ووجدانی ہے۔

می بیاور کہ نہ ناز دبگل باغ جنان	ہر کہ غارتگری باد خزانی دانست

یعنی دولت محبت کہ باقی ہے حاصل کرو جس نے فنای دنیا کو چشم تحقیق سے دیکھ لیا ہوگا وہ کبھی اسباب عیش وسرور پر مغرور نہ ہوگا۔

حافظ این گوہر منظوم کہ از طبع انگیخت	اثر تربیت آصف ثانی دانست

حافظ مبتدا ودانست خبر۔ این گوہر منظوم مفعول اول دانست واثر الخ مفعول ثانی اوانگیخت لازم وآصف ثانی مرشد کہ نائب آصف اول ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم است۔ مطلب ظاہر ہے مقصود اشارہ اس طرف ہے کہ ملفوظات طیبات مملو بافادات کا صدور متکلم اپنی جانب سے نہ سمجھے بلکہ مرشد کا فیض سمجھے۔

غزل

حاصل کارگہ کون ومکان این ہمہ نیست	بادہ پیش آر کہ اسباب جہان این ہمہ نیست
از دل وجان شرف صحبت جانان غرض ست	ہمہ آن ست وگرنہ دل وجان این ہمہ نیست
منت سدرہ وطوبے زپئے سایہ مکش	کہ چو خوش بنگری ای سرو روان این ہمہ نیست
دولت آنست کہ بے خون دل آید بکنار	ورنہ باسعی وعمل باغ جنان این ہمہ نیست
پنجروزے کہ درین مرحلہ مہلت داری	خوش بیاسای زمانے کہ زمان این ہمہ نیست

برلب بحر فنا منتظریم اے ساقی	فرصتے دان کہ زلب تابدہان این ہمہ نیست
زاہد ایمن مشواز بازی غیرت زنہار	کہ رہ صومعہ تادیر مغان این ہمہ نیست
دردمندے چو من سوختہ ازار ونزار	ظاہرا حاجت تقریر و بیان این ہمہ نیست
ازتہتک مکن اندیشۂ وچون گل خوش باش	زانکہ تمکین جہان گذران این ہمہ نیست
نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولے	پیش رندان رقم سودوزیان این ہمہ نیست

ان اشعار میں کئی امر کی تعلیم ہے۔ایک دنیا کی طرف مطلق التفات نہ کرنا نہ متاع کی طرف وہو فی الشعر الاول والرابع نہ جاہ کی طرف وہو فی الشعر التاسع والعاشر نہ عمر کی طرف وہو فی الخامس والسادس نہ اپنے جسم وروح کی طرف۔ وہو فی الشعر الثانی۔ دوسرے نعماء جنت کا بالذات طالب نہ ہونا وہو فی الشعر الثالث تیسرے نہی عجب سے وہو فی الشعر السابع اور شعر ثامن اور دوسرے اشعار کے بعض بعض جملوں میں کسی امر کی تعلیم نہیں محض عشق کی طلب اور اپنے درد عشق کے ظاہر و باہر ہونے کا بیان ہے اور اس میں حاجت بمعنی محتاج ہے اور بعض نسخوں میں دردمندی من بیای مصدری واضافت الی ضمیر المتکلم المنفصل ہے اس میں بھی حاجت بمعنی محتاج ہے۔پس فرماتے ہیں کہ یہ تمام کارخانہ دنیا کا کچھ بھی نہیں بس درد عشق ہم کو عطا فرمادیجئے اور دل و جان جو عطا ہوا ہے محض مقصود اس سے یہ ہے کہ آدمی قرب محبوب کے قابل ہو اور ان کو اس کی تحصیل میں استعمال کرے پس تمام تر دولت تو یہ قرب ہے ورنہ دل و جان بیکار ہیں۔اور سدرہ وطوبی سے اگر تم کو سایہ مطلوب ہے جو کہ حظ نفس ہے تو ناحق اس کے طالب ہوا ے سالک کہ استقامت میں مثل سرو روان کے ہے اگر غور کر کے دیکھو تو محض حظ نفسانی کے لئے وہ مطلوب نہیں ہاں بوجہ محل قرب ہونے کے مطلوب ہو تو اور بات ہے اور دنیا کی دولت جو اس قدر مصیبت سے حاصل ہو کیا دولت ہے کہ محنت اس کی راحت پر غالب رہتی ہے اس شان کی دولت تو اگر جنت بھی ہو تو کچھ نہیں۔یہ مبالغہ کے لئے محض فرض و تقدیر ہے کیونکہ دولت جنت تو واقع میں اس شان کی نہیں ہے بلکہ بہت ہی کم محنت میں بہت ہی بڑی یعنی غیر متناہی راحت میسر ہوتی ہے پس یہ اس ہی میں داخل

ہوگئی جس کو بے خون دل آید کہہ رہے ہیں یعنی دولت تو وہ ہے جس میں مشقت نہ ہو یعنی اس دولت کی مقدار کے اعتبار سے وہ مشقت کالعدم ہو اور وہ دولت قرب ہے اور جنت بھی کہ مقام قرب ہے، دنیا میں جو تم کو چند روزہ عمر مل گئی ہے اس میں آسائش حقیقی کا سامان کرلو اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ صعوبات دنیا سے آسائش اختیار کرو اور اس کا بھی حاصل وہی ہوگا کیونکہ اس آسائش سے بھی وہی آسائش حقیقی مقصود ہے اور زمانہ کچھ بھی نہیں یعنی فانی و منقضی ہے یوں ہی عمر ختم ہوجائے گی۔ اور چونکہ عمر باقی نہیں پس ہم موت کے انتظار میں ہیں اور اسی کو بس فرصت سمجھ لو جو کچھ بھی نہیں یعنی اس قدر قلیل جتنا فاصلہ لب سے دہن تک ہوتا ہے پس اے ساقی عنایت ازلی یا اے مرشد اس فرصت میں مدد فرمایئے کہ کچھ لے جائیں اور اے زاہد خشک تو جو اپنے تقدس پر مغرور ہے یاد رکھنا کہ غیرت الٰہی کے تصرفات عجیبہ سے بے خوف مت ہونا کہ صومعہ سے۔ دیر مغان تک بہت فاصلہ نہیں اگر غیرت نے کام کردیا تو مسلمان سے کافر بنادینا کچھ مشکل نہیں۔ اور جیسا میں دردمند ہوں ایسے شخص کو تقریر و بیان کی حاجت نہیں میرا حال طشت از بام ہے اور پردہ دری و رسوائی سے کہ خلاف جاہ ہے کبھی پروانہ کرنا اور ہر حال میں خوش رہو کیونکہ اس جہان فانی کا جاہ و تمکین کوئی چیز نہیں اور گو بفضل خداوندی حافظ کا نام صلاح و خوبی میں مشہور ہوگیا لیکن عشاق کے نزدیک نیک نامی و بدنامی کا سود و زیان کچھ بھی نہیں ہے۔

غزل

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست	آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

مطلب یہ کہ جب تک عشق باقی ہے اس کے آثار شورش و سوزش منقطع نہیں ہوتے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے مقصود یہ ہے کہ عمر بھر کو اس کے شدائد کے تحمل کیلئے آمادہ رہنا چاہئے طمع عافیت کی نہ رکھنا چاہئے۔

آندم کہ دل بعشق دہی خوش دمی بود	درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

یعنی اس کے اختیار کرنے کے لئے جبکہ شیخ کامل سے مناسبت مذاق معلوم ہوجائے یا

اضطراری طور پر اس کے آثار ظاہر ہوں پس وپیش واندیشہ مت کرو وہ یقینی امر خیر ہے اور اس کے فیضان کا وقت اچھا وقت ہے۔

مارا بمنع عقل مترسان و می بیار	کان شحنہ در ولایت ما ہیچ کارہ نیست

یعنی اس کے شدائد دیکھ کر عقل مانع ہوتی ہے مگر ہم اس کے اس حکم کو لاشی ٔ سمجھتے ہیں اور فیض عشق کے طالب ہیں۔

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ میکشد	جانا گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

قطع نظر اس عنوان خاص سے کہ پرس وجرم ستارہ نیست جس کا سبب شورس عشق ہے کہ ایک قسم کا عذر بھی ہے اصل معنون یہ ہے کہ عاشق جن شدائد سے متاثر ہوتا ہے اس کا اصل سبب محبوب کی تجلیات کا ظہور وخفا ہے اور اسباب طبعیہ سے جو شدائد ہوتے ہیں مثل مرض وفقر وغیرہ وہ اس سے چنداں متاثر نہیں ہوتا۔

رویش بچشم پاک توان دید چون ہلال	ہر دیدہ جای جلوۂ آن ماہپارہ نیست

ہلال چونکہ باریک بہت ہوتا ہے (اس لئے اس کو دیکھنے کے لئے چشم کا امراض سے مبرا ہونا ضروری ہے اسی طرح محبوب کے مشاہدہ کے لئے دیدۂ بصیرت کا مبرا ہونا خلل علمی وعملی سے شرط ہے ورنہ ہر دیدہ اس کی تجلی کا محل نہیں ہے۔ اس میں ازالۂ رذائل کی تعلیم ہے۔

فرصت شمر طریقۂ رندی کہ این نشان	چون راہ گنج بر ہمہ کس آشکارہ نیست

اس میں عزیز القدر ہونا طریق عشق کا بیان کرتے ہیں کہ اس کی عام اطلاع اور عام پسندیدگی اس لئے نہیں کہ اس کے آثار اکثر مفوت عافیت ہیں اور بعض بظاہر مفوت عاقبت معلوم ہوتے ہیں۔

نہ گرفت در تو گریۂ حافظ بہیچ روی	حیران آن دلم کہ کم از سنگ خارہ نیست

ترکیب کم از سنگ خارہ نیست عرفاً نسبت ذم کے لئے مستعمل ہے اگر عرف سے قطع نظر کر کے محض اس کا معنون لغوی دیکھا جائے تو یہ حاصل ہے معنی صمدیت کا کہ وہ بھی لغۃً سنگ سخت کے معنی میں ہے اور اگر مقصود کنائی دیکھا جائے تو یہ کنایہ ہے عدم تاثر سے حاصل یہ ہے کہ ذات میں بوجہ وجوب کے انفعال اور تاثر نہیں ہر فعل کہ اس سے صادر ہوتا ہے ارادہ

اور حکمت سے ہوتا ہے پس اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ اپنے اعمال وطلب کو موثر نہ سمجھے اور اگر اس تاویل پر بھی طبیعت ابا کرے تو مرشد کی شان میں کہہ دینا اھون ہے کہ مخلوق کے ادب کے لئے معنی مجازی کافی محافظ ہے فقط۔

غزل

چہ لطف بود کہ ناگاہ رشحۂ قلمت	حقوق خدمت ما عرض کرد بر کرمت
بنوک خامہ رقم کردۂ سلام مرا	کہ کارخانۂ دوران مباد بے رقمت
نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد	کہ در حساب خرد نیست سہو بر قلمت
مرا ذلیل مگردان بشکر این نعمت	کہ داشت دولت سرمد عزیز و محترمت
بیا کہ باسر زلفت قرار خواہم کرد	کہ گر سرم بردو برندارم از قدمت
زحال مادلت آگہ شود مگر وقتے	کہ لالہ بردمد از خاک کشتگان غمت
روان تشنۂ ماراجرعۂ دریاب	چو میدہند زلال خضر بجام جمت
صبا زروی تو باہر گلے حدیثے کرد	رقیب کے رہ غماز داد درحرمت
دلم مقیم درتست حرمتش میدار	بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت
ہمیشہ وقت تو ای عیسی نفس خوش باد	کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدمت
کمین گہست وتو خوش تیز میروی حافظ	مکن کہ گرد برآید زشہ رہ عدمت

شرح میں ہے این غزل بجواب مرشدست یعنی مرشد کا کوئی خط وغیرہ آیا ہے اس کے جواب میں لکھ رہے ہیں کہ یہ کیسی عنایت ہوئی کہ آپ کی چکید گی کلک نے اچانک یعنی جبکہ پہلے سے توقع بھی نہ تھی ہماری خادمیت کے حقوق آپ کے کرم کے روبرو پیش کئے (یہ اسناد مجازی ہے یعنی رشحۂ قلم سبب ہو گیا بذل کرم کا) آپ نے نوک خامہ سے مجھ کو سلام لکھا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ زمانہ کو آپ کے نقش ہستی سے خالی نہ رکھے (یعنی آپ ہمیشہ قائم رہیں) میں (بعضے ناشکروں کی طرح کہ وہ کہا کرتے ہیں کہ ادھر بھول کر کیسے متوجہ ہو گئے)

یوں نہ کہوں گا کہ مجھ کو بھولے سے یاد کرلیا ہے اس واسطے کہ بروی عقل سلیم آپ کے قلم میں سہو کا احتمال نہیں (یعنی خط لکھنے سے عنایت ہی کا قصد ہے اور کوئی غرض دنیوی نہیں جو کہ محاورہ میں اس کہنے سے کہ کیسے متوجہ ہوگئے یہی مقصود ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ غرض پرستی سے آپ کی شان ارفع ہے اور اس سے مطلق سہو کی نفی مقصود نہیں اب میں چاہتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے ہی الطاف ناموں سے یاد رکھئے بے التفاتی کر کے) مجھ کو اس نعمت کے شکرانہ میں ذلیل نہ کیجئے کہ دولت سرمدئے آپ کو عزیز اور محترم رکھا ہے۔ میری طرف متوجہ ہوجایئے کہ میں آپ کے جذبۂ محبت سے یہ عہد (مکرر) کروں گا کہ اگر میرا سر بھی جاتا رہے تب بھی آپ کے قدم سے نہ اٹھاؤں گا مکرر اس لئے کہا کہ خود وقت ارادت کے یہ عہد قالاً یا حالاً ہو بھی چکا ہے اب یہ تجدید بشکرانہ کرم نامہ کے ہے آگے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ) ہمارے دل (کی محبت) کا (پورا) حال آپ کو معلوم تو ہوجائے گا مگر اس وقت معلوم ہوگا جب آپ کے مقتولان محبت کی قبروں پر لالہ جم آئے گا (یعنی جب وہ مرجائیں گے ابھی اتنا معلوم نہیں مقصود یہ ہے کہ ہم کو اس درجہ کی محبت ہے تو اسی درجہ کی توجہ کے خواہاں ہیں سلام و پیام سے زیادہ یاد رکھئے اور) ہماری جان تشنہ کو ایک جرعۂ توجہ سے سرفراز کیجئے جبکہ آپ کو جام جم میں آب حیات خضری عطا کیا جاتا ہے (یہ کنایہ ہے فیوض الٰہیہ سے اور) قاصد نے ہر طالب سے آپ کی حکایتیں بیان کیں (یعنی جس طرح میرے پاس خط آیا اور طالبین کے پاس بھی رقعے پرچے یا زبانی پیام اس قاصد کے ہاتھ پہنچے جس پر بحکم رشک محبت کہتے ہیں کہ) پہرہ دار نے (رقیب بمعنی محافظ) آپ کے حرم میں غماز (یعنی قاصد من ہذہ الحیثیۃ) کو کب اور کس وقت رستہ دے دیا تھا کہ اس نے دوسرے گلوں سے آپ کی حکایتیں بیان کیں۔ یہ مضمون ناشی ہے سکر سے کما قیل ۔

باسایہ ترا نمے پسندم	عشق ست وہزار بدگمانی

(آگے مثل شعر ثالث کے پھر طالب استمرار توجہ ہوتے ہیں کہ) میرا دل آپ کے دروازہ پر پڑا ہے اس کا پاس رکھئے اس نعمت کے شکر میں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو محترم بنایا ہے (آگے دعا پر جواب کو ختم پر لانا چاہتے ہیں کہ) اے مسیحا دم خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کو خوش

رکھے کہ آپ کے کلام تحریری سے عاشق دل خستہ کی جان زندہ ہوگئی (آگے بطور جملہ زیادہ حد ادب کے بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں جس میں بعضے شوخ مضامین کی جو کہ اس جواب میں سرزد ہوئے ہیں معذرت بھی ہے یعنی مخاطبت مرشد کی یہ مثل کمین گاہ کے ایک نازک مقام ہے اور تم مطلق العنان تیز چلے جاتے ہوا ایسا مت کرو کبھی عدم یعنی ہلاکت روحانی کی شاہراہ سے تمہاری گرد اٹھتی نظر آئے یعنی بے ادبی میں ہلاک نہ ہو جاؤ (شہ رہ) مخفف شاہراہ (اس میں ایک گونہ تعلیم بھی ہوگئی کہ اگر غلبہ محبت میں کوئی بے ادبی ہو جائے فی الفور معذرت کرلے) اور اگر ترکیب عیسی نفس باضافۃ ثابت نہ ہو چنانچہ میری نظر سے نہیں گزرا تو دوسرا نسخہ لے لیا جائے یعنی عیسی صبا اس تقدیر پر اس کی تقریر شکریہ قاصد کے ساتھ بہتر ہوگی کہ اس کے گفتگوی قاصدانہ سے طالب کو حیات وفرحت میسر ہوئی واللہ اعلم۔

غزل

زگریہ مردم چشمم نشستہ درخون ست	ببین کہ در طلبت حال مردمان چون ست
بیادِ لعل لب و چشم مست میگونت	ز جام غم مئے لعلے کہ میخورم خون ست
زمشرق سرکوی آفتاب طلعت تو	اگر طلوع کند طالعم ہمایوں ست
حکایت لب شیرین کلام فرہادست	شکنج طرہ لیلے مقام مجنون ست
دلم بجو کہ قدت ہمچو سرود لجویست	سخن بگو کہ کلامت لطیف وموزون ست
زدور بادہ بجان راحتم رسان ساقی	کہ رنج خاطرم از جورِ دورِ گردون ست
ازان زمان کہ زدستم برفت یار عزیز	کنارہ دیدہ من ہمچو رود جیحون ست
چہ گونہ شاد شود اندرون غمگینم	باختیار کہ از اختیار بیرون ست
زبیخودی طلب یار مے کند حافظ	چو مفلسے کہ طلبگار گنج قارون ست

یہ غزل غالباً حالت قبض کی ہے کہ تمام اشعار میں فراق کا شکوہ اور وصل کی تمنا مذکور ہے۔ یعنی غایت گریہ سے میری پتلی خون میں غرق ہوگئی اے محبوب ذرا طالبوں کے حال کو تو

دیکھئے آپ کی یاد میں (جو کہ فراق کے وقت ہے) جام غم سے جو شراب کہ میں نوش کرتا ہوں وہ شراب خون ہے یعنی خون پیتا ہوں اگر آپ کی تجلی ہو جائے تو میری قسمت بڑی اچھی ہے۔ (اور ای سامعین میرے اس ذکر فراق ووصال کا اور اس تعلق بعشق کا تعجب مت کرو کیونکہ عشاق تو ہر حال میں محبوب ہی کا ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ) فرہاد کا کلام یہی ہوگا کہ لب شیرین کی حکایت کرے اور مجنون (کے دل) کا مقام بس شکنج زلف لیلی ہی ہوگا (اے محبوب) ہماری خاطر داشت کیجئے اور ہم سے خطاب کیجئے یعنی تجلیات وواردات سے مشرف فرمائیے اور بادہ فیض سے مجھ کو راحت پہنچائیے کہ جور فراق سے میرا دل رنجیدہ ہے جب سے میرا محبوب میرے ہاتھ سے گیا ہے یعنی جدا ہوا ہے غایت گریہ سے میری آنکھوں کی آغوش یا دامن کا کنارہ (علی اختلاف النسختین واختلاف اللغتین فالمعنی الاول بکسر الکاف والثانی بفتحہا کذا فی الغیاث) رود جیحون بن گیا ہے۔ اور میرا دل غمگین کیونکر (اس حالت فراق میں) قصد واختیار سے خوش ہو (یعنی لوگ سمجھاتے ہیں کہ میاں دل کو خوش رکھو تو کیسے خوش رکھوں) کیونکہ یہ تو اختیار سے خارج ہے (خوشی تو جب ہی میسر ہوگی جب فراق مبدل بوصال ہو) اور یہ خوشی مرتبہ طبیعت میں ہے اور عقلی خوشی عین حالت فراق مصطلح میں بھی جبکہ اس کے مصالح پر اجمالاً یا تفصیلاً نظر کی جائے ممکن اور واقع ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ حافظ جو محبوب (کے وصال) کی درخواست کر رہا ہے حالانکہ (طالب اور مطلوب میں کچھ مناسبت چاہئے اور وہ یہاں مفقود مالتراب ورب الارباب پس) اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مفلس (اپنے حوصلہ سے زیادہ) گنج قارون کا طالب ہو تو یہ درخواست (ایسی بے عقلی کی) محض ناشی بیخودی سے ہے (بیخودی میں عقل کو موافقت ومخالفت پر نظر نہیں رہتی اور طلب یار کے ترجمہ میں جو احقر نے لفظ وصال نکال دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس طلب بمعنی طلب رضا تو عین قضیۂ عقل ہے اور مامور بہ شریعت میں۔ اسی طرح طلب لقاء آخرت میں اور گو حوصلہ سے وہ بھی زائد ہے مگر امر شرعی اور وعدۂ یقینی اس پر غالب ہے اور اس وعدہ ہی کی فرع ہے عطاء تحمل البتہ یہ مواجید خاصہ جو اصطلاحی وصل ہے شرعاً بھی مامور بہ نہیں اور ان کے درپے ہونا تعلیم عقل صحیح کے بھی خلاف اسی لئے اکابر منع بھی کرتے ہیں

شعر میں اس کا ذکر ہے اور باوجود اس کے طلب کرنا شعر میں اس کا عذر ہے۔

غزل

زان یار دلنوازم شکریست با شکایت	گر نکتہ دان عشقی خوش بشنو این حکایت
بیمزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم	یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت
رندان تشنہ لب را آبے نمید ہد کس	گویا دلے شناسان رفتند از ولایت
در زلف چون کمندش ایدل مپیچ کانجا	سرہا بریدہ بینی بے جرم و بے خیانت
این راہ را نہایت صورت کجا توان بست	کش صد ہزار منزل بیش ست در بدایت
چشمت بغمزہ ما را خون خوردوی پسندی	جانا روا نباشد خونریز را حمایت
ہرچند بردی آبم رو از درت نتابم	جور از حبیب خوشتر کز مدعی رعایت
ای آفتاب خوبان می سوزد اندر ونم	یک ساعتم بگنجان در سایۂ سرایت
در این شب سیاہم گم گشتہ راہ مقصود	از گوشۂ برون آ ای کوکب ہدایت
از ہر طرف کہ رفتم جز وحشتم نیفزود	زنہار ازین بیابان وین راہ بے نہایت
عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ	قرآن زبر بخوانی با چاردہ روایت

اس غزل کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی باطنی شدید حالت میں گرفتار ہیں اور کشود کار میں توقف ہوا پس غایت وحشت سے مرشد پر بھی جھنجھلاتے ہیں اور دوسرے اہل ارشاد کی بھی شکایت کرتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اپنے یار دلنواز یعنی مرشد کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں بوجہ دلنوازی کے مجھ کو راہ پر ڈال دیا اور رہنمائی کی مگر یہ شکریہ شکایت کے ساتھ بھی مقرون ہے وہ شکایت شعر ثانی و ثالث میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اب دستگیری کر کے اس مخمصہ موجودہ سے رہائی نہیں دیتے اگر تم رازدان عشق ہو تو اس حکایت کو اچھی طرح سنو وہ یہ ہے کہ ہم جس قدر خدمت بجالائے نہ اس کا کچھ صلہ ملا نہ اس کا احسان مانا یعنی نہ کچھ معاوضہ ملا نہ اس کی قدر کی گئی۔ مراد معاوضہ و قدر سے یہی ہے کہ اس عقبہ میں میری

مدد کی جاتی۔ خدا کرے کسی کو ایسا مخدوم بے مہر نہ ملے آگے عام شکایت ہے کہ پیاسوں کو کوئی پانی نہیں دیتا معلوم ہوتا ہے سارے ولی اس ملک سے کہیں چلے گئے ہیں یہاں کوئی نہیں رہا کہ ایک پیاسے کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے۔ (ولی شناس کنایہ ولی سے ہے کیونکہ ولی را ولی می شناسد شاید اس تعبیر سے مبالغہ مقصود ہو کہ ولی تو کیا اگر کوئی ولی شناس ہی ہوتا تو خیر کسی ولی کا پتہ ہی بتلاتا کہ اس سے رجوع کرتا) تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ مرشد سے کوئی جی نہ لگاتا کہ وہاں بے گناہ سر کاٹا جاتا ہے (شاید مسترشد پر اس کے بے موقع تقاضا و پریشان گوئی سے کوئی ڈانٹ پڑ گئی ہو گی یہ تنگی اس سے ہوئی اور بے جرم سے مراد جرم خفیف ہے پریشانی میں اپنا جرم خفیف ہی نظر آتا ہے یہی عذر ہے اس بیباکی کا۔ آگے راہ عشق کا بے پایاں ہونا بیان کرتے ہیں کہ) اس طریق کا انتہا کہاں ہو سکتا ہے۔ جس کی ابتدا ہی میں لاکھوں عقبات ہیں۔ (آگے عتاب کی شکایت ہے کہ) آپ کی نگاہ عتاب نے اور رہا سہا برباد کر دیا حضرت خونریز کی حمایت اچھی نہیں یعنی اس عتاب کا استمرار مناسب نہیں اور گو آپ نے اس عتاب سے ذلیل و خوار کیا مگر میں ہٹنے والا نہیں ہوں مدعیان مشیخت وارشاد یعنی شیخان مزور کی رعایت سے آپ کی کہ مستحق محبت ہیں سختی اور بے التفاتی ہی اچھی ہے (لاقتضاء المحبۃ الراسخۃ ولبناءہ علے مصالح) اور اب میری سوزش بہت بڑھ گئی ہے اپنے خانہ عنایت کے سایہ میں تھوڑی دیر مجھ کو بھی جگہ دے دیجئے اس شب سیاہ یعنی حالت حیرت میں میرا راہ مقصود گم ہو گیا ہے اے ہادی ادھر توجہ فرمائیے (اور آفتاب اور سایہ کا مقابلہ اور شب سیاہ اور کوکب کا مقابلہ ظاہر اللطف ہے) میں جہاں گیا وحشت ہی زائد ہوئی اس بادیہ خونخوار و ناپیدا کنار سے بھی پناہ ہے (مقصود اس سے محض استعظام ہے نہ کہ استعاذہ۔ آگے نفس کو امید دلا کر تسلی دیتے ہیں کہ) اگر تم اتنے بڑے عالم بھی ہو کہ قرآن مجید چودہ روایت کے ساتھ تم کو حفظ ہو تب بھی اس طریق میں تمہارا فریادرس اعشق ہی ہو گا علوم مکتسبہ فریادرسی نہ کریں گے یعنی عقبات سے نجات کے لئے درسیات کافی نہ ہوں گی۔ بس استقامت علی الطلب ہی سے کوئی لطیفہ غیبی ایسا وارد ہو گا کہ ترقی کی راہ کھول دے گا۔ اور بعض نسخوں میں از خود ہے یعنی عشق ایسی فریادرسی کرے گا جس سے از خود یعنی بطور موہبت کے تم ایسے علامہ بن جاؤ گے مگر اس صورت میں الفاظ قرآن مرادنہ ہوں گے بلکہ اسرار جو کہ قلب پر فائض ہوتے ہیں اور چودہ روایت کی

توجیہ دو ہوسکتی ہیں یا تو چودہ قرأت سات مشہور اور باقی غیر مشہور اور یا سات مشہور قرأت کے سات ائمہ ہیں اور ہر امام کے دو دو راوی یہ چودہ روایتیں ہوئیں۔

غزل

اس غزل کے بعض اشعار محبوب حقیقی کے معاملہ پر منطبق ہوسکتے ہیں اور بعض مرشد کے معاملہ پر۔

یا رب سببے ساز کہ یارم بسلامت	باز آید بر ہاندم از چنگ ملامت
خاک رہ آن یار سفر کردہ بیارید	تا چشم جہان بین کنمش جائے اقامت

غالباً مرشد سفر میں ہیں اور اشتیاق سے یا انقطاع فیوض سے حالت خستہ ہے جس پر ناواقف ملامت کرتے ہیں اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کوئی ایسا سامان کردیجئے کہ مرشد آجائیں جس سے میری حالت درست ہوجائے تاکہ خلائق کی ملامت سے بچ جاؤں اب شدت اشتیاق سے کہتے ہیں کہ ان کی راہ کی خاک ہی لادو تاکہ اپنی چشم جہان بین کو اس خاک کا مقام بناؤں اور شعر اول کی توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لائمین اس کی محبت میں اس لئے ملامت کرتے ہیں کہ اس کو دیکھا نہیں وہ آجائے تو سب اس کو دیکھ لیں اور پھر ملامت چھوڑ دیں جیسا زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا جمال لائمات کو دکھلا کر کہا تھا فذلکن الذی لمتننی فیہ اور مرشد پر اس کا انطباق اس طرح ہوسکتا ہے کہ بعض غیر معتقدین ان سے ارتباط پر ملامت کرتے ہوں گے جو ان کے کمالات کے مشاہدہ پر ختم ہوجائے گی۔

فریاد کہ از شش جہتم راہ ببستند	آن خال وخط وزلف ورخ وعارض وقامت

اس میں بیان ہے اپنی حالت حیرت کا کہ راہ بستند عبارت اسی سے ہے اور یا وہ عبارت ہے اس سے کہ ایسا اسیر کیا کہ رہائی ہی متصور نہیں اور دونوں کا سبب عشق ہے۔ اشیاء مذکورہ مصرعہ ثانیہ کو سبب کہنے سے یہی مراد ہے۔ ایک حاشیہ میں ہے لفظ شش لطفے دارد کہ خال وخط وغیرہ در شعر ہمین عدد واقع ست اور یہ محبوب حقیقی و مرشد ہر دو پر منطبق ہوسکتا ہے۔ اور فریاد کرنا توجیہ ثانی پر اس اسیری کے زوال کی تمنا نہیں بلکہ شدت اضطراب اس کا منشاء ہے۔

امروز کہ در دست توام مرحمتے کن	فردا کہ شوم خاک چہ سود اشک ندامت

اس میں خطاب ہے مرشد کو کہ میرے حال پر توجہ کیجئے ورنہ جب میں مر جاؤں گا اور آپ اپنی بے توجہی کو یاد کر کر کے افسوس کیا کریں گے اس وقت کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سب شدت اشتیاق کے مخاطبات ہیں جس کی وجہ شبہ بے التفاتی کا ہے اور بعض اوقات واقع میں بھی مرشد سے باقتضاء طبیعت بشری توجہ الی المستر شد میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو اس صورت میں حکیمانہ تنبیہ ہے۔

اے آنکہ بتقریر و بیان دم زنی از عشق	ما با تو نہ داریم سخن خیر و سلامت

اس میں خطاب اس شخص کو ہوسکتا ہے جو احوال خاصہ پر (مثل ماذکر فی الاشعار السابقۃ) عاشق کو ملامت کرتا ہے اور اس سے تحقیق سبب اضطراب کی کرتا ہے پس جواب دیتے ہیں کہ عشق کے آثار قالی نہیں حالی ہیں اور خیر و سلامت مختصر ہے مثل مشہور ما بخیر و شما بسلامت کا۔

درویش مکن نالہ زشمشیر احبا	کاین طائفہ از کشتہ ستانند غرامت

اس میں تسلی ہے طالب کی کہ ان مرشدوں کے (کہ محبوب ہیں) معاملہ سے نالاں مت ہو کہ یہ حضرات مستر شدین ہی کا جو کہ خود ہی مصیبت باطنی میں مبتلا ہیں قصور نکالا کرتے ہیں۔ کشتگی اسی مصیبت زدگی کو اور غرامت بمعنی جرمانہ و تاوان اسی قصور نکالنے کو کہا اس عنوان سے تعبیر کرنا محض ضیق قلب سے ہے ورنہ فی نفسہ تنبیہ ہے اس پر کہ بعض اوقات یہ باطنی مصیبتیں واقع میں سالک کی بے اعتدالی یا بے علمی سے پیش آجاتی ہیں۔

در خرقہ زن آتش کہ خم ابروئے ساقی	برمی شکند گوشۂ محراب امامت

اس میں بیان ہے اس کا کہ بعض اوقات طالب کو تنگی اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ مرشد اس کے کسی امر محبوب للنفس کو چھڑاتا ہے مثلاً ترفع کو چھڑا کر تذلل کے لئے ارشاد کیا نفس پر گران گزرا اس کشمکش میں ضیق ہو گیا اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایسے امر میں اطاعت کرنا ضروری ہے اور اعتقاد ضرورت اور عقد ہمت سے پھر وہ تنگی زائل ہو جاتی ہے پس خرقہ سے مراد ترفع و اظہار بزرگی ہے اور یہی مراد ہے گوشہ محراب امامت سے اور ابرو کا حسن چونکہ خم سے بڑھ جاتا ہے اس سے مراد ہے حسن ادا و تعلیم مرشد اور برمی شکند سے مراد ہے امر بازالہ ترفع۔ ممکن ہے کہ اوپر کے شعر میں جس کو غرامت کہا تھا اس شعر میں اسی

غرامت کی یہ ایک مثال ہو۔

حاشا کہ من از جور و جفائے تو بنالم	بیداد لطیفان ہمہ لطف امت و کرامت

یہ گویا ترجمہ ہے ضرب الحبیب زہیب اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کی سختی سرتاسر مصلحت ہوتی ہے اس سے شاکی اور تنگ نہ ہونا چاہئے۔

کوتہ نکند بحث سر زلف تو حافظ	پیوستہ شد این سلسلہ تا روز قیامت

اس میں خطاب ہوسکتا ہے محبوب حقیقی کو اور بحث سر زلف سے مراد سخن عشق و محبت ہے یعنی چونکہ عشق و آثار عشق باقی اور لاتقف عند حد ہے اس کی حکایت بھی غیر منقطع ہے۔

غزل

اس میں مدح اور طلب ہے عشق کی اور بیان ہے اس کے بعض آثار کا اور تحریض ہے اس کے شدائد کے تحمل پر۔

ساقیم خضرست وی آب حیات	توبہ از می چون کنم ہیہات ہات
بادۂ تلخ از لب شیرین لبان	در حلاوت می برد آب از نبات
چون دم عیسیٰ نسیم اوز لطف	مردۂ صد سالہ را بخشد حیات
جز بآب آتشین یعنی شراب	حل نمی گردد مرا این مشکلات
روزی مابین کہ از دیوان عشق	جز مئے ہجران نشد مارا برات
شاد باد اروح آن رندے کہ او	برسر کوئے مغان یابد وفات
حاصل عمر تو حافظ در جہان	بادۂ صافی ست باقی ترہات

یعنی مرشد قاسم فیض عشقی ہے اور شراب آب حیات ہے تو پھر کیونکر عشق کو ترک کروں یہ نہایت بعید ہے (ہیہات بعد) ہاں لاؤ (ہات اس فعل بمعنی الامر) اور محبوب کے لب سے تو بادہ تلخ بھی قند و مصری سے افضل ہے (مراد اس سے یہ ہے کہ جو شدائد محبوب کی طرف سے عشق میں پیش آویں وہ لذات سے بھی زیادہ لذت بخش ہیں اور محبوب کے واردات یا

کلام مرشد دم عیسے کی طرح مردہ دلوں کے لئے حیات بخش ہیں اور معرفت کے یہ مسائل مشکلہ بدون عشق کے کافی طور پر (محض بحث و بیان سے) حل نہیں ہوتے۔ آگے عشق کی ایک شدت کا بیان کرتے ہیں کہ ہماری غذا دیکھو کہ دفتر عشق میں ہمارے حصہ میں صرف شراب ہجر آئی ہے (مراد اس سے قبض ہے برات بمعنی نصیب و قسمت) آگے اس شخص کو دعا دیتے ہیں جو راہ عشق سے مرتے دم تک نہ ہٹے آگے مقطع میں بتلاتے ہیں کہ بجز محبت الٰہیہ کے عمر کو جن مشاغل و مقاصد میں صرف کیا جائے سب فضول اور بیکار ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کی جدائی میں لکھی گئی ہے کذا فی الشرح۔

شربتے از لب لعلش بخشیدم و برفت	روی مہ پیکر او سیر ندیدیم و برفت
گوئی از صحبت ما نیک بہ تنگ آمدہ بود	بار بر بست و بگردش نرسیدیم و برفت
بسکہ ما فاتحہ و حرز یمانی خواندیم	وز پیش سورۂ اخلاص دمیدیم و برفت
سرز فرمان خطم گفت مکش تا نروم	ما سر خویش زخطش نہ کشیدیم و برفت
عشوہ میداد کہ از کوئے ارادت نروم	دیدی آخر کہ چسان عشوہ خریدیم و برفت
شد چمان در چمن حسن و لطافت لیکن	در گلستان وصالش نچمیدیم و برفت
گفت از خود ببرد ہر کہ وصالم طلبد	ما با میدوی از خویش بریدیم و برفت
صورت او بلطافت اثر صنع خداست	ما بروئیش نظر سیر ندیدم و برفت
ہمچو حافظ ہمہ شب نالۂ و افغان کردیم	کای دریغا بوداعش نرسیدیم و برفت

در شعر ثانی بگردش ای بغبار او۔ و در شعر ثالث حرز یمانی نام دعائے کہ برائے حصول مقاصد میخوانند و ہمچنان فاتحہ و برائے تسخیر قل ہو اللہ را خوانند۔ و در شعر خامس عشوہ فریب مراد وعدہ کہ بو فا نرسد و در شعر سابع از خود ببرد یعنی فانی شود۔ مطلب بعد حل مفردات و تعیین غرض کے بالکل ظاہر ہے اور بعض اشعار سے شبہ خلف وعدہ کا ہوتا ہے اس کا دفع یہ ہے کہ یا تو وہ وعدہ مقید تھا کسی قید کے ساتھ اور یا مقصود وعدہ سے بذل توجہ تھا جس کا خلف ثابت نہیں۔

غزل

اس میں بیان ہے عشق کے آثار خاصہ و عامہ کا۔

ماراز ارزوی تو پروائی خواب نیست	بے روی دلفریب تو بودن صواب نیست
در دور چشم مست تو ہشیار کس ندید	کو دیدہ کز تصور چشمت بخواب نیست
در ہر کہ بنگرم بغمے از تو مبتلاست	یک دل ندیدہ ام کہ ز عشقت خراب نیست
ہر کو بدست عشق تو شد کشتہ بر درت	او را در انجناب سوال و جواب نیست
حافظ چو ز ربوتہ در افتاد و تاب یافت	عاشق نباشد آنکہ چو ز ر زاد بتاب نیست

یعنی تمہارے اشتیاق میں نیند اڑ گئی اور آپ کا ذکر دائم ضروری ہے اور آپ کے عشق کے دورہ اور اثر عام سے ایک بھی اپنی حالت میں نہیں ہر شخص محو ہے (خواب بمعنی محو) مقصود اشارہ اس مسئلہ کی طرف ہے کہ ہر شخص جس کسی چیز کی محبت میں اس چیز کے کسی کمال کی وجہ سے مبتلا ہے اس کمال کا مرجع بالذات حقیقت میں ذات واجب ہے پس متعلق اس محبت کا واقع میں ذات ہی ہے اسی لئے تصور چشمت کہہ دیا مگر محبؐ کو اسکی اطلاع نہیں جیسے دیوار تابان کا عاشق واقع میں عاشق آفتاب ہے مگر بے خبر اسی لئے اس محبت پر کوئی نفع مرتب نہیں ہوتا پھر اس مسئلہ کے بیان سے کیا فائدہ سو فائدہ یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا کمال اور اس کمال کی وجہ سے واجب المحبۃ والاطاعت ہونا ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد کے شعر اور ہر کہ بنگرم میں یہی مضمون ہے۔ آگے عشق کا اثر آخرت میں ظاہر ہونے والا مذکور ہے کہ مقتول عشق کا حساب و کتاب جناب باری میں نہ ہوگا لانہ شھید اکبر للحدیث الصحیح المجاھد من جاھد نفسہ۔ آگے تحمل بلیات عشق کی ہمت دلاتے ہیں اپنی نظیر پیش کر کے بھی کہ اس کو تقویت ہمت میں بڑا دخل ہے اور قاعدہ کلیہ بیان کر کے بھی جس کا ماخذ حدیث صحیح ہے اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل او نحوہ۔

غزل

خم زلف تو دام کفر و دین ست	ز کارستان او یک شمہ این ست

یعنی کفر اور دین دونوں مسخر جمال محبوب ہیں اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں سے مضل اور ہادی دونوں ہیں اور اسماء و صفات سب جمیل اور مقتضی ظہور ہیں پس اسم ہادی مقتضی ہوا خلق دین کو اور اسم مضل مقتضی ہوا خلق کفر کو پس دونوں مخلوق اپنے خلق میں دونوں اسموں کے جمال کے تابع ہوئے یہی مراد ہے مسخر اور عاشق ہونے سے اور چونکہ یہ امر عجیب ہے کہ دو متضاد چیزوں سے کسی کا جمال ظاہر ہو ورنہ اکثر محبوبان مجازی میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک امر سے ان کا حسن پسند خاطر ہوتا ہے تو اس کی ضد اس کی پسندیدگی کو کم کر دیتی ہے اس لئے مصرعہ ثانیہ میں اس کے عجیب ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ قال الرومی ؎

عاشقم بر لطف و بر قہرش بجد + ای عجب من عاشقم بر ہر دو ضد ؎

جمالت معجز حسن ست لیکن	حدیث غمزہ ات سحر مبین ست

یہ لیکن استدراک کے لئے نہیں بلکہ ترقی کے لئے ہے یعنی یہ خوبی تو ہے ہی لیکن ایک دوسری خوبی بھی ہے جیسے عربی میں اس معنی کے لئے لفظ بید آتا ہے۔ مقصود جمال اور استتار کہ غمزہ اس سے عبارت ہے دونوں کا کمال بیان کرنا ہے۔ اور بعض نسخوں میں بجائے معجز حسن است کے معجز عیسے است ہے حاصل یہ ہوگا کہ جمال تو محیی ہے اور استتار قاتل ہے جیسے سحر مہلک ہوتا ہے ؎

برآن چشم سیہ صد آفرین باد	کہ در عاشق کشی سحر آفرین ست

چشم کو عاشق کش کہنا اگر باعتبار غمزہ یعنی نگاہ ہٹا لینے کے ہے کہ کنایہ ہے استغناء سے تب تو شعر بالا کا مصرعہ ثانیہ اور یہ شعر متحد المعنی ہے اور اگر باعتبار نظر و التفات کے ہے تو عاشق کش کہنا اس معنی کر ہے کہ عشق کو اور زیادہ کر دیا جس سے قلب زیادہ مجروح و بیتاب ہو گیا اور یہ اثر مشاہدہ جمال میں بھی ہے اور صد آفرین باد سے محض مدح مقصود ہے نہ کہ دعا۔ اور سحر آفرین کہتے ہیں ساحر کامل کو ؎

عجب راہے ست راہ عشق ہیہات	کہ چرخ ہفتمش ہفتم زمین ست

اس میں بیان ہے طریق عشق کے علو کا کہ یہ چرخ ہفتم اس کی زمین ہفتم ہے یعنی وہ چرخ ہفتم سے بھی اعلیٰ ہے اور توجیہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ مورد عشق کا قلب اور روح ہے اور

یہ لطائف باین معنی فوق العرش ہیں کہ عرش منتہای امکنہ ہے اور یہ بوجہ تجرد کے لامکانی ہیں پس خارج از امکنہ ہوئے اور فوق العرش اور لامکانی کا چرخ ہفتم اور مکانی سے رتبۂ اعلیٰ ہونا ظاہر ہے لتنزہ المجرد عن ظلمۃ المادۃ التی ہی فی غیر المجرد۔

تو پنداری کہ بدگو رفت وجان برد	حسابش کرامًا کاتبین ست

اعراب کرامًا کاتبین حکائی است۔ یا تو مقصود اس سے تعلیم ہے سالک کی ترک غیبت وغیرہ کے لئے اور یا تہدید ہے معترضین علی العشاق کی۔

زچشم شوخ تو کے جان تو ان بُرد	کہ دائم باکمان اندر کمین ست

مقصود یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی دلربائی دائم ہے نہ مثل محبوبان مجازی کے کہ زوال حسن سے دلربائی بھی منقطع ہوجاتی ہے۔ اور کمان سے مراد ابرو ہے کہ چشم کے متصل ہوتی ہے۔

لبت را آب حیوان گفتم اما	چہ جائے آب کان ماء معین ست

ماء معین مراد ماء جنت ماخوذ از قولہ تعالیٰ فی الواقعۃ وکأس من معین یعنی آب حیوان میں چونکہ یہ نقصان ہے کہ گو حیات طویلہ بخشا ہے مگر حیات ابدی نہیں بخشا اس لئے وہ تشبیہ انقص ہے اس لئے کم از کم ماء معین سے تشبیہ دینا چاہئے گو ناقص وہ بھی ہے مقصود یہ ہے کہ واجب کی تشبیہ ممکن سے تام نہیں پس یہ مسئلہ معلوم ہوگیا کہ ایسی تشبیہات وتمثیلات سے قیاس الغائب علی الشاہد میں مبتلا نہ ہوجائے جیسا بہت سے جہلاء صوفیہ اپنے عقائد بگاڑ لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر اس کی ضرورت ہو تو کسی قدر کامل سے چاہئے گو اس کے مقابلہ میں وہ بھی ناقص ہو مگر پھر اقرب الی الادب ہے۔

مشوایجان زکید نفس ایمن	کہ دل بُرد و کنون در بند دین ست

یا تو یہ مقصود ہے کہ طریق عشق میں بعض احوال ایسے پیش آتے ہیں کہ اگر علم حقیقت یا ہادی کامل نہ ہو تو دین کا اندیشہ ہے پس سالک کو تحذیر ہے اس مکر الٰہی سے لان المکر یختلف انواعہ باختلاف احوال الممکور۔ اور یا آمادہ کررہے ہیں دین رسمی کے زوال کے لئے جو کہ اثر ہے عشق کا کیونکہ اہل رسم نے بہت سے قیود وزوائد دین کے اندر اغراض نفسانیہ سے

داخل کر رکھے ہیں اسی طرح صورت ریاء کو دین بنا رکھا ہے یہ سب حذف ہوجاتے ہیں۔ اور یا دین مرادف ہے ایمان کا اور ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے اور طریق عشق میں بعض اوقات معلومات سے ذہول محض ہوجاتا ہے پس ایمن مشو تحذیر کے لئے نہ ہوگا بلکہ مجازاً محض اطلاق وتنبیہ وتمہید کے لئے۔

زجامِ عشق مے نوشید حافظ	مدامش مستی رندی ازین ست

اس میں بھی بیان ہے بعض آثار عشق کا اور تقریر ظاہر ہے۔

غزل

دیدی کہ یار جز سر جور وستم نہ داشت	بشکست عہد ما واز ہیچ غم نداشت
یارب مگیرش ارچہ دل چون کبوترم	افگند وکشت وحرمت صید حرم نداشت

یہ مرشد کی بے التفاتی کے توہم پر محمول ہوسکتا ہے اور عہد یا تو حالی ہے اور یا بیعت کے وقت کا قالی کہ ہم تمہاری تربیت کریں گے۔ اور شعر ثانی کا منشاء غلبۂ محبت ہے کہ اس کی تکلیف اس پر بھی گوارا نہیں۔ اور اس میں یہ تعلیم بھی ہوگئی کہ مرشد سے کسی حال میں تعلق محبت کم نہ کرے۔

برمن جفا زبختِ بد آمد وگرنہ یار	حاشا کہ رسم جور وطریق ستم نداشت

پہلا کلام سکر کا تھا یہ صحو کا ہے یعنی جس حرمان پر تنگی ہورہی ہے اس کا سبب بے توجہی مرشد کی نہیں بلکہ نقصان ہے اپنی استعداد کا تنبیہ اور واقع میں وہ حرمان نہیں بلکہ ہر شخص کی تربیت اس کی استعداد کے موافق ہے۔

دل اینہمہ جفا کہ بخواری کشید ازو	ہرجا کہ رفت ہیچ کسش محترم نداشت

اشارہ اس طرف ہے کہ تنگ ہوکر در مرشد کو چھوڑ کر دوسری طرف رجوع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اہل نسبت میں سے باوجود علم کے ایسے شخص کی کوئی قدر نہیں کرتا اور جو قدر کرے وہ صاحب تکمیل نہیں اس سے نفع نہیں حاصل ہوسکتا اور اگر اس شخص نے نہ بتلایا تو یہ دلیل عدم

خلوص کی ہے جوخود مانع نفع ہے۔

ساقی بیار بادۂ و بامدعی بگو	انکار ما مکن کہ چنین جام جم نداشت

طلب ہے زیادۃ عشق کی اور جواب ہے منکر کا کہ ہمارا جام یعنی قلب کاشف اسرار الٰہیہ ہے اور جام جم کاشف اسرار کونیہ تھا فاین ہذا من ذاک اور ایسے علم شریف کا جلوہ گاہ قابل انکار نہیں۔

ہر رہروے کہ رہ بحریم درش نبرد	مسکین برید وادی درہ درحرم نداشت

اس میں تنبیہ ہے ان لوگوں کی غلطی پر جو سلوک میں مقصود اصلی یعنی قرب و رضا کو چھوڑ کر غیر مقصود مثل مواجید و تصرفات و کشوف وغیرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ مقصود تک نہیں پہنچتے گو کتنا ہی مجاہدہ کریں اس میں بھی بہت لوگ مبتلا ہیں۔

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت	برباد داد و ہیچ غم از بیش و کم نداشت

بیان ہے فضیلت عاشق کا کہ دنیا کو ترک کردیتا ہے اور آخرت کو گو ترک نہیں کرتا مگر اس کو ملتفت الیہ بالذات نہیں سمجھتا پس برباد داد مفہوم عام ہے دونوں کو شامل۔

حافظ ببرتو گوئے فصاحت کہ مدعی	ہیچش ہنر نبود و خبر نیز ہم نداشت

مطلب یہ کہ تم مضامین عشق کلام فصیح سے کہے جاؤ اور مدعی منکر و مانع کی طرف التفات نہ کرو کہ نہ اس کو ہنر عشق حاصل ہے کہ اسکا محقق ہو اور نہ کچھ سنی سنائی خبر رکھتا ہے کہ مقلد ہو اس لئے اس کا انکار قابل التفات نہیں۔ اور بعض نسخوں میں گوی سعادت ہے یعنی تم تحصیل سعادت عشق میں لگے رہو اور مدعی کی طرف الخ۔

غزل

بروای زاہد و دعوت مکنم سوی بہشت	کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نسرشت
یکجو از خرمن ہستی نتواند برداشت	ہر کہ در راہ فنا دررہ حق دانہ نہ کشت
تو و تسبیح و مصلی درہ زہد وورع	من و میخانہ و ناقوس ورہِ دیر و کنشت

منعم از می مکن ای صوفی صافی کہ حکیم	در ازل طینت ما راز مئے صاف سرشت
صوفی صاف بہشتی نبود زانکہ چو من	خرقہ در میکدہ بارہن می ناب نہشت
لذت از حور بہشت ولب حوضش نبود	ہر کہ او دامن معشوق خود از دست بہشت
حافظا لطف حق ار با تو عنایت دارد	باش فارغ زغم دوزخ وشادی بہشت

زاہد سے مراد ایسا شخص ہے جو محض اعمال کو کمال سمجھتا ہے گو اس میں محبت وخلوص نہ ہو اور صوفی صافی بھی اسی کو کہا صوفی باعتبار اس کے دعویٰ کے یا تمسخراً اور صافی اس اعتبار سے کہ خلوص سے صاف ہے کذافی الشرح۔ اور بہشت اور حور اور لب حوض سے مراد اعمال ہیں کہ وہ کسی درجہ میں سبب ہیں ان مذکورات کے یعنی جبکہ اعمال میں خلوص ہو مگر یہاں مطلق اعمال مراد ہیں ولو من غیر خلوص اور تسبیح ومصلی وغیرہ اور خرقہ سے اعمال کا مراد ہونا بہت ہی ظاہر ہے۔ اور میخانہ واخواتہا اور می اور میکدہ اور دامن معشوق سے مراد محبت وخلوص بعد حل ان مفردات کے مطلب اشعار کا ظاہر ہے کہ بدون اخلاص کے اعمال کا بیکار ہونا بیان کر رہے ہیں اور یہی معنی ہیں بہشتی نبود کے جو کہ شعر خامس میں ہے یعنی عدم اخلاص فی العمل کا یہ مقتضا ہے گو اخلاص فی الایمان بہشتی ہونے کا سبب بن جائے۔ اور شعر ثانی میں فنا کا شرط بقا ہونا مذکور ہے اور مقطع میں جنت ودوزخ کا ملتفت الیہ بالذات نہ ہونے کی تعلیم کر رہے ہیں۔ اور مرغوب فیہ ومہروب عنہ ہونے کی نفی نہیں کرتے۔

غزل

اے نسیم سحر آرام گہ یار کجاست	منزل آن مہ عاشق کش عیار کجاست
شب تارست ورہ وادی ایمن درپیش	آتش طور کجا وعدۂ دیدار کجاست

یہ اشعار حالت قبض واستتار کے ہیں جس میں تجلیات ومشاہدات کی تمنا کر رہے ہیں۔ اور شب تار اور وادی ایمن سے مراد اسباب تجلی مثلاً طلب ومجاہدہ وذکر وشغل وغیرہ۔

ہر کہ آمد بجہان نقش خرابی دارد	در خرابات مپرسید کہ ہشیار کجاست

اگر خرابی سے مراد فنا ہے تب تو تعلیم ہے مراقبہ موت کی اور مصرعہ ثانیہ بطور مثل کے ہے یعنی چنانکہ درخرابات ہشیار نباشد ہمچنین در جہان کسے بے خرابی نباشد۔ اور اگر مراد اس سے صعوبت قبض ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ کوئی سالک اس سے خالی نہیں پس اس میں ایک گونہ تسلی ہے اور اس صورت میں خرابات سے مراد طریق اور ہشیار سے مراد سالم اس صعوبت مذکورہ سے اور یہ حکم باعتبار اکثر کے ہے۔

آنکس ست اہل بشارت کہ اشارت داند	نکتہ ہاہست بسے محرم اسرار کجاست

شاید اشارہ اس طرف ہو کہ ہم اپنے کلام میں بلسان اشارت نکات تصوف کے بیان کرتے ہیں جو ان اشارات کو سمجھ لے اس کو بشارت ہو اور نکات از قبیل علوم مکاشفات کے ہم کو بہت سے معلوم ہیں مگر چونکہ محرم اسرار کم ہیں اس لئے بقدر ضرورت بعضے نکات از قبیل علوم معاملہ بیان کر دیئے ہیں۔ اس تقریر پر اس میں دلالت ہوگئی اس پر کہ ایسے اشعار سے کسی ظاہری لفظ کو کسی عقیدہ کا مدار نہ ٹھہرالیا جائے بلکہ جو مسئلہ دوسرے دلائل واضحہ سے ثابت ہو اس کو ان اشعار پر منطبق کرلیا جائے نہ یہ کہ خود ان اشعار سے اخذ اور استدلال کیا جائے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

ہر سرموی مرابا تو ہزاران کارست	ما کجائیم و ملامت گر بیکار کجاست

مطلب یہ کہ طریق باطن امر وجدانی ہے جسکو معاملہ پڑتا ہے وہ تو سمجھتا ہے اور جس کو معاملہ نہیں پڑا اس کو اس کا ذوق اور ادراک نہیں ہوتا پس ملامت غلطی ہے اور کار و بیکار سے مراد یہی معاملہ اور عدم معاملہ ہے۔

عاشق خستہ زدرہ وغم ہجر تو بسوخت	خودنپرسی تو کہ آن عاشق غمخوار کجاست
بادہ ومطرب وگل جملہ مہیاست ولی	عیش بے دوست مہیانشود یار کجاست
عقل دیوانہ شدآن سلسلۂ مشکین کو	دل زما گوشہ گرفت ابرودلدار کجاست

ان میں بھی آثار استتار کے ہیں اور خودنپرسی عبارت ہے استغناء سے اور بادہ وغیرہ سے مراد اشغال واعمال اور عقل دیوانہ شد کے معنی ہیں عقل زاید شد۔ اور دل زما گوشہ گرفت

سے مراد ہے دل گم شدہ اور سلسلۂ مشکین اور ابرِ دلدار سے مراد تجلیات جن کی تمنا ہے اور تقریر مطلب کی سب ظاہر ہے۔

دلم از صومعہ وصحبت شیخ ست ملول	یار ترسا بچہ کو خانۂ خمار کجاست

صومعہ وصحبت شیخ سے مراد اعمال ظاہری بے محبت اور صحبت زاہد خشک۔ اور ترسا بچہ سے مراد مرشد عشق شبہ بہ للحسن ولو تفاوت بالظاہر والباطن اور خمار سے مراد بھی یہی۔ یعنی زاہدان خشک وزہد خشک وصول الی المقصود کے لئے کافی نہیں مربی باطن کی ضرورت ہے۔

حافظ ازباد خزان درچمن دہر مرنج	فکر معقول بفرما گل بیخار کجاست

گل بیخار کجاست بیان ہے فکر معقول کا اس میں تسلی ہے حالت مذکورہ بالا پر یعنی راحت خالی از محنت عالم میں موجود نہیں پس ایسی حالت شاقہ کے پیش آنے سے پریشان مت ہو۔

غزل

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزے نیست	تاب آن زلف پریشان تو بے چیزے نیست
از لبت شیر روان بود کہ من میگفتم	کین شکر گرد نمکدانِ تو بے چیزے نیست
چشمۂ آب حیات است دہانت اما	زیر لب چاہ زنخدان تو بے چیزے نیست
جانِ من باد فدائے تو یقین میدانم	در کمان ناوکِ مژگان تو بے چیزے نیست
مبتلائی بغم و محبت و اندوہ و فراق	ای دل این نالہ وافغان تو بے چیزے نیست
دوش باداز سر کویش بگلستان بگذشت	ای گل این چاک گریبان تو بے چیزے نیست
درد عشق ارچہ دل از خلق نہان میدارد	حافظ این دیدۂ گریان تو بے چیزے نیست

اس غزل کے سات شعر میں سے اول کے چار اشعار میں محبوب کے کمالات اور ان کمالات کے آثار اور اخیر کے تین اشعار میں محبّ کے حالات اور ان حالات کے موثرات مذکور ہیں پس لفظ چیز کہ ردیف میں ہے اول کے اشعار میں بمعنی اثر ہے اور اخیر کے اشعار میں بمعنی موثر اور اول کے اشعار میں مجموعہ مفردات سے مراد مجموعہ مطلق کمالات ہیں خاص

مفردات سے خاص کمالات مراد نہیں کہ ہر ایک میں تحقیق وجہ شبہ کی ضرورت ہو اور چشم نرگس کی خوبی خواب سے اور زلف کی خوبی تاب یعنی پیچ سے بڑھ جاتی ہے محض چشم و زلف کی مناسبت سے یہ لائے گئے ہیں۔ اور از لبت شیر روان بود کنایہ ابتدائی ظہور سے ہے اور شکر سے مراد لب اور نمکدان سے مراد دہاں مقصود یہ ہے کہ محبوب کے جو کمالات ظاہر ہوئے وہ بے وجہ نہیں بلکہ مقصود اس سے خاص آثار کا مرتب کرنا تھا جن میں سے اعظم آثار عشاق کا فریفتہ کرنا ہے۔ اور اخیر کے اشعار کا مقصود یہ ہے کہ عشاق کا نالہ و افغان اور گریبان چاک اور دیدۂ گریان بے وجہ نہیں بلکہ اسکا سبب موثر کوئی امر عظیم ہے یعنی عشق۔ اور شعر سادس میں ظاہر مدلول کے اعتبار سے حسن التعلیل ہے یعنی ای گل شگفتگی میں تیرا جو گریبان ہوا سے چاک ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ ہوا کوئے محبوب سے گزر کر گلستان میں آئی ہوگی اس لئے اس میں یہ اثر پیدا ہو گیا اور مدلول باطنی کے اعتبار سے عاشق کو خطاب ہے کہ جس عشق سے تیرا اگر یبان چاک ہوا ہے یہ ایک جاذبہ ہے جو جناب محبوب سے تجھ پر وارد ہوا ہے۔

غزل

دیدمش دوش کہ سرمست وخرامان میرفت	جام می بر کف و در مجلس رندان میرفت
چون ہمی گفتمش ای مونس دیرینہ من	سخت میگفت دل آزردہ پریشان میرفت
نقش خوارزم وخیال لب جیحون می بست	باہزاران گلہ از ملک سلیمان میرفت
میشد آنکس کہ چو اوجان سخن کس نشناخت	من ہمی دیدم واز کالبدم جان میرفت
گفتم اکنون سخن خوش کہ بگوید با ما	کان شکر لہجۂ خوشگوئے سخندان میرفت
لابہ بسیار نمودم کہ مرد سود نداشت	زانکہ کار از نظر رحمت سلطان میرفت
بادشاہا زکرم ازسر جرمش بگذر	چکند سوختہ از غایت حرمان میرفت
چون بشد آن صنم از دیدۂ حافظ غائب	اشک ہموارہ زرخسار بدامان میرفت

معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کسی امر پر آزردہ ہو کر چلے گئے ہیں اس معاملہ کو لکھ رہے ہیں۔

سرمست وخراماں کنایہ استغناء سے ہے۔ جام می برکف کنایہ دلفریبی سے یا شان افاضہ سے جو سبب ہے دلفریبی کا۔ رندان سے مراد عشاق۔ خوارزم ایک شہر کا نام ہے اور جیحون اس کی نہر کا نام ہے کذا فی القاموس۔ مطلب یہ کہ خوارزم او رجیحون کا نقشہ اور خیال دل میں جمائے ہوئے چلے جارہے تھے۔ یا تو وہ شخص وہاں کے رہنے والے ہوں خواہ کوئی بزرگ ہوں یا کوئی محبوب ہو اور یا مراد اس سے بقرینہ تقابل ملک سلیمان کے مسکنت ہو یعنی مخدومیت سے دلبر داشتہ ہوکر مسکینی کو پسند کر کے چل دیئے جیسا آزاد مزاجوں کا مشرب ہوتا ہے۔ از ملک متعلق گلہ کے ہے اور باہزاران گلہ حال ہے۔ جس کا عامل میرفت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سلطنت سلیمان یعنی مخدومیت کی بھی پروانہ ہوئی کیونکہ آزاد مزاج تھے۔ اور جملہ چواو جان سخن الخ صفت ہے آنکس کی جان سخن مغز سخن یعنی وہ سخن فہم تھے۔ ہمی دیدم کا مفعول رفتن او را محذوف ہے کہ بگوید میں کاف کدامیہ ہے مراد اس سے سخنان حقائق و معارف کا راز نظر رحمت سلطان میرفت کے معنی یہ ہیں۔ کہ کارروائی از لابہ نمیشد از نظر رحمت سلطان یعنی مرشد میشد و آن بوقوع نیامدہ ازان سودی نشد۔ یادشاہا الی حرمان بیان لابہ ومیرفت اندرین شعر بیان سودنداشت۔ واز غایت حرمان متعلق بسوختہ۔ اور تقریر اشعار کی بعد حل ان اجزاء کے ظاہر ہے شاید مقصود اس حکایت سے ناواقفوں کو یہ بتلانا ہو کہ راہ میں ایسے امور بھی پیش آجاتے ہیں۔ تاکہ وقوع کے وقت پریشان وبددل نہ ہوجائیں کہ یہ سلوک میں سخت مضر ہے۔

غزل

ہر آن خجستہ نظر کز پئے سعادت رفت	بکنج میکدۂ وخانۂ ارادت رفت
زرطل دُرد کشان کشف کرد سالک راہ	رموز غیب کہ در عالم شہادت رفت
بیاؤ معرفتِ من شنو کہ در سخنم	زفیضِ روحِ قدس نکتۂ سعادت رفت
مجوز طالع مولود من بجز رندی	کہ این معاملہ با کوکب ولادت رفت
زبامداد بدست دگر برآمدۂ	وظیفۂ مئی دوشین مگر زیادت رفت
مگر بمعجزہ کوشد طبیب عیسے دم	چراکہ کار من خستہ از عیادت رفت

ہزار شکر کہ حافظ زراہ میکدہ دوش	بکنج زاویۂ طاعت و عبادت رفت

اس غزل میں بیان ہے فضل وآثار عشق کا اور سعادت سے یہی مراد ہے اور کنج میکدہ اور خانہ ارادت بھی اسی کو کہا ارادت کا ترجمہ ہے مریدی اور بعض نسخوں میں ہے از خانہ الخ اس صورت میں ارادت کے معنی یا تو رسمی مریدی کے ہیں جس سے اعراض ضروری ہے اور یا ارادہ سے مراد ارادہ وخواہش حظوظ ہے اس کا ترک بھی ضروری ہے۔ اور رطل درد کشان سے مراد بھی عشق ہے اور رموز غیب سے مراد تمام رموز غیب نہیں کیونکہ کشف لوازم ولایت سے نہیں بلکہ خاص رموز عشق ہیں اور ان کا وقوع ظاہر ہے کہ عالم شہادت ہی میں ہوتا ہے مگر بوجہ غیر مدرک بالعقول العامہ ہونے کے رموز کہہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصول عشق سے اسرار عشق کہ وجدانی ہیں مدرک ہوتے ہیں۔ اور معرفت سے مراد علم معرفت مراد یہ کہ میرے ملفوظات میں نکات سعادت یعنی عشق کے مذکور ہیں۔ اور رندی سے مراد بھی عشق ہے۔ اور کوکب ولادت سے مقصود یہ ہے کہ میرا انداق فطری عشق ہے۔ اور دست کے معنی ہیں طرز وروش کذا فی الغیاث اور بعض نسخوں میں بطرز دگر لکھا ہے۔ اور زبامداد الخ میں سہل یہ ہے کہ خطاب مرشد کو ہو یعنی پہلے تو آپ کو میرے حال پر توجہ تھی مگر اب کچھ طرز بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ میری بیماری اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ خالی تسلی وہمدردی سے کام نہیں چلتا مرشد کے تصرف کی ضرورت ہے (اشارہ اس طرف ہے کہ تصرف یعنی ہمت وتوجہ کی ایسے وقت احتیاج ہوتی ہے جبکہ تعلیم محض نافع نہ ہو اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے جب طالب ذکر سے متاثر نہ ہو تو شیخ ہمت سے کام لے) آگے مقطع میں اس پر شکر کرتے ہیں کہ سکر سے صحو میں آگئے کیونکہ آخری حالت میں صحو ہی ہو جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں زراہ کی جگہ براہ اور بکنج کی جگہ زکنج ہے اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ زہد ریائی سے عشق وخلوص میں آگئے وکلاہما صحیح۔

غزل

خمے کہ ابروی شوخ تو در کمان انداخت	بقصد جان من زار ناتوان انداخت

خم سے ابرو کا حسن بڑھ جاتا ہے مراد اس سے ظہور حسن ہے یعنی ظہور جمال سے محبوب

حقیقی کا یہ مقصود تھا کہ طالبوں کو تعلق و تعشق ہو اور اس سے حصر اس مقصود میں لازم نہیں آتا قال اللہ تعالیٰ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب اس سے ظاہر ہے کہ خلق کائنات میں کہ مظہر جمال ہے حکمت اعتبار کی ہے اور اعتبار پر معرفت اور معرفت پر محبت کا ترتب ظاہر ہے پس ظہور جمال میں حکمت ترتب محبت کی ثابت ہوگئی۔

شراب خوردہ وخوی کردہ کے شدی بچمن	کہ آبروی تو آتش درارغوان انداخت

شراب خوردہ مست کنایہ از استغناء کہ موجب افزونی ربودگی دل عاشق باشد۔ وعرق کردہ مراد از ان باکمال جمال چہ عرق برروئ موجب ازدیاد حسن ست۔ چمن دل عاشق۔ ارغوان چون سرخ باشد کنایہ از دل خونین عاشق یا پارۂ از دل چنانکہ ارغوان جزوی از چمن باشد ولطافت لفظ آبروی پر ظاہرست۔ مضمون شاعرانہ میں تو حسن التعلیل ہے کہ ارغوان کے خونیں ہونے کی وجہ محبوب کا چمن میں گزر کرنا ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ خونبار ہوگیا اور مقصود معنوی وہی ہے جو اوپر کے شعر میں تھا کہ ظہور جمال محبوب سبب ہوگیا دل عاشق کے خونیں ہونے کا اور کے شدی سے مقصود اثبات ہے نہ کہ استفہام یعنی خود میدانی۔

بیک کرشمہ کہ نرگس بخود فروشی کرد	فریب چشم تو صد فتنہ در جہان انداخت
زشرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند	سمن بدست صبا خاک در دہان انداخت
بہ بزمگاہ چمن دوش مست بگذشتم	کہ از دہان تو ام غنچہ درگمان انداخت
بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد	صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت

ان چاروں شعر میں امر مشترک حسن محبوب کو ترجیح دینا ہے دوسرے محبوبوں کے حسن پر خاص خاص عنوان سے۔ چنانچہ شعر اول میں نرگس پر چشم کو اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ نرگس نے دعویٰ سے ایک ہی کرشمہ کیا تھا کہ اس کے مقابلہ میں تیری فریب چشم نے صدہا فتنے برپا کردیئے اور ایک کرشمہ اس لئے کہا کہ اس کا حسن ناقص اور متناہی ہے گویا صد کے مقابلہ میں ایک۔ اور شعر ثانی میں روی محبوب کو سمن پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ کہیں کسی نے سمن کو

تیرے رخ سے تشبیہ دے دی تھی شرم کے مارے اس نے اپنے منہ میں صبا کے ہاتھوں خاک جھونک لی یعنی ہوا سے جو خاک اڑ کر اس پر جا پڑی گویا اس کی وجہ یہ ہے۔شعر ثالث میں دہن کو غنچہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ میں جو چمن میں گزرا اس کی وجہ یہ ہے کہ غنچہ کو دیکھ کر تیرے دہن کا خیال آ گیا ورنہ میرا چمن اور غنچہ سے کیا سروکار کیونکہ غنچہ ناقص ہے اور دہان کامل۔اور شعر رابع میں زلف کو بنفشہ پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں کہ بنفشہ اپنے کو آراستہ کر رہا تھا کہ صبا نے تیری زلف کی حکایت اس سے بیان کر دی بیچارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

کنون بآب مئی لعل خرقہ مے شویم	نصیبۂ ازل از خود نمی توان انداخت

نمی توان انداخت ای نمی توان دور کرد یعنی مذاق عشقی میرا فطری و جبلی ہے وجبل گردد وجبلی نگردد فلا ینفع اللوم۔

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود	زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت

غالباً اشارہ ہے مضمون کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف الخ کی طرف پس یہ محبت جو احببت میں مذکور ہے دو عالم کے وجود پر سابق ہے اور یہ محبت حادثہ اسی کا فیض ہے مقصود اس سے مدح ہے محبت کی۔

من از ورع می ومطرب ندیدمی ہرگز	ہوای مغبچگانم درین وآن انداخت

این وآن اشارہ بسوی می ومطرب۔ومغبچگان محبوبان والجمیعۃ للجنس یعنی یہ آثار عشقیہ کی احیاناً فعل ظاہر تقویٰ ہو جاتے ہیں محض غلبۂ عشق سے صادر ہوتے ہیں پس معذور کہنا چاہیئے۔

جہان بکار دل اکنون شود کہ دور زمان	مرا بہ بندگی خواجۂ زمان انداخت

خواجۂ زمان سے مراد مرشد کامل اس میں اپنے نفس کو بشارت دیتے ہیں کہ اب سب کام مرضی موافق ہو جائیں گے اور اس میں اشارہ ہے کہ مرشد کامل میسر ہونے کے بعد تسلی اور امید کامیابی کی رکھنا چاہیئے پریشانی چھوڑ دینا چاہیئے گو مفصلاً کوئی امر فہم میں نہ آئے۔

مگر کشایش حافظ درین خرابی بود	کہ قسمت ازلش در مئی مغان انداخت

خرابی سے مراد عشق کہ مخرب ظاہر ہے یعنی میرے لئے جو طریق عشق تجویز ہوا ہے

معلوم ہوتا ہے میری تربیت اسی سے وابستہ ہے۔

غزل

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست	منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست
ناظر روی تو صاحب نظرانند ولے	سر گیسوی تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

شعر اول کے مصرعہ اولی میں جمال محبوب کے ظہور کا اور شعر ثانی کے مصرعہ ثانیہ میں اس کی محبت کا عام ہونا اور اس کے مصرعہ اولی میں معرفت کا خاص ہونا اور شعر اول کے مصرعہ ثانی میں اس معرفت میں محبوب ہی کی منت وفضل ہونا مذکور ہے اور یہ ظہور ومحبت کا عموم سب کے اعتبار سے ہے خواہ کسی کو ادراک ہو یا نہ ہو جن کو ادراک ہے ان کو بلاواسطہ ہے جن کو ادراک نہیں ان کو بواسطہ ہے۔ اور شعر اول کے مصرعہ ثانیہ کی تقریر یہ ہے کہ جن لوگوں کی بصر درست ہوگئی ہے یہ ان کا کمال نہیں ہے بلکہ طفیل ہے آپ کے خاک در کا پس اس میں اشارہ ہوجائے گا کہ کسی خوبی کو اپنی سعی کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ فضل خداوندی سمجھے۔

اشک غماز من ار سرخ برآید چہ عجب	خجل از کردۂ خود پردہ درے نیست کہ نیست

پردہ در غماز۔ اصل معنون تو ثابت کرنا ہے اثر عشق سے اشک خونیں کے نکلنے کو اور عنوان میں بطور حسن التعلیل کے ایک شاعری لطافت ہے کہ یہ سرخی خجالت سے ہے اور خجالت غمازی سے اور غماز باعتبار دلالت علی العشق کے کنایہ۔

کمر کین بمن خستہ چہ بندی کہ زمہر	برمیان دل وجانم کمرے نیست کہ نیست

کین قہر۔ واستفہام چہ بندی برائے ترحم۔ وزمہر بیان کمرے در مصرعہ ثانیہ بمعنی پٹکہ دلمیان بمعنی کمر۔ مطلب یہ کہ میری کمر جان ودل پر تو عشق کے تمام پٹکے بندھے ہوئے ہیں یعنی میں ہر طرح خادم وعاشق ہوں مجھ پر ترحم فرمائیے اور قہر نہ کیجئے۔

تا بدامن نہ نشیند ز نسیمت گردے	سیل اشک از نظرم برگزرے نیست کہ نیست

گزر راہ وتا در نسیمت مضاف الیہ دامن۔ ترجمہ تو یہ ہے کہ اس خیال سے کہ ہوا چلنے

سے کبھی آپ کے دامن پر گرد نہ بیٹھ جائے میں تمام سڑکوں پر سیل اشک آنکھوں سے بہاتا ہوں تا کہ گرد جمی رہے اور مقصود یہ ہے کہ میں اس لئے روتا رہتا ہوں تا کہ محبوب کے دامن خاطر پر میری باد تقصیر سے غبار نہ بیٹھ جائے یعنی تا کہ ہمارے گناہوں سے ناراض نہ ہو جائیں پس اس میں اشارہ ہوگا کہ بندہ کو ہمیشہ نادم اپنے افعال پر رہنا چاہیے۔

نادم از شام سر زلف تو ہر جا نزند	باصبا گفت وشنیدم سحرے نیست کہ نیست

شام سے تشبیہ زلف کی باعتبار سیاہی کے ہے اور مقابلہ اس کا سحر سے لطافت شاعری ہے۔ ترجمہ لفظی تو یہ ہے کہ میں صبا سے ہر سحر کو یہ گفت وشنید رکھتا ہوں کہ تیری زلف کی حکایت ہر جگہ بیان نہ کرے اور بلسان اشارت مقصود یہ ہے کہ میں اہل معرفت کو سمجھاتا ہوں کہ اسرار باطنی ہر مجلس میں نہ کہیں بلکہ جب مخاطب صحیح ہو۔ اس میں نہی ہے افشاء اسرار سے غیر اہل کے سامنے۔

من ازین طالع شوریدہ بر نجسم ورنہ	بہرہ مند از سر کویت دگرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ محبوب کی طرف سے بخل افاضہ میں نہیں مگر میرا نقصان استعداد موجب خسران ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کمی کا سبب اپنی حالت ہوتی ہے نہ کہ محبوب کی بے توجہی۔ اور طالب صادق کی کمی باعتبار اس کی کسی خاص خواہش کے ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ وہ کمی ہی اسکے حق میں مصلحت ہے مثلاً بعضے طالب مواجید کے ہوتے ہیں اور وہ ان کے لئے خلاف مصلحت ہوتے ہیں۔

از خیال لب نوشین تو ای چشمۂ نوش	غرق آب وعرق اکنون شکری نیست کہ نیست

نوش شیرین وگوارا د آب حیات کذا فی الغیاث یعنی شکر بھی محبوب کے خیال لب سے غرق آب عرق ہے مقصود یہ ہے کہ محبوبان مجازی محبوب حقیقی کے روبرو ناقص ہیں اس بتلانے سے غرض یہ ہے کہ ادھر التفات مت کرو۔

آب چشمم کہ برومنت خاک درتست	زیر صد منت او خاک درے نیست کہ نیست

یعنی میرا آب چشم تو آپ کی خاک درکا ممنون ہے کیونکہ اسی کے اشتیاق میں وہ رواں ہوا

ہے اور دوسرے خاک در اس آب چشم کے ممنون ہیں کیونکہ وہ آب چشم کثرت گریہ سے ہر جگہ بہتا پھرتا ہے پس سب کو اس سے حصہ ملا۔ اور بلسان اشارت اس میں بیان اس کا ہے کہ جس طرح سالک پر حق تعالیٰ کا احسان ہے اسی طرح کسی درجہ میں سالک کا احسان دوسروں پر ہے کہ وہ ان کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کی حالت محبت وطلب یا گریہ ونالہ کی دیکھ کر بھی دوسروں کو نفع پہنچتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے مضمون من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کی طرف۔

از وجود آنقدرم نام ونشانے ست کہ ہست	ورنہ از ضعف در آنجا اثرے نیست کہ نیست

مطلب ظاہر ہے کہ غایت ضعف کا بیان کر رہے ہیں جس سے تمام قوۃ زائل ہوگئی صرف وجود کا حکم باقی ہے اور اس میں بیان ہے اثر عشق کا۔

شیر در بادیۂ عشق تو روباہ شود	آہ ازین راہ کہ دروے خطرے نیست کہ نیست

مطلب یہ کہ طریق عشق میں کہ پر خطر ہے بڑے بڑے اقویاء عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے تعلیم شکستگی کی طرف کہ یہاں زاری کا کام ہے زور کا کام نہیں کما قال الرومی۔ فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ + جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ +

نہ من دل شدہ از دست تو خونیں جگرم	از غم عشق تو پر خون جگرے نیست کہ نیست

جگرے نکرہ تحت نفی میں ہونے سے عام ہے اور عام بمعنی کثیر کے بھی آتا ہے پس اگر مراد کثرت ہے تو ظاہر ہے کہ عشاق حق کثرت سے ہیں اور اگر عموم ہی مراد ہے تو عشق عام ہے بواسطہ وبلاواسطہ ومع الادراک وبلا ادراک کو اور اس کا عموم لجمیع القلوب صحیح ہے۔

از سر کوے تو رفتن نتوانم گامے	ورنہ اندر دل بیدل سفرے نیست کہ نیست

یعنی سفر تو بڑے بڑے دل میں آتے ہیں مگر غلبۂ عشق سے ایک قدم بھی کہیں نہیں جا سکتا۔ سفر سے مراد میلان الی العادات الطبعیہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ عشق سے امور طبعیہ کا ازالہ نہیں ہوتا البتہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس احیاناً وسوسہ یا صدور کسی امر طبعی کا مستبعد نہیں نہ منافی کمال ہے جیسا بعض منکرین معاندین خفیف خفیف امور پر اعتراض کیا کرتے ہیں یا بعضے ناواقف طالبین ایسے امور پر عقیدت میں فتور ڈال دیتے ہیں۔

تو خود ای شعلۂ رخشندہ چہ داری درسر　　　کہ کباب از حرکاتت جگرے نیست کہ نیست

چہ داری درسر یعنی چہ خیال و چہ ارادہ داری و حرکاتت کنایت از ظہور و خفا و رافت وصورت استغناء اور یہ استفہام سوال کے لئے نہیں بلکہ اثبات کے لئے ہے یعنی ان معاملات میں کہ عشاق کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ کوئی بڑی ہی حکمت و مصلحت ہے اس میں اشارہ ہوگیا کہ جو کچھ ادھر سے پیش آئے اس پر راضی رہے اور یہ نہایت معین ہے سلوک پر۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز	ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

اس کا بھی وہی مقصود ہے جو غزل ہذا کے شعر سادس تادم از شام الخ کا ہے یعنی علوم مکاشفات علی الاطلاق اور علوم معاملہ جو اپنے ساتھ متعلق ہیں نااہل سے نہ کہنا چاہئے۔

بجز این نکتہ کہ حافظ زتو نا خوشنودست	در سراپای وجودت ہنری نیست کہ نیست

زتو ناخوشنودست کے یہ معنی نہیں کہ از تو ناراض ست یعنی یہ از صلہ کا نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے یعنی اورا از جانب او کا ہے مسرت ردنمودہ۔ اس میں شکایت ہے مرشد کی بے توجہی کی کہ توجہ جو مایہ مسرت ہے کبھی نصیب نہ ہوئی حاصل یہ کہ آپ میں سب خوبیاں ہیں مگر اتنی کسر ہے کہ بے توجہی کی عادت ہے۔ یہ مضمون ذرا بسط کے ساتھ ردیف الالف غزل صبا بلطف بگو شعر جز این قدر الخ کی شرح میں لکھا جاچکا ہے دیکھ لیا جائے۔

غزل

کس نیست کہ افتادۂ آن زلف دوتا نیست	در رہ گزری نیست کہ دامی ز بلا نیست
روئے تو مگر آئینۂ لطف الٰہی ست	حقا کہ چنین ست درین روی وریا نیست
زاہد دہدم توبہ زروی تو زہے روے	ہیچش زخدا شرم وزروی تو حیا نیست
نرگس طلبد شیوۂ چشم تو زہے چشم	مسکین خبرش از سرو در دیدہ حیا نیست
از بہر خدا زلف میارای کہ مارا	شب نیست کہ صد عربدہ با باد صبا نیست
باز آی کہ بے روی تو ای شمع دل افروز	در بزم حریفان اثر نور و ضیا نیست

وی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر	گفتا غلط ای خواجہ درین عہد وفا نیست
تیمار غریبان سبب ذکر جمیل ست	جانا مگر این قاعدہ در شہر شما نیست
چون چشم تو دل می برداز گوشہ نشینان	دنبال تو بودن گنہ از جانب ما نیست
گر پیر مغان مرشد ماشد چہ تفاوت	در ہیچ سرے نیست کہ سری زخدا نیست
گفتن بر خورشید کہ من چشمۂ نورم	دانند بزرگان کہ سزاوار سہا نیست
عاشق چہ کند گر نخورد تیر ملامت	باہیچ دلا ورسپر تیر قضا نیست
در صومعۂ زاہدہ در خلوت عابد	جز گوشۂ ابروی تو محراب دعا نیست
ای چنگ فرو بردہ بخون دل حافظ	فکرت مگر از عزت قرآن خدا نیست

یہ تمام غزل بجز مقطع کے قبل والے شعر کے معاملات متعلقہ مرشد پر منطبق ہے یعنی ہر شخص (مراد بکثرت) آپ کے شیدا ہیں جس طرف آپ گزرتے ہیں طالبین مسخر ہوتے چلے جاتے ہیں آپ کا سیما آئینہ لطف الٰہی ہے جیسا حدیث میں ہے اذارأ و ذکر اللہ اور یہ امر بالکل بلا روی وریا کہتا ہوں (یعنی خوشامد وتصنع سے نہیں کہتا) زاہد خشک مجھ کو آپ کے سلسلے سے ہٹانا چاہتا ہے ذرا منہ تو دھو رکھے اس زاہد کو نہ خدا کی شرم رہی نہ آپ کے کمالات کی وہ زاہد بیچارہ کہ نرگس کی طرح جو کہ بشکل چشم ہے مگر بینائی سے معرا شیخ بن کر آپ سے تشبہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی بیعت کی طرف بلاتا ہے چشم نرگس بالمعنی المذکور بھی عجب چشم ہے کہ آپ کی چشم کا مقابلہ کرتی ہے اس غریب کو حقیقت (ترجمہ سر بالکسر) کی خبر نہیں اور نہ آنکھ میں حیا ہے ہم تو آپ کے پورے معتقد ہیں اور کمالات کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (وہذا ہوالمراد بقولہ زلف میارا) جیسا کہ شیوخ احیاناً کسی مرید کی استواری عقیدہ کی مصلحت سے ایسا کرتے ہیں وفی ہذا قیل ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید کیونکہ ہمیشہ ویسے ہی غمازین ومخالفین سے ہمارا عربدہ اور رہتا ہے اب اظہار کمال سے ان کو اور حسد ہوگا اور وہ زیادہ مخالفت کریں گے ہمارا عربدہ اور بڑھے گا اور ترجمہ لفظیہ شعر ہذا کی یہ تقریر ہے

کہ تم اپنی زلف کو آراستہ مت کرو کیونکہ صبا اس کو پریشان کرے گی اور اس پر ہمارا اس سے عربدہ رہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ پریشان کرنا ایک قسم کی مزاحمت غرض تزئین کی ہے اس لئے میں نے اس کو کنایہ مخالفت سے قرار دیا اور اگر یہ شبہ ہو کہ پریشان کرنے سے اور بھی حسن میں افزونی ہو جاتی ہے یہ مخالفت کیا ہوئی جواب یہ ہے کہ بالذات تو مخالفت ہی ہے بالعرض سبب ازدیاد حسن کا ہو جاتا ہے سو بزرگوں کی مخالفت سے بھی اسی طرح ان کے کمالات کی دونی خوبی ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر مشاہد ہے۔ آگے باز آئی میں مرشد کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں اور بدون ان کے مجلس کا فیوض سے خالی ہونا ظاہر کرتے ہیں آگے بے توجہی مزعوم وموہوم کی شکایت ہے اور مرشد کا جواب درین عہد وفا نیست یہ حسب مذاق مخاطب کے ہے جس نے عہد بجا آر کہنے میں گستاخی کی ہے ورنہ جواب یہ ہے کہ میرا عہد بالتوجہ جن شرائط سے مقید تھا وہ شرطیں نہیں رہیں۔ آگے تیمار غریبان الخ کا حاصل مثل شعر بالا کے ہے اور اسی کے مثل اس میں بھی شوخی ہے۔ آگے اپنے اس تعشق وتعلق شدید کا سبب بتلاتے ہیں کہ جب گوشہ نشین جو دوسری طرف بھی یعنی عبادات وریاضات میں متوجہ و مشغول ہیں آپ کی محبت سے خالی نہیں حالانکہ ایک طرف تعلق ہونا مانع ہوتا ہے دوسری طرف تعلق ہونے کو تو اگر ہم پیچھے پیچھے پھریں تو ہماری کیا خطا کیونکہ ہم کو تو ابھی کوئی مشغولی بھی نہیں محض مرشد کی تلاش ہی شغل ہے اور اگر ہم نے مذاق عشقی کا مرشد اختیار کر لیا تو ملامت گر زاہد وغیرہ ہم پر کیوں الزام دیتا ہے ہر سر میں (یعنی بکثرت) خدا تعالیٰ کی طلب ہے (ولکونہ مخفیا عبر عنہ بالسر) اور طالب اپنا رہبر اپنے مذاق کے موافق تلاش کرتا ہی ہے سو ہم نے بھی تجویز کر لیا آگے اس زاہد مدعی مشیخت کو نصیحت ہے کہ کامل کے سامنے دعویٰ مذموم ہے۔ آگے ملامت سے اپنی بے پروائی بیان کرتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں یہی تھا کیا علاج کریں۔ آگے درصومعہ الخ میں خطاب محبوب حقیقی کو ہے کہ سب سالک آپ ہی کے طالب ہیں اس سے بھی شاید زاہد کو ستانا ہو کہ پھر ہماری طلب پر کیوں ملامت کرتا ہے فیکون تقریرہ کتقریر الشعر گر پیر مغان الخ آگے مرشد کو تنگ ہو کر کہتے ہیں کہ بے توجہی سے کیوں قتل کرتے ہو کچھ حافظ قرآن ہونے کا تو پاس کرو والعذر عن امثال ہذا ہو الغلبۃ۔

غزل

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست	کرم نما وفرود آ کہ خانہ خانۂ تست
بلطف خال وخط از عارفان ربودی دل	لطیفہای عجب زیر دام ودانۂ تست
دلت بوصل گل ای بلبل چمن خوش باد	کہ در چمن ہمہ گلبانگ عاشقانۂ تست
علاج ضعف دل مابلب حوالت کن	کہ آن مفرح یاقوت درخزانۂ تست
بہ تن مقصرم از دولت ملازمت	ولے خلاصہ جان خاک آستانۂ تست
چہ جای من کہ بلرزد سپہر شعبدہ باز	ازین حیل کہ در انبانۂ بہانۂ تست
من آن نیم کہ دہم نقد دل بہرشوخے	درِ خزانہ بمہر تو ونشانۂ تست
تو خود چہ لعبتی ای شہسوار شیرین کار	کہ توسنے چو فلک رام تازیانۂ تست
سرودِ مجلست اکنون فلک برقص آورد	کہ شعر حافظ شیرین سخن ترانۂ تست

شرح میں ہے این غزل درجدائی مرشدست میں کہتا ہوں کہ بعض اشعار کا محبوب حقیقی کے متعلق ہونا زیادہ انسب ہے وقلیل ما ہو۔ رواق سقفے کہ در مقدم خانہ سازند اور شرح میں ہے رواق منظر چشم مردمک دیدہ کذافی اصطلاح الشعراء اب معنی شعر اول کے ظاہر ہیں اور شعر ثانی میں خطاب محبوب حقیقی کو کہا جانا بہتر ہے کہ عارفین کا جاذب اسی کا کمال ہے گو یہ بھی احتمال ہے کہ مرشد کا مرجع العارفین ومحبوب العارفین ہونا بیان کرتے ہوں اور زیر دام ودانہ ہونا کنایہ ہے مخفی ہونے سے معنی یہ ہوئے کہ آپ کے پاس عجب لطائف مخفیہ ہیں مراد ان لطائف سے وہی کمالات ہیں جو کہ جاذب عارفین ہیں اور شعر ثالث میں دعا دیتے ہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ ہمیشہ مشرف بوصال رکھے کہ عالم میں تمام تر آپ ہی کے ارشادات کے فیوض ہیں۔ شعر رابع میں درخواست سخنان لطف کی کہ تعلیم وتلقین بھی اس میں داخل ہے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے امراض باطنی کا علاج ہے بعض امراض مثل حزن ووسوسہ کم توجہی کا تو نفس خطاب اور بعض کا عمل بحسب تعلیم۔ اور شعر خامس میں کہتے ہیں کہ گو ظاہر جسم کے

اعتبار سے میں آپ کی خدمت میں حاضر رہنے سے مقصر ہوں (کیونکہ جدائی کی حالت میں لکھ رہے ہیں) لیکن روح وقلب سے آپ ہی کے آستانہ پر پڑا ہوں اور یہ شعر محبوب حقیقی کے خطاب میں بھی ہوسکتا ہے اور معنی ظاہر ہیں کہ اس سے قرب واتصال جسمانی نہیں ہے کیونکہ اتصال جسمانی موقوف ہے متصلین کی جسمیۃ پر وہو ممتنع۔ اور شعر سادس میں کہتے ہیں کہ میں تو کیا چیز ہوں آپ کی خفی تدبیروں اور خفی حکمتوں سے بڑے بڑے عاقل مدبر عاجز ہیں۔ شاید اس سے مقصود یہ ہو کہ اگر سالک کو کوئی امر ناگوار پیش آئے تو اس کو قرین حکمت سمجھے یا یہ مقصود ہو کہ اپنے تصرفات وغیرہ پر ناز نہ کرے شاید وہ استدراج نہ ہو یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے۔ شعر سابع میں کہتے ہیں کہ میں محبوبان مجازی کے ساتھ دل کو وابستہ نہیں کرتا خزانہ قلب کے دروازہ پر آپ ہی کی مہر اور نشان لگ رہا ہے اس میں مذمت ہے تعلق محبوبان مجازی کی۔ شعر ثامن میں لعبت جو آیا ہے اس کے معنی ہیں کھلونا چونکہ عادۃ کھلونا خوبصورت اور خوبصورتی کی وجہ سے محبوب ہوتا ہے حاصل معنی اس کے محبوب ہوئے یعنی آپ کی محبوبیت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ فلک اتنا بڑا جسم جس پر کسی کی قدرت نہیں چلتی آپ کے تحت القدرۃ ہے اور اس کو محبوبیت کا اثر اس لئے کہنا صحیح ہے کہ قدرت ایک کمال عظیم ہے اور کمال سبب ہے محبوبیت حق تعالیٰ کا پس مسخر قدرت اور مسخر کمال اور مسخر محبوبیت سب کہنا صحیح ہے بالخصوص جب قالتا اتینا طائعین پر نظر کی جائے تو بلاواسطہ بھی مسخر محبوبیت کہنا بےغبار ہے کیونکہ طوع خود حاصل ہے محبت کا۔ یہ شعر محبوب حقیقی ہی کی شان میں ہوسکتا ہے اور شعر تاسع میں اپنے کلام کی کہ وصف معشوق میں ہے مدح کرتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں جو سرود ہوتا ہے اس کا اثر فلک پر بھی ہوتا ہے یعنی جو شئے کسی سے متاثر نہ ہو وہ بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ حافظ کا کلام آپ کے ترانۂ مدح پر مشتمل ہے اور آپ کی مجلس میں اسی کا سرود ہوتا ہے اس میں بیان ہے تاثیر کلمات عشقیہ کا۔

غزل

ساقی بیا کہ یار زرخ پردہ برگرفت	کار چراغ خلوتیان باز درگرفت
آن شمع سرگرفتہ دگر چہرہ برفروخت	وآن پیر سالخوردہ جوانی زسر گرفت

حاشیہ میں ہے واین شعر در حال بسط بعد قبض گفتہ۔ پردہ مفعول برگرفت وضمیر فاعل راجع بسوی یار۔ کار چراغ الخ مراد رونق تازہ گرفت۔ شمع سر گرفتہ و پیر سال خوردہ کنایہ از دل کہ از افسردگی چون شمع کہ قریب مردن باشد نزدیک بود کہ سر در پردہ ظلمت کشد وہمچو پیر ضعیف شدہ بود پس از بسط مسرور شد۔ یا مراد از شمع سر گرفتہ واردات کہ مخفی وسر در گریبان شدہ بودند۔ یا معنی سر گرفتہ آنکہ گل او گرفتہ باشند کہ از ان پس روشن می شود پس مراد برین تقدیر دل باشد وبس واشارہ باین باشد کہ ہمین شانِ بسط بعد قبض می شود مایوس نباید بود واللہ اعلم۔

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی زرہ برفت	وان لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

مفتی سے مراد خواص منکرین اور دشمن سے مراد عوام منکرین یعنی عشق کے آثار ہم پر اس طرح وارد ہوئے کہ خواص مذکورین بھی متاثر ہو گئے اور عوام بھی دم بخود رہ گئے اس اثر کے دوام ترتب کا حکم نہیں کرتے بلکہ احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخالفین پر بھی اثر پڑنے لگتا ہے کما ذکرہ ہہنا۔

زنہار زین عبارت شیرین ودل فریب	گوئی کہ پستۂ تو سخن در شکر گرفت

یہ زنہار استعاذہ کے لئے نہیں بلکہ استعظام کے لئے ہے یعنی اللہ اکبر محبوب کا کلام کس درجہ شیرین ہے گویا اس کے پستہ دہن نے اپنے سخن کو شکر میں لپیٹ رکھا ہے۔ مقصود بیان کرنا ہے ایک کمال محبوب کا تاکہ غیر طالبین کو طلب اور طالبین کو زیادت قلب پیدا ہو۔

بار غمے کہ خاطر ماخستہ کردہ بود	عیسے دمے خدا بفرستاد وبرگرفت

برگرفت یعنی دور کرد آن بار غم را۔ اس میں شکر یہ ہے مرشد کا کہ ان کی ہمت یا تلقین سے قبض رفع ہوا ہوگا۔

ہر سرو قد کہ برمہ وخور حسن می فروخت	چون تو در آمدی پئے کار دگر گرفت

حسن می فروخت یعنی تفاخر می کرد۔ مطلب یہ ہے کہ جو اپنے کو ماہ وخور سے بھی زیادہ حسین سمجھتے تھے جب محبوب حقیقی کا حسن ظاہر ہو گیا وہ اور کام میں لگ گئے کنایہ اس سے ہے کہ دعویٰ چھوڑ دیا اور بہتر ہے کہ اور کام سے مراد عاشقی ہو یعنی وہ خود ہی عاشق ہو گئے پس در آمدی سے مراد در آمدی بر دلہای ایشان اور اگر در آمدی کے معنی ہوں در آمدی بر دلہای

طالبان تو معنی یہ ہوں گے کہ جن طالبین کے سامنے محبوبان مجازی دعویٰ کرتے تھے جب ان طالبین کے قلوب میں آپ کی معرفت ہوگئی اور ان حسینوں نے اپنی بے قدری دیکھی اور امید التفات نہ رہی اپنے دوسرے کام میں لگ گئے۔

زین قصہ ہفت گنبد افلاک پر صدا است	کوتہ نظر ببین کہ سخن مختصر گرفت

این قصہ سے مراد عشق ہے۔ مطلب یہ کہ عشق کا سب میں اثر ہے کوتاہ نظر اس کو صرف بعض آدمیوں ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور ان کو ملامت کرتے ہیں۔ عشق سے مراد مطلق انجذاب الی اللہ خواہ مع الشعور ہو یا بلا شعور اور شعور کے ساتھ خواہ خود اس انجذاب کا ادراک ہو یا نہ ہو اور خواہ بلا واسطہ ہو یا بواسطہ جیسا اس کے قبل بھی بعض جگہ بیان کیا گیا ہے اس تقریر پر اس میں جواب ہوگا لائم کو اور ممکن ہے کہ فضیلت عشق کی بیان کرنا ہو۔

حافظ تو این دعاز کہ آموختی کہ یار	تعویذ کرد شعر ترا وبزر گرفت

دعا سے مراد مطلق کلام کہ مشتمل ہے ثنا پر۔ تعویذ کرد یعنی اور امثل تعویذ شمار کرد یعنی گرامی داشت و بزر گرفت یعنی خرید چنانچہ تعویذ زامی خرند مراد آنکہ شعر را گرامی داشت و بر آن صلہ داد از لطف و کرم خویش۔ اور یار سے مراد اگر محبوب حقیقی ہے تو زکہ میں کاف سے بھی وہی مراد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز عند اللہ مکرم ہو اس کی تعلیم کرنے والا اور کون ہوگا تو نے بھی سوا ان کے کس سے سیکھا ہے یعنی ان ہی سے سیکھا ہے پس مقصود یہ ہوگا کہ جو عمل مبرور صادر ہو جائے وہ ان ہی کا احسان ہے مغرور نہ ہو۔ اور اگر یار سے مراد مرشد ہو تو کاف میں دو احتمال ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا پس مقصود یہ ہوگا کہ مرشد کی عنایت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ کاف سے مراد بھی مرشد ہو اور آموختن ظاہری ہو یعنی یہ ان ہی کی تعلیم و تلقین کا فیض ہے اور آموختن کے اس معنی پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یار سے مراد محبوب حقیقی ہو اور کاف سے مراد مرشد۔

غزل

شنیدہ ام سخن خوش کہ پیر کنعان گفت	فراق یار نہ آن میکند کہ بتوان گفت

حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر	کنایتے ست کہ از روزگار ہجران گفت
نشانِ یارِ سفر کردہ از کہ پرسم باز	کہ ہرچہ گفت برید صبا پریشان گفت
فغانِ کہ آن مہ نامہربان دشمن دوست	بترک صحبت یاران خود چہ آسان گفت
غمِ کہن بمئی سالخوردہ دفع کنید	کہ تخم خوشدلی این ست پیر دہقان گفت
من و مقام رضا بعد ازین و شکر رقیب	کہ دل بدرد تو خو کرد و ترک درمان گفت
گرہ بباد مزن گرچہ برمراد وزد	کہ این سخن بمثل باد با سلیمان گفت
مزن بچون و چرا دم کہ بندۂ مقبل	قبول کرد سخن ہر سخن کہ جانان گفت
بعشوۂ کہ سپہرت دہد زراہ مرو	ترا کہ گفت کہ این زال ترک دستان گفت
بیار بادہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش	لبے حدیث غفور و رحیم و رحمان گفت
کہ گفت حافظ از اندیشۂ تو آمد باز	من این نگفتہ ام آنکس کہ گفت بہتان گفت

یہ غزل حالت قبض پر منطبق ہوتی ہے۔ پیر کنعان یعقوب علیہ السلام اور ہول قیامت روزگار ہجران سے کنایہ اور شعبہ ہونا اس لئے صحیح ہے کہ حقیقت عذاب کی بعد عن الحق ہے اور سب انواع عذاب کے اس کے آثار وطرق ہیں۔ اور سفر کردہ کے معنی ہیں درحجاب شدہ مجازاً کیونکہ سفر سبب ہے حجاب کا۔ اور برید صبا سے مراد ہیں شیوخ غیر محققین جو قبض کی حکمتیں نہیں جانتے اور طرح طرح سے اس کے ازالہ ہی کی تدبیریں کرتے ہیں اور بعض اوقات وہ تدبیریں سب ناکافی ہوتی ہیں کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو قبض ہی سے تربیت مقصود ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ اس استتار کے متعلق کس سے تحقیق کروں کہ ان غیر محققین سے تو کوئی بات جمعیت بخش نہیں ملی پریشان اسی کو کہا (برید بمعنی قاصد) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ غیر محقق سے احوال باطنی میں رجوع نہ کرے اور نامہربان کا ترجمہ ہے قاہر کہ قہر ضد مہر ست اور نعوذ باللہ مطلق مہر کی نفی مقصود نہیں بلکہ خاص اسی معاملہ میں جس میں قہر ہوا ہے ظاہر ہے کہ مہر نہیں ہوا اور یہ باعتبار صورت کے ہے ورنہ قبض بھی عین مہر ہے البتہ

وہ لطف بصورت قہر ہے تنگدلی میں صرف قہر کے پہلو پر نظر پڑتی ہے اور چونکہ محبین کے ساتھ انواع معاملات ابتلاء کے پیش آتے ہیں اور ابتلاء صورۃً خلاف محبت ہے اس لئے دشمن دوست باضافت کہہ دیا یعنی کیسی آسانی سے اپنے محبین سے فراق اختیار کر لیا اور آسان ہونا اس کا ترجمہ ہے و کان ذلک علی اللہ یسیرا آگے ایک تعلیم محققین کی حالت قبض کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان غموں کا اصل علاج عشق ہے یعنی عشق و محبت ہی کو مقصود سمجھو دوسرے ثمرات سے کہ واردات بھی اس میں داخل ہیں قطع نظر کرو اور وہ حاصل ہی ہے پس اگر دوسرے ثمرات نہیں ہیں نہ سہی قال الرومیؒ ۔

روز ہا گر رفت گورو باک نیست	تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

بس اس سے پوری تسلی ہو جاتی ہے گو قبض رفع نہ ہو اسی تسلی کو خوشدلی کہا گیا اور شیخ محقق کو پیر دہقان کہا گیا اور می سالخوردہ چونکہ قوی ہوتی ہے مراد اس سے عشق کامل ہے جس کے آثار میں سے ہے خواہشوں کا فنا ہو جانا آگے بھی گویا اسی مضمون کا اعادہ بعنوان دیگر ہے کہ آئندہ سے میں رضا اختیار کروں گا اور رقیب سے مراد وہی غیر محققین کہ وہ طالب بھی ہیں مگر دوسرے طالب کے لئے موصل الی الحبیب نہیں بلکہ تعلیم ناقص سے طالب کے پریشان کرنے والے ہیں اور یہی شان ہوتی ہے رقیب کی انکا شکر اس لئے ادا کرتے ہیں کہ ان کی تعلیم کے ناکافی ہونے کا تجربہ ہو کر دل یکسو ہو گیا اور تزاید غموم سے کہ ایک غم قبض کا تھا دوسرا تدبیرات کے غیر مفید ہونے کا اور بھی دل کو عادت پڑ گئی اور اخیر میں علاج چھوڑ دیا کہ حقیقت میں یہی علاج تھا اس لئے رقیب کا بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے حصول میں اس کو بھی من وجہ دخل ہے آگے بسط پر مغرور نہ ہونے کو فرماتے ہیں (گرہ بباد زدن تکیہ واعتماد برکار بے بقا کردن کذافی الغیاث) آگے مضمون رضا کا اعادہ ہے اور حالانکہ ظاہراً مقام رضا علی الفعل کا ہے مگر سخن اس لئے کہا کہ کلام خداوندی مین رضا علی الفعل کا امر ہے تو اس کو قبول کرنے سے رضا علی الفعل حاصل ہو گی اور یا جانان سے مراد مرشد یعنی مرشد نے جو یہ علاج بتایا ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آئے مگر مان لینا کہ یہ اطاعت نافع ہو گی اور آگے بھی امر ہے

ترک غرور علی البسط کا اور یہ کہ اسکی کیا دلیل ہے کہ یہ زائل نہ ہوگا اسی کو دستان کہا گیا اور سپہر بمعنی زمان کی طرف نسبت اسناد مجازی الی الزمان ہے پس اس کا فاعل ہونا لازم نہیں آتا اور زال باعتبار کہنہ ہونے کے کہا اور دستان چونکہ لقب زال پدر رستم کا بھی ہے اس لئے اس کی لطافت شاعری ظاہر ہے اور چونکہ اوپر عشق کو علاج بتایا ہے اور اس میں بعضے ناواقف بوجہ اس کے بعض آثار کے شبہ غیر مشروع ہونے کا ڈال دیتے ہیں اور یہ شبہ مانع ہوتا ہے اس کے اختیار کرنے سے اس لئے اس وسوسہ کو دفع کرتے ہیں اور علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر فرضاً ایسا ہو بھی تو نصوص رحمت و مغفرت کے یاد کرو۔ آگے مقطع میں یہ بتلانا ہے کہ قبض وغیرہ کیسے ہی شدائد پیش آئیں محبوب حقیقی یا مرشد سے تعلق قطع نہ کرنا چاہئے ثبات چاہئے۔

غزل

اس میں بیان ہے بعض آثار عشق کا تاکہ عشاق اس کے لئے تیار رہیں اور گھبرائیں نہیں۔

مدامم مست میدارد نسیم جعد گیسویت	خرابم میکند ہردم فریب چشم جادویت

اس میں بیان ہے فریفتگی عاشق کا علی الدوام جو کہ اثر ہے عشق کا۔

پس از چندین شکیبائی شبے یارب توان دیدن	کہ شمع دیدہ افروزیم در محراب ابرویت

توان دیدن مقصود استفہام ست۔ افروزیم صیغۂ جمع متکلم۔ اس میں طلب ہے تجلی کی یا قرب کی اول امر طبعی ہے دوسرا امر عقلی اول تقدیر پر شکیبائی سے مراد قبض ہے اور تقدیر ثانی پر مجاہدہ و مشاق اور اظہار شکیبائی سے دعویٰ مقصود نہیں بلکہ استمالت۔

سواد لوح بینش را عزیز از بہر آن دارم	کہ جان را نسخۂ باشد ز نقش خال ہندویت

لوح بینش مردمک چشم کذا فی الشرح۔ نسخہ صحیفہ ہندو سیاہ۔ ترجمہ لفظی یہ ہے کہ میں پتلی کی سیاہی کو اس لئے محبوب رکھتا ہوں کہ محبوب کے خال سیاہ کا وہ میری ذات کے لئے ایک نمونہ اور دفتر مطالعہ ہے یعنی پتلی چونکہ مشابہ خال محبوب کے ہے اس لئے اس کو عزیز سمجھتا ہوں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ایک اثر عشق کا یہ بھی ہے کہ محبوب سے جن چیزوں کو تعلق ہے ان سے بھی محبت رکھے فی الحدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من

یحبک وحب عمل یقر بنی الی حبک و مثل ذلک۔

تو گر خواہی کہ جاوید آنجہان یکسر بیار آئی	صبارا گو کہ بر دار دز مانے برقع از رویت

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ محبوب کے جمال و کمال کا انکشاف قلوب کی عمارت ونورانیت ہے پس یہ نور بھی اثر عشق کا ہوا کیونکہ اس کا سبب کہ انکشاف ہے خود مسبب ہے محبت سے اور آنجہان سے مراد یا تو عالم ابصار ہے جو اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی اگر خواہی کہ دید ہارا ہمیشہ با نور داری پس پیش دیدہا متجلی بباش۔ اور اگر اس شعر کا ماقبل سے اتصال ملحوظ نہ رکھا جائے تو آنجہان سے مراد ہر وہ مقام ہوگا جہاں تجلی ہو یعنی جس مقام کو منور کرنا ہو اسی مقام میں تجلی فرمایئے پس آن کا مشار الیہ مصرعہ ثانیہ سے مفہوم ہوگا۔

وگر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی	بیفشان زلف تاریزد ہزاران جان زہر مویت

اس میں اس کا بیان ہے کہ تعلق مع اللہ سے حیات جاوید حاصل ہوتی ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ الخ اور حیات سے مراد حیات لذیذہ ہے فلا یرد حیوۃ اہل النار اور یہ حیات بھی اثر عشق کا ہے۔

من و باد صبا مسکین و سرگردان و بے حاصل	من از افسون چشمت مست و او از بوی گیسویت

اس میں بیان ہے عموم آثار عشق کا کہ میری طرح اور بھی عشاق ان آثار سے متاثر ہیں۔

من از لطف صبا دارم سپاس نکہت جانان	وگرنہ کے گذر بودے سحر گاہان ازین سویت

یعنی نکہت جانان جو مجھ تک پہنچ گئی جس کا میں شکرگزار ہوں سو یہ بدولت لطف صبا کے ہے ورنہ محبوب کا ادھر کا ہے کو گزر ہوتا کہ میں بلاواسطہ اس نکہت سے کامیاب ہوگا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مرشد کا شکرگزار ہونا ضروری ہے کہ اس کی بدولت معرفت میسر ہوئی ورنہ بلاواسطہ ہادی کے کسی کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی خواہ وہ ہادی نبی ہو یا ولی یا الہام ملک جس کے پاس نبی وغیرہ نہ پہنچیں اور احیاناً وہ مشرف ہو جائے وقد ذم اللہ تعالیٰ قوما ارادا والوصول بلاواسطۃ فقال وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا اللہ الخ پس نکہت جانان مشکور علیہ ہے مشکور نہیں بلکہ مشکور باد صبا ہے اور یہ بھی ایک اثر ہے محبت کا کہ واسطہ وصول کی شکرگزاری کرے۔

سواد دیدہ ہر وقتی بخون دل ہمی دیدم	عزیزش دارم این ساعت بیاد خال ہندویت

بخون دل ہمی دیدم یعنی دشمن میداشتم کذا فی الحاشیہ۔ یہ شعر ہم معنی ہے اس غزل کے شعر ثالث سواد لوح الخ کا جس کی شرح گزر چکی۔

زہے ہمت کہ حافظ رست از دنیا واز عقبی	نیاید ہیچ در چشمش بجز خاک سر کویت

اس میں بیان ہے عشق کے اس اثر کا کہ دنیا متروک اور عقبی غیر ملتفت الیہ بالذات ہو جاتی ہے۔

غزل

مردم دیدۂ ماجز برخت ناظر نیست	دل سر گشتۂ ماغیر ترا ذاکر نیست

اس میں بضمن حکایت اشارۂ تعلیم ہے طالب کو کہ بجز مطلوب حقیقی کے کسی طرف التفات نہ کرے۔

اشکم احرام طواف حرمت می بندد	گرچہ از خون دل ریش دمی طاہر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ ہجر و پریشانی میں بھی طلب سے تقاعد نہ کرے اور پریشانی کو مانع نہ بنائے جیسے معذور کو حکم ہے کہ گو دم سے طہارت نہ ہو مگر اس کو مانع نہ سمجھے جیسے بعضے لوگ ایسے احوال یعنی ہجر و معذوری میں معطل ہو جاتے ہیں۔

بستۂ دام قفس باد چو مرغ وحشی	طائر سدرہ اگر در طلبت سائر نیست

بستۂ دام بادو عامی ہلاکت ست۔ وطائر سدرہ جبریل مراد سالک۔ وسائر روندہ مراد سائی ومجاہد۔ اس میں تعلیم ہے مجاہدہ وتحمل مشاق کی سلوک میں اور تہدید ہے استحقاق ہلاکت سے اس کے خلاف میں وہذا کقول الرومی ع ہر کہ این آتش ندارد نیست باد۔

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرد نثار	مکنش عیب کہ برنقد روان قادر نیست

اس میں تعلیم ہے کہ عبادات کے کمال پر قادر ہونے کا انتظار نہ کرے جیسے بھی ہو جائے ترک نہ کرے وہی مفتاح مقصود ہو جاتی ہے اور کمال عبادت بھی تدریجاً اسی سے میسر ہو جاتا ہے بہت لوگ اس انتظار میں عمر بھر بطالت میں گرفتار رہے ہیں۔

عاقبت دست برآن سرو بلندش برسد	ہر کرادر طلبش ہمت او قاصر نیست

اس میں تعلیم ہے طلب میں عالی ہمتی کی اور بشارت ہے وصول الی المقصود کی اس کے ذریعہ سے۔

از روان بخشی عیسی نزنم پیش تودم	زانکہ درروح فزائی چودمست قادر نیست

اگر اس میں خطاب محبوب حقیقی کو ہو تو معنی بے تکلف ہیں اور اس میں اس مسئلہ کا بیان ہوجائے گا کہ کمالات ممکن کمال واجب کے سامنے لاشی محض ہیں اور فائدہ اس کی تصریح سے یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن وواجب میں تباین کا اعتقاد واجب ہے۔ اور حلول واتحاد کا اعتقاد باطل۔ اور اگر خطاب مرشد کو ہو تو عیسی سے مراد مجاز اُدوسرے شیوخ جو مدعی احیاء قلوب کے ہیں ان کے زعم کے اعتبار سے ان کو عیسی کہہ دیا پس تعلیم اس کی ہوگی کہ اپنے شیخ کو سب شیوخ سے افضل یعنی نافعیت میں اکمل سمجھے جیسا کہ درروح فزائی کی قید اس کا قرینہ بھی ہوسکتا ہے یعنی تربیت باطنی میں آپ کے برابر نہیں۔ اور مجاز پر محمول کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اعتقاد تفضیل ولی کا نبی پر کفر ہے۔

منکہ از آتش سودای تو آہے نہ زنم	کے توان گفت کہ برداغ دلم صابر نیست

دلم مبتدا وصابر خبر وداغ بلا اضافت ست۔ اس میں تعلیم ہے تحمل وصبر کی اور یہ کہ زیادہ کمال ضبط ہی میں ہے کہ اس میں باطن کی بھی زیادہ ترقی ہے اور ابعد عن الریاء بھی ہے کہ عوام اکثر اہل شورش کو زیادہ کامل سمجھتے ہیں اور جو قادر ہی نہ رہے وہ مستثنیٰ ہے۔ اور بعض نسخوں میں آہے بزنم مطلب یہ ہوجائے گا کہ میں جو کبھی کبھی ایک آدھ آہ کردیتا ہوں تو مجھ کو غیر صابر نہ سمجھا جائے مگر جب طاقت ہی ضبط کی طاق ہوجائے تو مجبوری ہے ورنہ باختیار آہ نہیں کرتا۔ قال الشیخ ۔ تسلیم سردر گریبان برند + چوطاقت نماند گریبان درند+ ۔

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم	کہ پریشانی این سلسلہ راآخرت نیست

روز اول سے مراد جس روز متکلم کو انکشاف آثار عشق کا ہوا ہے یعنی میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کے آثار لاتقف عند حد ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ عشاق کو ہمیشہ ان آثار کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

سر پیوند تو تنہا نہ دل حافظ راست	کیست آنکس سر پیوند تو در خاطر نیست

پیوند وصل مطلب یہ کہ آپ کے بہت عشاق ہیں اس میں تعلیم ہو سکتی ہے اس کی کہ کوئی اپنے عشق و محبت پر ناز نہ کرے یہاں ایسے ایسے بے انتہا ہیں۔

غزل

یہ غزل مرشد کے فراق میں ہو سکتی ہے اور اس میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہو سکتا ہے کہ مرشد سے کمال محبت شرط نفع ہے طبعی ہو یا عقلی۔

بے مہر رخت روز مرا نور نماندہ است	وز عمر مرا جز شب دیجور نماندہ است
ہنگام وداع تو ز بس گریہ کہ کردم	دور از رخ تو چشم مرا نور نماندہ است

دور از رخ تو ترکیب میں حال ہے جس میں کردم عامل ہے اور ضمیر متکلم کی ذوالحال۔ اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ جملہ دعا ہو مطلب یہ کہ میں جو کہہ رہا ہوں چشم مرا نور نماندہ است اور ایک معنی کرای محبوب تم بھی میری چشم ہو تو خدا نہ کرے تمہاری نسبت نہیں کہتا اس بے نوری کو خدا تمہاری ذات سے دور رکھے۔

من بعد چہ سود ار قدمے رنجہ کند دوست	کز جان رمقے در تن رنجور نماندہ است

چہ سود کی وجہ ظاہر ہے کہ تربیت باطن کی بعد مرگ نہیں ہوتی لانقطاع العمل۔

می رفت خیال تو ز چشم من و می گفت	ہیہات ازین گوشہ کہ معمور نماندہ است

خیال سے مراد عکس مرئی کا جو پتلی میں پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسکے لئے محاذاۃ شرط ہے جب محبوب مجوب ہو گیا تو وہ عکس بھی زائل ہو گیا پس کہتے ہیں کہ وہ خیال بھی میرے گوشۂ چشم کے غیر معمور رہنے پر افسوس کرتا تھا مقصود اس ادعا سے مبالغہ ہے اپنی خرابی حالت کے بیان میں۔

نزدیک شد آندم کہ رقیبان تو گویند	دور از درت آن خستۂ رنجور نماندہ است

دور از درت حال ہے یعنی بہت جلد میرے مرنے کی خبر سن لوگے اور رقیبان کی اضافت ضمیر مخاطب کی طرف ادنی ملابستہ سے ہے یعنی رقیبان من کہ در عشق تو شریک من

اند۔ یا بالمعنی اللغوی اضافت مفعول کی طرف بھی ہوسکتی ہے بعض نگہبانان تو ومانعان تو از ملاقات دیگر عشاق۔

وصل تو اجل را از سرم دور ہمین داشت	از دولت ہجر تو کنون دور نماندہ است

حرف از در مصرعہ ثانیہ برای سببیت است یعنی بسبب ہجران۔ اور دولت اس لئے کہا کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست یا دولت لغۃً بمعنی نوبت ہے یعنی پہلے تو وصل کی نوبت تھی اب ہجر کی جو نوبت آئی تو اس کا یہ اثر ہوا جو شعر میں مذکور ہے۔

صبرست مرا چارہ زہجران تو لیکن	چون صبر توان کرد کہ مقدور نماندہ است

یعنی اصل میں تو ہجر کا علاج صبر ہی ہے مگر صبر کیونکر کیا جائے کہ خارج از قدرت ہوگیا ہے۔

در ہجر تو گر چشم مرا آب نماندہ	گو خون جگر ریز کہ معذور نماندہ است

یعنی گو پانی تو آنکھوں کا سب خرچ ہو چکا لیکن اس سے کہئے کہ خون جگر بہا کہ وہ اس سے بھی عذر نہ کرے گا۔ یعنی بعد اشکباری کے خون باری کے لئے تیار ہے۔

حافظ زغم از گریہ نپرداخت بخندہ	ماتم زدہ را داعیۂ سور نماندہ است

داعیہ خواہش وسور جشن وشادی عروسی کنایہ از مسرت۔ اس میں بیان ہے بالکلیہ زوال سرور کا اور علی الدوام شغل گریہ کا۔ اور مصرعہ ثانیہ بطور مثال کے ہے۔

غزل

مدتے شد کآتش سودای او در جان ماست	وین تمنا بین کہ دائم در دل ویران ماست

در مصرعہ ثانیہ ضمیر در رابطہ بسوی تمنا وجملہ دائم الخ صفت تمنا۔ بیان کرتے ہیں اپنے عشق اور تمنائے وصال کا کہ آثار عشق سے ہے۔

مردم چشم بخوناب جگر غرق اندازانکہ	چشمۂ مہر رخش در سینۂ نالاں ماست

یعنی چونکہ اس کا آفتاب رخ میرے سینہ میں ہے اس کے اثر سے میری پتلی خون جگر میں غرق ہے۔ اس میں بیان کرنا ہے اپنی یاد اور گریہ کا۔

آب حیوان قطرۂ از لعل ہمچون شکرش	قرص حوز عکسے زروی آن مہ تابان ماست

یعنی آب حیات اس کے لب سے اور قرص حوز اس کے رخ سے کمتر ہے۔ اس میں بیان ہے محبوب حقیقی کے حسن کے سامنے محبوبان مجازی کے حسن کے کم ہونے کا۔

تا نفخت فیہ من روحی شنیدم شد یقین	برمن این بمعنی کہ ما زان ویم وی زان ماست

یقین بمعنی متیقن و این معنی اسم شد و یقین خبر شد۔ یعنی اس آیت میں جو اضافۃ تشریفیہ ہے اس سے اختصاص آدم علیہ السلام کا حق تعالیٰ کے ساتھ اور ان کے واسطہ سے بنی آدم کا معلوم ہو گیا خصوص جبکہ مطلق انسان کے لئے بھی قرآن میں اسی قسم کی اضافۃ آئی ہے۔ ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ اور ظاہر ہے کہ اختصاص نسبت فی الجانبین ہے اس لئے ما زان ویم و ے زان ماست ثابت ہو گیا۔ مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو بدو خلقت میں شرف و اختصاص اپنی ذات پاک کے ساتھ بخشا ہے اگر کوئی ضائع نہ کرے وہ باقی رہتا ہے ورنہ ضعیف یا زائل ہو جاتا ہے پس اس میں تعلیم ہے اس کو تضیع سے محفوظ رکھنے کی اور تضیع ہوتی ہے غفلت و معصیت سے پس مقصود ان سے نہی کرنا ہے۔

ہر دلے را اطلاعے نیست بر اسرار غیب	محرم این سر معنی دار علوی جان ماست

غیب سے مراد عشق کہ اکثروں سے اس کے اسرار و آثار مخفی ہیں اور معنی دار صفت اول سر کی اور علوی صفت ثانیہ اس کی یعنی یہ جو راز با معنی عالیشان ہے اس سے ہم ہی واقف ہیں شاید مقصود اس سے یہ ہو کہ ناواقفوں کو واقفوں سے دعویٰ ہمسری نہ چاہئے جیسا۔ ہمسری با انبیا بر داشتند + اولیا را ہمچو خود پنداشتند + بلکہ ان سے بہ نیاز و اقتباس فیوض پیش آنا چاہئے۔

چند گوئی ای مذکر شرح دین خاموش باش	دین ما در ہر دو عالم صحبت جانان ماست

یہ مطلب نہیں کہ دین کی شرح سننا نہیں چاہتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تو دین حقیقی کی شرح جانتا نہیں پھر بیان کرنے سے کیا فائدہ تو صرف صورت دین کو جانتا ہے جس میں اعمال بے خلوص و بے معیت حق ہوں ہمارے نزدیک تو دین حقیقی کی روح معیت حق ہے جس سے تو تعرض ہی نہیں کرتا پس اعمال کی نفی بھی نہ ہوئی بلکہ تعلیم ہے خلوص کی کہ شرائط سلوک سے ہے۔

حافظا تا روز آخر شکر این نعمت گذار	کان صنم از روز اول داروی درمان ماست

روز آخر روز مرگ۔ از روز اول یعنی از ابتداء وجود ما۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ سے ہم پر فضل رہا ہے۔ اس میں تعلیم ہے شکر کی کہ واجبات سلوک سے ہے۔

غزل

امروز شاہ انجمن دلبران یکی ست	دلبر اگر ہزار بود دل بر آن یکے ست
من بہر آن یکے دل و دین دادہ ام بباد	عیبم مکن کہ حاصل ہر دو جہان یکے ست
سودائیان عالم پندار را بگوے	سرمایہ گم کنید کہ سود و زیان یکے ست
خلقے زبان بدعوی عشقش کشادہ اند	ای من غلام آنکہ دلش با زبان یکے ست
حافظ بر آستانۂ دولت نہادہ سر	دولت دران سرست کہ با آستان یکے ست

اس غزل میں تعلیم ہے اخلاص کی کہ توحید حقیقی ہے۔ یعنی کوئی محبوب مطلوب نہیں سلطان المحبوبین ایک ہی ہے اور گو ظاہر میں بہت سے محبوب ہیں مگر دل ایک ہی پر ہے (پس بر حرف جار اور آن اسم اشارہ ہے اس میں ارشاد ہے کہ التفات ذات واحد ہی کی طرف چاہئے اور دین کے برباد کرنے کے دو معنے ہو سکتے ہیں یا تو زھد ریائی کہ اخلاص سے ریا مرتفع ہو ہی جائے گا اور یا دین بمعنی ایمان مرادف ہے تصدیق و علم کا اور بعض احوال عشقیہ میں علم و شعور بھی مضمحل ہو جاتا ہے اور حاصل ہر دو جہان کے معنے یہ ہیں کہ چیز یکہ در دو جہان حاصل کردنی ست اور یکے سے مراد وہی جو آن یکے میں مراد ہے اور سودا بمعنی خیال یعنی جن لوگوں نے طاعات سے طرح طرح کے خیال مال و جاہ وغیرہ کے پکار رکھے ہیں ان سے کہہ دیا جائے کہ اس سرمایہ مال و جاہ کو دل سے گم کرو کہ ان کا حصول کہ سود ہے اور عدم حصول کہ زیان ہے سب برابر ہے یعنی طاعت سے اور ہی مقصود ہے خواہ یہ امور ہوں یا نہ ہوں اور نرے دعوے محبت سے کیا ہوتا ہے قلب و لسان میں مواطاۃ ضروری ہے یعنی جس طرح زبان سے اقرار ہے خلوص کا اسی طرح قلب میں بھی خلوص ہونا چاہئے اور حافظ نے تو روی اخلاص

آستانہ پر رکھ چھوڑا ہے وہی شخص بادولت ہے جو اس آستانہ پر سر کو فدا کر دے یعنی دوسرے کی طرف توجہ نہ کرے اور یہ بدون اخلاص کے ہوتا نہیں یعنی اخلاص اختیار کرے۔

غزل

المنة للہ کہ درمیکدہ بازست	زان روکہ مرا بردر اووی نیازست
خمہا ہمہ درجوش وخروش اندز مستی	وان می کہ درآنجاست حقیقت نہ مجازست

یعنی چونکہ میں اس درگاہ میں عجز وزاری رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ دروازہ فیوض مفتوح ہے اور فیوض کا ورود ہے (اس میں اشارہ دو امر کی طرف ہوگیا ایک یہ کہ توجہ رحمت الٰہیہ کے لئے عادۃً توجہ عبد کی شرط ہے قال تعالیٰ انلزمکموھا وانتم لھا کارھون. وقال علیہ السلام ان اللہ لایستجیب الدعاء من قلب لاہ. دوسراامر یہ کہ پھر بھی حق تعالیٰ ہی کا احسان ہے کیونکہ ہمارا عمل ناقص ان کی رحمت کاملہ کے متوجہ ہونے میں موثر نہیں ہوسکتا) اور چونکہ رحمت الٰہیہ متوجہ ہے اس لئے قاسمان فیوض (کہ ملائکہ ہیں یا مرشدین) سب جوش میں ہیں (چنانچہ طالب صادق کو نفع پہنچانے کے لئے سب مستعد ہوتے ہیں ملائکہ عقلاً اور بشر طبعاً بھی) اور جو شراب وہاں ہے وہ حقیقت ہے مجاز نہیں یعنی اس کا اثر دائمی ہے عارضی نہیں مثل خمر ظاہری کے کہ تاثیر اس کی عارضی ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

اس مدح میں ترغیب ہے اس کے تحصیل کی۔

اروی ہمہ مستی و غرورست وتکبر	وزماہمہ بیچارگی وعجز ونیاز ست

مستی وغیرہ سے مراد استغناء بمعنی عدم احتیاج۔ نہ بمعنی بے توجہی وتقابلش بعجز ونیاز ہم قرینہ برآن ست مطلب یہ کہ اس کو ہم سے حاجت نہیں ہم کو اس سے حاجت ہے۔ اس میں عقیدہ کی بھی تصحیح ہے اور اس کی بھی تعلیم ہے کہ محتاج کو طلب میں کمی نہ چاہئے۔

شرح شکن زلف خم اندرخم جانان	کوتہ نتوان کرد کہ این قصہ درازست

شرح مضاف مضاف بہ شکن واو مضاف بزلف واو مضاف بجانان وخم اندر خم صفت زلف ومجموعہ مفعول نتوان کرد۔ مراد اس سے یا تو محبوب کے کمالات ہیں کہ غیر متناہی بالفعل ہیں اور یا آثار عشق کے ہیں کہ لاتقف عندحد ہیں پس یا مدح محبوب کی مقصود ہے اور یا مدح محبت کی ۔

باردل مجنون و خم طرهٔ لیلی ست	رخسارهٔ محمود و کف پای ایازست

بار بمعنی دخل یا بارگاہ۔ مطلب یہ کہ دل مجنون کا مرجع خم زلف لیلی ہے اسی طرح رخسارہ محمود کا قرارگاہ کف پائے ایاز ہے۔ اس میں تعلیم ہے کہ محبّ کو غیر محبوب کی طرف التفات نہ چاہئے اور نیز محبوب کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آنا چاہئے ۔

بردوخته ام دیده چو باز از همه عالم	تا دیدهٔ من بر رُخ زیبای تو بازست

اس کا بھی حاصل وہی ترک التفات الی ماسوی المحبوب ہے اور تشبیہ باز سے اس لئے دی کہ اسکی آنکھیں باندھے رکھتے ہیں شکار کے وقت کھول دیتے ہیں ۔

رازیکه برخلق نهفتیم و نگفتیم	بادوست بگوئیم که او محرم رازست

تعلیم اس کی ہے کہ اپنے حالات باطنی ہر کس و نا کس سے نہ کہے صرف اپنے شیخ یا اس کے مثل کوئی مربی ہو اس ہی سے کہے۔

در کعبهٔ کوی تو هر آنکس که درآید	باقبلهٔ ابروی تو درعین نمازست

اس میں نماز کی روح کا بیان ہے صورت نماز کی نفی نہیں۔ ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص آپ کے کعبہ محبت میں پہنچ گیا وہ آپ کے قبلۂ ابرو کی طرف متوجہ ہو جانے سے عین نماز کے اندر داخل سمجھا جائے گا۔ یعنی روح نماز یہ ہے کہ محبت کے ساتھ متوجہ الی الحق ہو جائے اگر یہ نہیں ہے تو صورت نماز جسد بے معنی ہے پس اس میں تعلیم ہے تکمیل صلوٰۃ کی نہ کہ اکتفاء معنی محض پر کہ صورت کا مفروض ہونا خود منصوص ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہی صورت ہے واذا فات الشرط فات المشروط ۔

ای مجلسیان سوزِ دلِ حافظِ مسکین	از شمع بپرسید که درسوز و گدازست

اس میں بیان اپنے سوز و گداز کا بھی ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ عاشق کے حال کے

ادراک کے لئے عاشقی ہی شرط ہے پس مبادرت الی الانکار خوب نہیں۔

غزل

میر من خوش میروی کاندر سراپا میرمت	ترک من خوش میخرامی پیش بالا میرمت
گفتہ بودی کے بمیری پیشم این تعجیل چیست	خوش تقاضا میکنی پیش تقاضا میرمت
عاشق مہجور مخمورم بت ساقی کجاست	گو خرامان شو کہ پیش قد رعنا میرمت
ایکہ عمری شد کہ تا بیمارم از مژگان تو	تو نگاہے کن کہ پیش چشم شہلا میرمت
گفتۂ لعل منت ہم درد بخشد ہم شفا	گاہ پیش درد گہ پیش مداوا میرمت
خوش خرامان میروی چشم بد از روی تو دور	دارم اندر سر خیال آنکہ در پا میرمت
گرچہ جای حافظ اندر خلوت وصل تو نیست	ای ہمہ جای تو خوش پیش تو ہر جا میرمت

میر من یعنی ای امیر وسردار من پیشم متعلق بمیری۔ این تعجیل جواب ست از عاشق شہلا نوعی ست از نرگس کہ در گل آن بجای زردی سیاہی می باشد مشابہ چشم انسان وشہلا بمعنی چشم سیاہ کہ مائل بسرخی باشد۔ گفتۂ صیغہ مخاطب اس تمام غزل میں اپنی جانبازی کا بیان ہے ہر حالت میں اور محبوب کی ہر ادا میں چنانچہ اشعار میں وہ احوال ومعاملات مختلفہ مذکور ہیں اور جانبازی کو لوازم عشق سے بتلانا یہی فائدہ ہے اس حکایت سے اور ترجمہ ظاہر ہے۔

غزل

کنون کہ می دمد از بوستان نسیم بہشت	من وشراب فرح بخش ویار حور سرشت
چمن حکایت اردی بہشت مے گوید	نہ عاقل ست کہ نسیہ خرید ونقد بہشت
بمی عمارت دل کن کہ این جہان خراب	دران سرست کہ از خاک ما بسازد خشت
وفا مجوی ز دشمن کہ پرتوے ندہد	چو شمع صومعہ افروزی از چراغ کنشت
مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست	کہ آگہست کہ تقدیر برسرش (سرم) چہ نوشت

گدا چرا نہ زند لاف سلطنت امروز	کہ خیمہ سایہ ابرست و بزم گہ لب کشت
قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ	کہ گرچہ غرق گناہ ست میرود بہ بہشت

اس تمام غزل کا حاصل یہ ہے کہ وقت کو مغتنم سمجھ کر کچھ سرمایہ نجات وقرب جمع کر لینا چاہئے۔

اروی بہشت نام ماہ بہار۔نسیہ سے مراد آخرت اور نقد سے دنیا نہیں ہے کہ خلاف سیاق وسباق ہے بلکہ تحمیق ہے مسوف کی کہ وقت کو اگلے اوقات کے دھوکہ میں ٹالتا ہے۔ درآن سرست یعنی درآن خیال ست مطلب یہ کہ یہ عالم درپے اہلاک کے ہے یعنی مرنا یقینی ہے پھر کیوں ٹالتے ہو اور دشمن سے مراد یا تو جہان خراب جو کہ اوپر کے شعر میں مذکور ہے یعنی زمانہ کسی سے وفا نہیں کرتا کہ اس کو ہلاک نہ کرے اور یا نفس وشیطان کہ اعدی عدوک الذی بین جنبیک اور ان الشیطان للانسان عدو مبین مسلم ہے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے دھوکہ میں مت آؤ اور وقت کو مت ٹالو کما قال تعالیٰ و لا یغرنکم باللہ الغرور۔اور پرتوے نہ دہد الخ یہ علت ہے ماقبل کو تشبیہ کے رنگ میں اور پرتوی نہ دہد جزا مقدم ہے اور مصرعہ ثانیہ شرط موخر ہے اور شمع مفعول ہے افروزی کا معنی یہ ہیں کہ اگر صومعہ کی شمع (مراد صومعہ سے مسجد ہے بقرینہ تقابل) بت خانہ کے چراغ سے روشن کرلو تو وہ کچھ نور نہیں دیتا (یہ مطلب نہیں کہ اس میں روشنی نہیں ہوتی) بلکہ مقصود یہ ہے کہ کسی درجہ میں بوجہ قبیح ہونے کے اس فعل میں ظلمت ہے یعنی جس طرح کنشت سے نور لینا مستقبح ہے اسی طرح دشمن سے وفا کی امید رکھنا مستقبح ہے اور اس تشبیہ کا تناسب اس طرح ہے کہ کسی رای پر عمل کرنا گویا اپنی عقل کو اس شخص کی عقل سے نور دینا ہے پس ماخوذ منہ کا شئی مذموم ہونا مشبہ مشبہ بہ دونوں میں مشترک ہے۔نامہ سیاہی میں یا مصدری ہے یعنی نامہ سیاہ شدن بمعنی گنہگاری مطلب یہ کہ معاصی پر مجھ کو ملامت مت کرو (یعنی ایسی ملامت جس میں بوی تحقیر وترفع آئے) اور کاف سر مصرعہ ثانیہ پر کدامیہ ہے اور سرش کی ضمیر مست کی طرف ہے اور بعض نسخوں میں سرم ہے اور وہ بہت ظاہر ہے اور اس کا حاصل حدیث کا مضمون ہے الاعمال بالخواتیم اس کی مناسبت اس مقام سے یہ ہوگی کہ خود اپنی عمر کو غنیمت سمجھ کر کام میں لگو

دوسروں کے درپے کیوں ہوئے کہ بے سود ہے اور یا مقصود یہ ہو کہ میں نے اپنے لئے ذخیرہ بنانے کو عشق تجویز کیا تو اس پر خشک مزاج ملامت کرنے لگے جیسا کہ بعض افعال یا اقوال مستی میں اس قسم کے صادر ہو جاتے ہیں اور گو وہ گناہ نہیں مگر بزعم معترض اس کو تعلیم کر کے جواب دیا تقریر جواب کی ظاہر ہے اور میں کہ گدا ہوں مثل لاف سلطنت کے کیوں نہ مسرور ہوں کہ موقع دولت عشق حاصل کرنے کا میسر ہے پس خیمہ الخ اس سے کنایہ ہے۔ آگے مقطع میں ارشاد اس کا ہے کہ اہل معصیت یا اہل ملامت کو حقیر نہ سمجھو اور اس کا حاصل بھی وہی دونوں امر ہو سکتے ہیں جو شعر لکن الخ کی شرح میں مذکور ہوئے ہیں۔

لطیفہ بعض حواشی میں شعر مقطع کے متعلق ایک قصہ عجیب لکھا ہے جو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔ منقول ست کہ حافظ ازین جہان رحلت فرمود مردمان بسبب اعمال رندانہ او بنماز جنازہ نمی پرداختند ناگہان شخصے گفت کہ این رند بر پارہائے سفال چیزے می نوشت و در سبوی انداخت از سبو پارہ سفال بردارید ہرچہ دران نوشتہ یابید برآن عمل کنید چون این امر قرار یافت یکے از ینان ازان سبو پارۂ سفال برآورد چون دیدند ہمین شعر نوشتہ یافتند ازان وقت معتقد حافظ شدند واز جملہ اشعارش دیوان مرتب کردند ونماز جنازہ خواندند۔ انتہی۔

ردیف الثاء

غزل

درد مارا نیست درمان الغیاث	ہجر مارانیست پایان الغیاث
دین و دل بردند و قصد جان کنند	الغیاث از جور خوبان الغیاث
در بہائے بوسۃ جانے طلب	میکنند این دلستانان الغیاث
خون ماخوردند این کافر دلان	ای مسلمانان چہ درمان الغیاث
داد مسکینان بدہ اے روز فضل	از شب یلدای ہجران الغیاث
ہر زمانم درد دیگر میرسد	زین حریفان بردل وجان الغیاث

ہمچو حافظ روز وشب بیخویشتن	گشتہ ام سوزان و گریان الغیاث

شعر اول حالت قبض کا معلوم ہوتا ہے شعر ثانی میں بھی اسی سے تنگدلی کا اظہار ہے کہ اس میں جان جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جور کے معنے لغوی مراد نہیں کہ ترک عدل ہے بلکہ محض بمعنی قہر کے ہے گو صورۃً ہی ہو اور معنیً لطف ہو۔ اور خوبان کی جمعیت جنسیت کے لئے ہے اور دین سے مراد زہد ہے گو صادق ہی ہو کہ عشق کے غلبہ سے اس کے آثار بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اور شعر ثالث میں بوسہ سے مراد تجلی مشروط بفنا ہے اور چونکہ وہ موقوف ہے فنا پر اس لئے در بہائے الخ کہا گیا۔ اور جانے مفعول ہے اپنے مابعد کے فعل کا اور طلب می کنند ایک فعل ہے اور شعر رابع میں کافردلاں کے معنی ہیں سنگین دلان **لانهم قيل فيهم ثم قست قلوبكم من بعد ذلك فهي كالحجارة** کنایہ ہے استغناء وعدم تاثر سے پس نظر باعتبار معنی لغوی کے اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں جیسا صمد اسماء الٰہیہ سے ہے اور ماخذ اس کا لغۃً وہ ہے جو قاموس میں ہے **الصمدة صخرة راسة في الارض مستوية بها او مرتفعة** اور لفظ کفر بھی لغۃً قبیح نہیں قال تعالیٰ **فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله** اور اگر اس شعر کو محبوبان مجازی کے حق میں کہہ دیا جائے اور غرض اس کی تنفیر کہی جائے تا کہ ان سے اعراض کریں تو یہ اشکالات راساً متوجہ ہی نہ ہوں گے گو سیاق وسباق کے اعتبار سے قدرے بعید ہے اور قدرے اس لئے کہا کہ غزل میں ہر شعر مستقل ہوتا ہے تو بہت زیادہ بعید نہیں۔ اور شعر خامس میں روز فضل سے مراد روز وصل ہے بقرینہ تقابل کے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کو کہ وصل محض فضل ہے استحقاق سے نہیں۔ اور شعر سادس میں حریفان کے معنی ہیں یاران اور جمعیت جنس کے لئے ہے۔ اور شعر سابع میں بیخویشتن بمعنی بیخود حال ہے۔

ردیف الجیم

غزل

سزد کہ ازہمۂ دلبران ستانی باج	چرا کہ برسر خوبان عالمی چون تاج
دو چشم شوخ تو برہم زدہ خطا وختن	بچین زلف تو ماچین وہند دادہ خراج
بیاض روی تو روشن چو عارض خورشید	سواد زلف تو تاریکتر ز ظلمت داج
لب تو خضر ودہان تو آب حیوان ست	قد تو سرو ومیان تو موی وگردن عاج

داج شب تاریک دراصل داجی بودہ۔ مقصود مشترک ان اشعار کا تفضیل ہے محبوب کی دوسرے محبوبوں پر سب صفات میں اور واجب کا فضل ممکن پر ظاہر ہے اور غرض اس سے تزہید ہے غیر اللہ سے۔

ازین مرض بحقیقت کجا شفا یابم	کہ از تو درد دل من نمیرسد بعلاج

مصرعہ ثانیہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم میرا علاج نہیں کرسکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے میرے درددل کے علاج کی نوبت نہیں پہنچتی یعنی میرا علاج نہیں کرتے پھر اور کس طرح شفا ہوگی کیونکہ شفا تو آپ ہی کے علاج میں منحصر تھی۔ یہ تنگی ہے خاص حالات وواردات کے انقطاع سے۔

دہان تنگ تو دادہ بآب خضر بقا	لب چوقند تو برداز نبات مصر رواج

اس شعر کا بھی وہی مطلب ہے جو اول کے اشعار چارگانہ کا۔

چرا ہمی شکنی جان من زسنگدلی	دل ضعیف کہ ہست او بناز کی چوز جاج

چرا اعتراض کے لئے نہیں بلکہ استفادہ حکمت کے لئے ہے اور جان من منادی ہے اور دل ضعیف مفعول ہے می شکنی کا۔ زجاج کانچ۔ سنگدلی کی تحقیق اس سے اوپر کی غزل میں گزر چکی ہے اور زجاج سے تشبیہ بوجہ ضعف کے ہے خلق الانسان ضعیفاً اس میں نص ہے۔ باقی تقریر شعر کی ظاہر ہے۔

فتادہ دردل حافظ ہوائے چونتوشہے	کمینہ بندہ خاک درتو بودے کاج

کاج بمعنی کاش۔ مصرعہ اول میں اظہار ہے اپنے عشق کا اور مصرعہ ثانیہ میں تمنا ہے عنایت کی یعنی کاش آپ کے ملازمان درگاہ میں داخل اور شمار ہوتا گو ادنیٰ ہی درجہ میں سہی۔

ردیف الحاء

غزل

اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح	صلاح ماہمہ آن ست کان تراست صلاح

اس میں رضا و تسلیم کا اظہار ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ شدائد و مکارہ میں بھی حکمت ہوتی ہے اس پر بھی رضا چاہئے۔

سواد موی تو تفسیر جاعل الظلمات	بیاض روی توتبیان فالق الاصباح

مقصود اس سے کمال بیان کرنا ہے صفات محبوب کا۔ تقریر ظاہر ہے۔

زدیدہ ام شدہ صد چشم درکنار روان	کہ خود شنا نکند درمیان آن ملاح

یعنی اتنا پانی نکلا ہے کہ اس میں ملاح بھی جو کہ شناوری میں کامل ہوتا ہے شناوری نہیں کرسکتا۔ مقصود بیان کرنا ہے کثرت گریہ کا جو کہ بعض احوال کے طاری ہونے سے واقع ہوتا ہے۔

لب چوآب حیات تو ہست قوت روح	وجود خاکی مارا ازوست قوت راح

راح شراب یعنی قوتیکہ از شراب حاصل می شود۔ اس میں بیان ہے صفت قیومیت کا جس کا استحضار و مراقبہ معین ہے کمال توحید کا۔

زچنگ زلف کمندت کسے نیافت خلاص	نہ از کما نچۂ ابروو تیر غمزہ نجاح

یعنی نجاح نیافت۔ بیان کرنا ہے کمال محبوبیت اور اس پر عموم محبیت کے مرتب ہونے کا بمعنی کثرت محبین یا استیعاب جبکہ محبت کو بواسطہ وبلا واسطہ ومع الادراک وبلا ادراک سے عام لیا جائے کماذکر غیر مرۃ۔

بیا کہ خون دل خویشتن تجل کردم	اگر بمذہب تو خون عاشق ست مباح

یعنی بیا وقتل کن اس سے وہی مقصود ہے جو مطلع کے شعر سے مقصود ہے۔

نداد لعل لبش بوسہ بصد تلبیس	نیافت کام دل من از وبصد الحاح

لعل لبش فاعل نداد و بوسہ مفعول و مراد بتلبیس تملق مجازاً کہ از جانب طالب باشد و کام مفعول نیافت و دل فاعل او۔ مقصود دونوں جملوں سے باوجود طلب واہتمام کے اپنی ناکامی کا بیان کرنا ہے جس کی وجہ واقع میں یہ ہوتی ہے کہ طالب کی بعض خاص خواہش اس کی مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کماذکر غیر مرۃ۔

صلاح و توبہ وتقوے زما مجو زاہد	زرندو عاشق ومجنون کسے نہ جست صلاح

اس کا حاصل وہی ہے جو بارہا مذکور ہوا ہے کہ ہر طالب کا مذاق جدا ہوتا ہے دوسرا طریق اس کے لئے مناسب نہیں ہوتا۔

پیالہ چیست کہ بریاد تو کشیم قدح	ونحن نشرب شرباً کذالک الاقداح

پیالہ جام صغیر بقرینہ مقابلہ قدح کہ پیالہ بزرگ باشد کمافی الغیاث۔ شرباً مفعول مطلق ست از نشرب والاقداح مفعول بہ است مراد راد معنی کذلک ای علی الدوام مقصود اس سے طلب ترقی ہے مراتب قرب ووصول میں اور اشارہ ہے اس کی تعلیم کی طرف کہ طالب کو ایسا ہی چاہئے اور یہ ترقی موقوف ہے استقامت علی العمل والمجاہدہ پر پس اس میں بھی فتور وخلل نہ ڈالے قال الرومیؒ ای برادر بے نہایت در گہیست + ہرچہ بروے میرسی بروے مایست۔

دعای جان تو ورد زبان حافظ باد	مدام تا کہ بود گردش مساو صباح

دعا بمعنی ثناء و جان بمعنی نفس و ذات۔ شاید اس میں اشارہ ہو استقامت علی العمل والمجاہدہ کی طرف جو موقوف علیہ ہے ترقی مراتب قرب ووصول کا جس کی تقریر اوپر گزر چکی۔

غزل

ببین ہلال محرم بخواہ ساغر راح	کہ ماہ امن وامان ست وسال صلح وصلاح
عزیز دار زمان وصال راکا ندم	مقابل شب قدرست وروز استفتاح
نزاع برسر دنیای دون کسے نکند	بآشتی ببرای نوردیدہ گوے فلاح
دلاتو فارغی از کار خویش ومی ترسم	کہ کس درت نکشاید چوگم کنی مفتاح
بیار بادہ کہ روزش بخیر خواہد بود	ہر آنکہ جام صبوحش نہد چراغ صباح

ان اشعار میں ترغیب ہے عمر کو غنیمت سمجھنے کی اور عمل میں سعی کرنے کی اور ماہ محرم سے سال شروع ہوتا ہے اور نیز وہ اشہر حرم سے ہے جس میں امن وامان ہوتا ہے پس یہ کنایہ ہے اس سے کہ ابھی تمہاری عمر کی ابتداء ہے۔ بایں بمعنی کہ ختم نہیں ہوئی اور وقت بھی امن وامان کا ہے کہ کوئی مزاحم عمل کا نہیں جس کی ایک وجہ بھی مناسب مقام مقطع سے پہلے شعر میں مذکور ہے کہ شاہ عادل کی حکومت کا زمانہ ہے اور زمان وصال سے مراد زمانہ امکان وصال یعنی مہلت عمل اور مقابل بمعنی مماثل۔ اور روز استفتاح کہتے ہیں پانزدہم رجب کو جس کی وجہ تسمیہ غیاث میں اس طرح لکھی ہے درِ رحمت ودرہای بہشت درین روز کشادہ می شود ودر کعبہ نیز بجہت زائران کشادہ می شود۔ وبعضے گویند کہ زبان عیسٰی علیہ السلام درین روز کشادہ شد میں کہتا ہوں اول وجہ غالباً بناء علی المشہور ہے ورنہ کوئی روایت اس کے متعلق نظر سے نہیں گزری تقریر دونوں شعروں کی ظاہر ہے چونکہ اکثر حرص دنیا مانع ہوجاتی ہے سعی للا خرۃ سے اس لئے نزاع الخ میں اس کی مذمت کردی اور مراد کسی نہ کند سے یہ ہے کہ کس کہ معتد بہ باشد نکند اور گوی مفعول ہے ببر کا گوی بردن فعل مشہور ہے۔ اور لا الخ میں ایقاظ ہے غفلت سے۔ اور مفتاح سے مراد عمر ہے کہ مفتاح عمل ہے یعنی اگر یوں ہی ختم ہوگئی تو پھر باب سعادت مفتوح نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ **ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی**۔ آگے بیار بادہ الخ میں عمل کے لئے اپنی مستعدی ظاہر کررہے ہیں تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو خصوصاً اس مستعدی کی جو علت بیان فرمائی وہ تو ترغیب عام ہی کے لئے موضوع ہے اور مصرعہ اولی میں

روز سے مراد روز حشر لینا بہتر ہے اور مصرعہ ثانیہ میں جام صبوح سے مراد عشق ومحبت اور چراغ صباح سے مراد آفتاب اور ضمیر شین کی راجع ہر آنکہ کی طرف اور چونکہ آفتاب نکلتا ہے شب کے ختم ہونے پر اس لئے بقول بعض محشین یہ کنایہ ہے دم واپسین سے یعنی ہر کس کہ جام صبوح پیش او چراغ صباح نہد روزش بخیر باشد مطلب یہ کہ ہر کرا عشق ومحبت دم واپسین پیش آردر وزحشرش بخیر خواہد بود حاصل یہ ہوا کہ روز مرگ اسی حالت میں آجائے کہ وہ مشغول بعمل و طاعت ہو کما قال تعالیٰ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

لطیفہ ان اشعار کی شرح لکھنے کی تاریخ اتفاق سے ۳ یا ۴ محرم ہے علی اختلاف الحسابین کہ ان شبوں تک کا ماہ ہلال کہلاتا ہے (الی سبع فی قول) پس بہین ہلال محرم کی شرح کا اس تاریخ میں لکھا جانا ایک اتفاق غریب ہے۔

کدام طاعت شائستہ آید از من مست	کہ رنگ صبح ندانم زفالق الاصباح

اس میں تنبیہ ہے کہ عمل وسعی کر کے مغرور نہ ہو بلکہ خاتمہ سے ڈرتا رہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ مجھ سے کوئی اطاعت شائستہ خاتمہ کے وقت صادر ہوگی یا نہ ہوگی کیونکہ صبح کا یعنی دم واپسیں کا (کما ذکر فی شرح شعر قبلہ) رنگ ڈھنگ معلوم نہیں کہ فالق الاصباح کی جانب سے کس طرح ظاہر ہو اور مست بمعنی حیران یا تو اس ندانستن کی وجہ سے کہا یا بوجہ خائف ہونے کے کہا کما فی قولہ تعالیٰ وتری الناس سکاری الخ۔

زمان شاہ شجاع ست ودور حکمت شرع	براحت ای دل وجان کوش در مسا وصباح

اول کے اشعار کی تاکید ہے کہ زمانہ شاہ عادل ومتشرع کا ہے کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا خوب راحت سے عمل میں سعی کرتے رہو۔

بوی صبح چو حافظ شبے بروز آور	کہ بشگفد گل عیشت زشعلۂ مصباح

شعلہ مصباح کنایہ آفتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اپنی عمر کو کہ زمانہ ہجران ہے بامید صبح وصل کے کہ روز واپسین نصیب ہوگا ختم کردو (اور رجاء وامید کے لوازم میں سے ہے عمل) کہ ایسا کرنے سے آفتاب نکلتے ہی تمہارا گل عیش شگفتہ ہوگا یعنی کامیاب ہوگے۔

ردیف الخاء

غزل

دل من درہوای روے فرخ	بود اشفتہ ہمچون موے فرخ
بجز ہندوی زلفش ہیچ کس نیست	کہ برخوردارشد ازروے فرخ
سیاہ نیک بخت ست آنکہ دائم	بود ہمراز و ہمزا نوے فرخ
شود چون بید لرزان سرو آزاد	اگر بیند قد دلجوے فرخ
بدہ ساقی شراب ارغوانی	بیاد نرگس جادوے فرخ
دو تا شد قامتم ہمچون کمانے	زغم پیوستہ چون ابروے فرخ
نسیم مشک تاتاری خجل کرد	شمیم موی عنبر بوے فرخ
اگر میل دل ہر کس بجائے ست	بود میل دل من سوے فرخ
غلام خاطر آنم کہ باشد	چو حافظ چاکر ہندوے فرخ

فرخ کی نسبت محشین وشراح نے لکھا ہے نام شخصے کہ گوشہ خاطر حافظ بظاہر متعلق باد بود پس اس صورت میں یہ بہتر ہے کہ اس غزل کو ابتدائی زمانہ یعنی قبل حصول عشق حقیقی پر محمول کیا جائے اور اگر فرخ سے مراد مطلق محبوب ہو جیسا محاورات میں لیلیٰ اور سلمیٰ اور شیرین اور عذرا سے مطلق محبوب مراد ہوتا ہے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں۔ اور شعر ثالث میں سیاہ نیک بخت است خبر مقدم ہے اور آنکہ الخ مبتدا مؤخر ہے نہ کہ بالعکس لفساد المعنی اور مراد اس سے زلف ہے اور مطلب اس کا اور شعر ثانی کا متحد ہے اور نسیم مشک تاتاری مفعول ہے خجل کرد کا اور شمیم الخ فاعل ہے اس کا۔ اور شعر متصل بالمقطع میں اشارہ ہے وحدت مطلوب یا وحدت مطلب کی طرف۔ اور مقطع میں اشارہ اس طرف ہے کہ محبوب کے متعلقین و منتسبین سے محبت رکھنا عین محبت محبوب ہے یؤیدہ حدیث اللھم ارزقنی حبک وحب من یحبک۔ باقی اشعار کی تقریر مطلب ظاہر ہے۔

عرض حال

ردیف الخاء المعجمہ کے ختم تک دیوان حافظ ایک خمس وقدرے زائد ہے چونکہ زیادہ مقصود اس شرح کے شروع کرنے سے صرف یہ امر تھا کہ اس کلام کا طرز معلوم ہو جائے تاکہ مطالعین دیوان اغلاط وزلات اعتقادیہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں اور ایک بڑی کتاب کا خمس ایک معتدبہ مقدار ہے جس کی شرح سے مقصود مذکور باحسن واکمل وجوہ حاصل ہوسکتا ہے اور جس کی قوت سے بقیہ کا حل بھی ذرا تدبر سے ممکن ہے اور اسی بناء پر خود ان اجزاء موجودہ میں بھی اخیر کی غزلوں کی شرح میں کسی قدر اختصار ہو گیا ہے کیونکہ اول میں مسائل سانیب کلام کا تفصیلی حل مابعد کے اجمالی حل کے لئے مغنی سمجھا گیا غرض اسی ردیف الخاء سے آگے لکھنے کا ارادہ نہ تھا سو جس طرح کلید مثنوی ایک دفتر کا جو کہ سدس المجموع ہے حل اور شرح ہے اسی طرح بحمد اللہ اس شرح سے بھی ایک خمس دیوان کا حل بقدر ضرورت ہو گیا جس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ علاوہ مناسبت طرز دیوان کے خود مسائل کثیرہ نافعہ فن معلوم ہو جائیں گے پس اب اسی عرض حال پر شرح ہذا کو ختم کرتا ہوں مگر چونکہ اتفاق سے اس کا خاتمہ ایسی غزل پر ہوا ہے جو کہ ظاہراً ایک محبوب مجازی کے متعلق ہے اس لئے بنظر جلالت شان دیوان کہ سراسر حقیقت وعرفان ہے مناسب معلوم ہوا کہ ردیف الدال کے چند اشعار جو کہ عرفان سے لبریز اور محبوب حقیقی کے عشق انگیز ہیں اس مقام ختم پر درج کر دیئے جائیں اور چونکہ ردیف الدال متن کے نسخہ میں اور غزل سے اور شرح بدر الشروح کے نسخہ میں اور غزل سے شروع ہے اس لئے دونوں غزلوں کے تین تین شعر اول اور آخر اور وسط کے تبرکاً نقل کر کے اس عرض حال کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اور منتفعین بالکتاب کے خاتمہ بالخیر کے لئے دعا کرتا ہوں۔

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ متن

ابر آذاری بر آمد بادنو روزی وزید	دورمی میخواہم ومطرب کہ میگوید رسید
غالبًا خواہد کشود از دولتم کاریکہ دوش	من نمی کردم دعا وصبح آمین میدمید
تیر عاشق کش ندانم بردل حافظ کہ زد	این[1] قدر دانم کہ از شعر ترش خون میچکید

اشعار غزل اول ردیف الدال موافق نسخہ شرح

آنانکہ[2] خاک رابنظر کیمیا کنند	آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
بے معرفت مباش کہ درمن یزید عشق	اہل نظر معاملہ با آشنا کنند
حافظ مدام وصل میسر نمی شود	شاہان کم التفات بحال گدا کنند

وكان هذا فى اليوم الرابع من شهر الله المحرم ۱۳۲۷ هجرية فى بلدة تهانه بهون صينت من الفتن وصلى الله تعالىٰ علےٰ خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين فى السر والعلن.

---

[1] منجملہ لطائف آنست کہ ابتدای کلام حافظ واین شعر مقارب المعنی ہستند پس ختم برین نہایت لطافت دارد ۱۲ منہ

[2] در ختم بر شعر ہذا ہم لطیفہ ایست وآن اینکہ از بعضے ثقات شنیدہ ام کہ در بدو حال حافظ تا آن گاہ کہ بمرشدی کامل نہ سیاہ بودند بالہام الٰہی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ برای تربیت باطن حافظ در شیراز تشریف آوردند وحافظ راطلبیدند پس ژولیدہ حال وختہ بال آمد نظر بر شیخ افتادن ہمان بود این شعر بر زبان روان شدن ہمان حضرت شیخ توجہ خاص نمودند والقاء نسب راہ خود گرفتند از ان وقت حافظ راکمالات وحالات روز افزون رونمود پس ختم برین شعر کہ ابتدای عرفان از ہمیں ونہایت مناسبت دارد ۱۲ منہ

تائيد الحقيقة بالآيات العتيقة

بسم الله الرحمٰن الرحيم

حمدًا وسلامًا دائمين اعلم وفقنی ووفقک الله تعالٰی المعرفة الحقيقة والتحقيق بها انی لما فرغت من تاليف رسالة حقيقة الطريقة اتفق لی بعد برهة من الزمان السفر الی بها ولفورحسين مضی ار بعة من شهر من سنه ۱۳۲۷ للهجرة فعثرت هناک علی کتاب سماه الکاتب فی الفهرس شواهد احکام الصوفية من القرآن ففرحت بمطالعة لما رأيته موافقا لغرضی من الرسالة لمذکورة واستعرته من مالکه فاعارنی بارک الله فيه فعدت معه الی الوطن ورايت ان اليها بعد تلخيصه لما فيه من الطول فی بعض المطالب وخفاء الاستدلال فی بعضها وحيث مست الحاجة الی تصرف فيه سوی التلخيص من زيادة قليلة او تغيير يسير احطته بقوسين وسميته تائيد الحقيقة بالأيٰت العتيقة فبعونه ابتداء والی المبلغ انتهائی

سورة البقره: قوله تعالی والله محيط با لکفرين وقال فی آيات اخرو کان الله بکل شیء محيطا وان ربی بما يعملون محيط وان ربک احاط بالناس واحاط بما لديهم وهذه الايات کلها دالة علی صحة قول من يقول من العلماء الصوفية ان الله تعالٰی بکل مکان غير انهم لايعلمون کيفية کون مکان الله (ای يقولون بالاحاطة الذاتية لابمحض الاحاطة الصفاتية کاهل الظاهر) وليس من ضرورة الاحاطة ان يکون المحيط والمحاط عليه جسما وانما تفسير الاحاطة ان لايکون المحاط عليه بعيد امن المحيط ولا المحيط بعيدا منه.

ثم ان ذلک مشهورين مشايخ الصوفية کلهم نحوجنيد والشبلی و ابن عطاء وغيرهم.

روی عن جنيد انه تکلم عنده رجل فاشار الی السماء فقال لاتشر الی السماء فانه معک فهذا دليل علی انه ماخصص مکان الله تعالٰی بالعرش ولا بجهة

دون جهة فافهم (ويكون الاستواء على العرش متشابها او ماولا على اختلاف المسلكين وورد فى الحديث اطلاق المكان حيث قال وارتفاع مكانى) قوله تعالىٰ ادخلوا فى السلم كافه.

اعلم ان السلم فى التصوف هو موت النفس عن الصفات الذميمة وعن الدنيا والأخرة مع انه حى قائم لايتحرک ولا يسكن الا لله تعالىٰ وماهو خلاف ذلک ليس بسلم لان الخصومة قائمة بقدر مالم تمت وشرطنا ان يكون ذلک السلم حال حيوته لان هذا خطاب الاحياء فى الدنيا باقامة التكاليف دون اهل المقابر قوله تعالىٰ والله يقبض ويبسط يقبض احياء ه عن كل ماسواه ويبسط هم اليه وهو الجذبة فافهم (يعنى ان الاية بعموم لفظها يشمل هذا القبض والبسط كما انها تشمل قبض الواردات وبسطها ايض.

قوله تعالىٰ قال بلىٰ ولكن ليطمئن قلبى وهٰذا دليل على ان الايمان يزيد فيصير طمانينة وهو الذى يسيمه الصوفية يقينا ثم تلک الزيادة يكون بالروية والوجدان وهذه الاية داله على ان الايمان مع الشک (اى عدم حصول الاطمينان) كائن ولا ينفيه الشک وذلک فى قوله تعالىٰ فان كنت فى شک مما انزلنا اليک الأية (وفى قوله عليه السلام نحن احق بالشک من ابراهيم قلت وهو احسن تفاسير الشک.

سورة ال عمران: قوله تعالىٰ ويحذركم الله نفسه وهذه الاية وامثالها دالة ظاهرة على صدق مقالة مشائخ حيث قالوا ان العارف لا يخاف الا ذاته تعالىٰ ولا يخاف عذاب النار ولا فوات نعيم الجنة ولا الدنيا بجميع ما فيها ويدل على مثل ذلک ايضا. قول النبى صلى الله عليه وسلم اللهم انى اعوذبک منک قوله تعالىٰ والى الله المصير يعنى الى الله نفسه وذاته مصير كل بروفاجر وكل قريب وبعيد فاما الفاجر فمسيره السعير يسجير االغضب المصعر يحطب السخط والا ولانتقام فيه المقلب من الحق تعالىٰ وكل ذلک صفات الله تعالى واما مصير الابرار الى الله تعالىٰ فى والسلام والى الدرجات العلى.

قوله تعالى قل ان كنتم تحبون الله المحبة اصلها الا رادة فتمنوا وتزد اد الى ان تصير محبة ثم لاتزال تزداد حتى تكمل اما الشوق والعشق يعنى محبة ملتهبة والالتهاب انا يحصل عندازدياد المحبة مع فقد الوصال فان حصل الوصال زال الا لتهاب ولا يزال يزداد لمن يزداد حتى يكمل واذ اكمل مع

الوصال فهو الرضوان وليس الشوق والالتهاب ان يكون المحبة كاملة بل ربما يكون ناقصة ومع هذا يلتهب التهابا محرقا لفقد الوصال فافهم.

قوله تعالى انى نذرت لک مافی بطنی محررا یعنی عبدا خالصا عن کل شیء سوی عبودیتک یقال طین.

حرای خالص صاف والحرية اعلى مقامات الاولياء فى العبودية وغلط اهل الاباحة ظنوا بذلک حربه النفس عن عبودية الحق بارتفاع التكاليف عنه هذا باطل تنقوها من الشهوه والهوى فان الحرية كمال العبودية صفاءً وخلوصاً.

قوله تعالى قال یمریم انی لک هذا انه کان ذلک الرزق فاكهة لمريم صلوات الله عليها ولم تكن نبية فدل على ان ذلک کرامة لها وليس معجزة لزكريا النبی علیه السلام لان زكريا لم يعلم بذلک وتعجب ولم تقل معجزتک.

قوله تعالى حاكيا وابرئ الاكمه والابرص واحيى الموتى وهذا يدل على صحة ما قال المشايخ ان العبد يتخلق باخلاق الله اضاف ابراء الاكمه والابرص واحياء الموتى الى عيسى عليه السلام وقيد باذن الله وهذا عند مشايخ الصوفيه غير حال ان يقدر الله من شاء من عباده على ذلک.

قوله تعالیٰ لایتخذ بعضنا بعضًا ارباباً من دون الله هذه الاية دالة علىٰ بطلان قول الحلولية من الصوفية يقولون ان الانسان الفاهم العالم العامل هو الرب القائم فی شخص الانسان اذا یری شینا فانما یری الرب بالرب ويسمع الرب بالرب ويعلم الرب بالرب وهنا اثبت الوحد انية ومن قال بالحلول قال باكثر من واحد قوله تعالى ولكن كونوا ربانيين اى كونوا متخلقين باخلاق ربكم مبصرين ببصائر قلوبكم والربانى منسوب الى الرب تعالى بالعبودية له (فكون العبد ربا مستحيل وكونه ربانيا مطلوب جميل.

قوله تعالیٰ ولا يامركم ان تتخذوا الملئكة والنبيين اربابا المشايخ قالوا ان اتخاذ الملئكة اربابا هو ذكرهم بالقلب له والالتفات اليهم بخاطر القلب وخطرات السر.

قال ابن عطاء ایاک ان تلاحظ مخلوقا وانت تجد الى ملاحظة الحق سبيلا.

قال الواسطى فى هذه الايه لايخطرک باسرارکم تعظيمهن ولا الفكر فى مغانيهم وقلت المراد ملاحظة مقصودة والا فملاحظة الخلق بالشفقة والرحمة او من حيث ان الله تعالیٰ اوجب الايمان بالنبيين والملئكة فمطلوب فى الشرع.

قوله تعالیٰ الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم يعنى يذكرون الله

فی جمیع الاحوال دائماً ابدا لان احوال الناس لا یخرج من هذه الاحوال الثلثة وهو القیام والقعود والاضطجاع ثم لابد للانسان من النوم والاکل والشرب فعلم ان المراد منه الذکر بالروح والقلب فانه یمکن فی الاحوال کلها (ای هو اعظم فرد من المراد لا انه ینحصر فیه المراد)

سورة النساء: قوله تعالیٰ ولا تؤتو السفهاء اموالکم فالسفیه عند المشایخ هو النفس ای لا تتصرفوا فی اموالکم الا علی خلاف النفس والهوی فان مال النفس الی البذل (ای ممافیه احتمال لحظ النفس) فامسک و ان مال الیٰ الامساک فابذل ولا تتبع النفس فی هواها ولا تلتفت الیه الازجراً ورذغا ولا تشاوره فانه سفیه وشاور العقل والدین واعمل مایامرانک (المقصود ممن هذا التقریر اشتراک الحکم باشتراک العلة فی السفهاء والنفس لا تفسیر السفها بالنفوس فافهم.

قوله تعالی ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله قوله تعالیٰ من بیته ای مما سکن الیه قلب من اشیا الدنیا کالنفس والهوی والشهوات مهاجرا عن کل ماسوای الله تعالیٰ وسوی رسوله صلی الله علیه وسلم فلو مات قبل التمکن فقد وقع اجره علی الله لزم الله تعالیٰ اتمام نیته وایصاله الی مقصوده وهو الله تعالیٰ والمقصود قیاس هجرة علی هجرة وتسمیة المرید مهاجرا واردفی الحدیث والمهاجر من هجر مانهی الله عنه ورسوله.

قوله تعالیٰ ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه ای نفسه وذاته وصفاته وشخصه وجوارحه کله لله خالصا مخلصًا ویجعل کل اعماله لله علی وفق رضاء الله.

قوله تعالیٰ واتخذالله ابراهیم خلیلا هو المحب المختص ببعض الامور الشریفة العظیمة من حبیبه فعلی هذا کان کل خلیل حبیبا ولم یکن کل حبیب خلیلا وعلی هذا کل انبیاء الله تعالیٰ اخلاء ه تعالیٰ وهکذا سائر الاولیاء والعرفاء وفائده تخصیصه بهذا الزکر انه لم یکن لله تعالیٰ خلیل (بهذه المثابة) فی زمانه غیره.

سورة المائده: قوله تعالیٰ یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام والسبل جمع السبیل وقالوا السبل الی الله تعالیٰ کثیرة لاتحصی وهذه الایة تدل علی صحة قولهم (ای الی المسئلة المعروفة الان بعنوان طرق الوصول الی الله بعدد انفاس الخلائق وهذه کلها ترجع الی طریق واحد مستقیم فاما مالم یرجع الیه.

فقال تعالٰی فیه ولا تتبعوا السبل.
قوله تعالٰی وعلی الله فتوکلوا (هومن) مقامات السالکین.
قوله تعالٰی وابتغوا الیه الوسیلة قال بعضهم الوسیلة فی الاحیاء الشیخ (ای هو داخل فی عمومها) وجاهدوا فی سبیله ای فی سبیل الله هذا امربمجاهدة الصوفیة (ای ان الأیة عامه له.
قوله تعالٰی ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا علی مذاق التصوف لاتشتروا بکراماتی وفراساتی التی ذکرت منکم بهذا وانی کرمتکم بها تقویة لکم علی سیرکم وارتقائکم لالوصولکم بها الی الدنیا (مالها وجاهها).
قوله تعالٰی لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا. تدل علی ما تقدم من قوله تعالٰی یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام وای بطریق اثبات النظیر بالنظیر لابطرق ادخال الجزئی فی الکلی لان هذه الشرعة والمنهاج منها ماقد نسخ).
قوله تعالٰی یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ولا تبلغ ماخصصناک به من الکشف والمشاهدة فانهم لا یطیقون حمله وهذا دلیل علی صحة ما یقول المشایخ لاینبغی ان یحکی واقعاته للناس فان مست الضرورة یحکی علی الشیخ فحسب علی قولی تعالی حکایة عن اسرائیل لاتقصص رؤیاک علٰی اخوتک.
قوله تعالٰی لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصلحت ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا فالله اثبت الایمان علی ثلث درجات فی هذه الایة ثم جعل الدرجة الرابعة احدسانا.
قوله تعالی لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم ان السوال عن الاولیاء والعرفاء (عما یختص بهم ولا یضطر الیه سبب لفتنة زائدة فانه یجیب وقت الحالة وربما لا یوافقکم الجواب وتکذیب الولی وان لم یکن کفرا فهو عظیم ایض. (قلت هذا قیاس سوال علٰی سوال باشتراک العلة).
سورة الانعام: قوله تعالی فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین. نهی عن القعود مع الظلمین من غیر فصل بین ظالم وفاسق وکافر لان الظالم یشملهم.
قوله تعالی فلما جن علیه اللیل الٰی قوله وما انامن المشرکین وهذا یکون مبادی مشاهدات العرفاء ومن رویة الانوار) فهذه الایة دلالة علی ان السالک فی طریق الله تعالی ینبغی ان یکون عاقلا کیسادرا کانا ظرا مستدلا غیر غافل عما یجوز وعمالا یجوز علی الله فی ذاته وصفاته.
قوله تعالی واجتبیناهم وهدینهم ای جذبناهم الینا من غیر السیر فی الطریقة

والتصفية بالمجاهدة وهدينا الى صراط مستقيم ليجهدوا فينا ويرتاضوا في طريقنا.
قوله تعالى اولئک الذين هدى الله فبهدهم اقتده في هذه الاية دلالة ظاهرة على ان المريد لابدله من شيخ يقتدى به.
قوله تعالى ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى الى ولم يوح اليه شيء عام في كل مدح كذاب سواء يدعى النبوة اوالولاية كيف ما كان مهما كان كاذبا دخل تحت هذه الاية.
قوله تعالىٰ فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام وهو تسليم النفس والقلب والدنيا والاخرة وما فيهما كلها الى الله تعالىٰ واختيار الله وحده ويشرح صدره اى يجعل قلبه واسعا حتى يسع لخروج ما اسلم ونزول مااختار وسئل النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلک قال نوريقذف في القلب فيشرح به.
سورة الاعراف: قل امر ربى بالقسط اى بالعدل وهو ان لا تميل الى شيء سوى الله تعالى.
قوله تعالىٰ وادعوه مخلصين له الدين قال بعض المشايخ الاخلاص نسيان روية الخلق لدوام النظر الى الخالق قوله تعالىٰ كلوا واشربوا ولا تسرفوا اى خذوا من الدنيا ستر العورة وسد الجوعة فحسب الا ان يوذيكم الحرو البرد فالبسوا ما يدفع الحر والبردولا تزيدوا على ذلک تنعمامن لين اللباس وطيب الطعام ولا تجملا ولا فخارا على الفقراء فانه اسراف.
قوله تعالىٰ والبلدالطيب يخرج نباته باذن ربه فالبلد الطيب (يدخل في عمومه) نفس المومن (وفيه بيان لظهور مافيه استعداده بالذكر والطاعة).
قوله تعالىٰ فاذكروا الاء الله لعلكم تفلحون امرهم بذكر الاء الله لكى يودى الىٰ محبة الله فان القلوب بحبولة على حب من احسن اليها (وهو نوع من المراقبة.
قوله تعالى وما ارسلنا في قرية من نبى الااخذنا اهلهابا لباساء والضراء لعلهم يضرعون فالله تعالىٰ يدعو عباده الى باب لطفافان ابو ا فعتفا.
قوله تعالىٰ فتم ميقات ربه اربعين ليلة وقال عليه السلام من اخلص لله تعالىٰ اربعين يوما فطريقهم ماخوذ من هذه الاية والحديث قوله تعالىٰ ساصرف عن اياتى الذين يتكبرون في الارض بغير الحق اى عن كراماتى ومشاهداتى الذين يتكبرون على عباد الله الفقراء والضعفاء والاولياء وهذه الاية دالة على كون المتكبرين بغير حق محجوبين عما للاولياء والعرفاء.
ويدل ايضًا على ان التكبر نوعان بحق وبغير حق فالتكبر بالحق هو تكبر

الفقراء على الاغنياء والضعفاء على الاقوياء والمومنين على الكافرين.
قال الله تعالىٰ اذلة على المومنين اعزة على الكفرين قوله تعالى فرجع موسى الى قومه غضبان وذلک دلالة على جواز ان يغضب الشيخ المربى على مريده.
قوله تعالىٰ واتل عليهم نبأ الذى اتيناه اياتنا اى الكرامات منافانسلخ منها.
اعلم ان الانسلاخ نوعان انسلاخ من خيرالى شر وانسلاخ من شرالى خيروذلک هى تبدل هذه الصفات وهى الحقد والحسد والكبروا ضرابها بصفات حميدة وهو الفناء واما الانسلاخ من خير الى شرهو انعكاس البالغ الى الابتداء بالمقامات والدرجات التى ارتقىٰ فيها فينزل عنها واذا نزل الى ابتدا وهو مقام الايمان فربما يبقى على ذلک ومنهم من لايبقى والعياذ بالله تعالىٰ حتى بتسافل ومنهم من يسقط من اعلى مقاماته بمرة. واحدة الى اسفل السافلين كاللعين ابليس وبلعام بن باعوراء ولو شئنا لرفعناه بها الى عليين وهذا دليل على انه تعالىٰ لم يرفعه بعد الى درجات المشاهدة (لان الواصل لايرجع والفانى لايرد) ولكنه اخلد الى الارض اى اختار الدنيا ورضى به فالله تعالىٰ بين ان نزوله الى السفل انما كان بكسبه وسوء اختياره لنفسه وهذا ايضًا دليل على انه كان بعد فى مقامات الكسب والطريقة (لان مابعد الكسب ليس اختياريا فلايقدر معه على الاخلاد اليها.
وهٰذه الاية دالة على ان الولى لاينبغى ان يامن مادام حيا فى دار التكليف (وبلوغه الى مابعد الكسب لايعلم به يقينا فحسى لم يبلغ)
قوله تعالىٰ لهم قلوب لا يفقهون بهاولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لايسمعون بها اعلم ان القلوب جمع واحدها قلب وانه يستعمل لمسميات كثيرة والاقرب الىٰ افهام العوام قلب البدن ثم قلب النفس فى قلب البدن ثم قلب الطف فهو قلب النفس ثم فى هٰذا القلب العقل والروح الذى نسميه سراوهذا السرقلب القلب الذى فيه العقل ثم العقل والسرنوران روحانيان ثم الخفى بعد ذٰلک سر السروقلبه وعينه معطوف على العقل والروح فافهم.
فقوله تعالىٰ لهم قلوب لايفقهون بها عنى به القلب الذى هو محل السر والعقل (لان قلب البدن كانوا يفقهون به مدركاته) وقوله ولهم اعين وقوله لهم اذان انما اراد بذلک عيون القلب واذان القلب لانهم كانوا يسمعون ويبصرون بحواسهم الظاهرة اولئک كالانعام بل هم اضل لانه ليس للانعام والبهائم عيون واذان فى قلوبهم كما للانسان هذه العيون والاذان الباطنة

ومع ذلک ضلوا فکانوا اضل من الانعام والبهائم (وثبت بهذا التقریر ماقالوا بوجود اللطائف فی الانسان.

قوله تعالیٰ ان ولیی الله الذی نزل الکتب وهو یتولی الصلحین بزیادة التوفیق والعصمة والهدایة الی الحق مالایتولی غیر الصلحین بل یکلهم الی انفسهم قوله ان الذین اتقوا اذا مسهم طئف من الشیطان تذکروا فاذاهم مبصرون یعنی اذا مسهم الشیطان بالوسوسة والتشویش وارسال الستور وارخاء الحجاب علی القلب تذکروا الله تعالیٰ وذکروا اسمه ثم اذا تذکروا یرد الله تعالیٰ عنهم ویرفع حجبه ویبصر قلب الذاکرو ان ابلغ کلمة الذکر فی افادة تصفیة السر انماهو کلمة لا اله الا الله وانه مجرب.

قوله تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک ای بقلبک لان النفس باطن فالذکر فیه یکون باطنا ضرورة

سورة الانفال: قوله تعالیٰ انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله الی قوله رزق کریم نزلت فیما یختص بالصوفیة ویختص الصوفیة به وهی احوال القلوب

سورة التوبه: قوله تعالیٰ اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا ای بالنصرة والعصمة لابالذات لان الله تعالیٰ مع کل مخذول ومنصور وظالم و مظلوم بالذات لکن الحزن انما ینبغی اذا علم انه تعالیٰ معه بالنصرة لا بالخذلان ولان الظاهر من حال الصدیقؓ انه کان یعلم ان الله تعالیٰ قریب منهما اقرب من حبل الورید انما کان خوف حیث لم یعلم النصرة والعصمة من انه تعالیٰ لانه ربما ینصر وربما لاینصر.

قوله تعالیٰ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار یعنی ابدأ بنفسک ان کانت کافرة تسلم وتنقاد وتطمئن ثم قاتل سائر اعدائک الهوی والشهوات والشیاطین الاقرب فالاقرب قوله تعالیٰ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم هکذا یجب ان یکون المربی فی التصوف.

سورة یونس: قوله تعالیٰ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه هذه کلمة عامة وان نزلت بسبب تکذیبهم القرآن والغالب فی سحایا بنی آدم ان یکفروا یکذبوا علم مالم یعلموا.

ومنه قیل الناس اعداء ماجهلوا.

وقال الله تعالیٰ فی سورة الاحقاف فی هذا المعنی ایض واذلم یهتدوا به

فيسقولون هذا افک قديم فان کل ذلک توبيخ لكل مكذب يكذب الانبياء والاولياء فيما يعلمون منهم ويسمعون.

سورة هود عليه السلام: قوله تعالىٰ وكلا نقص عليک من انباء الرسل ماثبت به فوادک ان ذلک يدل على ان احول الاولياء والعرفاء ولا تخلوا ايض عن مثل ذلک السلوک سيما عند اجتماع الناس على تشكيكهم فيماهم فيه ان ذلک خيالات وماخوليات ووسواس الشياطين وهو اجس النفوس والقاء العفاريت وامثالها وكان قصص الانبياء وحكايات المشايخ المتقدمة والتفكر فى احوالهم تثبيتا لفوادهم على ما هم فيه كما للانبياء ولهذا قالوا لابد للسالک من الشيخ الماهر الفاضل العارف بواقعات المشايخ واحوالهم واوقاتهم فافهم.

قوله تعالىٰ واليه يرجع الامر كله دلالة على صحة مايقوله المشايخ فى السير الى الله تعالىٰ ان كل شيء فى السير والرجوع الى الله دائما حتى يصل اليه فاذا وصل الى الله جل وعلافقد انتهى سيره الى الله تعالىٰ ومن هنا قال ان الى ربک المنتهى وان الصالحين يتنعمون فى صفات الالطاف والكرم وان الصالحين يحترقون بنيران القمر والنقم.

سورة يوسف عليه السلام: قوله تعالىٰ اذ قال يوسف لابيه يا ابت انى رايت احد عشر كوكبا الى اخر الايات الثلثة فيها علوم كثيرة من علوم التصوف.

الاول قوله تعالىٰ انى رايت دل على بطلان من يقول ان رويا الصوفية فى وارداتهم وواقعاتهم واحوالهم خيالات لاوجودلها.

الثانى ان المريد المبتدى لابد له من شيخ ناصح يرشده الى مطلوبه ويعلم صلاحه وفساده فى سيره فان يوسف عليه السلام رجع الى ابيه ثم ارشده امره باخفاء ه عن حساده.

الثالث دلت الاية على انه يجب على المريد اخفاء واقعاته عن جميع الناس غير شيخه.

الرابع دلت الاية على ان الشيطان اذارأى اثار النبوة والولاية وامثالها عند انسان فانه يقوم بافساد ذلک عليه قال ان الشيطان للانسان عدو مبين.

الخامس قوله تعالىٰ قد جعلها ربى حقا دل فحواه ان منها مالا يجعلها الله تعالىٰ حقا وصدقا فدلت على انه قد يكون من الرويا مايكون خيالا واضغاث احلام.

قوله تعالىٰ ادعوا الى الله على بصيرة انا هذا دليل على ان الشيخ يجب ان

يكون بصيراداعيا لما يدعوا اليه مريده.

سورة الرعد: قوله تعالٰى ان الله لايغير مابقوم حتى يغيروا مابانفسهم (دخل فى عمومه) لا يحجب اولياء ه عن المشاهدة مالم يغيروا اورادهم ومعاملاتهم قوله تعالٰى الذين امنوا وتطمئن قلوبهم بذكرالله اى يذكرونه باللسان والقلوب يسبحونه ويهللونه ويطمئنون الى ذلک ويفرجون به.

سورة الحجر: قوله تعالٰى ان فى ذلک لايات للمتوسمين روى ان النبى صلى الله عليه وسلم قال اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله ثم قرأ ان فى ذلک لايات للمتوسمين فدلت الاية على صحة ماللعرفاء من الفراسة وهى الامور التى لايراها عامة الناس.

قوله تعالٰى فاصدع بما تومرو اعرض عن المشركين اى ادالرسالة ثم ارجع الى الخلوة وراقب مشاهدة الحق تعالٰى ومن هنا اخذ المشايخ المحافظة على الخلوة عن الناس (بعد اداء ماعليهم الخلق من النصح والارشاد.

سورة النحل: قوله تعالٰى واذا قرأت القراٰن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم انهٗ ليس له سلطان على الذين امنوا وعلى ربهم يتوكلون دل الاية على ان الاستعاذة بالله من الشيطان مقعدة للشيطان ومانعة من وسواسه ودلت ايضا على ان ليس للشيطان قوة وقدرة على المومنين المتوكلين على الله تعالٰى قوله تعالٰى من عمل صالحا من ذكرا وانثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبة هو العيش مع الله تعالٰى والفهم عن الله والاستغناء بالله لايريد بدلا ولا منه حولا.

قوله تعالٰى ادع الى سبيل ربک وذلک على الطريقة المعروفة عند الصوفية بالحكمة هى فطنة الشيخ المربى وفهمه لكل مايصلح لكل احد من للمريدين فان طاعتهم مختلفة فمنهم من يصلح له كثرة الصوم ومنهم من يصلح له كثرة الصلوٰة ومنهم من يصلح له القيام والصيام معاومنهم من لايصلح له كثرة ذلک وانما يصلح الزهد عن الدنيا ومنهم من يصلح له الكسب ومنهم من يصلح له الخدمة ومنهم من يصلح له العنف والشدة فى المجاهدة على النفس ومنهم من يصلح له الرفق والتسهيل فادراک ذلک هى الحكمة المذكورة هذا والموعظة الحسنة هى استعمالهم فى اعمال الطريقة بالمدارات والرفق والشفقة الكاملة عليهم مع اعلامهم بانه لايريد بذلک الاعلو مقاماتهم وارتفاع درجاتهم وجادلهم بالتى هى احسن اى

كالمهم بعبارات لطيفة وكلمات طيبة ولن لهم ومل اليهم ولاتثقل عليهم حيث تامرو تنهى وتدعوا وتصرف فانه اوقع فى قلوبهم وانفع لهم ما كان تلک تعليما لمشايخ الصوفية.

وكذا قول الله تعالٰى فبما رحمة من الله لنت لهم الاية وكذا كل مافى القرآن (من كيفية المصاحبة مع الاصحاب والشفقة على الامة والشفاعة لهم ودعائهم الى الله تعالٰى خطاب المشايخ الصوفية انها يجب عليهم استعمالها مع المريدين.

سورة بنى اسرائيل: قوله تعالٰى اولئک الذين يدعون يبتغون الى ربهم الوسيلة ايهم اقرب ويرجون رحمته ويخافون عذابه والوسيلة الى الله تعالٰى هى التى يتوسل بهالوصال اليه جل وعلاوذلک هو المجاهدات والاذكار باللسان والقلب والمراقبات فى الخلوات وكل من كان اقرب الى الله تعالٰى يعنى من كان اوصل اليه فهوا شد طلباً للوسيله لانه مامن وصال وقرب الا وفوقه درجات الوصال بلانهاية ومن كان اقرب كان اعرف به وكان اشدطلبا للزيادة.

سورة الكهف: قوله تعالٰى وربطنا على قلوبهم وهذا يكون حال كل مريد صادق الارادة بربط على قلبه وسره فلا يبالى بالبلاء ولا يتحير بالمشاق ويكون الله كافله وكافيه ويمربه فى اودية حتى يصل اليه ويستقرلديه هكذا وعد الله تعالٰى للسالكين فى طريقه لقوله عزوجل والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا.

قوله تعالٰى لواطلعت عليهم لوليت منهم فراراو لملئت منهم رعبا اى مهما تقف على ما عليهم من اثارهيبة الحق تعالٰى (الخ) وان لله تعالٰى صفة نظرا وتجليا مختلفا واذا نظرالى عبد من عباده بصفة الجلال والهيبة هاب ذلک العبد وتاه من راٰه وكذا اذا نظر الى عبد بصفة اللطف والجمال صار ذلک العبد لطيفا جميلا فى اعين الخلق من راه تاه والها وان تجلى له بتلک الصفة افادله لذة وسرور الجماله ولطفه.

قوله تعالٰى واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى يريدون وجهه لايريدون الا وجهى خاصة لا الدنيا ولا العقبى.

قوله تعالٰى واذ قال موسٰى لفتاه لا ابرح حتٰى ابلغ مجمع البحرين او امضى حقبا فالأية تقتضى ان يكون المريد فى ارادته ونيته فى طلب الشيخ المرشد الى ذلک الشان حتى يجد المقصود. قوله تعالٰى فلما جاوزا قال لفتاه آتنا

غدائنا تدل على ان المسافر المريد لوكان معه معلوم من الزاد جاز.
قوله تعالىٰ حتى اذا اتيا اهل قرية استطعما اهلها دلت تلك الآية على ان المتوكل وان كان بالغا فی توکله جازله الاستطعام عن الناس ودل ذلک ایضا علی انه یجوزان یکون للمرید مرید اخرو تلمیذ. فانه کان موسی مرید خضرو یوشع مرید موسی وتلمیذه.
قوله تعالىٰ علمناه من لدنا علما هو العلم بالاشياء المغيبة التى لاتعرف بالعقل والشرع والحواس بل بالالهام).
قوله تعالىٰ قال له موسیٰ هل اتبعک الآية تدل على ان المريد لايصاحب ويتبع الشيخ الاباذنه وكذلک تدل على ان الاعلى جاز ان يتلمذ لمن هوادنی منه فی علم یوجد عنده.
قوله تعالىٰ انک لن تستطيع معی صبرا دل على انه یجوز للشيخ ان يصد المريد من صحبته قوله تعالىٰ قال فان اتبعتنی فلا تسالنی تدل على انه لايعترض على الشيخ.
قوله تعالىٰ قال لا تواخذنی الخ وقال ان سالتک ان جمیع ذلک یدل على ان مريد الشيخ يجب ان يكون حمولا متواضعا للشيخ وان كان الشيخ يؤذيه ويستخف به.
قوله تعالىٰ سانبئک بتاويل مالم تستطع علیه صبرا دلت الاية بفحواها على انه لاينبغی الشيخ ان يعمل عملا بحضرة المريد ظاهره منكر كيلا يقع فی الانكار فی الباطن ولواتفق له مثل ذلک يجب عليه ان يزيل انكارهم ببيان ماعمل وتاويل ماصدر منه ودلت الاية ايضا على ان الشيخ اذا ضجر عن المريد واراد ان يفارقه لاينبغی ان يفارقه بلاعذر ظاهر.
سوره مريم: قوله تعالىٰ وهزی اليک بجذع النخلة قيل هذه كرامة مريم.
(**سوره طٰه**: قوله تعالىٰ الرحمن على العرش استوى واستواء ہ على العرش خاصة تحل خاص بصفة خاصة للعرش ومثاله على سبيل التقريب مثال الشمس على الارض يعنی شعاعه اذا شرق على الارض بلا حجاب سحاب.
قوله تعالىٰ اذا وحينا الى امک وام موسی من اولياء الله حيث كلمها الملائكة كرامة لها قوله تعالىٰ والقيت عليک محبة منی يعنی اطلعت عليک بصفة

المحبة ونظرت فيک يحی لک افاد اطلاعی علیک بها وصف المحبوبية لک فاحبک کل من راک وتفسير الاطلاع هو صب الرشاش المذكور فی الحديث قوله تعالٰی واصطنعتک لنفسی فطرتک علی وجه لاتصلح الالعبادتی.

قوله تعالٰی قل رب زدنی علما فمامن زيادة العلم الا وفوقها زوائد لا نهاية لها.

قوله تعالٰی ومن اعرض عن ذکری فان له معيشة ضنكا لان من ليس له ذكر القلب والسر فهو فی ضنک وظلمة فی الدنيا لايشاهد الحق ولا يسمع منه ولا يلج الملكوت ولا يرتقی الی الجبروت ويبقٰی علی وجه الارض كالبهائم.

سورة الانبياء: ان الذين سبقت لهم منا الحسنٰی ای سبقت محبتنا اياه فی الازل (وهذا هو سابقة الاستعداد التی يقال فيه ان ابتداء المحبة من المحبوب)

سورة الحج: وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذاتمنی القی الشيطان فاذاكان حال النبی والرسول هذا فلا يحل للولی ان يامن القاء الشيطان ولولم يكن ماهرا لاينبغی ان يعتمد علی شیء من واقعاته مالم يعرض علی شيخه.

قوله تعالٰی وجاهدوا فی الله هو الذی يسميه المشائخ سيرا فی الله.

سورة المؤمنين: فتعالی الله الملک الحق عن الاوهام والظنون والافكار والعقول والعلوم.

سورة النور: قوله تعالٰی قل للمؤمنين يغضوا من ابصاروسهم قال بعض المشائخ غضوا ابصارهم عن المحارم وابصار قلوبهم عن كل ما سوی الله.

قوله تعالٰی لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذکر الله وهذا هو الخلوة فی الملاء وذلک حال الانبياء وكبار الاولياء وهذا قليل من الاولياء ومنهم من لايتمكن من ذلک الافی خلوة ومنهم من لايتمكن من ذلک الا اذا غلبت الحاله غلبه عليه ومنهم من لايتمكن من ذلک الا ان يكون بين النوم واليقظه ومنهم من لايتمكن من ذلک حتی يستغرق فی نومه وهذا هو ادنی وانزل الواصلين.

سورة الفرقان: ارايت من اتخذ الهه هواه اعلم ان هذه الاية حجة كبيرة علی صدق ما ذهب اليه العرفاء ای من تعلق قلبه بشیء غير الله فهو مشرک بالله (فی الحبه).

سورة الشعراء: قوله تعالٰی ففررت منكم من هناقيل الفرار عما لايطاق من سنن المرسلين.

سورة النمل: ان الذين لايومنون با الاخرة زينا لهم اعمالهم واعظم عقوبة

العاصی ان یکله الله تعالٰی الی معصیة فلا ینبه ولا یوفق له الا فاقة عن غفلته ویرخص باعذار فاسدة.

قوله تعالٰی انا اٰتیک به قبل هذا قول اٰصف قال ذلک عند غلبة الحال وهو فی عین الجمع وهذا کلام الله اجراه علی لسانه کقوله سبحانی اجری علی لسان ابی یزید وقوله انا الحق علی لسان الحسین وامثالها کثیر کما قال من الشجرة یا موسی انی انا الله ثم مثل ذلک الکرامات کثیرا مایکون لاولیاء الله تعالٰی وهی طی الارض والنفاذ فی الجدار وامثالها.

سورة القصص: قوله تعالٰی ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها روی عن یوسف بن الحسین الرازی انه قال امرت ام موسی بامرین ان ارضعیه فالقیه فی الیم ونهیت بنهیین ولا تخافی ولا تحزنی وبشرت ببشارتین انا رآدوه الیک وجاعلوه من المرسلین فلم ینفعها ذلک دون الربط علی القلب

سورة العنکبوت: قوله تعالٰی ولذکر الله اکبر ای اکبر فی النهی عن الفحشاء والمنکرو نفی الکبر والخیلاء ومحو الاوصاف الذمیمة وذلک مجرب عند المشایخ ولا سیما لا اله الا الله

سورة الروم: قوله تعالٰی ذلک خیر للذین یریدون وجه الله ای یریدون ذات الله (التی هی المقصودة بالذات لا الدنیا ولا الاخره)

سوره لقمٰن: قوله تعالٰی واسبغ علیکم نعمه ظاهرة وباطنة فالظاهرة الجوارح کالعین والاذن واللسان والاسنان والید والرجل وامثالها والباطنة النفس والقلب والعقل والسر والخفی (سورة الم السجده)

قوله تعالٰی یدعون ربهم خوفا وطمعا قال جعفر خوفا من ربهم وطمعا من ربهم (کما یدل علیه ذکر ربهم قبل وعدم مرذکر معمول خوفا وطمعًا بعد)

سورة الاحزاب: قوله تعالٰی یایها الذین اٰمنوالاتکونوا کالذین اذوا موسٰی هذا نهی لعامة المومنین الذین یوذون الانبیاء والاولیاء والمومنین المتقین بمالا یعلمون

سورة السبا: قوله تعالٰی وما انفقتم من شئ فهو یخلفه یدل بعموم لفظ شی علی ان من بذل بالموحدة شیئًا من البدن اوالروح اوالراحة لله تعالٰی یبدله الله خیرا منه)

سوره فاطر: قوله تعالٰی وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ای لایستوی اهل الله واهل الشیطان.

سوره یٰس: قوله تعالٰی والقران الحکیم الی قوله صراط مستقیم اقسم الله تعالٰی

بالقرآن ان السید صلوات الله علیه نبی مرسل کسائر المرسلین وفائدۃ الیمین طمانینۃ قلب السید فانه وان کان عالما بانه من المرسلین لکنه مفتقر الی زیادۃ الطمانینۃ

سوره والصفت: قوله تعالیٰ انی ذاهب الیٰ ربی وهذا هو الذی یقول المشایخ فالسیر الی الله عزوجل فی الطریقۃ المشهور عندهم وان ذلک مرغوب محبوب

سورۃ ص: واذکر عبادنا ابراهیم واسحق ویعقوب اولی الایدی والابصار یعنی اولی القوۃ علی النفس والهوی والشیطان والا بصار یعنی بصیرۃ النفس والعقل والقلب والسر والخفی.

سورۃ الزمر: قوله تعالیٰ افمن شرح الله صدره للاسلام فهو علی نورمن ربه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فاما النور اذادخل جوفه انفسح لذلک صدره وانشرح قالوا یا رسول الله فهل لذلک من علامۃ قال نعم التجافی الحافی عن دار الغرور والا نابۃ الی دارالخلودو حسن استعداد الموت قبل نزوله قوله تعالیٰ تقشعر منه جلود (هذا هو نوع من الوجد).

سورۃ المومن: (قوله تعالیٰ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور دلیل علی وجوب تزکیۃ الباطن مع الظاهر.

سوره حم السجده: قوله تعالیٰ واما ینزغنک من الشیطن نزغ ای یلقی فی باطنک وظاهرک فساد کالحقد والحسد والغضب والریاء والعجب والکذب والسبب والضرب بغیر حق فاستعذ بالله فانک لاتقدر بنفسک علی طرد الشیطان.

سورۃ الشوریٰ: قوله تعالیٰ فان یشأ الله یختم علی قلبک ان قلت علینا غیر الحق روی انه قرأ امام هذه الایۃ والشبلی خلفه فلما سمع ذلک من الامام فی صلوته جعل یقول هکذا یخاطب الاحیار (فدل علی وجوب الخوف من سلب الحال.

سورۃ الزخرف: قوله تعالیٰ ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا یعنی من اعرض عن الله تعالیٰ ذاته وصفاته او تکالیفه (وفیه دلالۃ علی تسلط الشیاطین علی المحجوبین.

سورۃ الدخان: قوله تعالیٰ ولقد اخترناهم علی علم علی العلمین وما یقترفون من الجنایات لم یوثر ذلک فی سابق حکمنا بالاجتباء والاختیار لهم (وفیه دلالۃ علی ان المراد لایکاء الله تعالیٰ الی نفسه).

سورة الجاثيه: قوله تعالیٰ وله الكبرياء فی السموات والارض انه نص علی ان كبرياء ہ تعالیٰ فی السموات والارض والكبرياء صفة الذات ولا ينفک عن الذات (فالاية تدل علی احاطة ذاته تعالیٰ).

سورة الفتح: قوله تعالیٰ ان الذين يبايعونک انما يبايعون الله قالت الحلولية هذه الاية دلت علی ان النبی صلی الله عليه وسلم لم يكن هو البشر وانما كان هو الله تعالیٰ وهذا غلط منهم فان قوله انما يبايعون الله فيه اثبات مبايعتهم مع الله تعالیٰ وليس فيها نفی مبايعتهم مع النبی عليه الصلوٰة والسلام.

سورة النجم: قوله تعالیٰ وان الی ربک المنتهی ای لافكرة فی الله عزوجل.

سورة القمر: قوله تعالیٰ كذلک نجزی من شكری نجزی بنجاتهم وهلاک اعداء هم كل ولی شاكر.

سورة الواقعه: قوله تعالیٰ فاما ان كان من المقربين هذا دليل ان لايقرب الی الله الامن قربه الله.

سورة الحديد: قولی تعالیٰ الم يان للذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله الاية يعنی الم يان اوان خشوع قلوب المومنين وخضوعها وانشراحها واتساعها لذكر الله ای لمشاهدته تعالیٰ ومناجاته جل وعلا.

سورة المجادله: قوله تعالیٰ استحوذ عليهم الشيطان فانساهم ذكر الله وعلامة ذلک ان لايتذكر العبد سيده وان ذكر يكره ويكره صحبة العلماء والصلحاء ويختار صحبة الحمقاء والمسافر وامثالهم يفرح بصحبتهم ويهتز بمجالستهم ويكون الحرام احب اليه من الحلال والمعصية احب من الطاعة ويفتخر بمعاصية ويباهی بها علی الناس ويلوم الناس علی الطاعات فهذا هو الذی استحوذ عليه الشيطان قوله تعالیٰ ايدهم بروح منه ايد بالرشاش الذی رش علی النفس.

سورة الحشر: قوله تعالیٰ لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله يعنی لوتجلی صفة من صفات الله وتلک الصفة كا لعظمة والجلال قال ابن عطاء اشار الی انه لا يقوم شی لصفات ولا يقی مع تجليه الامن قواه الله تعالیٰ علی ذلک وهو قلوب العارفين فقاموا به لابغيره فهو القائم بهم.

سورة الممتحنه: قوله تعالیٰ لا تتخذوا عدوی وعدوكم اولياء عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال افضل الايمان الحب فی الله والبغض فی الله.

(قوله تعالیٰ يا يها النبی اذا جاء ک المؤمنات يبايعنک الاية فيه اثبات البيعه)

سورة الدهر: قوله تعالٰی فمن شاء اتخذ الی ربه سبیلا یعنی بالسبیل الی الله تعالٰی طریقة الصوفیة یعنی من شاء الله ذاته وصفاته سلک سبیله

سورة الشمس: قوله تعالٰی ونفس وما سواها سوی النفس علی وجه صلحت لتحمل الا مانة وجعل لها وجهین وجه التقوی ووجه الفجور وذلک قوله تعالٰی فالهمها فجورها وتقواها وجعل بین الوجهین وجه اللوم فان مالت الی الفجور والعصیان فهی امارة بالسوء. وان مالت الی التقوی فهی الطمانینة فاذا عملت سیئة ندمت سریعة فهی لوامة لامت نفسها وذمت هواها ولعنت شیطانها وغضبت شهواتها ومقتت لذاتها وتابت مما علملت من السیئة فاذا تمت التوبة نصوحا فهی الان دخلت فی عالم الطمانینة فعلیها المحافظة حتی لایرجع قبل مذاق الطمانینة فاذا ذاقت کانت الاقامة علیها اسهل ومع هذالابد من المحافظة حتی یعود ویصیر الطمانینة صفة لازمة لها ویسهل علیها الحفظ ولایامن الرجوع والنکس مادام فی دار التکلیف والنفس واحدة وانما لها جهات ووجوه کالبدن شخص واحد مرة صحیح ومرة مریض ومرة میت.

سورة الناس: قوله تعالٰی من الجنه والناس دلت علی تکون الوسواس من شیاطین الانس والجن وبحمدالله تم مارمته ذاالحین ولعلی اوفق بعد لاکثر من هذا فی شرح مسائل اخری من ایات القران وقد فرغت من هذا التلخیص فی اربعة ایام من اخر النصف الاول من جمادی الاولی سنه ۱۳۲۷ھ والحمدلله اولا واخر اوباطنا وظاهرا والصلوة علی رسوله ومن معه متوافرا متکاثرا.

تائید الحقیقة بالآیات العتیقة

ترجمہ از حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب رحمہ اللہ

ہم حمد کرتے ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور سلام بھیجتے ہیں ہمیشہ کے لئے جان تو خدا تعالیٰ مجھ کو اور تجھ کو حقیقت کے پہچاننے اور اس کے ساتھ متصف ہونے کی توفیق عنایت کرے کہ جب میں رسالہ حقیقت الطریقۃ کے لکھنے سے فارغ ہو گیا۔ تو ایک مدت کے بعد جبکہ ۱۳۲۷ ہجری کے چار مہینے گزر چکے تھے مجھ کو سفر بہاولپور کا اتفاق پڑا اور وہاں مجھ کو ایک کتاب ملی جس کا نام کاتب نے فہرست میں شواہد احکام الصوفیہ من القرآن لکھا تھا اس کو دیکھ کر میں خوش ہوا اس لئے کہ اس کو اپنی اس غرض کے موافق پایا جو رسالہ مذکورہ کے لکھنے سے تھی اور اس کو میں نے مالک صاحب سے عاریۃ طلب کیا انہوں نے مجھ کو عاریۃ دیدی اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے پھر میں اس کو لے کر اپنے وطن آیا اور مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کو بھی اس رسالہ میں خلاصہ کر کے شامل کر دوں کیونکہ اس کے بعض مضامین میں کسی قدر طوالت تھی اور بعض میں استدلال خفی تھا (اس لئے خلاصہ کرنا پڑا) اور اگر تلخیص کے علاوہ کسی اور تصرف کی مثلاً ایک ادھ لفظ بڑھانے کی یا کچھ تغیر و تبدل کی ضرورت پیش آئی تو اسکو (امتیاز کے لئے) قوسین کے اندر محصور کر دیا اور میں نے اس کا نام رکھا تائید الحقیقۃ بالآیات العتقیہ رکھا سو اسی کی مدد سے میری ابتداء ہے اور اسی سے وصول الی المنتہا ہے سورہ بقرہ قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے اور دوسری آیتوں میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے اور بلاشبہ آپ کے رب نے سب لوگوں کو گھیر رکھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کے پاس کی چیزوں کو گھیر رکھا ہے اور یہ سب آیتیں ان لوگوں کے قول کی صحت پر دال ہیں جنہوں نے علماء صوفیہ میں سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر

جگہ ہے مگر ہم کو خدا تعالیٰ کے مکان ہونے کی کیفیت معلوم نہیں یعنی یہ حضرات احاطہ ذاتیہ کے بھی قائل ہیں اور اہل ظاہر کی طرح صرف احاطہ صفاتیہ ہی کے قائل نہیں) اور احاطہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ محیط اور محاط دونوں جسم ہوں تفسیر احاطہ کی صرف یہی ہے کہ محاط محیط سے بعید نہ ہو اور نہ محیط محاط سے بعید ہو پھر (جاننا چاہئے) کہ یہ قول جمیع مشائخ صوفیہ میں جیسے جنید اور شبلی اور ابن عطاء وغیرہ مشہور ہے جنیدؒ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے آپ کے حضور میں اثناء گفتگو میں آسمان کی طرف اشارہ کیا آپ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف اشارہ نہ کر کیونکہ وہ تیرے ساتھ ہے سو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کے مکان کو عرش کے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ ایک جہت کے ساتھ دوسری جہت کو چھوڑ کر خاص کیا خوب سمجھ لو (اور استواء علی العرش یا تو متشابہ ہوگا یا مؤول علی حسب اختلاف المسلکین اور حدیث میں لفظ مکان کا اطلاق آیا ہے جیسا کہ فرمایا اور قسم ہے میرے مکان کی بلندی کی) قول اللہ تعالیٰ کا داخل ہو تم تسلیم میں پورے پورے جان تو کہ تسلیم تصوف میں یہ ہے کہ نفس صفات ذمیمہ اور دنیا و آخرت سے مرجائے باوجودیکہ وہ زندہ اور باقی رہے حرکت کرے تو اللہ ہی کے لئے ساکن ہو تو اللہ ہی کے لئے اور جو اس کے خلاف ہو وہ تسلیم نہیں کیونکہ جتنی کسر نفس کے مرنے میں ہے اتنی ہی منازعت باقی ہے (پس لامحالہ تسلیم کے خلاف ہے) اور ہم نے اس مسلم کے لئے حالت حیات میں ہونے کی شرط اس لئے کی کہ یہ خطاب احکام تکلیفی کے قائم رکھنے کا ان لوگوں کو ہے جو دنیا میں زندہ ہیں اہل قبور کو نہیں ۔قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ سمیٹ لیتا ہے اور پھیلا ہوتا ہے اپنے دوستوں کو ان سے ماسوی اللہ کو چھڑا کر سمیٹ لیتا ہے اور اپنی طرف کشادگی (راہ کی) عنایت فرماتا ہے اور یہی جذبہ کہلاتا ہے سو خوب سمجھ لو (یعنی آیت اپنے عموم الفاظ سے اس قبض وبسط کو شامل ہے جس طرح یہ آیت قبض وبسط واردات کو بھی شامل ہے) قول اللہ تعالیٰ کا عرض کیا ابراہیم علیہ السلام نے (کہ میں ایمان کیوں نہ رکھتا) ولیکن (مشاہدہ واحیاء کی اس لئے درخواست کرتا ہوں) تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے ۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان بڑھتا ہے بڑھتے بڑھتے اطمینان بن جاتا ہے اور یہ وہی چیز ہے جس کو صوفیہ یقین سے تعبیر کرتے ہیں پھر یہ

زیادتی کبھی رویت سے اور کبھی وجدان سے حاصل ہوتی ہے اور یہ آیت دال ہے اس پر کہ ایمان شک کے ساتھ (یعنی عدم حصول اطمینان کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور شک (بالمعنی المذکور) سے اس کی نفی نہیں ہوتی اور یہی معنی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تو اگر آپ کو اس چیز میں جس کو ہم نے آپ پر اتارا ہے کچھ شک ہو آخر آیت تک اور اسی طرح قول نبی علیہ السلام میں بھی کہ ہم شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں تک کہ شک کی تفسیروں میں یہ تفسیر سب سے اچھی ہے۔

سورہ ال عمران قول اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور جوان کے متقدمین مشائخ کے اس مقولہ کے صدق پر کھلی دلالت کر رہی ہیں جہاں حضرات نے فرمایا ہے کہ عارف بجز ذات خدائی برتر کے کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور نہ عذاب دوزخ سے ڈرتا ہے اور نہ نعیم جنت کے فوت ہونے سے اور نہ تمام دنیا کے فوت ہونے سے اور ایسے ہی مضمون پر قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی دلالت کرتا ہے اے اللہ میرے میں پناہ مانگتا ہوں آپ کی آپ سے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے یعنی اللہ کی ذات کی طرف ہر نیکوکار اور ہر بدکردار اور ہر قرب والے اور ہر بعد والے کا لوٹنا ہے سو بدکردار کو لوٹنا تو دوزخ کی طرف ہوگا جو غضب کی لکڑیوں سے روشن کی گئی ہے اور حق تعالیٰ کے غصہ اور انتقام اور ناخوشی کے ایندھن سے بھڑکائی کی گئی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور نیکوکاروں کا لوٹنا اللہ تعالیٰ کی طرف دارالسلام ہیں اور بلند درجوں کی طرف ہوگا۔

قول اللہ تعالیٰ کا آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو محبت کی بنیاد ارادہ ہے پھر وہ ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ محبت ہو جاتی ہے اور پھر محبت بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ کامل ہو جاتی ہے لیکن شوق اور عشق سو وہ محبت مشغلہ کو کہتے ہیں اور اشتعال اس وقت ہوتا ہے جب محبت ترقی پر ہو اور وصال مفقود ہو پھر اگر وصال حاصل ہو گیا تو اشتعال جاتا رہتا ہے اور وہ محبت ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے جس کی بڑھتی ہو یہاں تک کہ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور جب محبت وصال کے ساتھ کامل ہو جاتی ہے تو اس کا نام رضا ہے اور شوق اور اشتعال کے لئے کمال محبت لازم نہیں بلکہ بسا اوقات محبت ناقص ہوتی ہے اور باوجود اس کے وصال

مفقود ہونے کی وجہ سے اس میں سخت اشتعال زندہ ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔

قول اللہ تعالیٰ کا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اس کو تیرے نام پر خالص کردینے کی نذر کی یعنی بجز آپ کی بندگی کے اور سب چیزوں سے اس کو خالص کردیا چنانچہ کہا جاتا ہے طین حری یعنی خالص اور صاف مٹی اور حریۃ اولیاء اللہ کے اعلیٰ مقامات عبودیت سے ہے اور اہل اباحت نے غلطی کی کہ اس سے یہ سمجھ گئے کہ تکالیف شرعی مرتفع ہو کر نفس خدا کی بندگی سے آباء ہوجائے اور محض باطل ہے جس کو انہوں نے محض شہوت اور خواہش نفسانی کی وجہ سے اختیار کیا ہے کیونکہ حریۃ تو یہ ہے کہ بندگی میں اعلیٰ درجہ کی صفائی اور خلوص ہوجائے قول اللہ تعالیٰ کا فرمایا زکریا علیہ السلام نے یہ کہاں سے تم کو ملا آخر آیت تک یہ رزق مریم علیہا السلام کے لئے ایک میوہ تھا اور آپ پیغمبر نہ تھیں جو اس سے ثابت ہوا کہ یہ آپ کی کرامت حق اور زکریا علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا کیونکہ اول تو زکریا علیہ السلام کو اس کی خبر نہیں ہوئی اور آپ نے تعجب ظاہر فرمایا دوسرے مریم علیہا السلام نے یہ نہیں کہا کہ یہ آپ کا معجزہ ہے قول اللہ تعالیٰ کا بطور حکایت کے عیسیٰ علیہ السلام سے اور میں خدا کے حکم سے اچھا کردیتا ہوں مادر زاد اندھے اور جذامی کو اور زندہ کردیتا ہوں مردوں کو یہ مضمون مشائخ صوفیہ کے اس قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ اخلاق خداوندی سے متصف ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے مادر زاد اندھے زندہ کرنے کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا اور اذن الٰہی کی قید لگادی اور یہ مشائخ صوفیہ کے نزدیک محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس پر قادر کردے قول اللہ تعالیٰ کا ہم خدا کو چھوڑ کر یا ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنادیں یہ آیت ان لوگوں کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے جو صوفیہ میں سے حلول کے قائل ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان سمجھدار باعلم وعمل ہے جو انسان کی صورت میں قائم ہے جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گویا رب بذریعہ رب کے دیکھتا ہے اور رب بذریعہ رب کے سنتا ہے اور رب بذریعہ رب کے علم رکھتا ہے حالانکہ اس مقام پر وحدانیت کو ثابت فرمایا ہے اور جو لوگ حلول کے قائل ہیں وہ واحد سے زیادہ کے قائل ہیں بس ان کا قول منافی آیت کے ہوا قول اللہ تعالیٰ کا ولیکن ہوجاؤ تم رب والے یعنی تم اپنے پروردگار کے

اخلاق کے ساتھ متصف ہو جاؤ اپنے قلوب کی بصیرت سے مبصر ہو جاؤ اور ربانی منسوب ہے رب برتر کی طرف بندگی کے طور پر (تو بندہ کا رب ہونا محال ہے اور اس کا ربانی ہونا امر مطلوب وخوبی ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور نہ وہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں کو رب بنانا یہ ہے کہ ان کا دل سے ذکر کرے اور ان کی طرف خطرہ قلبی اور خطرات سری سے التفات کرے ابن عطاء نے فرمایا ہے) کہ مخلوق کی طرف التفات کرنے سے بچے رہو جبکہ التفات الی الحق کے اسباب میسر ہیں۔

واسطیؒ نے اس آیت میں فرمایا کہ تمہاری باطن میں ان کی تعظیم کا خطرہ نہ واقع ہو اور نہ ان کے اوصاف میں غور کرنے کا خطرہ واقع ہو میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ مقصودیت کے طور پر یہ التفات نہ ہو ورنہ شفقت اور رحمت کے ساتھ خلق کی طرف التفات کرنا یا اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور فرشتوں کے ساتھ ایمان لانے کو واجب کہا ہے خود شریعت میں مطلوب ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا وہ اہل عقل ایسے ہیں کہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے لیٹے یعنی اللہ کا ذکر سب حالتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کیا کرتے ہیں کیونکہ آدمیوں کے حالات ان احوال ثلثہ سے باہر نہیں ہوتے اور وہ کھڑا ہونا ہے اور بیٹھنا ہے اور لیٹنا ہے پھر انسان کے لئے سونا اور کھانا اور پینا بھی ضرور ہے تو معلوم ہوا کہ مراد اس سے ذکر روحی اور قلبی ہے کیونکہ وہ جمیع احوال میں ممکن ہے (یعنی وہ مراد کی فرد اعظم ہے نہ یہ کہ مراد اسی میں منحصر ہے)

سورۃ نساء قول اللہ تعالیٰ کا اور تم بے وقوفوں کو اپنا مال مت دو۔ سو بے وقوف کا مصداق مشائخ کے نزدیک نفس ہے یعنی اپنے مالوں میں وہی تصرف کرو جو نفس اور خواہش کے خلاف ہو تو اگر نفس خرچ کرنے کی طرف مائل ہو (یعنی جس خرچ میں کچھ احتمال حظ نفس کا ہو تو رک جاؤ اور اگر بخل کی طرف مائل ہو تو خرچ کرو اور نفس کا اتباع اس کی خواہش میں مت کرو اور نہ اس کی طرف بجز اس پر زجر و توبیخ رکھنے کے التفات کرو اور نہ اس سے مشورہ لو کیونکہ وہ بے وقوف ہے اور عقل اور دین سے مشورہ لو اور جو کچھ یہ دونوں کہیں اس پر عمل کرو (مقصود اس تقریر سے سفہاء اور نفس کے حکم کا مشترک ہونا ہے بوجہ اشتراک علۃ کے نہ کہ سفہاء کی تفسیر کرنا نفوس کے ساتھ خوب سمجھ لو۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کے واسطے ہجرت کرنے کی غرض سے نکلے پھر اس کو موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے گھر سے یعنی ان اشیاء دنیویہ سے جس کے ساتھ اس کو دلچسپی جیسے نفس اور خواہش اور شہوات اور مہاجر سے مراد یہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہو اس کو چھوڑ دینے والا ہو تو ایسا شخص اگر قبل حصول مراد کے مر گیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت رہے گا اس کی نیت کو پورا کرنا اور اس کو مقصود تک کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے پہنچا دینا اللہ کے ذمہ ہوگا (اور مقصود آیت کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ایک ہجرت کا دوسری ہجرت پر قیاس کرنا ہے اور مرید کو مہاجر فرمانا خود حدیث میں وارد ہے کہ بڑا مہاجر وہ شخص ہے جو اس کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے)

قول اللہ تعالیٰ کا اور اس سے زیادہ اچھا دین میں کون شخص ہے جو اپنے رخ کو مطیع کر دے یعنی اپنے نفس کو اور اپنی ذات کو اور اپنی صفات کو اور اپنے جسم کو اور اپنے اعضاء کو سب کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص مخلص کر دے اور اپنے سب کاموں کو اللہ کے لئے اس کی رضامندی کے موافق کر دے قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا خلیل وہ محب ہے جو محبوب کی جانب سے بعض معاملات شریفہ عظیمہ کے ساتھ مخصوص ہو تو اس بنا پر خلیل حبیب ہے اور ہر حبیب خلیل نہیں اور اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے سب نبی اس کے خلیل ہیں اور اسی طرح تمام اولیاء اور عارفین بھی اور فائدہ ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص ذکری کا یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں کوئی دوسرا (اس مرتبہ کا) اللہ کا خلیل نہ تھا۔

سورہ مائدہ قول اللہ تعالیٰ کا اللہ تعالیٰ اس قرآن سے اس شخص کو سلامتی کے رستے دکھلاتا ہے جو اس کی رضامندی کا اتباع کرے۔ سبل جمع ہے سبیل کی اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ رستے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے بہت ہیں جن کا شمار نہیں اور یہ آیت ان کے قول کی صحت پر دلالت کرتی ہے (یعنی اس مسئلہ پر جواب اس عنوان سے مشہور ہے کہ طرق وصول الی اللہ کے باندازۂ انفاس خلائق ہیں اور ان سب طریقوں کا مرجع ایک ہی مستقیم طریق ہے اور جس طریقہ کا مرجع یہ مستقیم طریق نہ ہو۔ اس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دوسرے

رستوں کا اتباع مت کرو قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ ہی پر توکل کرو (یہ منجملہ مقامات سالکین کے ہے) قول اللہ تعالیٰ کا اور تم تلاش کرو اللہ کی طرف ذریعہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ زندوں میں ذریعہ شیخ ہے (یعنی وہ اس کے عموم میں داخل ہے) اور اس کے رستہ میں مجاہدہ کرو یعنی اللہ کے رستہ میں یہ صوفیہ کے مجاہدہ کا حکم ہے (یعنی آیت اس کو بھی عام ہے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور مت خریدو میری آیتوں کے عوض میں متاع قلیل کو مذاق تصوف پر یہ معنی ہیں نہ خریدو متاع قلیل میری ان کرامتوں اور فراستوں کے عوض میں جو کہ تجھ سے مشہور ہوئیں حالانکہ میں نے تم کو نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے تم دنیا (کا مال وجاہ) وصول کرو۔ قول اللہ تعالیٰ کا تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شرع اور ایک طریق مقرر کیا یہ آیت ماتقدم پر دلالت کرتی ہے یعنی اس آیت کے مضمون پر یهدی به الله من اتبع الخ یعنی بطریق اثبات ایک نظیر کے دوسری نظیر سے نہ بطریق داخل کرے جزئی کے تحت میں کلی کے کیونکہ اس شرع اور طریق میں بعضے منسوخ ہیں قول اللہ تعالیٰ کا اے رسول پہنچادیجئے جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے یعنی اور اس کشف ومشاہدہ کو نہ پہنچائے جس کے ساتھ ہم نے آپ کو خاص کیا ہے (اور تبلیغ کا امر نہیں کیا) کیونکہ یہ لوگ اس کے برداشت کی قوت نہیں رکھتے ہیں۔ اور یہ مضمون مشائخ کے اس مقولہ کی صحت پر دال ہے کہ مناسب نہیں کہ اپنے واقعات لوگوں سے بیان کرے اور اگر ضرورت پڑے تو صرف شیخ سے کہے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد اس پر کافی دلیل ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے کہ اے میرے بیٹے تم اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے مت بیان کرنا۔

قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ہیں ان لوگوں کو اس میں کچھ گناہ نہیں جو انہوں نے کھالیا بشرطیکہ ڈرتے رہیں اور ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں پھر ڈرتے رہیں اور ایمان پر رہیں پھر ڈرتے رہیں اور احسان یعنی اخلاص اختیار کریں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان کے تین درجے قائم کئے پھر چوتھے درجے کو احسان بنادیا (جو عبارت ہے تصوف سے)

قول اللہ تعالیٰ کا اور ایسی چیزوں سے سوال مت کرو کہ اگر تسے بیان کردی جائیں تو تم

کو نا گوار ہو اولیاء اور عارفین سے (ایسی چیز کا جو ان کے ساتھ خاص ہے اور اسکے پوچھنے کی شدید ضرورت بھی نہیں .... کرنا پڑے گا .... کیونکہ وہ غلبہ حالت کے وقت ضرور جواب دیں گے اور بسا اوقات وہ جواب تمہاری فہم کے موافق نہ ہوگا اور تکذیب ولی کی اگر چہ کفر نہیں پھر بھی وہ خطرناک امر ہے (میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس ہے ایک سوال کا دوسرے سوال پر بوجہ اشتراک علۃ کے۔

سورۃ الانعام قول اللہ تعالیٰ کا سو بعد نصیحت کے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھنا اس میں ظالمین کی مجالست سے ممانعت فرمائی بدون فرق کے ظالم اور فاسق اور کافر ہیں کیونکہ ظالم سب کو شامل ہے (پس مطلقاً صحبت بد سے بچنا ثابت ہوا)

قول اللہ تعالیٰ کا پھر جب ان کو (یعنی ابراہیم علیہ السلام کو رات نے ڈھانک لیا ان کے اس قول تک اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں اور یہ مشاہدات عارفین کی ابتدائی چیزیں ہیں (یعنی انوار دیکھنا بعض احوال میں) تو یہ آیۃ اس امر پر دالت کرتی ہے کہ سالک راہ حق کو چاہئے کہ عاقل ہو دانا ہو بڑا سمجھ دار ہو۔ صاحب نظر وفکر ہو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں جو اعتقاد جائز ہے اور جو جائز نہیں اس سے غافل نہ ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے ان کو کھینچ لیا اور ان کو رستہ بتایا یعنی ہم نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا اور سیدھے رستہ کی ہدایت فرمائی تا کہ ہمارے لئے مجاہدہ کریں اور راستہ میں ریاضت کریں۔

قول اللہ تعالیٰ کا یہ ایسے حضرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی ہے تو آپ ان کے طریقہ کی پیروی کیجئے۔ اس آیت میں اس بات پر کھلی ہوئی دلالت ہے کہ مرید کے لئے ایک شیخ ایسا ہونا ضرور ہے جس کی وہ پیروی کرے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اس شخص سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی تہمت لگائے یا یہ کہے کہ میرے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اس کی طرف وحی نہ بھیجی گئی ہو۔ یہ ہر جھوٹے مدعی کو عام ہے خواہ نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی قسم کی ولایت کا جب جھوٹا ہوگا تو اس آیت میں داخل ہوگا۔

قول اللہ تعالیٰ کا سو جس شخص کے لئے اللہ چاہتا ہے کہ اس کو ہدایت کرے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ہدایت یہ ہے کہ نفس اور قلب دونوں دنیا او آخرت کو اور جو ان کے

درمیان میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور صرف اللہ ہی کو اختیار کرے اور کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو یعنی اس کے قلب کو وسیع کر دیتا ہے یہاں تک کہ جس چیز کو ترک اور سپرد کیا ہے اس کے نکل جانے کی اور جس چیز کو اختیار کیا ہے اس کے آ جانے کی اس میں گزارش...... اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا آپ نے فرمای اکہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈال دیا جاتا ہے پھر وہ اس کی وجہ سے کشادہ ہو جاتا ہے۔

سورہ اعراف آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھ کو عدل کا حکم کیا ہے اور عدل یہ ہے کہ تو کسی چیز کی طرف بجز اللہ کے مائل نہ ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اس کیع بادت کرو اسی کے لئے دین کو خالص کر کے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ خالق پر علی الدوام نظر رکھنے کی وجہ سے خلق پر نظر کرنے کو فراموش کر دے۔

قول اللہ تعالیٰ کا کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ یعنی دنیا سے بقدر ستر ڈھاکنے کے اور بھوک روکنے کے لو اور بس مگر یہ کہ تم کو گرمی اور سردی تکلیف دے تو اس قدر اور پہن لو جو گرمی اور سردی کو دفع کر دے اور اس پر زیادتی مت کرو تنعم کے طور پر جیسے نرم لباس اور خوش خوراکی اور نہ آرائش کے طور پر اور نہ غریبوں کے مقابلہ میں تفاخر کے طور پر کیونکہ یہ اسراف ہے قول اللہ تعالیٰ کا اور پاکیزہ شہر سے اس کی کھیتی نکلتی ہے خدا کے حکم سے تو پاکیزہ شہر (کے عموم میں داخل ہے) نفس مومن (اور اس آیت میں نفس مومن کے اندر جو استعداد ذکر وطاعۃ کی ہے اس کے ظہور کا بیان ہے) قول اللہ تعالیٰ کا سو یاد کرو تم اللہ کی نعمتوں کو تا کہ تم کو فلاح ہو اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتوں کے یاد کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ وہ یاد کرنا محبت الٰہی کا سبب بن جائے کیونکہ اپنے محسن کی محبت قلوب کا امر جبلی ہے (اور یہ ایک قسم کا مراقبہ ہے) قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے کسی بستی میں نبی نہیں بھیجا۔ مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور مصیبت کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ عاجزی کریں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی درگاہ کی طرف لطف سے بلاتا ہے پھر اگر وہ انکار کرتے ہیں تو سختی سے بلاتا ہے قول اللہ تعالیٰ کا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی مدت مقررہ پوری کر دی چالیس رات اور فرمایا نبی علیہ السلام نے جو شخص اللہ کی چالیس دن اخلاص سے عبادت کرے تو ان حضرات کا طریقہ (چلہ نشینی) اس

آیت اور حدیث سے ماخوذ ہے۔قول اللہ تعالیٰ کا عنقریب میں پھیلاؤں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں یعنی اپنی کرامتوں اور اپنے مشاہدوں سے ان لوگوں کو (دور رکھتا ہوں) جو خدا کے بندوں یعنی فقیروں اور کمزوروں اور ولیوں پر تکبر کرتے ہیں اور یہ آیت دال ہے ناحق تکبر کرنے والوں کے محجوب ہونے پر کمالات اولیاء وعارفین سے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تکبر دو قسم پر ہے بحق اور ناحق سو تکبر بحق غریبوں کا تکبر ہے امیروں پر اور کمزوروں کا زور مستعاد پر اولیاؤں کا کافروں پر فرمایا اللہ تعالیٰ نرم ہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں سخت ہیں کافروں کے مقابلہ میں (پس مراد صورت تکبر ہی قول اللہ تعالیٰ کا لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے اور یہ ایت دال ہے اس پر کہ شیخ مربی کو اپنے مرید پر غصہ کرنا جائز ہے (جب کوئی داعی ہو)

قول اللہ تعالیٰ کا اور آپ ان کافروں کو اس شخص کی حکایت پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی ہیں یعنی کرامتیں پھر وہ ان سے نکل بھاگا جاننا چاہئے کہ انسلاخ دو قسم پر ہے ایک خیر سے نکلنا شر کی طرف اور ایک شر سے نکلنا خیر کی طرف اور یہ دوسری قسم بدل جانا ان صفات کا یعنی کینہ اور حسد اور تکبر اور ان کے امثال کا صفات حمیدہ کے ساتھ اور فنا یہی ہے اور خیر سے شر کی طرف نکلنا یہ ہے کہ جو شخص مقامات اور درجات تک جس میں وہ ترقی کر رہا ہے...... ہو پھر ابتدا کی طرف لوٹ آئے اور ان مقامات سے اتر آئے اور جب ابتداء کی طرف سالک اترتا ہے اور وہ مقام ہے ایمان کا تو اکثر اوقات اسی حالت پر باقی رہتا ہے اور بعضے اس پر بھی نہیں ٹھہرتے یہاں تک کہ نعوذ باللہ اسفل السافلین (یعنی کفر) تک گر جاتے ہیں اور ان میں سے بعضے دفعتہً ہی اسفل السافلین تک گر جاتے ہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم بن باعوراء ور اگر ہم چاہتے ہیں اس کو ان نشانیوں کے ساتھ بلند کر دیتے علیین تک اور یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو درجات مشاہد تک ہنوز نہیں بلند کیا تھا کیونکہ اصل راجع نہیں ہوتا اور فانی واپس نہیں ہوتا) ولیکن وہ مائل ہو گیا مین کی طرف یعنی دنیا کو اختیار کر لیا اور اس کے ساتھ راضی ہو گیا سو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ اس کا نیچے اترنا اس کے عمل اور اس کے سوء اختیار سے تھا جو اس نے اپنے نفس کے لئے تجویز کیا تھا

اور یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ وہ ہنوز مقامات کسب اور رستہ میں تھا (کیونکہ جو کسب کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اختیاری نہیں تو اس کے ساتھ زمین کی طرف مائل نہیں ہوسکتا) اور یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ولی کو ماموں ہونا مناسب نہیں جب تک وہ دار التکلیف میں زندہ ہے (اور مابعد الکسب تک پہنچنا یقیناً معلوم ہو نہیں سکتا تو کیا عجب کہ ہنوز پہنچا نہ ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے دل ہیں جس سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں نہیں جاننا چاہئے کہ قلوب جمع ہے اس کا واحد قلب ہے اور قلب بہت معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور قرفہم عوام کے قلب بدن ہے پھر قلب بدنی میں قلب نفس ہے پھر ایک اور قلب ہے جو قلب نفس ہے بھی زیادہ لطیف ہے تو وہ قلب نفس کے اندر ہے پھر اس قلب میں عقل اور روح ہے جس کو ہم سر کہتے ہیں اور یہ سر اس قلب کا قلب ہے جس میں عقل ہے پھر عقل اور سر یہ دونوں روحانی نور ہیں پھر خفی ہے بعد اس کے جو سر السر ہے اور (اسی طرح اس کا دل اور اس کی آنکھ ہے خوب سمجھ لو۔ تو قول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے دل میں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور اس سے وہ قلب ہے جو محل سر و عقل ہے (اس لئے کہ قلب بدن سے تو وہ اس کے مدرکات کو سمجھتے تھے) اور قول اللہ تعالیٰ کا اور ان کی ایسی انکھیں ہیں اور ول اللہ تعالیٰ کا ان کے ایسے کان ہیں مراد ان سے قلب کی آنکھیں اور قلب کے کان ہیں وجہ اس کی یہ کہ وہ جو اس ظاہرہ سے تو سنتے دیکھتے تھے یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں کیونکہ چوپائے اور جانوروں کے دلوں میں آنکھیں اور کان نہیں جیسا کہ انسان میں یہ آنکھ اور کان باطنی ہیں اور پھر باوجود اس کے یہ لوگ بے راہ ہو گئے تو چوپایوں اور جانوروں سے بھی زیادہ بے راہ ٹھہرے (اور اس تقریر سے وہ ثابت ہو گیا جس کے یہ حضرات قائل ہیں یعنی وجود لطائف کا انسان میں) قول اللہ تعالیٰ کا میرا تو کارساز اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہی نیکوں کی کارسازی کرتا ہے زیادہ توفیق دے کر اور حفاظت فرما کر اور ہدایت الی الحق فرما کر کہ اتنی ان لوگوں کی کارسازی نہیں کرتا جو نیک نہیں ہیں بلکہ ان کو ان کے نفوس کے حوالہ کر دیتا ہے قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ڈرتے ہیں جب ان کو کوئی گشت کرنے والا شیطانی اثر چھو لیتا ہے تو وہ ذکر کرتے ہیں

پھر وہ دفعۃً دیکھنے لگتے ہیں یعنی جب ان کو شیطان چھوتا ہے وسوسہ ڈال کر اور پریشان کر کے اور پردے اور حجاب قلب پر ڈال کر تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کا نام لیتے ہیں پھر جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وہ پردے دور کر دیتا ہے اور اٹھا دیتا ہے اور قلب ذاکر کو بینا کر دیتا ہے اور کلمات ذکر میں سب سے زیادہ مفید تصفیۂ سر میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہ مجرب ہے قول اللہ تعالیٰ کا اور اپنے رب کو اپنے نفس میں یاد کر یعنی اپنے دل سے کیونکہ نفس باطن ہے پس جو ذکر اس میں ہوگا وہ بھی ظاہر بات کے باطن ہوگا۔

سورۂ انفال قول اللہ تعالیٰ کا پس مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے اس دل تک روزی عزت کی ہے یہ آیت ان چیزوں کے ذکر میں نازل ہوئی جو صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور صوفیہ ان کے ساتھ خاص ہیں اور وہ احوال قلب امن (سورہ توبہ)

قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ آپ اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ غم نہ کرو بالیقین اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی مدد اور حفاظت سے نہ ذات سے کیونکہ ذات سے تو اللہ تعالیٰ پر مخذول اور منصور اور ظالم اور مظلوم کے ساتھ ہے لیکن غم جب ہی دور ہوتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیف کی معیت نصرت کے ساتھ ہے فذلان کے ساتھ نہیں اور اس نے ظاہر حضرت صدیقؓ کے حال سے یہ ہے کہ ان کو یہ تو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ دونوں سے قربت میں رگ گردن سے بھی قریب ہے صرف خوف اس وجہ سے تھا کہ آپکو اللہ کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ہونا یقیناً معلوم تھا کیونکہ کبھی اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں اور کبھی مدد نہیں بھی کرتے کیونکہ وہ ان کا اختیاری فعل ہے) قول اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں سے قتال کرو جو کافروں میں سے تمہارے قریب ہوں یعنی ابتدا اپنے نفس سے کر اگر وہ کافر ہو کہ وہ مطیع اور فرمانبردار اور ...... ہو جائے گا پھر اپنے باقی دشمنوں یعنی بنوائے نفسانی اور شہوات اور شیاطین سے مقابلہ کرنا جو سب سے اقرب ہو پھر اس کے بعد جو اقرب ہو۔

قول اللہ تعالیٰ کا یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول تشریف لائے ہیں کہ ان پر شاق ہے تمہارا مشقت میں پڑنا تمہاری بھلائی پر حریص ہیں مسلمانوں کے ساتھ شفقت کرنے والے مہربان ہیں ایسا ہی تصوف کی تربیت کرنے والے کو ہونا واجب ہے۔

سورہ یونس قول اللہ تعالیٰ کا بلکہ ان لوگوں نے جھٹلایا اس چیز کو جس کے علم کا احاطہ بھی نہیں کیا یہ کلمہ عام ہے گو سبب نزول اس کا صرف ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے اور اکثر آدمیوں میں غالب خصلت یہ ہے کہ جس کو وہ نہیں جانتے اس کی تکذیب اور انکار کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لوگ جس کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے سورہ احقاف میں اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے اور جبکہ یہ کفار قرآن نہیں سمجھ سکے تو اب یہی کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹی باتیں ہیں تو یہ سب ہر ایسے شخص کی توبیخ کے لئے ہے جو ایسے امر کا انکار کرے جس کو انبیاء اولیاء سے معلوم کرے اور سنے (سورۂ ہود علیہ السلام) قول اللہ تعالیٰ کا اور اخبار انبیا میں سے ہم ایسے خبریں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو ہم مضبوط کردیں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ احوال اولیاء اور عارفین کے بھی اس قسم کے سلوک سے خالی نہیں ہوتے (یعنی اثنا سلوک میں ایسے احوال پیش آتے ہیں کہ ان کے تدبر کے لئے اکابر کے حالات یاد دلانے کی ضرورت ہوتی ہے بالخصوص جب لوگ ان کے واردات میں شک ڈالنے پر جمع ہوں کہ یہ خیالات اور مالیخولیا اور وسوسہ شیطانی اور خطرات نفسانی اور القاء شیطانی ہیں اور اس قسم کی باتیں کہتے ہیں اور انبیاء کے قصے اور مشائخ متقدمین کی حکایتیں اور ان حضرات کے حالات میں غور کرنا یہ سب ان کی واردات و حالات موجودہ پر ان کی ثبات قلب کا سبب ہو جاتے ہیں جس طرح انبیاء کے لئے تھا اور اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ سالک کے لئے ایسا شیخ ضرور ہونا چاہئے جو ماہر ہو فاضل ہو واقعات مشائخ کو اور ان کے حالات اور اوقات کو خوب جانتا ہو خوب سمجھ لو۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور اسی کی طرف ہر امر لوٹتا ہے اس میں مشائخ کے اس مقولہ کی صحت پر دلالت ہے جو انہوں نے سیر الی اللہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سیر اور رجوع میں ہمیشہ رہتی ہے یہاں تک کہ امہ تک پہنچ جائے پھر جب وہ اللہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کی سیر الی اللہ ختم ہو جاتی ہے اور اسی مقام سے فرمایا ہے بے شک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے اور (بعد منتہی ہونے کے) نیک لوگ صفات لطاف وکرم سے عیش حاصل کرتے ہیں اور بد بخت قہر وغضب کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ (سورہ یوسف علیہ السلام) قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ کہا یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ

میں نے دیکھے گیارہ ستارے آخر آیات، اللہ تک ان آیتوں میں علوم تصوف میں سے بہت سے علوم ہیں اول قول اللہ تعالیٰ کا...... ان لوگوں کے قول کے بطلان پر دلالت کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ صوفیہ کے خواب ان کی واردات اور واقعات اور احوال کے بارہ میں خیالات ہیں جن کا واقعی وجود نہیں دوسرے یہ کہ مبتدی مرید کے لئے ایک ایسا شیخ خیر خواہ ہونا ضرور ہے کہ اس کو اس کے مقصود کی ہدایت کر سکے اور اس کے صلاح وفساد کو جان سکے کیونکہ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کی طرف رجوع کیا پھر انہوں نے ان کو مصلحت کی بات بتلائی اور ان کو وہ خواب حاسدوں سے چھپانے کا حکم فرمایا۔ تیسری آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے واقعات بجز شیخ کے ادب نے چوتھے آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ شیطان جب کسی میں نبوت اور دین کے یا اور اس طرح کے آچار دیکھتا ہے تو وہ اس حالت کے بگاڑنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے چنانچہ فرمایا کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے پانچویں قول اللہ تعالیٰ کا قد جعلہا ربی حقا یعنی میرے پروردگار نے اس خواب کو سچ کر دیا اس کا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعضے خواب ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سچ اور مطابق واقع کا.................. آیت ان پر دلالت کرتی ہے کہ بعضے خواب خیال اور پریشان خواب ہوتے ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ کا بلاتا ہوں اللہ کی طرف اس طور پر کہ میں بصیرت پر ہوں یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ کو صاحب بصیرت صاحب دعوت ہونا ضرور ہے اس امر میں جس کی طرف مرید کو بلاتا ہے۔ (سورہ رعد) قول اللہ تعالیٰ کا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت نہ بدلے ان کے کنایہ بھی داخل ہے) کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ سے محجوب نہیں کرتا جب تک وہ اپنے اوراد اور معاملات کو: بدلیں۔ قول اللہ تعالیٰ کا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کی یاد سے یعنی زبان اور دل سے اس کا ذکر کرتے ہیں اور تسبیح وتہلیل کرتے ہیں اور اس سے مطمئن ہوتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں (سورۃ الحجر) قول اللہ تعالیٰ کا بیشک اس قصہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فراست رکھتے ہیں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فراست مومن سے ڈرو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ان فی ذلک

لآیات للمؤمنین پس یہ آیت فراست عارفین کے صحیح ہونے پر دال ہے اور فراست ایسے امور کا نام ہے جن کو عام لوگ نہیں دیکھتے قول اللہ تعالیٰ کا سو آپ کو جو حکم ہے اس کو ظاہر کر دیجئے اور مشرکوں سے الگ ہو جائیے یعنی پیغام حق ادا کر دیجئے پھر خلوت کی طرف رجوع کیجئے اور مشاہدہ حق تعالیٰ کا مراقبہ کیجئے اور اسی مقام سے مشائخ نے خلوت پر محافظت رکھنے کو اخذ کیا ہے (یعنی خلائق کا جو ان پر حق ہے نصیحت اور ہدایت کرنا اس کے ادا کرنے کے بعد یہ ہونا چاہئے) سورہ نحل قول اللہ تعالیٰ کا اور جب آپ قرآن پڑھنے لگتے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے شیطان مردود سے کیونکہ اسکو غلبہ ان لوگوں پر نہیں ہوتا جو ایمان رہتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں آیت دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگنا شیطان سے شیطان کو عاجز کر دینے والا ہے اور اس کے وسوسوں سے مانع ہوا اور اس پر یہی دلالت ہے کہ شیطان کو قوت اور قدرت ان مسلمانوں پر نہیں جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں قول اللہ تعالیٰ کا جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اسکو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آرام پانا اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو سمجھنے لگنا اور اللہ کے ساتھ مستغنی ہو جانا ہے پس یہ حالت نہ تبدیل کو مقتضی ہے اور نہ تحویل کو قول اللہ تعالیٰ کا آپ اپنے رب کے رستہ کی طرف بلائیے اور یہ رستہ ہی ہے جو طریقت کے نام سے صوفیہ کے نزدیک مشہور حکمت کے ساتھ مراد اس سے دانا ہونا ہے شیخ تربیت کنندہ کا اور اس کا ان تمام امور کو سمجھنا جو ہر ایک مرید کے لئے مناسب ہو کیونکہ مریدوں کی طاعتیں مختلف ہوتی ہیں سو انہیں سے بعضے تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کثرت صوم مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ تکثیر نماز ان کے لئے مناسب ہوتی ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نماز اور روزہ دونوں بہتر ہوتے ہیں اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے الی امور کی کثرت مناسب نہیں ہوتی صرف زہد عن الدنیا ہی نہیں ہوتا۔ بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسب مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے خدمت کرنا

مناسب ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نفس پر مجاہدہ کرنے میں سختی اور تشدد...... ہوتا ہے اور بعضے ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نرمی اور آسانی کرنا لایق ہوتا ہے تو ان امور کا سمجھنا حکمت مذکورہ ہے اس کو یاد رکھو اور اچھی نصیحت کے ساتھ مراد ان سے کام لینا ہے اعمال طریقہ میں مارا ۃ اور نرمی اور پوری شفقت کے ساتھ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی بتلادی کہ اسسے اس کا بجز اس کے اور کچھ مطلب نہیں کہ ان کے مقامات بلند ہوں اور ان کے درجے بلند ہوں اور ان سے گفتگو ایسے طریق سے کیجئے کہ وہ بہتر ہو یعنی ان سے گفتگو کیجئے لطیف عبارت سے اور اچھے لفظوں سے اور ان کے ساتھ نرم رہئے اور ان کی طرف متوجہ رہئے اور جب ان کو امر و نہی کیلئے اور ان کو بلایئے اور کسی امر سے ہٹایئے تو ان پر بوجھ نہ ڈالئے کیونکہ یہ طریق ان کے دلوں میں زیادہ اثر کرنے والا ہے اور ان کے لئے زیادہ نافع ہے اور اس میں تعلیم ہے مشائخ صوفیہ کی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اخیر آیت تک اور اسی طرح قرآن میں جو کیفیت اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی اور امت پر شفقت کرنے اور ان کے لئے سفارش کرنے کی اور انکو اللہ کی طرف بلانے کی مذکور ہے وہ سب مشائخ صوفیہ کو بھی اسب بات کا خطاب ہے کہ ان امور کو مریدوں کے ساتھ عمل میں لانا ان پر واجب ہے۔

(سورۂ بنی اسرائیل) قول اللہ تعالیٰ کا یہ لوگ جن کو پکرتے ہیں وہ خود ہی اپنے پروردگار کی طرف ذریعہ تلاش کرتے ہیں جو ان میں زیادہ صاحب قرب ہے اور وہ اللہ کی رحمت کے ساتھ اور امیدوار اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں اور اللہ کی طرف ذریعہ سے مراد وہ چیز ہے جو خدائے بزرگ و برتر کے وصال کا ذریعہ بنائی جائے اور وہ مجاہدات اور اذکار لسانی و قلبی اور خلوت کے مراقبات ہیں اور جس شخص کو اللہ کا قرب زیادہ ہوگا یعنی جو شخص واصل زیادہ ہوگا اور ذریعہ کا زیادہ طالب ہوگا کیونکہ کوئی وصال اور قرب ایسا نہیں جس سے اوپر وصال کے اور بے انتہا مراتب نہ ہوں اور جس کو قرب یادہ ہوگا وہ اللہ کا پہچاننے والا بھی زائد ہوگا اور زیادتی کا طلب کرنے والا بھی بہت ہوگا۔

سورہ کہف قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہی حال ہوتا ہے

مرید صادق الارادۃ کا کہ اس کے قلب اور سر کو مضبوط کر دیا جاتا ہے پھر وہ بلا کی پروا نہیں کرتا اور مصیبتوں سے متحیر نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کا خبر گیران اور کفایت کرنے والا ہوجاتا ہے اور (سلوک کی) وادیوں میں اس کو گزارتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے پاس اس کو قرار ہو جاتا ہے ایسا ہی وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رستہ میں چلنے والوں سے۔

لقولہ عز وجل اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے رستے بتلا دیں گے قول اللہ تعالیٰ کا اے مخاطب اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور رعب سے بھر جائے یعنی ان پر جو آچار ہیبت حق تعالیٰ کے ہیں جب تو ان پر واقف ہو (الخ) اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی نظر اور تجلی مختلف ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کی طرف صفۃ جلال و ہیبت سے نظر فرماتا ہے تو یہ بندہ بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کو دیکھتا ہے وہ بھی شوریدہ عقل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب اپنے بندہ کی طرف صفت لطف و جمال سے نظر کرتا ہے تو یہ بندہ خلقت کی آنکھوں میں لطیف اور جمیل ہو جاتا ہے جو شخص اس کو دیکھتا ہے فریفتہ ہو کر شوریدہ عقل ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس صفت سے اس پر تجلی فرماتا ہے تو خود اس کو جمال سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روک کر رکھئے جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اس کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نہیں چاہتے ہیں مگر خاص میری ہی ذات کو یعنی نہ دنیا کو نہ عقبیٰ کو۔ قول اللہ تعالیٰ کا اور جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے فرمایا کہ میں جب تک .... کے ملنے کی جگہ تک نہ پہنچ لوں گا سفر سے نہ رکوں گا یا برسوں تک چلتا ہی رہوں گا۔ آیت کا مقتضا یہ ہے کہ مرید کا ارادہ اور نیت شیخ کی طلب میں اس شان کا ہونا چاہئے یہاں تک کہ مقصود پا لے۔

قول اللہ تعالیٰ کا پھر جب دونوں آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ اس بات پر دلالت ہے کہ مرید مسافر کے ساتھ اگر توشہ معین ہو تو جائز ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی کے لوگوں کے پاس پہنچے تو اس بستی کے لوگوں سے کھانا مانگا یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متوکل کو گو کہ اپنے توکل میں کمال کو پہنچا

ہولوگوں سے کھانا مانگنا جائز ہے اور یہ اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ مرید کے لئے دوسرا مرید اور شاگرد ہونا جائز ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے طالب تھے اور یوشع موسیٰ علیہ السلام کے مرید اور شاگرد تھے۔ قول اللہ تعالیٰ کا ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم دیا تھا وہ ایسے پوشیدہ چیزوں کا علم ہے جو عقل اور شریعت اور حواس سے معلوم نہ ہو سکیں (بلکہ الہام سے معلوم ہوں) قولی اللہ تعالیٰ کا حضرت خضر سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کیا میں تمہارے ساتھ رہوں یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرید اپنے شیخ کی رفاقت اور ہیبت بدون اس کے حکم کے نہ کرے اور اسی طرح اس پر دلالت کرتی ہے کہ افضل کو ایسے شخص کی شاگردی کرنا جو کم درجہ کا ہو کسی ایسے علم میں جو اس کے پاس ہو جائز ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا حضرت خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ دلالت اس پر ہے کہ شیخ کو جائز ہے کہ مرید کو اپنے پاس رہنے سے روک دے قول اللہ تعالیٰ کا کہ اخضر نے سو اگر تم میرے ساتھ رہو تو مجھ سے سوال نہ کرنا اس پر دلالت ہے کہ شیخ پر اعتراض نہ کرنا چاہئے۔ قول اللہ تعالیٰ کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے الخ اور فرمایا اگر پوچھوں میں الخ یہ سب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ کے مرید کو واجب ہے کہ متحمل ہو شیخ کے روبرو بست رہے.........

قول اللہ تعالیٰ کا ابھی تم کو اس کا مطلب بتادوں گا جس پر تم صبر نہیں کر سکتے مضمون آیت اس پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ کو مرید کے سامنے ایسا کوئی کام کرنا مناسب نہیں جس کا ظاہر برا ہوتا کہ وہ باطن میں بتلا ہے ان کا رد ہو جائے اور اگر اس کو ایسا اتفاق ہو تو اس پر واجب ہے کہ ان کے انکار کو اپنے عمل کی حقیقت بیان کر کے اور اپنے اس فعل کی تاویل کر کے زائل کر دے۔ اور آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شیخ جب مرید سے تنگ ہو جائے اور اس کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرے تو اس کو مناسب نہیں کہ مرید سے بدون ظاہری عذر کے مفارقت کرے (سورہ مریم) قول اللہ تعالیٰ اور اپنی طرف درخت کھجور کی ڈالی ہلاؤ بعضوں نے کہا کہ مریم علیہا السلام کی کرامت ہے۔ (سورہ طہٰ) قول اللہ تعالیٰ کا عرش پر رحمان جلوہ گر ہوا اور اللہ تعالیٰ کا خاص عرش پر مستوی ہونا ایک خاص ...... ہے عرش پر ایک خاص صفت کے ساتھ اور مثال اس کی بطور تفہیم کے آفتاب کی مثال ہے زمین پر یعنی اس کی شعائیں جب بدون حجاب

ابر کے زمین پر چمکیں (کہ قات شمس الارض پر مرقت نہیں مگر شعاع کے واسطہ سے ارض کے ساتھ اس کو ایک..................

قول اللہ تعالیٰ کا جبکہ جس نے تمہاری ماں سے پوشیدہ کہا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اولیاء اللہ سے تھیں کیونکہ ان سے فرشتوں نے بطور ان کی کرامت کے کلام کیا تھا۔ قول اللہ تعالیٰ کا ادبین نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی یعنی صفت محبت کے ساتھ میں لئے تم پر تجلی کی اور اپنی محبت سے جو کہ تمہارے ساتھ متعلق ہے میں نے تم میں نظر کی تو صفت محبت کے ساتھ تم پر میری تجلی کرنے سے صفت محبوبیت کی تم کو حاصل ہوگئی تو جس شخص نے تم کو دیکھا تم سے محبت کرنے لگا اور تفسیر .... وہ پھوہار ڈالنا ہے جو کہ حدیث میں مذکور ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا رشاش ارواح پر فائض فرمایا) قول اللہ تعالیٰ کا اور پسند کرلیا میں نے تم کو اپنی ذات کے لئے یعنی میں نے تم کو ایسی حالت پر پیدا کیا کہ بجز میری عبادت کے تم میں کسی دل پسند) چیز سے مناسبت نہیں ہوئی۔ قول اللہ تعالیٰ کا آپ کہئے کہ اے میرے رب میرے علم میں زیادتی کیجئے کیونکہ کوئی زیادتی علم کی ایسی نہیں جس کے اوپر بہت سی بے انتہا زیادتیاں نہ ہوں قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا تو اس کے لئے زندگی تنگ ہے کیونکہ جس شخص کو ذکر قلبی وسری میسر نہیں ہے وہ تنگی اور تاریکی میں ہے نہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور نہ جبروت تک اس کو ترقی ہوتی ہے اور زمین پر جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔

سورہ انبیاء جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے نیکی سابق ہوئی یعنی ہماری محبت ان کی ساتھ ازل میں سابق ہوئی (اور یہی سابقہ) استعداد ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء المحبوب کی جانب سے ہے۔ (سورہ حج) اور ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی آپ سے پیشتر نہیں بھیجا مگر جب وہ کوئی خیال کرتا تھا تو شیطان اس کے خیال میں کچھ ڈال دیتا تھا تو جب نبی اور رسول کا یہ حال ہے تو ولی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ القاء شیطانی سے مامون رہے اور اگر ماہر (یعنی اس بات کا سمجھنے والا کہ اس میں کیا اصل ہے اور کیا القاء ہے) نہ ہو تو اس کو اپنے کسی واقعہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے تاوقتیکہ اپنے شیخ کے روبرو پیش نہ کرے۔

قول اللہ تعالیٰ کا اور اللہ کے بارہ میں جہاد کرو۔ یہ وہی ہے جس کا مشائخ سیر فی اللہ نام رکھتے ہیں۔ (سورہ مومنین) پس برتر ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے یعنی وہموں سے اور گمانوں سے اور فکروں سے اور...... اور علموں سے (سورہ نور) قول اللہ تعالیٰ کا آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ بعض مشائخ نے کہا کہ اپنے سر کی آنکھیں نیچی رکھیں نامحرم عورتوں سے اور گلوب کی تخصیص جمیع اسوی اللہ ہے۔ قول اللہ تعالیٰ .... غافل کرتی ہے ان کو تجارت اور .... اللہ کی یاد سے اور اور یہی خلوت در انجمن ہے اور یہ حال نبیوں اور بڑے بڑے ولیوں کا ہے اور ایسے اولیاء کم ہوتے ہیں اور بعضے ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر صرف خلوت میں قادر ہوتے ہیں اور بعضے جب ان پر حالت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں اور بعضے جب سونے اور جاگنے کے درمیان ہوتے ہیں تو صرف اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں اور بعضے اس وقت اس پر قادر ہوتے ہیں جب غرق ہو کر سو جائیں اور یہ شخص واصلین میں سب سے ادنیٰ اور کم رتبہ کا ہے۔

(سورہ فرقان) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جاننا چاہئے کہ یہ آیت بڑی حجت ہے اس قول کے صادق ہونے کی جس کی طرف عارفین گئے ہیں یعنی جس شخص کا قلب اللہ کے سوا کسی اور چیز سے متعلق ہو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے (محبت میں) (سورۃ الشعراء) قول اللہ تعالیٰ کا سو میں تم لوگوں سے بھاگ گیا اسی مقام سے کہا گیا ہے کہ جس امر کی برداشت نہ ہو سکے اس سے علیحدہ ہو جانا پیغمبروں کو طریقہ ہے (سورہ نمل) قول اللہ تعالیٰ کا بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مرغوب کر دیا ہے۔ بڑی سزا عاصی کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی معصیت پر چھوڑ دے پھر نہ اس کو متنبہ کرے اور نہ غفلت سے ہوش میں آنے کی توفیق دے اور وہ لغو عذروں سے گنجائش حاصل کرتا ہے۔ قول اللہ تعالیٰ کا میں اس تخفف کو آپ کے پاس لائے دیتا ہوں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آصف کا قول ہو یہ بات غلبہ حال میں جبکہ وہ عین جمع میں تھے کہہ دی کہہ دی اور یہ کلام اس کا تھا کہ اس کو ان کی زبان پر جاری کر دیا تھا جیسے قول سبحانی کو بایزید کی زبان پر جاری کر دیا تھا اور انا الحق کو منصور

کی زبان پر اور اس قسم کے واقعات بہت ہیں درخت سے آواز دی کہ اے موسیٰ میں اللہ ہوں پھر دوسری بات یہ ہے کہ ایسی کرامتیں اولیاء اللہ سے بہت ہوا کرتی ہیں اور وہ مسافت بعیدہ کا زمانہ قصیرہ میں قطع کرتا ہے اور دیوار سے پار ہو جاتا اور اسی کے مثل اور بھی ہے (سورہ قصص) قول اللہ تعالیٰ کا قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دیں اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ رکھتے۔ یوسف بن حسین رازی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دو باتوں کا حکم ہوا ان کو دودھ پلاؤ پھر ان کو دریا میں ڈال دو۔ اور دو باتوں سے ممانعت کی گئی۔ اور نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو۔ اور دو باتوں کی بشارت دی گئی ہم ان کو تمہارے پاس لوٹانے والے ہیں اور ان کو رسولوں میں سے کرنے والے ہیں سو مگر بدون ربط قلب کے یہ سب پورے طور سے نافع نہ ہوا۔ (سورہ عنکبوت) قول اللہ تعالیٰ کا اور البتہ ذکر اللہ کا بہت بڑا ہے .... سے روکتے ہیں بڑائی اور شیخی کے دور کرتے .... اور صفات ذمیمہ کے لٹائے ہیں اور شیخ کے نزدیک یہ مجرب ہے خاص کر لا الہ الا اللہ کا ذکر۔ (سورہ روم) قول اللہ تعالیٰ کا یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو وجہ اور کے طالب ہیں یعنی ذات الٰہی کے طالب ہیں (جو کہ وہی مقصود بالذات ہے نہ دنیا نہ آخرت)

(سورہ لقمان) قول اللہ تعالیٰ اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کیں سو ظاہری نعمتیں تو اعضاء ہیں جیسے آنکھ اور کان اور زبان اور دانت اور ہاتھ اور پیر اور ان کی مانند اور باطنی نعمتیں نفس اور قلب اور عقل اور سر اور خفی ہیں سورہ الم السجدہ قول اللہ تعالیٰ کا پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ہم ولید کے ساتھ کہا جعفر نے اپنے پروردگار سے ڈر کر اور اپنے پروردگار سے امید رکھ کر (جیسا کہ ربہم کا پہلے ذکر کرتا اور معمول خوفاً وطمعاً کو ذکر نہ کرنا اس پر دال ہے)

(سورہ احزاب) قول اللہ تعالیٰ کا اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تھی یہ عام مسلمانوں کو ممانعت ہے جو انبیاء اور اولیاء اور مومنین متقین کو ایسے امور (کی تہمت) سے تکلیف پہنچاتے ہیں جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ (سورہ سبا قول اللہ تعالیٰ کا اور جو چیز تم خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ جس کا بدلہ دے گا یہ آیت عموم لفظ شی سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اپنے بدن اور روح اور راحت میں

سے کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے صرف کردے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے اچھا اس کو بدلہ دے گا۔

(سورہ فاطر) قول اللہ تعالیٰ کا اور زندے اور مردے برابر نہیں یعنی اللہ والے اور شیطان والے برابر نہیں۔ (سورہ یٰس) قول اللہ تعالیٰ کا اور قسم ہے قرآن حکمت والے کی صراط مستقیم تک اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے ہوئے نبی ہیں جیسے اور تمام اور فائدہ قسم کا آپ کے قلب کا مطمئن کرنا ہے کیونکہ آپ کو جانتے تھے کہ آپ رسولوں میں سے ہیں ولیکن مزید اطمیتا کی احتیاج آپ کو بھی ہوسکتی ہے (سورہ والصفت) قول اللہ تعالیٰ کا میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں یہ وہی ہے جس کو مشائخ کہتے ہیں یعنی ان کی طریقہ مشہور ہیں سیر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور یہ کہ سیر مرغوب اور محبوب ہے (سورہ ص) اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو صاحب قوۃ اور صاحب بصیرت تھے یعنی صاحب قوت تھے۔ نفس اور نفسانی خواہشوں اور شیطان پر اور صاحب بصیرت یعنی بصیرت نفس اور عقل اور قلب اور سر اور خفی کی۔ (سورہ زمر) قول اللہ تعالیٰ کا تو کیا جس شخص کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو پھر وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہو۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیکن نور پس جب داخل ہوتا ہے اس شخص کے باطن میں تو اس کی وجہ سے سینہ اس کا کشادہ ہوجاتا ہے اور کھل جاتا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ تو کیا اس کی کوئی علامت ہے فرمایا ہاں دھوکہ کے گھر سے دور ہونا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت کے لئے قبل اس کے آنے کے اچھی طرح آمادہ ہوجانا۔ قول اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوجاتے ہیں اس سے کھالوں کے بال (یہ ایک قسم ہے وجد کی) (سورہ مومن) قول اللہ تعالیٰ کا وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور جو دل پوشیدہ رکھتے ہیں یہ ایت دلیل ہے اس پر کہ تزکیہ ظاہر کے ساتھ تزکیہ بطن بھی واجب ہے

(سورہ حم السجدہ) قول اللہ تعالیٰ کا اور اگر اثر کرے تیرے اندر شیطان کی طرف سے کوئی اثر یعنی تیرے ظاہر اور باطن میں کوئی فساد ڈال دے جیسے کینہ اور حسد اور غصہ اور ریا اور عجب اور کذب اور گالی اور مارنا ناحق تو اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ تو خود شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔

سورہ شوریٰ قول اللہ تعالیٰ کا سوا اگر اللہ ارادہ کرے تو تیرے دل پر مہر لگا دے اگر تو ہم پر پیچ کے علاوہ کوئی اور بات کہے مروی ہے کہ ایک امام نے یہ آیت پڑھی اور شبلیؒ اس کے پیچھے تھے سو جب انہوں نے یہ آیت اپنی نماز میں امام سے سنی تو فرمانے لگے کہ (اللہ اکبر) اس طرح تو اچھے لوگوں سے خطاب ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ سلب حال سے خوف کرنا واجب ہے)

(سورہ زخرف) قول اللہ تعالیٰ کا اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بنا رہے اس کے لئے ہم ایک شیطان مقرر کر دیں گے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے احکام سے اعراض کرے (اور اس میں دلالت ہے کہ محجوبین پر شیاطین مسلط ہوتے ہیں)(سورہ دخان) قول اللہ تعالیٰ کا اور ہم نے ان کو پسند کر لیا علم سے تمام جہان کے لوگوں پر اور جو خطائیں ان سے سرزد ہوتی ہیں اس کا اثر ہمارے حکم ازلی اجتباء اور اختیار میں نہیں ہوتا (اور اس میں دلالت ہے اس پر کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا (سورہ جاثیہ) قول اللہ تعالیٰ کا اور اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں اور وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔ قائلین حلول نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدمی نہ تھے بس آپ خدا ہی تھے اور یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اس قول میں کہ وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کے بیعت کرنے کا اثبات ہے اور اس میں نبی علیہ السلام سے ان کے بیعت کرنے کی نفی نہیں ہے (سورہ نجم) قول اللہ تعالیٰ کا اور آپ کے رب کی طرف منتہی ہے یعنی اللہ عز و جل کی ذات میں فکر نہیں چلتا (کیونکہ سب چیزوں کہ ان میں فکر بھی ہے منتھا الی الرب فرماتا ہے پس فکر فی الرب منفی ہوا (سورہ قمر) قول اللہ تعالیٰ کا ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم شکر کرنے والے کو یعنی ہم ہر دل شاکر کو جزا دیتے ہیں اس طرح کہ ان کو نجات دیتے ہیں اور ان کے اعداء ہلاک ہوتے ہیں۔

(سورہ واقعہ) قول اللہ تعالیٰ کا پس اگر ہوگا ان لوگوں سے جو مقرب کئے گئے ہیں یہ دلیل ہے اسکی کہ اللہ کا مقرب وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مقرب بنا لے (سورہ الحدید) قول اللہ تعالیٰ کا کیا وہ وقت مسلمانوں کے لئے نہیں آیا ہے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں آخر آیت تک یعنی کیا اللہ کی یاد کے لئے مسلمانوں کے دلوں کو جھکنے اور پست

ہو جانے اور کھل جانے اور وسیع ہو جانے کا وقت نہیں آیا یعنی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کے ساتھ مناجات کے لئے (سورہ مجادلہ) قول اللہ تعالیٰ کا مسلط ہو گیا ان پر شیطان تو اس نے ان کو غافل کر دیا اللہ کے ذکر سے۔ اور اس کی یہ ہے کہ بندہ اپنے آقا کا ذکر نہ کرے اور اگر کوئی ذکر کرے تو اس کو برا معلوم ہو اور ناگوار ہو صحبت علماء اور صلحاء کی اور پسند کرے احمقوں اور مسخروں اور اس قسم کے لوگوں کی صحبت کو اور خوش ہو ان کی صحبت سے اور محظوظ ہوتا ہو ان کی مجالست سے اور حرام اس کو زیادہ پسند ہو حلال سے اور معصیت زیادہ محبوب ہو طاعت سے اور اپنے گناہوں پر فخر کرے اور لوگوں کے سامنے گناہوں پر شیخی بگھارے اور لوگوں کو طاعت پر ملامت کرے تو یہ ایسا شخص ہے جس پر شیطان مسلط ہو گیا۔ قول اللہ تعالیٰ کا قوت دی ان کو ایک روح سے اپنی طرف سے یعنی قوت دی اس رشاش نور سے جو نفس پر ہیز کا گیا۔ (سورہ الحشر) قول اللہ تعالیٰ کا اگر اتارتے ہم اس قرآن کو پہاڑ پر تو اس کو بھی تو دیکھتا کہ پست رزہ ریزہ ہو گیا ہے خدا کے خوف سے یعنی اگر کوئی بھی صفت صفات خداوندی سے تجلی کرتی اور یہ صفت جیسے عظمت اور جلال ہے ابن عطا نے فرمایا کہ اشارہ اس امر کی طرف کیا ہے کہ اسکی صفات کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور اس کی تجلی کے سامنے بجز اس کے جس کو اللہ تعالیٰ ہی قوت دے دے کوئی باقی نہیں رہ سکتا اور وہ عارفوں کے قلب ہیں تو وہ اللہ کے ساتھ قائم ہیں نہ اس کے غیر کے ساتھ تو اللہ یعنی اس کی تجلی قائم ہے ان کے ساتھ۔

(سورہ ممتحنہ) قول اللہ تعالیٰ کا نہ بناؤ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ افضل الایمان یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے عداوت کرے (قول اللہ تعالیٰ کا اے نبی جب آپ کی خدمت میں مسلمان عورتیں بیعت کی غرض سے حاضر ہوں آخر آیت تک اس میں بشارت ہے معیت کا) (سورہ دہر) قول اللہ تعالیٰ کا سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے۔ مراد سبیل الی اللہ سے صوفیہ کا طریق ہے یعنی جو شخص اللہ کے ذات وصفات کو چاہے اس کے رستہ پر چلے۔ (سورہ شمس) قول اللہ تعالیٰ کا اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی کہ جس نے درست کیا اس کو نفس کو اسطور سے درست کیا کہ وہ بار امانت اٹھانے کے لائق

ہوگیا اور اس کے لئے دو جہتیں بنائیں ایک جہت تقویٰ کی اور ایک جہت نافرمانی کی اور یہی مراد ہے قول اللہ تعالیٰ میں پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری کو اور ان دونوں جہتوں کے درمیان ایک جہت بالستہ کی بنائی سو اگر نفس نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہو تو اس کا نام امارہ بالسور ہے اور اگر پرہیزگاری کی طرف مائل ہوا تو اس کو طمانیہ کہتے ہیں پھر جب وہ گناہ کر کے جلد پشیمان ہو تو اس کا نام لوامہ ہے کہ اپنے نفس کو مالمت کرتا ہے اور خواہشوں کی ذمہ کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت کرتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ کرتا ہے۔ اور اپنی لذتوں کو مبغوض رکھتا ہے اور جو گناہ اس نے کیا اس سے توبہ کر لیتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو وہ اب عالم اطمینان میں داخل ہو جاتا ہے سو اس کو اپنی محافظت ضروری ہے تا کہ قبل حصول مذاق اطمینان پھر واپس نہ ہو جائے پھر جب اس کو یہ ذوق نصیب ہو جاتا ہے تو اطمینان پر قائم رہنا سہل ہو جاتا ہے مگر پھر بھی ضروری ہے کہ محافظت رکھے جب تک کہ خوگر نہ ہو جائے اور اطمینان اس کی عذر لازمہ نہ ہو جائے اور محافظت اس پر آسان نہ ہو جائے اور جب تک دارالتکلیف میں ہے رجوع اور واپسی سے امن نہیں ہو سکتا اور نفس ایک ہی ہے اس کی صورتیں اور جہتیں مختلف ہیں جیسے میں ایک جسم ہے کبھی صحیح ہے کبھی مریض ہے کبھی مردہ ہے۔ (سورہ ناس) قول اللہ تعالیٰ کا جن اور آدمیوں سے دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وسوسہ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کی طرف سے ہونے دیں اور شکر خدا کا کہ اس وقت جس کا میں نے قصد کیا تھا تمام ہوا اور شاید بعد میں کسی وقت اس سے زائد بعضے دوسرے مسائل کی جو آیات قرآن سے جابت ہیں شرح کرنے کی مجھ کو توفیق دی جائے۔ اور میں جمادی الاولے ۱۳۲۷ھ کے نصف اول کے چار روز میں اس تلخیص سے فارغ ہوا۔ اور اللہ ہی کے لئے تعریف ہے اول میں بھی اور آخر میں بھی اور باطن میں بھی ظاہر میں بھی اور رحمت نازل ہو اس کے رسول پر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان پر بسیار در بسیار۔

حقیقة الطریقه
من
السنة الانیقة

الحمدلله الذی نورالارض والسماء وهو یهدی لنوره من یشاء والصلوة والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا محمد سید الانبیاء من صدره مشکوة فیها مصباح لاهتداء ' وهو للذین امنوا هدی وشفاء وعلی اله الاتقیاء وصحبه الاصفیاء. وورثته من العلماء والاولیاء ' الذین لاتلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله واقام الصلوٰة التی تنهٰی عن الفحشاء ' وینفقون فی السراء والضراء ' یخافون یوماً تتقلب فیه القلوب والابصار لیجزیهم الله احسن الجزاً ' ویزید هم الله من فضله والله یرزق من یشاء بغیر احصاء ' من احبهم واتبعهم کان مع الذین انعم الله علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصلحاء ' ومن ابغضهم وعاندهم کان من اهل الشقاء ' من الذین اعمالهم للسمعة والریاء' کسراب بقیعة یحسبه الظمان کالماء' اولبعدها عن الصفاء والجلاء + والنور والضیاء' کظلمات فی بحر لجی یغشٰه موج من فوقه موج من فوقه سحاب وهماء ظلماء فوق ظلماء.

بعد حمد وصلوٰۃ مدعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد واصلاح اعمال

ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے قرآن مجید میں بے شمار آیات اور حدیث میں بے انتہا روایات اس کی فرضیۃ پر صراحۃ دال ہیں گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس دلالت سے غافل ہیں کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت و تواضع و اخلاص و صبر و شکر و حب الٰہی و رضاء بالقضاء توکل و تسلیم وغیر ذالک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے اضداد حب دنیا و حرص و تکبر و ریا و شہوت و غضب و حسد و نحو ہا کی مذمت اور ان پر وعید وارد و مذکور ہے پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ ثابت ہے اور اسی کے ساتھ تجربہ اس کا بھی شاہد ہے کہ اس اصلاح کا مدار اعظم عادۃ اللہ میں صحبت و خدمت و اطاعت ان حضرات کی ہے جو اپنی اصلاح کر چکے ہیں اور جہاں صحبت ظاہری میسر نہ آئے تو صحبت معنوی یعنی ان حضرات کے حالات و حکایات کا مطالعہ قائم مقام صحبت ظاہری کے ہو کر کسی درجہ میں کفایت کر سکتا ہے اور یہی راز ہے کہ نصوص میں بکثرت صحبت نیک کی ترغیب اور صحبت بد سے ترہیب آئی ہے اسی طرح آیات و احادیث میں مقبولان الٰہی کے قصص جابجا آئے ہیں اور یہ بھی بشہادت تجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ تاثیر صلحاء کی صحبت ظاہری یا معنوی کی موقوف ہے اس پر کہ ان کے ساتھ عقیدت و محبت ہو ورنہ عمر بھر بھی کچھ نفع نہیں ہوتا اور جس طرح کہ اہل اصلاح کی صحبت نافع و مفید ہے اسی طرح اہل فساد کا قرب اور تعلق خاطر مضر اور مہلک ہے اور اس زمانہ میں بوجہ قلت علم و نیز غلبۂ ہوائے نفسانی اصلاح باطنی طرف اول تو اکثر کو التفات ہی نہیں پھر اگر کسی کو خیال بھی ہوتا ہے اور اس ضرورت سے کسی کی صحبت کا جویا ہوتا ہے تو چونکہ اکثر طبائع میں اعتدال علمی و عملی بہت کم ہے یا تو تشدد و تعصب زیادہ ہے اور یا مداہنت و ضعف دینی بڑھا ہوا ہے اس لئے دو امر قوی مانع طریق و سدراہ ہو جاتے ہیں متشددین تو کاملین و اہل حق کے بعض اقوال یا افعال یا احوال کی کنہہ اور لم نہ سمجھنے سے ان کو مخالف سنت قرار دے کر ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان کی برکات سے محروم رہتے ہیں بلکہ بعض

اوقات گستاخی و بے ادبی کر کے اپنی عاقبت کو پرخطر کر لیتے ہیں اور مداہنین اور ضعیف الاعتقاد لوگ ناقصین و اہل باطل کے تمام اقوال وافعال واحوال کو بلاتطبیق شریعت دل و جان سے قبول کر کے ان کی صحبت و خدمت اختیار کر کے اور ان کے محبّ و معتقد بن کر اپنا دین ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے سخت ضرورت واقع ہوئی کہ قرآن وحدیث سے طریقت کی حقیقت دکھلا دی جائے تا کہ اس کے بعد اہل کمال پر انکار نہ ہو اور ناقصین پر اعتقاد نہ ہو متشددین کا افراط.......... کہ بعضے ان میں باوجود تحصیل علم کے کاملین کو ناقص اور ان کی حالت کو خلاف شریعت اور یہ کہ دین میں اس کی کچھ اصل نہیں گمان کرتے ہیں.......... رفع ہو جائے اور سست اعتقادوں کی تفریط کہ ناقصین اور مبطلین کو کامل اور ان کی حالت کو باوجود خلاف شریعت ہونے کے عین حقیقت اور یہ کہ عین قرب ووصل ہے سمجھتے ہیں.......... دفع ہو جائے اور امر حق کہ اعتدال بین الافراط والتفریط ہے متعین و محقق ہو جائے۔

یہ رسالہ جس کا نام بمقتضائے مضمون مزبور کے ''حقیقة الطريقة من السنة الانيقة'' رکھا گیا ہے بعد فراغ رسالہ ''الاقتصاد فی التقليد والاجتهاد'' کے لکھا گیا ہے اور دونوں رسالوں میں مجاورت زمانی کے ساتھ مشارکت معانی بھی ہے کہ دونوں میں اتباع کاملین کا مضمون ہے ایک میں اصلاح ظاہری کے اعتبار سے دوسرے میں اصلاح باطنی کے اعتبار سے۔ اور اس رسالہ کے اول میں ایک مقدمہ ہے اور آخر میں ایک خاتمہ اور درمیان کے مضامین جن کے ابواب کی مجمل فہرست مقدمہ میں آتی ہے مقاصد ہیں۔

مقدمہ

اوپر تمہید میں گزر چکا ہے کہ مقصود اصلی اس طریق باطن میں اصلاح اعمال باطنی ہے اور ان اعمال کو اصطلاح میں اخلاق و مقامات کہتے ہیں لیکن جس طرح ہر مقصود کے ساتھ اس کے کچھ متعلقات بھی ہوا کرتے ہیں' اسی طرح اس اصلاح مذکور کے ساتھ بھی بہت سے امور اس کے متعلق ہیں' پھر ان متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمرات غیر اختیاریہ اصلاح مذکور کے ہیں' ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں' اور بعض امور ان ثمرات کے معین و بمنزلہ اسباب حصول ہیں' ان کو اشغال کہتے ہیں' اور بعض امور کسی اشتباہ کا دفع یا کسی مرض باطنی کا علاج یا کسی عمل کا طرز و طریق ہے' اس کو تعلیمات سے تعبیر کرنا مناسب ہے' اور بعض امور اختیاری یا غیر اختیاری ان ثمرات کے آثار ظاہری ہیں' ان کو علامات سے تعبیر کرنا زیبا ہے' اور بعض امور از قبیل نصوص ان اخلاق و صفات محمودہ پر بشارت دینے والے ہیں ان کو فضائل کہنا لائق ہے' اور بعض امور از قسم افعال اختیاریہ بمنزلہ امور طبعیہ اس قوم کے ہیں' ان کو عادات و آداب کہنا مناسب ہے' اور بعض افعال از قسم افعال مباحہ مبنی بر بعض مصالح غیر ضروریہ ہیں ان کو رسوم کہا جائے تو بہتر ہے' اور بعض امور محض تحقیقات علمیہ ہیں ان کو مسائل کہنا چاہئے' اور بعض امور از قسم عبارات ہیں ان کو اقوال کہنا چاہئے' اور بعض امور ظاہر نظر میں حدود جواز سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں اگر واقع میں وہ داخل حدود ہیں تو ان کی نسبت جو تاویل اور تطبیق کی جائے اس کو توجیہات کہنا خوب ہے' اور اگر واقع میں بھی خارج حدود ہیں تو اس میں تنبیہ کی حاجت ہے جس کو اصلاح کہنا چاہئے اور بہت کم ایسے امور رہ گئے ہوں گے کہ ان کلیات میں سے کسی کی فرد نہ ہوں ان کو متفرقات کہا جائے گا۔

پس کل مقاصد و متعلقات کی مجمل فہرست یہ ہوئی:

۱-اخلاق ۲-احوال ۳-اشغال ۴-تعلیمات
۵-علامات ۶-فضائل ۷-عادات ۸-رسوم
۹-مسائل ۱۰-اقوال ۱۱-توجیہات ۱۲-اصلاح
۱۳-متفرقات

ان مضامین میں سے جن کے مدلول کا نصوص اور قرآن وحدیث میں مذکور ہونا ظاہر و مشہور ہے ان میں چونکہ التباس نہیں ہوتا جو منشاء ہے افراط وتفریط کا اس لئے ان سے تعریض کرنے کی احتیاج نہ ہوئی، و نیز کتب فن میں مع دلائل وہ مدون بھی ہیں، اور جن کا مدلول و مذکور ہونا غیر ظاہر وغیر مشہور ہے وہ محل التباس ومظنہ اشتباہ ہو سکتے تھے اور ہوتے ہیں، اس لئے اس رسالہ میں صرف ایسے امور کے اثبات کے لئے نصوص واحادیث جمع کئے گئے ہیں، جن کے ترجمہ کے بعد "ف" لکھ کر اثبات کی تقریر کر دی ہے، اگر چہ ایسے کل امور کا اس میں استیعاب و احاطہ نہیں کیا گیا اور نہ آسانی سے ہوسکتا تھا، لیکن تاہم ایک ایسا معتد بہ ذخیرہ ہے جس میں اکثر مہمات کی تحقیق ہوگئی ہے، اور بقیہ امور کا قیاس کر لینا ان پر چنداں دشوار نہیں رہا، اور ہر چند کہ مقتضا ترتیب کا یہ تھا کہ ان سب ابواب کے اصول و مآخذ جدا جدا علی سبیل التعاقب لکھے جاتے، مگر اولاً اپنی تسہیل، ثانیاً ناظرین کی تنشیط کے لئے سب کو مخلوط لکھتا چلا گیا، لیکن اس قدر رعایت پھر بھی رکھی گئی کہ ہر حدیث یا آیت کے بعد کہ وہی مقاصد ہیں اس رسالہ کے جس جزئی کا اثبات مقصود ہوا، استدلال سے قبل اس کے عنوان کلی کو تصریحاً لکھ دیا پھر استدلال کی تقریر کر دی اور حاشیہ پر بھی مقابلہ میں "ف" لکھ کر اس کے اوپر وہ عنوان کلی اور نیچے وہ جزئی لکھ دی گئی تا کہ اول نظر ہی میں معلوم ہو جائے کہ اس مقام پر فلاں کلی کی فلاں جزئی کا اثبات کیا گیا ہے، اب اگر کسی وقت ان مضامین کو مرتب کرنا مصلحت معلوم ہو تو عنوانات مذکورہ کو متن یا حاشیہ کے مواضع متفرقہ سے بآسانی مجتمع کر کے مرتب کر لینا ممکن ہے۔ واللہ أسال التوفیق فی کل عمل، والعصمۃ من الخلل والزلل.

۱۔ مسئلہ تمثل

عند النسائی فی حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ حین جاء جبرئیل علیہ السلام یسأل عن امور الدین قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (وانہ لجبرئیل علیہ السلام نزل فی صورۃ دحیۃ الکلبی[۱])

ترجمہ:۔ نسائی کی روایت میں اس حدیث میں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کچھ مسائل دین پوچھنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے تھے' یہ بھی مذکور ہے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں نازل ہوئے تھے۔

ف: کوئی ذات باوجود بقاء اپنی حالت وصفت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اس کو تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں' خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیاء متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا ہے' اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صورتِ بشریہ میں متمثل ہوئے' یہ نہ تھا کہ فرشتہ سے آدمی بن گئے ورنہ استحالہ وانقلاب ہوتا قرآن مجید بھی اسکا مثبت ہے' قال اللہ تعالٰی: ﴿فتمثل لها بشراً سویا﴾ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے روبرو ایک صحیح سالم بشر کی شکل میں متمثل ہو گئے اور اس سے جواز تناسخ کا دھوکہ نہ ہو جائے کیوں کہ تمثل میں ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال نہیں ہوتا اور تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اعتبار کیا گیا۔

۲۔ مسئلہ مقصودیت

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (المهاجر من هجر مانهى الله عنه). (أخرجه الخمسة[۲])

---

[۱] نسائی: الایمان' صفۃ الایمان والاسلام' رقم: ۴۹۹۴ عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ وأبی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ. لان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ.

[۲] بخاری: الایمان' المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ' رقم: ۱۰' أیضاً: رقاق الانتهاء عن المعاصی' رقم: ۶۴۸۴' أبوداؤد: الجهاد' فی الهجرۃ' (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "مہاجر (حقیقی) وہ شخص ہے جو ترک کر دے ان امور کو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

ف۔ مقصودیت معنی حضرات صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ظاہر بدون باطن کے قابل اعتبار نہیں اور مقصود اعمال سے ان کے حقائق و معانی ہیں، اس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے کہ اگر کوئی شخص ظاہراً ہجرت کرے مگر جو اصلی غرض ہے ہجرت سے کہ نامرضیات حق سے کنارہ کرنا، اس کا اہتمام نہ کرے تو وہ حقیقتاً مہاجر نہیں، لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ ظاہر محض غیر مقصود ہے اصل یہ ہے کہ ہر باطن کے لئے جو ظاہر شارع نے تجویز کیا ہے بدون اس ظاہر کے وہ باطن حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

۳۔ تعلیم، عدم التفات الی الخطرات
(خطرات کی طرف توجہ نہ کرنا)

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قالوا یا رسول اللہ! ان احدنا لیجد فی نفسہ مالأن یحترق حتی یصیر حممۃ او یخر من السماء الی الارض احب الیہ من ان یتکلم بہ، قال: (ذاک محض الایمان). (رواہ مسلم)[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) هل انقطعت، رقم: ۲۴۸۱، نسائی: الایمان، صفة المسلم، رقم: ۴۹۹۹ کلهم عن عبدالله بن عمرو بن العاص، قلنا: وأخرجه ابن ماجة: الفتن، حرمة دم المؤمن، رقم: ۳۹۳۴ من حديث فضالة بن عبيد بلفظ المؤمن من أمنه الناس على أموالهم وأنفسهم، والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب، وأخرجه مسلم: اختصارا على الجزء الأول فقط، يعنی: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (الايمان، بيان تفاضل الاسلام وأی أموره أفضل، رقم، ۴۰، ۴۱، ۴۲) من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص، وجابر، وأبی موسٰی رضی الله تعالٰی عنهم، وكذا الترمذی أخرجه مختصرا (القيامة، باب..... رقم: ۲۵۰۴، والايمان، المسلم من سلم المسلمون الخ رقم: ۲۶۲۷، ۲۶۲۸) من حديث ابی موسٰی وأبی هريرة وقال: حديث ابی هريرة حسن صحيح وفی الباب عن جابر، وأبی موسٰی، وعبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنه.

[1] قلنا: اخرجه أبوداؤد نحوه، الأدب، رد الوسوسة رقم: ۵۱۱۲، عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه، وقال المنذری: أخرجه النسائی وأخرجه أحمد (۱/۳۴۰)، وأخرجه مسلم: (الايمان، بيان الوسوسة فی الايمان، وما يقوله من وجدها، رقم: ۱۳۳) عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال: سئل النبی صلی الله عليه وآله وسلم عن الوسوسة، قال: "تلک محض الايمان" فالزيادة لاتوجد عند مسلم، وانما هی لأبی داؤد، واحمد وانما دمج المؤلف حديثين فی حديث واحد.

ترجمہ:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے بعض بعض اپنے دل میں ایسے وساوس پاتا ہے کہ اگر جل کر کوئلہ ہو جائے یا آسمان سے زمین پر گر جاوے یہ زیادہ گوارا ہے اس سے کہ وسوسہ کو زبان پر لاوے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''یہ خالص ایمان کی علامت ہے۔''

ف: خطرات و وساوس کے دفع میں تن دہی و مبالغہ کرنا یا اس کے حزن میں مبتلا ہو جانا سالک کو بہت پریشان کرتا ہے' محققین اسی حالت کے موافق اس کا یہی علاج کرتے ہیں کہ اس کا غیر مضر ہونا سمجھا کہ اس کو بے فکر کر دیتے ہیں اور اس سے معاً دفع بھی ہو جاتا ہے۔

۴۔مسئلہ بیعت طریقت واصلاح اعمال

عن عوف بن مالک الأشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسعۃ او ثمانیۃ او سبعۃ فقال: "الاتبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟" فبسطنا ایدینا وقلنا: علی ما نبایعک یا رسول اللہ؟ قال: "علی أن تعبدوا اللہ، ولا تشرکوا بالھتنا شیئا' وتصلوا الصلوٰت الخمس' وتسمعوا' وتطیعوا" واسر کلمۃ خفیۃ قال. "ولا تسئلوا الناس شیئا" فلقد رأیت بعض اولئک النفر یسقط سوط احدھم فما یسأل احداً یناولہ ایاہ. (أخرجہ مسلم وأبوداؤد' والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے' نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے''؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو' اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو' اور ایک بات آہستہ فرمائی' وہ یہ کہ: ''لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو' راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان حضرات میں سے بعض

[1] مسلم: الزکاۃ' کراھۃ المسألۃ للناس' رقم: ۱۰۴۳، أبوداؤد: الزکاۃ' کراھیۃ المسألۃ رقم' ۱۶۴۲، نسائی: الصلاۃ' البیعۃ علی الصلوات الخمس، رقم: ۴۶۱، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: الجھاد' باب البیعۃ، رقم: ۲۸۶۷۔

کی یہ حالت دیکھی ہے کہ اتفاقاً چابک گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر ان کو دیدے۔

ف۔ حضراتِ صوفیہ کرام میں جو بیعت معمول ہے، جس کا حاصل معاہدہ ہے التزام احکام واہتمام اعمال ظاہری و باطنی کا جس کو ان کے عرف میں بیعت طریقت کہتے ہیں، بعض اہل ظاہر اس کو اس بنا پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر اس حدیث میں اس کا صریح اثبات موجود ہے، کہ یہ مخاطبین چوں کہ صحابہؓ ہیں اس لئے بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے، اور مضمون بیعت سے ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں، بلکہ بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ التزام واہتمام اعمال کے لئے ہے، پس مقصود ثابت ہوگیا۔

ف: عادت، تعلیم خفی للمصلحۃ

(مصلحتاً مرید کو خلوت میں خفیہ تعلیم دینا)

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ مریدین کو خلوت میں خفیہ تعلیم فرماتے ہیں، کبھی تو یہ سبب ہوتا ہے، کہ وہ امر عام فہم نہیں ہوتا اس کے اظہار میں افتتان واضلال عوام کا ہے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خفیہ تعلیم دلیل خصوصیت واہتمام ہے، اس میں طالب کے دل میں زیادہ وقعت اور منزلت ہوتی ہے، اور یہ بھی نفع ہے کہ دوسرے طالبین اس کو سن کر حرص وتقلید نہ کریں جس کی حالت کے مناسب دوسری تعلیم ہے، سو اس حدیث میں اس عادۃ کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک امر خفی طور سے فرمایا جس میں علاوہ بعض مصالح مذکور کے، عجب نہیں کہ علی الاطلاق اس کے واجب نہ ہونے کی طرف اشارہ ہو، کیوں کہ امور واجبہ کا مقتضاء اعلان ہے، بہرحال مطلق مصلحت سے اخفا ثابت ہوگیا۔

ف: مسئلہ، مبالغہ در امتثال امر شیخ

(شیخ کے حکم کو بجالانے میں مبالغہ کرنا)

اکثر مریدین کا مقتضائے طبیعت ہوتا ہے کہ مرشد کے احکام ماننے میں اس قدر مبالغہ

کرتے ہیں کہ رعایتِ معنی کے ساتھ مدلولِ ظاہرِ الفاظ تک کا لحاظ رکھتے ہیں' اس حدیث سے اس کا اثبات فرماتا ہے' کیوں کہ یہ امر یقینی ہے کہ مراد منع کرنا تھا دوسرے کی چیز مانگنے سے نہ کہ اپنی چیز بطور استعانت مانگنے سے' مگر لفظ چوں کہ فی نفسہ اس کو متحمل تھا گو کہ احتمال قرائن کی وجہ سے یقیناً منفی ہے' اس احتمال لفظی کی رعایت سے اپنی چیز مانگنے سے بھی احتیاط رکھی' جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اثناء خطبہ میں فرمایا کہ بیٹھ جاؤ' ایک صحابیؓ دروازہ سے آرہے تھے سن کر وہیں بیٹھ گئے' حالانکہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تھا کہ اندر آ کر موقع پر بیٹھ جاؤ' کھڑے مت رہو نہ یہ کہ آؤ بھی مت' یہ شعبہ ہے غایت احترام و تأدب شیخ کا جو کہ استفادہ باطنی کے لئے شرطِ اعظم ہے۔

۵- اصلاح' مصافحہ نہ کردن با زناں در بیعت

(وقت بیعت عورتوں سے مصافحہ نہ کرنا)

عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: مامس رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ید امرأة قط الا أن یاخذ علیها فاذا اخذ علیها فاعطته قال: "اذهبی فقد بایعتک". (رواه الشیخان وأبو داؤد)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا' البتہ صرف زبانی بیعت لے لیتے تھے' جب زبانی عہد لینے پر وہ عہد دے دیتی فرماتے کہ: "جاؤ میں نے تم کو بیعت کرلیا"۔

ف: بعض ناواقف یا بے احتیاط درویش عورتوں سے دست بدست بیعت لیتے ہیں' یہ عمل بالکل ناجائز ہے' بلاضرورت اجنبی عورت کے بدن پر ہاتھ لگانا گناہ ہے' اس حدیث میں اس عمل کا ابطال اور رد ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون مربی اور عفیف ہوگا' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں احتیاط فرمائی' تو دوسرے کسی پیر کو

---

[1] (۱) بخاری: الشروط' مایجوز من الشروط فی الاسلام والأحکام والمبایعة' رقم: ۲۷۱۳، مسلم: الامارة' المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجهاد والخیر' رقم: ۱۸۶۶' أبوداؤد: الخراج' والفیء' والامارة' رقم: ۲۹۴۱، قلنا: وأخرجه الترمذی: التفسیر، سورة الممتحنه، رقم: ۳۳۰۶ وقال: حسن صحیح' قلنا: وأخرجه ابن ماجة: الجهاد، بیعة النساء، رقم: ۲۸۷۵.

باپ یا فرشتہ سمجھ کر ایسی بے تکلفی و بے پردگی کو کیوں کر گوارا کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت بیعت کی محض معاہدہ ہے سو زبانی کافی ہے مشائخ متاخرین نے تقویت اتصال کے لئے و نیز تسکین قلب عوام کے لئے کپڑے کا ایک گوشہ خود لینا اور دوسرا گوشہ مرید کو دینا معمول کر لیا ہے اس کا مضائقہ نہیں بلکہ اگر مرد کے لئے بھی بضرورت یا بلاضرورت زبانی بیعت پر اکتفا کیا جاوے مضائقہ نہیں لیکن چوں کہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت لینا مسنون ہیئت ہے اور مرد میں اس سے کوئی امر مانع نہیں لہٰذا معنی اور صورت کا جمع کرنا اولیٰ ہے۔

۶- عادت ادائے مقصود برموز وعبارات غیر ظاہرہ برائے مصلحتے

(کسی مصلحت کی بناء پر اشارات و کنایات اور غیر واضح عبارات کے ذریعہ مقصود کو ادا کرنا)

عن أبی هريرة رضی الله تعالٰی عنه أنهٗ دخل السوق فقال: أراكم ههنا وميراث محمد صلی الله عليه وآله وسلم يقسم فی المسجد، فذهبوا وانصرفوا وقالوا: ما راينا شيئا يقسم راينا قومًا يقرؤن القرآن قال: فذلكم ميراث نبيكم صلی الله عليه وآله وسلم. (رواه رزين)[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بازار میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہو رہی ہے یہ سن کر لوگ ادھر کو چلے اور پھر لوٹ آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو کچھ بھی تقسیم ہوتے نہیں دیکھا صرف ایک قوم کو دیکھا کہ قرآن کے پڑھنے میں لگ رہے ہیں آپ نے فرمایا یہی تو میراث ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

ف: اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جن کی توجیہ و مراد سننے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے کبھی قصد اخفاء عوام سے کبھی تشویق و ترغیب طالب کی کہ ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصلحت تشویق کے لئے اول

---

[۱] أخرجه الطبرانی: فی الأوسط (۷/۱۷۱)، کما فی مجمع البحرين فی العلم، فضل العالم والمتعلم (۱/۱۱۲)، قال الهيثمی فی مجمع الزوائد (۱/۱۲۹) اسناده حسن.

ابہاماً فرمایا جس سے ایہام معنی غیر مقصود کا ہوا' حتیٰ کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی' مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے' پس عبارات موہمہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح وقدح نہ کرے کہ مثمر حرمان ہے۔

۷- عادتِ ادائے مقصود برموز

عن أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رجل من الانصار، بیتہ اقصی بیت فی المدینۃ' فکان لاتخطئہ الصلوٰۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قال: فتوجعنا لہ، فقلت لہ: یافلان! لو أنک اشتریت حماراً یقیک من الرمضاء ویقیک من ھوام الارض قال: ام واللہ! ما احب ان بیتی مطنب ببیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. قال: فحملت بہ حملاً حتی أتیت بہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاخبرتہ' قال: فدعاہ، فقال لہ مثل ذٰلک وذکر انہ یرجو فی اثرہ الأجر فقال لہ البی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "ان لک ما احتسبت". (رواہ مسلم[1]) (ج ا ص ۲۳۵)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے تھے جن کا گھر مدینہ میں بہت دور تھا' پھر بھی کوئی نماز ان کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فوت نہ ہوتی تھی' ہم لوگوں کو ان کے حال پر ترس آیا' میں نے ان سے کہا میاں فلانے کیا خوب ہو اگر تم ایک دراز گوش خرید لو کہ تم کو گرم کنکر پتھر سے بچاوے اور حشارت الارض سے بھی حفاظت رہے وہ شخص کہنے لگے' یاد رکھو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ سے متصل ہو' حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے کہنے پر مجھ کو بارِ عظیم ہوا حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور سب قصہ بیان کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا' انہوں نے ویسا ہی جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ میں اپنے قدم سے چلنے میں امید ثواب کی رکھتا ہوں' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کو وہی ملے گا جس کا تم خیال رکھتے ہو۔

---

[1] مسلم: المساجد' فضل کثرۃ الخطا الی المساجد' رقم: ۶۶۳، قلنا: وأخرجہ أبوداؤد: الصلاۃ' فضل المشی الی الصلاۃ، رقم: ۵۵۷، قلنا. وأخرجہ ابن ماجۃ المساجد' الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجرا، رقم: ۷۸۳.

ف: مثل سابق اس میں بھی وہی تقریر ہے جو ابھی اس سے اوپر کی حدیث کے ذیل میں گزری، دیکھئے ان انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے عنوان سے یہ مضمون ادا کیا جس کے الفاظ نہایت نا گوار تھے اور اسی وجہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گراں گزرا، عجب نہیں کہ اپنے اخلاص کے اخفاء کے لئے اس طرز کو اختیار کیا ہو یا اسی طرح کی اور کوئی مصلحت ہو، آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر مقصود اصلی واضح ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخفاء کی کوئی وجہ نہ تھی۔

نتواں نہفتن درد از طبیباں	ما حال دل را با یار گفتم

تنبیہ: لیکن بلا کسی مصلحت معتد بہ کے ایسا عنوان موہم استعمال کرنا بنص "لاتقولوا راعنا" ونحو ذلک ممنوع ہے۔

۸- عادت، خود را یا نفس را کافر وغیرہ گفتن ببعضے اسباب

(کسی وجہ سے اپنے کو یا اپنے نفس کو کافر وغیرہ کہنا)

عن حنظلة بن الربيع الاسيدى رضى الله تعالىٰ عنه كاتب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ـ قال: لقينى ابوبكر فقال: كيف أنت ؟ قلت نافق حنظلة، قال: سبحان الله! ماتقول؟ قال: قلت: نكون عند النبى صلى الله عليه وآله وسلم يذكرنا بالنارِ والجنة كانا رأى حين، فاذا خرجنا من عنده، عافسنا الازواج والاولاد والضيعات، ونسينا كثيراً قال: والله انى لأجد مثل هذا، فانطلقا الى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ، وذكرا له ذلك فقال: "والذى نفسى بيده لوتدومون على ماتكونون عندى او فى الذكر لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفى طرقكم ولكن، يا حنظلة! ساعة وساعة" ثلث مرات. (اخرجه مسلم والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا حنظلہ یعنی میں تو منافق ہو گیا انہوں نے (تعجب سے)

---

[1] مسلم: التوبة، فضل دوام الذكر والفكر فى الأخرة رقم: ۲۷۵۰، ترمذى: صفة القيامة، باب حديث حنظلة، رقم: ۲۵۱۴، عن حنظلة بن الربيع رضى الله تعالىٰ عنه، وقال: حسن صحيح.

فرمایا' سبحان اللہ کیا کہتے ہو، میں نے کہا کہ (اس لئے منافق کہتا ہوں کہ) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جو ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو دوزخ' بہشت یاد دلاتے ہیں' تو اس وقت ایسے ہوتے ہیں' گویا کھلی آنکھوں ان کو دیکھ رہے ہیں' پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے آتے ہیں تو بیوی' بچوں اور معاملات جائیداد میں آلودہ ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بہت سی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا' وہ فرمانے لگے' واللہ ایسی حالت تو میں بھی پاتا ہوں' پھر دونوں صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جس حالت پر میرے پاس ہوتے ہو اگر تم لوگوں کو اس پر' یا یہ فرمایا کہ ذکر میں دوام ہو جائے تو تم سے بستروں پر اور سڑکوں پر ملائکہ مصافحہ کرنے لگیں' لیکن اے حنظلہ ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی'' یہ مضمون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار روایت فرمایا۔

ف: بعض بزرگوں کے کلام میں اپنے کو کافر کہہ دینا یا نفس کو کہ اس کی حقیقت بھی عین اس شخص کی ذات ہے، (بعض صفات ذمیمہ کے اعتبار سے) کافر کہہ دینا خواہ بعض اعمال سیئہ واحوال ردیہ کے اعتبار سے یا کسی خاص اصطلاح کے اعتبار سے ہو' پایا جاتا ہے' جس پر ظاہر نظر میں شبہ ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے کو کافر کہے وہ مسلمان کب رہ سکتا ہے' اس حدیث میں اس عادت کی اصل پائی جاتی ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدم دوام غلبہ حال کے اعتبار سے اپنے کو منافق کہہ دیا جو یقیناً معنی حقیقی شرعی میں مستعمل نہیں کیوں کہ اس کے لوازم سے کفر بمعنی تکذیب اللہ ورسولؐ کے ہیں' بلکہ محض اختلاف حالت غیبت وحضور میں تشبیہ کا لحاظ کر کے اصطلاح خاص پر بناء کر کے مجازاً کہہ دیا' اسی کی نظیر دوسری اصطلاح بھی ہے جس کا اعتبار کر لیا جاوے' مثلاً فانی پر باعتبار معنی ستر کے کہ مدلول لغوی کفر کا اور مناسب حال فنا کے ہے کافر اطلاق کر دیا جاتا ہے' کذا سمعت مرشدیؒ پس ان اصطلاحات پر کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں ہو سکتی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں کہ جو جواباً آیا ہے اس مجاز کا رد نہیں ہے بلکہ اس کی بناء کے مذموم ہونے کی نفی ہے۔

ف: حال، مشاہدہ

کسی امر کے استحضار اور خیال کا قلب پر قلب اور قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے، اس حدیث میں اس کا اثبات ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنت و دوزخ کی یاد کی نسبت یہ فرمایا کہ گویا کھلی آنکھوں دیکھنے لگتے ہیں آہ، مراد اس سے یہی غلبۂ استحضار ہے، اور مشاہدہ کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہوتے بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔

ف: متفرق، برکت صحبت شیخ

جس طرح مجاہدات و ریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے، اسی طرح شیخ کی محبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے، گو اس کو مثل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقاء نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر تعلقات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں، اس سے ناشی ہے، اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس نسیان کا سبب اشتغال تعلقات تھا، کیوں کہ خود یہ تعلق اور اشتغال بھی مبنی غیبت و ضعف وارد پر ہے جس کا سبب وہی بُعد خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ف: حال، کشف ملکوت (فرشتوں کا ظاہر ہونا)

اشغال و مراقبات سے جب نفس میں یکسوئی و استغراق غالب ہوتا ہے تو حسب مناسبت فطریہ احیاناً ملکوت وغیرہ کا انکشاف ہو جاتا ہے، اس حدیث سے اس کا امکان بلکہ وقوع معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ملائکہ تم سے مصافحہ کرتے، اس میں انکشاف سے بھی زیادہ ملاقات و مماسہ کا اثبات ہے۔

ف: مسئلہ، متضمن تعلیم وتلوین وعدم دوام غلبہ حال

(تغیر وتبدل اور غلبہ حال کا دائمی نہ ہونا)

اکثر سالکین اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہو گئی، یا فلاں کیفیت زائل ہو گئی، شاید ہم کو تنزل ہو گیا ہو اور اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں،

شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لئے تحقیق فرمادیا ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر وتبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتا ہے اس حدیث سے اس کا بھی اثبات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک ساعت کیسی ایک ساعت کیسی غرض یہ لوازم سلوک سے ہے مضر نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہئے کہ وہ پریشانی البتہ مضر ہے۔

۹۔ تعلیم توسط فی المجاہدہ (مجاہدہ وریاضت میں میانہ روی اختیار کرنا)

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المسجد، فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال: "ماھذا؟" قالوا: حبل لزینب فاذا فترت تعلقت بہ فقال: "لا حلوہ، لیصل احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد".
(أخرجہ البخاری وأبوداؤد والنسائی[1]) (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک رسی دوستونوں کے درمیان میں تنی ہوئی بندھ رہی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیا چیز ہے"؟ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رسی ہے جب وہ (عبادت سے) ماندہ وخستہ ہوجاتی ہیں تو اس سے لگ جاتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کچھ نہیں اس کو کھول ڈالو (نفل) نماز طبیعت کی تازگی تک پڑھنا چاہئے اور جب ماندگی اور تعب ہونے لگے تو بیٹھ جانا چاہئے۔"

ف: ائمہ سلوک نے اتفاق کیا ہے کہ مجاہدہ وریاضت میں اس قدر افراط وغلو نہ کرے کہ طبیعت تنگ ہوجائے یا صحت میں فتور پڑ جاوے اس حدیث میں اس تعلیم کی تصریح موجود ہے اور جن حضرات سے اس کی کثرت اور مبالغہ منقول ہے ان پر شبہ نہ کیا جائے کیوں کہ غلبہ شوق وقوت محبت میں ان کو فتور وسستی وتنگی عارض نہ ہوتی تھی اور حدیث میں قعود کو فتور پر مرتب فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری: التھجد، مایکرہ من التشدید فی العبادۃ رقم: ۱۱۵۰، قلنا: وأخرجہ مسلم: صلاۃ المسافرین، فضیلۃ العمل الدائم، رقم: ۷۸۴، أبوداؤد: (التطوع) قیام اللیل النعاس فی الصلاۃ، رقم: ۱۳۱۲، نسائی: قیام اللیل، احیاء اللیل، الاختلاف علی عائشۃ فی احیاء اللیل رقم: ۱۶۴۴، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ: اقامۃ الصلوات المصلی اذا نعس، رقم: ۱۳۷۱.

۱۰-توجیہ دریا وآفتاب وغیرہ گفتن ذات وصفات حق را

(اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دریا اور آفتاب وغیرہ کا اطلاق کرنا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطا، وقال: "ھذا الانسان" وخط الی جانبہ خطا وقال: "ھذا اجلہ" وخط آخر بعیداً منہ وقال: "ھذا الأمل" فبینما ھو کذالک اذجاء ہ الاقرب. (أخرجہ البخاری والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خط کھینچ کر اس کی نسبت فرمایا کہ: ''یہ انسان ہے'' اور ایک خط اس کے قریب کھینچ کر فرمایا کہ: ''یہ اس کی موت ہے'' اور ایک خط اس سے دور کھینچ کر فرمایا کہ: ''یہ انسان کی آرزو اور امنگ ہے''، پس انسان اسی حالت میں رہتا ہے، (کہ آرزو پوری کروں) دفعتہً یہ پاس آنے والی چیز یعنی موت آ پہنچتی ہے۔

ف: بہت سے بزرگوں کے کلام میں خصوص نظم میں ذات وصفات حق تعالیٰ پر کہیں دریا کا اطلاق آیا ہے کہیں آفتاب وماہتاب کا' جس پر قدیم کو حادث کہہ دینے کی قباحت اور سوء ادب کے علاوہ بطلان اتحاد اور غلطی حمل بین المتباینین وغیرہ محذورات ظاہراً لازم آتے ہیں' اور توجیہ اور وجہ تصحیح اس کی یہ ہے کہ مقصود تمثیل وتشبیہ ہے نہ اتحاد' اور تشبیہ میں کچھ محذور نہیں ﴿کمشکوٰۃ فیھا مصباح﴾ خود قرآن میں ہے' غایت مافی الباب یہ کہ کوئی کلمہ دال علی التشبیہ کلام میں مذکور نہیں' لیکن حذف کر دینا اس کا کلام فصحاء میں بکثرت پایا جاتا ہے' سو یہ حدیث اس حذف کی تائید وتقویت میں صریح ہے' کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط کی طرف اشارہ فرما کر ان کو انسان اور اجل اور امل بتلا دیا' یوں نہیں فرمایا کالانسان کالاجل کالامل حالانکہ مقصود یہی ہے' پس صحت اطلاق یقیناً ثابت ہوئی۔

البتہ دو امر قابل تحقیق باقی رہے' ایک یہ کہ تشبیہ وتمثیل کے لئے وجہ تشبیہ ومناسبت کی

---

[1] بخاری: الرقاق، الأمل وطولہ، رقم: ۶۴۱۸ عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، ترمذی: نحوہ، صفۃ القیامۃ، تمثیل طول الأمل وازدیاد حرص المرء، کلھا ھرم، عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۲۴۵۴ وقال: صحیح.

تحقیق ضروری ہے‘ سووہ کیا ہے‘ دوسرے یہ کہ حسب تصریح محققین اسماء وصفات الٰہیہ توقیفی موقوف علیٰ اذن الشارع ہیں‘ سوان اطلاقات خاصہ کا اذن کہاں ہے‘ پس امر اول کی تحقیق اجمالاً یہ ہے کہ دریا و مثلہ میں وجہ تشبیہ و مشبہ بہ میں شیٔ واحد کا امور کثیرہ کے لئے منشاء تحقق ہوجاتا ہے‘ گو مشبہ میں وحدت کا حقیقیہ ہونا اور مشبہ بہ میں وحدت کا اعتباریہ ہونا اور مشبہ میں منشائیت کا باعتبار علت فاعلیہ ہونا اور مشبہ بہ میں باعتبار علت مادیہ ہونا اور مشبہ میں منشاء کا مختار ہونا اور مشبہ بہ میں مضطر ہونا یہ امور ما بہ الامتیاز والتفاوت بھی ہیں مگر تشبیہ میں قادح نہیں جیسا اہل علم پر مخفی نہیں اس کی تحقیق باحسن وجوہ قاضی مبارک نے بھی ’’شرح مسلم‘‘ میں کی ہے‘ اور آفتاب کی وجہ تشبیہ بہت ظاہر ہے‘ یعنی مفید انوار ہونا۔

اور امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ توقیفیت اس اطلاق میں ہے جو بطور تسمیہ ہو مطلق اثبات اوصاف کمال میں نہیں پس اب اس میں کوئی اشکال نہیں رہا‘ اس توجیہ کے بعد اشعار ذیل اور جو ان کے مثل ہوں حل ہوجائیں گے‘ جن میں بعض تکفیر تک پہنچ گئے ہیں‘ اور بعض ظاہر کے معتقد ہوکر ملحد ہوگئے۔

مغربی فرماید

زدریا موج گوناگوں برآمد	زبیچونی برنگ چوں برآمد

مولوی رومی فرماید

آفتاب آمد دلیل آفتاب	گر دلیلت باید از وی رومتاب

حافظ فرماید

شراب لعل کش وروی مہ جبینان بیں	خلاف مذہب آنان جمال اینان بیں

مراد بمہ جبینان تجلیات صفات حق

۱۱- تائید قول ٔموتوا قبل أن تموتوا

(مرنے سے پہلے مرجاؤ)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: أخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمنکبی وقال: "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل" (اخرجہ البخاری والترمذی) وزاد الترمذی بعد قولہ او عابر سبیل "وعد نفسک من اھل القبور[1]"

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ: ''دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر ہے بلکہ گویا راہ میں گزر رہا ہے''، (روایت کیا اس کو بخاری اور ترمذی نے) اور ترمذی نے عابر سبیل کے بعد یہ جملہ اور زیادہ روایت کیا ہے کہ: ''اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کر۔''

ف: یہ قول اس قوم کی زبان زد ہے، یہ حدیث اسی قول کے ہم معنی ہے پس اگر اس کو اس حدیث کی روایت بالمعنی کہا جائے مستبعد نہیں اور اکثر صریح اقوال ان حضرات کے بنام حدیث جو مشہور ہیں اکثر ان کے مضامین احادیث میں وارد ہیں، اس لئے صوفیاء کرام کو وضاعین حدیث کہنا زیاتی ہے۔

ف: خلق، مراقبہ

کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے تصور رکھنا مراقبہ کہلاتا ہے، جو اعمال مقصودہ قلب میں سے ہے، اس حدیث میں اس کا امر ہے کیوں کہ اہل قبور میں سے اپنے کو شمار کرنا عمل قلب کا ہے اور اثر جو اس پر مرتب ہے وہ تقلیل تعلقات دنیویہ اور مثل میت کے شہوت و غضب واخلاق ذمیمہ کا مضمحل اور انقیاد و تفویض کا غالب ہو جاتا ہے۔

---

[1] بخاری: الرقاق، قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، رقم: ۶۴۱۶، ترمذی: الزھد، ماجاء فی قصر الأمل، رقم: ۲۳۳۳، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ: الزھد، مثل الدنیا، رقم: ۴۱۱۴ کلھم عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ.

۱۲-رسم، تبدیلی اسم مناسب حال درویشی

(حالت درویشی کے مناسب نام میں تبدیلی)

وعن قيس بن أبي غرزة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نسمى في عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم السماسرة فمر بنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فسمانا باسم هو احسن منه فقال: "يامعشر التجار! ان البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة". (رواه أبوداؤد، والترمذي والنسائي[۱])

ترجمہ: حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سمسار یعنی دلال کہلاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو اس سے اچھے نام سے نامزد فرمایا کہ: "اے جماعت تاجروں کی! (وہ اچھا لقب یہی ہے) بیع وشرا میں گاہے لغو اور حلف کا اتفاق ہوجاتا ہے تم لوگ اس میں صدقہ کی آمیزش کردیا کرو۔"

ف: بعض خاندانوں میں دیکھا ہے کہ بعد بیعت کے مرید کو ایک نیا نام جس میں شاہ وغیرہ بھی ہوتا ہے عطا فرماتے ہیں، مثلاً برکت شاہ ورحمت شاہ وغیرہ ذلک، اس حدیث سے اس کا استنباط ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے لقب سمسار کے، حالت موجودہ کے مناسب تاجر لقب عطا فرمایا۔

۱۳-شغل، جمع خاطر

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "اذا صلى احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً فان لم يجد فلينصب عصاه فان لم

---

[۱] أبوداؤد: البيوع، التجارة يخالطها الحلف واللغو، رقم: ۳۳۲۶، وسكت عنه المنذري، واكتفى بنقل كلام الترمذي، ترمذي: البيوع، التجار وتسمية النبي صلى الله عليه وآله وسلم اياهم، رقم: ۱۲۰۸، وقال: حسن صحيح، ولانعرف لقيس عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم غير هذا، نسائي: البيوع، الأمر بالصدقة لمن لم يعتقد اليمين بقلبه في حال بيعه، رقم: ۴۴۶۸، قلنا وأخرجه ابن ماجة: التجارات، التوقي في التجارة، رقم: ۲۱۴۵.

یکن معه عصا، فلیخطط خطا ثم لایضره مامر امامه". (رواه أبو داؤد و ابن ماجة[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: "جب تم میں کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے (تا کہ سترہ ہو جاوے) اور اگر کوئی ایسی چیز نہ ملے تو اپنا عصا کھڑا کر لے اور عصا بھی پاس نہ ہو تو (سامنے) ایک خط کھینچ لے پھر جو کچھ بھی سامنے سے گزرتا رہے اس کو مضر نہیں۔"

ف: بزرگوں نے جو اشغال تجویز کئے ہیں ان سب سے مقصود اصلی یہ ہے کہ قلب کا انتشار جو بوجہ تشویش افکار کے ہے دفع ہو کر جمعیت خاطر اور خیال کی یکسوئی حاصل ہوتا کہ اس کے خوگر ہونے سے توجہ تام الی اللہ جو کہ مبتدی کو بوجہ غیب ہونے مدرک کے اور مزاحم ہونے افکار مختلف وحیات حاضرہ کے متعذر ہے سہل ہو جاوے' اشغال مختلفہ اسی کے حیل و طرق ہیں۔ سرہ کا حکم اس عمل کا ماخذ ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ بتصریح علماء اسرار مقصود سترہ سے بھی جمع خاطر' اور ربط خیال و نفی انتشار ہے' جیسا کہ ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور سترہ اس کی تدبیر ہے۔

۱۴- علامت' مقبول و غیر مقبول

عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئيل فقال: انی احب فلانا فاحبه قال: فيحبه جبرئيل، ثم ينادی فی السماء، فيقول: ان الله يحب فلاناً فاحبوه، فيحبه اهل السماء، ثم يوضع له القبول فی الارض، واذا ابغض عبدًا دعا جبرئيل عليه السلام فيقول: انی ابغض فلانا فابغضه قال: فيبغضه جبرئيل عليه السلام ثم ينادی فی اهل السماء، ان الله يبغض فلانا فابغضوه قال: فيبغضونه ثم يوضع له البغضاء فی الارض". (رواه مسلم[2])

---

[1] أبو داؤد: الصلاة، الخط اذا لم يجد عصا، رقم: ۶۸۹، قال المنذری: قال سفيان بن عيينة لم نجد شيئاً نشد به هذا الحديث ولم يجئ الامن هذا الوجه، و كان اسماعيل بن أمية اذا حدث بهذا الحديث يقول: عندكم شیء تشدونه به؟ وقد أشار الشافعی الى ضعفه، وقال البيهقی: لابأس فی مثل هذا الحكم ان شاء الله تعالىٰ، ابن ماجة: الصلاة، مايستر المصلی، رقم: ۹۴۳.

[2] مسلم: البر، اذا أحب الله عبدا أمر جبرئيل عليه السلام فأحبه الخ رقم: ۲۶۳۷.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم فلاں شخص سے محبت رکھتے ہیں تم بھی اس سے محبت رکھو، پس جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو چاہتے ہیں تم سب اس سے محبت رکھو، سو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اہل زمین میں اس شخص کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کو کسی شخص سے بغض ہوتا ہے تو اسی ترتیب مذکور سے اہل زمین کے قلوب تک اس کی مبغوضیت آ جاتی ہے۔''

ف: اس حدیث میں اولیاء کی غیر اولیاء سے ایک شناخت مذکور ہے، اس علامت سے طلب شیخ میں کام لینا چاہئے ونیز غیر مقبول سے احتراز لازم سمجھنا چاہئے، حاصل اس کا یہ ہے کہ بلا کسی سبب وتعلق ونفع یا ضرر دنیوی کے اکثر خلائق کا کسی کی طرف میلان قلب اور گمان نیک ہونا علامت ہے اس شخص کے محبوب ومقبول ہونے کی، اسی طرح بلا کسی لوث نفع وضرر ظاہری کے اکثر لوگوں کا کسی سے نفرت کرنا اور اس کو اچھا نہ سمجھنا علامت ہے غیر مقبول عنداللہ ہونے کی، اور جو صداقت یا عداوت کسی احسان یا رشتہ داری یا ضرر یا موافقت معاملہ سے ہو اس کا اعتبار نہیں، اور یاد رہے کہ جن لوگوں کی طینت میں خبث وفساد غالب ہے ان کا ادراک بھی غیر معتبر ہے۔

۱۵-فضیلت جماعت صوفیہ

عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: قال اللہ تعالیٰ: "وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی". (رواہ مالک[۱])

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لئے ثابت ہو چکی ہے جو میرے ہی واسطے باہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور میرے ہی علاقہ سے

[۱] الموطا: جامع ماجاء فی الطعام والشراب، ماجاء فی المتحابین فی اللہ. رقم الصفحۃ: ۳۷۸ مکتبہ تھانوی.

ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے ہی سبب ایک دوسرے کی زیارت وملاقات کرتے ہیں اور میری ہی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔''

ف: یہ حدیث صوفیہ اہل حق کی فضیلت اور ان کے لئے بشارت پر صاف دلالت کرتی ہے' کیوں کہ یہ صفات جو حدیث میں مذکور ہیں اکمل وجوہ سے ان حضرات میں مشاہدہ کئے جاتے ہیں' پیر ومرید میں محبت اور پیر بھائیوں میں الفت' اسی طرح دوسرے بزرگوں سے تعلق اور جان و مال سے دریغ نہ کرنا اور دور و دراز سے زیارت کے لئے سفر کرنا یہ امور ان حضرات میں محض خالصاً للہ اور بلا کسی دنیوی تعلق کے ہوتے ہیں۔

۱۶- عادت' مبالغہ در ترک تعلقات

عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: ما اود ان لی متجراً علی درجۃ جامع دمشق اصیب فیہ کل یوم خمسین دیناراً اتصدق بھا فی سبیل اللہ ولا تفوتنی الصلوۃ فی الجماعۃ وما بی تحریم ما احل اللہ تعالٰی ولکنی اکرہ ان لا اکون من الذین قال اللہ تعالٰی فیھم: ﴿رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ﴾. (اخرجہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ جامع مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر (کہ وہ جگہ زیادہ اجتماع کی ہے) میری تجارت ہو جس میں مجھ کو پچاس دینار روزانہ مل جاویں اور ان کو (روزانہ) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات بھی کر دوں اور جماعت کی کوئی نماز بھی فوت نہ ہو (یعنی ایسی حالت میں بھی پسند نہیں کرتا) اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرتا ہوں' لیکن مجھ کو یہ امر ناگوار ہے کہ اس جماعت میں داخل نہ رہوں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے' کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور بیع ذکر اللہ سے غافل نہیں کرتی۔

ف: اکثر اصحاب طریقت نے اپنے لئے تکثیر تعلقات کو پسند نہیں کیا' گو وہ تعلقات مباح ہی کیوں نہ ہوں اور اسی لئے متوکلانہ آزادانہ زندگی بسر فرمائی ہے حتیٰ کہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نے ایک دین دار دولت مند کو جو ہندوستان سے ہجرت مکہ معظمہ کا ارادہ رکھتے تھے تحریر فرمایا تھا کہ ریاست سے مکہ میں صرف اسی قدر آمدنی منگوانے کا انتظام کرنا

---

[1] اخرجہ احمد فی الزھد: وعبد بن حمید عن أبی الدرداء کما فی الدر المنثور ۵/۹۴۔

جتنا تمہارے مصارف ضروریہ کے لئے کافی ہو جاوے، خیرات کے لئے اپنے پاس مت منگانا جس کی خدمت کرنا ہو وہاں سے، وہاں ریاست سے متعلق کر دینا تا کہ یہاں رہنے کی حالت میں قلب کو غیر اللہ کا اتنا تعلق بھی نہ رہے، سو اہل ظاہر اول خود اس درجہ تقلیل تعلقات مباحہ کو رہبانیت کہتے ہیں، پھر خصوصاً جو مضمون حضرت مرشدیؒ کے ارشاد میں ہے کہ ظاہراً یہ تعلق عبادت ہے اس کے قطع کو تو خدا جانے کیا کہیں گے، لیکن اس حدیث سے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاف یہی مذاق معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باوجود تصدق کے بھی کثرت مال وتجارت کو پسند نہیں فرمایا، صحابیؓ پر رہبانیت یا ترکِ عبادت کا کب احتمال ہو سکتا ہے، راز اس میں یہی ہے کہ ان تعلقات سے غلبہ دوام حضور میں خلل آ جاتا ہے، جیسا خود حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''مابی'' میں اسکا رہبانیت نہ ہونا اور ''لکنی'' میں یہ راز بتلا دیا اور آیت کو ایک وجہ خاص پر محمول فرمایا، یعنی ترک تجارت وبیع پر باعتبار حالت اکثر طبائع کے محمول فرمایا اسی معنی میں کہا گیا ہے۔

ہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
ہر چہ از یار ورافتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

فائدہ: اور قرآن مجید کی اس آیت ''**لاتلھیھم**'' الخ سے بنا بر تفسیر مشہور کے صوفیاء کے قول خلوت در انجمن کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

۱۷- عادت، امساک تبرکات شیوخ

(بزرگوں کے تبرکات کو رکھنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث طویل فیه قصة بیع الجمل فلما قدمت المدینة قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم لبلال: "اعطه اوقیة ذهب وازده" فزادنی قیراطا فقلت: لاتفارقنی زیادة رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فکان فی کیس لی الی ان اخذه اهل الشام یوم الحرة. (رواه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں جس میں شتر فروخت کرنے کا قصہ مذکور ہے مروی ہے جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مسلم: المساقاة، بیع البعیر واستثناء رکوبه، رقم: ۷۱۵/۵۹۹، ۱۱۱/۱

نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو (یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ایک اوقیہ سونا (قیمت شتر) دے دو اور (اوپر سے) کچھ زیادہ دیدو، پس انہوں نے مجھ کو ایک قیراط زیادہ دیا میں نے (دل میں) کہا کہ یہ زیادہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (علاوہ) دیا ہے یہ میری جان سے علیحدہ نہ ہوگی (یعنی اس کو اہتمام وحفاظت سے رکھوں گا) پس وہ میری تھیلی میں موجود رہی، یہاں تک کہ اس کو اہل شام نے واقعہ حرہ میں لے لیا۔

اکثر اہل محبت کی عادت ہے کہ اپنے بزرگوں کی چیزیں برکت یا یادگار کے لئے نہایت اہتمام وذوق وشوق سے رکھتے ہیں اس حدیث میں اس کی اصل صراحتاً موجود ہے۔

۱۸- عادت، ترک نکاح بمصلحت
(کسی مصلحت کی بناء پر نکاح نہ کرنا)

عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "انا وامرأۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیمٰۃ، امرأۃ امت من زوجھا ذات منصب و جمال حبست نفسھا علی یتاماھا حتی بانوا اوماتوا" (اخرجہ ابو داؤد)

ترجمہ:۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کی رونق (محنت ومشقت سے) جاتی رہی ہو مثل ان دو انگلیوں کے (یعنی سبابہ ووسطیٰ کے قریب) ہوں گے قیامت کے روز یعنی وہ عورت جو اپنے شوہر سے بیوہ ہوگئی اور شان وصورت والی ہے اور اپنے کو اپنے یتیم بچوں (کی پرورش) کے لئے نکاح سے باز رکھا یہاں تک کہ وہ بڑے ہوکر) الگ ہوگئے یا مرگئے۔''

ف: بعض درویش آفات تعلقات سے بچنے کے لئے یا مشغولی مع اللہ میں نقصان و خلل کے احتمال سے نکاح نہیں کرتے، بعض قاصر الفہم ان پر طعن ترک سنت کا کرتے ہیں، اس حدیث میں صریح اجازت بلکہ فضیلت ہے کہ جہاں بچوں کی اضاعت حقوق کا اندیشہ ہو

[1] ابوداود: الأدب، فضل من عال یتامی، رقم: ۵۱۴۹ قال المنذری: فی اسنادہ النھاس بن قھم أبو الخطاب البصری القاضی، ولا یحتج بحدیثہ.

نکاح نہ کرے، (بشرطیکہ اپنے دین کی حفاظت پر قادر ہو) جیسا عامہ نصوص سے معلوم ہے، جب بچوں کا ضیاع حق عذر ہے تو حق تعالیٰ کے حقوق وتعلقات خاصہ کا ضائع ہو جانا کیوں نہ عذر ہوگا (اور وہی شرط حفاظت دین یعنی کف نفس عن الحرام پر قدرت یہاں بھی معتبر ہے)

۱۹- عادت، قبول ہدایا از اہل اموال

(مالداروں سے ہدایا وتحائف لینا)

عن الأحنف بن قیس فی حدیث طویل قال: قلت: ای لأبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تقول فی ھٰذہ العطاء؟ قال: خذہ، فان فیہ الیوم معونۃ فاذا کان ثمنا لدینک فدعہ. (اخرجہ الشیخان[۱])

ترجمہ: حضرت احنف بن قیس سے ایک حدیث مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ اس عطا کے باب میں (جو کہ سلاطین وامراء سے ماہانہ یا سالانہ ملتی ہے) کیا فرماتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ لے لیا کرو: کیوں کہ اس سے اس زمانے میں (فراغ قلب کے لئے) مدد ملتی ہے، لیکن جب وہ تمہارے دین کا معاوضہ ہو جائے تو چھوڑ دینا۔

ف: عام طور پر بزرگوں کی عادت ہے کہ فتوحات وغیرہا کو رد نہیں کرتے اس میں یہی فائدہ ہے کہ اطمینان خاطر میسر ہوتا ہے، اور تشویش رزق مخل مشغولی بحق نہیں ہوتی، اس حدیث میں اس کے جواز کی صراحت ہے اور اسی حکمت کی طرف اشارہ ہے البتہ اگر محض محبت سے خدمت کرنا مقصود نہ ہو بلکہ کسی امر واجب یا محرم کے مقابلہ میں ہو تو اس حالت میں قبول کرنا ممنوع ہوگا، جیسا خود اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے اسی طرح اگر اس مال کے خبث کی وجہ سے گناہ اور دین کا ضرر ہو جب بھی رد متعین ہوگا ضرر دین سب میں امر مشترک ہے۔

۲۰- عادت، مبالغہ در تقلیل متاع

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اطین حائطاً من خص، فقال: "ماھٰذا یا عبداللہ؟" فقلت: حائط اصلحہ فقال: "الامر ایسرع من ذٰلک" وفی روایۃ: "ما اری

[۱] لم أجدہ: بھذا اللفظ فی البخاری، مسلم: الزکاۃ، الکنازین للأموال والتغلیظ علیھم رقم: ۳۵/۹۹۲.

الأمر الا اعجل من ذلک" (اخرجه أبو داؤد والترمذی و صححه)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہو کر گزرے اور میں ایک پھوس کی دیوار کو لیپ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: "اے عبداللہ یہ کیا ہے"؟ میں نے عرض کیا حضرت ایک دیوار ہے جس کو درست کر رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "(موت کا) قصہ اس سے بھی بے تکلف آ جانے والا ہے" اور ایک روایت میں ہے کہ: "میں (موت کے) قصے کو اس سے بھی جلد تر آنے والا دیکھتا ہوں۔"

ف: اس عادت کی تقریر حدیث شانزدہم کے تحت میں گزر چکی ہے، یہ حدیث بھی اس عادت کی ماخذ ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قلیل تعلق کو بھی ان کی شان کے مناسب نہ سمجھا۔

۲۱ - حال، علوم وہبیہ وواردات قلبیہ

عن الحارث الأعور، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فی فضیلۃ القرآن من حدیث طویل) "لایشبع منه العلماء، ولا یخلق علی کثرۃ الرد، ولا تنقضی عجائبه" (اخرجه الترمذی)[2]

ترجمہ: حضرت حارث اعور سے روایت ہے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قرآن کی فضیلت میں) فرمایا کہ: "علماء اس سے سیر نہ ہوں گے اور باوجود کثرت تکرار کے یہ کبھی کہنہ نہ ہوگا اور اس کے عجائب ختم نہ ہوں گے۔"

ف: جب ذکر اللہ کی مواظبت اور ریاضات ومجاہدات کی کثرت سے ظلمات نفسانیہ و کدورات طبعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اور قلب و روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبت خاصہ و تعلق مخصوص پیدا ہو جاتا ہے اس وقت قلب پر بلاواسطہ اسباب ظاہری تحصیل وسماع وغیرہ کے کچھ اسرار لطیفہ وعلوم شریفہ کا ورود والقا ہونے لگتا ہے، اس حدیث میں ورود کا اثبات ہے

---

[1] أبوداؤد: الأدب، باب من البناء، رقم: ۵۲۳۵، ۵۲۳۶، وسکت عنه المنذری، ترمذی: الزهد، قصر الأمل، رقم: ۲۳۳۵، وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجه ابن ماجة: الزهد، باب فی البناء والخراب، رقم: ۴۱۶۰

[2] ترمذی: فضائل القرآن، ماجاء فی فضل القرآن، رقم: ۲۹۰۶، وقال: حدیث غریب، لا نعرفه الا من حدیث حمزة الزیات، واسناده مجهول، وفی حدیث الحارث مقال

کیوں کہ علم مدونہ منقولہ محدود و منقضی ہیں اوران کی تحصیل کے بعد ان سے سیری بھی ہو جاتی ہے، یہ عدم انقضا وعدم شبع ان ہی علوم وہبیہ کے خواص میں سے ہے۔

۴۲-عادت، ذکر حلقہ

(حلقہ بنا کر ذکر کرنا)

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: "ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله تعالیٰ يتلون كتب الله، ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة، وذكرهم الله فيمن عنده" (اخرجه ابوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں، مگر نازل ہوتی ہے ان پر کیفیت تسکین قلب کی اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں ان کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ان (ارواح وملائکہ) میں جو کہ اللہ کے پاس ہیں۔"

ف: بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے سے دلچسپی ذکر میں اور تعاکس انوار قلب میں اور نشاط اور ہمت کا بڑھنا اور سستی کا دفع ہونا اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کو ذکر حلقہ کہتے ہیں اس حدیث میں اس کی اصل مع اشارہ کے اس کی برکات کی طرف موجود ہے۔

ف: رسم، بناء خانقاہ بغرض اجتماع فی الذکر

(اجتماعاً ذکر کی غرض سے خانقاہ بنانا)

حضرات صحابہؓ وتابعینؒ بوجہ قوت قلب وقرب عہد فیض مہد تحصیل ملکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوت احوال وطبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی، خلوت مکانی وبعد عن عامۃ الخلق پر اس وقت حضرات مشائخ میں خانقاہیں

---

[1] أبوداؤد: الصلاة، الوتر، ثواب قراءة القرآن، رقم: ۱۴۵۵ وسكت عنه المنذری)

بنانے کی رسم بمصلحت محمودہ ظاہر ہوئی ہر چند کہ اس حدیث میں بناءً علی المشہور بیوت اللہ کی تفسیر مساجد کے ساتھ کی گئی ہے، لیکن اطلاق لغۃً اور اشتراک علت کی بنا پر خانقاہوں کو بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں، پس اس حیثیت سے یہ حدیث اس رسم کا ماخذ ہوسکتی ہے۔

ف: حال، کیفیت باطنی مسمّی بہ نسبت

مشاہدہ شاہد ہے کہ اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے، اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہو جاتا ہے، صوفیا کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں اس حدیث میں صراحۃً اس کا بیان ہے اور سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

۴۳-عادت، ترک عبادات غیر واجبہ در غلبہ ذکر

(ذکر اللہ کے غلبہ میں طاعات ونوافل کو چھوڑ دینا)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ: یقول اللہ تعالیٰ "من شغله القرآن عن مسئلتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین"[1]
(اخرجه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص ایسا ہو کہ قرآن مجید اس کو مجھ سے کوئی چیز مانگنے سے (یعنی دعا کرنے سے) مشغول کر دے، (یعنی فرصت نہ لینے دے) میں جس قدر اور سائلوں کو (اور دعاء مانگنے والوں کو) دیتا ہوں، اس شخص کو سب سے زیادہ دوں گا۔"

ف: اکثر بزرگوں کے طریق میں کسی خاص ایک ذکر میں مرید کو مشغول کر دیتے ہیں اور نوافل واوراد مختلفہ وطاعات متنوعہ حتی کہ بعض اوقات درس وتدریس یا وعظ ونصح (جب کہ علی التعیین یہ شخص اس کا مکلّف نہ ہو) چھڑا دیتے ہیں جس کی لِم اور راز معلوم نہ ہونے سے ظاہر بین حیران ہوتا ہے۔

اور اجمالاً لِم اس کی یہ ہے کہ ابتداء میں باطن اپنی جمعیت وانتشار میں تابع ظاہر کا ہوتا ہے، البتہ آخر میں معاملہ بالعکس ہو جاتا ہے، پس اگر اشغال مختلفہ بحالہا باقی رکھے جائیں تو

---

[1] ترمذی: فضائل القرآن، باب ۔۔۔۔، رقم: ۲۹۲۶ وقال: حدیث غریب

طبیعت میں یکسوئی اور خاطر میں اجتماع عادۃً ہرگز حاصل نہیں ہوتا جو کہ مطمح نظر ہے سلوک میں، پس یہ حدیث من وجہ اس طریق کی تقریر کررہی ہے کہ قرآن میں ایک نوع ہے ذکر کی ایسا مشغول ہونا کہ دعاء کی بھی خبر نہ رہے، (جو کہ فی نفسہ ایک عبادت عظیمہ ہے، مگر مرتبہ وجود بالذات تک نہیں پہنچی) مذموم نہیں قرار دیا گیا بلکہ اس پر ایک فضیلت کو مرتب فرمایا گیا ہے اور یہی حاصل تھا طریق مذکور کا۔

۲۴-تعلیم، عدم اہتمام لذت در ذکر وعبادت

(ذکر وعبادت میں حصول لذت کا اہتمام نہ کرنا)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرأ القرآن ويتعتع فيه وهو عليه شاق له اجران" (اخرجه الخمسة الا النسائی[۱])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص قرآن میں ماہر ہے وہ تو (درجہ میں) ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو پیغام الٰہی کے سفیر اور مکرم اور نیک ہیں، اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اور رکتا ہے اور اس کو وہ دشوار ہے (یعنی چوں کہ اس میں وہ ماہر نہیں) اس کو دو ثواب ملیں گے۔"

ف: بعض اوقات ذکر اور عبادت میں حلاوت اور لذت محسوس نہ ہونے سے ناواقف دل تنگ ہوکر اس کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا افسردہ خاطر ہوکر یہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ عمل محض عبث اور بے سود ہے، اور اس گمان میں ترقی باطنی رک جاتی ہے، کیوں کہ اس کا بڑا مدار یقین پر ہے، محققین نے تصریحاً فرمایا ہے کہ ذکر مقصود ہے لذت مقصود نہیں، بلکہ لذت نہ ہونے پر برابر مشغول رہنا اس میں بوجہ زیادہ مجاہدہ کے نفع زیادہ ہے، پس لذت نہ ہونا مضر نہیں بلکہ امر مذکور کے اعتبار سے نافع ہے، اس حدیث میں یہ تعلیم مصرح ہے کہ ایسی تلاوت کا موجب تضاعف اجر ہونا ارشاد فرمایا

---

[۱] بخاری: التفسير، سورة عبس، رقم: ۴۹۳۷، مسلم: صلاة المسافرين، فضل الماهر بالقرآن والذى يتعتع فيه رقم: ۲۴۴ (۷۹۸) أبوداؤد: الوتر ثواب قراء ة القران، رقم: ۱۴۵۴، ترمذی: فضائل القرآن، فضل القارى القرآن، رقم: ۲۹۰۴، وقال: حسن صحيح، قلنا: واخرجه ابن ماجة: الأدب، ثواب القرآن، رقم: ۳۷۷۹.

ہے اور اسکی علت کی طرف بھی ''وھو علیہ شاق'' میں اشارہ فرمایا جو حاصل ہے مجاہدہ کا۔

۲۵- مسئلہ، امکان انکشاف ملائکہ غیر نبی را

(انبیاء کے علاوہ (اولیاء اللہ) کو بھی فرشتے نظر آ سکتے ہیں)

عن أسيد بن حضير رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة وفرسه مربوط عنده، اذ جالت الفرس فسكت فسكنت، فقرأ فجالت، فسكت، فسكنت الفرس، ثم قرا فجالت وكان ابنه يحيىٰ قريبا منها فانصرف، فاخره ثم رفع راسه الى السماء، فاذا مثل الظلة فيها امثال المصابيح، فلما اصبح حدث به النبى فقال: "اوتدرى ماذاک؟" قال: لا، فقال: (تلک الملئكة دنت لصوتک ولو قرات لاصبحت ينظر اليها الناس لا تتوارىٰ منهم". (اخرجه البخارى[1])

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک شب کو سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا، دفعتہً گھوڑا اچھلا یہ پڑھتے پڑھتے خاموش ہوگئے وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا یہ پھر پڑھنے لگے وہ پھر اچھلنے لگا یہ پھر خاموش ہوگئے، وہ پھر ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا وہ پھر اچھلنے لگا، اور ان کا لڑکا یحییٰ اس سے قریب تھا یہ وہاں سے چلے اور اس لڑکے کو ہٹالیا پھر سر اٹھا کر جو آسمان کی طرف دیکھا تو اس میں ایک سائبان نظر پڑا جس میں چراغ سے معلوم ہوئے جب صبح ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جانتے ہو یہ کیا تھا''؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ فرشتے تھے کہ تمہاری آواز سے نزدیک آ گئے تھے، اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کے وقت تک وہ فرشتے یہاں ہی رہتے کہ سب لوگ ان کو دیکھتے اور وہ ان کی نظروں سے غائب نہ رہتے۔''

ف: محققین نے تصریح کی ہے کہ اولیاء اللہ ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ کلام وسلام بھی ممکن بلکہ واقع کہا ہے، اس حدیث میں صراحۃً اس کشف کا وقوع مذکور ہے، اور صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کرنا فرشتوں کا مروی ہے اور صرف اتنا ہی

---

[1] بخارى: فضائل القرآن، نزول السكينة والملائكة عند قرائة القران. رقم: ۵۰۱۸.

امر خواص نبوت سے نہیں بلکہ مامور بالتبلیغ العالم ہونا بھی اس کے ساتھ منضم ہے، جو غیر نبی میں مفقود ہے، پس اشتباہ غیر نبوت کا نبوت سے لازم نہیں آتا۔

ف: مسئلہ، امکان عدم ادراک کنہ کشف خود

(اپنے ہی کشف کی حقیقت کا ادراک نہ ہونا ممکن ہے)

اس حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا چنانچہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں، محققین نے بھی اس کی تصریح کی ہے، جو شخص اس تحقیق سے آگاہ ہو جائے گا وہ کشف میں اپنی فہم ورائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور ایسا شخص بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

۲۶- حال، علم وہبی

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یا ابا المنذر! اتدری ای اٰیۃ من کتاب اللہ معک اعظم؟" قلت: ﴿اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم﴾ فضرب فی صدری وقال: "لیھنک العلم ابا المنذر" (اخرجہ مسلم وابو داود[1])

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: "اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ ساری کتاب اللہ میں سب سے بڑی کونسی آیت تمہارے پاس ہے" میں نے عرض کیا کہ آیت الکرسی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: "تم کو یہ علم مبارک ہو اے ابو المنذر!"

ف: حدیث بست وکیم کے ذیل میں اس کی تقریر گزر چکی ہے، اس حدیث میں بھی اس کا اثبات ہے کہ منجانب اللہ بطور الہام کے اعظم آیۃ کی تعیین ان کے قلب پر وارد ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک باد دینے سے اس علم کی فضیلت بھی ظاہر ہے، اور یہ

---

[1] مسلم: صلاۃ المسافرین، فضل سورۃ الکہف وایۃ الکرسی، رقم: ۲۵۸ (۸۱۰)
ابو داود: الوتر، ماجاء فی ایۃ الکرسی، رقم: ۱۴۶۰.

جوفرمایا کہ سب سے بڑی آیت یہ باعتبار ثواب خاص کے ہے، اس کی نظیر دوسری آیات اور سورتوں کے باب میں بھی وارد ہے، جس میں ہر مقام پر وجوہ اعتبارات مختلفہ کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور اسی بناء پر باہم متعارض بھی نہ ہوگی، مثلاً آیت الکرسی کا متضمن توحید ہونا باعث تضاعف ثواب خاص ہوسکتا ہے، وعلیٰ ہذا اور نہ صفات لازمہ لنفس القرآن میں جیسے کلام الٰہی ہونا، یا فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہونا ونحوہا، ان میں قرآن کے سب اجزاء متساوی و متماثل ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے بعض اجزاء کی اعظمیت پر کوئی اشکال نہیں۔

۲۷- مسئلہ، تمثل جنی (جنات کا انسانی شکل میں متشکل ہونا)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال : وكلنی رسول الله صلى الله عليه وسلم بحفظ زكوٰة رمضان، فاتانی ات فجعل يحثو من الطعام، فاخذته الى ان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "تعلم من تخاطب منذ ثلث ليال يا اباهريرة؟" قلت: لا، قال: "ذاك شيطان". (اخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ رمضان کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا (اور ایک روز) ایک آنے والا میرے پاس آیا اور غلہ میں سے لپیں بھرنے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا، یہاں تک کہ قصہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ:

''تم جانتے ہو کہ تین روز سے کس سے بات چیت کیا کرتے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ شیطان تھا''

ف: حدیث سے صاف واضح ہے کہ شیطان انسانی شکل میں متمثل ہو کر نظر آیا۔

ف: حال، کرامت

اہل حق کا مذہب ہے کہ کرامت کا ولی سے صادر ہونا ممکن ہے، حدیث میں وقوع صاف مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شیطان کو پکڑ لیا۔

---

[1] بخاری: الوكالة، اذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئاً فأجازه الموكل فهو جائز، رقم: ۲۳۱۱، ايضا: بدء الخلق، صفة ابليس وجنوده، ۳۲۷۵، ايضا: فضائل القرآن، فضل سورة البقرة، رقم: ۵۰۱۰.

ف: مسئلہ، امکان عدم ادراک حقیقت کرامت خود

(اپنی ہی کرامت کی حقیقت معلوم نہ ہونا ممکن ہے)

اس کی تقریر حدیث بست و پنجم کے تحت میں گزر چکی ہے وہاں کشف تھا یہاں کرامت، چنانچہ اس قصہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی شناخت سے اپنی لاعلمی بیان کی جس کے پکڑنے میں کرامت واقع ہوئی۔

۲۸- رسم اعمال وعزائم

عن ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کانت لہ سھوۃ فیھا تمر وکانت تجیئ الغول فتاخذ منہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: "اذھب فاذا رایتھا فقل بسم اللہ اجیبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" قال: فاخذھا. الحدیث (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک بخاری (تھیلی) میں خرمے بھرے ہوئے تھے اور خبیث جنات آ کر اس میں سے لے جاتے انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ: "جاؤ اگر اب کے کسی کو دیکھو تو یوں کہہ دینا، بسم اللہ اجیبی رسول اللہ! یعنی اللہ کے نام سے مدد لیتا ہوں رسول اللہ کا بلایا ہوا چل" راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے (یہی کہہ کر) اس کو پکڑ لیا۔

ف: اکثر بزرگوں کے پاس جو اہل حاجت خاص اغراض کے لئے نقش یا تعویذ یا جھاڑ پھونک کرانے آ جاتے ہیں، مثلاً آسیب اتروانے کے واسطے اسی طرح اور کسی مطلب کے لئے تو وہ حضرات اپنے حسن اخلاق سے اس کو رد نہیں کرتے کچھ اللہ کے نام سے استمداد کر کے تدبیر کر دیتے ہیں اس حدیث میں آسیب کو مغلوب کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمات خاصہ کی تعلیم فرمائی، پس اس رسم کو خلاف سنت نہ کہا جائے گا اسی طرح دوسری احادیث میں رقیہ و تعلیق تعویذ وارد ہوا ہے۔

تنبیہ: اس حدیث سے وجود غول کا ثابت ہوتا ہے اور دوسری نصوص میں بھی وجود جن

---

[1] ترمذی: فضائل القرآن، باب (حدیث ابی ایوب فی الغول رقم: ۲۸۸۰، وقال: حسن غریب.

کی تصریح ہے، یہی حقیقت ہے غول کی اور دوسری ایک حدیث میں "لاغول" سے نفی غول کی فرمائی گئی ہے اس سے مراد نفس غول کی نفی نہیں بلکہ اہل جاہلیت جس درجہ میں ان کی قدرت ضرر رسانی کے معتقد تھے مقصود اس کی نفی کرنا ہے، هذا ما عندی۔

۲۹- حالِ التذاذ بعتاب محبوب بعنوان متضمن محبت

(محبوب کی ناراضگی سے لذت حاصل کرنا)

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: فینا نزلت ﴿اذهمت طائفتان منکم ان تفشلا والله ولیهما﴾ قال: نحن الطائفتان بنو حارثة وبنو سلمة ومایسرنی انها لم تنزل لقول الله تعالیٰ ﴿والله ولیهما﴾ (اخرجه الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا انہوں نے یہ آیت ہم لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے، ﴿اذهمت طائفتان منکم ان تفشلا والله ولیهما﴾ (ترجمہ یہ ہے کہ اس وقت کو یاد کرو کہ تم لوگوں میں دو گروہوں نے کم ہمتی کا ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کے سنبھالنے والے تھے یعنی کم ہمتی سے بچالیا) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دو گروہ ہم لوگ تھے بنو حارثہ اور بنو سلمہ، اور مجھ کو یہ امر خوش نہیں آتا کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی (یعنی باوجودیکہ ظاہراً اس میں ہماری برائی مذکور ہے اور اس پر ہم کو ملامت کی گئی ہے، جس کا طبعی مقتضا یہ ہے کہ اس کا نازل نہ ہونا اچھا معلوم ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر بھی نازل ہونا ہی زیادہ خوش آتا ہے) کیوں کہ اس میں یہ فرمایا ہے کہ "والله ولیهما"

ف: بہت سے عشاق سے منقول ہے کہ ان کو اپنے یا دوسرے مکاشفات یا الہامات سے حق تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اپنا مورد کلمات عتاب یا بعد وطرد ہونا مکشوف ہوا تو انہوں نے اس پر مسرت والتذاذ ظاہر کیا، جو ظاہر نظر میں مستبعد معلوم ہوتا ہے، مگر اس حدیث سے یہ استبعاد دفع ہو جاتا ہے، باوجود قدرے عتاب کے چوں کہ اس میں ایک لفظ مشعر عنایت ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر مسرت ظاہر فرمائی، اسی طرح عشاق کو جو کبھی عتاب و ملامت کا انکشاف ہوا ہے ساتھ ہی قرائن مقامیہ یا مقالیہ سے

---

[1] بخاری: المغازی، اذهمت طائفتان الاٰیة رقم: ۴۰۵۱، ایضا: التفسیر، رقم: ۴۵۵۸، مسلم: فضائل الصحابة، فضائل سلمان وبلال وصهیب ث. رقم: ۱۷۱، ۲۵۰۵)

عنایت کا بھی مشاہدہ ہوا ہے ورنہ غضب وسخط محض تو علامت ہے شقاوت ولعنت کی اس پر خوش ہونے کی کوئی صورت نہیں جیسا کہ بوستان میں ایک عابد کی حکایت مذکور ہے کہ ان کو غیب سے آواز آئی تھی کہ تیری کوئی عبادت مقبول نہیں اور انہوں نے یہ کہا کہ جب دوسرا اور کوئی نہیں تو خواہ قبول ہو یا نہ ہو کہاں جاؤں جس کے بعد ندا آئی۔

قبول است گرچ ہنر نیستت	کہ جزما پناہے دگر نیستت

یہ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت مشہور ہے کہ ان کے کسی مخلص مرید کو روضۂ اقدس پر حکم ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا اسلام کہہ دینا اور حضرت کو جب یہ پیغام پہنچا رقص کی کیفیت طاری تھی اور زبان پر یہ جاری تھا:

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی	جواب تلخ می زیبد لب لعل وشکر خارا

یا کسی کو شغل کے وقت یہ ندا آئی تھی کہ تو کافر ہو کر مرے گا ان کے شیخ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ یہ دشنام محبت ہے جو محبوبوں کی عادت ہوتی ہے، تم اپنے کام میں لگے رہو، مثنوی کے اس عنوان عام میں یہ مضمون بھی داخل ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من	دل فدائے یار دل رنجان من

۳۰- رسم، تحصیل برکت از تبرکات

(تبرکات سے برکت حاصل کرنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مرضت فاتانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعودنی وابوبکر وھما ماشیان فوجدانی قد اغمی علی فتوضا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم صب وضوء ہ علی، فافقت. الحدیث. (اخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

---

[1] بخاری: المرضی عیادۃ المغمی علیہ، رقم: ۵۶۵۱، مسلم: الفرائض، میراث الکلالۃ، رقم: ۵ (۱۶۱۶) ابوداود: الفرائض، باب فی الکلالۃ، رقم: ۲۸۸۶، ترمذی: الفرائض، میراث الأخوات، رقم: ۲۰۹۷، وقال: حسن صحیح، قلنا: واخرجہ النسائی ایضا، الطھارۃ، الانتفاع بفضل الوضوء، رقم: ۱۳۸، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الفرائض، الکلالۃ، رقم: ۲۷۲۸.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عیادت کے لئے پیادہ تشریف لائے اور مجھ کو بے ہوش پایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر ڈال دیا میں ہوش میں آ گیا۔

ف: اکثر اہل محبت وعقیدت کا معمول ہے کہ مقبولان الٰہی کے ملبوسات یا مستعمل اشیاء سے برکت حاصل کرتے ہیں اس حدیث میں صراحۃً اس کا اثبات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا آب وضوان پر ڈالا جس کی برکت سے وہ ہوش میں آ گئے۔

۳۱- حال، غیبت ومحو

عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا نزل علیٍ الوحی کرب لذالک وتربد وجهه. (اخرجه مسلم وابوداؤد والترمذی[۱])

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کا کرب ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔

ف: کسی وارد غیبی کے غلبہ وہجوم سے حواس بشریہ کا معطل ہونا اصطلاح میں غیبت ومحو کہلاتا ہے، گاہے اس وارد غالب کا اثر ظاہر جوارح پر بھی محسوس ہوتا ہے اس حدیث میں صراحۃً اس کا ذکر ہے گو تعیین وارد میں تفاوت ہو۔

۳۲- عادت، ترک اسباب مظنونہ

(غیر یقینی اسباب کو ترک کرنا)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحرس (لیلا) حتی نزل: ﴿والله یعصمک من الناس﴾ فاخرج رسول الله

[۱] مسلم: الفضائل، عرق النبی صلی الله علیه وسلم فی البرد، وحین یاتیه الوحی، رقم: ۸۸ (۲۳۳۴) ایضا: الحدود، حد الزنا، رقم: ۱۳ (۱۶۹۰) قلت: ماوجدت هذه الروایة فی سنن الترمذی وأبی داؤد بهذا اللفظ. واخرجه احمد فی مسنده ۵/۳۲۷.

صلى الله عليه وسلم راسه من القبة، فقال: "يايها الناس! انصرفوا، فقد عصمني الله عزوجل" (اخرجه الترمذي[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جایا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں (کے شر) سے بچالیں گے، پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سر مبارک خیمہ سے باہر نکال کر فرمایا کہ: ''......اے لوگو! جاؤ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔''

ف: توکل کی یہ قسم قوی القلب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے اور اکثر اہل طریق کا یہی شعار رہا ہے، یہ حدیث صراحۃً اس پر دال ہے۔

تنبیہ: اور اسباب یقینیہ ضروریہ کا ترک ناجائز اور خارج از توکل ہے البتہ اگر خرق عادت کے طور پر واقع ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

۳۳- اصلاح، منع غلو در ترک لذات

(حلال چیزوں کے چھوڑنے میں غلو کرنے کی ممانعت)

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: اني اذا اصبت اللحم انتشرف للنساء واخذتني شهوتي فحرمت على اللحم، فانزل الله تعالىٰ: ﴿يا يها الذين امنوا لاتحرموا طيبٰت ما احل الله لكم﴾ (اخرجه الترمذي[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جب گوشت کھاتا ہوں تو میری طبیعت عورتوں کی طرف ابھرتی ہے، اور میری خواہش مجھ پر غالب آتی ہے، اس لئے گوشت میں نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لئے حلال فرمایا ہے ان کو حرام مت کرو۔''

ف: بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت

---

[1] ترمذي: تفسير القران، سورة المائدة، رقم: ۳۰۴۶، وقال: حديث غريب.

[2] ترمذي: تفسير القران، سورة المائدة، رقم: ۳۰۵۴، وقال: حسن غريب.

وغیرہ اس طرح ترک کردیتے ہیں جس طرح حرام چیزوں کو ترک کرتے ہیں یا ان کے ترک کو موجب تقرب الی اللہ اعتقاد کرتے ہیں، یہ عملاً علماً غلو وافراط فی الدین وبدعت سیئہ ہے اور جس رہبانیت کا ابطال آیا ہے یہ اس میں داخل ہے، آیت کا شان نزول جو حدیث میں آیا ہے اور خود اس کا مدلول اس کی منع میں نص صریح ہے، اہل مجاہدہ نے جو لذات کو ترک کیا اس کا مرتبہ اس سے زیادہ نہیں ہے جس طرح بعض مضرات طبیہ کے سبب مریض بعض اغذیہ سے پرہیز کرتا ہے نہ عقیدۃً اس کو حرام سمجھتا ہے نہ اس ترک کو عبادت جانتا ہے ایسے ترک کو البتہ رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض کم فہم اس کے بھی منکر ہوئے ہیں۔

۳۴- حال، سکر بسبب وارد قوی

(کسی قوی چیز کے پیش آجانے کی وجہ سے مغلوب الحال ہوجانا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما توفی عبداللہ بن ابی بن سلول الی ان قال فقام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخذ بثوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! تصلی علیہ وقد نہاک ربک ان تصلی علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انما خیرنی اللہ" الحدیث. (اخرجہ الخمسۃ الا اباداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول (منافق) مرگیا (تو ایسا ایسا ہوا) یہاں تک قصہ بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اس پر نماز (جنازہ) پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے (بوجہ منافق ہونے کے اس آیت استغفر لھم او لاتستغفر لھم الآیۃ میں) منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) اختیار دیا ہے (منع نہیں فرمایا)

---

[1] بخاری: الجنائز، الکفن فی القمیص الذی یکف او لایکف، رقم: ۱۲۶۹، ایضا: التفسیر، سورۃ البرائۃ. رقم: ۴۶۷۰، ۴۶۷۲، مسلم: صفات المنافقین، صفات المنافقین واحکامھم، رقم: ۳ (۲۷۷۴) ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، رقم: ۳۰۹۸، وقال: حسن صحیح نسائی: الجنائز، القمیص فی الکفن، رقم: ۱۹۰۱، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الجنائز الصلاۃ علی اھل القبلۃ، رقم: ۱۵۲۳.

ف: وارد غیبی کے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں' جو صورۃً ادب سے مستبعد ہے' سو ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے پھر جب حالت صحو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرأت پر تعجب ہوا اور نادم ہوا۔

فائدہ: آیت موصوفہ کا مدلول' استغفار کا منافقین کے لئے نافع نہ ہونا ہے' نہی عن الاستغفار اس کا مدلول نہیں اس نہی کے غیر مدلول ہونے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خیرنی اللہ'' میں بیان فرمادیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلبہ سکر میں اس میں تامل نہیں فرمایا اور ظاہر سیاق کو نہی پر محمول فرمالیا۔

۳۵- عادت' مہاجرت مرید برائے زجر

(زجر و توبیخ کے طور پر مرید کو الگ کر دینا)

عن عبداللہ بن کعب عن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث تخلفہ عن تبوک او نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلمین عن کلامنا ایھا الثلثۃ وفیہ قال: لما جانی الذی سمعت صوتہ یبشرنی نزعت لہ ثوبی فکسوتھما ایاہ بشارتہ. وفیہ ﴿حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت﴾ (اخرجہ الخمسۃ[1])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے کہ وہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے غزوۂ تبوک سے رہ جانے کے واقعہ میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان تین آدمیوں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرمادیا (جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میرے پاس وہ شخص آیا جس کی میں نے آواز سنی تھی کہ وہ مجھ کو بشارت

---

[1] بخاری: المغازی، حدیث کعب بن مالک، قول اللہ تعالیٰ: وعلی الثلثۃ الذین خلفوا' رقم: ۴۴۱۸، مسلم: التوبۃ، حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ، رقم: ۵۳ (۲۷۶۹) ابوداؤد: الجھاد' اعطاء البشیر، رقم: ۲۷۷۳، ترمذی نحوہ: تفسیر القران، سورۃ التوبۃ، رقم: ۳۱۰۲، نسائی نحوہ: الأیمان والنذور، اذا أھدی مالہ علی وجہ النذر رقم: ۳۸۵۵

(قبول توبہ کی) دیتا تھا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کے صلہ میں اس کو دے دیئے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے: حتیٰ کہ ان تینوں آدمیوں پر جب زمین باوجود اتنی بڑی فراخی کے تنگ ہوگئی (بوجہ غم کے الخ)

ف: اکثر بزرگوں کی حکایتیں سنی گئی ہیں کہ مرید کی کسی خلاف وضع حرکت پر اس کو نکال دیا یا اس سے بولنا چھوڑ دیا' یا اور کوئی مناسب سزا دی اور مقصود اس سے محض تنبیہ ہے عداوت منشا نہیں ہوتا۔ سو اس حدیث سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین صاحبوں سے یہی معاملہ فرمایا۔

ف: رسم' عطاء پارچہ در طرب آرندہ را
(خوشخبری سنانے والے کو کپڑا وغیرہ دینا)

یہ بھی اہل وجد میں معمول ہے' کہ کسی شعر پر محظوظ ہو کر سنانے والے کو کوئی کپڑا یا نقد دیدیتے ہیں' حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مبشر کو کپڑا دیدینا اسی قبیل سے ہے۔

ف: حال' قبض وبسط

حال قبض: محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت واستغناء کے وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا قبض کہلاتا ہے اس واقعہ میں جو ان تینوں صاحبوں کی حالت تنگی کی ہوگئی تھی وہ بھی قبض تھا جس کا سبب توقف قبول توبہ میں تھا جو آثار جلال سے ہے اسی حالت کو اس قصہ میں ضیق ارض وضیق النفس سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اور قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف وفضل کے ورود سے قلب کو سرور و فرحت ہونا اسی واقعہ میں ان حضرات پر قبول توبہ کے بعد یہ حالت بھی وارد ہوئی تھی' چنانچہ حدیث میں مصرح ہے جس کا ادنیٰ اثر مبشر کو اپنا تمام لباس اتار کر دے دینا ہے جس کا بیان اوپر آچکا۔

۳۶- حال' سکر

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لما اغرق اللہ فرعون قال: امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل، قال

جبرئيل: يا محمد لو اريتني وانا اخذ من حال البحر وادسه في فيه مخافة ان تدركه الرحمة" (أخرجه الترمذي[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود برحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں' حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ مجھ کو (اس وقت) دیکھتے (تو تعجب فرماتے) کہ میں دریا کی کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا اس اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الٰہیہ نہ پالیوے۔''

ف: باوجودیکہ مدار قبول ایمان کا بعد اجتماع شرائط کے قلب پر ہے اگر وہ وقت قبول توبہ کا نہ تھا تو زبان سے کہنا نافع نہیں ہوسکتا اور اگر وہ وقت قبول کا تھا تو عزم قلب کافی تھا باوجود اس کے منہ میں کیچڑ دینا یہ بسبب غلبہ سکر کے تھا جس کی حقیقت تحت حدیث سی و چہارم مذکور ہوچکی اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ کا بغض فی اللہ تھا۔

۳۷- حال ہیبت

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال أبوبكر: يا رسول الله قد شبت قال: "شيبني هود والواقعة" الحديث. (أخرجه الترمذي[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''مجھ کو سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ نے بوڑھا کردیا'' (بوجہ اس کے کہ سورۂ ہود میں امم سابقہ کے معذب اور مورد غضب الٰہی ہونے کا ذکر ہے اور سورۂ واقعہ میں اہل نار و جنت کی حالت کی تفصیل ہے اور یہ دونوں مضمون عبرت وخشیت پیدا کرنے والے ہیں)

ف: قبض وبسط میں جب اور ترقی ہوتی ہے اس کو ہیبت وانس کہتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال چوں کہ نہایت ارفع ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خشیت کو جو کہ مقدمہ قبض کو بھی شامل ہے ہیبت سے تعبیر کرنا شایاں ہے۔

---

[1] ترمذی: تفسیر القران، سورۃ یونس، رقم: ۳۱۰۷ وقال: حسن.

[2] ترمذی: تفسیر القران سورۃ الواقعۃ، رقم: ۳۲۹۷، وقال: حسن غریب

ف: خلق' مراقبہ

ذات وصفات حق تعالیٰ یا کسی مضمون خاص کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور قلب میں مواظبت کے ساتھ جمانا یہ مراقبہ کہلاتا ہے' ظاہر ہے کہ یہ اثر خشیت کا کہ جو ان سے بوڑھا کردے موقوف ہے تفکر دائم وتوجہ قوی پر' پس حدیث سے مثل حال ہیبت کے عمل مراقبہ کا بھی اثبات ہوتا ہے' چنانچہ ظاہر ہے۔

۳۸- حال' فراست

عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ''اتقوا فراسۃ المؤمن فأنہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ'' (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔''

ف: صفاء قلب کی بدولت جو کہ مواظبت ذکر اللہ وملازمت تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے، اکثر وجدانی طور پر حقائق واقعات سے مدرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے' حدیث صراحۃ اس کی مثبت ہے اور حدیث میں ''نور اللہ'' عبارت اسی صفاء سے ہے' جس کا سبب ذکر وتقویٰ ہے۔

۳۹- خلق' خوف اور تواضع

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنہا قالت: قلت یا رسول اللہ ﴿الذین یؤتون ما اتو وقلوبھم وجلۃ﴾ اھم الذین یشربون الخمر ویسرقون؟ قال: ''لا، یابنت الصدیق! ولکنھم الذین یصومون ویتصدقون ویخافون الا یقبل منھم: اولئک الذین یسارعون فی الخیرات''. (أخرجہ الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (قرآن مجید میں جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ) ایسے لوگ جو وجود دیتے ہیں ان اعمال کو کہ وجود دیتے ہیں اور قلوب ان کے ڈرتے ہیں، (یہ فضیلت کے موقع میں فرمایا گیا

[1] ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ الحجر، رقم: ۳۱۲۷، وقال: حدیث غریب۔
[2] ترمذی: تفسیر القرآن: سورۃ المومنین' رقم ۳۱۷۵۔

ہے) کیا ان سے ایسے لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ (شبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ان اعمال کی تعیین صریح الفاظ سے نہیں فرمائی اور دلوں کا خوفناک ہونا غالباً اعمال سیئہ سے ہوتا ہے سو یہ قرینہ ہے اعمال بدمراد ہونے کا: مگر موقع فضیلت میں اس کا فرمانا اس قرینہ کا کسی قدر مزاحم ہے پس یہ اشتباہ موجب سوال ہوگیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نہیں اے بیٹی صدیق کی: بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور خائف رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل مقبول نہ ہو'' (یعنی اپنی مذلت پر اور حق تعالیٰ کی عظمت پر نظر کرنے سے اپنے اعمال قابل قبول نہیں دیکھتے) یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں دوڑتے ہیں۔

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔

ف: علامت اولیاء ومقربین

حق تعالیٰ نے ان اوصاف کو جو عباد مقبولین کے خواص سے فرمایا ہے پس یہ علامت اولیاء سے ہے تتبع احوال سے یہ صفت عارفین میں دوسری اکثر صفات پر غالب معلوم ہوتی ہے گویا ان کا شعار خاص ہے۔

۴۰- حال' کرامت

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ ھلال بن امیۃ قال: والذی بعثک بالحق انی لصادق ولینزلن اللہ تعالیٰ مایبرئ ظھری من الحد فنزل جبرئیل علیہ السلام وفیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لولا مامضٰی من کتاب اللہ لکان لی ولھا شان". (أخرجہ البخاری والترمذی وأبوداؤد)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہلال بن امیہ کے قصہ میں مروی ہے (جب کہ انہوں نے اپنی بیوی پر دعویٰ زنا کا کیا اور گواہ نہ ہونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا تو تم گواہ لاؤ ورنہ تم پر حدقذف (کہ اسی ۸۰ تازیانے ہیں عرض کیا) جاری ہوگی، انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا کہ بیشک میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمادیں گے' جو میری کمر کو (حدقذف سے)

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ النور، باب: ویدرء عنھا العذاب رقم: ۴۷۴۷، أبوداؤد: الطلاق، اللعان، رقم: ۲۲۵۴، ترمذی: تفسیر القران، سورۃ النور، رقم: ۳۱۷۹، وقال: حسن غریب، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الطلاق، اللعان، رقم: ۲۰۶۷.

بری کر دے گا' پس حضرت جبرئیل علیہ السلام (لعان کی آیت لے کر) نازل ہوئے، (جس میں میاں بیوی کی قسموں سے فیصلہ ہو جاتا ہے) اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (جب کہ لڑکا ان علامتوں کا پیدا ہو جن کو پہلے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولد الحرام ہونے کی علامتیں وحی باطن سے قرار دیا تھا) کہ: "اگر وہ حکم قرآنی نازل نہ ہوتا جو کہ جاری ہو چکا ہے تو میرا اور اس عورت کا بڑا معاملہ ہوتا" (کہ میں اس کو سزا دیتا)

ف: ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرماویں گے الخ، اگر خبر پر محمول کیا جائے جیسا ظاہر صورت جملہ کا مقتضا ہے تو اس میں ان کی پیشین گوئی کی کرامت ہے اور اگر باعتبار قصد کے اس کو انشاء کے ساتھ مؤول کیا جائے تو قبول دعا کی کرامت ہے۔

ف: اصلاح' ترجیح شریعت بر حقیقت

(حقیقت پر شریعت کو ترجیح دینا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور وحی سے حقیقت حال منکشف ہو گئی تھی کہ اگر فلاں فلاں علامت کا لڑکا ہوا تو حرام سے ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا امر جس میں نسبت ایسے امر عظیم کی کسی شخص کی طرف ہو ظن اور قرائن سے نہیں فرما سکتے' پس باوجود تیقن حقیقت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بوجہ اس کے کہ قانون شرعی اس حقیقت پر عمل کرنے سے مانع تھا' مقتضائے حقیقت مکشوفہ کو ترک فرما دیا' اس میں بہت بڑا مسئلہ ثابت ہو گیا جس میں اصلاح ہے عقیدہ و عمل کی کہ شریعت کو حقیقت پر ہمیشہ ترجیح دی جائے گی اور یہ بہت بڑی رحمت ہے حق تعالیٰ کی ورنہ تمام نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا' مثلاً حقیقت امر یہ ہے کہ تمام اشیاء مملوک حق تعالیٰ کی ہیں اور نسبت مجازی گو عباد کی طرف ہے مگر حقیقت کے روبرو مجاز مضمحل ہونا چاہئے سو اگر اس حقیقت پر کوئی شخص عمل کرنے لگے تو وہ اپنی اور پرائی چیزیں اور منکوحہ و غیر منکوحہ عورت میں کوئی فرق نہیں کرے گا اور اس سے جو کچھ مفاسد و قبائح و شرور لازم آ سکتے ہیں ظاہر ہے' سو حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ شریعت کو ان شرور کا مانع اور سد باب بنا دیا جو لوگ اس راز کو نہیں جانتے وہ اپنا عقیدہ اور عمل تباہ کر کے زندقہ و الحاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

۴۱-حال، شطح وادلال (شوخی)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها فی حدیث الافک حین نزل برائتها قالت: فقالت لی امی: قومی الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقلت: واللہ لا اقوم الیه، لااحمد الا اللہ هو الذی انزل برائتی. (اخرجه الخمسة الا أباداؤد[۱])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس قصہ میں جب کہ ان پر تہمت لگائی گئی تھی روایت ہے کہ جب ان کی برأت قرآن مجید میں نازل ہوئی تو ان کی والدہ نے کہا اٹھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ (یعنی بطریق ادائے شکریہ وسلام کے یہ اس وقت جوش میں تھیں) کہنے لگیں کہ واللہ میں اٹھ کر آپ کے پاس نہ جاؤں گی اور میں بجز خدا تعالیٰ کا کسی کا شکریہ ادا نہ کروں گی اسی نے میری برأت نازل فرمائی ہے (اور سب کو تو شبہ ہو ہی گیا تھا)

ف: بعض بزرگوں سے نظماً یا نثراً بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو شطح وادلال کہتے ہیں، حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ کہنا اسی قبیل سے ہے جس کا منشاء ایک خاص سبب سے شدت غم ہے وہ یہ کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بمقتضائے بشریت وعدم علم غیب اس معاملہ میں مشوش ومتردد تھے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس تردد کی اطلاع تھی، پس ان کو یہ قلق تھا کہ افسوس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شبہ ہے، بس برأت کے نزول سے ان کو جوش آ گیا اور یہ جواب ان سے صادر ہوا چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا، حدیث سے اہل شطح وادلال کا معذور ہونا ثابت ہو گیا۔

۴۲-اصلاح، نفی تصرف مستقل عن الشیخ

(فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ واختیار میں نہیں)

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ﴿انک لاتهدی من احببت﴾ قال: نزلت فی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حیث یراود عمه ابا

---

[۱] بخاری: المغازی، باب حدیث الافک، رقم: ۴۱۴۱، مسلم: التوبة، حدیث الافک، وقبول توبة القاذف، رقم: ۵۶ (۲۷۷۰) ترمذی: تفسیر القرآن سورة النور، رقم: ۳۱۸۰، وقال: حسن صحیح غریب' النسائی: (الکبری) نحوه عشرة البناء، قرعة الرجل بین نسائه اذا أراد السفر.

طالب علی الاسلام. (أخرجه مسلم والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں "انک لاتھدی الخ" مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں نازل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے (اور وہ نہ مانتے تھے)

ف: بعض ناواقف غلطی سے یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضے واختیار میں ہوتا ہے اس حدیث سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار نہ ہوا تو اوروں میں تو اس کا کب احتمال ہے اور جب نفع دینی جو اصل کام شیخ کا ہے مستقلاً خارج از اختیار ہے تو نفع دنیوی تو بدرجہ اولیٰ استقلالاً اختیار میں نہ ہوگا بہت سے جہلاء اس میں بھی گرفتار ہیں کہ نعوذ باللہ اہل اللہ کو ساری خدائی کا مالک سمجھتے ہیں بدلالۃ النص اس کی بھی اصلاح ہوگئی۔

۴۳۔مسئلہ عدم اخلال خطرہ در کمال صلوٰۃ

(کمالِ صلاۃ کے لئے خطرات وخیالات کا نہ آنا شرط نہیں ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ: ﴿ماجعل الله لرجل من قلبين فی جوفه﴾ قال: قام نبی الله صلی الله عليه وسلم يوما يصلی، فخطر خطرة، الحديث (أخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت "ماجعل اللہ لرجل" الخ کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور نماز میں آپ کو کچھ خطرہ ہوا۔الحدیث۔

ف: بعضے لوگ کمال صلوٰۃ کے لئے خطرات کے نہ آنے کو شرط سمجھتے ہیں اس حدیث سے عدم اشتراط صاف معلوم ہوگیا لیکن باختیار خود کسی لایعنی بات میں فکر وغور کرنا البتہ منافی کمال صلوٰۃ ہے، غرض خطرات کا لانا تو اختیاری ہے اور خطرات کا آنا غیر اختیاری ہے اور امر

---

[1] مسلم: الایمان، الدلیل علی صحة اسلام من حضره الموت مالم یشرع فی النزع...... رقم: ۴۱ (۲۵) ترمذی: تفسیر القرآن: سورة القصص، رقم: ۳۱۸۸، وقال: حسن غریب.

[2] ترمذی: تفسیر القرآن: سورة الأحزاب، رقم: ۳۱۹۹ وقال: حسن.

اختیاری مخل کمال ہوتا ہے اور غیر اختیاری کا نہ تو وجود مخل کمال ہے اور نہ عدم مکمل صلوٰۃ ہے بلکہ عدم خطرہ ایک قسم کا استغراق ہے جو فی نفسہٖ حالت محمودہ ہے مگر مقصودہ نہیں بلکہ بعض اوقات خطرہ والی نماز بے خطرہ والی نماز سے افضل و اکمل ہوتی ہے کہ خطرات کو دفع اور قلب کو جمع کرنے میں مشقت لاحق ہوتی ہے اور مدار فضل و جزاء کا عمل و مشقت ہے۔

۴۴-مسئلہ ظہور قدیم در صوت حادث

(حادث کی آواز میں قدیم کی تجلی)

عن ابی هريرة صلى الله عليه وسلم قال: ان نبی الله صلى الله عليه وسلم قال: "اذا قضى الله تعالى الامر فى السماء ضربت الملئكة عليهم السلام باجنحتها خضعانا لقوله كانه سلسلة على صفوان". (اخرج البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا (فرشتوں کو) حکم فرماتا ہے تو فرشتے اس کی بات سننے کے وقت عاجزانہ اپنے بازو جھکا دیتے ہیں اور وہ بات ایسی ہوتی ہے جیسے کسی پتھر پر زنجیر کو کھینچا جائے (اور اس میں آواز پیدا ہو)

ف: یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور صوت سلسلہ علیٰ صفوان حادث ہے پس کلام قدیم کا ظہور میں مشابہ صوت حادث کے ہونا جو حدیث میں آیا ہے اس سے وہ امر ثابت ہوا جو اکثر بزرگوں کے کلام میں مذکور پایا جاتا ہے کہ ذات قدیم نے کائنات حادثہ میں ظہور فرمایا، کبھی تجلی مثالی سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت اس ظہور و تجلی کی نہ استحالہ ہے نہ حلول ہے نہ اتحاد ہے کہ یہ سب مستحیلات عقلیہ و نقلیہ ہیں بلکہ ایجاد ہے ایک امر کا جو باختیار بعض اوصاف کے اس قدیم کے مشابہ ہے جس سے وہ حادث اس قدیم کا ان اوصاف کے لحاظ سے کاشف ہو جاتا ہے اور اس حادث کو صورت اور امثال بھی کہا جاتا ہے حدیث میں جو "رأيت ربی فی أحسن صورة" آیا ہے اس کا بھی یہی محل ہو سکتا ہے اور تشبیہ خود آیت نور میں ثابت ہے خوب سمجھ لو۔

---

[1] بخاری: التفسير، سورة الرعد، رقم: ۴۷۰۱، قلنا: وأخرجه الترمذی: تفسير القرآن، سورة سبا، رقم: ۳۲۲۳، وقال: حسن صحيح، قلنا: واخرجه ابن ماجة، المقدمة، فيما أنكرت الجهمية، رقم: ۱۹۴.

۴۵- حال غیبت ومحو

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا تکلم اللہ تعالیٰ بالوحی سمع اھل السماء صلصلۃ کجر السلسلۃ علی الصفا فیصعقون". (أخرجہ أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتے ہیں تو اہل آسمان ایک آواز سنتے ہیں جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر گھسیٹی جائے پھر اس سے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

ف: قوت وارد سے کبھی سالک از خود رفتہ ہو جاتا ہے اس حال کو غیبت ومحو کہتے ہیں اس حدیث سے اس کا صاف اثبات ہوتا ہے۔

۴۶- تعلیم عدم تضجر از قبض

(قبض سے دل گرفتہ نہ ہونا)

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ وفیہ: فالفتح ھو فتح الحدیبیۃ. (أخرجہ الشیخان والترمذی[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ نازل ہوئی یعنی اے محمد! ہم نے آپ کو ایک فتح نمایاں دی اور یہ فتح مبین فتح حدیبیہ ہے۔

ف: واقعہ حدیبیہ میں معلوم ہے کہ ظاہراً مسلمانوں کو کفار سے دبنا اور دب کر صلح کرنا پڑا، لیکن بتفسیر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بنا پر فتح نمایاں فرمایا کہ اس میں بہت سی مصلحتیں مضمر تھیں اور آخر کار یہی مقدمہ فتح مکہ کا ہوا جس کے فتح نمایاں ہونے میں کچھ خفا نہیں، اس سے مشائخ کی اس تعلیم کی اصل نکلی کہ وہ قبض کو کہ ظاہراً ناکامی

---

[1] ابوداؤد: السنۃ، باب فی القران، رقم: ۴۷۳۸، قال المنذری: وقد أخرج البخاری، والترمذی، وابن ماجۃ نحوہ من حدیث عکرمۃ مولی ابن عباس عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلت: وھو الحدیث الرابع والأربعون. [2] بخاری: المغازی غزوۃ الحدیبیۃ، رقم: ۴۱۸۲، أیضا: التفسیر، سورۃ الفتح، رقم: ۴۸۳۴، مسلم: الجھاد، صلح الحدیبیۃ، رقم: ۹۷ (۱۷۸۶) ترمذی نحوہ: تفسیر القرآن سورۃ الفتح، رقم: ۳۲۶۲، وقال: حسن غریب صحیح.

ہے طالب کے حق میں حالت محمودہ اور نفع میں مثل بسط کے فرماتے ہیں کیوں کہ وہ بھی متضمن مصالح سالک کو ہوتا ہے اور نیز مقدمہ بسط قوی کا ہوتا ہے' قال العارف الرومیؒ:

چوں کہ قبضے آیدت اے راہ رو آں صلاح تست آلیس دل مشو

چوں کہ قبض آمد تو دروی بست بیں تازہ باش و چیں میفگن برجبیں

۴۷-قول' القلب أرض اللہ الواسعۃ

(دل اللہ تعالیٰ کی کشادہ سرزمین ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ قال: یلین القلوب بعد قسوتھا فیجعلھا مخبتۃ منیبۃ، یحی القلوب المیتۃ بالعلم والحکمۃ، والا فقد علم احیاء الأرض بالمطر مشاھدۃ (أخرجہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں ﴿اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قلوب کو ان کے قسوت کے بعد نرم کر دیتا ہے پھر ان کو خشوع اور انابت کے ساتھ موصوف کر دیتا ہے' یعنی مردہ دلوں کو علم اور حکمت کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے' ورنہ زمین کا بارش سے تروتازہ ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔

حاصل مقام یہ ہے کہ اس آیت سے اوپر حق تعالیٰ نے قلوب میں خشوع پیدا کرنے کا حکم فرمایا ہے' اس کے بعد مضمون حیات ارض کا ارشاد ہوا ہے' جس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں' ایک یہ کہ مقصود نظیر بیان کرنا ہے حیات قلب کی' دوسری یہ کہ ارض سے مراد مجازاً خود قلب ہو بطور استعارہ کے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

ف: بعض صوفیاء نے قلب کو ارض اللہ الواسعۃ سے تعبیر کیا ہے یہ حدیث اس قول کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

ف: متفرقات، تفسیر خلاف ظاہر

اکثر صوفیاء کرام کے کلام میں بعض آیات واحادیث کا خلاف ظاہر معنی پر محمول ہونا پایا

---

[1] ذکرہ السیوطی: فی الدر المنثور، سورۃ الحدید (۶/۲۵۴) مختصراً۔

جاتا ہے جس پر بعض اہل ظاہر انکار کرنے میں مبادرت کر بیٹھتے ہیں اس حدیث سے ایسی تاویلات کی صحت نکلتی ہے "کلید مثنوی" میں (۱/۸۳) میں اس کی مبسوط تحقیق ہے جو دیکھنے کے قابل ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "الفوز الکبیر" میں حدیث متفق علیہ "اعملوا فکل میسر لما خلق له"[۱] الخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت پڑھنے ﴿فاما من اعطی﴾ الخ کو اسی پر محمول کیا ہے اور حدیث میں جو آیا ہے "القرآن له ظهر وبطن"[۲] اس کے معنی بھی کلید مثنوی میں بطریق تحقیق تفسیر صوفیہ لکھ دیئے گئے ہیں۔

۴۸- عادت اخفائے عمل (اپنے عمل کو پوشیدہ رکھنا)

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ ﴿ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة﴾ الأیة، ان رجلاً من الانصار بات به ضیف ولم یکن عنده الا قوته وقوة صبیانه، فقال لامرأته: نومی الصبیة، واطفیٔ السراج، وقدم للضیف ماعندک، فنزلت الأیة. (اخرجه الترمذی وصححه[۳])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة﴾ روایت ہے کہ ایک صحابی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رات کو ایک مہمان آیا اور ان صحابی کے پاس بجز اپنے اور بچوں کی قوت لایموت کے اور کچھ نہ تھا (یہ سوچا کہ اگر ہم اور بچے یہ کھانا کھالیں گے تو مہمان بھوکا رہ جائے گا) اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچوں کو تو (بہلاکر) سلادینا اور چراغ گل کردینا (تاکہ یہ ہمارے کھانے کو نہ دیکھے ورنہ خود بھی نہ کھاوے گا) اور جو کچھ حاضر ہے مہمان کے سامنے رکھ دینا (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور

---

[۱] بخاری: التفسیر، قوله تعالیٰ: فأما من اعطی واتقی، رقم: ۴۹۴۵. مسلم: القدر، کیفیة خلق الأدمی فی بطن أمه، وکتابة رزقه، وأجله وعمله وشقاوته وسعادته رقم: ۷(۲۶۴۷) عن علی رضی الله تعالیٰ عنه. [۲] قلت: ماوجدته بهذا اللفظ فی المجموع من الأحادیث وأخرج ابن حبان ۱/۱۴۶ رقم: ۷۵) وأبو یعلی (۹/۸۱ رقم: ۵۱۴۹) والطبرانی فی "الکبیر" (۱۰/۱۰۵ رقم: ۱۰۱۰۷) بلفظ: لکل آیة منها ظهر وبطن عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وأخرج الطبرانی فی الأوسط (۱/۲۲۶ رقم: ۷۷۳) والبزار (۳/۹۰) بلفظ: لکل حرف منها ظهر وبطن عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال البیهقی فی "مجمع الزوائد" (۷/۱۵۵) رواه البزار وأبویعلی والطبرانی فی الکبیر ورجال أحدهما ثقات، ورجال البزار أیضا ثقات.

[۳] ترمذی: تفسیر القران: سورة الحشر، رقم: ۳۳۰۴ وقال: حسن صحیح.

دونوں میاں بیوی منہ چلاتے رہے اور کھانا بالکل نہیں کھایا) اس پر آیت نازل ہوئی۔

ف: بہت سے بزرگوں کی عادت ہے کہ اپنے عمل صالح کے اخفاء میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اس حدیث سے اس کی صاف تائید ہوتی ہے۔

ف: خلق' ایثار (دوسرے کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم کرنا)

نیز ان حضرات کے اخلاق میں جو صفت ایثار کی ہے یعنی دوسروں کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم رکھنا اس حدیث میں اس کا بھی اثبات ہے۔

۴۹- اصلاح' تحریم صور مشائخ

(مشائخ کی تصویروں کو رکھنا درست نہیں)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فی قولہ تعالیٰ: ﴿ولا سواعاً ولا یغوث ویعوق ونسراً﴾ قال: وکلھا اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیہ السلام' فلما ھلکوا اوحی الشیطان الیٰ قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون فیھا انصابا وسموھا باسمائھم' ففعلوا' فلم تعبد' حتی اذا ھلک اولئک ونسخ العلم عبدت. (اخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿ولا سواعًا ولا یغوث ویعوق ونسراً﴾ مروی ہے کہ یہ سب نام تھے نوح علیہ السلام کے کچھ بزرگوں کے' جب وہ مر گئے شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سوجھائی کہ یہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہاں کچھ نشان (بطور یادگار کے) کھڑے کرلو اور ان کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس وقت تو ان کی عبادت نہیں ہوئی یہاں تک کہ جب یہ لوگ مر گئے اور علم جاتا رہا تو ان کی عبادت ہونے لگی۔

ف: بعض لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے پیروں کے بزرگوں کی تصویر تبرکًا اپنے پاس رکھتے ہیں' اس حدیث سے ان کا موجب فساد ہونا ظاہر ہے اور وہ مفاسد مشاہد بھی ہیں اور چوں کہ شرائع سابقہ میں فی نفسہ تصویر مباح بھی تھی اور اس شریعت میں وہ فی نفسہ بھی حرام ہے اس لئے اب

---

[1] بخاری: التفسیر، سورۃ نوح، رقم: ۴۹۲۰

اس سے بھی زیادہ مفسدہ ہے بالخصوص اس سے اور زیادہ مفسدہ قوی ہوجاتا ہے کہ شریعت میں تصویر واجب الاہانت ہے اور ایسی تصویروں کی خود تعظیم کی جاتی ہے تو شرع کا پورا مقابلہ ہے۔

۵۰-متفرقات، نور وظلمت قلب

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: "ان العبد اذا اخطا خطیئة نکتت فی قلبه نکتة، فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه، وان عاد زید فیها حتی تعلو قلبه وهو الران الذی ذکر الله تعالیٰ". (أخرجه الترمذی وصححه[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک دھبہ پیدا ہوجاتا ہے، پھر جب وہ باز آتا ہے اور توبہ واستغفار کرلیتا ہے تو اس کا قلب صاف ہوجاتا ہے اور اگر دوبارہ پھر کرتا ہے تو اس دھبہ میں ترقی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کے قلب کو محیط ہوجاتا ہے اور یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) فرمایا ہے۔ ﴿کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون﴾ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کا زنگ چڑھ گیا ہے")

ف: اکثر بزرگوں کے کلام میں وارد ہے کہ ذکر وطاعت سے قلب نورانی ہوجاتا ہے اور غفلت ومعصیت سے قلب ظلمانی ہوجاتا ہے، اس حدیث میں اسی نور وظلمت کا ذکر ہے، پس آثار ذکر وطاعت کے انوار ہیں، اور آثار غفلت ومعصیت کے ظلمات، اور یہ نور وظلمت مثل اجسام منیرہ ومظلمہ کے حسی نہیں ہیں اور جو انوار بعض اوقات محسوس ہوتے ہیں وہ مقصود نہیں۔

۵۱-مسئلۂ عدم انتہائے ترقی عارف

(عارف کامل کی ترقی کا کوئی منتہیٰ نہیں)

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ: ﴿لترکبن طبقاً عن طبق﴾

---

[1] ترمذی: تفسیر القرآن: سورة ویل للمطففین، رقم: ۳۳۳۴ وقال: حسن صحیح، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الزهد، ذکر الذنوب، رقم: ۴۲۴۴، جاء فی روایة الترمذی "سقل" بینما جاء فی روایة ابن ماجة "صقل".

قال: حال بعد حال قال: هذا نبيكم صلى الله عليه وسلم . (أخرجه البخاري[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ﴿لتركبن طبقا عن طبق﴾ منقول ہے کہ انہوں نے اس کے یہ معنی کہے ہیں "حالاً بعد حال" اور کہا ہے کہ اس کے مخاطب تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے حالات کو طے فرماویں گے)

ف: اہل طریق کے ملفوظات میں منقول ہے کہ عارف کامل کی ترقی کبھی منتہی نہیں ہوتی' یہ حدیث اپنے اطلاق الفاظ سے اس پر منطبق ہے کیوں کہ حالاً بعد حال سے نہ تثنیہ مقصود ہے اور نہ اس میں کوئی عدد اور حد مذکور ہے' اس لئے احوال لا تقف عند حد اس کا مصداق ہوگا اور یہی مطلب ہے ان الفاظ مذکور کا۔

۵۲- تعلیم' مراقبہ

عن ابى ذر رضى الله عنه قلت يا رسول الله وما كانت صحف ابراهيم وموسىٰ؟ قال: "كانت عبراً كلها، عجبت لمن ايقن بالموت ثم يفرح، عجبت لمن ايقن بالنار كيف يضحک؟ عجبت لمن رأى الدنيا وتقلبها باهلها ثم يطمئن اليها، عجبت لمن ايقن بالقدر ثم ينصب، عجبت لمن ايقن بالحساب ثم لايعمل". (أخرجه رزين[2])

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں کیا مضامین تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ سب نصائح تھیں جن میں سے بعض یہ ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو موت کا یقین رکھتا ہو اور پھر خوش ہوتا ہو' میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ دوزخ کا یقین رکھتا ہو پھر کیسے ہنستا ہے، میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اور اہل دنیا کے ساتھ اس کے انقلابات کو دیکھتا ہو پھر اس میں جی لگاتا ہو' میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو تقدیر کا یقین رکھتا ہو (اور جانتا ہو کہ رزق مقدر ملے گا) اور پھر (طلب رزق میں مبالغہ کے ساتھ) مشقت کرتا

---

[1] بخارى: التفسير، سورة اذا السماء انشقت، رقم: ۴۹۴۰. [2] ذكره السيوطى فى الدر المنثور، سورة الأعلى (۶/۵۷۱) وعزاه الى عبد بن حميد وابن مردوية وابن عساكر

ہے میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو حساب کا یقین رکھتا ہو اور پھر (نیک) عمل نہ کرتا ہو۔"

ف: کسی مضمون کو زیادہ سوچنا اور اس کو پیش نظر رکھنا یہ مراقبہ کہلاتا ہے جس کی تعلیم اہل سلوک میں معتقد ہے اور اس کے راسخ کرنے کے لئے ابتداء میں تجربہ ہے اس کی ضروریات ثابت ہوئی ہیں کہ کوئی وقت معین ومقدر کر کے اس فکر میں مشغول رہے۔

اس حدیث میں اس کی اصل موجود ہے کیوں کہ محض امور مذکورہ کے یقین پر یہ ثمرات مرتب ہونا...... بدون اس کے کہ چندے ان امور کے پیش نظر رکھنے کا قصداً اہتمام کیا جائے...... عادۃً متعسر ہے اور یہی حاصل ہے مراقبہ کا۔

۵۳-موجب اطمینان شدن توافق کشوف

(کسی معاملہ میں کئی لوگوں کے کشف کا یکساں ہونا باعث اطمینان ہوتا ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اروا لیلۃ القدر فی المنام فی السبع الاواخر فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "اری رؤیاکم قد تواطئت فی السبع الاواخر، فمن کان متحریھا فلیتحرھا فی السبع الاواخر". (اخرجہ الثلاثۃ والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بعضوں کو خواب میں شب قدر دکھلائی گئی کہ اخیر کی سات تاریخوں میں ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میں تمہارے خوابوں کو اس باب میں متوافق پاتا ہوں سو جو شخص شب قدر کو تلاش کرنا چاہے وہ اخیر کی سات تاریخوں میں تلاش کرے۔"

ف: بعض بزرگوں نے تصریح کی ہے کہ گو کشف حجت شرعیہ نہیں لیکن اگر کسی امر مسکوت عنہ فی الشرع میں بہت سے کشف متفق ومتوافق ہو جائیں تو مورث اقناع وطمانینت سمجھا جاوے گا یہ حدیث اس پر صاف دال ہے۔

---

[1] بخاری: فضل لیلۃ القدر، التماس لیلۃ القدر فی السبع الأواخر رقم: ۲۰۱۵، مسلم: الصیام، فضل لیلۃ القدر والحث علی طلبھا رقم: ۲۰۵ (۱۱۶۵) موطا: الصیام، ماجاء فی لیلۃ القدر، وأما الترمذی فلم یخرج ھذہ الروایۃ بل أخرج روایۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا نحوہ وأشار الیھا فی الباب بقولہ: "وفی الباب عن عمر...... وابن عمر".

۵۴-تعلیم، انقطاع، وسوسہ بذکر

(ذکراللہ کے ذریعہ وسوسہ کا ختم ہونا)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ تعالیٰ خمس، واذا غفل وسوس". (أخرجہ البخاری تعلیقاً) (بخاری: التفسیر، سورۃ ناس نحوہ.)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "شیطان آدمی کے قلب پر جما ہوا بیٹھا ہے، جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے، اور جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے۔"

ف: اس حدیث میں علاج ہے وسوسہ کا کثرت ذکر سے، اور اس کی وجہ عقلاً بھی ظاہر ہے، کیوں کہ مسئلہ عقلیہ مسلمہ ہے کہ نفس ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں کرسکتا جب ذکر میں مشغول ہوگا ظاہر ہے کہ وساوس غیر ذکر میں منقطع ہوجاویں گے اور یہ علاج مشترک ہے اختیاریہ موثمہ وساوس اختیاریہ مباحہ و وساوس اختیاریہ میں یعنی وسوسہ معصیت کا ہو اور قصداً ہو، اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی ہو خواہ ظاہراً یا باطناً جس میں گناہ ہوتا ہے اور جو ایسا نہ ہو اور اس میں گناہ نہ ہوتا ہو گو قصداً ہو اور جو بلا قصد ہو یہ تینوں کا علاج ہے اور وساوس مباحہ میں گو ضرر معصیت نہ ہو لیکن قلب کی استعداد ردی ہوجاتی ہے، جس سے معصیت کے لئے اسرع للقبول ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور وسوسہ غیر اختیاریہ سے گو استعداد بھی خراب نہیں ہوتی لیکن کلفت اور تشویش قلب پیدا ہونے سے اندیشہ تعطل و ترک ذکر کا ہوتا ہے لہٰذا اس کا علاج بھی مصلحت ہے۔

۵۵-تعلیم، مشروطی مشروعیت جہر بالذکر بعدم تاذی جیران

(بآواز بلند ذکر کرنا اگر کسی کو تکلیف و پریشانی نہ ہو درست ہے)

عن أبی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد، فسمعھم یجھرون بالقرآن فکشف الستر فقال: "الا ان کلکم یناجی ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علیٰ بعض فی

القراءۃ او فی الصلوٰۃ. (اخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا اور لوگوں کو قرآن پکار کر پڑھتے ہوئے سنا، پس پردہ اٹھایا اور فرمایا کہ سن لو! تم میں ہر شخص اپنے رب سے عرض معروض کر رہا ہے (اور وہ آہستہ اور پکار کے ہر طرح سن لیتا ہے) پس ایک دوسرے کو پریشان مت کرو، یعنی قرآن پڑھنے میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز مت بلند کرو۔

ف: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی عن الجہر کو معلل فرمایا عدم ایذاء کے ساتھ اس سے دو امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ ذکر جہر فی نفسہٖ مشروع ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی مشروعیت مشروط ہے اس سے کہ کسی کو ایذاء اور تشویش نہ ہو، پس اس میں فصل ہے درمیان افراط و تفریط کے اس مسئلہ میں جو اس وقت واقع ہو رہے ہیں کہ بعضے مطلقاً جہر بالذکر کو خلاف سنت کہتے ہیں، اور بعضے اس پر اس قدر مصر ہیں گو اہل محلہ کو تکلیف ہو، نیندیں برباد جاویں، نماز بھولنے لگیں، لیکن وہ اس طرف اصلاً التفات نہیں کرتے، اصل یہ ہے کہ عبادت مقصودہ تو نفس ذکر ہے اور جہر فی نفسہٖ عبادت نہیں، صرف اس میں بعض مصالح ہیں تاثر قلب، تقلیل خطرات و نحو ذالک، لیکن اگر کسی کو ایذاء پہنچے تو ایذاء رسانی سے جو مضرت باطنی ہوتی ہے وہ اس مصلحت سے زیادہ اشد ہے، لہٰذا اس وقت اخفاء ضروری ہے، رہا یہ کہ اگر مفاسد و مصالح دونوں قسم کے عوارض نہ ہوں تو فی نفسہٖ جہر اولیٰ ہے یا خفی، تو احادیث سے اولویت خفی کی معلوم ہوتی ہے۔

۵۶-مسئلہ توسط ناقص در افاضہ برائے کامل احیاناً

(کبھی ناقص کامل کے لئے حصول فیض کا ذریعہ بن جاتا ہے)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قام رجل من اللیل فقرأ القران ورفع صوته فلما اصبح قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یرحم اللہ فلانا کای

---

[1] ابوداؤد: الصلاة، التطوع، رفع الصوت بالقرائة فی صلاة اللیل. رقم: ۱۳۳۲، سکت عنه المنذری الا ان قال: واخرجه النسائی.

من آية اذكر نيها الليلة كنت اسقطتها. (رواه الشيخان وأبو داؤد وهذا لفظهٗ)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے) رات کو اٹھے اور قرآن پڑھا اور بلند آواز سے پڑھا جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ فلانے شخص کا بھلا کرے کہ اس نے بعضی آیتیں رات کو مجھ کو یاد دلا دیں جن کو میں بھول گیا تھا۔''

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گاہے ناقص واسطہ فیض کامل کے لئے بن جاتا ہے، پھر یہ واسطہ بننا اگر بلا قصد ناقص کے ہے تب تو کچھ اشکال ہی نہیں جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کیوں کہ مفیض محض حق تعالیٰ ہے اور ناقص سبب محض ہے اور اس مرتبہ میں چونکہ ہر مستفیض اپنے مفیض کے لئے واسطہ افاضہ ہے، چنانچہ جب کسی ہادی سے اس کے تابع کو ہدایت کا نفع پہنچے گا، ظاہر ہے کہ ثواب کا نفع اس مستفیض کے ذریعہ سے اس مفیض کو ملے گا اور اگر یہ واسطہ بننا بقصد ناقص کے ہے جیسا کہ مشاورت کے بعض مواقع میں روایات سے ثابت ہے تب بھی افضلیت ناقص کا شبہ نہ کرنا چاہئے کیوں کہ نبی کا افضل ہونا بمعنی زیادت قرب و کثرت ثواب عند اللہ ہے اور یہ توسط کسی امر خاص میں اس زیادت و کثرت کے منافی نہیں اور غیر نبی میں اگر اس ناقص کو اس امر خاص میں اس کامل سے بھی اکمل کہہ دیا جاوے تو کوئی اشکال نہیں اور اس امکان توسط سے فوائد صحبت صلحاء کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیخ بھی صحبت سے اپنے کو مستغنی نہ سمجھے بسا اوقات اس کو مریدوں سے بعض منافع باطنی پہنچ جاتے ہیں۔

۵۷- مسئلہ خاصیت سماع

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اقرء علی القرآن" فقلت: اقرأ علیک وعلیک انزل؟ فقال: "انی احب ان اسمعه من

[1] بخاری: فضائل القرآن، نسیان القرآن، وهل يقول: نسيت اية كذا وكذا. رقم: ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، مسلم: فضائل القرآن ومايتعلق به، الأمر بتعهد القرآن، وكراهة قول نسيت اية كذا وجواز قول أنسيتها، رقم: ۲۲۴ (۷۸۸) أبو داؤد: الصلاة، التطوع، رفع الصوت بالقراءة فی صلاة الليل. رقم: ۱۳۳۱)

غیری" فقرأت علیه وفیه: فاذا عیناه تذرفان. (أخرجه الخمسة الاالنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ کو قرآن پڑھ کر سناؤ" میں نے عرض کیا: کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ خود آپ پر نازل ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "میں یہی چاہتا ہوں کہ دوسرے سے پڑھ کر سنوں"، سو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو چلنے لگے۔

ف: غالب امر طبعی ہے کہ کسی چیز کے خود پڑھنے سے وہ لطف نہیں حاصل ہوتا جو اس کو دوسرے کے سننے سے حاصل ہوتا ہے' اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی نکتہ ہے کہ تقویت حال یا تجدید شوق و تحصیل جمعیت کے لئے' دوسرے شخص کو سماع کے لئے تجویز کیا جاتا ہے' البتہ بعض سماع کا ناجائز ہونا یہ دوسری بات ہے۔

ف: حال' وجد

کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے، تذرفان سے اس کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔

۵۸-مسئلہ' وجد کاملین

عن أسماء رضی الله تعالیٰ عنها قالت: ماکان احد من السلف یغشٰی علیه' ولا یصعق عند تلاوة القرآن وانما کانوا یبکون ویقشعرون ثم تلین جلودهم وقلوبهم الٰی ذکر الله. (أخرجه رزین[2])

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سلف (یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعینؒ) میں سے تلاوت قرآن کے وقت نہ کسی پر بے ہوشی ہوتی تھی اور نہ کوئی

---

[1] بخاری: التفسیر، النساء، فکیف اذا جئنا من کل امة. الآیة رقم: ۴۵۸۲، مسلم: فضائل القرآن، فضل استماع القرآن. رقم: ۲۴۷ (۸۰۰) أبوداؤد: العلم، باب فی القصص، رقم: ۳۶۶۸، ترمذی: تفسیر القرآن، سورة النساء، رقم: ۳۰۲۴، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الزهد، الحزن والبکاء، رقم: ۴۱۹۴. [2] الطبقات الکبری: لابن سعد فی ترجمة أسماء بنت أبی بکر الصدیق رضی الله تعالیٰ عنهما' ۱۸۸/۸، دارالکتب العلمیة.

چیختا تھا صرف رویا کرتے تھے اوران کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے پھر خدا کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے تھے۔

ف: وجد کی حقیقت تو اوپر بیان ہو چکی ہے اس حدیث میں کاملین کا وجود مذکور ہے اور قرآن مجید میں بھی اسی کا تذکرہ ہے اور غشی وصعق جس کو عوام وجد سمجھتے ہیں وہ وجد کی متوسط درجہ کی قسم ہے، جو سلف میں کم پائی جاتی ہے، جیسا کہ (ترمذی جلد ثانی ص ۶۸) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے ہوش ہو جانا مروی ہے۔

۵۹- تعلیم واصلاح، منع عن الغلو فی الریاضۃ

(ریاضت ومجاہدہ میں غلو کرنے کی ممانعت)

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اذا قام احدکم من اللیل فاستعجم القرآن علیٰ لسانه فلم یدر مایقول فلیضطجع". (أخرجه مسلم و أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں کوئی شخص رات کو اٹھے پھر (غلبہ نوم سے) قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور (نوم کے غلبہ سے) کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہئے" (تاکہ نیند آنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے اس وقت پھر پڑھنا شروع کرے)

ف: بعض لوگ تقلیل طعام یا تقلیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں کہ لحوق ضرر کی طرف بھی التفات نہیں کرتے، اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں: ایک یہ کہ غلو سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے، پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب خاص ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا پھر نرے جاگنے سے کیا فائدہ۔

---

[1] مسلم: صلاة المسافرين، امر من نعس فی صلاته او استعجم علیه القرآن أو الذکر بأن يرقد أو يقعد حتی يذهب عنه ذلک. رقم: ۲۲۳ (۷۸۷) أبوداؤد: التطوع، النعاس فی الصلاة. رقم: ۱۳۱۱، قلنا: واخرجه ابن ماجة، اقامة الصلوات، المصلی اذا نعس رقم: ۱۳۷۲.

۶۰-تعلیم قضاء حزب (معمولات کو دوسرے وقت میں ادا کرنا)

عن عبدالرحمٰن بن عبد القاری قال: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من نام عن حزبہ من اللیل وعن شیء منہ فقرأہ مابین صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ الظہر کتب لہ کانما قرأہ من اللیل" (اخرجہ الستۃ الا البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "جو شخص اپنے معمولی وظیفہ سے یا اس کے کسی جزء سے سو رہے (یعنی آنکھ نہ کھلنے سے ناغہ ہو جاوے) پھر اس کو فجر اور ظہر کے درمیان میں پڑھ لے تو ایسا ہی ثواب ملے گا جیسے رات ہی پڑھ لیا۔"

ف: اس حدیث میں تعلیم ہے کہ معمولات گو وہ نوافل ہوں حتی الامکان ناغہ نہ کرے اگر معین وقت پر نہ ہو دوسرے وقت پر سہی اور ناغہ کی بے برکتی اس قول میں مذکور ہے۔ من لاورد لہ لاوارد لہ۔

۶۱-مسئلہ حال شطح (شوخی)

عن الحارث بن سوید قال: حدثنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "للّٰہُ افرح بتوبۃ عبدہ المؤمن من رجل نزل فی ارض دویۃ" الی قولہ "فاذا راحلتہ عندہ علیہا زادہ وشرابہ" ثم قال: "اللّٰہم انت عبدی وانا ربک اخطا من شدۃ الفرح" (رواہ الترمذی[2])

---

[1] مسلم: صلاۃ المسافرین، جامع صلاۃ اللیل، رقم: (۷۴۷) ۱۴۲، ابوداؤد: التطوع، من نام عن حزبہ، رقم: ۱۳۱۳، ترمذی: الجمعۃ، ماذکر فیمن فاتہ حزبہ من اللیل فقضاہ بالنہار. وقال: حسن صحیح، نسائی: قیام اللیل وتطوع النہار، متی یقضی من نام عن حزبہ من اللیل رقم: ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، اقامۃ الصلوات، فیمن نام عن حزبہ من اللیل، رقم: ۱۳۴۳، موطا: جامع الصلاۃ، ماجاء فی تحزیب القرآن ص: ۷۰ تھانوی)

[2] ترمذی: صفۃ القیامۃ، استعظام المؤمن ذنوبہ، رقم: ۲۴۹۷ وقال: حسن صحیح، قلنا: وأخرجہ مسلم نحوہ، التوبۃ، الحض علی التوبۃ والفرح بہا، رقم: ۳ (۲۷۴۴) قلنا: واخرجہ البخاری نحوہ، الدعوات، التوبۃ، رقم: ۶۳۰۸ والجزء الأخیر من الروایۃ "اللّٰہم أنت عبدی وأنا ربک الخ" لیس فی روایۃ ابن مسعود، بل جاء فی روایۃ أنس ص ماروہ مسلم فی التوبۃ، رقم: ۷،۲۷۴۷.

ترجمہ: حضرت حارث بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی چٹیل میدان میں پہنچ کر مقام کرے (اور سو کر جو اٹھے تو اپنی سواری کا اونٹ نہ پاوے اور نہایت پریشان ہو، یہاں تک کہ بعد تلاش کے مایوس ہو کر مرنے کے لئے آمادہ ہو کر اپنے مقام پر آ لیٹے اور اس میں آنکھ لگ جاوے) پھر آنکھ کھلنے کے بعد اچانک دیکھتا ہے کہ اس کی سواری کا جانور اس کے پاس کھڑا ہے اور اس پر اس کا سامان خورد و نوش موجود ہے پس (جوش و خوشی میں) اس کے منہ سے یہ نکلا کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں' مارے خوشی کے بچل گیا۔''

ف: بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں' جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے' اس حدیث میں اس کا حال اس کی نظیر سے معتبر ہونا نیز اس پر مواخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے: کیوں کہ اس کے نقل کے بعد اس پر انکار نہیں فرمایا گیا۔

۶۲-خواب میں وبا کی شکل دکھادی گئی

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "رأیت امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتی نزلت بمھیعۃ وھی الحجفۃ، فاولت ان وباء المدینۃ نقل الیھا". (أخرجہ البخاری والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''میں نے ایک سیاہ فام پراگندہ بال عورت کو (خواب میں) دیکھا کہ مدینہ سے نکل کر جحفہ میں جا کر ٹھہری' سو میں نے یہ تعبیر کی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں چلی گئی۔''

ف: آگے آتا ہے۔

---

[1] بخاری: التعبیر، اذا رأی انہ أخرج الشیء من کوۃ فاسکنہ موضعا اخر، رقم: ۷۰۳۸، ۷۰۳۹' ۷۰۴۰ ترمذی: الرؤیا، ماجاء فی رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المیزان والدلو، رقم: ۲۲۹، وقال: حسن صحیح غریب قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، تعبیر الرؤیا، باب تعبیر الرؤیا، رقم: ۳۹۲۴.

۶۳-مسئلہ تحقق عالم مثال (عالم مثال کا ثبوت)

عن ام العلاء الانصارية رضى الله تعالىٰ عنها قالت: لما قدم المهاجرون طار لنا عثمان بن مظعون فى السكنى فاشتكى فمرضناه حتى توفى قالت: فرايت لعثمان فى المنام عينا تجرى فاخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "ذاک عمله يجرى له" (اخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ام علاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جب مہاجرین (مدینہ میں آئے) تو سکونت کے لئے ہمارے حصے میں عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے پھر وہ بیمار ہوگئے سو ہم نے ان کی تیمارداری کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی وہ کہتی ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک چشمہ بہتے ہوئے دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ ان کا عمل ہے کہ اس کا ثواب جاری ہے۔"

ف: اس حدیث میں اور حدیث سابق میں اثبات ہے عالم مثال کا جس میں معنی مخصوصہ صور خاصہ میں متمثل و متشکل ہو کر ظاہر ہوتے ہیں۔

۶۴-مسئلہ تمنی موت (موت کی تمنا کرنا)

عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايتمنين احدكم الموت من ضر اصابه". الحديث. (أخرجه الخمسة[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں کسی تکلیف کی وجہ سے جو کہ اس کو پہنچی ہو موت کی تمنا نہ کرے۔

ف: اکثر عشاق کے کلام میں موت کی تمنا منقول ہے جو ظاہراً خلاف شرع معلوم ہوتا ہے لیکن اس حدیث میں "من ضر أصابه" کی قید اس شبہ مخالف کو رفع کرتی ہے یعنی نہی مقید

---

[1] بخارى: التعبير، العين الجارية فى المنام، رقم: ۷۰۱۸. [2] بخارى: المرضى، تمنى المريض الموت، رقم: ۵۶۷۱، مسلم: الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، كراهة تمنى الموت لضر نزل به رقم: ۱۰ (۲۶۸۰) أبوداؤد: الجنائز، كراهية تمنى الموت، رقم: ۳۰۱۸، ترمذى: الجنائز، النهى عن التمنى للموت، رقم: ۹۷۱ وقال: حسن صحيح، نسائى: الجنائز، تمنى الموت، رقم: ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الزهد، ذكر الموت والاستعداد له، رقم: ۴۲۶۵.

ہے کسی ضرر سے تنگدل ہونے کے ساتھ اور جہاں یہ قید نہ ہو یہ نہی بھی نہ ہوگی جب تک دوسری دلیل نہی کی نہ ہو؛ اور ان حضرات کی تمنی محض شوقاً الی لقاء اللہ ہوتی ہے لہٰذا خلاف شرع نہ ہوگی اور یہ ایک حال ہے جو آثار بسط سے ہے اور بعض پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے وہ مانع تمنا ہوتی ہے۔

۶۵- تعلیم وعادت' دعا للمہدی (ہدیہ دینے والے کو دعا دینا)

عن اسامة بن زيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من صنع اليه معروف فقال لفاعله جزاک اللہ خيرا فقد ابلغ فی الثناء". (اخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ اس کے کرنے والے کو کہے "جزاک اللہ خیراً" یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو نیک عوض دے تو اس نے (اس کی) ثناء (ودعا) کا پورا حق ادا کردیا۔"

ف: اس میں تعلیم ہے اور بعونہ تعالیٰ صلحاء ومشائخ کی عادت بھی ہے کہ جو شخص ان کی خدمت قلیل یا کثیر سے کرتا ہے اس کی بہت قدر کرتے ہیں اور اظہار خوشی کے ساتھ ہدیہ دینے والے کو دعا دیتے ہیں اس میں علاوہ برکت وفضیلت نفس اتباع سنت کے محسن کی تطییب قلب بھی ہے' جو استقلالاً بھی طاعت ہے' پس بے قدری اور نخوت کرنا جیسا کہ بعض بدعیین یا ناقصین کی عادت ہے سخت مذموم بات ہے اور ایک گونہ ناشکری ہے۔ فقط۔

۶۶- عادت' عزلت (گوشہ نشینی)

عن ابی سعيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قيل يا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس افضل؟ قال: "مومن مجاهد بنفسه وماله فی سبيل اللہ" قيل: ثم من؟ قال: "رجل فی شعب من الشعاب يتقی اللہ ويدع الناس من شره". (اخرجه الخمسة[2])

---

[1] ترمذی: البر والصلة' الثناء بالمعروف رقم: ۲۰۳۵ وقال: حسن جيد غريب)

[2] بخاری: الجهاد والسير، افضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه وماله فی سبيل اللہ، رقم: ۲۷۸۶، مسلم: الامارة، فضل الجهاد والرباط، رقم: ۱۲۲ (۱۸۸۸) ابوداؤد: الجهاد، ثواب الجهاد، رقم: ۲۴۸۵، ترمذی: فضائل الجهاد، ای الناس افضل، رقم: ۱۶۶۰ وقال: حسن صحيح، نسائی: الجهاد، فضل من يجاهد فی سبيل اللہ بنفسه وماله رقم: ۳۱۰۷، قلنا: واخرجه ابن ماجة، الفتن، باب العزلة، رقم: ۳۹۷۸.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے) سوال کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے افضل کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مومن اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو" سوال کیا گیا کہ پھر کون شخص افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص (پہاڑ) کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور خلق کو اپنے شر سے فارغ کر رکھا ہو۔"

ف: اکثر اہل اللہ کی عادت رہی ہے کہ خلق اللہ سے اختلاط کم کر رکھا ہے اور گوشہ نشین رہے ہیں، اس حدیث سے اس کی اجازت اور ایک درجہ میں افضلیت ثابت ہوتی ہے اور حدیث میں اس کے محل کی طرف بھی اشارہ ہے، کہ جب اختلاط میں احتمال ایصال شر الی الخلق کا ہو اور اسی پر قیاس کیا جائے گا وصول شر من الخلق کو، اور نیز حدیث مذکور ہی میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جس شخص سے خیر و نفع عام زیادہ متوقع ہو اس کے لئے اختلاط افضل ہے، کیوں کہ مومن مجاہد کو صاحب عزلت سے افضل فرمایا اور یہی خلاصہ ہے تحقیق کا مسئلہ مجوث عنہا میں، کہ جس شخص سے مسلمانوں کو نفع پہنچتا ہو اس کے لئے جلوت بہتر ہے اور جس سے نفع متعلق نہ ہو اور جلوت میں احتمال اضرار یا تضرر کا ہو اس کے لئے خلوت بہتر ہے۔

۶۷- حال، کرامت

عن شداد بن الهاد: ان رجلا من الاعراب جاء فامن بالنبی صلی الله علیه وسلم الی قوله ولکنی اتبعتک علی ان ارمی الی ههنا ۔ واشار بیده الی حلقه ۔ بسهم فاموت فادخل الجنة، فقال: "ان تصدق الله یصدقک" فلبثوا قلیلا ثم نهضوا فی قتال العدو فاتی به النبی صلی الله علیه وسلم محمولا قد اصابه سهم حیث اشار، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "اهو هو؟" قالوا: نعم. قال: "صدق الله فصدقه" ثم کفن فی جبة النبی صلی الله علیه وسلم. الحدیث (اخرجه النسائی[1])

ترجمہ: حضرت شداد بن الہاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دیہاتی حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا، اور اسی حدیث میں یہ ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس امید پر آپ کا اتباع کیا ہے کہ (جہاد میں) میری اس جگہ یعنی حلق میں

[1] نسائی: الجنائز، الصلاة علی الشهداء، رقم: ۱۹۵۵۔

تیر لگ جاوے اور میں مر جاؤں اور جنت میں چلا جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تو اللہ کے ساتھ (اپنی نیت میں) سچا ہے تو خدا تعالیٰ تجھ کو (اس امید میں) سچا کردے گا'' غرض تھوڑی ہی مدت گزری تھی پھر ایک جہاد کے لئے لوگ تیار ہو گئے (اور وہ شخص بھی چلا) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی لاش اٹھا کر لائی گئی اور اس کے خاص حلق ہی میں تیر لگا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ وہی شخص ہے''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں وہی شخص ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ کے ساتھ سچا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو سچا کردیا'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک میں اس کو کفن دیا گیا۔''

ف: اس حدیث میں اثبات ہے حال کرامت کا چنانچہ یہ واقعہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک گونہ کرامت ہے۔

ف: رسم، تبرک فی الکفن

قمیص مبارک میں اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفنایا جانا اصل ہے اس رسم کی جو محبان قوم میں مستعمل ہے کہ بزرگوں کے البسہ وغیرہا سے برکت حیوۃ ومماۃ حاصل کرتے ہیں۔

۶۸- رسم، بیعت غائبانہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یعنی یوم بدر فقال: "ان عثمان انطلق فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی ابایع لہ". (اخرجہ ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر میں کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: ''عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام میں گئے ہوئے ہیں ان کے لئے میں بیعت کرتا ہوں۔''

ف: بزرگوں میں یہ رسم شائع ہے کہ اگر طالب بدون حاضری خدمت شیخ کے

---

[1] ابوداؤد: الجهاد، من جاء بعد الغنيمة لاسهم له. رقم: ۲۷۲۶، وقال المنذری: قال بعضهم: هذا خاص لعثمان رضی الله تعالیٰ عنه لانه كان يمرض ابنة رسول الله صلی الله عليه وسلم وهو معنی قوله: حاجة لله ولرسوله، يريد بذلک حاجة عثمان فی حق الله وحق رسول الله، كقوله سبحانه: ان رسولكم الذی ارسل اليكم لمجنون، وانما هو رسول الله اليهم.

درخواست بیعت کی کرے تو غائبانہ اس کی بیعت قبول کر لیتے ہیں' یہ حدیث بیعت غائبانہ میں صریح ہے' کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر نہ تھے مگر ان کی رضا و رغبت کی وجہ سے ان کو بیعت فرمالیا اور گو یہ بیعت قتال کی تھی لیکن اقسام بیعت میں اس امر میں فرق کا کوئی قائل نہیں اور یہ غائب ہونا بوجہ علالت مزاج صاحب زادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بضرورت ان کی تیمارداری کے تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

۶۹-اصلاح' عدم کفایت صحبت شیخ مع فساد عمل

(بدعملی کے وبال سے بچنے کے لئے شیخ کی صحبت کافی نہیں)

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان علی ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل یقال لہ کرکرۃ، فمات فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ھو فی النار) فذھبوا ینظرون الیہ فوجدوا عباءۃ قد غلھا. (اخرجہ البخاری[۱])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب پر ایک شخص کرکرہ نام کا متعین تھا وہ مرگیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "وہ دوزخ میں ہے" لوگ اس کو دیکھنے چلے (کہ دیکھیں اس میں کونسی بات دوزخی ہونے کی ہے) سو (اس کے اسباب میں) ایک کملی ملی جس کو اس نے (مال غنیمت سے) چرالیا تھا۔

ف: اکثر رسم پرست درویش اس پر نازاں ہوتے ہیں کہ ہم کو فلاں بزرگ سے انتساب ہے اور اس کے بھروسے اعمال کی پرواہ نہیں کرتے' اس حدیث سے ان لوگوں کی غلطی صاف معلوم ہوتی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے زیادہ کس کی صحبت بابرکت ہوگی مگر اس پر بھی فساد عمل کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑا' سو دوسرا انتساب تو اس سے بدرجہا کم ہے۔

۷۰-عادت' ترک مباحثہ

عن أبی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من ترک المراء وھو مبطل بنی لہ بیت فی ربض الجنۃ، ومن ترکہ وھو محق

---

[۱] بخاری: الجھاد القلیل من الغلول، رقم: ۳۰۷۴.

بنی له فی وسطها، ومن حسن خلقه بنی له فی اعلاه". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص ناحق پر ہو اور بحث ومباحثہ چھوڑ دے (اور حق کو قبول کرے) اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک گھر بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو اور پھر بھی بحث و مباحثہ کو چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے درمیان میں ایک گھر بنایا جائے گا (جو کہ کنارہ جنت سے افضل ہے) اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے اعلیٰ جنت میں گھر بنایا جائے گا۔'' (جو کہ وسط جنت سے افضل ہی ہے)

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا گیا ہے کہ مکالمات ومخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے باوجود اپنے حق پر ہونے کے طرح دے کر سکوت فرماتے ہیں۔ جس میں وہی مصلحت ہوتی ہے۔ جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے' اس حدیث سے اس کا ناپسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۷۱- حقائق تکلم جمادات

(جمادات یعنی پتھر ودرخت وغیرہ کا بولنا)

عن سهل بن سعد رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "مامن مسلم یلبی الا لبی ما عن یمینه وشماله من حجر او شجر او مدر حتی تنقطع الارض من ههنا وههنا. (اخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان لبیک کہتا ہے' اس کے داہنے اور بائیں جتنے پتھر یا درخت یا ڈھیلے ہیں سب لبیک کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر سے بھی ادھر سے بھی ختم ہو جاتی ہے۔

---

[1] قلنا: ان الترمذی لم یخرجه عن ابی امامةؓ وانما اخرجه عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه فی البر والصلة، ماجاء فی المراء، رقم: ۱۹۹۳ وقال: حسنٌ ' وأخرجه ابوداؤد: الأدب، حسن الخلق، رقم: ۴۸۰۰ (سکت عنه المنذری) عن ابی امامة، واخرجه ابن ماجة: المقدمة، اجتناب البدع والجدل، رقم: ۵۱ عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه.

[2] ترمذی: الحج' فضل التلبیة والنحر، رقم : ۸۲۸، وقال: حدیث ابی بکر رضی الله تعالیٰ عنه حدیث غریب لانعرفه الا من حدیث ابن ابی فدیک عن الضحاک بن عثمان، قلنا وأخرجه ابن ماجة: المناسک، باب الاحرام، رقم: ۲۹۲۱.

ف: اس حدیث کے ظاہر سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات بھی کسی قدر حس وشعور رکھتے ہیں اور تکلم وغیرہ ان سے صادر ہوتا ہے۔

۴۷- اصلاح، مبالغہ درتورع (ورع وتقویٰ میں مبالغہ کرنا)

عن نافع انه سمع اسلم مولٰی عمر رضی الله تعالیٰ عنه یقول ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه: رای عمر رضی الله تعالیٰ عنه علی طلحة رضی الله تعالیٰ عنه ثوبا مصبوغا وهو محرم فقال: ماهذا؟ فقال: انما هو مغرة او مذرة فقال: انكم ایها الرهط ائمة یقتدی بكم الناس، فلو لا ان رجلا جاهلا رأی هذا لقال ان طلحة بن عبید الله كان یلبس الثیاب المصبغة فی الاحرام فلا تلبسوا ایها الرهط من هذه الثیاب. (أخرجه المالك[1])

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسلم سے جو کہ معتق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تھے سنا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن پر رنگین کپڑے حالت احرام میں دیکھے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو گیرو ہے یا مٹی ہے آپ نے فرمایا تم لوگ (دین کے) پیشوا سمجھے جاتے ہو لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں، اگر کوئی جاہل آدمی اس (لباس) کو دیکھے یوں کہے کہ طلحہ بن عبیداللہ احرام میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے، سو تم لوگ ایسے رنگین کپڑے مت پہنا کرو۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مقتدا ہیں ان کو اور عام لوگوں کی نسبت ورع وتقویٰ میں زیادہ اہتمام مناسب اور ضروری ہے اور صوفیہ کا مقتداء ہونا ظاہر ہے، پس ان کو بھی اس کی رعایت ضروری ہے آج کل اس کا عکس ہے کہ بعضے لوگ طریق تصوف میں داخل ہو کر اور آزاد ہو جاتے ہیں اور بعض کا عقیدہ ہے کہ تصوف میں شریعت کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

مطلب یہ کہ عوام علی الاطلاق رنگین کپڑوں کو جائز سمجھ جائیں گے حالانکہ احرام میں خوشبودار رنگ کے کپڑے ممنوع ہیں۔

---

[1] موطا: الحج، لبس الثیاب المصبغة فی الاحرام: ۱۲۶.

۷۳۔تعلیم معذرت در رد ہدیہ

(ہدیہ واپس کرتے وقت عذر کو ظاہر کر دینا)

عن الصعب بن جثامة رضی الله تعالیٰ عنه انه اهدی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم حمارا وحشیا وهو بالابواء او بودان فرده علیه فلما رأی ما فی وجهه قال: "انا لم نرده علیک الا انا حرم". (أخرجه الستة الاأباداؤد)

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک گورخر بطور ہدیہ کے بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابواء یا ودان میں تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس فرمادیا' جب ان کے چہرے پر آثار رنج کے دیکھے فرمایا کہ "ہم نے اور کسی وجہ سے اس کو واپس نہیں کیا مگر صرف بات یہ ہے کہ ہم احرام کی حالت میں ہیں۔"

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عذر صحیح سے کسی کا ہدیہ واپس کیا جائے تو اس عذر کو ظاہر بھی کر دیا جائے تا کہ کسرِ خاطر یعنی دل شکنی نہ ہو' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کا عذر فرمایا جس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں' ایک یہ کہ وہ گورخر زندہ تھا سو اس کا محرم کو قبول کرنا مطلقاً جائز نہیں' دوسری اگر وہ زندہ نہ ہو تو آپ کو شبہ ہوگا کہ شاید ہمارے لئے شکار کیا گیا ہو اور اس صورت میں شافعیہ کے نزدیک تو قبول کرنا جائز ہی نہیں اور حنفیہ کے نزدیک گو جائز ہے مگر تورع عدم قبول میں ہے۔

۷۴۔متفرقات' جواز زیادت فی الاذکار

(اوراد ماثورہ میں بعض اوقات میں اضافہ کی گنجائش ہے)

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم

لہ بخاری: جزاء الصید، اذا أهدی للمحرم حماراً وحشياً حيا لم يقبل، رقم: ۱۸۲۵، مسلم: الحج، تحریم الصید الماکول البری، رقم: ۵۰ (۱۱۹۳) ترمذی: الحج، کراهیة لحم الصید للمحرم، رقم: ۸۴۹ وقال: حسن صحیح، نسائی: المناسک، مالایجوز للمحرم اکله من الصید، رقم: ۲۸۲۱، موطا: الحج، مالا یجوز للمحرم اکله من الصید: ۱۳۷ (مکتبه تهانوی) قلنا: وأخرجه ابن ماجة: المناسک، ماینهی عنه المحرم من الصید، رقم: ۹۰

یهل ملبدا الی قوله ولا یزید علی هذه الکلمات. زاد فی روایة عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنه یقول بعد هٰذه الکلمات: لبیک، اللهم لبیک، لبیک، وسعدیک، والخیر فی یدیک، والرغباء الیک والعمل. وفی روایة ابی داؤد قال: والناس یزیدون ذاالمعارج ونحوه من الکلام والنبی صلی الله علیه وسلم یسمع ولا یقول شیئاً[1].

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک میں کلمات مخصوصہ سے زائد نہ فرماتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک والرغباء الیک والعمل" اور بڑھا دیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ بعضے لوگ "ذی المعارج" وغیرہ الفاظ بڑھا دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن کر کچھ نہ فرماتے تھے۔

ف: بعضے متشددین حضرات صوفیہ پر بعضے اذکار واوراد کے ایجاد پر اعتراض بدعت کا کرتے ہیں اس حدیث سے اس ایجاد کا جواز ثابت ہوتا ہے کیوں کہ لبیک منقول پر جس قدر زیادت تھی وہ ایجاد ہی کی فرد ہے اور مرجح اس ایجاد جائز کا غلبہ ہے کسی حال کا یا قصد تحصیل ہے کسی حال کا: البتہ بدعت وہ ایجاد ہے جو جزو دین بنا دیا جائے گو فی نفسہٖ وہ عمل مباح ہی کیوں نہ ہو اور اگر فی نفسہٖ بھی غیر مباح ہو تو اور بھی اشنع واقبح ہے۔

۷۵- اصلاح عدم اختیاریت وعدم دوام کشف

(کشف نہ تو فعل اختیاری ہے اور نہ دائمی ہے)

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث طویل فقال صلی الله علیه وسلم: "لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اهتدیت". (أخرجه الخمسة الا

[1] بخاری: اللباس، التلبید، رقم: ۵۹۱۵، مسلم: الحج، التلبیة وصفتها ووقتها. رقم: ۱۹ (۱۱۸۴) أبوداؤد: المناسک، کیف التلبیة، رقم: ۱۸۱۲، ترمذی: الحج، ماجاء فی التلبیة، رقم: ۸۲۶، نسائی: المناسک، کیف التلبیة، رقم: ۲۷۵۱، ابن ماجة: المناسک، کیف التلبیة، رقم: ۲۹۱۸، وفی روایة أبی داؤد قال: والناس یزیدون ذا المعارج ونحوه من الکلام أبو داؤد، المناسک، کیف التلبیة، رقم: ۱۸۱۳، عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنه. وسکت عنه المنذری.

الترمذی وھذا لفظ الشیخین[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں جب کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم احرام کھولنے میں اس بناء پر متردد ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ ہدی کے احرام نہ کھولا تھا) ارشاد فرمایا کہ: ''جو بات پیچھے سے میری سمجھ میں آئی اگر پہلے سے میری سمجھ میں آتی تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔'' (جو کہ مانع ہوگیا احرام کھولنے سے)

ف: بعض اہل غلو کا اعتقاد ہے کہ کشف بزرگوں کا اختیاری فعل ہے جب چاہیں جس واقعہ کو چاہیں معلوم کر لیتے ہیں' بعضے سمجھتے ہیں کہ بزرگوں کو ہر وقت ہر واقعہ معلوم رہتا ہے اس واقعہ سے ان دونوں خیالوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد کی مصلحت اول سے منکشف نہیں ہوئی' اور یہ کوئی نقص نہیں ہے ایسے اعتقاد والوں کو اپنی اصلاح کرنا چاہئے۔

۷۶- اصلاح' عدم تعظیم تصویر بزرگان

(بزرگوں کی تصاویر کی تعظیم درست نہیں)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی ان یدخل البیت وفیہ الألھۃ، فامر بھا فاخرجت واخرجوا صورۃ ابراھیم واسمٰعیل علیھما السلام فی ایدیھما الازلام، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "قاتلھم اللہ، ام واللہ لقد علموا انھما لم یستقسما بھا قط" فدخل البیت فکبر فی نواحیہ. (اخرجہ البخاری)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ میں) تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے جانا گوارا نہ کیا: کیوں کہ اس کے اندر (مشرکین کے رکھے ہوئے) بہت سے بت تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

---

[1] بخاری: الحج، تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف بالبیت. رقم: ۱۶۵۱) مسلم: الحج، بیان وجوہ الاحرام، رقم: ۱۴۱ (۱۲۱۶) ابوداؤد: المناسک، افراد الحج، رقم: ۱۷۸۹، نسائی: المناسک، الکراھیۃ فی الثیاب المصبغۃ للمحرم. رقم: ۲۷۱۳) قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ: المناسک' حجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، رقم: ۳۰۷۴.

[2] بخاری: الحج، من کبر فی نواحی الکعبۃ، رقم: ۱۶۰۱.

نسبت حکم فرمایا وہ سب باہر کر دیئے گئے اور ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو بھی باہر لائے ان دونوں (تصویروں) کے ہاتھ میں قمار کے تیر تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خدا ان (مشرکین) کو غارت کرے واللہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں حضرات نے کبھی ان تیروں سے قمار نہیں کھیلا“ (اور پھر بھی ان کے ہاتھ میں تیر دے دیئے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے اور سب گوشوں میں اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا۔

ف: بعض اہل غلو بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کیا کرتے ہیں اور ان کو متبرک سمجھتے ہیں اس حدیث سے اس عقیدہ وعمل کا بالکلیہ قلع وقمع ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے جانے سے دونوں پیغمبروں کی تصویروں کی موجودگی کا مانع ہونا واضح دلیل اس مدعا کی ہے، اور یہی حال ہے نقلی اور مصنوعی قبور کا جو کسی کے نامزد ہوں، غرض یہ کہ جو چیز خود غیر مشروع ہو کسی مقبول کے ساتھ نامزد ہونے سے وہ مشروع ومعظم نہیں ہو جاتی فقط۔

۷۷۔ تعلیم وعادت، خلو حجرہ عن المتاع

(عبادت والے کمرہ میں غیر ضروری سامان کا نہ ہونا)

عن الاسلمية رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قلت لعثمان بن طلحة رضى الله تعالىٰ عنه : ما قال لک رسول الله صلى الله عليه وسلم حين دعاک؟ قال: قال: "انى نسيت ان آمرک ان تخمر القرنين فانه ليس ينبغى ان يكون فى البيت شىء يشغل المصلى". (اخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کلید بردار کعبہ شریفہ) سے پوچھا تھا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ فرمایا تھا کہ: ”میں تم سے یہ کہنا بھول گیا تھا کہ تم دونوں سینگوں کو (جو کعبہ کے اندر اس دنبہ کے لگ رہے تھے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ذبح کیا گیا تھا) ڈھانک دینا کیوں کہ بیت اللہ کے اندر کسی ایسی شیٔ

[1] ابوداؤد: المناسک، دخول الكعبة، رقم: ۲۰۳۰، وقال المنذرى: وقد اختلف فى هذا الحديث، فروى كما سقناه، وروى عن منصور عن خالد مسافع عن صفية بنت شيبة عن امرأة من بنى سليم ... روى عنه عن خاله عن امرأة من بنى سليم، ولم يذكر: او. (تلخيص المنذرى ۲/۱۲۵).

کا رہنا اچھا نہیں جس سے نماز پڑھنے والے کا دل بٹے" (سوکھلا رہنے سے دل بٹے گا اور ڈھانک دینے سے ادھر خیال نہ جائے گا)

ف: اہل طریق کا ارشاد ہے کہ جو حجرہ خلوت وعبادت کے لئے ہو اس میں بجز ایک چٹائی کے جس پر بیٹھے گا کوئی متاع نہ ہونا چاہئے تاکہ ذکر کے وقت قلب اس طرف مشغول نہ ہو یہ حدیث اس کی اصل صریح ہے۔

۷۸- اصلاح، بطلان رسم مخترعہ مجاورین

(خدام ومجاورین کی ایجاد کردہ رسم کا ابطال)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كانت قريش ومن دان دينها وهم الحمس يقفون بالمزدلفة ويقولون: نحن قطين الله فلا نخرج من حرمه. (أخرجه رزين[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اور بھی جو لوگ ان کے طریقے پر تھے اور یہ سب حمس کہلاتے تھے (عرفہ کے دن جب کہ سب عرفات میں جاتے تھے یہ لوگ) مزدلفہ میں ٹھہرے رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں اس لئے ہم اس کے حرم سے باہر نہیں جاتے (اور عرفات حرم سے باہر اور مزدلفہ داخل ہے)

ف: ان لوگوں کو یہ ناز اور دعویٰ اختصاص اس بناء پر تھا کہ یہ لوگ بیت اللہ کے خدام و مجاور تھے قرآن شریف نے ان کی رسم کا ابطال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے مجاورین نے بھی جو رسمیں خلاف شرع اپنے پیرزادگان کے اختصاص کے اظہار کے لئے تراش رکھی ہیں سب باطل ہیں۔

۷۹- عادت عطائے تبرک مریدرا (مرید کو کوئی چیز بطور تبرک دینا)

عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم اتى الجمرة فرماها الى قوله قال لابي طلحة: "اقسمه بين الناس". (أخرجه الخمسة الا النسائي[2])

---

[1] ترمذی: الحج، الوقوف بعرفات والدعا فيها، رقم: ۸۸۴ وقال: حسن صحيح.

[2] بخاری: الوضوء، الماء الذی يغسل به شعر الانسان، رقم: ۱۷۱، مسلم: الحج، السنة يوم النحر أن يرمی ثم ينحر ثم يحلق الخ. رقم: ۳۲۶ (۱۳۰۵) أبوداؤد: المناسک، الحلق والتقصير، رقم: ۱۹۸۱، ترمذی: الحج، بأی جانب الرأس يبدأ فی الحلق، رقم: ۹۱۲ وقال: حسن صحيح.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع میں) جمرہ کے پاس (منیٰ کے دن) تشریف لائے اوران پر کنکریاں ماریں اور (سر مبارک منڈواکر) ابوطلحہ سے فرمایا: ''یہ بال لوگوں میں (تبرکاً) تقسیم کردو۔''

ف: اکثر مشائخ کا معمول ہے کہ جس مرید میں رغبت صادق پاتے ہیں یا کسی کی استدعا دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی کسی خاص چیز کو برکت ومحبت کی نظر سے لینے کی تمنا کرتا ہے' اس کو ایسی چیز تبرکاً دے دیتے ہیں' یہ حدیث اس کی اصل ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرات اپنے کو بابرکت سمجھتے ہیں بلکہ مقصود دوسرے کا تطییب قلب ہوتا ہے جو بناء برحسن ظن اس کا مستدعی ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اس اشکال وجواب کی گنجائش ہی نہیں کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات وفضائل قطعیات سے ثابت ہیں جن پر اعتقاد لانے کے آپ بھی مامور ہیں۔

۸۰-مسئلہ' عفو از اہل سکر (مغلوب الحال کا معذور ہونا)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمجنونۃ قدزنت وفیہ قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یا امیر المؤمنین لقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "رفع القلم عن ثلثۃ: عن الصبی حتی یبلغ، وعن النائم حتی یستیقظ، وعن المعتوہ حتی یبرأ" وان ھٰذہ معتوۃ بنی فلان، لعل الذی اتاھا اتاھا وھی فی بلائھا فخلی سبیلھا. (أخرجہ أبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مجنون عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین! آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''تین شخص مرفوع القلم ہیں: ایک نابالغ جب تک بالغ نہ ہو' دوسرے سوتا ہوا جب تک جاگ نہ اٹھے' تیسرے مختل الحواس جب تک صحت یاب نہ ہو'' اور یہ فلاں قبیلہ کی مختل الحواس عورت ہے ممکن ہے جس وقت اس نے اس سے صحبت کی ہو یہ

[1] أبوداؤد: الحدود' المجنون یسرق أو یصیب حدا رقم: ۴۴۰۲، قال المنذری. أخرجہ النسائی وفی اسنادہ عطاء بن السائب وھو ثقۃ.

اپنے اس مرض میں مبتلا ہو غرض اس کو رہا کر دیا۔

ف: عقل کا مغلوب ہوجانا جیسا کبھی احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسے ہی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت و مسلم ہے منجملہ احوال نفسانیہ کے وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہوجاتی ہے سو جس طرح مجنون و معتوہ شرعاً معذور ہے اسی طرح صاحب سکر و مغلوب الحال بھی اپنے اقوال شطحیہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس طرح جنون وعتہ بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتباہ ہوتا ہے، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشتباہ ہوگیا تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے زائل ہوا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص میں قرائن سے معذور ہونے کا احتمال بھی ہو اس حالت کو معذوری ہی پر محمول کرنا بہتر ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے، "لعل الذی أتاها" الخ کہ لعل موضوع ہے احتمال کے لئے اور قرینہ یہاں اس عورت کا اکثر احوال میں معتوہ ہونا تھا اور جن حضرات کے کلام میں تاویل عذر کی جائے ان میں ایک قرینہ منقول ہونا ان کے سکر کا ہے اور ایک قرینہ منقول ہونا ان کے فضائل و کمالات و اتباع سنت کا غالب احوال میں ہے جو مضطر کرے گا تاویل کی طرف ورنہ جس کا غالب حال فسق و معصیت و ابتداع و بطالت ہو وہاں کوئی حاجت تاویل کی نہ ہوگی کیوں کہ احتمال غیر ناشی عن دلیل معتبر نہیں ورنہ انکار و احتساب و سیاست کا باب ہی مسدود ہوجائے گا وھو باطل۔

۸۱- اصلاح، ترجیح باطن امر شیخ بر ظاہر امر شیخ

(شیخ کے حکم ظاہری پر حکم باطنی کو ترجیح دینا)

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا کان یتھم بام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ : "اذھب فاضرب عنقہ" فاتاہ علی فاذا ھو فی رکی یتبرد فقال لہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ : اخرج، فناولہ یدہ فاخرجہ، فاذا ھو مجبوب لیس لہ ذکر، فکف عنہ واخبر بہ النبی صلی اللہ

علیه وسلم فحسن فعله. زاد فی روایة: وقال: "الشاهد یریٰ مالا یریٰ الغائب". (اخرجه مسلم)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد (یعنی کنیز صاحب اولاد از مولیٰ) کے ساتھ لوگ متہم کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: ''جاؤ اس کی گردن مارو'' (مطلب یہ تھا کہ باقاعدہ تحقیق کر کے باضابطہ سزا دو) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس پہنچے وہ ایک کنویں میں (جو بطور باولی کے تھا) ٹھنڈک کے لئے غسل کر رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا باہر نکل اس نے اپنا ہاتھ آپ کو دے دیا آپ نے اس کو باہر نکالا اچانک جو اس پر نظر پڑی تو وہ مقطوع الذکر تھا آپ اس کی سزا سے رک گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس فعل کی تحسین فرمائی اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سامنے والا ایسی چیز کو دیکھ سکتا ہے جس کو دور والا نہیں دیکھ سکتا۔''

ف: اس مقام پر حکم نبوی ظاہراً مطلق تھا جس کا مقتضا یہ تھا کہ جاتے ہی اس پر سزا جاری کر دیتے اور جس میں پس و پیش اور توقف کرنا ظاہراً حکم نبوی ﷺ کی مخالفت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ ظاہر پرستی سے شیخ کی اطاعت میں غلو کرتے ہیں اور وہ اطاعت میں حقیقت امر کو اصلاً نہیں دیکھتے حتیٰ کہ شریعت کے وفاق و خلاف سے بھی بحث نہیں کرتے اور محققین مریدین کو ایسے مواقع میں شیخ کا مخالف سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے اتباع میں حضرت مولانا نصیر الدینؒ کو اور حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحبؒ کے اتباع میں حضرت مولانا رشید صاحبؒ کو عوام الناس کہا کرتے تھے: مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحسین فعل سے صاف واضح ہو گیا کہ ایسے اطلاقات حقیقت میں مقید ہوا کرتے ہیں انطباق علی القواعد الشرعیۃ کے ساتھ، جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں یہ تقیید ضروری ہے اور یہ تقیید بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حکم ہے

[1] مسلم: التوبة، برائة حرم النبی صلی الله علیه وسلم من الريبة عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه رقم: ۵۹ (۲۷۷۱) وفی روایة قال: الشاهد یری مالا یری الغائب وهی فی مسند أحمد. (۸۳/۱) عن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنه.

سو در حقیقت یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے تو دوسرے شیوخ جو کہ معصوم عن الخطا بھی نہیں ان کے احکام تو کیوں کر مقید بقید مذکور نہ ہوں گے اور چوں کہ کاملین قاطبۃً اطاعت شرع کا ارشاد فرماتے ہیں سو ایسے اوامر میں علی الاطلاق اطاعت نہ کرنا گو صورۃً ان کی مخالفت ہے مگر معناً ان کی موافقت ومطاوعت ہے۔

غرض اہل صورت ظاہراً امر شیخ کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ ضلالت ہے ہاں کوئی مغلوب الحال اور معذور ہو وہ مستثنیٰ ہے اور اہل معنی باطن امر شیخ کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ ہدایت ہے، اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں، ان کو حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ سے اشتباہ ہو گیا ہے لیکن وہاں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی اطاعت نہیں کرائی تھی محض سکوت کے لئے فرمایا تھا سو اطاعت کا قیاس سکوت پر محض تحکم ہے پھر سکوت بھی ایسے شخص کے افعال پر تھا جس کا حق پر ہونا بارشاد حق معلوم ہو چکا تھا دوسرا اس علت میں بھی شریک نہیں ہو سکتا، البتہ مبادرت انکار میں مناسب نہیں جیسا حدیث اسی ۸۰ کے ذیل میں بیان کیا گیا لیکن جب دوسری جانب قرائن سے مظنون ہو جائے اس وقت قطع تعلق اس سے واجب ہے۔

۸۲- تین مرفوع القلم لوگ

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "رفع القلم عن ثلثة: عن النائم حتی یستیقظ، وعن الصبی حتی یحتلم، وعن المجنون حتی یعقل". (أخرجہ أبو داؤد والترمذی وزاد أبو داؤد فی الأخری: عن الخرف[1])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "تین شخص مرفوع القلم ہیں، سوتا ہوا جب تک بیدار نہ ہو اور نابالغ جب تک بالغ نہ ہو اور مجنون جب تک ہوش درست نہ ہو" ابوداؤد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے: "اور ایک وہ شخص جس کی عقل میں بڑھاپے سے فتور آ گیا ہو۔"

---

[1] أبو داؤد: الحدود، المجنون یسرق أو یصیب حدا، رقم: ۴۴۰۳، قال المنذری: ھذا منقطع، أبو الضحی لم یدرک علی بن أبی طالب، قال أبو داؤد: رواہ ابن جریج عن القاسم بن یزید عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم زاد فیہ "والخرف"، وھذا الذی ذکرہ معلقاً أخرجہ ابن ماجۃ مسندا، وھو أیضا منقطع، لأن القاسم بن یزید لم یدرک علی بن أبی طالب[2] ۵۱، ترمذی: الحدود، من لایجب علیہ الحد، رقم: ۱۴۲۳ وقال : حسن غریب من ھذا الوجہ.

ف: اس کا بیان مثل حدیث اسی ۸۰ کے ہے البتہ اس میں یہ جزو ذرا زیادہ صریح ہے کہ شریعت میں زوال عقل، جنون ہی پر منحصر نہیں بلکہ پیر فرتوت کو بھی گو بعض ہی احکام میں صحیح حکم مجنون میں ٹھہرایا ہے، پس عدم انحصار کے بعد کسی وارد قوی کا غلبہ بھی اسی حکم میں ہوگا۔

۸۳- مسئلہ، اعتبار حکم قلب مسلم

(مسلم کامل کے قلب کا حکم معتبر اور جائز العمل ہے)

عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البر والاثم، فقال: "البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک، وکرھت ان یطلع علیہ الناس"۔ (أخرجہ مسلم والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "(بڑی) نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناگوار سمجھو۔"

ف: مراد گناہ سے حدیث میں وہ امور ہیں جن کے گناہ ہونے کی کوئی نص نہیں مگر کسی کلیہ میں اس میں گناہ ہونے کا شبہ ہو جائے تو ایسے امور کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پہچان بتلائی اور یہ پہچان اسی قلب کے اعتبار سے ہے جو سلیم ہو چنانچہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مخاطب ہونا اس کا قرینہ ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض امور غیر منصوصہ عملی میں مسلم کامل کے قلب کا حکم معتبر اور جائز العمل ہے، پس اس سے اصل اس معمول کی نکل آئی جو اکثر بزرگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی طالب آتا ہے اگر ان کا قلب قبول کرتا ہے تو اس کو سلسلہ میں داخل کرتے ہیں ورنہ جواب دے دیتے ہیں، حالاں کہ ظاہری طور پر کوئی وجہ خاص ردو قبول کی اس شخص میں محسوس نہیں ہوتی مگر اکثر بعد تفتیش کے ان کی شہادت قلب کی صحت ثابت ہوتی ہے، اور چوں کہ شرعاً کسی کو داخل سلسلہ کرنا یا اپنی صحبت میں رکھنا واجب نہیں بلکہ

---

[1] مسلم: التوبۃ، تفسیر البر والاثم، رقم: ۱۴ (۲۵۵۳) ترمذی: الزھد، ماجاء فی البر والاثم، رقم: ۲۳۸۹ وقال: صحیح حسن۔

دونوں شقیں مباح وجائز ہیں اس لئے اعتراض لازم نہیں آتا کہ وجدان ظنی سے کسی خاص شخص کے ساتھ کوئی خاص معاملہ کرنا کب جائز ہے جیسا کسی کو چور سمجھ لینا قرائن ظنیہ سے جائز نہیں البتہ دلیل ظنی سے کہ منحصر ہے قیاس شرعی میں مجتہد کو حکم کلی کر دینا بلا کلام جائز ہے۔

۸۴- عادت، دخل ندادن در معاملات

(دنیوی معاملات میں دخل نہ دینا)

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یا ابا ذر! انی اراک ضعیفاً وانی احب لک ما احب لنفسی لاتامرن علیٰ اثنین ولا تلین مال یتیم". (أخرجہ أبو داؤد[۱])

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر میں تجھ کو ضعیف پاتا ہوں (کہ تعلقات کا تحمل نہیں کر سکتے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہوں (پس جو کچھ میں کہوں گا خیر خواہی سے کہوں گا سو میں تم کو دو باتیں کہتا ہوں) کبھی دو شخصوں پر ان کے کسی معاملہ کے فیصل کرتے کے لئے حکم مت چلانا (یعنی کسی کے معاملہ کا فیصلہ مت کرنا) اور مال یتیم کے متولی (ونگراں) مت بننا۔

ف: اکثر صوفیہ کی عادت ہوتی ہے کہ دنیوی معاملات میں دخل نہیں دیتے جس پر ظاہر بین طعن کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی ذات سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا، اس حدیث سے اس عادت کا بوجہ صریح استحسان ثابت ہوتا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ نفع پہنچانا بیشک خیر ہے مگر اکثر اوقات بعض کے لئے یہ نفع پہنچانا سبب ہو جاتا ہے کسی شر میں واقع ہو جانے کا اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے، البتہ جس شخص کی حالت بالکل قابل طمانینت ہو کہ کسی شر کا احتمال نہ ہو اس کا یہ حکم نہیں، چنانچہ حضرات شیخین کے لئے نصوص میں خلافت تجویز فرمائی گئی، "انی أراک ضعیفاً" اس طرف مشیر ہے اور چوں کہ قبل کمال

---

[۱] قلنا: وأخرجہ مسلم، الامارۃ، کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، رقم: ۱۷ (۱۸۲۶) أبوداؤد: الوصایا، الدخول فی الوصایا، رقم: ۲۸۶۸، قلنا: وأخرجہ النسائی، الوصایا، النھی عن الولایۃ علی مال الیتیم، رقم: ۳۶۹۷.

اپنی معرفت پر وثوق کرنا خطا ہے اس لئے شیخ مربی کی رائے پر مدارِ کار رکھنا چاہئے۔

۸۵- عادت، استخلاف وسجادہ نشینی (خلیفہ اور جانشین بنانا)

عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتت امرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فکلمتہ فی شیء فامرھا ان ترجع، قالت: فان لم اجدک کانھا تعنی الموت قال "فان لم تجدینی فاتی ابابکر". (أخرجہ الشیخان والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: "پھر آنا"، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں، مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔"

ف: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقاء فیض واجرائے سلسلہ کے لئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ وجانشین کر دیتے ہیں واحد کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں کبھی بقید اپنی وفات کے، مگر مقصود ان سب صورتوں کا مشترک ومتحد ہے، اس حدیث سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو، اور اب جو خلافت وسجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اس کی اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریقہ کا افساد اور طالبین کی رہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا ودین ہے۔

۸۶- عادت، تعظیم منتسبین بمشائخ

(بزرگوں سے انتساب کی بناء پر تعظیم کرنا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فی حدیث طویل قالت: وکان لعلی رضی اللہ عنھم من الناس وجہ حیوۃ فاطمۃ فلما ماتت انصرفت وجوہ الناس عنہ.

---

[1] بخاری: فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو کنت متخذا خلیلا، رقم: ۳۶۵۹، مسلم: فضائل الصحابۃ، فضائل أبی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۱۰ (۲۳۸۶) ترمذی: المناقب، باب (قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لامرأۃ فان لم تجدینی فاتی أبابکر رقم: ۳۶۷۶ وقال: صحیح غریب من ھذا الوجہ

(أخرجه الشیخان واللفظ لمسلم[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ (بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجاہت لوگوں کی نظر میں زیادہ رہی، جب ان کا انتقال ہوگیا تو لوگوں کا رخ ذرا بدل گیا۔

ف: اہل طریق کی عادت طبعیہ ہے کہ بزرگوں کے منتسبین کو محض اس انتساب کی وجہ سے معظم سمجھتے ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی طبعاً پایا جاتا تھا۔

۸۷- مسئلہ، الہام

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها من خطبة عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال فیها: انا عمر ولم احرص علی امرکم، ولکن المتوفی اوصٰی الی بذٰلک، والله الهمه ذٰلک، ولیس اجعل امانتی الیٰ احد لیس لها باهل ولکن اجعلها الی من تکون رغبته الی التوقیر للمسلمین، اولٰئک احق بهم ممن سواه. (أخرجه مالک[2])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ کا یہ مضمون منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں عمر ہوں اور تم پر حاکم بننے کی مجھ کو خواہش نہ تھی لیکن متوفی (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھ کو اس کی وصیت کی تھی، اور اللہ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا اور میں اس عہدہ کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔

ف: بعض اولیاء کا صاحب الہام ہونا منقول ہے اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: اصلاح، عدم استخلاف نا اہل

(نا اہل کو خلیفہ بنانا درست نہیں)

بعض متصوفین محض رسم کے طور پر حفظ سلسلہ کے لئے کسی کو خلیفہ بنادیتے ہیں اگر

---

[1] بخاری: المغازی، غزوة خیبر، رقم: ۴۲۴۰، ۴۲۴۱) مسلم: الجهاد، قول النبی صلی الله علیه وسلم لانورث ماترکنا صدقة، رقم: ۵۲ (۱۷۵۹)

[2] ماوجدناه فی "الموطا" للامام مالک. وذکره ابن حبان فی "کتاب الثقات" فی ذ استخلاف عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه

حدیث سے اس کا بطلان ہوتا ہے، اہل رسم کو اس کی اصلاح کرنا چاہئے۔

۸۸- عادت، مبہم گزاردن خلافت (خلافت کو مبہم رکھنا)

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث طویل عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: ان الله تعالیٰ یحفظ دینه، وانی ان لا استخلف فان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یستخلف، وان استخلفت فان ابابکر رضی الله تعالیٰ عنه قد استخلف. الحدیث (اخرجه الخمسة الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت خود فرمائیں گے اور میں اگر کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو (یہ بھی جائز ہے کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو (صراحۃً) خلیفہ نہیں بنایا، اور اگر خلیفہ بنادوں تو (یہ بھی جائز ہے) کیوں کہ ابوبکرؓ نے (مجھ کو) خلیفہ بنایا تھا۔

ف: بعض مشائخ کی عادت ہے کہ کسی کو بالتعیین خلیفہ نہیں بناتے کہ جو اہل ہوگا آپ ہی حق تعالیٰ اس سے کام لے گا، اس حدیث سے اس عادت کی اصل نکل آئی اور جاننا چاہئے کہ اہل طریقت کا قول ہے کہ خلیفہ ہونے کے لئے خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، البتہ بیعت کی ضرورت ہے اور بعد بیعت کے صلاحیت واہلیت کی واہلیت صلاحیت حقیقی علامت شہادت قلب سلیم ہے اور ظاہری علامت اس زمانہ کے مشائخ مسلمین کا اس کو جائز رکھنا اور اس پر انکار نہ کرنا ہے۔

۸۹- رسم، تبرک بموضع متبرک دردفن

عن عمرو بن میمون الاودی فی حدیث طویل قال عمر رضی الله تعالیٰ عنه لعبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنه: انطلق الی ام المؤمنین عائشةؓ وقل: یستاذن عمر بن الخطاب ان یدفن مع صاحبیه الی قوله فقالت: کنت اریده لنفسی ولا وثرنه الیوم الخ. (رواه البخاری[2])

ترجمہ: عمر بن میمون الاودی سے (قصہ شہادت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں) منقول ہے کہ (حالت

---

[1] بخاری: الأحکام، الاستخلاف، رقم: ۷۲۱۸) مسلم: الامارة، الاستخلاف وترکه، رقم: ۱۸۲۳) أبوداؤد: الخراج، والفیء والامارة، الخلیفة یستخلف، رقم: ۲۹۳۹) ترمذی: الفتن، جاء فی الخلافة، رقم: ۲۵۲۶ وقال: صحیح [2] بخاری: فضائل أصحاب النبی صلی الله ه وسلم ، قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه . رقم: ۳۷۰۰.

مرض الموت میں) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ، اور یوں کہو کہ عمر بن الخطاب اس امر کی اجازت چاہتے ہیں کہ بعد وفات آپ کے حجرہ میں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن کئے جائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جواب میں) فرمایا کہ یہ موقع میں نے تجویز تو اپنے لئے کر رکھا تھا مگر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نفس پر ترجیح دیتی ہوں۔ (اور دفن کی اجازت دیتی ہوں)

ف: بزرگوں سے بکثرت منقول ہے کہ موضع متبرک میں یا کسی صالح کے جوار میں دفن ہونے کا اہتمام و وصیت کرتے ہیں، اس روایت میں اس کی اصل صریحاً موجود ہے۔

ف: عادت، ایثار در فضائل

اکثر اہل ادب کی یہ بھی عادت مشاہدہ کی جاتی ہے کہ فضائل کے مواقع پر تادباً اپنے بڑوں کو مقدم رکھتے ہیں، مثلاً کوئی بزرگ دوسری صف میں آ کر کھڑے ہو گئے اور پہلی صف میں کوئی ان کا معتقد و مخلص کھڑا ہے تو وہ پیچھے ہٹ کر ان کو مقدم کر دیتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایثار سے اس کا استحسان معلوم ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ قربات میں ایثار نہ چاہئے کیوں کہ یہ مستلزم ہے بے رغبتی کو قربات سے، برکات میں مضائقہ نہیں، اور فعل حضرت عائشہؓ سے برکات میں ثابت ہے نہ کہ قربات میں، علماء محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اپنے سے بزرگ کا احترام کرنا یہ اس قربت سے بھی بڑھ کر قربت ہے، پس اعلیٰ درجہ کی قربت کو ادنیٰ درجہ کی قربت پر ترجیح دینا یہ بے رغبتی قربت سے نہیں، البتہ جہاں یہ دوسری قربت سے افضل نہ ہو وہاں نہ چاہئے۔

۹۰- اصلاح، کراہت غلاف قبور

(قبروں پر غلاف و چادر چڑھانا برا ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتستروا الجدر". (رواہ ابوداؤد)[1]

---

[1] ابوداؤد: الوتر، باب الدعاء، رقم: ۱۴۸۵، وقال أبوداؤد: روی ھذا الحدیث من غیر رجه عن محمد بن کعب کلھا واھیة، وھذا الطریق أمثلھا وھو ضعیف أیضا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ”دیواروں کو کپڑوں سے مت چھپاؤ۔“

ف: اس حدیث سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قبور پر غلاف چڑھانا برا ہے کیوں کہ وہاں دیوار گیری کے برابر بھی ضرورت نہیں محض تزین وتجمل وترفع ہی مقصود ہے جس کی قبور کے لئے اجازت ثابت نہیں۔

۹۱- اصلاح، عدم اعتقاد تقرب در جہر بذکر

(بآواز بلند ذکر کرنا قربت مقصودہ نہیں ہے)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنا فی سفر فجعل الناس یجھرون بالتکبیر، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اربعوا علیٰ انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائب انکم تدعون سمیعا بصیراً وھو معکم والذی تدعونہ اقرب الیٰ احدکم من عنق راحلتہ". (أخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے لوگ اللہ اکبر اللہ اکبر پکارنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم ایک سمیع بصیر کو پکارتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے ناقہ کی گردن سے بھی نزدیک تر ہے۔“

ف: نفس جہر تو نصوص کثیرہ سے ثابت ہے اس میں کسی کو کلام نہیں البتہ کلام جہر مفرط میں ہے، سو بعضے غالی اس کو قربت مقصودہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ نفع ذکر کا اسی پر موقوف ہے اور اسی وجہ سے ان کو کسی کی راحت وایذا کی بھی پرواہ نہیں ہوتی، اور بعضے متشدد اس بناء پر کہ کسی روایت میں منقول نہیں بلکہ اس حدیث میں نہی منقول ہے، چنانچہ أربعوا دال ہے کہ اس جہر میں افراط تھا اس کو مذموم وبدعت سمجھتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ نہ قربت

---

[1] بخاری: الجھاد، مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر، رقم: ۲۹۹۲) مسلم: الذکر والدعاء، استحباب خفض الصوت بالذکر الا فی المواضع التی ورد الشرع برفع فیھا کالتلبیۃ وغیرھا، رقم: ۴۴، ۴۶ (۲۷۰۴) أبوداود: الوتر باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۲۶) ترمذی: الدعوات، فضل التسبیح والتکبیر والتھلیل، رقم: ۳۴۶۱ وقال: حسن صحیح)

ہے نہ بدعت جبکہ اس کے قربت ہونے کا اعتقاد نہ کرے، بلکہ اس کو معالج سمجھے کیوں کہ اس میں تجربہ سے خاصیت دیکھی گئی ہے کہ قلب میں رقت اور خواطر میں جمعیت حاصل ہوتی ہے، پس اس بناء پر یہ مباح ہے اور مباح کی اباحت ہمیشہ مشروط ہوتی ہے رفع عوارض کے ساتھ، پس اس میں بھی قید ہوگی کہ کسی کو ایذا وتشویش نہ ہو ورنہ آبادی سے دور جانا چاہئے، اور اس حدیث میں جو نہی آئی ہے، محمول ہوگی اعتقاد قربت پر جیسا کہ تعلیل **لاتدعون أصم** الخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ جہر مفرط قربت اس وقت ہوسکتا تھا کہ منادیف سمیع وبصیر نہ ہوتا تو اس کے اسماع کے لئے جہر مفرط ضروری تھا اور جب کہ وہ واقع میں بھی اور تمہارے اعتقاد میں بھی سمیع وبصیر ہے پھر جہر مفرط موقوف علیہ اسماع کا نہ ہوا تو قربت بھی نہ ہوگا، باقی اس سے نفی اس فائدہ معالجہ کی لازم نہیں آتی، کیوں کہ وہ مسکوت عنہ ہے، رہا یہ کہ جب وہ بھی ایک امر قابل تحصیل ہے تو مرغوب فیہ لغیرہ ہوا پھر اس کی ترغیب کیوں نہیں دی گئی، اصل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ فائدہ بدون اس معالجہ کے حاصل تھا، اس لئے اس وقت مرغوب فیہ نہ تھا بعد میں اس کی احتیاج ہوئی۔

ف: مسئلہ، قرب ومعیت

حق تعالیٰ کا قرب ومعیت اصل میں بے کیف ہے نہ اس کو قرب ذاتی کہہ سکتے ہیں نہ قرب مکانی، بعض متکلمین اس کو قرب صفاتی کہتے ہیں بمعنی قرب علمی لیکن سلف کا مسلک یہی ہے کہ صفات الٰہیہ میں تعیین نہیں کرتے بلکہ **ابھموا ما أبھم اللہ** پر عمل کرتے ہیں اور بعضے اکابر کے کلام میں جو اس قرب کی تعبیر بعنوان موہمہ للتقیید آئی ہے مقصود تقیید نہیں ہے بلکہ مقصود تشبیہ بغرض تفہیم ہے، یہ حدیث اس تعبیر کے جواز کی دلیل ہے۔ حیث قال: **من عنق راحلته**۔

۹۲-توجیہ، تمثیل صفات بآب ودریا

(صفاتِ باری تعالیٰ کو پانی اور دریا سے تشبیہ دینا)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی دعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ ؛ —
"اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد". (اخرجہ — ستۃ الا

الترمذی وھذا لفظ الشیخین[۱])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعاء نبوی میں منقول ہے کہ اے اللہ مجھ کو میرے گناہوں سے پاک کردے پانی اور برف اور اولہ سے۔

ف: بعض عرفاء کے کلام منظوم میں ذات وصفات الٰہیہ کو آب اور دریا سے تمثیل دینا وارد ہے، جیسے مغربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ول میں ''زدریا موج گوناگوں برآمد'' وغیر ذالک۔ جس سے مقصود تمثیل من کل الوجوہ نہیں، تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً بلکہ مقصود تشبیہ بعض صفات مشترکہ میں بغرض توضیح وتفہیم ہے مثلاً جس طرح آب ودریا باوجود بساطت ووحدت کے منشاء ہوتا ہے امور متکثرہ کا اسی طرح ذات وصفات باوجود بساطت وتوحد کے منشاء ہے۔ ممکنات متکثرہ کا گو وجہ منشائیت دونوں جگہ جدا جدا ہے، اس حدیث سے اس تمثیل کا جواز ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ ماء وثلج وبرد سے مقصود صفت رحمت ہے لجامع التطہیر اور چوں کہ ذات اور صفات میں تغائر نہیں جب صفات کی تمثیل کا جواز ثابت ہوگیا تو ذات کی تمثیل کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔

۹۳- متفرقات، ادب شیخ، بذکر تلقین منامی پیش او

(خواب میں تلقین کردہ چیز پر عمل سے پہلے شیخ پر پیش کرنا)

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتسبیح وغیرہ دبر الصلوٰت قال: فلما امروا بذلک، رأی رجل من الانصار فی منامہ ان رجلا یقول: اجعلوھا خمسا وعشرین واجعلوا فیھا التھلیل، فلما اصبح ذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "اجعلوھا کذلک". (اخرجہ النسائی[۲])

---

[۱] بخاری: الدعوات، الاستعاذہ من أرذل العمر الخ عن عائشۃ رقم: ۶۳۷۵) مسلم: المساجد، مایقال بین تکبیرۃ الاحرام والقرائۃ رقم: ۱۴۷ (۵۹۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ) أبوداؤد: الصلاۃ، السکتۃ عند الافتتاح، رقم: ۷۸۱ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ترمذی: الدعوات، باب..... رقم: ۳۴۹۴ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، وقال: حسن صحیح غریب، نسائی: الطھارۃ، الوضوء بالثلج، رقم: ۶۰) قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الصلاۃ، افتتاح الصلاۃ، رقم: ۸۰۵

[۲] نسائی: السھو، نوع اخر من عدد التسبیح بعد التسلیم، رقم: ۱۳۵۱

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اس حدیث میں جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازوں کے بعد سبحان اللہ وغیرہ پڑھنے کی نسبت حکم فرمانا مذکور ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب لوگوں کو اس کا حکم دیا گیا تو ایک انصاری نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ تم ان کلمات کو پچیس پچیس بار کرلو اور ان میں لا الٰہ الا اللہ کو بھی داخل کرلو، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یوں ہی کرلو۔''

ف: اہل طریق نے آداب شیخ میں لکھا ہے کہ اگر مرید کو کوئی چیز خواب میں تلقین کی جاوے تو بدون اس کے کہ شیخ سے ذکر کرے اس پر عمل نہ کرے، اس حدیث میں اس کی تصریح ہے اور ایسے واقعات سے مرید یہ نہ سمجھے کہ مجھ کو شیخ سے زیادہ انکشاف ہو گیا گو ایسا ہونا ممکن ہے اور اس سے کچھ افضلیت و اکملیت بھی لازم نہیں آتی مگر مرید کے لئے یہ زعم مضر ہوتا ہے، اس لئے یہ ایسا نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ بھی شیخ ہی کا فیض ہے کہ اس کی برکت سے ایسا ہوا، غرض اس فیض کا واسطہ بھی شیخ ہی کو سمجھے اور یہ بھی یقین کرے کہ اس منام یا کشف کی حقیقت کو شیخ مجھ سے زیادہ جان سکتا ہے اسی لئے اس سے ذکر کرکے اس کے امر سے تجاوز نہ کرے۔

۹۴-رسم، جھاڑ پھونک

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم[1] اذا اخذ مضجعه، نفث في يديه وقرأ. الحديث (أخرجه الستة الا النسائي)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جاتے تو اپنے ہاتھوں میں کچھ دم کرتے اور پڑھتے۔

ف: گو اہل طریق کے نزدیک یہ مقصود نہیں مگر بنظر نفع رسانی خلق جو شخص اس کی

---

[1] بخاری: الدعوات، التعوذ والقراءة عند المنام، رقم: ۶۳۱۹) مسلم: السلام، رقية المريض بالمعوذات والنفث، رقم: ۵۱ (۲۱۹۲) أبوداؤد: الأدب، مايقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۶ ابوداؤد: الطب، كيف الرقى، رقم: ۳۹۰۲) ترمذی: الدعوات، من يقرأ من القران عند المنام، رقم: ۳۴۰۲ وقال: حسن غريب صحيح، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الدعاء، مايدعو به اذا اوى الى فراشه، رقم: ۳۸۷۵) موطا: جامع ماجاء في الطعام والشراب، التعوذ والرقية في المرض، ص: ۳۷۵، مطبع مجتبائی.

درخواست کرتا ہے اس کی دل شکنی نہیں کرتے، اس حدیث سے اس کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے نفس کے لئے بھی کچھ حرج نہیں، اور راز اس میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کا افتقار وانکسار واظہار عبدیت واحتیاج ہے یا آپ نے بیان جواز کے لئے کیا ہو۔

۹۵-قول: امکان طی ارض (زمین کا سکڑ جانا ممکن ہے)

عن مالک فی دعائه صلی الله علیه وسلم "اللهم ازولنا الارض" الحدیث[۱]۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منقول ہے: "اے اللہ ہمارے لئے زمین کو لپیٹ دے۔"

ف: بہت سی حکایات میں اولیاء اللہ کی یہ کرامت منقول ہے کہ زمانہ قصیر میں مسافت طویل قطع کر لی، بعض متقشفین اس کو مستبعد سمجھ کر انکار کر بیٹھتے ہیں مگر صوفیہ اور علماء محققین اس کو ممکن اور واقع کہتے ہیں اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ طی ارض کے مراتب مختلف ہیں اور اس میں کسی مرتبہ کے ساتھ محدود ومقید نہیں کیا گیا نہ اور کوئی دلیل تقیید وتحدید کی ہے پس مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا اور علی الاطلاق طی ارض ممکن رہے گا۔

۹۶-عادت، دعاء بعد اکل للداعی

(کھانے کے بعد میزبان کو دعا دینا)

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: صنع ابو الهیثم طعاماً، فدعا رسول الله صلی الله علیه وسلم واصحابه، فلما فرغوا قال: "اثیبوا اخاکم" قالوا: وما اثابته؟ قال: "ان الرجل اذا دخل بیته واکل طعامه وشرابه، فدعا له فتلک اثابته" (رواه ابوداؤد[۲])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ کھانا تیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی دعوت

---

[۱] موطا: الاستذان، مایؤمر به من الکلام فی السفر، ص: ۳۸۴ مجتبائی، قلنا: واخرجه الترمذی، الدعوات، مایقول اذا خرج مسافرا، رقم: ۳۴۳۸ وقال: کنت لاأعرف هذا الامن حدیث ابن ابی عدی [۲] أبوداؤد: الأطعمة، الدعاء لرب الطعام اذا اکل عنده، رقم: ۳۸۵۳ وقال المنذری: فیه رجل مجهول، وفیه یزید بن عبدالرحمان، ابو خالد المعروف بالدالانی، وثقه غیر واحد، وتکلم فیه بعضهم.

کی، جب (کھانے سے) فارغ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنے بھائی کو (اس کا) عوض دو'' صحابہؓ نے عرض کیا اس کا عوض کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب کوئی شخص کسی کے گھر میں جاوے اور اس کا کھانا اور پانی کھاوے پیوے پھر اس کے لئے دعا کرے تو یہ اس کا عوض ہو جائے گا۔''

ف: اکثر درویشوں کی عادت ہے کہ کھانا کھا کر کھانا کھلانے والے کو دعائیں دیا کرتے ہیں، اس حدیث سے اس عادت کا اثبات ہوتا ہے اور اس مضمون میں ایک دوسری حدیث بھی ہے۔

حدیث دیگر

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: اکل النبی صلی اللہ علیه وسلم عند سعد بن عبادة خبزاً وزیتا ثم قال: "افطر عندکم الصائمون، واکل طعامکم الابرار، وصلت علیکم الملائکة" (اخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روٹی اور روغن زیتون نوش فرمایا پھر (بطور دعا کے) فرمایا کہ: ''(خدا کرے) تمہارے پاس روزہ دار افطار کیا کریں اور تمہارے کھانے کو نیک لوگ کھایا کریں اور تم پر فرشتے رحمت بھیجا کریں۔''

ف: یہاں بھی حدیث بالا کی تقریر ہے۔

۹۷۔ تعلیم، عدم التفات الی النور (انوار کی طرف توجہ نہ کرنا)

عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رأیٰ الهلال صرف وجهه عنه (رواه ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہلال دیکھتے تو اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے۔

ف: ائمہ فن کی تعلیم ہے کہ اگر مراقبات میں کچھ انوار منکشف ہوں تو ان کی طرف توجہ نہ

---

[1] أبو داؤد: الأطعمة، الدعاء لرب الطعام اذا اکل عنده، رقم: ۳۸۵۳ وسکت عنه المنذری.
[2] أبو داؤد: الأدب، مایقول الرجل اذا رأی الهلال رقم: ۵۰۹۳، قال أبو داؤد: لیس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی هذا الباب حدیث مسند، وقال المنذری: هذا مرسل، وأبو هلال هذا لایحتج به.

کرنا چاہئے اوران ہی انوار کی نسبت کہا ہے کہ حجاب نورانی اشد ہے حجاب ظلمانی سے، اس حدیث سے اس تعلیم کی تائید ہوسکتی ہے: کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند سے اعراض فرمانا اس وجہ سے تھا کہ بعض عوام کواکب کی طرف ایسی نظر تعظیمی سے توجہ رکھتے تھے کہ صانع عالم کی طرف توجہ کرنے سے وہ مانع ہوجاتی تھی، سو یہی علت انوار مذکورہ میں محقق ہے کہ ان کی طرف التفات کرنا مانع وشاغل ہوجاتا ہے مقصود حقیقی کی طرف توجہ کرنے سے، خوب سمجھ لو۔

۹۸- عادت، جرأت در دَین برائے اضیاف ومساکین

(مہمانوں اور مسکینوں کی خدمت کے لئے بے تکلف قرض لے لینا)

عن عمران بن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانت میمونۃ تدان وتکثر فقال لها اهلها فی ذٰلک ولو ماها، فقالت: لا اترک الدین وقد سمعت خلیلی وصفیی صلی اللہ علیه وسلم یقول: "ما من احد یدان دینا فیعلم اللہ انه برید قضاء ہ الا اداہ اللہ تعالی عنه فی الدنیا" . (اخرجہ النسائی[1])

ترجمہ: حضرت عمران بن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قرض لیتیں اور کثرت سے لیتیں ان کے گھر والوں نے اس بارہ میں ان سے گفتگو کی اوران کو ملامت کی، انہوں نے فرمایا میں دَین لینا نہ چھوڑوں گی، میں نے اپنے محبوب اور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ارشاد فرماتے تھے کہ: "جوشخص کچھ قرض لے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کردے گا۔"

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ مہمانوں اور مسکینوں کی خدمت کے لئے بے تکلف قرض لے لیتے ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے: کیوں کہ ظاہر ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فضول تو قرض لیتی نہ ہوں گی۔

۹۹- رسم، ادخال عوام درسلسلہ برائے برکت

(برکت کے واسطے عام لوگوں کو سلسلۂ بیعت میں داخل کرنا)

عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث فضیلۃ الذکر قال رسول اللہ صلی

---

[1] نسائی: البیوع، التسهل فی الدین، رقم: ۴۶۹۰.

اللہ علیہ وسلم : "فیقول ملک: منھم فلان، عبد خطاء لیس منھم، انما مر لحاجة فجلس، فیقول: وله قد غفرت، ھم القوم لایشقیٰ جلیسھم". (اخرجه الشیخان)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث فضیلت ذکر میں روایت ہے کہ ارشاد فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں بندہ نہایت خطاوار ہے، وہ ان میں سے نہیں، محض ایک کام کے لئے آنکلا تھا سو (وہاں) بیٹھ گیا، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا، وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔"

ف: اکثر بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ سلسلہ میں ایسوں کو بھی داخل کر لیتے ہیں جن سے کچھ بھی ذکر وغیرہ کرنے کی یا اپنی حالت کو پورے طور سے درست کرنے کی توقع نہیں ہوتی، سو یہ امر ظاہر نظر میں عبث معلوم ہوتا ہے، لیکن غور کرنے سے اس میں یہ نفع معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص سلسلہ کی برکات ہی سے کسی درجہ میں تو بہرہ ور ہو جاتا ہے، پس یہ بیعت محض برکت سلسلہ کے لئے ہوتی ہے، اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مقبولانِ الٰہی کا جلیس بھی محروم نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہوگا غالباً اس سے مجالست و مخالطت و موانست کا تعلق تو ضرور پیدا ہو جائے گا، پس حدیث کے عموم میں وہ بھی داخل ہو جائے گا۔

۱۰۰- حال، وجد

عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "اول من یدعیٰ به یوم القیامة" الحدیث. وفیه قال "شفی": فاخبرت معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنه بھذا الحدیث عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال: قد فعل بھولاء ھٰذا فکیف بمن بقی من الناس؟ ثم بکیٰ معاویة رضی اللہ تعالیٰ عنه بکاء شدیداً حتی ظن انه ھالک، ثم افاق ومسح عن وجھه. (أخرجه مسلم والترمذی واللفظ له والنسائی)[2]

---

[1] بخاری: الدعوات، فضل ذکر اللہ عزوجل، رقم: ۶۴۰۸) مسلم: الذکر والدعاء، فضل مجالس الذکر، رقم: ۲۵ (۲۶۸۹) قلنا: وأخرجه الترمذی: الدعوات، ان للہ ملائکة سیاحین فی الأرض: رقم: ۳۶۰۰، وقال: حسن صحیح [2] مسلم: الامارة، من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، رقم: ۱۵۲ (۱۹۰۵) ترمذی: الزھد، الریاء والسمعة، رقم: ۲۳۸۲ وقال حسن غریب) نسائی: الجھاد، من قاتل لیقال فلان جرئ، رقم: ۳۱۳۹

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت میں سب سے پہلے بلایا جائے گا اس روایت میں یہ بھی ہے کہ "شفی" راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس حدیث کی خبر دی، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ جب ایسا معاملہ کیا گیا تو بقیہ لوگوں کا کیا حال ہوگا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر زار زار روئے، گمان ہوتا تھا کہ جان نکل جائے گی، پھر ہوش میں آئے اور اپنا چہرہ پونچھا۔

ف: وجد کہتے ہیں حالت غریبہ محمودہ کو، آگے اس کے مراتب ودرجات مختلف ہیں اور جو ریا سے نہ ہو سب محمود ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے۔

۱۰۱- حال، الہام

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه فى قصة مناظرة ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه وعمر رضى الله تعالىٰ عنه فى قتال مانعى الزكوٰة قال عمر: فوالله ماهو الا ان رأيت ان الله شرح صدر ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه للقتال فعرفت انه الحق. (رواه البخارى وغيره)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مناظرہ دربارۂ قتال مانعین زکوٰۃ کے مروی ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ واللہ صرف یہ بات تھی کہ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتال کے باب میں شرح صدر ہوگیا سو مجھ کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہی حق ہے۔

ف: اکثر اولیاء کی حکایات الہام کی منقول ہیں، اس حدیث میں اس کا اثبات ہے، اس کو شرح صدر سے تعبیر کیا گیا ہے، حقیقت اس کی یہ ہوتی ہے کہ بلا واسطہ نظر واکتساب کے کسی حقیقت کا قلب میں القاء ہوجائے تو قصہ مناظرہ مذکورہ میں دونوں حضرات کو یہی پیش آیا، کیوں کہ اس مناظرہ میں جس قدر کلام منقول ہے وہ انتاج معتاد کے لئے کافی نہیں، اولا

---

[۱] بخارى: فضائل القرآن، جمع القرآن، رقم: ۴۹۸۶.

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہوا اور ان کے کلام کے فیض سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہو گیا اور چوں کہ نصوص شرعیہ اس الہام کے موافق تھیں لہٰذا اس پر عمل بھی جائز ہوا۔

۱۰۲- اخلاق وعلامات اولیاء زہد وتوکل

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لیست الزھادۃ فی الدنیا بتحریم الحلال ولا اضاعۃ المال ولکن الزھادۃ ان تکون بما فی ید اللہ تعالیٰ اوثق منک بما فی یدک، وان تکون فی ثواب المصیبۃ اذا اصبت بھا ارغب منک فیھا لو انھا بقیت لک" (أخرجہ الترمذی) وزاد رزین: لأن اللہ تعالیٰ یقول: ﴿لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتکم﴾

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "زہد فی الدنیا یہ نہیں کہ حلال چیزوں کو حرام کرلیا جائے، اور نہ یہ ہے کہ مال کو اڑا دیا جائے لیکن زہد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز ہے اس پر تمہارا اعتماد اور وثوق بہ نسبت اس چیز کے زیادہ ہو جو کہ تمہارے قبضہ میں ہے، اور نیز زہد یہ ہے کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو تم کو اس کے ثواب کی زیادہ رغبت ہو، بہ نسبت اس کے کہ وہ مصیبت باقی رہے۔" روایت کیا اس کو ترمذی نے، اور رزین نے اتنا زیادہ کیا یعنی دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تا کہ تم فوت شدہ چیز پر مغموم نہ ہو اور جو تم کو عطاء فرمایا ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

ف: اس حدیث میں زہد وتوکل کی حقیقت کی شرح ہے جو کہ اخلاق اولیاء اللہ سے ہے اور اخلاق میں سے ہونے کے سبب علامات میں سے بھی ہے اور اس شرح حقیقت میں بڑی غلطی رفع کردی گئی ہے، اکثر عوام اپنے اعتقاد میں زاہد اسی کو سمجھتے ہیں جو تمام لذات مباحہ سے اس طرح مجتنب ہو جیسے ان کو حرام سمجھتا ہو اور اس کے پاس جو کچھ آتا ہو سب کو فوراً خرچ کر ڈالے گو غیر مصرف ہی میں سہی، اور جو بلا ومصیبت کے زوال کی تدبیر نہ کرتا ہو، بس ان

---

[1] ترمذی: الزھد، الزھادۃ، فی الدنیا، رقم: ۲۳۴۰، وقال: حدیث غریب لانعرفہ الا من ھذا الوجہ، وعمرو بن واقد منکر الحدیث، قلنا: واخرجہ ابن ماجۃ، الزھد، الزھد فی الدنیا، رقم: ۴۱۰۰

کے نزدیک بزرگی کی شرط یہی ہے، اس میں یہ بتلا دیا گیا کہ یہ امور شرط نہیں بلکہ حق تعالیٰ پر زیادہ اعتماد ہونا اپنے مقبوض سے زیادہ، اور مصیبت گو خود مرغوب فیہ نہ ہو، مگر ثواب مرغوب فیہ ہونا یہ ضروری ہے، پس مصیبت پر خوش اس لئے ہے کہ وہ سبب ہے ثواب کا اور آیت سے استدلال ظاہر ہے کہ "لاتاسوا علیٰ مافاتکم" دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون فی ثواب المصیبة" الخ کیوں کہ "مافاتکم" میں صحت و عافیت بھی آ گئی اور "لا تفرحوا" دلیل ہے اس جزو کی "ان تکون بما فی ید اللہ" الخ اور انطباق ظاہر ہے۔

۱۰۳- متفرقات، دفع اعتراض بر ترک لذات مباحہ

(لذات مباحہ کے چھوڑنے پر اعتراض کرنا درست نہیں)

عن عطیة السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لایبلغ العبد حقیقة التقویٰ حتی یدع ما لابأس به حذراً مما به باس". (أخرجه الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "بندہ حقیقتاً تقویٰ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ ایسی چیز کے اندیشہ سے جس میں کوئی خرابی ہو ایسی چیز کو نہ چھوڑ دے جس میں کوئی خرابی نہ ہو۔"

ف: اکثر اہل ظاہر بعض اہل سلوک پر لذات مباحہ کے ترک پر شبہ و اعتراض مخالف سنت کا کیا کرتے ہیں، اس حدیث میں اس ترک کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ قصد یہ ہو کہ ان کے تناول سے قوت بہیمیہ میں زیادتی ہو کر معصیت کا سبب نہ بن جائے، جیسا کہ مدلول صریح ہے "حتی یدع مالا بأس به" الخ کا، اس کو کمال تقویٰ فرمایا گیا ہے۔

۱۰۴- اصلاح، ترک تمائم غیر مشروعہ

(خلاف شرع تعویذ اور گنڈوں کا استعمال درست نہیں)

عن عبادہ بن تمیم ان ابابشیر الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنه اخبرہ انه کان مع

---

[1] ترمذی: صفة القیامة، علامة التقوی، ودع مالا بأس به حذرا، رقم: ۲۴۵۱، وقال: حسن غریب لانعرفه الامن هذا الوجه) قلنا: واخرجه ابن ماجة، الزهد، الورع والتقوی، رقم: ۴۲۱۵

رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فامر معاویة: "لاتبقین فی رقبة بعیر قلادة من وتراو قلادة الا قطعت". (أخرجه الثلثة وابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عبادہ بن تمیم سے روایت ہے کہ ابو بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خبر دی کہ وہ ایک سفر میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ: "کسی اونٹ کی گردن میں کوئی گلوبند تانت کا یا مطلق گلوبند فرمایا چھوڑا نہ جائے، مگر یہ کہ اس کو کاٹ دیا جائے۔"

ف: اکثر شراح حدیث نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ جانور کی حفاظت کے واسطے گنڈے بنوا کر ان کے گلے میں باندھ دیتے تھے چوں کہ وہ غیر مشروع ہوتے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹوا دیئے، پس اس میں نہی ہے ایسے تعویذ گنڈوں سے جو خلاف شرع ہیں، آج کل نام کے فقیروں میں اس کی کچھ پروا نہیں یہ امر واجب الاصلاح ہے۔

۱۰۵- رسم، تبرک بمستعملات المشائخ

(بزرگوں کی مستعمل چیزوں سے تبرک حاصل کرنا)

عن كبشة الانصارية رضی الله تعالیٰ عنها قالت: دخل علی النبی صلی الله علیه وسلم فشرب من فی قربة معلقة قائما فقمت الیٰ فمها فقطعته. (أخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی اس کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا، پس میں اٹھی اور اتنا چمڑہ کاٹ لیا (کہ برکت کے لئے اپنے پاس رکھوں گی) (روایت کیا اس کو ترمذی نے) اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ میں نے اس چمڑے کا ایک چھوٹا

---

[1] بخاری: الجهاد، ماقیل فی الجرس ونحوه فی أعناق الابل، رقم: ۳۰۰۵) مسلم: اللباس، کراهة قلادة الوتر فی رقبة البعیر، رقم: ۱۰۵ (۲۱۱۵) أبوداؤد: الجهاد، تقلید الخیل بالأوتار. رقم: ۲۵۵۲) موطا: صفة النبی صلی الله علیه وسلم، نزع التعالیق والجرس من العین. ص: ۳۷۳، مطبع مجتبائی. [2] ترمذی: الأشربة، الرخصة فی ذلک، رقم: ۱۸۹۲، وقال: حسن صحیح غریب، وزاد رزین: فاتخذته رکوة أشرب فیها، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الأشربة، الشرب قائماً، رقم: ۳۴۲۳.

سامشکیزہ بنالیا کہ اس میں برکت کے لئے پانی پیا کرتی تھی۔

ف: جس چیز کو بزرگوں کا منہ یا ہاتھ یا بدن لگا ہو معتقدین اس کو تبرک سمجھتے ہیں اس حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے۔

ف: اصلاح، جواز استعمال تبرکات مشائخ

(بزرگوں کے تبرکات کو استعمال کرنا جائز ہے)

اور جو یہ عادت ہے کہ ایسی چیزوں کا بکثرت استعمال نہیں کرتے اگر یہ اس غرض سے ہو کہ زیادہ روز تک یہ تبرک باقی رہے مضائقہ نہیں اور اگر اس خیال سے ہو کہ یہ سوءادب ہے تو یہ خیال بے اصل ہے "اشرب فیھا" میں کہ متبادر...... اس سے عادت شرب ہے، اس خیال کی اصلاح ہے۔

۱۰۶-متفرقات، دفع اعتراض بر توسع فی اللذات

(کھانے پینے میں توسع اور کسی قدر اہتمام پر اعتراض کرنا درست نہیں)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حائط رجل من الانصاری وھو یحول الماء فی حائطہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان کان عندک ماء بات ھذہ اللیلۃ فی شن والا کرعنا"؟ الحدیث. (رواہ البخاری وابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں تشریف لائے اور وہ اپنے باغ میں پانی پھیر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اگر تمہارے پاس ایسا پانی ہو جو اس شب کو مشک میں رہا ہو، (یعنی باسی پانی ہو تو لاؤ) ورنہ یہی پانی جو باغ میں جاری ہے، منہ لگا کر پی لیں گے۔"

ف: بعض اکابر سے مطاعم ومشارب میں توسع اور کسی قدر اہتمام اور تکلف منقول ہے، بعض خشک مزاج ان پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ نفس پروری اور بزرگی کے خلاف

---

[1] بخاری: الأشربة، شرب اللبن بالماء. رقم: ۵۶۱۳، أبوداؤد: الأشربة، باب فی الکرع. رقم: ۳۷۲۴، قلنا: واخرجه ابن ماجة، الأشربة، الشرب والأکف والکرع. رقم ۳۴۳۲

ہے، اس حدیث میں باسی پانی کی تلاش اور اہتمام مذکور ہے۔ جس سے اس کا غیر مذموم ہونا ثابت ہوا، بالخصوص منتہی کے لئے، اور راز اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات اس میں منعم حقیقی کی محبت بڑھتی ہے اور بعض اوقات مقصود اپنی احتیاج کا اظہار عملی ہوتا ہے، اور یہ سب مقاصد سلوک سے ہیں، غرض ترک لذات میں بعض خاص مصالح ہیں اور تناول لذات میں بعض خاص مصالح ہیں باختلاف احوال مختلف اوقات میں ایک دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے۔

۱۰۷- ثبوت عالم مثال

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله عليه وسلم: (اتيت ليلة اسری بی بقد حين من خمر ولبن، فاخذت اللبن فقال الملک: الحمد لله الذی هداک للفطرة لو اخذت الخمر لغوت امتک". (اخرجه النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شب معراج میں میرے پاس دو پیالے لائے گئے ایک میں شراب تھی اور ایک میں دودھ، میں نے دودھ لے لیا، (ہمراہی) فرشتہ نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کو دودھ لینے کی ہدایت کی اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"

ف: دودھ صورت مثالیہ دین کی تھی اور شراب صورت مثالیہ لذات دنیا کی اور ان پیالوں کا پیش ہونا ایک نوع کا امتحان تھا اس حدیث سے عالم مثال کا ثبوت ہوتا ہے۔ جس کی تصریح اکابر کے کلام میں ہے۔

۱۰۸- قول، تسمیہ بعض معاصی بکفر

(بعض گناہوں پر کفر کا اطلاق کرنا)

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه انه سمع رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول:

---

[1] قلنا: واخرجه البخاری، احاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: وهل اتاک حديث موسی رقم: ۳۳۹۴) قلنا: واخرجه مسلم، الأيمان، الاسراء برسول الله صلی الله عليه وسلم الی السماوات رقم: ۲۷۲ (۱۶۸) قلنا: واخرجه الترمذی، تفسير القران، سورة بنی اسرائيل، رقم: ۳۱۳۰ وقال: حسن صحيح، نسائی: الأشربة، منزلة الخمر، رقم: ۵۶۶۰ واللفظ له.

"بین الرجل وبین الشرک ترک الصلوۃ". (أخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حد درمیان آدمی کے اور شرک کے ترک صلوٰۃ ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جب ترک صلوٰۃ کیا تو حد شرک میں چلا گیا یعنی عملاً مشرک اور کافر ہوگیا، ای **عمل عمل الکفار والمشرکین۔**

ف: بعض بزرگوں کے کلام میں بعض معاصی کو کفر کہہ دینا وارد ہے ؎

کفراست درطریقت ماکینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

اور مثلاً:

ہر آن کو غافل از حق یک زمان ست درآن دم کافرست اما نہاں ست

اس حدیث سے اس قول کی تائید ہوتی ہے اور جو توجیہ حدیث میں ہے وہی انکے کلام میں۔

۱۰۹-متفرقات، جواب اعتراض بر جہد فی العمل

(کثرتِ مجاہدات پر اعتراضات کا جواب)

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام حتی اصبح بایۃ والآیۃ ﴿ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم﴾ (اخرجہ النسائی[2])

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام شب نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کردی، اور آیت یہ ہے، "**ان تعذبھم**" یعنی اے اللہ اگر آپ میری امت کو سزا دینے لگیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادی تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

ف: بعض بزرگوں پر ان کے کثرت مجاہدات کے بارے میں متقشفین نے اعتراض بدعت ہونے کا کیا ہے، اس حدیث سے اس کی سنیت ثابت ہوتی ہے اور بعض احادیث

---

[1] مسلم: الایمان، اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، رقم: ۱۳۴ (۸۲)، قلنا: وأخرجه أبوداؤد، السنة، رد الارجاء. رقم: ۴۶۷۸، قلنا: وأخرجه الترمذی، الایمان، ماجاء فی ترک الصلاۃ رقم: ۲۶۹۱. [2] نسائی: الافتتاح، تردید الأیة، رقم: ۱۰۱۱.

میں جو اس کی نہی آئی ہے تو خود انہی حدیثوں میں مصرح ہے کہ وہ اس شخص کے لئے ہے جس کو اس میں نشاط نہ ہو اور اس پر دوام نہ کر سکے۔

۱۱۰-انگشت شہادت سے اشارہ کرنا

عن علی بن عبدالرحمٰن قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یحکی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشار باصبعہ التی تلی الابہام فی القبلۃ ورمیٰ ببصرہٖ الیہا۔ (اخرجہ النسائی[1])

ترجمہ: علی بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی حکایت میں یہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت شہادت سے قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور اپنی نگاہ اس کی طرف ڈالی۔

۱۱۱-شغل، ربط النظر لاجتماع الخواطر

(یکسوئی حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کی طرف نظر جما کر دیکھنا)

عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایجاوز بصرہ اشارتہ۔ (اخرجہ ابوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ بالسبابہ سے آگے نہ بڑھتی تھی۔

ف: اشغال میں ایک شغل یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی طرف نگاہ جما کر دیکھا جائے، مقصود اس سے اور جمیع اشغال سے اجتماع خواطر و یکسوئی ہوتی ہے، ان دونوں حدیثوں سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

۱۱۲-ضرورتِ خشوع

عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ، تشہد فی کل رکعتین، وتخشع وتمسکن"

---

[1] نسائی: التطبیق، موضع البصر فی التشہد، رقم: ۱۱۶۱۔

[2] أبوداؤد: الصلاۃ، الاشارۃ فی التشہد. رقم: ۹۹۰، وسکت عنہ المنذری، وقال: أخرجہ النسائی.

وفيه: "ومن لم يفعل فهي خداج". (أخرجه الترمذي[1])

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: ''نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، یعنی ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہوتا ہے، اور نماز میں خشوع اور نیاز مندی ہوتی ہے، اور جو ایسا نہ کرے وہ نماز ناقص ہوتی ہے۔''

ف: نماز کے اندر اور اسی طرح دوسری عبادات میں حضورِ قلب کو اہل سلوک ضروری قرار دیتے ہیں اور اکثر مقیدان ظاہر اس کو ضروری نہیں سمجھتے، اس حدیث میں ضرورت کی نہایت تصریح ہے کہ بدون اس کے نماز ناقص فرماتے ہیں، اور نماز و دیگر عبادات میں فرق کا کوئی قائل نہیں۔

۱۱۳- عادت، قطع اسباب تفرق خاطر

(خیالات میں انتشار پیدا کرنے والے اسباب کو ختم کرنا)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی خمیصة لها اعلام، فنظر الی اعلامها نظرة فقال: "اذهبوا بخمیصتی هٰذه الی ابی جهم وائتونی بانبجانیته فانها الهتنی انفاً عن صلوتی".

وفی روایة مالک وابی داؤد "کنت[2] انظر الیها وانا فی الصلوٰة فاخاف ان تفتننی. (أخرجه الستة الا الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادرہ میں نماز پڑھی جس میں بیل بوٹے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جوان بوٹوں پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ چادرہ ابوجہم کے پاس لے جاؤ (کہ انہوں نے ہدیۃً بھیجا تھا) اور میرے واسطے ان کا سادہ چادرہ لے آؤ، اس نے ابھی میرا دل نماز سے ہٹا دیا تھا۔''

---

[1] ترمذی: الصلاة، التخشع فی الصلاة، رقم: ۳۸۵.

[2] (۱) بخاری: الصلاة، اذا صلی فی ثوب له أعلام ونذر الی علمها رقم: ۳۷۳، مسلم: المساجد، کراهة الصلاة فی ثوب له أعلام. رقم: ۱۰۹۱ (۵۵۶) أبوداؤد: الصلاة، النظر فی الصلاة رقم: ۹۱۴، نسائی: القبلة، الرخصة فی الصلاة فی خمیصة لها أعلام، رقم: ۷۷۲، موطا: العمل فی القرائة، النظر فی الصلاة الی مایشغلک عنها. ص: ۳۴، مطبع مجتبائی، وزاد فی روایة البخاری (لابی داؤد) وموطا: فانی نظرت الی علمها فی الصلاة فکاد یفتنی.

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: ''نماز میں میری نگاہ اس پر پڑتی تھی مجھ کو احتمال تھا کہ میرا دل ہٹادے۔'' (گو اس کی نوبت نہیں آئی)

ف: جن بزرگوں نے اسباب شغل قلب بغیر اللہ کی تقلیل کی ہے ان کے اس عمل کی اس حدیث سے تصویب نکلتی ہے۔

ف: مسئلہ، سنوح وساوس کاملین را

(اہل کمال کو بھی وساوس پیش آجاتے ہیں)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کمال کو بھی احیاناً ان کے مرتبہ کے موافق وساوس خفیہ پیش آجاتے ہیں اور یہ منافی ان کے کمال کے نہیں۔

ف: خلق، اظہار حال خود (اپنے حال کو ظاہر کرنا)

یہ شعبہ ہے تواضع واخلاص کا کہ اپنا حال جو ناقصین کی نظر میں منافی کمال معلوم ہو، اپنے معتقدین میں ظاہر کردیا جائے، مگر شرط اس کی یہ ہے کہ ان کے افتتان فی الدین کا خوف نہ ہو، اور نیز وہ حال معصیت نہ ہو، ورنہ اخفاء اوجب یا واجب ہے، ''نہی عن اظہار المعاصی'' کی حدیثیں اور ''حضرت صفیہ کا قصہ اعتکاف گاہ میں آنے کا'' اور ''محدث فی الصلوٰۃ کو اخذ انف کا حکم'' اس اخفاء کی دلیلیں ہیں۔

۱۱۴- اصلاح، حرمتِ سجدہ قبور

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجداً".[1] (أخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)

---

[1] بخاری: الجنائز، قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما رقم: ۱۳۹۰، عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، مسلم: المساجد، النھی عن بناء المسجد علی القبور. رقم: ۲۰ (۵۳۰) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أیضا، فی الموضع السابق. رقم: ۱۹ (۵۲۹) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا) أبوداؤد: الجنائز، البناء علی القبر، رقم: ۳۲۲۷، عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نسائی: المساجد، النھی عن اتخاذ القبور مساجد، رقم: ۷۰۴، عن عائشۃ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما معا، أیضا فی الجنائز، اتخاذ القبور مساجد، عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۲۰۴۹.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ کو کہ اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا'' یعنی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔

ف: اس حدیث میں اصلاح ہے اس فعل کی جو اس وقت جہلاء صوفیاء میں شائع ہے کہ بزرگوں کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں خواہ وہ سجدہ عبادت ہو کہ کفر و شرک ہے، خواہ وہ سجدہ تحیہ ہو کہ سخت کبیرہ گناہ قریب بکفر ہے۔

۱۱۵-متفرقات، تنبیہ اکابر بر عدم الامن من الشیطان

(بڑے سے بڑے کامل کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے)

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفیہ قال: "ان عدو اللہ ابلیس جاء بشھاب من نار لیجعلہ فی وجھی". الحدیث (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''دشمن خدا یعنی ابلیس ایک شعلہ آگ کا لایا تا کہ اس کو میرے منہ میں لگائے۔'' (اسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔)

ف: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کامل نہ ہو جائے مگر اس کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے بلکہ ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقع پر اس کو لغزش میں نہ ڈال دے، اس خبیث کی جرأت دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی تک پہنچنے کا اس کو حوصلہ ہوا، مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ نہیں کرا سکتا اس لئے اضرار جسمانی ہی کی ہوس ہوئی۔

۱۱۶-اصلاح، اہتمام جماعت

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من سمع المنادی فلم یمنعہ من اتباعہ عذر لم تقبل منہ الصلوٰۃ التی صلاھا"

قیل، وما العذر؟ قال "خوف او مرض". (أخرجه أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مؤذن کی اذان سنے پھر اس کا اتباع کرنے سے اس کو کوئی عذر مانع نہ ہو، (اتباع سے مراد جماعت میں حاضر ہونا ہے) تو اس کی نماز، جو اس نے پڑھی ہے مقبول نہ ہوگی"، عرض کیا گیا کہ عذر کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "خوف یا مرض"۔

ف: آج کل بعض درویشوں کو جماعت کی نماز کا مطلق اہتمام نہیں ہے، یہ حدیث ان کی اصلاح کرتی ہے اور دلالت کرتی ہے کہ انکی وہ نماز کالعدم ہے اور جب فرض ناقص ہوا تو اوراد واشغال کیا کفایت کریں گے۔

۱۱۷- اہمیت جماعت جمعہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسئل عن رجل یصوم النھار ویقوم اللیل ولایشھد الجماعۃ ولا الجمعۃ فقال: ھذا من اھل النار. (أخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور ان سے ایسے شخص کی نسبت سوال کیا گیا تھا جو دن بھر روزے سے رہتا ہے اور رات بھر بیدار رہتا ہے، لیکن جماعت اور جمعہ میں حاضر نہیں ہوتا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا شخص جہنمیوں میں سے ہے۔

ف: اس میں وہی مضمون زیادہ تاکید ووعید کے ساتھ ہے، جو حدیث نمبر ۱۱۶ میں مذکور ہے۔

۱۱۸- عادت، تعیین مکان حزب
(اوراد ومعمولات کیلئے جگہ کی تعیین)

عن عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلت یا رسول اللہ! ان السیول تحول بینی وبین مسجد قومی، فاحب ان تاتینی فتصلی فی مکان من بیتی اتخذہ مسجداً، فقال: صلی اللہ علیه وسلم: "سنفعل". الحدیث (أخرجه الثلثة والنسائی[3])

---

[1] ابوداؤد: الصلاۃ التشدید فی ترک الجماعۃ، رقم: ۵۵۱، قال المنذری: فی اسنادہ أبو جناب، یحیی بن أبی حی الکلبی وھو ضعیف، وأخرجه ابن ماجۃ بنحوہ، واسنادہ أمثل وفیه نظر.

[2] ترمذی: الصلاۃ، ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب. • رقم: ۲۱۸.

[3] بخاری: الأذان، من لم یرد السلام علی الامام واکتفی بتسلیم الصلاۃ رقم: ۸۴۰، مسلم: المساجد، الرخصۃ فی التخلف عن الجماعۃ لعذر رقم: ۲۶۳ (۳۳) نسائی: الامامۃ، الجماعۃ للنافلۃ، رقم: ۸۴۵، موطا: جامع الصلاۃ. ص: ۲۰، ۲۱ مطبع تھانوی، قلنا: وأخرجه ابن ماجۃ، المساجد، المساجد فی الدور. رقم: ۷۵۴.

ترجمہ: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (برسات کے دنوں میں) میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان میں (پانی کا) سیلاب حائل ہوجاتا ہے، (اس لئے میں مسجد میں حاضر نہیں ہوسکتا اور نگاہ ان کی ماؤف تھی اس لئے کچھ نظر آتا نہ تھا کہ کہاں پانی ہے کہاں خشک ہے) سو میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیے اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیجئے کہ میں (ایسی ضرورت کے موقع پر) اس کو نماز کی جگہ بنالوں، (یعنی وہاں نماز پڑھ لیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ: "ہم ایسا کردیں گے۔"

ف: باوجودیکہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں ہر جگہ نماز پڑھ سکتے تھے، مگر پھر بھی نماز کی جگہ کو متعین کرنا چاہا، جس میں مصلحت یہ تھی کہ تعین مکان سے عبادت میں یکسوئی ہوتی ہے اس سے اصل نکلتی ہے اس کی کہ اورادو معمولات میں اکثر جگہ کو معین رکھتے ہیں: مگر اس کے جواز کی شرط دو ہیں: ایک یہ کہ اس تعیین کو قربت مقصودہ نہ سمجھے، دوسرے یہ کہ کسی کا حق فوت نہ کرے ورنہ ممنوع ہے، ایک حدیث میں ایسی توطین کو توطین بعیر سے تنبیہ دے کر ممانعت فرمائی ہے۔

ف: رسم، تبرک بموضع مبارکہ

باوجودیکہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جگہ کی تعیین کرسکتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے محض یہ غرض تھی کہ وہ جگہ متبرک ہوجائے گی تو وہاں نماز پڑھنے میں زیادہ برکت ہوگی، پس اس سے مقامات متبرکہ میں ذکر وطاعت کرنے کی اصل نکلتی ہے اس میں بھی شرط یہی ہے کہ اعتقاداً یا عملاً غلو نہ ہو ورنہ شرک وبدعت کی حد میں داخل ہوجاتا ہے۔

۱۱۹- مسئلہ، عدم لزوم استغراق در صلوٰۃ برائے کامل

(اہل کمال کے لئے نماز میں استغراق ضروری نہیں)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انی لادخل فی الصلوٰۃ وانا ارید ان اطیلھا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلوتی

لما اعلم من وجد امه من بکائه." (أخرجه الخمسة الاأباداؤد[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "میں (بعض اوقات) نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ قدرے طویل پڑھوں، پھر کسی بچہ کا رونا سنتا ہوں تو نماز میں اس لئے اختصار کر دیتا ہوں کہ جانتا ہوں کہ اس کی ماں (جو کہ احتمالاً نماز میں شریک ہے) بے چین ہوگی۔"

ف: بعض لوگ استغراق کو کمال مقصود سمجھ کر کاملین کے لئے اس کو لازم سمجھتے ہیں، اس حدیث سے محقق ہو گیا کہ یہ لازم نہیں اور نہ کمال مقصود ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم ہوتا، پھر بکاء صبی کی اطلاع اور قلق ام کا تصور کیوں ہوتا: البتہ اگر کسی کو ہو جائے تو فی نفسہ محمود ہے مگر محمودیت مستلزم مقصودیت نہیں، اکثر متوسلین اہل سلوک کو ایسے حالات پیش آیا کرتے ہیں، اور یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جب عورتیں جماعت میں آتی تھیں پھر دلائل شرعیہ سے ان کو ممانعت کر دی گئی۔

۱۲۰-متفرقات ادب، تراص فی الحلقۃ

(حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہوئے مل مل کر بیٹھنا)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات الشیطان". الحدیث (أخرجه ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "صفوں کو سیدھا کیا کرو اور کندھوں کو برابر رکھا کرو اور درمیانی فصل کو بند کر دیا کرو

---

[1] بخاری: الأذان، من أخف الصلاة عند بکاء الصبی. رقم: ۷۰۹، ۷۱۰، مسلم: الصلاة، أمر الأئمة بتخفیف الصلاة فی تمام. رقم: ۱۹۲ (۴۷۰) ترمذی: الصلاة، اذا أم أحدکم الناس فلیخفف. رقم: ۲۳۷. وقال: حسن صحیح، ولفظه من أخف الناس صلاة فی تمام، نسائی: الامامة، ماعلی الامام من التخفیف. رقم: ۸۲۶) قلنا: وأخرجه ابن ماجة، اقامة الصلوات، من أم قوما فلیخفف رقم: ۹۸۹ [2] أبوداؤد: الصلاة، تسویة الصفوف. رقم: ۲۲۶، قال المنذری: وفی روایة عن أبی شجرة۔ وهو کثیر بن مرة۔ لم یذکر ابن عمر فیکون مرسلا.

اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجایا کرو اور شیطان کے فاصلے بیچ میں مت چھوڑا کرو۔"

ف: مشائخ نے فرمایا کہ اگر ذکر حلقہ کے ساتھ کیا جائے تو خوب مل مل کر بیٹھیں اس حدیث میں "سدوا الخلل ولاتذروا" اس کی اصل ہے اور بعض اہل وجدان نے فرمایا ہے کہ فرجات چھوڑنے سے وساوس زیادہ ہوتے ہیں، فرجات الشیطان میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔

۱۲۱-اصلاح، ترک رسوم ملتزمہ عامہ

(عام طور پر شائع رسموں کا ترک کرنا)

عن عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "صلوا قبل المغرب رکعتین" ثم قال: "صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء" خشیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ. (أخرجہ أبوداؤد بھٰذا اللفظ) وفی أخریٰ للشیخین. قال: (صلوا قبل صلوٰۃ المغرب" ثم قال فی الثالثۃ: "لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ"[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے قبل دو رکعتیں پڑھنے کو فرمایا۔ پھر دوسری یا تیسری بار میں یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس لئے کہ آپ کو یہ امر ناپسند ہوا کہ لوگ اس کو معمول لازمی قرار نہ دے لیں، (لمن شاء سے اس کا انسداد مقصود تھا)

ف: باجودیکہ یہ دو رکعت منصوص ہیں، مگر پھر بھی ان کے التزام کا انسداد فرمایا گیا تو جو رسوم منصوص بھی نہیں اور عام طور پر شائع ہوگئی ہیں ان کے التزام کا انسداد شارع علیہ السلام کو کیسے مقصود نہ ہوگا، اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے امور کا انسداد بدون ترک کے نہیں ہوسکتا، پس ان کا ترک لازم ہوگا، محققین اس نکتہ کی بناء پر ان امور سے بالکلیہ رد کرتے ہیں۔

۱۲۲-کیا میں بندہ شکر گزار نہ بنوں

عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ: "قد غفرلک ماتقدم من ذنبک وماتاخر"

---

[1] أبوداؤد: التطوع، الصلاۃ قبل المغرب. رقم: ۱۲۸۱، بخاری: التھجد، الصلاۃ قبل المغرب. رقم: ۱۱۸۳، مسلم: صلاۃ المسافرین، بین کل أذانین صلاۃ. رقم: ۳۰۴ (۸۳۸)

قال: "افلا اکون عبداً شکوراً". (أخرجه الخمسة الا أباداؤدؒ)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو اس قدر نماز میں کھڑے رہتے کہ قدم مبارک ورم کر جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے گئے (پھر آپ کو اس مشقت کی کیا حاجت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں بندہ، شکر گزار نہ بنوں"؟ غیر ذنوب کو بھی مجازاً ذنوب فرمایا گیا ہے۔

ف: اس میں بھی مثل حدیث صد و نہم کے مضمون ہے۔

۱۲۳- تعلیم، راحت نفس

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لایدع قیام اللیل و کان اذا مرض او کسل صلی قاعداً. (أخرجه أبوداؤدؒ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد ترک نہیں فرماتے تھے، البتہ جب بیمار یا کسل مند ہوتے تو بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔

ف: جب قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید کی نشاط میں کمی ہوگئی ہے تو مشائخ اہل ارشاد اس کو تخفیف فی العمل اور نفس کو راحت دینے کی تعلیم کرتے ہیں، اس حدیث میں اس کی اصل مصرح ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تخفیف پر عمل فرمالیتے۔

۱۲۴- متفرقات، علاج وسوسہ

عن عثمان بن ابی العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلت یا رسول الله ان الشیطان قد حال بینی وبین صلاتی وبین قرائتی یلبسها علی، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ذلک شیطان ان یقال له خنزب فاذا احسسته فتعوذ

١ بخاری: التفسیر، سورة الفتح، باب قوله: لیغفر لک الله ماتقدم من ذنبک وما تأخر. رقم: ۴۸۳۶) مسلم: صفات المنافقین، اکثار الأعمال والاجتهاد فی العبادة رقم: ۷۹ (۲۸۱۹) ترمذی: الصلاة، الاجتهاد فی الصلاة. رقم: ۴۱۲، وقال: حسن صحیح، نسائی: قیام اللیل وتطوع النهار، الاختلاف علی عائشة فی احیاء اللیل. رقم: ۱۶۴۵، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، اقامة الصلوات، طول القیام فی الصلوات رقم: ۱۴۱۹

٢ ابوداؤد: الصلاة (التطوع) قیام اللیل. رقم: ۱۳۰۷. وسکت عنه المنذری.

بالله منه واتفل علٰی یسارک ثلثا" قال: ففعلت ذٰلک، فاذهبه الله تعالٰی عنی. (اخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان حائل ہوگیا ہے کہ اس میں شبہے ڈال دیتا ہے، (یعنی عدد رکعات اور قرأت وعدم قرأت میں شک پیدا ہوجاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ ایک شیطان ہے جس کا لقب خنزب ہے جب تم کو اس کا اثر معلوم ہو تو "اعوذ باللہ" پڑھو اور بائیں طرف تین بار تھتکار دو" وہ کہتے ہیں میں نے اس کو کیا، سو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دفع کردیا۔

ف: وسوسہ کا علاج مختلف طریق سے آیا ہے ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے، حاصل سب کا توجہ الی اللہ و ترک التفات الی الوسوسہ ہے اور سب طرق اسی کے تحصیل کے ذرائع ہیں، چنانچہ یہاں بھی "تعوذ باللہ" ذریعہ توجہ الی اللہ کا، اور "تفل عن یسار" طریقہ ترک التفات الی الوسوسہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ طریق خاص قبل از شروع نماز ہے کہ اس طرح وسوسہ کا ازالہ کرکے نماز میں کھڑا ہوجائے اور داخل صلوٰۃ کے لئے اقبال علی الصلوٰۃ کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۵-عادت، اختلاف تعلیم حسب استعداد

عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال: سأل رجل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم، فرخص له فاتاه آخر فسأله، فنهاه وكان الذی رخص له شيخاً كبيراً والذی نهاه شابا. (أخرجه أبوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے روزہ دار کے لئے عورت سے ملنے سے متعلق دریافت کیا تو اسکو اجازت دے دی، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے پوچھا تو اس کو منع فرمایا، اور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جس کو اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جس کو منع کیا وہ جوان تھا۔

---

[1] مسلم: السلام، التعوذ من شيطان الوسوسة فی الصلاة رقم: ٦٨ (٢٢٠٣)

[2] أبوداؤد: الصيام، كراهية للشاب. رقم: ٢٣٨٧، سكت عنه المنذری، وقال ابن القيم: قال شمس الدين: قال ابن حزم: فيه أبو العنبس عن الأغر، وأبو العنبس هذا مجهول.

ف: اہل ارشاد کی عادت ہے کہ ہر شخص کو اس کی استعداد اور حالت کے مناسب تعلیم و تربیت فرماتے ہیں، یہ حدیث اس عادت کی اصل صریح ہے اور اخفاء تعلیم کا یہ بھی ایک نکتہ ہے، تاکہ دوسرا اس کو ہوس کے مارے وہی نہ کرنے لگے، اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مخفی تعلیم کی وقعت زیادہ ہوتی ہے اور وقعت سے اہتمام اتباع کا امر طبعی ہے۔

۱۲۶-اصلاح، منع از تخصیص مطلق بطور قربت

(جس تخصیص میں شرع وارد نہیں مطلقاً اس کی قربت ہونے کا اعتقاد رکھنا ممنوع ہے)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتخصوا اللیلۃ الجمعۃ من بین اللیالی ولا تخصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الأیام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم. (أخرجہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "شب بیداری کے لئے شبوں میں شب جمعہ کی تخصیص مت کرو، اور نہ روزہ کے لئے دنوں میں سے روز جمعہ کی تخصیص کرو، مگر یہ کہ وہ جمعہ ایسے روزہ میں آجائے جس میں روزہ رکھنے کا پہلے سے معمول ہو۔" (مثلاً ایک شخص تیرہویں، چودہویں، پندرہویں کا روزہ رکھتا تھا اور ان ہی تاریخوں میں جمعہ آ گیا)

ف: جس تخصیص میں شرع وارد نہیں اس کی قربت ہونے کا اعتقاد کرنا مطلقاً یا اس کو عمل میں لانا بقصد خصوصیت، گو التزام نہ ہو، یا بطور التزام واصرار کے، گو قصد خصوصیت نہ ہو، یا جب کہ ایہام عوام مظنون ہو، گو قصد واصرار مذکور بھی نہ ہو دلائل شرعیہ سے سب منہی عنہ ہے، اس وقت ان بلاؤں میں عوام کیا بہت سے خواص خصوصاً اہل تصوف بکثرت مبتلا ہیں۔

۱۲۷-مسئلہ، ثبوت اعتبار باطن

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل: "ان اللہ لا ینظر الی صورکم واجسادکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم، التقویٰ ھٰھنا والتقویٰ ھٰھنا ویشیر الی صدرہ". الحدیث

---

[1] مسلم: الصیام، کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم لایوافق عادتہ رقم: ۱۴۸ (۱۱۴۴)

(رواه الستة الاالنسائی وهذا لفظ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ تمہاری صورت اور جسم کو نہیں دیکھتے (کہ حسین وجسیم ہے یا نہیں) لیکن تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھتے ہیں اور دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ تقویٰ اس جگہ سے یعنی سینہ میں۔''

ف: اس حدیث سے بھی طریق تصوف کا اثبات ہوتا ہے کیوں کہ خلاصہ اس کا یہی تصفیہ قلب وتہذیب اعمال ہے اور تحقیر سے تعمیر بدن سے اور اس تعمیر بدن میں اعمال ریائیہ بھی آ گئے، کیوں کہ حدیث میں ان ہی اعمال کو منظور الیہا فرمایا گیا ہے جو مقرون بخلوص القلب وتقویٰ ہوں اور بعض بزرگوں کے کلام میں جو ظاہر کا مطلقاً غیر معتد بہ ہونا اور مدار محض باطن پر ہونا وارد ہے اس کی توجیہ یہی ہے خود احادیث میں ایسے اطلاقات آئے ہیں مثلاً ''لاایمان لمن لا أمانة له.''

۱۲۸- تعلیم، حفظ اسرار

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال: بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حاجة فابطات علی امی، فلما جئت قالت: ماحبسک؟ قلت: بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حاجة وقالت: وماهی؟ قلت: انها سر، قالت: لاتحدثن بسر رسول الله صلی الله علیه وسلم احداً. (أخرجه الشیخان[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کو بھیجا، مجھ کو ماں کے پاس پہنچنے میں دیر ہوئی، جب میں آیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں رہ گیا تھا؟ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کام کو بھیجا تھا، کہنے لگیں وہ کیا کام تھا؟ میں نے کہا کہ وہ راز کی بات ہے، کہنے لگیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی سے مت کہنا۔

---

[1] مسلم: البر، تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله رقم: ۳۲ (۲۵۶۴) أبو داؤد نحوه: الأدب، الغیبة، رقم: ۴۸۸۲) ترمذی نحوه: البر والصلة، شفقة المسلم علی المسلم، رقم: ۱۹۲۷، وقال: حسن غریب) قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الزهد، القناعة، رقم: ۴۱۴۳.

[2] قلت: لم أجده بهذا اللفظ فی البخاری، مسلم: فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، فضائل أنس بن مالک رضی الله تعالی عنه رقم: ۱۴۵، ۱۴۶ (۲۴۸۲)

ف: مشائخ کے یہاں اس کی سخت تاکید ہے کہ اسرار باطنی کا کسی پر افشاء نہ کریں خواہ وہ متعلق تعلیم کے ہو خواہ متعلق واردات کے ہو اور گو یہ اسرار اکثر مرید کے ہوتے ہیں اور حدیث میں راز شیخ کا مذکور ہے لیکن علت مشترک ہے یعنی اظہار کا خلاف مصلحت ہونا خواہ وہ مصلحت کسی قسم کی ہو۔

۱۲۹-فضیلت اولیاء اللہ

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان من عباد اللہ لاناسا ماھم بانبیاء ولا شھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیٰمۃ لمکانھم من اللہ تعالیٰ" قالوا: یا رسول اللہ! تخبرنا من ھم؟ قال: "ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم، ولااموال یتعاطونھا فواللہ ان وجوھھم لنور، وانھم لعلٰی نور، لایخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس" وقرأ ھذہ الاٰیۃ: ﴿الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون﴾ (أخرجہ أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ کے بندوں میں ایسے بھی لوگ ہیں جو نہ پیغمبر ہیں اور نہ شہید ہیں، اور پیغمبر اور شہید قیامت کے روز ان پر ان کے ایک خاص رتبہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کو حاصل ہوگا رشک کریں گے"، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم کو خبر دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ وہ لوگ ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ان میں باہم محبت ہے نہ کچھ آپس میں رشتہ ناطہ، اور نہ کچھ روپیہ پیسہ کا لین دین ہے، بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور (کے مکانات) پر جلوہ گر ہوں گے، جب لوگ مبتلائے خوف ہوں گے، وہ خائف نہ ہوں گے اور جب لوگ مغموم ہوں گے وہ مغموم نہ ہوں گے" اور یہ آیت پڑھی ﴿الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون﴾۔

ف: صوفیاء محققین کا مصداق حدیث ہونا محتاج بیان نہیں، اور یغبطھم سے تفضیل علی الانبیاء کا شبہ نہ کیا جائے بعض خاص وجہ سے اکابر بھی اصاغر کی خاص حالت کی تمنا کیا کرتے

---

[1] أبو داؤد: البیوع، الرھن. رقم: ۳۵۲۷، سکت عنہ المنذری)

ہیں، مثلاً انبیاء غم امت میں مشغول ہیں اور یہ عین دلیل ان کے افضلیت کی ہے اور ممکن ہے کہ یہ لوگ اس سے خالی ہوں، ونحو ذلک۔

۱۳۰-فضیلت محبین اولیاء

عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت یا رسول اللہ! الرجل یحب القوم ولا یستطیع ان یعمل عملھم، قالت: "انت یا ابا ذر مع من احببت" (أخرجه أبوداؤد) وفی لفظ الترمذی عن صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "المرء مع من احب"[۱].

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے اور ان کے برابر عمل وعبادت کرتا نہیں کرسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہوگے" اور ترمذی میں صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ: "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا۔"

ف: دلالت حدیث کی حضرات اہل اللہ کے محبین ومعتقدین کی فضیلت پر ظاہر ہے اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ تعلق بیعت سے اضطراراً مشائخ کے ساتھ محبت ہوجاتی ہے، اس مصلحت سے بعض اہل ارشاد ایسوں کو بھی داخل سلسلہ کرلیتے ہیں جن سے زیادہ مجاہدہ وریاضت کی توقع نہیں اور بعضے دوسری مصلحتوں سے ہر شخص کو بیعت کرنے میں قدرے مضائقہ کرتے ہیں۔ والأعمال بالنیات۔

۱۳۱-مسئلہ، اشتراط تناسب شیخ ومرید در نفع

(فیوض باطنی کے لئے پیر ومرید کی باہم مناسبت فطری شرط ہے)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وماتناکرمنھا اختلف".

---

[۱] أبوداؤد: الأدب، الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ، عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۵۱۲۶، وسکت عنہ المنذری) ترمذی: الزھد، (المرء مع من أحب) رقم: ۲۳۸۷، عن صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال: حسن صحیح.

(أخرجه مسلم و أبو داؤد وأخرجه البخاری عن عائشة[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ارواح لشکر کے لشکر ہیں جو عالم ارواح میں مجتمع تھیں جن میں وہاں باہم جان پہچان ہوئی ہے ان میں (یہاں بھی) باہم الفت ہے، اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلاف مزاج ہے۔''

ف: یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لئے پیر و مرید کی باہم مناسبت فطری شرط ہے، اس حدیث کے عموم میں یہ مناسبت بھی داخل ہے، کیوں کہ نفع عادۃً موقوف ہے الفت پر اور الفت بنص حدیث موقوف ہے تعارف عالم ارواح پر، جو حقیقت ہے مناسبت فطری کی، اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے دوسرے شیخ کے پاس جس سے مناسبت مظنون یا مکشوف ہو بھیج دیتے ہیں۔

۱۳۲-قول، مظہریت انسان للحق (انسان کا حق تعالیٰ کا مظہر ہونا)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ''لما خلق الله ادم علی صورته''. الحديث (أخرجه البخاری[2])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ظہور صفات کی حالت پر پیدا کیا'' آگے حدیث کا پورا مضمون ہے۔

ف: حدیث کے جو معنی شراح کے نزدیک مشہور ہیں کہ ''صورتہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس بناء پر یہ حدیث صوفیاء کے اس قول مشہور کا اثبات کرتی ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کا مظہر کہتے ہیں، جس کی مختصر شرح یہ ہے کہ انسان ایک مصنوع عجیب ہے حق تعالیٰ کا، اور مصنوع سے استدلال ہوتا ہے صانع کے وجود اور صفاتِ کمال پر، پس اس معنی کے اعتبار

---

[1] بخاری: أحاديث الأنبياء، الأرواح جنود مجندة. رقم: ۳۳۳۶، عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها مسلم: البر، الأرواح جنود مجندة. رقم: ۱۵۹، ۱۶۰ (۲۶۳۸) أبوداؤد: الأدب، من يومر أن يجالس، رقم: ۴۸۳۴، عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه

[2] بخاری: الاستئذان، بدء السلام. رقم ۶۲۲۷.

سے مصنوع گویا صانع کا ظہور یعنی ذریعہ ظہور ہے اور اسی اعتبار سے مطلق خلق کو بھی مظہر حق کہہ دیتے ہیں، اور بعض تفاسیر اس قول کی اور بھی ہیں، جن میں سے بعض کی بناء پر خاص عارف ہی کو مظہر کہتے ہیں وہ تفاسیر کلید مثنوی میں ذکر کی گئی ہیں، حدیث سب کی اصل ہو سکتی ہے، "لان الصورة بمعنى الظهور" مفہوم عام نکلا۔

۱۳۳-قول، "از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است"

(مومن کا دل کعبۃ اللہ سے ہزاروں درجہ افضل ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه نظر يوماً الى الكعبة فقال: ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمة عند الله تعالىٰ منک. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن کعبہ شریف کی طرف دیکھا، اور فرمایا کہ تیری بڑی شان ہے اور تیری بڑی حرمت ہے اور مومن اللہ کے نزدیک حرمت میں تجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ف: اس حدیث سے اس قول مشہور کا پورا اثبات ہوتا ہے: کیوں کہ حدیث میں مومن کو جو کعبہ سے اعظم کہا گیا ہے، تو مدار اس کا ایمان ہے اور موصوف بالایمان قلب ہے پس قلب مومن کا افضل ہونا کعبہ سے ثابت ہوا، اور اعظم کو مطلق فرمایا اس لئے ہزار درجہ اعظم کہنا بھی بروئے حدیث گنجائش رکھتا ہے اور از ہزاراں بہتر کہنے کا حاصل یہی ہے کہ ہزاروں درجہ از کعبہ بہتر است، اسی طرح بعض بزرگوں کے کلام میں قلب کو تجلی گاہِ حق کہنا وارد ہے، اس حدیث سے اس کی بھی اصل نکل سکتی ہے، کیوں کہ جب کعبہ تجلی گاہ حق ہے تو افضل من الکعبہ کو بدرجہ اولیٰ تجلی گاہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، باقی یہ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کو جہت سجدہ بھی بنا دیا جائے۔

۱۳۴-اصلاح، احتیاط در اتخاذ شیخ (پیر بنانے میں احتیاط ضروری ہے)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

---

[1] ترمذی: البر والصلة، تعظیم المومن. رقم: ۲۰۳۲، وقال: حسن غريب، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الفتن، حرمة دم المؤمن وماله. رقم: ۳۹۳۱.

"المرء علی دین خلیله فلینظر احد کم من یخالل". (أخرجه أبوداؤد والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "آدمی اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے، سو ذرا دیکھ بھال لیا کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔"

ف: ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے، اور جب معمولی دوستی دین کے اندر موثر ہے تو اتنی بڑی دوستی تو اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد واعمال واخلاق کا اثر ہر ہر مرید میں سرایت کرتا ہے، اگر زیادہ نہیں تو کم ازکم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے، یعنی مریدان امور کو مستحسن سمجھتا ہے، پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے، اس لئے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہئے اس میں زیادہ تر بے اعتنائی کی جاتی ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔

۱۳۵-اصلاح، احتجاب مریدہ از شیخ

(مریدنی کو پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے)

عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الا لایخلون رجل بامرأة الا کان ثالثهما الشیطان". (أخرجه الشیخان وأبوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "سن رکھو! کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہیں ہوتا مگر تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے۔"

ف: یہ ظاہر ہے کہ جب پردہ نہیں ہوتا تو بعض اوقات تنہائی بھی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گو ظاہراً تنہائی نہیں ہوتی، مگر چوں کہ وہاں سب عورتیں اس مرد کی نامحرم ہی ہوتی ہیں اور کسی عورت کا محرم بھی وہاں نہیں ہوتا اس لئے حکماً وہ بھی تنہا ہی ہے، پس بے پردگی کے

---

[1] أبوداؤد: الأدب، من یومر أن یجالس رقم: ۴۸۳۳، قال المنذری: وفی اسناده موسیٰ بن وردان وقد ضعفه بعضهم وقال: بعضهم: لابأس به ورجح بعضهم فی هذا الحدیث الارسال، ترمذی: الزهد (الرجل علی دین خلیله) رقم: ۲۳۷۸، وقال: حسن غریب)

[2] قلت: ماوجدته فی "الصحیحین" للبخاری ومسلم و (السنن" لأبی داؤد، وأخرجه الترمذی: الفتن، لزوم الجماعة، رقم: ۲۱۶۵، وقال: حسن صحیح غریب، وابن ماجة نحوه: الأحکام، کراهیة الشهادة لمن لم یستشهد رقم: ۲۳۶۳) والنسائی: (الکبری) نحوه، عشرة النساء خلو الرجل بالمرأة. رقم: ۹۲۱۸

لئے خلوت منہی عنہا عادۃً لازم ہے، نیز بے پردگی میں دوسرے مفاسد بھی ہیں، اس لئے آج کل جو رسم قبیح ہے کہ مریدنی پیر سے پردہ نہیں کرتی اس کا انسداد و اصلاح واجب ہے۔

۱۳۶-مسئلہ، امتناع رویت در دنیا (دنیا میں اللہ کی رویت ممتنع ہے)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس کلمات وفیها: "حجابه النور لو كشفته لاحرقت سبحات وجهه ما انتهىٰ اليه بصره من خلقه". (أخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر پانچ مضمون بیان فرمائے، ان میں یہ بھی مضمون تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، اگر وہ اس نور کو اٹھا دے تو اس کے انوارِ جلال ذاتی تمام مخلوق کو جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نگاہ پہنچے سب کو جلا دے''، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوق کو محیط ہے، مطلب یہ ہوا کہ تمام مخلوق اس کے نور ذات سے سوختہ ہو جائے۔

ف: اکثر جہلاء صوفیا کا اعتقاد ہے کہ سالک کو دنیا ہی میں مثل آخرت کے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے، یہ حدیث اس اعتقاد کی تغلیط کرتی ہے، ان لوگوں کو اپنے اس اعتقاد کی اصلاح واجب ہے۔

۱۳۷-دنیا میں رؤیت باری کا امتناع

عن عمر بن ثابت الانصاری انه اخبره بعض اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم حذر الناس الدجال: "انه مكتوب بين عينيه كافر يقرأه من كره عمله، او يقرأه كل مومن"............ وقال: "تعلموا انه لن يرىٰ احد منكم ربه حتى يموت". (رواه مسلم[2])

ترجمہ: بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس روز دجال سے ڈرایا، یوں بھی فرمایا کہ: ''اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں کافر لکھا ہوا ہوگا جو شخص اس کے عمل کو ناپسند کرے گا وہ اس کو پڑھ لے گا، یا یہ فرمایا کہ ہر مومن اس کو پڑھ لے گا'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: ''خوب جان رکھو! کہ

---

[1] مسلم: الایمان، قوله عليه السلام: ان الله لاينام. رقم: ۲۹۳ (۱۷۹) قلنا: وأخرجه ابن ماجة، المقدمة، فيما انكرت الجهمية. رقم: ۱۹۶

[2] مسلم: الفتن، ذكر ابن الصياد. رقم: ۷۳۵۶ (۱۶۹)

مرنے سے پہلے تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا'' (اور دجال کو سب دیکھیں گے پس ثابت ہوا کہ وہ رب نہیں ہے)

ف: اس میں امتناع رویت در دنیا اور زیادہ وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

۱۳۸-خلق، رفق براقوال وافعال جاہلاں

(جہلاء کی حرکات پر نرمی اور تحمل سے پیش آنا)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان اعرابيا دخل المسجد، ورسول الله صلی الله عليه وسلم جالس، فصلی ركعتين ثم قال: اللهم ارحمنی ومحمداً ولا ترحم معنا احداً، فقال النبی صلی الله عليه وسلم ((لقد تحجرت واسعا)) ثم لم يلبث ان بال فی المسجد فاسرع اليه الناس، فنهاهم رسول الله صلی الله عليه وسلم، وقال: ((انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين، صبوا عليه سجلاً من ماء)) اوقال: ((ذنوبا من ماء)). (أخرجه الخمسة الامسلماً وهذا لفظ ابی داؤد والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی مسجد میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، اور اس نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دعا کی اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرما اور (اس رحمت میں) ہم دونوں کے ساتھ کسی کو شریک مت کر (وہ یوں سمجھا کہ شاید رحمت محدود ہوگی اگر اور لوگ بھی شریک ہوں گے تو ہمارا حصہ گھٹ جائے گا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''(بھلے مانس) تو نے ایک غیر محدود چیز کو (بزعم خود) محدود کر دیا''، پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کی طرف روکنے کے لئے دوڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: ''تم آسانی کرنے کو آئے ہو سختی کرنے نہیں آئے اس پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو۔''

---

[1] بخاری: الوضوء، صب الماء علی البول فی المسجد. رقم: ۲۲۰، عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه، قلنا: وأخرجه مسلم، الطهارة، وجوب غسل البول وغيره من النجاسات اذا حصلت فی المسجد. رقم: ۱۰۰ (۲۸۵) عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه، أبوداؤد: الطهارة، الأرض يصيبها البول. رقم: ۳۸۰، ترمذی: الطهارة، البول يصيب الأرض. رقم: ۱۴۷، وقال: حسن صحيح، نسائی: الطهارة، ترک التوقيت فی الماء. رقم: ۵۶، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الطهارة، الأرض يصيبها البول كيف تغسل. رقم: ۵۲۹ كلهم عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه

ف: اکثر بزرگوں کی عادت رہی ہے کہ جہلاء کی حرکات پر تشدد نہیں کرتے بلکہ نرمی اور تحمل سے پیش آتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات کم فہموں کو مداہنت کا شبہ ہو جاتا ہے، سو اس حدیث سے ایسے امور میں غایت نرمی اور ضبط کا اثبات ہوتا ہے اور مداہنت وہ ہے جس میں اپنی کوئی دنیاوی غرض ہو اور جہاں مصلحت دینیہ ہو وہ محمود ہے۔

۱۳۹- قول، جہاد با شیطان

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال بعد ذکر فضل بعض الاعمال: "فذلکم الرباط، فذلکم الرباط، فذلکم الرباط".
(اخرجه مسلم ومالک والترمذی والنسائی[۱])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعمال کی فضیلت ذکر کر کے ان اعمال کی نسبت فرمایا کہ: ''یہ مورچہ بندی ہے، یہ مورچہ بندی ہے''، (یعنی شیطان کے ساتھ جو مسلمان کا محاربہ رہتا ہے ان اعمال کو کرنا گویا اپنی سرحد کی حفاظت ہے)

ف: ہمارے پیرومرشد علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ ''جہاد اکبر'' میں سالک کی لڑائی لشکر شیطان ونفس سے قرار دے کر نہایت نفیس اور مفصل مضمون لکھا ہے، یہ حدیث اس مضمون کی صریح اصل ہے کیوں کہ رباط محاربہ میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں محاربہ نفس وشیطان ہی سے ہے۔

۱۴۰- حال، لذت در حالت قرأت

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه فی حديث طويل، فلما خرج الرجلان الیٰ فم الشعب اضطجع المهاجری، وقام الأنصاری يصلی، فاتی الرجل، فلما رأیٰ شخصه عرف انه ربئة فرماه بسهم، فوضعه فيه، فنزعه حتی رماه بثلثة اسهم ثم رکع وسجد، ثم انبه صاحبه، فلما عرف انهم قد نذروا به هرب، فلما رأیٰ المهاجری ما بالأنصاری من الدعاء قال: سبحان الله! الا انبهتنی اول ما رمیٰ

---

[۱] مسلم: الطهارة، فضل اسباغ الوضوء علی المکاره. رقم: ۴۱(۲۵۱) ترمذی: الطهارة، اسباغ الوضوء. رقم: ۵۱، ۵۲، وقال: حسن صحيح، نسائی: الطهارة الفضل فی اسباغ الوضوء. رقم: ۱۴۳، موطا: السفر، انتظار الصلاة والمشی اليها. رقم الصفحة: ۵۶ مکتبه تهانوی.

لک! قال: کنت فی سورۃ اقرؤھا فلم احب ان اقطعھا. (اخرجہ، ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصہ میں روایت ہے کہ جب دونوں شخص (کہ صحابیؓ تھے) گھاٹی کے منہ پر پہنچے تو مہاجری لیٹ گئے اور انصاری (جن کی باری پہرہ دینے کی تھی) نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے، اتنے میں ایک شخص (جو کفار کا جاسوس تھا) آیا جب اس نے اس انصاری کو دیکھا سمجھ گیا کہ یہ نگراں ہیں، پس ان کے ایک ایسا تیر مارا کہ ان کے بدن میں پرو دیا، انہوں نے نکال کر پھینک دیا یہاں تک کہ تین تیر مارے، پھر رکوع اور سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوکر (اپنے ساتھی مہاجری) کو جگایا، جب اس جاسوس کو معلوم ہوا کہ لوگوں کو میری خبر ہوگئی ہے تو وہ بھاگ گیا اور جب مہاجری نے انصاری کو خوناں خون دیکھا تو (تعجب سے کہا) سبحان اللہ! تم نے مجھ کو اول ہی تیر مارنے پر کیوں نہ جگالیا، کہنے لگے کہ میں ایک سورت پڑھنے میں مشغول تھا مجھ کو اس کا قطع کرنا اچھا نہ معلوم ہوا۔

ف: نماز اور قرآن اور اطاعت میں لذت حاصل ہونا ایک حال رفیع ہے اور ان صحابی کی حالت اس کے محمود ہونے کی دلیل ہے: کیوں کہ عدم قطع کو "لم احب" سے معلل فرمانے کی یہی توجیہ ہوسکتی ہے۔

۱۴۱- عادت، حلق موئے سر (سر کے بال منڈانا)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من ترک موضع شعرۃ من جنابۃ لم یغسلھا فعل بہ کذا وکذا من النار" قال علی: فمن ثم عادیت راسی ثلثا وکان یجز شعرہ. (اخرجہ ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص جنابت میں ایک بال کی جگہ بھی بے وضو کئے چھوڑ دے دوزخ میں اس کا

[1] ابو داؤد: الطھارۃ، الوضوء من الدم. رقم: ۱۹۸، وسکت عنہ المنذری)

[2] أبو داؤد: الطھارۃ، الغسل من الجنابۃ. رقم: ۲۴۹، قال المنذری: فی اسنادہ عطاء بن السائب، وقد وثقہ أیوب السختیانی، وأخرج لہ البخاری: حدیثا مقرونا بأبی بشر. وقال یحیی بن معین: لایحتج بحدیثہ، وتکلم فیہ غیرہ، وقال: کان تغیر فی أخر عمرہ..... وقال الامام احمد: من سمع منہ قدیماً فھو صحیح، ومن سمع منہ حدیثا لم یکن بشیء، ووافقہ علی ھذا التفرقۃ غیر واحد، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الطھارۃ، تحت کل شعر جنابۃ. رقم: ۵۹۹.

ایسا ایسا حال ہوگا''، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بس اسی وقت سے میں اپنے سر کا دشمن ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ اپنے سر کے بال قطع کرادیتے تھے۔

ف: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ سر کے بال منڈادیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل اس عادت کا ماخذ ہے اور مصلحت اور مبنی اس کا خود حدیث مرفوع میں مذکور ہے کہ احتیاط ہے غسل میں اور دوسری مصلحتوں کا ہونا بھی اس کے منافی نہیں، مثلاً بالوں کی خدمت میں شغل قلب کا ہونا یا بعض اشغال کی حرارت سے بالوں کا موذی ہونا۔

۱۴۲- رسم، حلق شعر وقت البیعۃ (بیعت کے وقت بال منڈوانا)

عن عثیم بن کثیر بن کلیب عن ابیہ، عن جدہٖ انہ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: قد اسلمت فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الق عنک شعر الکفر" یقول: احلق. الحدیث. (أخرجہ ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اسلام قبول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حالت کفر کے بال اتروا ڈالو''، یعنی سر منڈوادو۔

ف: بعض مشاء کا معمول منقول ہے کہ مرید کرنے کے وقت اس کی موتراشی کرتے تھے اس کی اصل اور مصلحت کہ زمانہ معصیت کے اثر کو زائل کرنا ہے، حدیث میں مذکور ہے۔

۱۴۳- عادت، خدمت اہل شیخ بعدہ

(شیخ کی عدم موجودگی یا وفات کے بعد اس کے اہل وعیال کی خدمت کرنا)

عن اسلم قال فی حدیث طویل، وکان عند عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحاف تسع فلا تکون فاکھۃ ولا طریقۃ الا جعل منھا فی تلک الصحاف، فیبعث بھا الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث. (أخرجہ مالک[2])

ترجمہ: اسلم سے حدیث طویل میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نو طباق

---

[1] ابوداؤد: الطھارۃ، الرجل یسلم فیؤمر بالغسل. رقم: ۳۵۶، قال: المنذری: قال عبد الرحمٰن بن ابی حاتم: کلیب۔ والدعثیم۔ بصری. روی عن ابیہ مرسل. ھذا اخر کلامہ. وفیہ أیضا: روایۃ مجہول [2] موطا للامام مالک: الزکاۃ، جزیۃ أھل الکتاب: ص: ۱۲۲ مکتبہ تھانوی.

تھے، سوکوئی میوہ یا اور کوئی عمدہ چیز نہیں ہوتی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ان طباقوں میں لگا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے پاس (کہ نوتھیں) بھیجا کرتے تھے۔

ف: عام اہل طریق کا عمل ہے کہ پیر کی غیبت یا وفات کے بعد ان کے اہل وعیال کی خدمت لازمی طور پر کرتے ہیں، یہ حدیث اس کے محمود ہونے میں صریح ہے۔

۱۴۴- عادت بعض، ترک اللحم (گوشت چھوڑنا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ایاکم واللحم فان لہ ضراوۃ کضراوۃ الخمر وان اللہ یبغض اھل البیت اللحمیین. (أخرجہ مالک[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گوشت (کی کثرت) سے احتیاط رکھا کرو: کیوں کہ اس کی خواہش بھی ایسی ہوجاتی ہے جیسے شراب کی طلب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے گھر والوں کو پسند نہیں کرتے جن کو گوشت کھانے کی (لازمی) عادت ہوجائے۔

ف: بعض درویش دیکھے گئے ہیں کہ گوشت نہیں کھاتے سو اس میں تفصیل ہے اگر اس ترک کی وہ مصلحت ہے جو حدیث میں مذکور ہے یعنی تسہیل قوت بہیمیہ جو مفضی الی المعاصی ہوجاتی ہے، تب تو اس کا مبنی صحیح اور موافق حدیث کے ہے، البتہ گاہ گاہ کھالینا مناسب ہے کہ صورۃ تحریم حلال نہ ہو، اور اگر اس کو کچھ قرب الٰہی میں دخل سمجھتے ہیں تو بدعت ہے، اور اگر عملیات وغیرہ اس کا سبب ہے تو بناء العبث علی العبث ہے اور اگر اس کا منشاء ذبح کو خلاف ترحم علی الحیوان سمجھنا ہے تو الحاد فی الدین ہے۔

۱۴۵- عادت، تقلیل لذات (لذات کو کم سے کم استعمال کرنا)

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ادرکنی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیہ قال: او کلما اشتھیت شیئا اشتریتہ؟ حسب احدکم من السرف ان یاکل کلما اشتھیٰ. (اخرجہ مالک[2])

---

[1] موطا: جامع ماجاء فی الطعام والشراب، ماجاء فی اکل اللحم. اختصاراً علی الجزء الاول فقط. ص: ۳۷۳ تھانوی.

[2] قلت: ما وجدناہ فی "الموطا" للامام مالک وذکرہ السیوطی فی الدر المنثور فی تفسیر اٰیۃ: ﴿اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا﴾ وعزاہ الی سنن سعید بن منصور، والحاکم (۴۵۵/۲) والبیھقی فی الشعب: وذکر نحوہ القرطبی فی تفسیرہ ۲۰۲/۱۲.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا: تم کو جب کسی چیز کی رغبت ہوتی ہے تم اس کو خرید ہی لیتے ہو؟ آدمی کے مسرف ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جس چیز کو جی چاہا کرے وہی کھالیا کرے۔

ف: قریب قریب کل اہل طریق تقلیل لذات کا ایک خاص درجہ میں اہتمام رکھتے ہیں، جو مدلول ہے حدیث کا اور یہ ایک شعبہ ہے مجاہدہ کا۔

۱۴۶-رسم، نذرانہ تعویذ (تعویذ پر نذرانہ لینا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنا فی سفر وفی الحدیث قصة اللدیغ وفیه فقال: مارقیت الابام الکتاب، قلنا: لاتحدثوا شیئا حتی ناتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فنساله، فلما قدمنا ذکرناه له فقال: ومایدریک انها رقیة؟ اقسموا واضربوا لی بسهم. (أخرجه الخمسة الاالنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے اور اسی حدیث میں مارگزیدہ کا قصہ ہے اور اس میں یہ ہے کہ ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے (اس مارگزیدہ کو) صرف سورہ فاتحہ سے جھاڑا تھا (وہ اچھا ہو گیا اور جو معاوضہ میں سو بکریاں ٹھہری تھیں وہ وصول کرلیں پھر) ہم نے (باہم) کہا کہ ابھی (ان بکریوں کے بارے میں) کوئی نئی بات (تصرف وغیرہ) مت کرنا یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر (حکم شرعی) دریافت کرلیں، سو ہم جب حاضر ہوئے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) فرمایا کہ: ”تم کو کیسے خبر ہوگئی کہ سورۂ فاتحہ جھاڑ بھی ہے، (پھر ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ) ان بکریوں کی تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی لگانا“، (یہ اس لئے فرمادیا کہ اس کے حلال ہونے میں شبہ نہ رہے)

---

[1] بخاری: الطب، الرقی بفاتحة الکتاب. رقم: ۵۷۳۶، مسلم: السلام، جواز أخذ الأجرة علی الرقیة بالقران. رقم: ٦٦ (۲۲۰۱) أبوداؤد: البیوع، کسب الأطباء. رقم: ۳۴۱۸) ترمذی: الطب، أذ الأجر علی التعویذ. رقم: ۲۰٦۳) قلنا: وأخرجه ابن ماجة، التجارات، أجر الراقی. رقم: ۲۱۵٦

ف: بعضے تعویذوں میں نذرانہ ٹھہرالینا یا لے لینا بعضے بزرگوں کا معمول ہے اس کا جائز ہونا اور بزرگی کے منافی نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ عمل خلاف شرع نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا خداع نہ ہو جس کی تفصیل رسالہ،''التقی''میں لکھ دی ہے، البتہ خود تعویذ گنڈوں کا مشغلہ غیر منتہی کے لئے بوجہ ہجوم عوام و مرجعیت انام کے مضر باطن ہے۔

۱۴۷- رسم، تفاول از قرآن یا کتب بزرگان

(قرآن پاک یا بزرگوں کی کتابوں سے فال لینا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاعدویٰ ولا طیرۃ ویعجبنی الفال" قالوا: وما الفال؟ قال: "کلمۃ طیبۃ". (أخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:''بیماری لگنا (اس طرح کہ تخلف ہی نہ ہو) کوئی چیز نہیں اور بدشگونی کوئی چیز نہیں اور مجھ کو فال نیک اچھی معلوم ہوتی ہے''، لوگوں نے پوچھا کہ فال نیک کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ:''کوئی دل خوش کن کلمہ ہے'' (کہ کان میں پڑ جائے اور اس کو مطلب سے کچھ مناسبت ہو جیسے کوئی شخص گمشدہ چیز کو تلاش کرتا تھا، اتفاق سے کسی شخص نے دوسرے کو واجد علی نام لے کر پکارا جس کے معنی ہیں پالینے والا تو وہ شخص اس کو سن کر خوش ہو گیا)

ف: بعض اہل عقیدت کو دیکھا گیا ہے کہ کسی ظاہری یا باطنی حاجت کے بارے میں قرآن مجید یا دیوان حافظ یا مثنوی مولوی رومی سے فال لیتے ہیں، اس حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اگر اسی حد تک ہو مضائقہ نہیں اور حاصل اس کا رجاء من اللہ تعالیٰ بأسباب الرجاء ہے، جو بلا تفاول بھی امور محمودہ میں سے ہے اگر اس سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً اس بزرگ کو حاضر و ناظر یا اس جواب کو ان کا تصرف یا اس مضمون کو فیصلہ

---

[1] بخاری: الطب، باب الفال. رقم: ۵۷۵۶، مسلم: السلام، الطیرۃ والفال ومایکون فیہ التشاؤم رقم: ۱۱۱ (۲۲۲۴) أبوداؤد: الطب، باب فی الطیرۃ. رقم: ۳۹۱۵، ترمذی: السیر، ماجاء فی الطیرۃ. رقم: ۱۶۱۵، وقال: حسن صحیح، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الطب، من کان یعجبہ الفال ویکرہ الطیرۃ. رقم: ۳۵۳۷

قطعی سمجھا جائے تو مذموم اور بدعت قریب بشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اسی سے لوٹا گھما کر چور معلوم کرنے کا گناہ معلوم ہوگیا ہوگا۔

۱۴۸- عادت، عدم تصدی یعنی در پے کسے نشدن (کسی کے پیچھے نہ پڑنا)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع، وان استغنیٰ عنہ اغنیٰ نفسہ. (أخرجہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "دین کا عالم بھی خوب ہوتا ہے، اگر اس کے پاس کوئی (دینی) احتیاج پیش کرے تو نفع پہنچاوے (یعنی دین کی تعلیم کرے) اور اگر کوئی اس کے پاس احتیاج نہ پیش کرے تو وہ بھی اپنے آپ کو بے پرواہ کر کے رکھے۔"

ف: جماعت صوفیاء میں اکثر کا مسلک نصیحت کے باب میں یہ ہے کہ زیادہ کسی کے پیچھے نہیں پڑتے ایک دوبار کہہ کر اپنا حق ادا کر دیا اگر مان لیا بہتر ورنہ اپنے شغل میں لگتے ہیں، "اغنی نفسہ" اپنے عموم سے اس عادت کا ماخذ[2] ہے اور دوسری جزئی اس کی یہ بھی ہے کہ اپنی دنیوی حاجت ان کے سامنے پیش نہیں کرتا مگر بقرینہ مقارنت استغنیٰ جزئی اول اقرب ہے۔

۱۴۹- مسئلہ، توارث نسبت (نسبت باطنی کا متوارث ہونا)

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان العلماء ورثۃ الانبیاء" (أخرجہ أبو داؤد)[3]

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: "علماء وارث ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے۔"

ف: اہل طریق میں مشہور ہے کہ نسبت باطنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث

---

[1] الفردوس للدیلمی ۴/ ۲۵۱ رقم: ۲۷۴۲۔ [2] وکذا قولہ تعالیٰ، أما من استغنیٰ فأنت لہ تصدی ۱۲۔ [3] قلنا: وأخرجہ البخاری، العلم، العلم قبل القول والعمل. (تعلیقا أبو داؤد: العلم، فضل العلم. رقم: ۳۶۴۱، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، المقدمۃ، فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم: ۲۲۳.

چلی آتی ہے، اس حدیث سے اس کا اس طرح اثبات ہوتا ہے کہ دوسری حدیثوں سے علم کا مصداق وحقیقی علم فی القلب ثابت ہوتا ہے، اور اس کو موروث عن الانبیاء فرمایا، یہی حاصل ہے مسئلہ مذکورہ کا، اور انبیاء کے جمع لانے کی یہ توجیہ ہے کہ ہر امت کے علماء کو یہ دولت اپنے اپنے پیغمبر سے پہنچی خواہ بواسطہ یا بلاواسطہ۔

۱۵۰-اصلاح، کف لسان عن الدقائق عند العوام

(عوام کے سامنے تصوف کی باریکیاں بیان کرنے سے گریز کرنا چاہئے)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی بات کرو جس کو وہ سمجھیں، کیا (سمجھ سے باہر باتیں کر کے) تم اس کو پسند کرتے ہو کہ خدا اور رسول کی تکذیب کی جائے (یعنی جب وہ بات قرآن وحدیث سے صراحۃً یا استدلالاً ثابت ہے تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی ہوا اور چونکہ سمجھ سے باہر ہے اس لئے عوام کریں گے اس کی تکذیب، پس تم سبب ہوئے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے اور چوں کہ ضروریاتِ دین میں سے کوئی امر ایسا نہیں۔ ہے لہٰذا یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں بعض دین کا کتمان لازم آتا ہے)

ف: بعضے بے باک صوفی عوام کے سامنے بے تکلف تصوف کے دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام تو ان کو خلاف شریعت سمجھ کر ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے باوجود ان کی حقیقت نہ سمجھنے کے ان کو مان کر قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ ورسولؐ کی تکذیب کا تحقق ہوا، "والثانی أشد من الأول" اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

۱۵۱-مخاطب کی عقل کیمطابق کلام کرنے کی ضرورت

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: ما انت بمحدث قوماً حدیثاً لایبلغہ عقولھم، الا کان لبعضھم فتنۃ. (أخرجه مسلم[2])

---

[1] بخاری: العلم، من خص بالعلم قوما دون قوم کراھیۃ أن لایفھموا. رقم: ۱۲۷

[2] مسلم: فی مقدمۃ کتابہ، النھی عن الحدیث بکل ماسمع. رقم: ۱۴.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم کسی قوم سے ایسی بات کروگے کہ وہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہوتو وہ ضرور بعضوں کے لئے خرابی کا باعث ہوگی۔

ف: اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۲-رسم، کتابت ملفوظات

عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت اکتب کل شیء سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فنهتنی قریش وقالوا: تکتب کل شیء تسمعه ورسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بشریتکلم فی الرضا والغضب، فامسکت عن الکتابة حتی ذکرت ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاوما باصبعه الیٰ فمه وقال: "اکتب فوالذی نفسی بیده مایخرج منه الا حق". (أخرجهٗ أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہا کہ تم سب کچھ لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آخر) بشر ہیں خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں کلام فرماتے ہیں (اور ناخوشی میں احتمال ہوتا ہے کلام میں کمی بیشی ہو جانے کا) میں لکھنے سے رک گیا یہاں تک کہ میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے دہن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس منہ سے بجز حق بات کے اور کچھ نہیں نکلتا (نہ حالت رضا میں نہ حالت غضب میں یعنی ہم دوسروں لوگوں کی طرح مغلوب الغضب نہیں ہوتے کہ غصہ میں جو چاہے منہ سے نکل گیا)

ف: اکثر معتقدین اپنے معتقد علیہم کے ملفوظات جمع کیا کرتے ہیں، اس حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور جواز کے ساتھ یہ بھی تاکید نکلتی ہے کہ اس جمع میں نہایت احتیاط درکار ہے: کیوں کہ مشائخ میں بشریت مظنہ ہے صدور خطا کا اور مانع عن الخطا یعنی عصمت متحقق نہیں۔

[1] أبو داؤد: العلم، کتابة العلم. رقم: ۳۶۴۶، وسکت عنه المنذری.

۱۵۳-رسم، کتابت ارشادِ ربانی یا شجرۂ سند برائے مرید

(پیر کے ملفوظات یا شجرۂ سند مرید کو لکھوانا)

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر قصة فى الحديث، فقال ابوشاه: اكتبوا لى يا رسول الله! فقال: "اكتبوا لابى شاه". (أخرجه الترمذى وصححه[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا، پھر راوی نے حدیث میں ایک مضمون ذکر کیا ہے، (خطبہ سن کر) ابوشاہ نے عرض کیا کہ یہ مضمون مجھ کو لکھ دیجئے یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوشاہ کو لکھ دو۔"

ف: اس حدیث سے زبانی تلقین وارشاد کئے ہوئے امر کے مقید بالکتابۃ کردینے کا موافق سنت ہونا ثابت ہوا، اہل طریقت کی یہ سب عادتیں اس میں داخل ہوگئیں: ذکر و شغل کا طریقہ یاد کے لئے لکھ کر دے دینا، شجرہ لکھ کر دینا، سند خلافت لکھ دینا۔

۱۵۴-مسئلہ، ضرورت تکوینیہ قبائح در عالم

(تکویناً دنیا میں قبائح یعنی کفر و معصیت کا وجود بھی مطلوب ہے)

عن ابى ايوب رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لولا انكم تذنبون لذهب الله تعالىٰ بكم وخلق خلقاً يذنبون فيغفرلهم". (أخرجه مسلم والترمذى[2])

ولمسلم عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه نحوه وزاد فيستغفرون.

زاد رزين قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذى نفسى بيده لو لم تذنبوا لخشيت عليكم ماهو اشد منه وهو العجب".

---

[1] ترمذى: العلم، الرخصة فيه. رقم: ۲۶۶۶، وقال: حسن صحيح.

[2] مسلم: التوبة، سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة. رقم: ۹(۲۷۴۸) عن ابى ايوب رضى الله تعالىٰ عنه، ترمذى: الدعوات، باب (لولا أنكم تذنبون لخلق الله خلقاً يذنبون فيغفرلهم) رقم: ۳۵۳۹، وقال: حسن غريب. عن ابى ايوب رضى الله تعالىٰ عنه، ومسلم: ايضاً فى المصدر السابق، عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه. رقم: ۱۱(۲۷۴۹) وزاد رزين: والذى نفسى بيده لولم تذنبوا لخشيت عليكم ماهو أشد منه وهو العجب، ذكره الذهبى: فى ميزان الاعتدال فى ترجمة سلام بن أبى الصهباء. وقال: ما أحسنه من حديث لوصح.

ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس عالم سے لے جاتا اور ایک مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے، پھر (حسب زیادت روایت مسلم) وہ استغفار کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرتا''، (روایت کیا اس کو مسلم اور ترمذی نے)

اور رزین نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو مجھ کو اس سے زیادہ سخت چیز کا تم پر اندیشہ تھا اور وہ عجب یعنی خود بینی ہے۔''

ف: اقتضاء اسماء الٰہیہ ظہورہ دیگر

(حق تعالیٰ کے تمام اسماء مقتضی ظہور ہیں)

ف: تعلیم، حکمت بعض انواع قبض

اول کے دو مسئلے مسلم اور ترمذی کی روایت سے ثابت ہوتے ہیں، اول مسئلے کی تقریر یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ عالم میں تشریعاً تو صرف ایمان و طاعت ہی مطلوب ہے مگر تکویناً کفر و معصیت بھی ضروری التحقق و مطلوب الوجود ہے۔

اور دوسرا مسئلہ جو بمنزلت حکمت مسئلہ اولیٰ کے ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام اسماء جمیل ہیں اور جمیل ہونے کی وجہ سے مقتضی ظہور ہیں اور ہر ایک کا ظہور خاص خاص حوادث کے تحقق کو مقتضی ہے۔

حدیث کی دلالت مسئلہ اولیٰ پر ظاہر ہے کہ ذنوب کی ضرورت صدور کو کس اہتمام سے فرمایا، اور مسئلہ ثانیہ پر نیز دلالت **لیغفرلھم** میں تأمل کرنے سے معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ حکمت اس ضرورتِ مذکورہ کی اپنی مغفرت کو فرمایا جس کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک غفار بھی ہے، اس کا ظہور اسی طرح ہے کہ عالم میں ذنوب کا وجود ہو اور اس سے غفار کا تعلق ہو، ان ہی دونوں مسئلوں کی طرف حافظ شیرازیؒ نے نہایت لطیف طور پر اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

درکارخانہ عشق از کفر ناگزیر است　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

کارخانۂ عشق سے مراد کارخانہ عالم ہے بوجہ اس کے کہ حسب قول مشہور "فاحببت أن أعرف فخلقت الخلق"، سبب خلق عالم کا، حب ومعروفیت ہے اور حب وعشق باہم مترادف ہیں، پس حاصل یہ ہوا کہ منتقم مثلاً مقتضی ظہور ہے اور وہ موقوف ہے وجودِ کفر پر، اور یاد رکھنا چاہئے کہ اقتضاء سے مراد اقتضاء اضطراری نہیں "تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً" اور نہ مقصود اس سے ترغیب دینا ہے معاصی پر للزوم التعارض بین النصوص، بلکہ ایک حکمت بیان کر کے مقصود تقویت قلب تائب عن المعاصی بعد صدور المعاصی ہے۔

اور تیسرا مضمون یعنی حکمت بعض انواع قبض "رزین" کی روایت سے ثابت ہے، جس کو مشائخ اپنی تعلیمات میں ارشاد فرمایا کرتے ہیں، یعنی قبض کی ایک نوع وہ ہے جو صدور معصیت سے ہو، بعض اوقات سالک صدور معصیت کے بعد اس قدر دل گیر اور تنگ ہوتا ہے کہ اگر اس کو سنبھالا نہ جائے تو یا تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے یا نا امید ہو کر معطل محض ہو جائے، اور سب ذکر وطاعت کو چھوڑ بیٹھے ایسے وقت اس کو اس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اگر معصیت صادر ہوگئی تو توبہ کر لو اور بعد توبہ کے اس قدر پریشان اور مایوس مت ہو: کیوں کہ اس میں بھی ایک حکمت تھی وہ یہ کہ شاید عدم صدور سے تم میں عجب پیدا ہو جاتا، خدا تعالیٰ نے اس کا علاج کر دیا، سو اس مضمون سے اس کو توبہ کا عزم اور طاعت کی طرف عود پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مامور بہ ہے، خوب سمجھ لو۔

۱۵۵- حال، ادلال (ناز)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: حدثنی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما کان یوم بدر نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المشرکین وهم الف، واصحابه ثلث مائة وتسعة عشر رجلا، فاستقبل القبلة، ثم مدیدیه، فجعل یهتف بربه یقول: "اللهم انجزلی ماوعدتنی، اللهم اتنی ماوعدتنی اللهم ان تهلک هذه العصابة من المسلمین لاتعبد فی الارض" فما زال یهتف بربه مادا یدیه حتی سقط رداء ہ عن منکبیه. الحدیث (أخرجه مسلم والترمذی[1])

---

[1] مسلم: الجهاد، الامداد بالملائكة فی غزوة بدر، رقم: ۵۸ (۱۷۶۳) ترمذی: تفسیر القران، سورة الأنفال. رقم: ۳۰۸۱، وقال: حسن صحیح غریب.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکایت بیان کی کہ جب غزوۂ بدر کا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تین سوانیس تھے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دونوں ہاتھ (دعا کے لئے) دراز کر کے حق تعالیٰ کو پکارنے لگے اور یوں فرمانے لگے کہ: "اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا فرمائیے، اے اللہ! مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا فرمائیے، اے اللہ! اگر یہ جماعت مسلمانوں کی فنا ہوگئی تو پھر زمین میں آپ کی عبادت نہ ہوگی" (کیوں کہ بجز ان کے اور کوئی عابد نہیں ہے) پس آپ برابر اسی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں سے کھسک کر گر گئی۔

ف: ادلال جس کا ترجمہ ناز ہے ایک حال ہے جو بعض محبین کو غلبۂ انس وانبساط میں کہ ایک نوع ہے محبت کی پیش آیا ہے، اس حدیث کا مضمون صاف ناشی ہے، اسی ادلال سے کامل اور غیر کامل میں اتنا تفاوت ہے کہ کامل کا قول وفعل اس حالت میں بھی حد ادب سے متجاوز نہیں ہوتا، غیر کامل سے احیاناً ایسا بھی ہو جاتا ہے اسی **"لاتعبد"** کے مضمون کو حافظ شیرازیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے:

سایۂ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد   ما با و محتاج بودیم او بما مشتاق بود

ای عبدیت مارا خواہاں بود فعبر عن الارادۃ بالاشتیاق۔

۱۵۶- حال، کشف عالم غیب

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ غزوۃ احد قول انس بن النضر قال: یاسعد بن معاذ الجنۃ ورب النضر، انی لاجد ریحھا من دون احد. الحدیث (أخرجہ الشیخان والترمذیؒ)[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوۂ احد میں ان کے چچا

---

[1] بخاری: الجھاد، باب قول اللہ عزوجل: من المومنین رجال صدقوا ماعھدوا اللہ علیہ الآیۃ. رقم: ۲۸۰۵ مسلم: الامارۃ، ثبوت الجنۃ للشھید. رقم: ۱۴۸: (۱۹۰۳) ترمذی: تفسیر القران، سورۃ الأحزاب. رقم: ۳۲۰۰ وقال: : حسن صحیح.

حضرت انس بن النضر کا قول مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اے سعد بن معاذ! قسم ہے نضر کے پروردگار کی کہ جنت کی خوشبو پاتا ہوں جبل احد کے پیچھے سے۔

ف: عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو، حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے۔

۱۵۷- حال، کشف ملائکہ دیگر (کسی کو فرشتوں کا نظر آ جانا)

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیت علیٰ یمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ شمالہ یوم احد رجلین، علیھما ثیاب بیض، یقاتلان کاشدّ القتال ما رأیتھما قبل ولا بعد، یعنی جبرئیل ومیکائیل. (أخرجہ الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے بائیں دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور بہت سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا یعنی وہ دونوں شخص جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام تھے۔

ف: مسئلہ، تمثل

حضرت جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام کا نظر آ جانا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث میں صریحاً مذکور ہے، اور اسی طرح آدمی کی شکل میں متمثل ہونا بھی جس کی شرح سب سے اول حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اگر یہ فرشتے اوروں کو بھی نظر آتے تھے تب تو مدلول حدیث مسئلہ تمثل ہے اور اگر اوروں کو نظر نہ آتے تھے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔

۱۵۸- حال، کرامت

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ غزوۃ الرجیع من الحدیث الطویل عن بعض بنات الحارث کانت تقول: مارأیت اسیراً قط خیراً من خبیب، لقد رأیتہ یاکل من قطف عنب، وما بمکۃ یومئذ ثمرۃ وانہ لموثق بالحدید، وماکان الا رزقاً رزقہ اللہ خبیبا، وفیہ: وبعثت قریش الیٰ عاصم لیؤتوا بشیء من جسدہ بعد موتہ

[1] بخاری: المغازی، باب اذھمت طائفتان منکم أن تفشلا. رقم: ۴۰۵۴، مسلم: الفضائل، اکرامہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتال الملائکۃ معہ. رقم: ۴٦ (۲۳۰٦)

وكان قتل عظيما من عظمائهم يوم بدر فبعث الله عليهم مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم، فلم يقدروا منه على شيء. (أخرجه البخاری وأبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوۂ رجیع کے متعلق ایک حدیث طویل میں یہ قصہ حارث کی ایک دختر سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ: میں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اچھا آدمی کوئی قیدی نہیں دیکھا، میں نے ان کو انگور کا خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا اور اس وقت مکہ میں میوہ یا پھل کا کہیں نام ونشان نہ تھا اور خود وہ لوہے میں مقید تھے وہ محض ایک (غیبی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب ؓ کو عطا فرمایا تھا، اور اسی حدیث میں (یہ قصہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا) ہے کہ قریش نے عاصم کی طرف کچھ آدمی روانہ کیے تاکہ ان کی لاش کا کوئی جزو (کاٹ کر) لے آئیں اور (وجہ اس کی یہ تھی کہ) انہوں نے قریش کے بڑے سردار کو بدر کے دن قتل کیا تھا (اس لئے نشان کے واسطے لاش کا جزو منگاتے تھے کہ دیکھ کر خوشی اور تسلی زائد ہو) پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر سائبان کی طرح (یعنی بکثرت) بھڑوں کو بھیج دیا اور انہوں نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کی لاش) کو قریش کے فرستادوں سے محفوظ رکھا غرض وہ لوگ ان پر ذرا قادر نہ ہوئے۔

ف: حدیث میں حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم کرامتیں مذکور ہیں جو کہ بشرط اتباع شریعت اہل اللہ کے حالات رفیعہ میں سے ہے۔

۱۵۹- حال، اشتیاق موت

عن انس رضی الله تعالىٰ عنه فی قصة غزوة بئر معونة قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم قوماً من بنی سليم الى بنی عامر. وفی رواية: بعث خالی حراماً اخا لام سليم فی سبعين راكبا، فلما قدموا، قال لهم خالی: اتقدمكم فان امنونی حتى ابلغهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والا كنتم منی قريبا، فتقدم فامنوه فبينما هو يحدثهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اومئوا الى رجل منهم فطعنه فانفذه فقال: الله اكبر، فزت ورب الكعبة. الحديث (أخرجه الشيخان[2])

[1] بخاری: الجهاد، هل يستأسر الرجل ومن لم يستأسر، ومن صلى ركعتين عند القتل، رقم: ۳۰۴۵، أبو داؤد: الجهاد، الرجل يستأسر. رقم: ۲٦٦۰.

[2] بخاری: الجهاد، من ينكب او يطعن فی سبيل الله. رقم: ۲۸۰۱، بخاری: المغازی، غزوة الرجيع، ورعل...... وبئر معونة. رقم: ۴۰۹۲، مسلم: الامارة ثبوت الجنة للشهيد. رقم: ۱۴۷ (٦٧٧)

وفی روایة البخاری عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه یقول: لما طعن حرام بن ملحان یوم بئر معونة قال (ای اخذ) بالدم هکذا فتضحه علی وجهه وراسه، ثم قال: فزت ورب الکعبة.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قصہ غزوہ بیر معونہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلیم میں سے ایک جماعت کو (کہ مسلمان تھے) بنی عامر کے پاس (کہ کافر تھے) تبلیغ دین کی غرض سے بھیجا، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے (یعنی انس کے) ماموں حرام بن ملحان کو کہ ام سلیم (والدہ انس) کے بھائی تھے ہمراہی ستر سواروں کے بھیجا، جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ان سے میرے ماموں نے کہا کہ میں آگے جاتا ہوں اگر ان لوگوں نے مجھ کو اتنا امن دیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کو پہنچا سکا تو خیر، ورنہ اس وقت تم میرے پاس آ جانا غرض وہ آگے بڑھے اور ان لوگوں نے (ظاہر میں) امن دیا، پس اس درمیان میں کہ وہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بات چیت کر رہے تھے کہ دفعتہً ان لوگوں نے اپنے میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا اس نے ایک نیزہ مارا اور پار کر دیا یہ (خوشی کے جوش میں) بول اٹھے اللہ اکبر قسم رب کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب ان کے یوم بیر معونہ میں نیزہ لگا تو خوش ہو کر خون کو اس طرح لے کر اپنے چہرے اور سر پر چھڑکا (اور ملا) پھر کہا قسم ہے رب کعبہ کی میں مراد کو پہنچ گیا۔

ف: ان کے اس قول اور فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس عاشقانہ موت کی شدت سے تمنا اور اشتیاق تھا جس کے حصول پر شدت سے خوش ہوئے پس عشاق کے کلام میں جو یہ مضمون بکثرت پایا جاتا ہے، یہ اس کی اصل ہے۔

ف: قول، وضوء بخون (خون سے وضوء کرنا)

اور نیز بعض عشاق کے کلام میں خون سے وضو کرنے کا مضمون آیا ہے چہرہ پر خون ملنا اس مضمون کا پورا نقشہ ہے۔

۱۶۰-عادت بعض، سماع برائے تنشیط روح

(روح میں نشاط پیدا کرنے کے لئے سماع کا سننا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الخندق، فاذا المھاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ، ولم یکن لھم عبیدٌ یعملون ذٰلک لھم، فلما رأی مابھم من النصب والجوع قال:

اللھم ان العیش عیش الأخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ

فقالوا مجیبین لہ:

نحن الذین بایعوا محمداً علی الجھاد مابقینا ابداً

(أخرجہ الشیخان والترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف متوجہ ہوئے اور مہاجرین وانصار سردی میں صبح کے وقت اس کو کھودتے تھے اور ان کے پاس غلام نہ تھے کہ اس کام کو کرلیتے جب آپ نے ان کی مشقت اور فاقہ کی حالت دیکھی تو (ان کے دل بڑھانے کو) دعا کی: ''اے اللہ! عیش تو آخرت ہی کا ہے سو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے''، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب میں (یہ کلام منظوم) عرض کیا نحن الذین الخ یعنی ہم وہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے۔

ف: بعض اہل طریق کا یہ مذاق ہوا ہے کہ جب اسبابِ عارضہ سے طبیعت میں ملال یا فتور یا انقباض ہوا ہے، اس کے رفع کے لئے موافق شرائط اباحت کے قدرے سماع سن لیا ہے، تاکہ نشاط پیدا ہوکر طاعت مقصودہ سہل ہوجائے، پس مقصود طاعت ہوتی تھی اور سماع معین اس مقصود کا، اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے کہ حفر خندق جو اس وقت طاعت تھی اور جوع ونصب مظنہ فتور کا تھا اس میں کلام منظوم سے نشاط وانسداد کسل کا کام لیا، تأمل کرنے سے یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے باقی سماع کو خود مقصود بنالینا یا اس میں رعایت شرائط کی نہ کرنا تلعب بالدین ہے۔

[1] بخاری: الجھاد، التحریض علی القتال. رقم: ۲۸۳۴، مسلم: الجھاد، غزوۃ الأحزاب. رقم: ۱۲۷، ۱۲۸ (۱۸۰۵) ترمذی: المناقب، مناقب سھل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۳۸۵۷، وقال: حسن صحیح غریب.

۱۶۱-شہادت کی تمنا کرنا

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لما رجع النبی صلی الله علیه وسلم من الخندق، الحدیث. وفیه: کان سعد اصیب یوم الخندق فی اکحله فضرب علیه صلی الله علیه وسلم خیمة فی المسجد لیعوده من قریب، فقال سعد: اللهم انک تعلم انه لیس قوم احب الی ان اجاهدهم فیک من قوم کذبوا رسولک واخرجوه، اللهم فانی اظن انک قد وضعت الحرب بیننا وبینهم فان کان بقی من حرب قریش شیء فابقنی له حتی اجاهدهم فیک، وان کنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتی فیها فانفجرت من لیلته فلم یرعهم وفی المسجد الا الدم یسیل الیهم فاذا سعد یغذ جرحه دما فمات منها. (أخرجه الشیخان[1])

۱۶۲-حال، کشف وکرامت

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: ان سعد بن معاذ رمی یوم الاحزاب قطعوا اکحله او ابجله، فحسمه رسول الله صلی الله علیه وسلم بالنار، فانتفخت یده فترکه، فنزفه الدم فحسمه أخریٰ فانتفخت یده فلما رای ذٰلک قال: اللهم لاتخرج نفسی حتی تقر عینی من بنی قریظة، فاستمسک عرقه فما قطر قطرة حتی نزلوا علی حکمه، فحکم فیهم ان تقتل رجالهم وتستحی نسائهم فقال: صلی الله علیه وسلم: "اصبت حکم الله فیهم" وکانوا اربع مائة فلما فرغ من قتلهم انفتق عرقه فمات. (أخرجه الترمذی وصححه[2])

ترجمہ: ان دونوں حدیثوں میں ایک ہی صحابی کا قصہ ہے یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، سو پہلی حدیث میں تو یہ قصہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے لوٹ کر تشریف لائے، اسی میں یہ قصہ ہے کہ یوم خندق میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگِ ہفت اندام میں تیر لگا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے کہ قریب ہی سے عیادت فرماتے رہیں گے ان کے لئے مسجد میں

---

[1] بخاری: المغازی، مرجع النبی صلی الله علیه وسلم من الأحزاب رقم: ۴۱۲۲، مسلم: الجهاد، جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحض علی حکم حاکم عادل أهل لحکم. رقم: ۶۷ (۱۷۶۹) قلنا: وأخرجه النسائی، المساجد، ضرب الخباء فی المسجد رقم: ۷۱۱.

[2] ترمذی: السیر، ماجاء فی النزول علی الحکم. رقم: ۱۵۸۲، وقال: حسن صحیح.

ایک خیمہ لگادیا تھا، (ایسی جگہ جہاں نمازیوں کو تنگی نہ ہو جس طرح اعتکاف والے پردہ وغیرہ باندھ لیتے ہیں کہ محفوظ جگہ میں پریشانی و ہجوم وغیرہ سے امن رہتا ہے) پس حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! آپ کو خوب معلوم ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان کو مکہ سے جلاوطن کیا (مراد قریش ہیں) ان کے ساتھ جہاد کرنا جس قدر مجھ کو محبوب ہے اتنا کسی قوم کے ساتھ نہیں (یہ تمہید ہے اگلی دعا کی) اے اللہ! میرا یہ گمان ہے کہ آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان میں لڑائی موقوف کردی ہے، یعنی میرا یہ خیال ہے کہ اب ہمارا ان کا کوئی معرکہ ہونیوالا نہیں ہے۔ سو اگر (میرا یہ خیال غلط ہے اور) قریش کے ساتھ کوئی معرکہ ہونا باقی ہے تو مجھ کو زندہ رکھئے یہاں تک کہ میں آپ کی راہ میں ان سے جہاد کروں، اور اگر میرا یہ گمان صحیح ہے اور واقعی آپ (ہمارے اور ان کے) معرکہ جنگ کو موقوف کر چکے ہیں تو میرے زخم کو جاری کر دیجئے، چنانچہ اسی رات کو وہ رگ کھل گئی اور دفعۃً اہل مسجد نے دیکھا کہ ان کی طرف خون بہا ہوا آرہا ہے، دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے پس اسی میں انتقال فرمایا۔

(اور دوسری حدیث میں یہ قصہ ہے کہ) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم احزاب میں (کہ یوم خندق کا ایک یہ بھی نام ہے) تیر لگا جس سے شہ رگ (یعنی ہفت اندام کٹ گئی، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون تھمنے کے لئے) اس پر آگ کا داغ دیا سو اس سے خون تو تھم گیا مگر ان کا ہاتھ ورم کر گیا (کیوں کہ خون کی آمد جوش پر تھی) پھر (جوش سے) خون جاری ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس پر داغ دیا سو پھر (خون تھم کر) ہاتھ ورم کر گیا، جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو دعا کی کہ اے اللہ! میری جان نہ نکلے جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ کی طرف سے ٹھنڈی نہ ہو جائیں، (بنو قریظہ ایک قوم ہے یہود کی انہوں نے احزاب کی اعانت کی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر ان کو سزا دینے کی طرف متوجہ ہوئے تھے اور ان کا محاصرہ کرلیا تھا، مطلب ان کی دعا کا یہ ہے کہ میں آنکھوں سے ان کی اس شرارت کی سزا دیکھ لوں جب مروں) چنانچہ ان کی رگ کا

خون بند ہو گیا اور ایک قطرہ بھی نہ نکلا یہاں تک کہ (محاصرہ سے تنگ آ کر) بنو قریظہ ان ہی حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے پر قلعہ سے اترے اور باہر آئے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ درخواست کی کہ ہم باہر آتے ہیں اس شرط پر کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمارے لئے تجویز کریں وہی کارروائی ہم سے کی جائے، گمان ان کا جاہلیت کے تعلقات کی وجہ سے یہ تھا کہ یہ ہماری رعایت کریں گے حالاں کہ تعلق مع اللہ نے سب تعلقات مخالفہ کو قطع کر دیا تھا) سو انہوں نے موافق قاعدہ شریعت کے ان کے مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا کہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں کو (اور اسی طرح بچوں کو) زندہ رکھا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تم نے (اس فیصلہ میں) خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق کیا“ اور یہ لوگ چار سو تھے، جب (حسب فیصلہ مذکورہ) ان کے قتل سے فراغت ہوئی وہ رگ پھٹ پڑی اور ان کا انتقال ہو گیا۔

ف: اس میں ان کا کشف تو یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ میرے خیال میں ہماری اور قریش کی معرکہ آرائی موقوف ہو گئی ہے، چنانچہ اس کے بعد کوئی معرکہ کی لڑائی نہیں ہوئی، صرف فتح مکہ میں یونہی خفیف سا مقابلہ ہوا کہ جس کو مقاتلہ کہنے میں خود علماء کا اختلاف ہے چنانچہ مکہ کا عنوۃً یا صلحاً فتح ہونا فقہاء میں مختلف فیہ ہے۔

اور کرامت ان کی دو مذکور ہیں ایک خون جاری کا بند ہو جانا جیسا دوسری حدیث میں ہے، اور ایک بند خون کا جاری ہو جانا جیسا پہلی حدیث میں ہے، اور دونوں دعاؤں میں کچھ تعارض نہیں، تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اول خون جاری ہو، پھر ان کی دعاء مذکور فی الحدیث الثانی سے بند ہو گیا ہو، پھر دعاء مذکور فی الحدیث الاول سے جاری ہو گیا ہو، پس حدیث ثانی میں راوی کا فلما فرغ الخ کہنا اختصار فی البیان ہوا اور مطلب یہ ہو۔

فلما فرغ ودعا بما فی الحدیث الأول انفتق الخ.

ف: حال، حبِ حیات وحبِ موت

بعض اہل اللہ کے کلام سے حبِ حیات اور بعض کے کلام سے حبِ موت مفہوم ہوتی

ہے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاؤں سے دونوں کی اصل مع توجیہ کے معلوم ہوتی ہے، کہ حب حیات کی توجیہ حب اشتغال بالطاعات ہے، كما قال فان بقي الخ وقال لاتخرج الخ لأن السرور بذل الكفار طاعة أيضا اور حب موت کی وجہ بجز شوق لقاء وصوان دین کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔

۱۶۳-عادت، مبالغہ در محبت واحترام شیخ

عن عروة بن الزبير عن المسور بن مخرمة ومروان، (الحديث الطويل) وفيه من قصة الحديبية ثم ان عروة بن مسعود جعل يرمق اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم بعينيه قال: فو الله مايتنخم رسول الله بنخامة الا وقعت فى كف رجل منهم فدلک بها وجهه وجلده، واذا امرهم ابتدروا امره، واذا توضا كادوا يقتتلون علىٰ وضوء ه، واذا تكلم خفضوا اصواتهم عنده، ومايحدون النظر اليه تعظيما له، وفى هذا الحديث: قال عمر بن الخطاب. فاتيت نبى الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا نبى الله! الست نبى الله حقا؟ قال: "بلى" قلت: السنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: "بلى" قلت: فلم نعطى الدنية فى ديننا اذن؟ قال: "انى رسول الله ولست اعصيه وهو ناصرى" قلت: او ليس كنت تحدثنا انا سنافى البيت ونطوف به؟ قال: "بلىٰ" افاخبرتک انک تاتيه العام؟" قلت: لا، قال: "فانک اٰتيه ومطوف به" قال فاتيت ابابكر، فقلت: يا ابابكر، اليس هذا نبى الله حقا، قال: بلىٰ، قلت: السنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: بلىٰ، قلت: فلم نعطى الدنية فى ديننا اذن؟ فقال: ايها الرجل انه رسول الله ولن يعصى ربه وهو ناصره فاستمسک بغرزه فوالله انه على الحق، قلت: اليس كان يحدثنا انا سناتى البيت ونطوف به؟ قال: بلىٰ، افاخبرک انک تاتيه العام؟ قلت: لا، قال: فانک اٰتيه ومطوف به، قال عمر: فعملت لذٰلک اعمالا. الحديث. (أخرجه البخارى أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسور بن مخرمہ اور مروان سے حدیث طویل روایت کی ہے اور اس میں من جملہ قصہ حدیبیہ کے یہ حکایت بھی ہے کہ عروہ بن مسعود (ایک از رؤسائے مکہ جو بغرض تجسس حال مسلمین وگفتگوئے معاملہ صلح وغیرہ آیا تھا وہ)

---

[1] بخارى: الشروط، الشروط فى الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط. رقم: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، أبوداؤد: الجهاد، صلح العدو باختصار. رقم: ۲۷۶۵، ۲۷۶۶.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا، اس کا قول ہے: واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھنکار کر تھوکتے تھے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا تھا اور وہ اس کو اپنے منہ پر اور بدن پر مل لیتا تھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کسی کام کی فرمائش کرتے تو اس کے کرنے کو سب دوڑتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی لینے پر لڑتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو وہ اپنی آوازوں کو آپ کے سامنے بالکل پست کر لیتے تھے، اور آپ کو تیز نگاہ بھر کر نہ دیکھتے تھے، بسبب آپ کی غایت تعظیم کے۔

اور اسی حدیث میں یہ قصہ بھی ہے (یہ اس وقت کے متعلق ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی صلح کو منظور فرمالیا اور باقتضائے وقت بعض شرطیں اس صلح میں بظاہر ایسی تھیں جس سے مسلمانوں کے دبنے کا شبہ ہوسکتا تھا پس اس کے متعلق یہ قصہ ہوا) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا (اس وقت یہ جوش میں تھے ان کو وہ شرائط ناگوار تھیں) اور عرض کیا، یا نبی اللہ! کیا آپ سچے نبی اللہ نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں''؟ میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف ناحق پر نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں''، میں نے عرض کیا: تو پھر اس حالت میں ہم دین کے بارے میں کیوں ذلت گوارا کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا ہوں (سو جو کچھ میں نے اس وقت کیا وہ حکم خداوندی کے خلاف نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ (انجام کار) مجھ کو غالب کرنے والا ہے''، (گو کسی حکمت سے اس میں قدر توقف ہو) میں نے عرض کیا: کیا آپ ہم سے فرمایا نہ کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ (یعنی پھر صلح توڑ کر ابھی کیوں نہ جا گھسیں) آپ نے فرمایا: ''ہاں یہ تو کہا تھا، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ میں جاؤ گے''؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو تم ضرور (وقت موعود پر) بیت اللہ میں جاؤ گے بھی اور اس کا طواف بھی کرو گے''، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے پاس پہنچا (ان کا جوش اس وقت تک فرو نہ ہوا تھا، اسی کے غلبہ میں یہ وہاں پہنچے) اور میں نے کہا (آگے وہی اوپر کے سوالات ہیں اور وہی جوابات ان کو ملے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا) کہ اے ابوبکرؓ کیا یہ (یعنی حضور) سچے نبی اللہ نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف ناحق پر نہیں ہیں؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں، میں نے کہا تو پھر اس حالت میں ہم دین کے بارے میں ذلت کیوں گوارا کریں، انہوں نے فرمایا کہ مرد خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کرنے والے ہیں، پس تم آپ کی رکاب مضبوط پکڑے رہو، (یعنی اتباع وامتثال وتسلیم میں مستقیم رہو) واللہ بلاشبہ آپ حق پر ہیں، میں نے کہا کہ کیا آپ ہم سے فرمایا نہ کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ میں جائیں گے، اور اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ تو فرمایا تھا لیکن کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ میں جاؤ گے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے فرمایا تو تم ضرور بیت اللہ میں جاؤ گے بھی اور اس کا طواف بھی کرو گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس جرأت کے تدارک کے لئے بہت سے اعمال (صالحہ) کئے (کہ یہ صورت گستاخی کی معاف ہو)

ف: حدیث اول کے ٹکڑے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جو برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذکور ہے اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ جو عملاً بمنزلہ ملتزم اہل طریق ہے کہ شیخ سے محبت درجۂ جاں بازی تک رکھتے ہیں، اور احترام سلاطین سے زیادہ کرتے ہیں البتہ شرع سے تجاوز نہ ہونا چاہئے۔

ف: حال، فنا فی الشیخ

حدیث میں اس کی تصریح تو نہیں مگر غور کرنے سے استدلال سے اس کا ثبوت بہت واضح ہے، یعنی حدیث کے آخری ٹکڑے میں جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوابوں کا لفظاً ومعنیً اتحاد اجوبہ نبویہ کے ساتھ مذکور ہے، اس سے بخوبی ثابت ہے کہ قلب صدیقی قلب نبوی کے ساتھ ایسا متصل تھا کہ ایسے علوم واحوال کا بعینہٖ فیضان ہوتا تھا اور ایسا اتصال بدلیل عادت خواص فنا فی الشیخ سے ہے اور خاصہ کا وجود دلیل یقینی ہے وجود ذی

خاصہ کی۔ پس جب یہ اتصال حدیث سے ثابت ہے تو یہ فنا بھی ثابت ہو گیا جس کی حقیقت غایت تناسب مرید و شیخ میں ہے کہ جو غایت اطاعت و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔

۱۶۴-رسم، تجدید بیعت مرید قدیم للتاکید

(پرانے مرید کو برائے تاکید دوبارہ بیعت کرنا)

عن سلمة بن الاكوع رضى الله تعالىٰ عنه قال: قدمنا الحديبية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الحديث. وفيه: ثم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم دعانا للبيعة فى اصل الشجرة فبايعته فى اول الناس، ثم بايع وبايع، حتى اذا كان فى وسط من الناس قال: "بايع ياسلمة!" قلت: قد بايعتک، يا رسول الله! فى اول الناس، قال: "وايضا" ورآنى رسول الله صلى الله عليه وسلم عزلا، فاعطانى حجفة، ثم بايع، حتى اذا كان فى آخر الناس قال: "الا تبايعنى يا سلمة؟" قال: قلت: قد بايعتک، يا رسول الله! فى اول الناس، وفى اوسط الناس قال: "وايضا" فبايعته الثالثة. الحديث (أخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچے ہیں، اور اسی حدیث میں یہ ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیعت کے لئے درخت کے نیچے بلایا، سو اول ہی جماعت میں، میں نے آپ سے بیعت کی پھر اور لوگوں کو بیعت کیا پھر اور لوگوں کو بیعت کیا یہاں تک کہ جب وسط کی جماعت کی نوبت آئی تو آپ نے فرمایا: ''اے سلمہ! بیعت کرلو'' میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں تو اول ہی جماعت میں آپ سے بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا: ''پھر سہی'' اور آپ نے مجھ کو خالی ہاتھ دیکھا تو مجھ کو ایک ڈھال دی پھر بیعت کرتے رہے یہاں تک کہ جب اخیر کے لوگوں کی نوبت پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اے سلمہ مجھ سے بیعت نہیں کرتے''؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو اول جماعت کے ساتھ اور نیز وسط کی جماعت کے ساتھ بیعت کر چکا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پھر سہی''، میں نے تیسری بار بھی بیعت کی۔

---

[1] مسلم: الجهاد، غزوة ذى قرد وغيرها. رقم: ۱۳۲ (۱۸۰۷)

ف: بعض دفعہ کسی مصلحت سے اپنے مرید قدیم کو اس کی درخواست پر یا خود اس کو مشورہ دے کر دوبارہ بیعت کرتے ہیں یہ حدیث اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

۱۶۵-اصلاح، بطلان عقیدۂ اباحت

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ کتاب حاطب وقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعنی یا رسول اللہ! اضرب عنق ھذا المنافق، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "انہ قد شھد بدراً وما یدریک لعل اللہ تعالیٰ اطلع علی اھل بدر فقال: اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم". (أخرجہ الخمسۃ الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت حاطب کے خط لکھنے کے قصے میں ہے (یہ خط کفار مکہ کے نام تھا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارادوں کی جنگ کے متعلق اطلاع تھی پھر وہ خط پکڑا گیا اور حاطب سے باز پرس ہوئی اور حاطب نے اپنا جو عذر بیان کیا وہ قبول کیا گیا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت جوش آیا، اس کے متعلق حدیث میں حکایت ہے) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں (منافق غصہ میں کہہ دیا) آپ نے فرمایا کہ: "وہ (یعنی حاطب) غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہے اور تم کو کیا خبر کچھ عجب نہیں ہے (یعنی ایسا ہوا ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف متوجہ ہو کر فرمادیا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔"

ف: بعض جہلاء اور اہل زیغ کا اعتقاد ہے کہ جب آدمی کامل ہوجاتا ہے تو اس کے لئے کوئی چیز حرام نہیں رہتی سب جائز ہوجاتا ہے، اس فرقہ کو اباحیہ کہتے ہیں اور عجب یہ ہے کہ اس حدیث سے اس دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو اہل بدر کے لئے کیا ارشاد ہوا حالانکہ یہ حدیث ان پر صریح رد کرتی ہے: کیوں کہ لفظ "غفرت" سے جس کے معنی ہیں گناہ

---

[1] بخاری: الجھاد، الجاسوس والتجسس. رقم: ۳۰۰۷، مسلم: فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فضائل حاطب بن أبی بلتعۃ وأھل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنھم. رقم: ۱۶۱ (۲۴۹۴) أبوداؤد: الجھاد، حکم الجاسوس اذا کان مسلما. رقم: ۲۶۵۰، ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الممتحنۃ. رقم: ۳۳۰۵، وقال: حسن صحیح.

کا بخش دینا خود معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز افعال سے ان کو گناہ تو ہوتا ہے مگر غایت کرم سے وعدۂ مغفرت فرمایا گیا ہے جب گناہ ہوا تو وہ فعل جائز کیسے ہوا؟ البتہ اگر "أحللت لکم" یا "أبحت لکم" ہوتا تو استدلال کی گنجائش تھی، اور اگر وعدۂ مغفرت پر کسی کو دھوکہ ہو تو اہل بدر پر دوسرے کو قیاس کرنا مع الفارق ہے کیوں کہ مقیس علیہ کے بارے میں نص ہے اور مقیس کے بارے میں نص نہیں "فأین ھذا من ذاک" فرقۂ اباحیہ کا یہ اعتقاد کفر ہے اور جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کو اپنی اصلاح واجب ہے۔

۱۶۶- عادت، تسامح فی الضروریات

(ضروریات میں چشم پوشی کرنا)

عن وھب قال: سألت جابراً رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن شان ثقیف اذ بایعت قال: اشترطت ان لاصدقۃ علیھا ولا جھاد وانہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "سیتصدقون ویجاھدون اذا اسلموا". (أخرجہ أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبیلہ ثقیف کا قصہ ان کی بیعت کے وقت کا دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: کہ ان لوگوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ان کے ذمہ یعنی ہمارے ذمہ زکوٰۃ اور جہاد نہ ہوگا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: "یہ لوگ زکوٰۃ بھی دیا کریں گے اور جہاد بھی کیا کریں گے جب اسلام لے آئیں گے" (یعنی اس وقت ان سے قیل وقال و جواب وسوال کی ضرورت نہیں جس طرح یہ کہیں اسی طرح ان کی بیعت قبول کرلی جائے پھر آپ ہی اسلام اور علم اور صحبت کی برکت سے درست ہوجائیں گے)

ف: بعض دفعہ بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے پاس آنے جانے والوں کے ساتھ اور بالخصوص جن سے زیادہ تعلق نہیں ہے اور کبھی اپنے متعلقین کے ساتھ بھی بعض قبائح پر چشم پوشی اور خاموشی کرجاتے ہیں اور اسی حالت میں ان کو اوراد واذکار کی بھی تلقین کرتے ہیں

---

[1] أبو داؤد: الخراج والفیئ والامارۃ، خبر الطائف. رقم: ۳۰۲۵، قال المنذری: ابراھیم بن عقیل بن منبہ، قال ابن معین: وقد رأیتہ ولم یکن بہ بأس، ولکن ینبغی ان تکون صحیفۃ وقعت الیھم.

ترک قبائحہ کا انتظار نہیں کرتے اس سے عوام کو شبہ مداہنت کا ہوجاتا ہے، اور راز اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بصیرت خداداد سے سمجھ جاتے ہیں کہ جس خیر کی ان کو تعلیم دی گئی ہے یہی توبہ عن الشر کے لئے رفتہ رفتہ کافی ہوجائے گی کبھی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر زیادہ تشدد کیا جائے گا یہ اس خیر سے بھی باز رہیں گے اور اصل اسلام، یا عزم توبہ ہی سے متوحش ہوجائیں گے، تو جو خیر ہوجائے غنیمت ہے کبھی معلوم ہوتا ہے کہ دفعتاً ترک معصیت پر قدرت ان کی ضعیف ہے بتدریج اس کی استعداد پیدا ہوجائے گی، یہ حدیث بزرگوں کے اس طرز کی واضح اصل ہے۔

۱۶۷-مسئلہ، عبادت شدن عادات عارفین

(اہل عرفان سے صادر ہونے والے امور عادیہ بھی عبادت کے درجہ میں ہیں)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لمعاذ: کیف تقرأ انت؟ قال: سانباک بذٰلک، اما انا فانام ثم اقوم فاقرأ، واحتسب فی نومتی ما احتسب فی قومتی.[1] (أخرجہ الخمسۃ الا الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (جب کہ زمانہ حکومت یمن میں دونوں ملے تھے) فرمایا کہ تم کس کیفیت سے (شب کو نماز میں) قرآن پڑھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو سو رہتا ہوں پھر (اٹھتا ہوں پھر نماز میں) قرآن پڑھتا ہوں (یعنی ساری رات بیدار نہیں رہتا) اور میں اپنے سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا کہ اپنی شب بیداری میں سمجھتا ہوں۔

ف: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب معرفت صحیح ہوجاتی ہے اور اس سے امور عادیہ بھی صادر عن المصلحت ہونے لگتے ہیں تو وہ امور عادیہ بھی عبادت و موجب اجر و قرب الٰہی ہوجاتے ہیں، چنانچہ ایسے شخص کا سونا مبنی اس مصلحت پر ہوتا ہے کہ سونے سے آرام ملے گا اور نشاط سے عبادت ہوگی، بعض اوقات یہ قصد ہوتا ہے کہ عمل بالرخصۃ میں شان افتخار، واظہار عجز وضعیف ہے، کبھی یہ نیت ہوتی ہے کہ اس سے قوت وصحت رہتی ہے، اور اس

[1] بخاری: المغازی، بعث أبی موسی ومعاذ الی الیمن، رقم: ۴۳۴۱، ۴۳۴۲، مسلم: الجهاد، الأمر بالتیسیر وترک التنفیر مختصراً. رقم: ۷ (۱۷۳۲) أبوداؤد: الحدود، الحکم فیمن ارتد. رقم: ۴۳۵۴، نسائی: الأشربة تحریم کل شراب أسکر مختصراً. رقم: ۵۵۹۹.

قوت وصحت کو خدمت خلق میں صرف کریں گے، ان سب اغراض سے وہ نوم بھی عبادت ہو جاتی ہے، اسی طرح دوسرے افعال مباحہ اسی قسم کے مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ ملفوظات قوم میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور حدیث میں اس پر دلالت ہے۔

۱۶۸-متفرقات، ایصال اثر بتصرف

(تصرف کے ذریعہ اثر پہنچانا)

عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "الا تریحنی من ذی الخلصۃ؟" وکان بیتا فیہ خثعم یسمی الکعبۃ الیمانیۃ، فانطلقت فی خمسین ومائۃ راکب من احمس، ۔ وکانوا اصحاب خیل ۔ وکنت لا اثبت علی الخیل، فضرب فی صدری حتی رأیت اثر اصابعہ فی صدری وقال: "اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیاً مھدیا" فانطلق الیھا فکسرھا وحرقھا (أخرجہ الشیخان وأبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ کو ذی الخلصۃ سے راحت نہیں دیتے"؟ اور یہ ایک مکان تھا قبیلہ خثعم میں جو کعبہ یمانیہ (جہلاء میں) کہلاتا تھا (اور انہوں نے اس کو کعبہ مشرفہ کے مقابلے میں بنایا تھا اور اس وجہ سے حضور کو اس سے کلفت ہوتی تھی اس لئے فرمایا کہ مجھ کو اس سے راحت نہیں دیتے یعنی اس کو منہدم کر آؤ تو خوب ہو) میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو لے کر چلا، اور یہ لوگ گھوڑے کی سواری میں ماہر تھے اور میں گھوڑے پر جم نہ سکتا تھا، (میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا) آپ نے میرے سینہ میں ہاتھ مارا یہاں تک کہ میں نے آپ کی انگلیوں کا نشان اپنے سینے میں دیکھا اور دعاء کی کہ: "اے اللہ! اس کو جمادے (یہ جامع دعاء ہے اس میں ثبات علی الدین وثبات علی المرکب دونوں داخل ہوگئے) اور اس کو ہدایت کنندہ ہدایت یافتہ رکھ"، پھر یہ وہاں گئے اور اس کو توڑ دیا اور جلا دیا۔

ف: ظاہراً آپ کا ہاتھ مارنا ان کے قلب میں ایک قسم کا تصرف تھا کہ ان کے قلب میں

---

[1] بخاری: الجھاد، البشارۃ فی الفتوح. رقم: ۳۰۷۶، مسلم: فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فضائل جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقم: ۱۳۷ (۲۴۷۶) أبو داؤد: الجھاد، بعثۃ البشراء. رقم: ۲۷۷۲.

جھجک اور خوف سواری کے وقت کانکل جائے، مشائخ کے اس قسم کے تصرفات کی اس سے اصل نکلتی ہے، اور توجہ وہمت بھی غالباً اسی کا نام ہے، جبرئیل علیہ السلام کا آغاز وحی میں آپ کو دبانا بھی اسی قبیل سے ہے، البتہ اس کے کچھ آداب ہیں ایک یہ کہ غرض اور طریق مباح ہو، دوسرے یہ کہ ظاہراً یا باطناً اس پر عجب نہ ہو اور اس کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ اس کو مقرون بالدعا کر دیا جائے جیسا کہ حدیث میں دعاء بھی ہے، تیسرے یہ کہ اس میں اشتغال زیادہ نہ کرے کہ فاعل ومنفعل دونوں کے لئے کثرت میں فتنہ ہے: اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں جیسا آج کل بعض نے اختیار کیا ہے اور فتن اس کے مشاہد ہیں، ان میں اعظم یہ ہے کہ عموماً اس کو کمال سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ عمل محض ضرورت کے لئے ہے "والضروری یتقدر بقدر الضرورۃ" بعض اکابر نے تصریح کی ہے کہ جب مرید میں کوئی ذکر اثر نہ کرے تب پیر توجہ سے کام لے وجہ اس کی وہی یقدر بقدر الضرورۃ ہے۔

۱۶۹-مسلہ، عدم زوال امورِ طبیعیہ از کامل

(کامل ہونے سے امورِ طبعیہ زائل نہیں ہوتے)

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لایبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئا فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر". (أخرجہ ابو داؤد والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے یاروں میں سے کوئی کسی کی نسبت مجھ کو کوئی خبر (شکایت وغیرہ) نہ پہنچائے: کیوں کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ ہو کر آیا کروں۔"

ف: محققین نے تصریح کی ہے کہ کامل ہو کر امر طبعیہ زائل نہیں ہوتے، البتہ ان کا ایسا غلبہ نہیں ہونے پاتا کہ اس کو شریعت سے خارج کردے، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکایت وشکایت کا اثر آپ کے قلب مبارک پر بھی ہوتا تھا، البتہ عمل اس پر بلا حجت

---

[1] أبو داؤد: الأدب، رفع الحدیث من المجلس. رقم: ۴۸۶۰، وقال المنذری: فی اسنادہ الولید بن أبی ھاشم. قال أبو حاتم الرزای: لیس بالمشھور، ترمذی: المناقب، فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۸۹۶. وقال: حدیث غریب من ھذا الوجہ.

شرعی نہ ہوتا تھا، اور اس عدم غلبہ کے لئے بھی قصد اور ضبط کی حاجت رہتی ہے، پس بعض سالکوں کو اس کی ہوس کرنا محض باد در مشت کردن است، اور بعض سے جو ایسے واقعات منقول ہیں وہ ایک غلبۂ حال ہے جو امر عارضی ہے البتہ غیر مجاہد کو اس کے ترک میں مشقت زیادہ ہوتی ہے مجاہد کو کم، لیکن تاثر اور ضرورتِ قصد کف دونوں میں مشترک ہے۔

۱۷۰-شادی پر خوشی کی اجازت

عن عامر بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخلت علیٰ قرظة بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی عرس، فاذا جوار یغنین، فقلت: انتما صاحبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن اهل بدر یفعل هذا عندکم؟ فقالا: اجلس ان شئت فاسمع معنا، وان شئت اذهب فقدر خص لنا فی اللهو عند العرس. (أخرجه النسائی[1])

۱۷۱-عادت، سماع چشتیہ ومثلهم وترک سماع نقشبندیہ ونحوهم

(چشتیہ وغیرہ کا قائل سماع ہونا اور نقشبندیہ وغیرہ کا سماع کا قائل نہ ہونا)

عن محمد بن المنکدر قال: بلغنی ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیمة: این الذین کانوا ینزهون اسماعهم عن اللهو ومن مزامیر الشیطان ادخلوهم فی ریاض المسک، ثم یقول للملئکة: اسمعوهم[2] حمدی واخبروهم: ان لا خوف علیهم ولا هم یحزنون. (أخرجه رزین)

ترجمہ: حدیث اول: حضرت عامر بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک شادی میں حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تو چند لڑکیاں گیت گا رہی تھیں (جاریہ لغت میں نابالغ لڑکی کو کہتے ہیں) میں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو اور پھر اہل بدر میں سے ہو اور باوجود اس کے تمہارے سامنے یہ فعل ہوتا ہے ان دونوں نے فرمایا تھا کہ تمہارا جی چاہے بیٹھو

---

[1] نسائی: النکاح، اللهو والغناء عند العرس. رقم: ۳۳۸۵. [2] مسند ابن الجعد (۲۵۴/۱) الزهد لابن المبارک (۱۲/۱) قال الدوری: سمعت یحیی یقول: حدیث سفیان عن منصور عن مجاهد. قال: أین الذین کانوا ینزهون أسماعهم عن اللهو حدث به جعفر بن عون ولیس هذا بشیء لاأظن له أصلا. (تاریخ ابن معین. روایة الدوری ۳۰۱۴)

اور تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، ہم کو شادی میں ایسے لہو کی اجازت دی گئی ہے۔

ترجمہ: حدیث دوم: حضرت محمد بن المنکدر رسے روایت ہے کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائیں گے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو اپنے کانوں کو لہو (مباح) سے مزامیر شیطان سے (کہ لہو غیر مباح) سے بچاتے تھے؟ ان کو مشک کے باغوں میں داخل کرو، پھر ملائکہ علیہم السلام سے ارشاد ہوگا کہ ان کو میری حمد سناؤ اور ان سے کہہ دو کہ ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ یہ مغموم ہوں گے۔

ف: اہل حق کے دونوں گروہ اہل سماع وغیر اہل سماع کے ان دونوں عمل کا منشا صحیح ہے ایک پر شوق کا غلبہ ہے دوسرے پر احتیاط کا غلبہ ہے حدیث اول گروہ اول کی عادت سے الصق ہے اور حدیث ثانی گروہ ثانی کی عادت سے اوفق ہے، جب تفریح اسماع جسمیہ ایک درجہ تک مرخص فیہ ہے تو تفریح اسماع روحیہ کسی درجہ تک کیوں نہ ماذون فیہ ہوگی، اور اس درجہ کی تفصیل فن میں مبسوط ہے، البتہ جو اس درجہ سے متجاوز ہے وہ بالکل معصیت ہے، اسی طرح سماع کے ترک وانکار کا درجہ بھی کتب فن میں مذکور ہے اسی قدر ان حدیثوں میں بھی مذکور ہے کہ سماع کا درجہ لہو سے زیادہ نہیں جیسا کہ دونوں صحابی نے اس کو لہو فرمایا اور ترک کا درجہ اگر وہ ترک مباح کا ہے تنزہ عن المباح ہے جو درجہ الویت کا ہے جیسا دوسری حدیث سے مقابلہ مزامیر کا اس کی اباحت کا قرینہ ظاہر ہے، پس سماع نہ حسن بالذات ہوا لأن اللهو لایکون کذلک اور نہ قبیح بالذات ہوا لأن اللهو المباح کما یدل علیه المقابلة لایکون کذالک.

۱۷۲- اصلاح، عدم تفصیل شیخ بعنوان موہم تحقیر دیگرے

(اپنے شیخ کو اس طرح بڑھانا کہ دوسروں کی تنقیص لازم آئے درست نہیں)

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ماینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی". (أخرجه الشیخان وأبوداؤد[۱])

---

[۱] بخاری: أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالیٰ: وهل أتاک حدیث موسی، رقم: ۳۳۹۵ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه مسلم: الفضائل، باب فی ذکر یونس علیه السلام وقول النبی صلی الله علیه وسلم "لاینبغی لعبد ان یقول: أنا خیر من یونس بن متی"، رقم: ۱۶۶ (۲۳۷۶) عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، ابوداؤد: السنة، التخییر بین الأنبیاء علیهم السلام. رقم: ۴۶۶۹ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ (میری نسبت) یوں کہے کہ میں حضرت یونس بن متی سے اچھا ہوں۔''

ف: حضرت یونس علیہ السلام کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ ان کے قصہ سے ظاہراً شبہ توجہ عتاب کا ہوتا تھا، جس سے مفضولیت کا حکم کیا جاتا اور اس بنا پر مفضولیت کا حکم کرنا ظاہر ہے کہ موجب یا موہم تحقیر کو ہے، اس سے نہی فرمائی گئی، پس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے کہ بعض لوگوں کو جو عادت ہے کہ اپنے سلسلہ کو یا شیخ کو اس طرح بڑھاتے ہیں کہ دوسروں کی تنقیص لازم آتی ہے، یا بعضے اس کی تصریح کر دیتے ہیں یہ عادت واجب الاصلاح ہے ہاں نفس اعتقاد فضیلت جائز ہے، مگر غیر مورد نص میں ظن کی اجازت ہے قطع جائز نہیں اور اگر صرف محبت یعنی میلانِ قلب ایک طرف زائد ہے تو بوجہ اس کے امرِ طبعی ہونے کے خود دائرۂ تکلیف سے خارج ہے اور موجب ملامت نہیں۔

۱۷۳- عادت، امتحان حقیقت ارادت طالب بعنوان موحش

(غیر مانوس عنوان کے ذریعہ طالب کے اعتقاد وارادت کا امتحان لینا)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قصۃ تحاکم المراتین قال سلیمان علیہ السلام: ''ائتونی بالسکین اشقہ بینھما'' فقالت الصغریٰ: لاتفعل یرحمک اللہ ھو ابنھا، فقضٰی بہ للصغریٰ. (أخرجہ الشیخان والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قصہ میں فرمایا جس میں دو عورتیں (حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس) مقدمہ لے گئی تھیں (وہ قصہ یہ تھا کہ دو عورتیں اپنے بچوں کو لئے ہوئے جا رہی تھیں کہ بڑی کے لڑکے کو بھیڑیا لے گیا، اس نے چھوٹی سے جھگڑا کیا کہ وہ تو تیرا بچہ تھا اور اس کے بچے پر

[1] بخاری: احادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ووھبنا لداود سلیمٰن، نعم العبد انہ أواب﴾. رقم: ۳۴۲۷، مسلم: الأقضیۃ، اختلاف المجتھدین. رقم: ۲۰ (۱۷۲۰) نسائی اداب القضاۃ، حکم الحاکم بعلمہ. رقم: ۵۴۰۴.

جو بچ گیا تھا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے، یہ مقدمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا) سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ: "(جب گواہ نہیں تو دونوں برابر ہیں) چھری لاؤ میں چیر کر دونوں میں تقسیم کردوں" (یہ سن کر) چھوٹی تڑپ گئی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے ایسا نہ کیجئے (میں نے چھوڑا) یہ اسی کا ہے (اسی کو دے دیجئے) پس آپ نے چھوٹی ہی کو دے دیا۔ (ان کے قواعد شریعت اسی کو مقتضی ہوں گے)

ف: بعض بزرگوں کی بعض مواقع ضروریات پر عادت ہوتی ہے کہ طالب کی ارادت واعتقاد کا طریق پر امتحان کرتے ہیں کہ کوئی قول یا کوئی فعل ایسا کرتے ہیں جس کا ظاہر خلاف باطن کے ہوتا ہے، یعنی واقعہ میں وہ شریعت کے موافق ہوتا ہے اور ظاہر میں خلاف ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ صادق گنگوہی نے ایک طالب کے سامنے کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ صادق رسول اللہ مقصود تو یہ تھا کہ رسول اللہ صادق فی النبوۃ ہیں، بکون الخیر مقدماً والمبتدأ مؤخراً اور ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ خود مدعی رسالت ہیں، اگر طالب کم سمجھ ہوا تو بھاگ جاتا ہے، اور اگر سمجھدار ہوا تو اس کو احتمال امتحان کا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اقوال وافعال کو بھی دیکھتا ہے، اگر علامات سے کمال ثابت ہو تو ایسے امور کی اجمالاً یا تفصیلاً تاویل کر کے طلب میں ثابت رہتا ہے، یہ حدیث اس عادت کا ماخذ ہوسکتی ہے کہ باطن میں مقصود چیرنا نہ تھا مگر غیر والدہ کے امتحان کے واسطے ایسا ارادۂ موحشہ ظاہر فرما دیا۔

۱۷۴- عادت، عدم اباء عن التنعم بلا اہتمام

(بغیر اہتمام کے حاصل ہونیوالے سامان تنعم کے قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "بینما ایوب یغتسل عریانا خر علیہ رجل جراد من ذھب فجعل یحثی فی ثوبہ فناداہ ربہ: یا ایوب! الم اکن اغنیتک عما تریٰ؟ قال: بلٰی یا رب، ولکن لاغنیٰ لی عن برکتک". (اخرجہ البخاری والنسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] بخاری: أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وأیوب اذ نادی ربہ أنی مسنی الضر وأنت أرحم الراحمین﴾. رقم: ۳۳۹۱، نسائی: الغسل والتیمم، الاستتار عند الغسل رقم: ۴۰۹.

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''حضرت ایوب علیہ السلام کپڑے اتارے ہوئے غسل کررہے تھے اسی حالت میں ان پر سونے کا ٹڈی دَل برسنا شروع ہوا (ظاہر میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ سونے کے ٹکڑے بشکل ٹڈی کے تھے، جاندار ٹڈی سونے کی نہ تھی، گو داخل تحت القدرت یہ بھی ہے) سو ایوب علیہ السلام اپنے کپڑے میں لپ بھر بھر کر جمع کرنے لگے، پروردگار نے ان کو پکارا کہ ایوب! کیا ہم تم کو (پہلے سے بہت سامال ومتاع دے کر) اس چیز سے جو اس وقت تمہارے پیش نظر ہے مستغنی نہیں کرچکے ہیں؟ عرض کیا بیشک، لیکن آپ کے تبرک سے مجھ کو کبھی استغنا نہیں ہوسکتا۔''

ف: عارفین کاملین کی عادت ہے کہ اگر منجانب اللہ ان کو سامان تنعم کا میسر ہوجائے اور ظاہراً کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو تو منسوب الی المنعم سمجھ کر اس کے قبول اور استعمال میں مضائقہ نہیں کرتے، یہ حدیث اس کی ظاہراً دلیل ہے البتہ اس کا اہتمام ہے کہ مابعد حصول کے اس میں انہماک نہیں کرتے۔

۱۷۵-موھم تنقیص ترجیح کی ممانعت

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لاتخیروا بین الأنبیاء" (اخرجہ أبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''باہم انبیاء علیہم السلام میں ایک کو دوسرے پر (اس طرح) ترجیح مت دو'' (جو موہم تنقیص دوسروں کا ہوجائے)

ف: اس حدیث میں مثل صد وہفتاد ودوم کے مضمون ہے۔

۱۷۶-متفرقات: تصرف

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء، ثم انصرف فاخذ بیدی حتی خرج الی بطحاء مکۃ فاجلسنی، وخط

---

[1] أبوداؤد: السنۃ، التخییر بین الأنبیاء علیہم السلام. رقم: ۴۶۶۸، قال المنذری: وأخرجہ البخاری و مسلم وأتم منہ.

علی خطا، وقال: "لاتبرجن من خطک فانه سینتهی الیک رجال فلاتکلمهم: فانهم لن یکلموک". الحدیث (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی پھر فارغ ہو کر میرا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ مکہ کے سنگستان سیلاب گاہ میں تشریف لائے، پھر مجھ کو (ایک جگہ) بٹھلا دیا اور میرے گرد ایک خط (دائرہ کے طور پر) کھینچ دیا اور فرمایا: ''اس خط سے باہر مت نکلنا، تمہارے پاس بہت سے اشخاص گزریں گے سو تم ان سے کلام مت کرنا وہ بھی تم سے کلام نہ کریں گے۔''

ف: بعض اوقات مشائخ بھی ایسے تصرفات کرتے ہیں کہ کبھی کسی مصلحت سے دوسروں کو بھی اس کا طریقہ بتلا دیتے ہیں مثلاً فلاں چیز پڑھ کر اپنے گرد دائرہ کھینچ لینا جس کو حصار کہتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ باوجود بہت سے مخلوقات خفیہ نظر آتے ہیں صاحب حصار ان کے گزند سے محفوظ رہتا ہے، یہ حدیث ظاہراً اس کی اصل ہو سکتی ہے۔

۱۷۷- مسئلہ، امکان حب مفرط واشتراط او در بعض کمالات

(شیخ سے حد درجہ محبت ہو سکتی ہے، بلکہ ایسی محبت بعض کمالات کیلئے شرط ہے)

عن عبداللہ بن هشام رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنا مع النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو الآخذ بید عمر، فقال عمر: یا رسول اللہ! لانت احب الی من کل شیء الا نفسی فقال: صلی اللہ علیه وسلم: "لا، والذی نفسی بیده حتی اکون احب الیک من نفسک" فقال عمر: فانه الأن، لانت احب الی من نفسی فقال صلی اللہ علیه وسلم: "الان یاعمر". (أخرجه البخاری[2])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیشک آپ مجھ کو ہر چیز سے

---

[1] قلت: ماوجدته فی الصحیح للامام البخاری، وأخرجه الترمذی: کتاب الأمثال، مثل اللہ عزوجل لعباده. رقم: ۲۸۶۱ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه. وقال: حسن غریب صحیح، الفرد باخراجه من بین أصحاب الکتب الستة کما فی "تحفة الأشراف" (۹۳۸۱)

[2] بخاری: الایمان والنذور، کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیه وسلم. رقم: ۶۶۳۲.

زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مرتبہ کمال کا (جو تم کو مطلوب ہے) کبھی حاصل نہ ہوگا جب تک کہ میں تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے اس وقت یہ حالت ہے کہ آپ مجھ کو میری جان سے زیادہ محبوب ہیں، آپ نے فرمایا ''تو بس اب وہ کمال بھی (جو تم کو مطلوب ہے) حاصل ہو گیا''، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی برکت سے وہ دولت فی الفور نصیب ہوگئی اور یہ محبت عقلی نہ تھی ورنہ استثناء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیح نہ ہوتا، طبعی تھی، سو طبعاً ایسی محبت ہونا شرط ایمان نہیں ہے، ہاں بعض کمالات کے لئے شرط ہے، اسی محبت کا نام فنا فی الشیخ ہے اور وہ کمالات اس فناء کے آثار ہیں، جس کا کچھ بیان حدیث صد وشصت وسوم کے ذیل میں گزر چکا ہے)

ف: بعض خشک مزاج انکار کرتے ہیں کہ شیخ کے ساتھ حب طبعی اس افراط کے ساتھ نہیں ہو سکتی، حدیث میں اس کی تصریح ہے اور ایک مسئلہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کمالات کے لئے ایسی ہی محبت شرط ہے جس کی تقریر اس حدیث کی شرح میں لکھی گئی ہے۔

۱۷۸-مسئلہ، تضاعف اجر عمل عارف بر غیر عارف

(عارف کا عمل اجر وفضیلت میں غیر عارف پر بڑھا ہوا ہے)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لاتسبوا اصحابی فوالذی نفسی بيده لو ان احداً انفق مثل احد ذهبا مابلغ مد احدهم ولا نصيفه". (أخرجه مسلم[۱])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرے اصحاب کو برا مت کہو کیوں کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (ان کی ایسی فضیلت ہے کہ) اگر کوئی شخص جبل احد کے برابر سونا بھی خرچ کرے تب بھی ان کے ایک مد (یعنی ایک سیر غلہ) کے برابر بھی ثواب میں نہ پہنچے

[۱] مسلم: فضائل الصحابة صلی الله عليه وسلمم، تحريم سب الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم. رقم: ۲۲۱ (۲۵۴۰)

ملہ نصف مدکو بھی نہ پہنچے۔“

ف: کتب فن میں مذکور ہے کہ عارف کا عمل اجر وفضیلت میں غیر عارف پر بدر جہا بڑھا ہوا ہے حتیٰ کہ حضرت مرشدی سے سنا گیا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے، یہ حدیث اس کی دلیل ہے، ہر چند کہ اس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کا ذکر ہے مگر علت مشترک ہے وہ تفاوت فی الاخلاص ہے اور اس علت کا موثر فی الحکم ہونا دوسرے نصوص سے ثابت ہے، **کقوله تعالىٰ: ﴿كمثل جنة بربوة اصابها وابل فاٰتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل﴾ وكقوله عليه السلام: "سبق درهم مائة الف درهم" قيل: وكيف ذٰلک يا رسول الله قال: "كان لرجل درهمان فتصدق باجودهما وانطلق اٰخر الى عرض ماله فاخرج منه مائة الف درهم فتصدق بها". (أخرجه النسائی[1])**

پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ شاید صرف صحابیت اس کی علت ہے جو صحابہؓ وغیر صحابہؓ میں مشترک نہیں، البتہ اس کا بھی کچھ دخل ہو اس سے انکار نہیں اس طرح کہ نفس تضاعف کا مدار تو خلوص پر ہو، اور تضاعف کے مراتب کی غایت کثرت کا مدار صحابیت پر ہو۔

۱۷۹-مسئلہ، سرایت برکات اہل اللہ الیٰ غیرہم

(اللہ والوں کے بعض برکات دوسروں کی طرف بغیر ان کے قصد کے سرایت کرتے ہیں)

عن ابی موسٰی رضی الله تعالیٰ عنه فی حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "واصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی مايوعدون".
(أخرجه مسلم) (۲)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میرے صحابہؓ میری امت کے لئے موجب امان ہیں، جب میرے اصحاب گزر جائیں گے میری امت پر وہ فتنے آئیں گے جن کا ان سے وعدہ ہے۔“

---

[1] نسائی: الزكاة، جهد المقل رقم: ۲۵۲۹.

[2] مسلم: فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه، بيان أن بقاء النبی صلى الله عليه وسلم أمان لأصحابه وبقاء أصحابه أمان للأمة. رقم: ۲۰۷ (۲۵۳۱)

ف: محققین نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ کے جیسے بعض برکات اختیاری ہیں مثل ارشاد و تلقین کے اسی طرح بعضے برکات غیر اختیاری ہیں جو بلا ان کے قصد کے دوسروں کی طرف سرایت کرتے ہیں مثلاً خود ان کا وجود عالم کے لئے رحمت ہے، اسی طرح ان کے بعض انوار از خود طالبان حق تک پہنچتے ہیں، یہ حدیث ان برکاتِ اضطراریہ کا اثبات کرتی ہے۔

۱۸۰-مسئلہ، رفع غلط در بعضے کشف

عن بريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "يا بلال! بم سبقتني الى الجنة؟ فما دخلت الجنة قط الا سمعت خشخشتك امامي" فقال: يا رسول الله! ما اذنت قط الا صليت ركعتين وما احدثت قط الا وتوضات عنده ورايت ان لله علي ركعتين فقال رسول الله. "بهما".
(أخرجه الترمذي وصححه[1])

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بلال سے) ارشاد فرمایا: "اے بلال! تم کس عمل کی بدولت جنت میں میرے آگے آگے چلا کرتے ہو؟ (گویہ آگے چلنا خادمانہ ہے مگر خود اس خدمت کی اہلیت بھی تو فضیلت عظیمہ ہے، کس عمل کی برکت سے حاصل ہوئی ہے) کیوں کہ مجھ کو کبھی جنت میں داخل ہونے کا اتفاق نہیں ہوا مگر تمہارے چلنے کی آہٹ اپنے آگے آگے ضرور سنی ہے"، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک تو میں نے جب اذان کہی اس کے بعد دو رکعت ضروری پڑھی ہیں، اور ایک جب کبھی میرا وضو ٹوٹا ہے تب ہی وضو کیا ہے اور اس وقت بھی میں نے دو رکعتیں اللہ کا حق اپنے ذمہ سمجھی ہیں، (یہ کنایہ مداومت سے ہے اعتقادِ وجوب یا اصرار مراد نہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ ان ہی دو رکعت یا ان دونوں عمل کی برکت سے ہے۔"

ف: بعض سالکوں کو واقعہ میں یہ مکشوف ہوتا ہے کہ ہم بعض حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سابق و فائق ہو گئے، اگر وہ جاہل ہوا اپنا دین برباد کر لیتا ہے، اگر عالم ہوا سمجھتا ہے کہ ظاہر اس کا شرعاً ممتنع ہے: اس لئے وہ اس تقدم کو مؤول سمجھتا ہے معنی مثالی کے ساتھ جیسا

---

[1] ترمذی: المناقب، باب (أتيت على قصر مربع مشرف من ذهب لعمر في الجنة) رقم: ۳۶۸۹، وقال: حسن صحيح غريب.

اس حدیث میں تقدم بلا لی صورت ہے غایت تعلق خادمیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کی تقریر ترجمہ حدیث میں کردی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ سلوک میں علم شریعت کی کس قدر ضرورت ہے، سعدیؒ نے اسی لئے فرمایا:

خیالات نادانِ خلوت نشیں بہم برزند عاقبت کفر ودیں

خوب سمجھ لینا چاہئے۔

۱۸۱- حال، کرامت

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان اسید بن حضیر وعباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنھما عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ مظلمۃ، فخرج من عندہ، فاذا بنورین بین ایدیھما، فلما افترقا صار مع کل واحد منھما نور. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تاریک شب میں حاضر تھے پھر دونوں آپؐ کے پاس سے چلے گئے، سوان دونوں کے آگے دو نور نمودار ہو گئے، جب دونوں جدا ہوئے تو ایک ایک نور ہر ایک کے ساتھ ہو گیا۔

ف: دونوں صحابیوں کی کرامتیں اس حدیث سے ظاہر ہیں اور عدم تخصیص کرامات بالصحابہ پر اجماع ہے پس صحت کرامت پر حدیث دال ہے۔

۱۸۲- عادت، بشارت برمریدرا

(مرید کو خوشخبری دینا)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: دخل ابوبکر رضی اللہ عنہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ابشر فانت عتیق اللہ من النار" قالت: فمن یومئذ سمی عتیقا. (أخرجه الترمذی[2])

---

[1] بخاری: مناقب الأنصار، منقبۃ أسید بن حضیر وعباد بن بشر. رقم: ۳۸۰۵، أیضا: الصلاۃ، باب بلا ترجمۃ، رقم: ۴۶۵. [2] ترمذی: المناقب، باب (تسمیۃ (أبوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عتیقا) رقم: ۳۶۷۹، وقال: غریب.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے آپ نے فرمایا کہ ''تم کو بشارت ہو تم اللہ تعالیٰ کے عتیق یعنی رہائی دیئے ہوئے ہو دوزخ سے'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس روز سے آپ کا لقب عتیق ہوگیا۔

ف: اکثر شیوخ کی عادت ہے کہ جب کسی مرید کو کوئی دولت باطنی اور حالت محمودہ عطا ہوتی ہے تو اس کو اطلاع کردیتے ہیں، یہ حدیث اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہے، اس میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں، رفع پریشانی، قوت فی العمل، زیادت شکر منعم وواسطہ نعمت، لیکن شرط یہ ہے کہ اس پر کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

ف: رسم، عطاء لقب مریدرا (مرید کو کوئی لقب دے دینا)

بعضے بزرگوں سے منقول اور مشاہد ہے کہ مرید کر کے اس کی حالت کے مناسب کوئی لقب عطا فرمادیتے ہیں شاہ وغیرہ، کبھی دوسرا نام رکھ دیتے ہیں، اس حدیث سے اس کی بھی اصل نکلتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ''عتیق'' قرار دیا گیا۔

۱۸۳- مسئلہ، حقیقت صدیقیت

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: "وماعرضت الاسلام علىٰ احد الا كانت له كبوة الا ابابكر رضى الله تعالىٰ عنه فانه لم يتلعثم". (أخرجه الترمذي[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اس کو کچھ نہ کچھ رکاوٹ ضرور ہوئی (پھر خواہ وہ رکاوٹ جاتی رہے) سوا ابوبکر کے کہ ان کو ذرا تردد نہیں ہوا۔''

ف: محققین نے جو حقیقت صدیقیت کی بیان کی ہے کہ عقائد شرعیہ نظریہ کا اس کو ذوقاً

---

[1] ماوجدناه فى الترمذى، وذكره ابن الأثير فى "جامع الأصول" معزوا الى "رزين" لا الى الترمذى، وذكر نحوه العلامة علاء الدين على المتقى فى كنز العمال ۲۵۴/۱۱، رقم: ۳۲۶۰۹ وعزاه الى مسند الفردوس للديلمى.

ادراک ہونے لگے اور اعمال شرعیہ اس سے طبعاً صادر ہونے لگیں، اس حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے، پس نظریات اس کے نزدیک بدیہیات ہوجائیں اور عبادات عادات ہوجائیں، اول ثمرہ ہے قوت قدسیہ کا ثانی ثمرہ ہے کمال خلق کا اور صرف ثانی میں اکمل ہونا شہادت ہے۔

۱۸۴-عادت، زیادت احترام خلیفہ شیخ

(اپنے پیر کے خلفاء کی تعظیم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کرنا)

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت جالساً عند النبی: اذ اقبل ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ . الحدیث. وفیہ: فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم : کذبت، وقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : صدق، وواسانی بنفسہ ومالہ، فھل انتم تارکولی صاحبی؟" مرتین او ثلثا. قال: فما اوذی بعدھا. (أخرجہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ دفعتہً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ پہنچے، یہ بڑی حدیث ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک بات پر جس میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کوتاہی ہوگئی تھی) ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبی بنا کر بھیجا سو تم لوگوں نے (اول وہلہ میں) میری تکذیب کی (گو بعد میں میری تصدیق کرلی) اور ابوبکر نے (اول ہی وہلہ میں) میری تصدیق کی اور مزید براں یہ کہ اپنی جان و مال سے میری ہمدردی کی، سو تم میری خاطر سے میرے اس دوست کو ستانا چھوڑو گے بھی"؟ اس کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد کسی نے ان کو آزردہ نہیں کیا۔

ف: اہل طریق کا امر طبعی اور عادت عامہ جو کہ موافق مقتضاء فطرت سلیمہ کے ہے یہ ہے کہ پیر کے خلفاء اور مقرب مریدوں کی تعظیم و ادب بہ نسبت دوسرے عام مریدوں کے زیادہ کرتے ہیں، حدیث کی اس پر صاف دلالت ہے اور اس میں فروگذاشت کرنا اور اس سے عار و ننگ کرنا اور اس کو اپنے مماثل سمجھنا محض کبر و حسد ہے۔

---

[1] بخاری: فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فضائل أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ . رقم: ٣٦٦١.

۱۸۵- حال، الہام وفراست صادقہ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : "ان اللہ تعالیٰ جعل الحق علیٰ لسان عمر وقلبہ" وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مانزل بالناس امر قط فقالوا فیہ وقال فیہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الا نزل القرآن فیہ علی نحو ما قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ . (أخرجہ الترمذی وصححہ[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے حق بات کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان اور قلب پر جاری کیا"، اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی لوگوں کو کوئی (نئی) بات پیش آئی ہے پھر اس کے بارے میں لوگوں نے بھی کچھ کہا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچھ کہا ہو تو قرآن ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قول کے موافق نازل ہوا۔

ف: اس کا ثبوت حدیث سے ظاہر ہے اور درحقیقت یہ انواع کشف سے ہیں، پس حدیث سے ان حالات کا ثبوت ہوتا ہے۔

۱۸۶- عادت، بیعت غائبانہ مشائخ

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی جوابہ للمصری عن طعنہ فی عثمان قولہ: واما غیبتہ عن بیعۃ الرضوان فلو کان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان لبعثہ، فبعث صلی اللہ علیہ وسلم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی مکۃ وکانت بیعۃ الرضوان بعد ماذہب عثمان، فجعل صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ وقال: "ھذہ لعثمان" وکانت لیسریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعثمان خیراً من ایمانھم. الحدیث (أخرجہ البخاری والترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مصری کے اعتراض کے جواب میں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کئے تھے یہ ارشاد مروی ہے کہ: رہا بیعت رضوان میں ان

---

[1] ترمذی: المناقب باب (ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رقم: ۳۶۸۲. وقال: حسن صحیح غریب من ھذا الوجہ.

[2] بخاری: المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان﴾ الأیۃ. رقم: ۴۰۶۶، ترمذی: المناقب، باب، (ثلاث اعتراضات اعترض بھا المصری) رقم: ۳۷۰۶. وقال: حسن صحیح، قلنا: والجزء الأخیر من الروایۃ ما وجدناہ فی البخاری والترمذی.

کا موجود نہ ہوتا تو (وجہ اس کی یہ تھی کہ اس وقت ضرورت تھی مکہ میں گفتگو کرنے کے لئے کسی کو بھیجنے کی اور چوں کہ اندیشہ تھا اہل مکہ سے اس کے قتل کر دینے کا اس لئے یہ بھی ضرورت تھی کہ وہ فرستادہ خود اہل مکہ کی نظر میں باوجاہت و معزز ہو، اور یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھی) سو اگر اور کوئی (ان سے) زیادہ معزز ہوتا (اہل مکہ کی نظر میں) تو آپ اس کو بھیجتے: اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو مکہ بھیجا، اور یہاں بیعت رضوان ان کے چلے جانے کے بعد (اتفاقاً) واقع ہوگئی، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ (اپنے) بائیں ہاتھ پر رکھا اور (اس بائیں ہاتھ کی نسبت) فرمایا کہ: ”یہ عثمان کا ہاتھ ہے“، (گویا انہوں نے بیعت کر لی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اوروں کے داہنے ہاتھ سے بھی اچھا تھا۔

ف: مشائخ کے یہاں بیعت غائبانہ بھی معمول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے اور اس کی پوری تقریر حدیث شصت و ہشتم کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ف: رسم، ید شیخ فوق ید مرید بودن وقت بیعت

(بیعت کے وقت شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا اور مرید کا نیچے ہونا)

بعض کا معمول ہے کہ بیعت کے وقت اپنا ہاتھ اوپر اور مرید کا نیچے رکھتے ہیں حدیث میں **بیده الیمنی علی الیسریٰ** اس رسم کی اصل ہوسکتی ہے، اور ظاہر الفاظ ”**ید اللہ فوق ایدیهم**“ بھی اس کے ساتھ الصق ہیں، اور اگر شبہ ہو کہ یہاں تو مرید کا بایاں ہاتھ تھا اور معمول ہے کہ دونوں کا داہنا ہوتا ہے سو جواب یہ ہے کہ یہاں بایاں بضرورت ہے، ورنہ ”من أیمانهم“ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ داہنا ہی ہونا اصل ہے اور یہ ہیئت کوئی امر مبہم نہیں ہے، ہاتھ میں ہاتھ لے لینا جس طرح بھی ہو کافی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تب بھی مضائقہ نہیں خواہ عادۃً یا شرعاً امکان ہی نہ ہو جیسا کہ غائب یا عورت میں، یا امکان ہو پھر بھی قول لسانی پر اکتفا ہو، یا قائم مقام ید کے کوئی چیز پکڑا دی جائے جیسا کہ کثرت کے وقت چادر یا عمامہ وغیرہ پکڑا دیا جاتا ہے۔

۱۸۷-مسئلہ، عدم تضرر کامل بترک مجاہدہ

(اہل کمال کے لئے مجاہدہ کی کمی نقصان دہ نہیں)

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم حین جهز جیش العسرة: "ما علیٰ عثمان ما عمل بعد هٰذه، ما علیٰ عثمان ما عمل بعد هٰذه". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت جیش عسرت کا (غزوۂ تبوک میں) سامان فرمایا (جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑا حصہ امداد کا دیا تھا) اس وقت ارشاد فرمایا کہ: "عثمان کو کچھ مضر نہیں جو کچھ کریں اس کے بعد" (اس سے گناہ کے کام مراد نہیں اور نہ مضرت سے مراد گناہ ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اگر نوافل طاعات میں کمی کردیں تو مراتب قرب میں کمی نہ ہوگی: کیوں کہ یہ عمل کمال قرب کے لئے کافی ہے)

ف: چوں کہ کامل و منتہی کے پاس خود ایسی طاعات خفیہ دقیقہ ہوتی ہیں جو کیفاً نہایت عالی اور موجب کمال قرب ہیں لہٰذا اگر مجاہدات ابتدائیہ میں کماً کمی ہوجائے تو اس کمال قرب میں خلل انداز نہیں ہوتی، حدیث میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

۱۸۸-مسئلہ، توحید افعالی

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: دعاء رسول الله صلی الله علیه وسلم علیا یوم الطائف فانتجاه فقال الناس: لقد اطال نجواه مع ابن عمه فقال: "ما انتجیته ولکن الله انتجاه". (أخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ طائف کے دن بلایا اور ان سے سرگوشی کی، (اس میں دیر ہوگئی) سو لوگ باہم کہنے لگے کہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی سے بڑی دیر تک سرگوشی کی، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا) ارشاد فرمایا کہ: "ان سے میں نے سرگوشی نہیں کی

---

[1] ترمذی: المناقب، باب (فی عد عثمان تسمیته شهیدا. وتجهیزه جیش العسرة) رقم: ۳۷۰۰. وقال: حدیث غریب من هذا الوجه. ورواه عن عبدالرحمٰن بن خباب رضی الله تعالیٰ عنه لا عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه. [2] ترمذی. المناقب، باب ما انتجیته (علیا) ولکن الله انتجاه. رقم: ۳۷۲۶. وقال: حسن غریب.

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے سرگوشی کی ہے"، (کیوں کہ اللہ ہی کے حکم سے یہ سرگوشی کی گئی ہے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے ہی کی)

ف: صوفیاء کے اقوال میں کہیں فانی یعنی ممتثل غایت امتثال کے افعال کی نسبت اور کہیں مطلق فاعل کے افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف پائی جاتی ہے، اور اس کو توحید افعالی کہتے ہیں، اور کبھی اس کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں، "**لافاعل الا اللہ**" اس حدیث میں ارشاد "**وما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ**" نسبت اول کی واضح اصل ہے اور چوں کہ علت اس کی صدور بالامر ہے، پس جس طرح امر تشریعی کے سبب نسبت جائز ہے اسی طرح امر تکوینی کو اس پر قیاس کر کے اس سے بھی نسبت صحیح ہو سکتی ہے، پس نسبت ثانی کی توجیہ بھی ہوگئی، قرآن مجید میں ﴿**فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ**﴾ میں عند التامل یہی امر تکوینی مدار نسبت معلوم ہوتا ہے، البتہ اعتقاد اتحاد بین الواجب والممکن الحاد ہے، اسی طرح نفی اختیار عبد کا قصد بدعت سیئہ ہے، اس معنی کے اعتبار سے حضرت جنید بغدادیؒ کا قول مشہور ہے کہ اگر مجھ کو قدرت ہو تو جو شخص لا فاعل الا اللہ کہے اس کی گردن ماروں کیوں کہ وہ شخص ابطال شریعت کا قصد کرتا ہے۔

۱۸۹- مسئلہ، منافی کمال نہ بودن ہم عیال بشرط اعتدال واجمال

(اعتدال کے ساتھ اہل وعیال کی فکر کرنا کمال کے منافی نہیں ہے)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنسائہ: "ان امرکن مما یھمنی من بعدی، ولیس یصبر علیکن الا الصابرون الصدیقون" ثم قالت لابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ: سقی اللہ ایاک من سلسبیل الجنۃ، وکان ابن عوف قد تصدق علی امھات المومنین بارض بیعت باربعین الفا، وقال ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف اوصی عبدالرحمن بحدیقۃ لامھات المومنین بیعت باربع مائۃ الف. (أخرجہ الترمذی[1])

---

[1] ترمذی: المناقب، باب (حکایۃ وصیۃ عبدالرحمٰن بحدیقۃ لأمھات المومنین. رقم: ۳۷۴۹. عن عائشۃ وقال: حسن صحیح غریب، أیضاً: فی المصدر السابق عن أبی سلمۃ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عبدالرحمٰن بن عوف أوصی بحدیقۃ لأمھات المومنین بیعت بأربع مائۃ الف، وقال: حسن غریب.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ارشاد فرمایا کہ: ''مجھ کو تمہارے معاملہ (گذران) میں (ایک گونہ) فکر ہے، کہ میرے بعد کیا ہوگا؟ اور تم کو (تمہاری خدمت گزاری کو) وہی نباہیں گے جو بڑے ہمت والے اور پکے ہیں''، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: خدا تعالیٰ تمہارے باپ کو بہشت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے (کہ انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی) اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات المومنین کو ایک زمین دی تھی جو چالیس ہزار میں بکی (یہاں کے سکہ کے حساب سے دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے) اور ابوسلمہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امہات المومنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار لاکھ کو بکا (جو یہاں کے سکہ کے اعتبار سے ایک لاکھ سے زیادہ ہوتا ہے)

ف: بعضے ناواقف جس بزرگ کو اہل وعیال کی فکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کامل نہیں ہیں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فکر خود مسنون ہے، البتہ اس میں غلو بے شک منافی کمال بلکہ خود منافی طریق ہے۔

ف: متفرقات، تتمہ بودن خدمت اہل شیخ بر حقوق شیخ را

(شیخ کے گھر والوں کی خدمت منجملہ حقوق شیخ میں سے ہے)

حدیث میں امہات المومنین کی خدمت کرنے والوں کو آپ کا صابر وصدیق فرمانا جس کے معنی کا حاصل ہے نباہنے والا اور پختہ تعلق والا، مشیر اس طرف ہے کہ اہل شیخ کی خدمت کرنا ایک درجہ میں تعلقات شیخ کا نباہ کرنا اور اس میں پختگی کی علامت ہے اور یہ خدمت قریب قریب امر طبعی کے ہے اہل طریق میں۔

۱۹۰- حال، منام صادق (سچا خواب)

عن سلمیٰ امرأۃ من الانصار قالت: دخلت علی ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وھی تبکی فقلت: ما یبکیک؟ قالت: رأیت الآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی المنام وعلٰی رأسه ولحیته التراب، وهو یبکی فقلت: مایبکیک یا رسول الله؟ قال: "شهدت قتل الحسین آنفا". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت سلمٰی سے، جو انصار میں سے ایک بی بی ہیں روایت کیا ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی اور وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا کہ آپ کے رونے کا کیا باعث ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں نے اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ریش مبارک پر گرد پڑی ہے اور آپ رو رہے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کا کیا باعث ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی جگہ گیا تھا''۔

ف: سچا خواب ایک حال محمود ہے، حدیث سے اس کا وقوع ثابت ہوتا ہے: کیوں کہ بعد میں وہ واقعہ اسی وقت ہونا معلوم ہوا۔

ف: مسئلہ، حضور روح در مقامے

(روح کا کسی جگہ موجود ہونا)

روح کا بعد مفارقت عالم دنیا کے گو اصلی مقام دوسرا ہے، لیکن اگر اذن الٰہی کسی وقت پھر بطور خرق عادت کے اس عالم میں آ جائے تو ممکن ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا میدان قتال میں تشریف لانا دیکھا گیا اور چوں کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اس میں تاویل اور صرف الی المجاز کی ضرورت نہیں، محمول حقیقت پر ہوگا۔

۱۹۱- عادت، تشبہ بالشیخ

(پیر کی مشابہت اختیار کرنا)

عن عبد الرحمٰن بن زید قال: سألت حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه عن رجل

[1] ترمذی: المناقب، مناقب أبی محمد الحسن بن علی بن أبی طالب والحسین بن علی بن أبی طالب رضی الله تعالیٰ عنهما، رقم: ۳۷۷۱، وقال: حدیث غریب.

قريب السمت والدل والهدى من رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى ناخذ عنه، فقال: ما نعلم احداً اقرب سمتاً ولا هدياً ولا دلاً من النبى صلى الله عليه وسلم من ابن ام عبد حتى يتوارىٰ بجدار بيته. (أخرجه البخارى والترمذى[1])

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ایسا شخص بتاؤ جو طرز و انداز و طریق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مناسبت رکھتا ہو، تاکہ ہم اس سے ان چیزوں کو لیں، انہوں نے فرمایا کہ: ہمارے علم میں ایسا شخص جو طرز و طریق و انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہو ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر نہیں ہے، جب تک کہ وہ اپنے گھر کی دیوار کی آڑ میں ہو جاتے (یعنی اس وقت تک کی تو ہم کہہ سکتے ہیں پھر نظر او جھل ہونے کے بعد ہم اس طرح شہادت کے درجہ میں نہیں کہہ سکتے، یہ قید لگانا صحابہ کا احتیاط فی التکلم تھا ورنہ علم و رسوخ ملکہ کے بعد ظن پر بھی حکم صحیح ہے)

ف: بعض اہل محبت کی حکایتیں ہیں کہ انہوں نے عبادات سے گزر کر عادات خوراک و پوشاک اور ہیئات رفتار و گفتار تک میں بقصد اپنے شیخ کا تشبہ اختیار کیا حتیٰ کہ پھر قصد کی بھی حاجت نہ رہی، خود وہ امور بمنزلہ عادت ثانیہ وامر طبعی کے ہو گئے، بعض بزرگوں کی تو مناسبت شیخ سے اس درجہ سنی گئی ہے کہ اس شعر کا مصداق ہو سکتی ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حدیث اس تشبہ کی اصل صریح ہے، اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے[2] قصد بھی نہ کیا ہو تب بھی محمود ہونا تو اس کا حدیث سے ظاہر ہی ہے اور محمود کا قصد بھی ظاہر ہے کہ محمود ہے۔

---

[1] بخاری: فضائل أصحاب النبی صلی الله علیه وآله وسلم، مناقب عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ٣٧٦٣، ترمذی: المناقب: مناقب عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ٣٨٠٧. وقال: حسن صحیح.

[2] اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصد تشبہ نہ بھی ہو جب بھی قصد تشبہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشبہ کے لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پتہ بتلانا اس سے تشبہ کے محمود ہونے پر حدیث سے دلالت ہو گئی۔ منہ ١٢

۱۹۲-متفرقات،امکان مکث بلا غذا

(بغیر کھائے پیئے زندہ رہنا)

عن ابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث اسلامه: ولقد لبثت ثلثین ما بین لیلة ویوم وما کان لی طعام الا ماء زمزم، فسمنت حتی تکسرت عکن بطنی وما وجدت علی کبدی سخفة جوع. الحدیث (أخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے مسلمان ہونے کے قصہ میں ان کا یہ قول مروی ہے کہ میں (مکہ میں) تیس رات اور دن اس حالت سے رہا کہ بجز آب زمزم کے میری کوئی غذا نہ تھی اور اسی سے میں ایسا فربہ ہوا کہ شکم کی جلد میں بل (بعض جگہ اس کو بڑ کہتے ہیں ۱۲منہ) اور شکن پڑ گئے اور کلیجہ پر ذرا بھوک کا اضمحلال نہیں پایا۔

ف: بعض اہل ریاضت سے منقول ہے کہ چالیس چالیس روز تک انہوں نے مطلق نہیں کھایا، یا اس قدر کم کھایا کہ عادۃً وہ بقائے حیات کے لئے کافی نہیں، اس پر بعض کوتاہ بیں تنگ نظر فوراً انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصے سے یہ استبعاد بالکلیہ دفع ہو جاتا ہے، اگر کہا جائے کہ وہ زمزم کا پانی تو پیتے تھے، جواب یہ ہے کہ خود یہ امر بھی خلاف عادت ہے اور پانی میں تو یہ خاصیت نہیں محض اس کی برکت ہے پھر اگر کسی کو ذکر میں یہی برکت حاصل ہو جائے تو تعجب واستبعاد کیا ہے۔

۱۹۳-حال، کرامت

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "اهتز العرش" وفی روایة: "اهتز عرش الرحمٰن لموت سعد بن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه". (أخرجه الشیخان والترمذی[2])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مسلم: فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه، فضائل ابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۱۳۲ (۲۴۷۳)

[2] بخاری: مناقب الأنصار، مناقب سعد بن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۳۸۰۲، مسلم: فضائل الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم، فضائل سعد بن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه رقم: ۱۲۴ (۲۴۶۶) ترمذی: المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۳۸۴۹، وقال حسن صحیح. قلنا- وأخرجه ابن ماجة، السنة، فضل سعد بن معاذ رضی الله تعالیٰ عنه، رقم: ۱۵۸.

نے ارشاد فرمایا کہ: ''عرش اور ایک روایت میں ہے کہ رحمان کا عرش سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرنے سے ہل گیا'' (یا تو واقعہ کے عظیم ہونے سے یا شوق ونشاط سے کہ اب ان کی روح میرے پاس آئے گی)

ف: اس حدیث میں ان صحابی کی بہت بڑی کرامت مذکور ہے۔

۱۹۴- حال، کرامت

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما حملت جنازۃ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: المنافقون: ما اخف جنازتہ؟ یعنون لحکمہ فی بنی قریظۃ. فبلغ ذٰلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "ان الملائکۃ کانت تحملہ". (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا (جن کا اوپر کی حدیث میں بھی تذکرہ ہے) جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین کہنے لگے کہ ان کا جنازہ کس قدر ہلکا ہے، چونکہ انہوں نے بنو قریظہ کے بارے میں (نامناسب) فیصلہ کیا تھا (یہ فیصلہ حدیث صدوشصت ودوم میں مفصلاً مذکور ہے منافقین اس فیصلہ کو یہود کی دوستی میں نامناسب کہتے تھے، اس لئے جنازہ کے ہلکا ہونے کا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کو بری علامت سمجھتے تھے طعن کیا، جیسا اب جنازہ کے بھاری ہونے کو بری علامت سمجھتے ہیں اور دونوں باتیں بے اصل ہیں) یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (علی سبیل التنزل) ارشاد فرمایا کہ: ''ملائکہ (بھی) ان (کے جنازہ) کو اٹھائے ہوئے تھے۔'' (اس لئے ہلکا معلوم ہوتا تھا)

ف: اس میں بھی ان کی ایک بڑی کرامت مذکور ہے۔

۱۹۵- ریا نبودن تحسین عمل برائے تطیب قلوب صلحاء

(نیک لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا ریا نہیں ہے)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لو رأیتنی البارحۃ وانا استمع لقرائتک لقد اعطیت مزماراً من

[1] ترمذی: المناقب، مناقب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۳۸۴۹

مزامیر ال داؤد"۔ (أخرجه الشیخان و الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم مجھ کو گزشتہ شب میں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے میں تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا، واقع میں تم کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا حصہ عطا ہوا ہے''، (روایت کیا اس کو بخاری ومسلم وترمذی نے)

اور برقانی کی روایت میں مسلم سے اتنا اور زیادہ ہے کہ: ابوموسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اس کو خوب بنا تا سنوارتا۔

ف: بزرگوں کا دل خوش کرنے کے لئے اگر کوئی طاعت یا خدمت اچھی طرح کی جائے کہ مخلی بالطبع ہو کر اس طرح نہ کرتا تو ظاہر میں اس میں شبہ ریاء کا معلوم ہوتا ہے مگر چوں کہ تطییب قلب اہل اللہ بلکہ مطلق مسلم خود عبادت ہے تو اس کی حقیقت یہ ہوئی کہ ایک عبادت کو دوسری عبادت کے واسطے اچھی طرح کرتا ہے، اس لئے ہرگز یہ ریا نہیں ہے، حدیث میں اس کے استحسان پر صاف دلالت ہے، اس نادان کو مدتوں یہ شبہ رہا کہ اکثر کسی کی فرمائش سے جو قرآن عمدہ طرح پڑھنے کی عادت ہے شاید یہ اچھا نہ ہو، الحمد للہ کہ اس حدیث کا سر دقیق جس کی ابھی تقریر کی گئی ہے قلب میں فائز ہوا اور یہ شبہ بالکل دفع ہو گیا، پھر اس حدیث پر نظر پڑنے سے اس کی تائید ہو گئی، اور حدیث میں زیادہ غور کرنے سے مقبولان الٰہی کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ ان کی طلب رضا مثل طلب رضائے حق تعالیٰ کے ہے جب کہ دونوں میں تعارض نہ ہو، اور راز اس میں یہی ہے کہ ان کی رضا کو رضا حق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، پس مطلوب بالذات طلب رضاء حق ہی ہے۔

لأن السعی فی الطریق سعی فی الوصول الی المقصود.

---

[1] بخاری: فضائل القران، حسن الصوت بالقرائة للقران، رقم: ۵۰۴۸، مسلم: صلاۃ المسافرین (فضائل القران) استحباب تحسین الصوت بالقران. رقم: ۲۳۶ (۷۹۳) ترمذی: المناقب، مناقب أبی موسی الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ . رقم: ۳۸۵۵، وقال: غریب حسن صحیح، وزاد فی روایۃ البرقانی عن مسلم لو علمت واللہ یا رسول اللہ انک تستمع لقرائتی لحبرته لک تحبیرا، أخرجه أبو یعلی: باسناد علی شرط مسلم کذا فی فتح الباری ۹/۱۱۴.

۱۹۶-فضیلت مقبولیتِ اولیاء اللہ

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "کم من اشعث اغبر ذی طمرین لایوبه له، لو اقسم علی اللہ لابره، منهم البراء بن مالک". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بہت سے (بندگان خدا) ایسے ہیں کہ بال بھی گرد آلود، بدن بھی گرد آلود، (کیوں کہ اتنا سامان نہیں کہ بال اور بدن کی خدمت کر سکیں) دو پرانی چادر والے (کہ ایک باندھیں ایک اوڑھیں) اور کوئی ان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرے (مگر رتبہ اتنا بڑا) کہ اگر خدا پر قسم کھا بیٹھیں (اس طرح کہ واللہ خدا تعالیٰ یوں کرے گا) تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم سچی کردے گا"، (یعنی وہ کام اسی طرح کردیں)

ف: حدیث کی دلالت اس جماعت کی فضیلت پر ظاہر ہے اور اغبر اشعث وغیرہ شرط نہیں ہے، جیسا بعض ناواقفوں کا زعم ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ ہیئت منافی کمال نہیں ہے جیسا اہل کبر اس ہیئت کو حقیر سمجھتے ہیں۔

۱۹۷-متفرقات، تصرف فی القلب

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قلت: یا رسول اللہ! اسمع منک اشیاء فلا احفظها فقال: "ابسط ردائک" فبسطته فحدثنی حدیثا کثیراً فما نسیت شیئاً حدثنی به. (أخرجه الشیخان والترمذی وهذا لفظه[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں سو مجھ کو یاد نہیں رہتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی چادر پھیلاؤ"، میں نے پھیلا دی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کچھ پڑھ دیا، میں نے اس کو اپنے سینے سے لگالیا، جیسا کہ مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے) پھر اس کے بعد میرے سامنے

[1] ترمذی: المناقب، مناقب البراء بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه، رقم: ۳۸۵۴. وقال: حسن غریب. [2] بخاری: المناقب، اخر باب المناقب، رقم: ۳۶۴۸، مسلم: فضائل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم، فضائل أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه، رقم: ۱۵۹ (۲۴۹۲) ترمذی: المناقب: مناقب أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه. رقم: ۳۸۳۵، وقال: حسن صحیح

بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں سو میں کوئی بات نہیں بھولا جو میرے سامنے بیان فرمائیں۔

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے اور یہ چادر پر کچھ پڑھ دینا اس تصرف کا ایک طریق تھا، بعض مشائخ کے یہاں بعض تصرفات نافعہ فی القلب کا معمول ہے مثل احکام ذکر، یا توبہ بخشی وغیرہ کے، پس ایسے تصرفات اگر محتمل فتنہ نہ ہوں مشروع ہیں، گو بتصریح اکابر کمال مقصود نہیں۔

۱۹۸-اصلاح، امکان عدم اجابت دعائے کاملین

(اہل کمال کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا ممکن ہے)

عن عامر بن سعد عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخل رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجد بنی معاویة، فرکع فیه رکعتین وصلینا معه، ودعا ربه طویلاً، ثم انصرف الینا فقال: "سألت ربی ثلثا فاعطانی اثنتین ومنعنا واحدة، سألته ان لایهلک امتی بسنة عامة فاعطانیها، وسألته ان لایهلک امتی بالغرق فاعطانیها، وسألته ان لایجعل باسهم بینهم فمنعنیها". (أخرجه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی معاویہ میں تشریف لائے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے پروردگار سے بڑی دیر تک دعا کی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: ''میں نے اپنے رب سے تین دعائیں مانگیں، سو دو تو منظور کیں اور ایک نامنظور کی، میں نے یہ دعا کی کہ میری امت کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے سو اس کو منظور فرمایا، (چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمام امت قحط سے مر جاتی) اور میں نے یہ دعا کی کہ میری امت کو غرق سے ہلاک نہ کرے، اس کو بھی منظور فرمالیا (چنانچہ غرق سے بھی کبھی تمام امت ہلاک نہیں ہوئی) اور میں نے یہ دعا کی کہ ان میں باہم جنگ و جدل نہ ہو، اس کو نامنظور فرمایا۔'' (چنانچہ جنگ و جدل وناا تفاقی ہونا ظاہر ہے)

ف: اکثر لوگ اجابت دعا کو لوازم ولایت سے سمجھتے ہیں اور اس اعتقاد پر کثرت سے مفاسد علمیہ وعملیہ مرتب ہوتے ہیں اس اعتقاد کا غلط ہونا حدیث سے ظاہر ہے۔

---

[1] مسلم: الفتن، هلاک هذه الأمة بعضهم ببعض. رقم: ۲۰ (۲۸۹۰)

۱۹۹-متفرقات، اکرام اہل وطن شیخ

(پیر کے اہل وطن کا احترام کرنا)

عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لاتبغضنی فتفارق دینک" فقلت: وکیف ابغضک یا رسول اللہ! وبک ھدانی اللہ، قال: "تبغض العرب فتبغضنی". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجھ سے بغض مت کرنا کہ دین سے جدا ہو جاؤ گے" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بھلا آپ سے کیونکر بغض کر سکتا ہوں حالانکہ آپ کی بدولت تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہدایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس طرح سے کہ تم عرب سے بغض کرنے لگو تو مجھی سے بغض کیا۔"

ف: اہل طریق کی عام عادت رہی ہے کہ طبعاً اپنے پیر کے اہل وطن کا احترام وادب کرتے ہیں، اس حدیث میں اس کی اصل موجود ہے۔ ولنعم ما قیل:

ومن عادتی حب الدیار لاھلھا وللناس فیما یعشقون مذاھب

۲۰۰-مسئلہ، انتفاعِ کامل از مادون خود

(کامل کا اپنے سے کم درجہ آدمی سے نفع حاصل کرنا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یاتی علیکم اویس بن عامر" الحدیث. وفیه: "فان استطعت ان یستغفرلک مافعل". (أخرجه مسلم[2])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم لوگوں کے پاس اویس بن عامر آئیں گے" (جن کو اویس قرنی کہتے ہیں) اور اسی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ ارشاد ہوا کہ: "اگر تم سے ممکن ہو کہ وہ

[1] ترمذی: المناقب، مناقب فی فضل العرب، رقم: ۳۹۲۷، وقال: حسن غریب.
[2] مسلم: فضائل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم، تحریم سب الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم، رقم: ۲۲۵(۲۵۴۲)

تمہارے لئے استغفار کریں تو ضرور ایسا (اہتمام) کرنا۔"

ف: جس طرح ادنیٰ کو اعلیٰ سے نفع اکثر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی اعلیٰ کو ادنیٰ سے بھی نفع ہو جاتا ہے، جیسا اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ صحابی ہیں حضرت اویس سے کہ تابعی ہیں خاص امر میں کہ وہ دعا ہے منتفع ہونے کا امر فرمایا گیا اور اسی کی فرع ہے کہ کبھی پیر کو مرید سے نفع ہو جاتا ہے، علمی یا حالی یا اخلاقی یا دعائی تو کسی پیر کو مغرور نہ ہونا چاہئے۔

۲۰۱ - اصلاح، متصرف مختار نبودن کاملین

(اہل کمال تصرفات میں مختار نہیں ہوتے)

عن المسيب بن حزن رضى الله تعالىٰ عنه وانزل فى ابى طالب: ﴿انک لاتهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء﴾ (أخرجه الشيخان والنسائى[1])

ترجمہ: حضرت مسیّب بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طالب کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ (یارسول اللہ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے: لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت دیں۔

ف: بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ تصرفات کو مطلقاً کاملین کے اختیار میں سمجھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے حق تعالیٰ کی طرح حاجات مانگتے ہیں احیاء سے یا اموات سے، یہ آیت وحدیث اس کا قلع قمع کرتی ہے۔

۲۰۲ - مسئلہ، شعور جمادات

عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ان احداً جبل يحبنا ونحبه". (أخرجه الثلثة والترمذى[2])

---

[1] بخارى: التفسير، سورة القصص، باب قوله: ﴿انک لاتهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء﴾ الخ. رقم: ۴۷۷۲، مسلم: الايمان، الدليل على صحة الاسلام من حضره الموت مالم يشرع فى النزع الخ. رقم: ۳۹(۲۴) نسائى: الجنائز، النهى عن الاستغفار للمشركين. رقم: ۲۰۳۷. [2] بخارى: المغازى، باب أحد جبل يحبنا ونحبه. رقم: ۴۰۸۳، مسلم: الحج، فضل أحد رقم: ۵۰۴ (۱۳۹۳) ترمذى: المناقب، فضل المدينة. رقم: ۳۹۲۲، وقال: حسن صحيح، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، المناسك، فضل المدينة. رقم: ۳۱۱۵، قلت: ماوجدت هذا الفظ فى سن أبى داؤد.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''احد ایسا پہاڑ ہے کہ اس کو ہم سے محبت ہے اور ہم کو اس سے محبت ہے۔''

ف: چونکہ کوئی دلیل حقیقت سے متصرف کرنے کی نہیں ہے اس لئے حدیث میں لفظ ''یحبنا'' کو معنیٔ حقیقی پر محمول کر کے اس سے اس مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیوں کہ جب موقوف ہے شعور پر جیسا ''نحبہ'' بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے، باقی مسئلہ ظنیہ ہے داخل عقائد نہیں۔

۲۰۳- فضل مرتبۂ صوفیہ

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قال الله تعالىٰ: من عادىٰ لى وليا فقد اذنته بالحرب، وما تقرب الى عبدى بشىء احب الى من اداء ما افترضت عليه، ولا يزال عبدى يتقرب الى بالنوافل حتى احبه، فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به، وبصره الذى يبصر به، ويده التى يبطش بها، ورجله التى يمشى بها" الحديث. (اخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ (حدیث قدسی میں) فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے مقبول بندہ سے عداوت کرے میں اس کو اشتہار جنگ دیتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسے ذریعہ سے قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ادائے فرض سے زیادہ محبوب ہو، اور میرا بندہ برابر مجھ سے بذریعہ نوافل قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں، پھر جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ کسی چیز کو لیتا ہے، اور پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے''۔ (مطلب یہ کہ اکثر اس کے ان جوارح سے کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا، لا لعارض لا یدوم)

ف: دلالت حدیث کی اس پر ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری: الرقاق، التواضع: رقم: ۶۵۰۲۔

ف: قول، قرب فرائض وقرب نوافل

قوم کے کلمات اصطلاحیہ سے یہ دولفظ بھی ہیں جوحقیقت ان کی بیان کی گئی ہے حدیث کے الفاظ اس کا ماخذ ہے، جس کو احقر نے کلید مثنوی اور مسائل المثنوی میں مشرح ومبسوط بیان کیا ہے۔

ف: مسئلہ، محفوظیتِ اولیاء

مشہور ہے کہ انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں، اور اولیاء محفوظ، کنت سمعہ الخ کی جو تفسیر ترجمہ میں لکھی گئی ہے، اس کے اعتبار سے حدیث اس کا اثبات کرتی ہے۔

۲۰۴-توجیہ، تجلی حق درمخلوق بلاحلول ومعنی اتحاد

(حق تعالیٰ کا بلاحلول اپنی ذات وصفات کے مخلوق میں ظہور فرمانا اور اتحاد کا مطلب)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "اتانی اللیلة اتٍ من ربی" وفی روایة: "اتانی ربی فی احسن صورة". الحدیث. (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''آج شب کو میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا''، اور ایک روایت میں ہے کہ: ''میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا۔''

ف: صوفیاء کے کلام میں ان دو مسئلوں کے عنوان تعبیری میں یہ دو اصطلاحیں پائی جاتی ہیں: حقیقت اول کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلاحلول اپنی ذات وصفات کے خلق میں ظہور فرماتے ہیں، جس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے، پس خلق مظہر اور حق ظاہر ہے، اور ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر ومظہر میں ایسا شدید تعلق ہے کہ مظہر سے انفکاک ظاہر کا محال ہے، سو مسئلے دونوں عقلی ہیں مگر عنوان تعبیری کسی قدر موحش ہوجاتا ہے، لیکن بعد وضوح مراد کے ایسے اصطلاحات کی گنجائش خود حدیث میں تامل کرنے سے

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورة ص: رقم: ٣٢٣٣، قال أبو عیسی: وقد ذکروا بین أبی قلابة وبین ابن عباس فی هذا الحدیث رجلا، وقد رواه قتادة عن خالد بن اللجلاج عن ابن عباس، قلت: ثم نقل الامام هذه الروایة وحکم علیها ب "حسن غریب".

معلوم ہوسکتی ہے، چنانچہ "فی احسن صورۃ" اصطلاح اول کی نظیر ہے اور آیت میں "ات من ربی" کو "ربی" کہہ دینا اصطلاح ثانی کی نظیر ہے اور اگر من تجریدی ہو تو خود "فی احسن صورۃ" اس ثانی کا ماخذ ہوسکتا ہے: کیوں کہ اس صورت مبائنہ کے تلبس سے غیر ذی صورت کو ذی صورت کہنا لازم آیا پس ذی صورت اور غیر ذی صورت میں اتحاد کا حکم لفظی نکل آیا اسی طرح اگر تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے تب بھی فی حسن صورت سے اسی طرح استدلال ہوسکتا ہے، البتہ تجلی واتحاد کو معنی عرفی ولغوی پر محمول کرنا جائز نہیں جیسا عوام جہلاء اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں اور تفصیل ان مباحث کی کلید مثنوی میں لکھ دی گئی ہے۔

٢٠٥-توجیہ، اتحاد بالمعنی المذکور

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یقول اللہ عزوجل یوم القیمۃ مرضت فلم تعدنی، فیقول: یا رب! کیف اعودک وانت رب العلمین؟ قال: اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعدہ، اما علمت انک لو عدتہ لوجدتنی عندہ، ثم ذکر الاستطعام والاستسقاء کذلک وفیھما: "لوجدت ذلک عندی". (اخرجہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حق تعالیٰ قیامت کے روز بعض لوگوں سے فرمائیں گے کہ: میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں؟ آپ تو رب العالمین ہیں (جن پر طریانِ مرض محال ہے اور عیادت موقوف اس طریان پر اور محال پر جو موقوف ہو وہ محال پھر مجھ سے اس فعل محال کا صدور کیوں کر ہوسکتا) ارشاد ہوگا کہ تجھ کو خبر نہیں ہمارا فلانا بندہ بیمار ہوا تھا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی، تجھ کو خبر نہیں اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا"، پھر اسی طرح حدیث میں کھانا مانگنے کا اور پانی مانگنے کا ذکر آیا ہے (یعنی ارشاد ہوگا کہ ہم نے تجھ سے کھانا مانگا، پانی مانگا، وہ بندہ یہی عرض کرے گا اور وہی جواب ملے گا) اور ان دونوں میں جواب یہ ہے کہ: "تو اس کو میرے پاس پاتا۔"

[1] مسلم: البر، فضل عبادۃ المریض. رقم: ٤٣ (٢٥٦٩)

ف: اوپر کی حدیث میں اس مسئلہ کی تقریر ہو چکی ہے، ''عبد'' کے مرض کو اپنی طرف منسوب کر کے ''مرضت'' فرمایا یہ عنوان اس اصطلاح کی زیادہ واضح نظیر ہے اور اگر یہ مریض کوئی عبد مقبول وخاص ہے تو یہ عنوان صوفیاء کے اس خاص قول کی تائید بھی کرتا ہے، کہ گاہ گاہ اس اتحاد و عینیت کا حکم خاص عارفین واہل کمال واہل فناہی کے لئے کیا کرتے ہیں اور ''لوجدتنی عندہ'' کی جگہ دوسرے مقام پر ''لوجدت ذلک عندی'' فرمانا کہ حقیقت میں یہ دوسرا جملہ اس پہلے جملے کی تفسیر ہے اور اس پر متنبہ کر رہا ہے کہ ایسی تعبیریں مجاز ہوتی ہیں حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کئے جائیں جیسا اوپر کی حدیث کے ذیل میں بھی احقر نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

۲۰۶- فضل مرتبہ اخوان الطریقۃ

(پیر بھائیوں کے درجہ کی فضیلت)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث: سبعۃ یظلھم اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیٰ ذلک وتفرقا علیہ''. (أخرجہ الستۃ الا أباداوٗد[۱])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں جس میں سات شخصوں کا ذکر ہے جن کو حق تعالیٰ قیامت میں عرش کا سایہ دیں گے، یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ان میں سے وہ دو شخص بھی ہیں جن میں محض اللہ کے لئے باہم محبت ہے اسی کو لئے ہوئے ملتے ہیں اور اسی کو لئے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔''

ف: پیر و مرید میں تو ایسی محبت ہوتی ہی ہے، مگر پیر بھائی یقیناً اس حدیث کے مصداق ہیں۔

۲۰۷- رسم، حفاظت تبرکات وعدم تغییر آں

(بزرگوں کے تبرکات کو بعینہٖ محفوظ رکھنا)

عن عاصم الاحول قال: رأیت قدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند انس

---

[۱] بخاری: الزکاۃ الصدقۃ بالیمین. رقم: ۱۴۲۳، مسلم: الزکاۃ، فضل اخفاء الصدقۃ. رقم: ۹۱ (۱۰۳۱) ترمذی: الزھد، الحب فی اللہ. رقم: ۲۳۹۱ وقال: حسن صحیح، نسائی: اداب القضاۃ، الامام العادل. رقم: ۵۳۸۲، موطا: الشعر، ماجاء فی المتحابین فی اللہ ۳۷۷ مکتبہ تھانوی.

بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه، وکان قد انصدع فسلسله بفضة، قال ابن سیرین: وقد رأیت ذلک القدح وکان فیه حلقة من حدید فاراد انس ان یجعل مکانها حلقة من فضة او ذهب، فقال له ابو طلحة: لاتغیرن شیئا فعله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فترکه. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عاصم احول سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ (چوبیں) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دیکھا اور اس میں ایک دراڑ پڑ گئی تھی، آپ نے اس میں چاندی کا پتر لگوالیا تھا، ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا تھا اور اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس کی زیادت احترام کے لئے) یہ چاہا کہ اس کی جگہ چاندی، سونے کا حلقہ لگوالیں (اور استعمال میں اس کو ہاتھ اور منہ سے الگ رکھتے) ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنوائی ہوئی چیز کو مت بدلو، سو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

ف: اکثر اہل محبت کا یہی معمول ہے کہ تبرکات کو حتی الامکان بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو ادب سمجھتے ہیں، یہ حدیث اس کی مؤید ہے۔

۲۰۸- عادت، عزلت بمصلحت

(کسی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرنا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال، ومواقع القطر، یفر بدینه من الفتن". (أخرجه البخاری ومالک وأبو داؤد والنسائی[2])

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "ایسا وقت نزدیک آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لئے لئے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے جمع ہونے کی جگہوں یعنی نالوں میں (جب

---

[1] بخاری: الأشربة، الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیه وسلم وانیته. رقم: ۵۶۳۸.

[2] بخاری: الایمان، باب: من الدین الفرار من الفتن. رقم: ۱۹، ابوداؤد: الفتن، الرخصة فی التبدی فی الفتنة، رقم: ۴۲۶۷، نسائی: الایمان وشرائعه، الفرار بالدین من الفتن. رقم: ۵۰۳۹، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الفتن، العزلة، رقم: ۳۹۸۰، موطا: الاستیذان، أمر الغنم ۳۸۴ (تھانوی)

کہ وہ خشک ہو جائیں پھرے گا) اپنے دین کو لئے ہوئے فتنوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا۔

ف: بعض بزرگوں نے اپنی خاص حالت کے اقتضاء سے گوشہ اختیار کیا ہے اس حدیث سے اس کا اذن بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے جب اختلاط میں ضرر دین کا اندیشہ ہو۔

ف: عدم تنافی بین الکمال واسباب المعاش

(اسبابِ معاش کے ساتھ کمال حاصل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

بکریوں کا اسباب معاش ہونا ظاہر ہے پس حدیث کی دلالت مقصود پر ظاہر ہے، بعض عوام ان میں تنافی سمجھتے ہیں۔

۲۰۹- متفرقات، آدابِ قبول ہدیہ

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني العطاء فاقول: اعطه من هو افقر اليه منی، فيقول: "خذه وما جاء ک من هذا المال - وانت غير مشرف ولاسائل - فخذه فتموله، فان شئت فكله وان شئت فتصدق به، ومالا فلا تتبعه نفسک" قال سالم: فلا جل ذلک كان عبدالله لايسال احداً شيئا ولا يرد شيئا اعطيه. (أخرجه البخاری و مسلم والنسائی)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کچھ عطیہ دیتے تو میں عرض کرتا کہ ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس کا حاجت مند ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ: "اس کو لے لو اور جو مال بھی اس قسم کا تمہارے پاس آوے اس طرح سے کہ نہ تو تم اس میں کسی کے دست نگر ہو اور نہ کسی سے سوال کیا ہو، تو تم اس کو لے لو اور اس کو اپنی ملک بنالو، پھر اگر چاہو تو کھاؤ اور اگر چاہو تو خیرات کردو، اور جو نہ آوے تو اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت ڈالو"، حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسی لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ نہ تو کسی سے کچھ مانگتے تھے اور نہ آئی ہوئی چیز کو پھیرتے تھے۔

---

[1] بخاری: الأحکام، رزق الحکام والعاملین علیها. رقم: ۷۱۶۴، مسلم: الزکاة جواز الأخذ بغیر سؤال ولاتطلع، رقم: ۱۱۰ (۱۰۴۵) نسائی: الزکاة، من اتاه الله عزوجل مالا من غیر مسألة. رقم: ۲۶۰۹.

ف: حدیث میں صاف صاف مذکور ہے اور بعینہٖ یہی معمول ہے، محققین اہل طریق کا ایک مقولہ اسی کے موافق مشہور ہے، "چوں نیاید طمع نکند، وچوں بیاید منع نکند وچوں بگیرد جمع نکند۔"

۲۱۰- اصلاح، عدم اغترار بالخوارق

(خرق عادت اشیاء کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا)

عن ابی سعید الخدری، رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یاتی الدجال" الحدیث. وفیہ: "فیقول الدجال، ارأیتم ان قتلت ھذا ثم احییتہ ھل تشکون فی الامر فیقولون، لا، فیقتلہ ثم یحییہ". الحدیث (أخرجہ الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "دجال آوے گا" اور اسی حدیث میں ہے کہ: "پھر دجال کہے گا بتلاؤ تو اگر میں اس شخص کو قتل کردوں پھر اس کو زندہ کردوں کیا تم میرے معاملہ (دعویٰ الوہیت) میں شبہ کروگے، وہ لوگ (یعنی اسکے معتقدین) کہیں گے کہ نہیں، پس وہ اس کو قتل کردے گا پھر زندہ کردے گا۔"

ف: اکثر عام لوگ خوارق کو علامت ولایت کی سمجھتے ہیں یہ سخت غلطی ہے، دیکھو دجال سے زیادہ کون گمراہ ہوگا اور احیاء میت سے بڑھ کر کون امر خارق ہوگا، باوجود اتنے بڑے خارق کے صادر ہونے کے دجال کے گمراہ ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے، اس غلطی کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

۲۱۱- اصلاح، امکانِ کشف واطلاع خواطر اہل باطل را

(اہل باطل کو بھی کشف ہوسکتا ہے)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ ابن صیاد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ: "ماذا تریٰ"؟ قال: یاتینی صادق و کاذب فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "خلط علیک الأمر" ثم قال لہ صلی اللہ علیہ وسلم: (انی قد خبات لک

---

[1] بخاری: الفتن لایدخل الدجال المدینۃ. رقم: ۷۱۳۲، مسلم: الفتن، صفۃ الدجال وتحریم المدینۃ علیہ وقتلہ المؤمن واحیائہ. رقم: ۱۱۲ (۲۹۳۸)

خبیئا" فقال ابن صیاد: هو الدخ فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اخساء فلن تعدو قدرک". الحدیث. (أخرجه الخمسة الا النسائی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن صیاد کے قصہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تجھ کو کیا نظر آتا ہے"؟ کہنے لگا میرے پاس کبھی سچا خبر دینے والا آتا ہے اور کبھی جھوٹا (یہ آنے والے شیاطین تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "تجھ پر امر واقعی مشتبہ کیا گیا ہے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: "میں نے ایک بات دل میں چھپالی ہے"، (بتلا کیا ہے؟ اور روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت دل میں سوچ لی، ﴿یوم تاتی السماء بدخان مبین﴾ ابن صیاد نے کہا وہ دخ یعنی دخان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ذلیل و خوار رہ، تو اپنی اس حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا۔"

ف: مثل حدیث سابق کے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل باطل کو کشفِ کائنات واشرافِ خاطر ہوسکتا ہے، پس یہ علامت ولایت کی نہیں جیسا کہ عام لوگ دھوکہ میں ہیں۔

۲۱۲ - مسئلہ، صحت صدور کرامات (کرامات کا صادر ہونا صحیح ہے)

عن ابن هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "هل سمعتم بمدینة جانب منها فی البر وجانب منها فی البحر"؟ قالوا: نعم. قال: "لاتقوم الساعة حتی یغزوها سبعون الفاً من بنی اسحق، فاذا جاء وها نزلوا، فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسهم، قالوا: لا اله الا الله والله اکبر فیسقط احد جانبیها الذی فی البحر، ثم یقولون الثانیة لا اله الا الله والله اکبر فیسقط جانبها الآخر". الحدیث. (أخرجه مسلم[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم لوگوں نے کوئی ایسا شہر سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی میں ہے اور ایک

---

[1] بخاری: الجنائز، اذا أسلم الصبی فمات، هل یصلی علیه؟ وهل یعرض علی الصبی الاسلام، رقم: ۱۳۵۴، مسلم: الفتن، ذکر ابن صیاد. رقم: ۹۵ (۲۹۳۰)، أبوداؤد: الملاحم، خبر ابن الصائد. رقم: ۴۳۲۹، ترمذی: الفتن، ذکر ابن صیاد. رقم: ۲۲۴۶ وقال: حسن صحیح. [2] مسلم: الفتن، لاتقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل، فیتمنی ان یکون مکان المیت من البلاء رقم: ۷۸ (۲۹۲۰)

جانب سمندر میں''؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ اس شہر پر ستر ہزار بنی اسحاق جہاد نہ کریں گے، اور یہ لوگ جب وہاں آ کر اتریں گے تو نہ ہتھیار سے لڑیں گے اور نہ تیر پھینکیں گے، صرف زبان سے کہیں گے ''لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' پس (اس کے اثر سے) اس شہر کی وہ جانب گر پڑے گی جو سمندر میں ہے، پھر دوبارہ کہیں گے ''لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' سو اس کی دوسری جانب بھی گر پڑے گی۔''

ف: بعض معتزلی المشرب اولیاء کے کرامات کے منکر ہوتے ہیں، حدیث میں ان بنی اسحاق کی ایک بین کرامت کی خبر دی گئی ہے جو ان سے صادر ہوگی۔

۲۱۳- اصلاح، حرمت سماع ورقص متعارف

(مروجہ سماع اور رقص کی حرمت)

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حل بھا البلاء". وفیہ: "واتخذت القیان والمعازف". الحدیث (رواہ الترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب میری امت پندرہ کام کرنا شروع کرے گی تو ان پر بلائیں نازل ہونے لگیں گی''، اسی حدیث میں (ان پندرہ کاموں میں) یہ بھی ہے کہ: ''گانے والی عورتیں اور بجانے کا ساز وسامان کیا جائے گا۔''

ف: بعض جہلاء صوفیاء نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ عورتوں کا آلات کے ساتھ گانا سنتے ہیں، حدیث سے دونوں طریق کی مذمت ظاہر ہے۔

۲۱۴- متفرقات، اصل طریق تصوف

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا

---

[1] ترمذی: الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف. رقم: ۲۲۱۰ وقال: حسن غریب، لانعرفہ من حدیث علی الامن ھذا الوجہ.

فسدت فسد الجسد كله، الاوهى القلب". (أخرجه الخمسة[1])

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یاد رکھو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ سنورتا ہے تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تمام بدن بگڑ جاتا ہے، یاد رکھو کہ وہ قلب ہے۔''

ف: اہل تصوف کے طریق کا بڑا مدار اصلاح قلب ہے، یہ حدیث اس کے مہتم بالشان ہونے کو صاف بتلا رہی ہے۔

۲۱۵- اصلاح، حرمت نذرانہ از مال کسبی و اجرت فال وغیرہ

عن ابی مسعود البدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ثمن الكلب، ومهر البغی، وحلوان الكاهن. (أخرجه الستة[2])

ترجمہ: حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے داموں سے (تنزیہاً) اور زانیہ کی خرچی سے اور کاہن کے نذرانہ سے (تحریماً) منع فرمایا ہے۔

ف: اس وقت رسمی پیروں میں یہ دونوں بلائیں شائع ہیں کہ بازاری عورتوں سے بے تکلف نذرانے لیتے ہیں اور فال غیر مشروع تعویذ گنڈوں سے بھی روپے وصول کرتے ہیں، حدیث سے دونوں کی مذمت ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری: الایمان، فضل من استبرأ لدینه، رقم: ۵۲، مسلم: البیوع، أذ الحلال وترک الشبهات. رقم: ۱۰۷ (۱۵۹۹)، أبوداؤد: البیوع، اجتناب الشبهات، رقم: ۳۳۲۹ ولیس فیه: "الا وان فی الجسد مضغة......" ترمذی: البیوع، ترک الشبهات، رقم: ۱۲۰۵ مثل أبی داؤد. وقال: حسن صحیح، نسائی: البیوع، اجتناب الشبهات فی الکسب مثل أبی داؤد رقم: ۴۴۵۸، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الفتن، الوقوف عند الشبهات. رقم: ۳۹۸۴.

[2] بخاری: الطب، باب الکهانة. رقم: ۵۷۶۱، مسلم: البیوع، تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی رقم: ۳۹ (۱۵۶۷)، أبوداؤد: البیوع، اثمان الکلب. رقم: ۳۴۸۱، ترمذی: البیوع، ثمن الکلب. رقم: ۱۲۷۶ وقال: حسن صحیح، نسائی: البیوع، بیع الکلب. رقم: ۴۶۷۰، قلنا: وأخرجه ابن ماجة التجارات، النهی عن ثمن الکلب رقم: ۲۱۵۹، موطا: البیوع، ثمن الکلب رقم: الصفحة: ۳۷۷ مطبوعة: مکتبة رحیمیة.

۲۱۶-قول، اثباتِ ظلمتِ قلب

عن مالک انه بلغه ان ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: لایزال العبد یکذب ویتحری الکذب فینکت فی قلبه نکتة سوداء حتی یسود قلبه. الحدیث (أخرجه مالک[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بعضا شخص برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جان جان کر جھوٹ بولتا ہے اس سے اس کے قلب میں سیاہ داغ پڑجاتا ہے یہاں تک کہ (اسی طرح) تمام قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔

ف: بزرگوں کے ارشادات میں بکثرت پایا جاتا ہے کہ فلاں عمل سے فلاں امر سے قلب سیاہ ہوجاتا ہے، اس حدیث میں اس فعل کی صحت کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۱۷-اصلاح، مذمت تصنع بتشبہ غیر کامل بہ کامل

(غیر کامل کا طرز وانداز سے اپنے کو کامل ظاہر کرنا)

عن اسماء رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "المتشبع بما لم یعط کلابس ثوبی زور". (أخرجه الخمسة الا الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جو شخص ایسے امر کا اظہار کرے جو اس کو نہیں ملی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دونوں کپڑے جھوٹ کے پہن لئے" (یعنی ازار اور رداء، مطلب یہ کہ گویا سر سے پیر تک جھوٹ ہی جھوٹ لپیٹ لیا)

ف: چوں کہ "مالم یعط" عام ہے کمالات باطنیہ کو بھی، اس لئے حدیث میں ایسے شخصوں کی بھی مذمت ہے جو باوجود عاری یا ناقص ہونے کے قول یا فعل یا طرز وانداز سے

---

[1] موطا: الکلام، ماجاء فی الصدق والکذب: ۳۸۸. (مکتبه رحیمیه)

[2] بخاری: النکاح المتشبع بمالم ینل، وما ینهی من افتخار الضرة رقم: ۵۲۱۹، مسلم: اللباس والزینة، النهی عن النزویر فی اللباس وغیره رقم: ۱۲۷ (۲۱۲۹)، أبوداؤد: الأدب، من یتشبع بمالم یعط. رقم: ۴۹۹۷، نسائی: (الکبری) عشرة النساء، المتشبعة بغیر ماأعطیت رقم: ۸۹۲۱/۲.

اپنے کو بزرگ ظاہر کرتے ہیں، خاص کر جب کہ مرید کرنا بھی شروع کردیں۔

۲۱۸- عادتِ بعض، ترکِ زینت بقصد

عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (من ترک اللباس تواضعاً وھو یقدر علیہ، دعاہ اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ علی رؤوس الخلائق حتی یخیرہ من ای حلل الایمان شاء یلبسھا" (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص (زینت کے) لباس کو تواضع کی راہ سے چھوڑ دے گا باوجودیکہ اس پر قادر ہو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز برسرِ مجمع بلائیں گے یہاں تک کہ اس کو اختیار دیں گے کہ ایمان کے جوڑوں میں سے جونسا چاہے پہن لے'' (ایمان کے جوڑوں کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کے انعام میں جو جوڑے عطا ہوں گے، جو بہ تفاوت کمال و نقصان ایمان متفاوت ہوں گے مگر اس شخص کو گو اپنے درجۂ ایمان کے اعتبار سے اس کا مستحق نہ ہو مگر تواضع کی بدولت اس کو ہر جوڑے کے لینے کا اختیار ہوگا۔ واللہ اعلم۔)

ف: اس میں بزرگوں کا معمول مختلف ہے، بعض تو نہ زینت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ ترکِ زینت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہر ایک کی ایک نیت اور مصلحت ہے "الأعمال بالنیات" دوسری عادت اس حدیث کے موافق ہے اور پہلی عادت کا استحسان حدیث آئندہ میں آتا ہے۔

۲۱۹- عادتِ بعض، عدم اہتمام ترکِ زینت

عن ابی زمیل قال: حدثنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما خرجت الحروریۃ اتیت علیا فقال: ائت ھؤلاء القوم، فلبست احسن مایکون ثیابی من حلل الیمن فلقیتھم، فقالوا: مرحباً بک یا ابن عباس! ماھذہ الحلۃ؟ قلت: ما تعیبون علی؟ لقد رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن مایکون من الحلل. (أخرجہ ابو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابو زمیل سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] ترمذی: صفۃ القیامۃ: باب البناء کلہ وبال. رقم: ۲۴۸۱.

[2] ابو داؤد: اللباس، لباس الغلیظ. رقم: ۴۰۳۷ سکت عنہ المنذری.

عنہ نے قصہ بیان کیا کہ جب حروریہ (کہ مذہب خارجی رکھتے تھے) ظاہر ہوئے، میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا کہ تم (ان کی تفہیم کے لئے) ان کے پاس جاؤ، میں نے یمن کی مہنگی چادروں میں سے ایک عمدہ جوڑا پہنا، پھر ان سے ملا، انہوں نے مرحبا خوش آمدی کے بعد (بطور اعتراض کے) کہا، اے عباس! یہ جوڑا کیسا ہے (ایسا عمدہ لباس کیوں پہنا ہے) میں نے جواب دیا کہ تم اس سے مجھ پر کیا اعتراض کرتے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (جسم مبارک) پر بہت ہی عمدہ جوڑا دیکھا ہے۔

ف: اس مضمون کی تقریر حدیث سابق کے ذیل میں گزر چکی ہے، یہ حدیث اس عادت کی دلیل ہے اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے تو زینت کا اہتمام معلوم ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ اہتمام سے مراد یہ ہے کہ اس کو عادتِ دائمی بنالیا جائے، یہ البتہ مستحسن نہیں اور کبھی کسی عارضی مصلحت سے اگر کسی خاص وقت پر قصداً بھی ہو تو یہ اہتمام مذموم نہیں، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عادت عدم اہتمام زینت کی معلوم ہوتی ہے، اس لئے حدیث کا مدلول اہتمام زینت نہیں بلکہ عدم اہتمام ترکِ زینت ہے۔

۲۲۰- عادت بعض، تمام پارچہ رنگین پوشیدن

(رنگین لباس پہننا)

عن ابی رمثۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوبین اخضرین. (أخرجه أصحاب السنن[1])

ترجمہ: حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز کپڑے دیکھے ہیں (یعنی لنگی اور چادر)

ف: بعضے درویشوں کی عادت ہے کہ سر سے پاؤں تک رنگین کپڑے پہنتے ہیں، سو اگر یہ ریاء ہو تب تو ظاہر کہ مذموم ہے اور اگر کسی مصلحت سے ہو مثلاً یہ کہ رنگین کپڑے میلے کم

---

[1] أبو داؤد: اللباس الخضرة. رقم: ۴۰۶۵ سکت عنه المنذری، ترمذی: الأدب، الثوب الأخضر. رقم: ۲۸۱۲، وقال: حسن غریب. لانعرفه الامن حدیث عبیدالله بن ایاد، نسائی: الزينة، لبس الخضر من الثياب. رقم: ۵۳۲۱.

ہوتے ہیں بار بار دھلوانا بھی مشغولی الی غیر المطلوب ہے تو مضائقہ نہیں، اس حدیث میں بھی پورے کپڑوں کا رنگین ہونا مذکور ہے، گو داعی یہاں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے اور قیاس کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

۲۲۱- عادت بعض، لبس صوف (اون پہننا)

عن ابی بردة رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخلت علی عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فاخرجت الینا کساء ملبداً وازار غلیظاً فقالت: قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم فی هذین. (أخرجه الخمسة الاالنسائی[۱])

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے ہم کو ایک کمبل بہت دبیز اور ایک لنگی موٹے کپڑے کی نکال کر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کپڑوں میں وفات پائی ہے۔

ف: بعضے درویش اکثر احوال میں کمبل وغیرہ اوڑھے رہتے ہیں اور احقر کے نزدیک عجب نہیں کہ ان کا لقب صوفی اسی وجہ سے ہوا ہو، گو اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں، اگر یہ براہ تصنع اور ریا نہ ہو تو یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

۲۲۲- لباس صوف پہننے کا ثبوت

عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "کان علی موسیٰ علیه السلام یوم کلمه ربه تعالیٰ سراویل صوف[۲] وجبة صوف وکساء صوف وکمة صوف". الحدیث (أخرجه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے کلام کیا ہے انکے جسم پر

---

[۱] بخاری: فرض الخمس، ماذکر من درع النبی صلی الله علیه وسلم وعصاه وسیفه وقدحه الخ. رقم: ۳۱۰۸، مسلم: اللباس، التواضع فی اللباس، والاقتصار علی الغلیظ منه والیسیر فی اللباس والفراش وغیرهما. رقم: ۳۵ (۲۰۸۰)، أبوداؤد: اللباس، لباس الغلیظ. رقم: ۴۰۳۶، ترمذی: اللباس، ماجاء فی لبس الصوف. رقم: ۱۷۳۳ وقال: حسن صحیح.

[۲] ترمذی: اللباس، لبس الصوف. رقم: ۱۷۳۴، وقال: غریب لانعرفه الامن حدیث حمید الأعرج.

پورالباس صوف کا تھا، پائجامہ بھی اسی کا اور کرتہ بھی اسی کا اور چادر بھی اسی کی اور ٹوپی بھی اسی کی۔

ف: یہ حدیث بھی مثل حدیث سابق بوجہ اتم لبس صوف کا اثبات کرتی ہے۔

۲۲۳- عادت، قبول ہدیہ یا رعایتے از کافر

(کافر سے ہدیہ یا رعایت قبول کرنا)

عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه ان على بن ابى طالب رضى الله تعالىٰ عنه دخل على فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها الحديث. وفيه: وقالت ايت الى فلان اليهودى فاشتر يه دقيقا، فجائه فاخذه الدقيق فقال له اليهودى: انت ختن هذا الذى يزعم انه رسول الله؟ قال: نعم. قال: فخذ دينارک ولک الدقيق. (أخرجه أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور اسی حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ تم فلانے یہودی کے پاس جاؤ اور اس دینار کا آٹا خریدلو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس آئے اور آٹا لیا، یہودی نے کہا آپ ان بزرگ کے داماد ہیں، جو دعویٰ رسالت کا کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: ہاں! یہودی نے کہا اپنا دینار لے جایئے اور آٹا آپ کی نذر ہے۔

ف: بعض بزرگوں پر متشددین کا یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ لیتے ہیں اس حدیث سے اس کا جواز واضح ہے، البتہ جہاں لینے میں کوئی مفسدہ یا نہ لینے میں کوئی مصلحت ہو، وہاں نہ لیا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بزرگ یا کسی بزرگ کی طرف منتسب ہونے کے سبب سے کچھ خدمت یا رعایت بطیب خاطر کرے تو یہ دین فروشی نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اپنے کو اس سبب سے مستحق رعایت کا سمجھے وہ بالیقین مدعی و مرائی و دوکاندار ہے۔

---

[1] أبو داؤد: اللقطة، (باب التعريف باللقطة) رقم: ۱۷۱۶، قال المنذرى: فى اسناده موسى بن يعقوب الزمعى المدينى، كنيته أبومحمد، وقال: يحيى بن معين ثقة، وقال: ابن عدى هو عندى لابأس به ولا برواياته وقال أبو محمد عبدالرحمٰن النسائى: ليس بالقوى. الخ.

۲۲۴- عادت، ترک بعض مباحات برائے احتیاط

(احتیاطاً امر مباح کو ترک کر دینا)

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی قصة عهد عتبة الی اخیه سعد بن ابی وقاص فی ابن ولیدة زمعة فنظر رسول الله صلی الله علیه وسلم الی شبها فرأیٰ شبها بینا بعتبة فقال: "هو لک یا عبد بن زمعة، الولد للفراش وللعاهر الحجر" ثم قال لسودة بنت زمعة: "احتجبی منه". الحدیث (أخرجه الستة الا الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس قصہ میں مروی ہے جس میں عتبہ نے (اس بناء پر کہ جاہلیت میں زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا سے بچہ پیدا ہوا تھا) اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص کو (موافق دستور جاہلیت) کے زمعہ کی لونڈی کے (اس) بچہ (مذکور) کے بارہ میں (یہ) وصیت کی تھی (کہ جب تم اس بچہ کو دیکھو تو لے لینا کہ وہ تمہارا بھتیجا ہے، جب انہوں نے اس کے لینے کا ارادہ کیا تو زمعہ کے بیٹے عبد بن زمعہ نے مزاحمت کی اور کہا کہ یہ میرے باپ کی لونڈی کا بچہ ہے تو میرے باپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے۔ آخر یہ مقدمہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا اور وہ مروی یہ مضمون ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شباہت نہایت صاف عتبہ سے دیکھی مگر (بوجہ قاعدہ شرعیہ "الولد للفراش" کے عبد بن زمعہ سے) یہ فرمایا کہ اے عبد بن زمعہ یہ تیرا ہی (بھائی) ہے، کیوں کہ اولاد مالک بستر کا حق ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے پھر (اس شباہت کی وجہ سے احتیاطاً) حضرت سودہ بنت زمعہ کو (کہ آپ کی بیوی تھیں اور ان ہی زمعہ کی بیٹی تھیں اور اس فیصلہ کے موافق اس لڑکے کی بہن تھیں) یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑکے سے چھپا کرو۔

ف: قاعدہ شرعیہ سے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس لڑکے کے سامنے آنا مباح تھا مگر احتیاط کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کے لئے اس مباح کے ترک کا

---

[1] بخاری: البیوع، تفسیر المشبهات. رقم: ۲۰۵۳، مسلم: الرضاع، الولد للفراش وتوقی الشبهات رقم: ۳۶ (۱۴۵۷) ابوداؤد: الطلاق، الولد للفراش رقم: ۲۲۷۳، نسائی: الطلاق، الحاق الولد، بالفراش اذا لم ینفه صاحب الفراش رقم: ۳۵۱۴، قلنا: وأخرجه ابن ماجة النکاح، الولد للفراش وللعاهر الحجر رقم: ۲۰۰۴، موطا: الأقضیة، بالحاق الولد بأبیه ۳۰۹ (مکتبه رحیمیه)

امر فرمایا اس سے اس قسم کے ترک مباح کی اجازت ثابت ہوئی مگر بلا مصلحت ایسا کرنا یا اعتقاد میں تعدی کرنا یہ غلو فی الدین ہے۔

۲۲۵-قول، کل ماشغلک عن الحق فھو طاغوتک

(جو چیز تجھے راہِ راست سے ہٹائے وہ تیرا شیطان ہے)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یتبع حمامۃ یلعب بھا، فقال: (شیطان یتبع شیطانۃ). (أخرجہ أبوداؤد[۱])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے لہوولعب کے طور پر جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ایک شیطان ہے کہ ایک شیطان کے پیچھے جارہا ہے۔''

ف: صوفیہ میں یہ قول مشہور ہے اور حدیث میں اس کبوتر کو شیطان فرمانا چوں کہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ سبب ہوگیا معصیت وغفلت کا، اس لئے حدیث اور قول مذکور کا بالکل ایک حاصل ہے۔

۲۲۶-توجیہ، ہمہ اوست

(سب کچھ حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "قال اللہ تعالیٰ: یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر، بیدی الامر قلب اللیل والنھار". (أخرجہ الثلثۃ وأبوداؤد[۲])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ابوداؤد: الأدب، اللعب بالحمام: رقم: ۴۹۴۰، وقال المنذری: فی اسنادہ محمد بن عمرو بن علقمۃ اللیثی قد استشھد بہ مسلم، ووثقہ ابن معین ومحمد بن یحیی، وقال: ابن معین مرۃ: مازال الناس یتقون حدیثہ، وقال السعدی: لیس بقوی، وغمزہ الامام مالک، وقال ابن المدینی: سألت یحیی - یعنی القطان - عن محمد بن علقمۃ: کیف ھو؟ قال: ترید العفو أو تشدد؟ قلت: بل أتشدد قال: فلیس ھرممن ترید، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ الأدب، اللعب بالحمام. رقم: ۳۷۶۵. [۲] بخاری: التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ! یریدون ان یبدلوا کلم اللہ. رقم: ۷۴۹۱، مسلم: الألفاظ من الأدب وغیرھا، النھی عن سب الدھر رقم: ۲ (۲۲۴۶) ابوداؤد: الأدب، الرجل یسب الدھر. رقم: ۵۲۷۴، موطا: الاستئذان: مایکرہ من الکلام، بلفظ: "لایقولن أحدکم یاخیبہ الدھر: فان اللہ ھو الدھر"، ۳۸۲ (رحیمیہ)

نے ارشاد فرمایا کہ: ''حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھ کو آزردہ کرتا ہے کہ زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں (آگے اس کی تفسیر ہے) کہ میرے ہی قبضہ میں سب کام ہیں (جو کہ زمانہ میں واقع ہوتا ہے) رات اور دن کو (کہ زمانے کے حصے ہیں) میں ہی ادل بدل کرتا ہوں''، (جس کی طرف آدمی واقعات کو منسوب کرتا ہے، سو زمانہ تو مع مافیہ کے خود میرے قبضہ میں ہے پس یہ سب تصرفات میرے ہی ہیں تو اس کو برا کہنے سے درحقیقت مجھ کو برا کہنا لازم آتا ہے)

ف: یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور زمانہ دونوں متحد نہیں ہیں مگر باوجود عدم اتحاد کے ایک تاویل سے جس کی تقریر بضمن ترجمہ کی گئی ہے، لفظ اتحاد کا حکم کیا ہے؟ محققین کے نزدیک اسی تاویل سے اوست کا حکم ہمہ پر کیا گیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ ہمہ کا جو مصداق ہے وہ سب مع اپنے افعال و آثار قبضہ حق میں ہے، پس متصرف حقیقی و موجود مستقل صرف حق تعالیٰ ہے ہمہ کوئی چیز نہیں، پس حدیث سے اس قول صوفیاء کی تائید ظاہر ہے، اگر اسی تقریر کو زیادہ بسط سے دریافت کرنا ہو تو کلید مثنوی کے دیباچہ میں تحت شعر جملہ معشوق است الخ دیکھ لیا جائے، غرض جس طرح مقصود حدیث میں حق کے تصرفات کا اثبات اور الدہر کے تصرف کی نفی ہے، اسی طرح اس قول میں حق کے استقلال کا اثبات اور خلق کے استقلال کی نفی ہے۔

۲۲۷- اصلاح، ابطال دعویٰ سینہ بسینہ شدن علم تصوف

(علم تصوف کا سینہ بسینہ منتقل ہونے کا دعویٰ کرنا باطل ہے)

عن ابی الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اتی رجل علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسر الیک؟ فغضب، وقال: ماکان یسر الی شیئاً یکتمہ الناس، غیر انہ حدثنی باربع کلمات. قال: ماھن؟ قال: لعن اللہ تعالیٰ من ذبح لغیر اللہ. الحدیث (أخرجه مسلم والنسائی[1]) وزاد رزین عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ملعون من صد اعمیٰ عن الطریق.

---

[1] مسلم: الأضاحی، تحریم الذبح لغیر اللہ تعالی ولعن فاعله، رقم: ۴۳ (۱۹۷۸)، نسائی: الضحایا، من ذبح لغیر اللہ عزوجل. رقم: ۴۴۲۷، وزاد رزین: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ملعون من صد أعمی عن الطریق"، أخرجه ابن عدی فی الکامل فی ترجمة زمیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ۲۳۴.

ترجمہ: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خفیہ باتیں کیا بتلایا کرتے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا مجھ کو کوئی بات خفیہ ایسی نہیں بتلائی جس کو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہوں مگر بے شک مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائی تھیں (اور وہ باتیں دوسروں سے بھی پوشیدہ نہیں جیسا ان باتوں کی تعیین سے ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، پس اچھی طرح اختصاص کی نفی ہوگئی) اس شخص نے کہا کہ وہ باتیں کیا ہیں؟ فرمایا ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے واسطے ذبح کرے، آگے پوری حدیث ہے، (روایت کیا اس کو مسلم اور نسائی نے) اور رزین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی اندھے کو راستہ سے بچلا دے۔

ف: اکثر ناواقفوں کی زبان زد ہے کہ علم تصوف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خفیہ تعلیم فرمایا گیا تھا، پھر ان سے آج تک اسی طرح چلا آتا ہے اس دعویٰ کا مہمل اور لغو ہونا اس حدیث میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے ظاہر ہے، علاوہ کذب ہونے کے اس دعویٰ کرنے والوں کو غرض اصلی اس سے یہ ہے کہ شریعت کے خلاف بھی بعضے امور صحیح ہیں جو خفیہ تعلیم کئے گئے ہیں، اس عقیدہ کا بطلان بلکہ قریب بکفر ہونا یقینی ہے۔

اور حدیث صدو ہشتاد و ہشتم میں جو سرگوشی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ کسی امر انتظامی کے متعلق تھی نہ کہ علم تصوف کے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں اور جو چیز سینہ بسینہ چلی آتی ہے وہ نسبت باطنی ہے، جس کی شرح حدیث صدو چہل ونہم میں گزری ہے اور صوفیاء میں جو مرید کو خفیہ تعلیم کا طریق ہے وہ غیر شریعت کی تعلیم نہیں ہے، اخفاء محض بعض مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے، جس کی شرح حدیث چہارم میں گزری۔

ف: اصلاح، ذم نذر لغیر اللہ (غیر اللہ کے نام پر نذر ماننے کی مذمت)

جاہل درویشوں میں اور ان کے معتقدین میں غیر اللہ کے نذر کا مختلف طریقوں سے بہت رواج ہے، ذابح لغیر اللہ کا ملعون ہونا ایسے نذور کی حرمت کو بتلا رہا ہے کیوں کہ ذابح

لغیر اللہ کے عموم میں یہ بھی ہے کہ ذبح کے وقت نام تو اللہ تعالیٰ کا لیا جائے مگر نیت ہو غیر اللہ کی تراضی وتقرب کی، چنانچہ درمختار وغیرہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ یہی بات نذر لغیر اللہ میں ہوتی ہے، پس اس کے مذموم بلکہ شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ف: اصلاح، ذم مشیخت نا اہل را (نا اہل کو شیخ بنانے کی مذمت)

حدیث میں راہ سے اندھے کو بچلانے والے کی ملعونیت مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ آخرت کی راہ دنیا کی راہ سے زیادہ اہم ہے اور اس کا اعمیٰ راہ دنیا کے اعمیٰ سے زیادہ اشد و احوج الی الہدایہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: **﴿فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور﴾** جب اس اعمیٰ ظاہر کو راہ ظاہر سے بچلانے والا ملعون ہے تو اعمیٰ باطن کو راہِ باطن سے بچلانے والا کس درجہ ملعون ہوگا، جھوٹے اور مکار اور ناواقف پیر اس کے پورے مصداق ہیں، پس ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ پیری سے توبہ کریں۔

۲۲۸- عادت، ترک اشغال دنیا

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم! تفرغ لعبادتی املا صدرک غنی واسد فقرک، وان لاتفعل ملأت یدیک شغلاً ولم اسد فقرک". (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینہ کو غنا سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو بند کر دوں گا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو تیرے دونوں ہاتھوں کو مشاغل وتعلقات سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی کو بند نہ کروں گا۔"

ف: اس جماعت میں اکثر کا طرز یہی رہا ہے کہ اشغال دنیویہ کو بالکلیہ متروک رکھا ہے جس پر مخالفین ان کو بے دست و پا اور ثقیل علی الناس کہتے رہتے ہیں، اس حدیث سے اس کی محمودیت معلوم ہوتی ہے، البتہ غرض اس کی وہی ہونا چاہئے جو حدیث میں ہے یعنی

---

[1] ترمذی: صفة القيامة (باب أحاديث: ابتلينا بالضراء، ومن كانت الأخرة همه وابن آدم تفرغ لعبادتی). رقم: ۲۴۶۶، وقال: حسن غريب، قلنا: وأخرجه ابن ماجة الزهد، الهم بالدنيا. رقم: ۴۱۰۷.

فراغ للعبادت اور من جملہ اس کی شرائط کے، قوت صبر وعدم اشراف قلب ہے۔

۲۲۹-متفرقات، حقیقت نسبتِ باطنی

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل: "وما اقبل عبدٌ علی اللہ بقلبہ الا جعل اللہ قلوب المؤمنین تنقاد الیہ بالود والرحمۃ، وکان اللہ تعالیٰ بکل خیر الیہ اسرع". (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: "کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنے قلب سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے مگر حق تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب کو اس کی طرف محبت اور مہربانی کے ساتھ متوجہ اور مطیع کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خیر اس کی طرف جلدی پہنچاتے ہیں۔"

ف: حق تعالیٰ کے ساتھ دل کا لگ جانا جس کے لوازم عادیہ سے دوام ہیں دوام یادداشت ودوام اطاعت، غالب احوال میں یہ حقیقت ہے نسبت باطنی کی، اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

ف: فضیلت مدح اہل باطن

حدیث کی اس پر دلالت ظاہر ہے اور ان آثار کا ترتب مشاہدہ ہے۔

۲۳۰-متفرقات، ضرورتِ فکر ومعرفت

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: لاخیر فی قراءۃ لیس فیھا تدبر ولا عبادۃ لیس فیھا فقہ. الحدیث (أخرجہ رزین) (الفردوس للدیلمی ۱/۱۳۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: "ایسے قرآن پڑھنے میں کوئی (معتد بہ) نفع نہیں جس میں فکر نہ ہو اور نہ ایسی عبادت میں جس میں معرفت نہ ہو۔"

ف: صوفیاء کے طریق کا مدار اعظم یہی فکر ومعرفت ہے اس کے ضروری ہونے سے طریق صوفیاء کا کس درجہ ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] قلت: ماوجدتہ فی الترمذی وذکرہ الھیثمی فی مجمع الزوائد: ۱۰/۲۴۷، وعزاہ الی الطبرانی فی الکبیر والأوسط. وقال: فیہ محمد بن سعید بن حسان المصلوب وھو کذاب.

۲۳۱-اخلاق، قلت کلام وانکسار

عن مالک انه بلغه ان عيسى بن مريم عليه السلام قال: لاتكثروا الكلام بغير ذكر الله تعالىٰ فتقسوا قلوبكم وان القلب القاسي بعيد من الله تعالىٰ ولكن لاتعلمون، ولا تنظروا في ذنوب الناس، كانكم ارباب وانظروا في ذنوبكم كانكم عبيدٌ، فانما الناس مبتلى ومعافىٰ فارحموا اهل البلاء واحمدوا الله تعالىٰ على العافية. (أخرجه مالک[1])

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: ذکر اللہ کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے (یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی ہوئی بات ہے) اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم کو اس کی خبر نہیں ہوتی (کہ اللہ تعالیٰ سے بعد ہو گیا کیوں کہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہدہ ہوگی، اور آثار گو یہاں بھی مشاہد ہیں، مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں ہوتا) اور تم لوگوں کے گناہوں پر نظر مت کرو کہ گویا تم مالک ہو، اور اپنے گناہوں پر نظر کیا کرو گویا تم مملوک اور غلام ہو (یعنی غلاموں کی خطاؤں کو دیکھنا بھالنا سزا دینے کے لئے یہ مالکوں کا کام ہے، اور تم مالک نہیں بلکہ غلام ہو اور غلاموں کا کام اپنی خطاؤں کو دیکھنا ہے تاکہ اس کی تلافی واصلاح کریں) غرض آدمی دو طرح کے ہیں ایک مبتلا، دوسرا اصحاب عافیت، تو تم اہل بلا پر رحم کرو، اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤ (پس گناہ ایک بلا ہے اس پر تحقیر یا طعن مت کرو) ترحم کے ساتھ نصیحت یا دعاء کرو، اور گناہ سے محفوظ رہنا ایک عافیت ہے اس پر عجب اور ناز مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بلا استحقاق سمجھ کر شکر کرو، اور اس کے عموم میں اور بلیات وعافیت بھی آ گئیں۔

ف: ان اخلاق کا مدلول اور ممدوح حدیث ہونا ظاہر ہے اور اس سے اہل باطن کی طریق کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ان حضرات کا یہی طرز عمل ہے۔

۲۳۲-مسئلہ، اثبات عالم مثال

عن انس رضي الله تعالىٰ عنه قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم

[1] موطا: الاستئذان، مايكره من الكلام بغير ذكر الله: ۳۸۶ تهانوی.

یوما، ثم رقی المنبر واشار بیدہ قبل القبلۃ، وقال: رایت الاٰن منذ صلیت لکم الصلوٰۃ الجنۃ والنار ممثلتین فی قبل ھذا الجدار فلم ار کالیوم فی الخیر والشر. (اخرجہ البخاریؒ)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے قبلہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: ''مجھ کو اسی وقت جب کہ تم کو نماز پڑھانا شروع کیا ہے جنت اور دوزخ دکھلائی گئی کہ اس دیوار کی جانب میں ان دونوں کی صورتِ مثالیہ آ گئی تھی، سو مجھ کو آج کے برابر کبھی خیر اور شر نظر نہیں پڑا'' (کیوں کہ جنت خیر الاشیاء اور نار شر الاشیاء ہے)

ف: حدیث کے ظاہر کے لفظوں سے اس کا صاف اثبات ہے اور حقیقت اس عالم کی کلید مثنوی میں ذکر کی گئی ہے۔

۲۳۳- عادت، مراقبہ قلب

عن ابی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ابا طلحۃ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یصلی فی حائط لہ، فطار دبسی فطفق یتردد ویلتمس مخرجا، فاعجب ابا طلحۃ ذٰلک، فتبعہ بصرہ ساعۃ، ثم رجع الیٰ صلاتہ فاذا ھو لایدری کم صلی، فقال: لقد اصابنی فی مالی ھذا فتنۃ، فجاء الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر لہ الذی اصابہ فی صلاتہ فقال: یا رسول اللہ! ھو صدقۃ فضعہ حیث شئت. (اخرجہ مالکؒ)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک دبسی (کہ ایک پرندہ یا جنگلی کبوتر ہے) اڑا، اور وہ چاروں طرف پھرنے لگا، نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا تھا اور رستہ نہ ملتا تھا تو حضرت ابوطلحہ کو یہ امر خوش نما معلوم ہوا (کہ میرا باغ ایسا گنجان ہے کہ پرندہ کو نکلنے میں تکلف ہوتا ہے) اور تھوڑی دیر تک ان کی نگاہ اس کے ساتھ ساتھ رہی پھر اپنی نماز کی طرف متوجہ ہو گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ یہ یاد نہیں رہا کہ کتنی نماز پڑھی، اپنے دل

---

[1] بخاری: الرقاق، القصد والمداومۃ علی العمل. رقم: ۶۴۶۸.
[2] موطا: العمل فی القراءۃ، الصلاۃ الی مایشغلک عنھا: ۳۴ (تھانوی)

میں کہا کہ میرے اس مال کے سبب تو مجھ کو بڑا فتنہ پہنچا، (کہ نماز میں قلب حاضر نہ رہا) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا جو نماز میں ان کو پیش آیا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ باغ فی سبیل اللہ ہے جہاں چاہیں صرف فرمائیے۔

ف: صوفیاء کرام کے اعمال میں سے ہے کہ ہر وقت قلب کی دیکھ بھال رکھتے ہیں کہ اس وقت کیا حالت ہے، جب تغیر پاتے ہیں اس کی تلافی کرتے ہیں، ان صحابی کے فعل سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو جائز رکھنے سے اس کی محمودیت ظاہر ہے، کیوں کہ ان کا یہ تنبہ اثر اسی مراقبہ کا ہے۔ کمالایخفی۔

ف: حال، غیرت

حق تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیز سے نفرت ہو جانا یہ ایک حال محمود ہے، جس کو غیرت کہتے ہیں اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: تعلیم، اخراج شئ شاغل عن الحق از ملک

(حق سے مشغول کرنے والی چیز کو طالب کے قلب سے نکال دینا)

اکثر بزرگوں کی حکایتیں مشہور ہیں کہ طالب کے قلب کو جس چیز سے زیادہ وابستہ دیکھا اس کو جدا کر دینے کا حکم فرمایا، اس معالجہ کی اصل اس حدیث سے نکلتی ہے کہ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ علاج تجویز کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا جس کو اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔

۲۳۴- اصلاح، ترک مبالغہ در ثناء شیخ

(پیر کی تعریف میں زیادہ مبالغہ کرنا)

عن ابی العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "لاتطرونی کما اطرف النصاریٰ ابن مریم: فانما انا عبد، فقولوا: عبداللہ ورسولہ". (أخرجہ رزین[1])

---

[1] بخاری: أحادیث الأنبیاء، باب قولہ تعالیٰ: یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم. رقم: ۳۴۴۵.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''مجھ کو اتنا مت بڑھاؤ جیسا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بڑھا دیا (کہ ان کو الٰہ وابن اللہ کہنے لگے) میں تو بندہ ہوں، سو تم لوگ (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اللہ کا (عظیم الشان) رسول کہا کرو۔'' (کہ میرے سب فضائل اس عنوان میں داخل ہو گئے، اسی واسطے تفضیل فضائل کے وقت بھی ان ہی فضائل پر اقتصار کرنا واجب ہے اس سے آگے کہ مرتبہ الوہیت ہے تجاوز درست نہیں)

ف: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیر یا کسی دوسرے بزرگ کی ثناء میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ حد کذب یا شرک تک پہنچ جائے: کیوں کہ صاحب نبوت کے لئے اس کی ممانعت ہوئی تو صاحب ولایت کے لئے کیسے جائز ہوگا؟۔

۲۳۵-اصلاح، ترک جزم بولایت کسے

(کسی کو محض گمان سے ولی کہنا درست نہیں)

عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من کان مادحا اخاہ لامحالۃ فلیقل: احسب فلاناً واللہ حسیبہ، ولا یزکی علی اللہ احداً احسب فلاناً کذا وکذا ان کان یعلم منہ ذلک". (أخرجہ الشیخان وأبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو اپنے بھائی مسلمان کی ضرور ہی مدح کرنا ہو تو اس طرح کہنا چاہئے کہ فلاں شخص میرے گمان میں ایسا ہے، آگے خدا کافی جاننے والا ہے، اور خدا کے نزدیک کسی کے پاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے اور یہ جو کہے گا کہ فلاں شخص میرے گمان میں ایسا ایسا ہے وہ بھی اس شرط سے کہ اس کے علم میں بھی وہ شخص ایسا ہو'' (ورنہ اس عنوان سے مدح جائز نہیں)

[1] بخاری: الأدب، مایکرہ من التمادح. رقم: ۶۰۶۱ ، مسلم: الزھد، النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط وخیف منہ فتنۃ علی الممدوح. رقم: ۶۵، ۶۶ (۳۰۰۰) ابوداؤد: الأدب، کراھیۃ التمادح. رقم: ۴۸۰۵، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ الأدب، باب المدح. رقم: ۳۷۴۴)

ف: حدیث کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو بدون نص کے محض گمان سے ولی قطعاً کہنا جائز نہیں، جیسا کہ اکثر کو اس میں بے احتیاطی ہے، البتہ اگر ظناً کہہ دے تو مضائقہ نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اس کی ظنیت کی تصریح بھی کردے لیکن اگر اعتماداً علیٰ قرینۃ المقام والکلام تصریح نہ بھی کرے تب بھی مضائقہ نہیں، ہاں شیخ کہنا کسی کو جزم سے بھی جائز ہے: کیوں کہ مشیخت امر مشاہد ہے، یعنی طریق تربیت کا جاننا بخلاف ولایت کے کہ امر غیبی ہے یعنی مقبول عنداللہ ہونا۔

۲۳۶- متفرقات، عدم تنافی مزاح وکمال

(مذاق اور کمال میں منافات نہیں ہے)

عن اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً من الانصار کان فیہ مزاح، فبینما ھو یحدث القوم ویضحکھم اذ طعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود کان فی یدہ، فقال: اصبرنی[1] یارسول اللہ! قال: اصطبر، فقال: ان علیک قمیصاً ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قمیصہ فاحتضنہ وجعل یقبل کشحہ وقال: انما اردت ھذا یا رسول اللہ. (أخرجہ أبو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے خوش مزاج تھے، وہ ایک بار لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں ایک لکڑی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی (ہلکے سے) چبھودی وہ شخص کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھ کو بدلہ دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدلہ لے لو''، انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدن پر تو کرتہ ہے اور میرے بدن پر کرتہ نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیص مبارک بدن پر سے اٹھا دیا، وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوکھ سے بوسہ دینے لگے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ بس میرا تو یہ مطلب تھا۔

---

[1] فی القاموس اصبرنی کالضرنی اعطنی کفیلا والبعیر الکفیل ۱ھ والمراد ھھنا المعنی المجازی من الانتقام لأن الکفیل قد یکون لأجل استیفاء الحق المتعلق بالنفس. ۱۲ منہ

[2] أبو داؤد: الأدب، قبلة الجسد، رقم: ۵۲۲۴ وسکت عنہ المنذری.

ف: بعضے نافہم ولایت وکمال کے لئے یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل مردہ دل ہوجائے اوراس میں کوئی عادتِ بشریہ نہ رہے، حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوش طبعی اگر اعتدال کے ساتھ ہوتو قولاً یا فعلاً اس طرح سے کہ نہ دوسرے کی تحقیر ہو نہ اس کو ایذاء تو یہ منافی کمال اور بزرگی کے نہیں ہے، خاص کر جب کہ یہ مقصود ہو کہ اس سے دوسرے کی تطییب خاطر ہوگی یا اس سے بڑھ کر یہ کہ دوسرا منبسط اور بے تکلف ہوکر دل کھول کر دین کی باتیں پوچھ سکے گا، تو اس صورت میں تو ایک گونہ عبادت ہوجائے گی۔ "وقد أجبت بهٰذا ملكة من ملوك أوربا رأيتها في المنام ورأيتني راكبا معها علىٰ عجلة قد عرضت علىٰ شبهة في نبوته صلى الله عليه وسلم بأنه كان يمازح، والمزاح ينافي الوقار والوقار من لوازم النبوة وقالت: لاشبهة في حقيقة الاسلام سوى هٰذا فلما أجبتها عنه بهٰذه المصلحة سكتت وأسلمت ثم بعض القرائن في اليقظة دل علىٰ أنها لعلها أسلمت باطنا" اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گو مرید کو اپنی طرف سے شیخ کی نہایت تعظیم وادب کرنا ضروری ہے لیکن اگر کسی وقت خود شیخ کی مرضی انبساط کی معلوم ہوتو مرید کو اس کی رضاء کا اتباع چاہئے کہ اس وقت یہی ادب ہے۔

ف: متفرقات، تقبیل بدن شیخ (پیر کے بدن کو بوسہ دینا)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو محبین کی عادت ہے کہ پیر کے ہاتھ کو پاؤں کو یا پیشانی وغیرہ کو بوسہ دے لیتے ہیں اس کا بھی کچھ حرج نہیں البتہ اذنِ شرعی سے تجاوز نہ چاہئے۔

۲۳۷-حال، کلام ہاتف

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: لما ارادوا غسل النبي صلى الله عليه وسلم قالوا: والله لاندري انجرد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ثيابه كما نجرد موتانا او نغسله وعليه ثيابه، فلما اختلفوا القىٰ الله تعالىٰ عليهم النوم حتى مامنهم رجل الا وذقنه في صدره فكلمهم مكلم من ناحية البيت لايدرون من هو: اغسلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه ثيابه، فقاموا فغسلوه وعليه قميصه يصبون الماء فوق القميص ويدلكونه بالقميص دون

ایدیھم. (أخرجہ أبو داؤدؒ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب (وفات نبوی کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم باہم کہنے لگے واللہ ہم کو کچھ خبر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی مثل دوسرے مردوں کے اتاریں یا مع کپڑوں کے غسل دیں، جب باہم اختلاف ہونے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی رنج اس کے سینہ میں نہ لگ گئی ہو (یعنی نیند سے سب کی گردنیں جھک گئیں) پھر گھر کے ایک گوشہ سے کسی کلام کرنے والے نے (کہ وہ ہاتف غیبی تھا) ان سے کلام کیا یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کون تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع کپڑوں کے غسل دو، چنانچہ سب نے اٹھ کر مع قمیص کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا، قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے اور قمیص سمیت ملتے تھے، ہاتھ بدن پر نہیں پہنچایا۔

ف: ہاتف غیبی کا کسی بزرگ سے کلام کرنا یہ حال بھی ایک محمود ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: مسئلہ، عمل بر اشارہ ہاتف بشرط عدم مخالفت شرع

(غیبی اشارات پر عمل کرنا درست ہے اگر شریعت کی مخالفت نہ لازم آئے)

ایسے مضمون پر عمل کرنے کے بارے میں تمام اکابر کا قاطبۃً اسی پر اتفاق ہے کہ اگر وہ خلاف شرع نہ ہو تو قابل عمل ہے، جیسا یہاں بھی یہی ہوا کہ مع القمیص غسل دینے کی نہی کی کوئی دلیل نہ تھی اس پر عمل کر لیا گیا، اگر کہا جائے کہ یہ امر تو قبل الہام وکلام ہاتف کے بھی حاصل تھا پھر اس کا کیا خاص اثر ہوا؟ جواب یہ ہے کہ بزرگوں کے ارشاد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس الہام یا ایسے کلام سے وہ امر خاص اس صاحب الہام کے لئے کسی قدر مؤکد ہو جاتا ہے نہ بایں معنی کہ اس کے خلاف کرنے سے ضرر آخرت ہوگا، بلکہ بایں معنی کہ کوئی ضرر دنیوی ناقابل برداشت پیش آئے گا اور اگر کوئی دلیل شرعی تاکد عمل کی منضم ہو جائے تو تاکد شرعی ظاہر ہے جیسا یہاں غور کرنے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کلام سے اختلاف رفع ہو گیا اور اجماع

[1] أبو داؤد: الجنائز، سترا لمیت عند غسلہ. رقم: ۳۱۴۱، قال المنذری: فی اسنادہ محمد بن اسحاق بن یسار، وقد تقدم الکلام علیہ.

صحابہؓ کا خود حجت شرعیہ ہے، لہٰذا یہاں عدم جواز مخالفت کے بھی قائل ہوسکتے ہیں۔

۲۳۸- اذن ظاہری نہیں باطنی ہے

عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قالت امرأۃ من النبوۃ: ما ھذا المعروف الذی لاینبغی لنا ان نعصیک فیہ یا رسول اللہ؟ فقال: لاتنحرو قالت: یا رسول اللہ! ان بنی فلان کانوا قد اسعدونی علی عمی فلابد من قضائھن، فابی علیھا فعاودتہ مراراً، قالت: فاذن لی فی قضائھن فلم الخ بعد فی قضائھن ولا فی غیرہ حتی الساعۃ. (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ نیک کام کون سا ہے جس میں ہم کو (اس آیت کی رو سے **لایعصینک فی معروف**) آپ کے حکم کے خلاف کرنا جائز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(وہ نیک کام یہ ہے) کہ تم نوحہ نہ کرو" (یعنی وہ نیک کام ترک نوحہ ہے، اس کے خلاف کرنا یعنی نوحہ کرنا جائز نہیں) اس عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! فلاں خاندان نے میرے چچا کے مرنے میں (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی (یعنی میرے ساتھ مل کر روئے تھے) تو اس کا بدلہ اتارنا ضروری ہے (یعنی ایک نوحہ کی اجازت دے دیجئے پھر اور جگہ نہ کروں گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا، اس نے آپ سے مکرر سہ کرر عرض کیا، اس بی بی کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بدلہ اتارنے کے لئے مجھ کو اجازت دے دی مگر میں بعد میں اس وقت تک نہ ان کا بدلہ اتارنے میں روئی اور نہ کسی اور جگہ روئی۔

ف: اس سے وہی مضمون ثابت ہوتا ہے، جو ذیل حدیث صدوشصت وششم میں گزرا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اس مصلحت سے کہ کبھی اصل توبہ ہی سے ہمت نہ ٹوٹ جائے ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دے دی، بزرگوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات بظاہر کسی ناجائز نوکری یا اور کسی ایسے ہی امر کی اجازت دے دیتے ہیں مگر درحقیقت اس کی اجازت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ اس سے اعظم شر سے بچانا ہوتا ہے جیسا حکماء نے کہا ہے، "من

[1] ترمذی: تفسیر القرآن، سورۃ الممتحنۃ، رقم: ۳۳۰۷ وقال: حسن غریب

ابتلی ببلیتین فلیختر أهونهما" اور خصوصاً بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ منع کرنے سے ضعف اور ترک میں کم ہمتی اور تنگی اور اجازت دینے سے نشاط اور آزادی پیدا ہوکر طبیعت میں قوت اور ہمت ترک کی ہوجاتی ہے ایسے وقت میں اذن ظاہری نہی باطنی ہے۔

۲۳۹-اصلاح، ترک شامیانہ یا عمارت برقبر

(قبر پر شامیانہ تننا یا عمارت بنانے کی ممانعت)

عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه انه رأی فسطاطاً علی قبر عبد الرحمٰن فقال: یا غلام انزعه انما یظله عمله. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شامیانہ عبدالرحمٰن کی قبر پر لگا دیکھا، آپ نے (خادم سے) فرمایا اے لڑکے اس کو الگ کروان پر تو ان کا عمل سایہ کررہا ہے۔

ف: ظاہر بینان مدعیان باطن میں قبور اولیاء پر سائبان تاننے یا عمارت بنانے کی رسم ہوگئی ہے، اس حدیث سے اس عمل کا باطل اور لایعنی ہونا ظاہر ہے، اور اگر فساد اعتقاد بھی ہو تو اور بھی ظلمات بعضہا فوق بعض ہے۔

۲۴۰-اصلاح، معاملاتِ قبور

عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیه وان یقعد علیه وان یکتب وان یوطا. (أخرجه الخمسة الا البخاری[2])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پختہ بنانے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے اور اس پر لکھنے سے اور اس پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔

---

[1] بخاری: (تعلیقا) الجنائز، الجریدة علی القبر. [2] مسلم: الجنائز، النهی عن تجصیص القبر والبناء علیه رقم: ۹۴(۹۷۰) أبوداؤد: الجنائز، البناء علی القبر. رقم: ۳۲۲۵، ترمذی: الجنائز، کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها رقم: ۱۰۵۲، نسائی: الجنائز، البناء علی القبر رقم: ۲۰۲۰، قلنا: وأخرجه ابن ماجة الجنائز، النهی عن البناء علی القبور، رقم: ۱۵۶۲، ۱۵۶۳.

ف: حدیث کا حاصل تعلیم ہے توسط اختیار کرنا قبور کے ساتھ معاملہ کرنے میں کہ نہ ان کی زیادہ تعظیم کی جائے اور نہ ان کی اہانت کی جائے، اہل تفریط پہلی بلا میں زیادہ مبتلا ہیں کہ ان کو پختہ بناتے ہیں اور ان پر عمارت بھی بناتے ہیں اور ان پر نوشتے لکھتے ہیں اور اہل تشدد دوسری بلا میں مبتلا ہیں کہ حد سے زیادہ قبور کی تذلیل کرتے ہیں، البتہ اگر قبر بہت کہنہ ہو جائے اور غیر کی ملک نہ ہو اور کسی مصلحت وضرورت سے اس کو بے نشان کر دیا جائے تو بیٹھنا چلنا اس پر درست ہے۔

۲۴۱- رسم، سنگ نصب کردن یا درخت نشاندن نزدیک قبر برائے علامت

(قبر کے قریب علامت کے طور پر پتھر گاڑنا یا درخت لگانا)

عن المطلب بن ابی وداعة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما مات عثمان بن مظعون رضی الله تعالیٰ عنه وهو اول من مات بالمدينة من المهاجرين فلما دفن امر رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا ان ياتيه بحجر، فيعلم قبره به فاخذ حجراً ضعف عن حمله، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فحسر عن ذراعيه، ثم حمله فوضعه عند رأسه، وقال: "اتعلم بها قبر اخى وادفن عنده من مات من اهلى". (أخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی، اور مہاجرین میں سب سے اول مدینہ میں ان ہی کا انتقال ہوا ہے سو جب دفن ہو چکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ آپ کے پاس ایک پتھر اٹھا کر لے آئے، آپ ان کی قبر کی اس سے شناخت کر دیں، اس نے ایک پتھر لیا جس کو اٹھا نہ سکا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دونوں ہاتھوں کی آستین چڑھا کر اس کو اٹھا لائے اور قبر کے سرہانے رکھ دیا، اور فرمایا کہ: "اس سے اپنے بھائی (عثمان بن مظعون) کی قبر کی پہچان رکھوں گا اور جو شخص میرے متعلقین میں سے مرے گا اس کو اس کے پاس دفن کروں گا۔"

---

[1] ابوداؤد: الجنائز، جمع الموتى فى قبر والقبر يعلم. رقم: ۳۲۰۶، قال المنذرى: فى اسناده كثير بن زيد مولى الأسلميين مدنى، كنيته ابو محمد. وقد تكلم فيه غير واحد.

ف: بعض کی بمصلحت زیارت وفاتحہ خوانی ان چیزوں سے محض یہ غرض ہوتی ہے کہ قبر کی پہچان رہے، سو اگر سادگی کے ساتھ ہو تو اس غرض کے لئے ان اعمال میں کچھ حرج نہیں مگر پتھر ہو تو نہ اس کے سڈول کرنے کا اہتمام کیا جائے نہ اس پر نقش ونگار ہو، نہ اس پر کچھ لکھا جائے اور اگر یہ تکلفات بھی کئے گئے تو ادعاء مصلحت میں کاذب ہونے کی علامت ہے اور ممنوع ہے۔

۴۴۲-رسم، درخت نشاندن برائے تسبیح (ذکر وتسبیح کیلئے درخت لگانا)

عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصی ان تجعل علی قبرہ جریدتان. (أخرجه البخاری فی ترجمۃ الباب[۱])

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں کھجور کی رکھ دی جائیں۔

ف: بعض لوگوں کو درخت لگانے سے یہ نیت ہوتی ہے کہ اسکے ذکر وتسبیح سے میت کو نفع اور انس ہوگا، اس حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے، اور یہ وصیت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غالباً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر مبنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اہل قبر کو معذب دیکھ کر ان کی قبروں پر ایک ایک تازہ چھڑی کھجور کی رکھ دی تھی، اور ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے خشک ہونے تک امید ہے تخفیف عذاب کی، پس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثل دوسرے بہت سے علماء کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو علت مذکورہ سے معلل سمجھا، پس جس شخص کی یہ نیت ہو اس کو بھی اس بناء پر اس کی گنجائش ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تخفیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی وجہ سے تھی اور اس دعاء کی منظوری میعادی تھی، اور میعاد اس کی ان شاخوں کے خشک ہونے تک تھی، اس بناء پر حدیث کا اس رسم سے کوئی تعلق نہیں، مگر اکثر علماء نے پہلی ہی توجیہ کی ہے، لیکن اس سے پھول ڈالنے یا پھول کی چادر چڑھانے کا جواز نہیں نکلتا، کیوں کہ اس سے غرض محض تزئین یا تقرب الی اہل القبور رہے اور یہ عمل یا اعتقاد محض بدعت ہے، اگر انکی یہ غرض ہوتی تو اولاً تکلف کیوں کیا جاتا، دوسرے عام گنہ گاروں کی قبریں اسکی زیادہ مستحق تھیں اولیاء کی قبروں سے کیوں کہ جہاں احتمال عذاب کا ہو وہاں حاجت زیادہ ہے۔

---

[۱] بخاری: (تعلیقا) الجنائز، الجریدۃ علی القبر.

۲۴۳-مسئلہ، سماع موتیٰ (مردوں کا سننا)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا". (أخرجہ الخمسۃ الا الترمذی) (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ہمراہی وہاں سے پشت پھیرتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے ان کی واپسی کے وقت۔"

ف: یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض نے اس حدیث سے اثبات کیا ہے اور بعض نے آیت "لاتسمع الموتی" سے نفی کی ہے، مثبتین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتی سے مراد کفار ہیں کہ استعارۃً ان کو موتی کہہ دیا، پس آیت کو مبحث سے تعلق نہیں، نافین نے اس کا جواب دیا ہے کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو حقیقی معنی کا تحقق ضروری ہے، پس موتی بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہوگیا، مثبتین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے، اس سے لاتسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس میں مجاز اطلاق المطلق علی المقید ہے، اور سماع سے مراد سماع نافع ہے، پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی ہے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے، اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا، بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا، غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے، البتہ عوام کا سا اعتقاد اس بات پر کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے، اگر اس کی اصلاح بدون انکار سماع کے نہ ہوسکے تو انکار سماع واجب ہے۔

۱؎ بخاری: الجنائز، عذاب القبر. رقم: ۱۳۷۴، مسلم: الجنۃ، عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علی واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ. رقم: ۷۰(۲۸۷۰) أبوداؤد: السنۃ، المسألۃ فی القبر وعذاب القبر. رقم: ۴۷۵۱، نسائی: الجنائز، المسألۃ فی القبر. رقم: ۲۰۵۲.

۲۴۴-مسئلہ، شعور جمادات

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "ان الحصاة لتناشيد الله الذى يخرجها من المسجد ليدعها". (أخرجه ابو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "(جو کنکریاں مسجد میں بچھی ہوئی ہوتی ہیں جیسے مسجد الحرام میں اب بھی ہیں ان کنکریوں میں سے جب کوئی شخص کسی کنکری کو مسجد سے باہر لے جانا چاہتا ہے تو وہ) کنکری خدا کا واسطہ دیتی ہے اس شخص کو جو اس کو مسجد سے باہر لے جاتا ہے کہ اس کو وہاں ہی رہنے دے۔"

ف: اہل کشف کو جمادات کا شعور و نطق مکشوف ہوا ہے، حدیث سے تائید اس کی ظاہر ہے کہ اس کنکری میں اتنا شعور ہے جس سے اس کو باہر لے جانے کا ادراک ہوتا ہے اور اتنا نطق بھی ہے جس سے وہ خدا کا واسطہ دیتی ہے، اور صرف عن الظاہر کی کوئی دلیل نہیں، دوسری حدیث میں ستونِ حنانہ کا قصہ اس سے زیادہ اس میں صریح ہے۔

۲۴۵-برکت اور اس میں اضافہ

عن طلق بن على رضى الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا وفداً الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه واخبرناه ان بارضنا بيعة لنا، واستوهبناه من فضل طهوره قدعا بماء فتوضا وتمضمض ثم صبه لنا فى اداوة وقال: "اذا اتيتم ارضكم فاكبروا بيعتكم وانضحوا مكانها بهذا الماء واتخذوها مسجدا" فقلنا: ان البلد بعيد والحر شديد والماء ينشف، فقال: "مدوه من الماء فانه لايزداد الا طيبا". الحديث (أخرجه النسائى[2])

۲۴۶-موئے مبارک سے تبرک

عن انس رضى الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم والحلاق يحلقه، وقد اطاف به اصحابه، فما يريدون ان تقع شعرة الا فى يدرجل. (أخرجه مسلم[3])

---

[1] أبوداؤد: الصلاة، حصى المسجد. رقم: ۴۵۹، وسكت عنه المنذرى.

[2] نسائى: المساجد، اتخاذ البيع مساجد. رقم: ۷۰۲. [3] مسلم: الفضائل ، باب قربه صلى الله عليه وآله وسلم من الناس تبركهم به وتواضعه لهم. رقم: ۷۵(۲۳۲۵)

۲۴۷-رسم، تحصیل تبرکات

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانت ام سلیم تبسط لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نطعا، فیقیل عندھا، فاذا قام اخذت من عقرہ وشعرہ فجمعتہ فی قارورۃ، ثم جعلتہ فی مسک، فلما حضر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصیٰ ان یجعل فی حنوطہ من ذٰلک[1] المسک. (اخرجہ الشیخان والنسائی[2])

ترجمہ حدیث اول: حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اپنی قوم کے فرستادہ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہماری سرزمین میں ہمارا ایک عبادت خانہ مذہب عیسائی کا ہے (ہم اس کو مسجد بنانا چاہتے ہیں) اور اس مقام پر برکت کے لئے چھڑکنے کو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بقیہ وضو کا پانی مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا پھر وضو کیا اور مضمضہ کیا، پھر وہ پانی ایک چھوٹے سے مشکیزہ میں بھر دیا اور فرمایا: ''جب تم اپنی سرزمین پر پہنچو تو اس معبد نصاریٰ کو توڑ ڈالنا اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دینا اور اس کو مسجد بنالینا'' ہم نے عرض کیا کہ جگہ دور ہے اور گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس میں اور پانی ملا کر بڑھا لینا کہ اس میں بھی برکت ہی بڑھ جائے گی۔''

ترجمہ حدیث دوم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حلاق آپ کے بال سر کے اتار رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر رکھا تھا پس وہ آپ کے ایک بال کا بھی کسی شخص کے ہاتھ سے باہر گرنا نہ چاہتے تھے (یعنی ہر بال کسی نہ کسی کے ہاتھ ہی میں آتا تھا)

ترجمہ حدیث سوم: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم

---

[1] طیب یتخذ من الرامک ثم یستحق المسک ویلحقہ والرامک کصاحب شیء یخلط بالمسک کذا فی القاموس ۱۲ منہ۔ [2] بخاری: الاستئذان، من زار قوما فقال عندھم. رقم: ۶۲۸۱ م مسلم: الفضائل، طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والتبرک بہ رقم: ۸۵ (۲۳۳۲) نسائی: الزینۃ، ماجاء فی الأنطاع. رقم: ۵۳۷۳.

رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (جب ان کے گھر تشریف لے جاتے) ایک چمڑے کا بستر بچھا دیا کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گاہ گاہ) ان کے گھر قیلولہ فرمایا کرتے (یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریب کی کچھ رشتہ دار ہیں) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھتے تو (اس بستر پر سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اور بال (جو سر وغیرہ کا ٹوٹ جاتا) جمع کر لیتیں اور ایک شیشی میں محفوظ رکھتیں، پھر اس کو مرکب خوشبو میں ملاتیں، جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (کہ ام سلیمؓ کے صاحبزادے ہیں) وفات قریب پہنچی تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط کو (جو کہ میت کے بدن اور کفن کو لگاتے ہیں) اس مرکب خوشبو میں ملایا جائے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک تھا)

ف: بزرگان دین کی تلبس کی چیزوں کی رغبت اور اہتمام اور ان سے برکت حاصل کرنا حیات اور موت میں بمقتضائے احادیث ثلثہ مشروع اور ثابت ہے۔

۲۴۸- رسم، خدمت کفش برداری (بزرگوں کی جوتیاں اٹھانا)

عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النجاشی صاحب الحبشۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یقول: اشھد ان محمداً رسول اللہ، وانہ الذی بشر بہ عیسیٰ علیہ السلام، ولولا ما انا فیہ من الملک، وماتحملت من امور الناس لاتیتہ حتی احمل نعلیہ. (أخرجہ ابو داؤدؒ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نجاشی رحمہ اللہ شاہ حبشہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وہی رسول ہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور اگر میرے ساتھ یہ بکھیڑا سلطنت کا اور لوگوں کے کاموں کی ذمہ داری کا نہ ہوتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین اٹھاتا۔

ف: اکثر بزرگوں کی جوتیاں اٹھانا سعادت سمجھا جاتا ہے، حدیث میں اس کا مرغوب فیہ ہونا ظاہر ہے لیکن اگر وہ مخدوم خود جزم کے ساتھ منع فرمادیں تو امتثال امر اس خدمت پر

---

[1] ابوداؤد: الجنائز، الصلاۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشرک رقم: ۳۲۰۵، وسکت عنہ المنذری.

مقدم ہے اور خواہ مخواہ کا اصرار ان کو ایذاء پہنچانا ہے جو بہت ہی مذموم عمل ہے۔

۲۴۹-قول، الفانی لا یرد

(فناء ہونے کے بعد کوئی چیز واپس نہیں ہوتی)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث مکالمة هرقل ابا سفیان (ولم ینکر علیه) ومسألتک هل یرتد احدمنهم عن دینه بعد ان یدخل فیه سخطة له فزعمت ان لا، وکذٰلک الایمان اذا خالط بشاشته القلوب. الحدیث (أخرجه الشیخان[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے ضمن میں جس میں ہرقل شاہ روم کی گفتگو ابوسفیان کے ساتھ منقول ہے (اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب سے ہرقل کے ان اقوال پر انکار نہیں کیا گیا جن سے ان اقوال کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے) یہ مضمون بھی مروی ہے: ہرقل ابوسفیان سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ سوال کیا کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بعد اس کے قبول کرنے کے کوئی مسلمان ان کے دین سے ناخوش ہو کر مرتد ہوتا ہے، تم نے جواب دیا کہ نہیں، اور ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے جب اس کی تازگی قلوب میں رچ جاتی ہے۔

ف: اور یہی مضمون دوسرے عنوان سے مشہور ہے، الواصل لا یرجع "یعنی بعد وصول وفنا کے پھر راجع اور مردود نہیں ہوتا، اس حدیث سے اس کی صاف تائید ہوتی ہے، اور گو یہ ہرقل کا قول ہے مگر جب سلف نے اس پر انکار نہیں کیا تو اس قول کی صحت سلف کے تسلیم سے ثابت ہوئی اور جو سالکین بگڑ گئے ہیں وہ واقع میں مقصود تک پہنچے ہی نہ تھے گو ظاہر نظر میں واصل سمجھے جائیں۔

۲۵۰-حال، رویاء صادقہ (سچے خواب)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: اول مابدی به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرویا الصالحة فی النوم، وکان لایریٰ رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح وحبب الیه الخلاء، فکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه، وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الیٰ اهله، ویتزود لذٰلک ثم یرجع

---

[1] بخاری: بدء الوحی. رقم: ۷، مسلم: الجهاد، کتب النبی صلی اللہ علیه وسلم الی هرقل ملک الشام یدعوه الی الاسلام. رقم: ۷۴ (۱۷۷۳)

الی خدیجة فیتزود لمثلها حتی جاء الحق، وهو فی غار حراء فجاء ه الملک، فقال: اقرأ، فقال: ما انا بقاریٔ قال: فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی، فقال: اقرأ، فقلت: ما انا بقاری، فاخذنی فغطنی الثالثة حتی بلغ منی الجهد، ثم ارسلنی فقال: ﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرام الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم﴾ فرجع بها رسول الله صلی الله علیه وسلم یرجف فواده فدخل علیٰ خدیجة، فقال: زملونی، زملونی. الحدیث. (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی اور جو خواب دیکھتے تھے مثل نور صبح کے اس کا ظہور ہو جاتا تھا اور خلوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوگئی، پس غارِ حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت نشین ہوتے اور کئی کئی شب متصل اس میں عبادت کیا کرتے اور گھر واپس تشریف نہ لاتے اور اس کے لئے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر اتنی ہی مدت کے لئے اور سامان لے جاتے یہاں تک کہ وحی آ گئی اور آپ غار حراء ہی میں تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (وحی کا) فرشتہ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا پڑھئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو پکڑ کر خوب دبایا، یہاں تک میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی، پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر مجھ کو دوسری بار دبایا یہاں تک کہ میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر مجھ کو پکڑا اور تیسری بار دبایا یہاں تک کہ میری حد طاقت تک نوبت پہنچ گئی پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا "اقرأ باسم ربک" سے لے کر "مالم یعلم" تک، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو لے کر گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھڑکتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھ کو لپیٹ دو، مجھ کو لپیٹ دو۔

ف: دلالت حدیث کی اس پر ظاہر ہے۔

---

[1] بخاری: بدء الوحی رقم: ۳.

ف: عادت، خلوتو چلہ وسامان طعام داشتن در خلوت

(تنہائی، چلہ کشی اور خلوت میں کھانے کی چیزیں رکھنا)

ان معمولات کا حدیث میں صاف ذکر ہے۔

ف: عادت، توجہ وتصرف

یہ فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، ان کا پڑھنے کے لئے کہنا بایں معنی نہ تھا کہ جو پہلے سے یاد ہو وہ پڑھئے بلکہ یہ کہنا ایسا تھا جیسے استاد بچہ کے سامنے "ا، ب، ت" رکھ کر کہتا ہے کہ پڑھو، یعنی میں جو بتلاؤں گا وہ پڑھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں پڑھا ہوا نہیں یا تو اس بناء پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک اقرأ کے اس معنی کی طرف منتقل نہیں ہوا اور یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن سے مظنون ہوا ہو کہ کوئی ایسی چیز پڑھوائیں گے جس کے اخذ و ضبط کے لئے پہلے سے پڑھے لکھے ہونے کی ضرورت ہے، بہر حال اس کی ضرورت تھی کہ اس قرأۃ مامور بہا کے اخذ اور تلقی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کی تقویت و تکمیل کی جائے۔ اس غرض سے فرشتے نے کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبایا تا کہ قوت توجہ و ہمت سے آپ کے قلب میں تصرف کریں اس طرح اس حدیث سے اس عمل کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

ف: مسئلہ، تاثر جوارح از فیض غیبی

(فیوض غیبیہ سے اعضاء کا متاثر ہونا)

چوں کہ فیوض غیبیہ سے قلب متاثر ہوتا ہے اور جوارح تابع قلب کے ہیں اور اگر وارد قوی ہوتا ہے تو جوارح پر بھی اثر آتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات غیبت محض ہو جاتی ہے، اس حدیث میں آپ کا کپڑے میں لپٹنا اس لئے تھا کہ بدن پر اثر لرزہ کا تھا، پس اس سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۵۱- حال، انکشاف صوت عالم غیب

(عالم غیب کی آواز کا منکشف ہونا)

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نزل

علیه الوحی یسمع عند وجهه کدوی النحل. الحدیث (أخرجه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے قریب ایک ایسی غیر مفہوم آواز سنائی دیتی جیسے شہد کی مکھی کی آواز ہوتی ہے۔

ف: بعض اوقات کسی شغل سے، بعض اوقات کسی بزرگ کے قرب کی برکت سے، بعض اوقات دوسرے اسباب سے عالم غیب کی آواز منکشف ہوجاتی ہے، حدیث میں ایسی ہی آواز کا ذکر ہے، لیکن شغل کی ہر آواز آواز غیبی نہیں اکثر اوقات خود شاغل ہی کے دماغ میں ہوا کا احتساب اور تموج ہوکر بھی آواز محسوس ہونے لگتی ہے۔

۲۵۲-مسئلہ، امکان تجسد روح کاملین در مکانے

(بزرگوں کی روح کا کسی جگہ متجسم ہوکر نظر آنا ممکن ہے)

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث الاسراء لقائه صلی الله علیه وسلم مع موسیٰ علیه السلام فی آخرین من الانبیاء علیهم السلام مع ماروی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتیت لیلة اسری بی علیٰ موسیٰ علیه السلام قائما یصلی فی قبره عند الکثیب الاحمر. (أخرجه مسلم والنسائی[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث جس میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات دوسرے انبیاء کے مجمع میں مذکور ہے، یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا موسیٰ علیہ السلام پر گزر رہا کہ اپنی قبر میں جو سرخ ٹیلہ کے پاس ہے کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

ف: ان دونوں روایتوں کے مجموعہ سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود قبر میں تشریف رکھنے کے پھر بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی معیت میں حضور صلی

---

[1] ترمذی: تفسیر القران، سورة المومنون. رقم: ۳۱۷۳.

[2] مسلم: الفضائل، فضائل موسیٰ علیه السلام، رقم: ۶۱۶۴ (۲۳۷۵)، نسائی: قیام اللیل وتطوع النهار، ذکر صلاة نبی الله صلی الله علیه وسلم موسیٰ علیه السلام. رقم: ۱۶۳۲.

اللہ علیہ وسلم سے قبر سے باہر ملے، کیونکہ یہ سب انبیاء ان کی قبر سے یقیناً باہر تھے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی روح اگر کسی جگہ متجسم ہوکر نظر آئے ممکن ہے، مگر خوب یاد رکھو! کہ نہ یہ دائم ہے اور نہ یہ اختیار میں ہے۔

۲۵۳-مسئلہ، عدم دوام کشف وخوارق

(مکاشفات اور خوارقِ عادت امور دائمی نہیں ہوتے)

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: لما فتحت خيبر اهديت لرسول الله صلی اللہ علیه وسلم شاة فيها سم. الحديث (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک بکری (تلی ہوئی) ہدیۃً پیش کی گئی جس میں زہر تھا، آخر حدیث تک۔

ف: آخر حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ نوش بھی فرمالیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگیا تو دست کش ہوگئے لیکن آخر عمر میں اس زہر کا اثر ہوا، اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ کشف دائم نہیں ہوتا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً مخفی نہ رہتا، دوسرے یہ کہ خوارق دائم نہیں ہوتے، ورنہ آپ پر اثر نہ ہوتا جب نبی کے کشف وخارق کا دوام ضروری نہیں تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔

۲۵۴-مسئلہ، حقیقت دست غیب

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: اتيت رسول الله صلی اللہ علیه وسلم يوماً بتمرات، فقلت: يا رسول الله! ادع فيهن بالبركة فضمهن ثم دعا لی فيهن بالبركة، ثم قال: "خذهن فاجعلهن فی مزودک هذا كلما اردت ان تاخذ منه شيئا ادخل يدک فيه وخذه ولا تنشره نثرا" ففعلت، فلقد حملت منه كذا وكذا وسقاً فی سبيل الله فكنا ناكل منه ونطعم، وكان لايفارق حقوی حتی كان يوم قتل عثمان انقطع. زاد رزين: فسقط فحزنت عليه. (أخرجه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] بخاری: الجزية والموادعة، اذا غدر المشركون بالمسلمين هل يعفی عنهم؟ رقم: ۳۱۶۹.

[2] ترمذی: المناقب، مناقب أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه رقم: ۳۸۳۹ وقال: حسن غريب.

علیہ وسلم کے پاس ایک روز کچھ کھجوریں لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں برکت کی دعا کر دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جگہ جمع کر کے ان میں برکت کی دعا کر دی، پھر فرمایا: ''ان کو لے لو، اور اپنے اس توشہ دان میں رکھ لو اور جب اس میں سے کچھ لینا ہو تو اس کے اندر ہاتھ ڈال کر لے لو اور اس کو جھاڑو نہیں''، (یعنی خالی مت کرو) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، سو میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق (ایک پیمانہ ہوتا ہے ساٹھ صاع کا) اللہ کی راہ میں دیئے اور ہمیشہ اس میں سے کھاتے اور کھلاتے رہے اور وہ میری کمر سے کبھی جدا نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن ہوا تو وہ ٹوٹ کر گر پڑا اور مجھ کو بڑا رنج ہوا۔

ف: علاوہ کسب متعارف کے آمدنی تین قسم کی ہوتی ہے، ایک بطور خرق عادت کے جیسا کہ حدیث میں ہے، دوسرے یہ کہ کوئی عمل پڑھا اور اس سے بدون اس کے کہ ظاہر میں کوئی دینے والا ہو، جیب یا تکیہ کے نیچے سے مثلاً روزانہ کچھ مل جایا کرے، تیسرے یہ کہ بندگان خدا اس کی کچھ خدمت کریں، تیسری قسم کو فتوحات کہتے ہیں، اور دوسری کو عوام الناس دست غیب کہتے ہیں اور یہ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ ایسی رقم جن لاتے ہیں، خواہ دوسروں کے مال سے کہ چوری اور غصب ہے اور یا اپنے مال سے، سو وہ بھی اضطرار اور جبر ہے، اور دونوں حرام، پہلی قسم البتہ دست غیب، حلال ہے جو واقع میں نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہے۔

۲۵۵- عادت، غضب بر بعض مباحات خلاف وضع

(کسی امر مباح پر اظہار ناراضگی کرنا)

عن المسور بن مخرمة حين خطب علي رضي الله تعالیٰ عنه بنت ابي جهل قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول وهو على المنبر: "ان بني هشام بن المغيرة استاذنوني ان ينكحوا ابنتهم علي بن ابي طالب فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن، الا ان يريد ابن ابي طالب ان يطلق ابنتي وينكح ابنتهم، فانما هي بضعة مني يريبني مايريبها ويوذيني ما آذاها". (أخرجه الخمسة الا النسائي[1])

---

[1] بخاري: النكاح، ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والانصاف رقم: ۵۲۳۰، مسلم: فضائل الصحابة، فضائل فاطمة رضي الله عنها رقم: ۹۳(۲۴۴۹) أبوداؤد: النكاح، مايكره ان يجمع بينهن من النساء. رقم: ۲۰۷۱، ترمذي: المناقب، فضل فاطمة بنت محمد رضي الله تعالیٰ عنها رقم: ۳۸۶۷، وقال: حسن صحيح، قلنا: وأخرجه ابن ماجة النكاح، باب الغيرة. (رقم: ۱۹۹۸)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس واقعہ کے متعلق کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دختر ابوجہل کے نکاح کا پیغام دیا تھا، روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا کہ: "بنی ہشام بن مغیرہ مجھ سے اس کی اجازت لینا چاہتے تھے کہ اپنی دختر کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں، سو میں کبھی اجازت نہ دوں گا، اور پھر دوبارہ اور سہ بارہ کہتا ہوں کہ اجازت نہیں دوں گا، ہاں اگر ابن ابی طالب کو یہ منظور ہو کہ میری دختر کو طلاق دے دیں اور ان کی دختر سے نکاح کر لیں تو ایسا کر لیں، فاطمہ میری لخت جگر ہے، جس بات سے اس کو بے چینی ہوگی مجھ کو بھی ہوگی اور جس بات سے اس کو اذیت ہوگی مجھ کو بھی ہوگی۔"

ف: یہ نکاح مباح اور حلال تھا، چنانچہ قواعد شرعیہ سے بھی ظاہر ہے اور خود بعض روایات میں آپ کا صریح ارشاد بھی اس کے متعلق آیا ہے مگر باوجود اس کے بمصالح مذکورہ حدیث آپ کو یہ نکاح ناگوار ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر خصوصیت کی جگہ اسی قسم کے مصالح سے کسی امر مباح سے اظہار ناخوشی کے ساتھ اپنے مخصوصین کو روکا جائے، تو یہ تحریم حلال نہیں، بزرگوں سے بھی ایسے واقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

۲۵۶- اصلاح، تاثیر فساد نیت در مذبوح

(نیت کا فساد مذبوح میں مؤثر ہوتا ہے)

عن ثابت بن الضحاک رضیَ اللہ تعالیٰ عنه قال رجل لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انی نذرت ان اذبح بمکان کذا و کذا مکان یذبح فیه اھل الجاھلیة فقال: "ھل کان بذٰلک المکان وثن من اوثان الجاھلیة یعبد"؟ قال: لاقال "فھل کان فیه عید من اعیادھم"؟ قال: لا، قال: "أوف بنذرک". (اخرجه ابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے نذر کی تھی کہ فلاں جگہ میں ذبح کروں گا وہ ایسی جگہ تھی جہاں اہل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا: "اس جگہ میں کوئی بت وغیرہ تھا جاہلیت کے بتوں میں جس کی عبادت ہوا کرتی تھی"؟ اس شخص نے عرض کیا کہ

[1] ابوداؤد: الأیمان والنذور، مایؤمر به من وفاء النذر رقم: ۳۳۱۳ وسکت عنه المنذری.

نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کیا اس میں کوئی میلہ وغیرہ ہوتا تھا ان لوگوں کے میلوں میں سے''؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ: ''اپنی نذر پوری کرلو''۔

ف: یہ یقینی بات ہے کہ یہ شخص ذبح اللہ ہی کے نام پر کرتے، کیوں کہ مسلمان تھے، مگر باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کی خصوصیات کی تفتیش فرمائی تا کہ اس سے ناذر کی نیت کا اندازہ ہو، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرے مگر نیت میں فساد ہو تو یہ فسادِ نیت مذبوح میں مؤثر ہوتا ہے، اس سے بزرگوں کے نام کے جانوروں کا حکم معلوم کرنا چاہئے، جس میں جہال درویشوں کو اور ان کے ہم رنگ لوگوں کو غلطی واقع ہورہی ہے۔

۲۵۷- عادت، چلہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من اخلص لِلّٰہِ اربعین صباحاً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه علیٰ لسانه". (اخرجه رزین[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے، علم کے چشمے اس کے قلب سے (جوش زن ہوکر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔''

ف: اکثر بزرگوں سے چلہ نشینی کا اہتمام منقول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

ف: مسئلہ، اثبات علم اسرار

بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو بعض علوم وہ عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں کبھی اس کو علم وہبی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم اسرار کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق وحقائق بھی ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے، یہ حدیث ایسے علوم کی تحقیق اور اعتبار کی اصل ہے۔

---

[1] مسند الشهاب ۱/۲۸۵ ورواه أبو نعيم في الحلية من جهة مكحول عن أيوب مرفوعا. وسنده ضعيف وهو عند أحمد في الزهد مرسل بدون أيوب وله شاهد عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه. (المقاصد الحسنة) ۳۹۵.

۲۵۸- عادت، تکلم بکلام موہم بمصلحت یا بعذر

(مصلحتاً یا غلبہ عذر سے ایسے الفاظ بولنا جو بظاہر شرع سے متجاوز ہوں)

عن الاسود قال: كنا في حلقة عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه فجاء حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه حتى قام علينا فسلم، ثم قال: لقد انزل النفاق على قوم خير منكم، فقلنا: سبحان الله! ان الله عزوجل يقول: ﴿ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار﴾ فتبسم عبدالله وجلس حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه في ناحية المسجد، فلما قام عبدالله وتفرق أصحابه رماني بالحصباء، فاتيته فقال: عجبت من ضحكه وقد عرف ماقلت، لقد انزل النفاق على قوم خير منكم ثم تابوا، فتاب الله عليهم. (اخرجه البخاري[۱])

ترجمہ: حضرت اسود سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقہ میں حاضر تھے اتنے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہاں تک کہ ہمارے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور سلام کیا، پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں پر نفاق نازل ہو چکا ہے جو تم سے بھی اچھے تھے، ہم نے (تعجب سے) کہا سبحان اللہ! حق تعالیٰ تو یوں فرماتے ہیں کہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہیں (پھر وہ مسلمانوں سے اچھے کیسے ہو سکتے ہیں) اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبسم فرمایا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی ایک جانب میں بیٹھ گئے، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور ان کے اصحاب منتشر ہو گئے اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنکری پھینک کر مجھ کو بلایا، میں ان کے پاس آیا فرمانے لگے کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہنسنے سے تعجب کرتا ہوں حالانکہ میرے مقولہ کو وہ سمجھ گئے تھے (تو ان کو تصریحاً تصدیق کرنا چاہئے تھا اور ہنسنے سے ناظرین کو دوسرا احتمال بھی ہو سکتا ہے، کہ شاید تکذیب وتجہیل کا ہنسنا ہو پھر اس مقولہ کا خود مطلب بیان کیا کہ) واقعی نفاق (اول اول) ایسے لوگوں پر نازل ہوا تھا جو تم سے بھی اچھے تھے (مگر) پھر انہوں نے توبہ کی پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی۔

(مطلب یہ کہ جن منافقین نے نفاق سے توبہ کی وہ صحابی ہو گئے اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی

---

[۱] بخاري: التفسير، باب. "ان المنافقين في الدرك الأسفل من النار" رقم: ۴۶۰۲

اللہ تعالیٰ عنہم تابعینؒ سے افضل ہیں اور اس حلقہ میں تابعین زیادہ تھے، پس ایسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر یہ مضمون صادق آتا ہے کہ تم سے اچھے تھے اور ان پر نفاق نازل ہوا تھا، گو دونوں حالتوں کا زمانہ ایک نہ تھا سامعین نے ظاہر کلام سے ان دونوں حالتوں کا زمانہ ایک سمجھ کر تعجب کیا۔

ف: بعض بزرگوں سے بعض ایسے کلام منقول ہیں جو ظاہراً شرع سے متجاوز معلوم ہوتے ہیں، جن کا منشاء یا قصد اخفاء ہے نااہل سے یا غلبہ عذر ہے۔ کما قیل فی الأول:

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

وقیل فی الثانی:

گفتگوے عاشقاں در کار رب جوشش عشق است نے ترک ادب

حدیث سے اس عادت کی جب کہ منشاء اس کا صحیح ہو اصل معلوم ہوتی ہے کہ ان صحابی کا مقولہ بظاہر ایسا ہی تھا مگر واقع میں صحیح تھا اور غالباً داعی کا اس مقام پر امتحان ہوگا اور غالباً مقصود یہ تھا کہ قلب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں تو خود بینی اور بد بینی سے بچنا چاہئے۔

۲۵۹-توجیہ، خود را بددین وغیرہ گفتن

(اپنے کو بددین وغیرہ کہنا)

عن ابی ملیکة قال: ادرکت ثلثین من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من شهد بدراً، کلهم یخاف النفاق علی نفسه ولا یامن المکر علی دینه. الحدیث (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابو ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تیس صحابیوں کو دیکھا جو بدر میں شریک ہوئے تھے (جن کی بڑی فضیلت آئی ہے) سب کے سب اپنے متعلق منافق ہونے کا اندیشہ رکھتے تھے، اور اپنے دین کے متغیر ہونے سے بے اندیشہ نہ تھے۔

ف: بزرگوں کے کلام میں کثرت سے اس قسم کے کلمات پائے جاتے ہیں سبب اس کا غلبہ خوف ہے، حدیث سے صحابہؓ کا بھی یہی مذاق ثابت ہوتا ہے اور اگر یخاف باعتبار مآل کے ہے تب تو نفاق اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور اگر باعتبار حال کے ہے تو نفاق سے

---

[1] بخاری: (تعلیقا) الایمان، خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لایشعر.

مراد بعض آثار نفاق ہیں، جو من وجہ نفاق کا ایک درجہ ہے۔

۲۶۰- عادت، مراقبہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: "یاغلام احفظ اللہ تجدہ تجاھک" وفی ھذا الحدیث: "فان استطعت ان تعمل للہ تعالیٰ بالرضاء فی الیقین فافعل، فان لم تستطع فان فی الصبر علیٰ ماتکرہ خیراً کثیراً". (اخرجہ رزین بھذا اللفظ[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مرکب پر سوار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اے لڑکے اللہ تعالیٰ کا خیال رکھا کرو، اس کو اپنے سامنے پاؤ گے"، اور اسی حدیث میں ہے کہ: "اگر تم سے ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کے لئے رضاء کے ساتھ جو یقین سے مقرون ہو عمل کرو تو ایسا ضرور کرو اور اگر یہ نہ کر سکو تو پھر نا گوار امور پر صبر کرنے میں بھی خیر کثیر ہے۔"

ف: "**احفظ اللہ**" کا جو مطلب ہے وہی حاصل ہے مراقبہ کا، جو اہل طریق کے عاداتِ لازمہ سے ہے، رہ گئی اسکی خاص ہیئت تو محض اس کے راسخ ہونے کے لئے ہے، مقصود بالذات نہیں، اس لئے اس ہیئت کے منصوص ہونے کی ضرورت نہیں۔

ف: حال، قرب و معیت

مراقبہ پر جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ قرب و معیت ہے "**تجدہ تجاھک**" جو "**احفظ**" پر مرتب ہے عبارت اسی سے ہے۔

ف: مسئلہ، تفضیل عارف بر عابد

(عارف کو عابد پر ترجیح دینا)

رضاء و یقین کو جو اعمال اہل باطن سے ہیں صبر علیٰ ماتکرہ پر کہ اعمال عابدین سے ہے ترجیح دینا دلیل صریح ہے تفضیل اہل باطن کی صاحبِ اعمال ظاہر پر۔

---

[1] کتاب الزھد: لھناد ابن السری ۱/۳۰۴.

۲۶۱-علامتِ مقبولیت

عن زید الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قلت: یا رسول اللہ! تخبرنی ماعلامۃ اللہ فیمن یریدہ وما علامتہ فی من لایریدہ فقال: "کیف اصبحت یا زید"؟ قلت: احب الخیر واھلہ وان قدرت علیہ بادرت الیہ، وان فاتنی حزنت علیہ وحننت الیہ فقال: صلی اللہ علیہ وسلم: "فتلک علامۃ اللہ تعالیٰ فیمن یریدہ ولو ارادک لغیرھا لھیاک لھا". (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت زید خیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھ کو بتلایئے کہ مقبول الٰہی اور غیر مقبول الٰہی کی کیا علامت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "یہ بتلاؤ کہ تم نے صبح کس حالت میں کی ہے"؟ میں نے عرض کیا کہ خیر اور اہل خیر سے محبت رکھتا ہوں اور اگر اس پر قدرت پالیتا ہوں تو اس کے کرنے کو دوڑتا ہوں اور اگر وہ خیر میرے ہاتھ سے رہ جاتی ہے، تو میں اس پر مغموم ہوتا ہوں اور اس کا مشتاق رہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بس یہی علامت ہے مقبول کی اور اگر اس کے خلاف کے لئے تمہاری نسبت ارادہ ہوتا تو تم کو اس کے لئے تیار کردیتے" (یعنی ویسا ہی سامان ہوجاتا)

ف: حدیث میں منصوص ہے۔

۲۶۲-علاج، دفع وسوسہ

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قیل: یا رسول اللہ! ان احدنا یجد فی نفسہ ویعرض بشیء لان یکون خممۃ احب الیہ من ان یتکلم بہ فقال: "اللہ اکبر، الحمدللہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ". (أخرجہ أبوداؤد[2])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم میں) عرض کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ! بعضا بعضا ہم میں اپنے دل میں ایسے خیالات پاتا ہے ایسی چیزیں پیش آتی ہیں کہ جل کر کوئلہ ہوجانا زیادہ محبوب معلوم ہوتا ہے، اس سے کہ اس کو

---

[1] قلت: ھکذا فی کتابنا وفی تیسیر الأصول کذلک لکن جاء فی جامع الأصول: أخرجہ رزین وھو صحیح: لأننا لم نتمکن من الوصول الیہ فی جامع الترمذی، ووجدناہ فی "الاصابۃ" فی ترجمۃ" زید الخیر" ۱/۵۷۲ ذکرہ الحافظ بعد ماعزاہ الی کتاب ابن شاھین.

[2] أبوداؤد: الأدب، رد الوسوسۃ. رقم: ۵۱۱۲، وسکت عنہ المنذری.

زبان پر لاوے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خوش ہوکر) فرمایا: ''اللہ اکبر، اللہ کا شکر ہے، جس نے شیطان کے فریب اور کوشش کو وسوسہ ہی تک رکھا'' (آگے نہیں بڑھنے دیا)

ف: اس حدیث میں جو علاج وسوسہ کا مذکور ہے، محققین اسی کے موافق تعلیم دیتے ہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ وسوسہ پر محزون نہ ہو بلکہ خوش ہو کہ جو بلائیں وسوسہ سے اعظم ہیں ان سے حق تعالیٰ نے بچالیا، اور اس خوش ہونے سے ایک نفع یہ بھی ہے کہ شیطان مؤمن کی خوشی سے ناخوش ہوتا ہے، پس جب وہ دیکھے گا کہ یہ وساوس سے خوش ہوتا ہے وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا اور ان بڑی بلاؤں سے بچنے میں بعض اوقات خود اس وسوسہ کو بھی دخل ہوتا ہے، کیوں کہ جب نفس اس طرف اضطراراً متوجہ ہوا تو بعض اوقات دوسرے معاصی عظیمہ ظاہرہ یا باطنہ میں مشغول ہونے کی مہلت نہیں پاتا اور بچا رہتا ہے اسی واسطے فرمایا گیا ہے:

این بلا دفع بلا ہائے بزرگ

اور اضطراراً اس لئے کہا کہ اختیاراً اس کی طرف توجہ نہ چاہئے کہ اس سے اذیت ہوتی ہے گو معصیت نہیں ہوتی، شیخین کی ایک حدیث میں اس کا صریح امر آیا ہے لینتہ اور اس حدیث میں بھی اس پر مسرور ہونے میں اشارہ اس طرف ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ حب سرور میں مشغول ہوگیا تو توجہ الی الوسوسہ قصداً مرتفع ہوگئی۔

۲۶۳- اصلاح، دعویٰ باطل کشف

عن واثلة بن الاسقع رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : "ان من اعظم الفریٰ ان یدعی الرجل الیٰ غیر ابیه او یری عینیه مالم تر، او یقول علیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم شیئا لم یقل". (أخرجه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''بہت بڑی افتراء کی چیزیں یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے کو منسوب کرے (یعنی اولاد میں کسی کی ہو اور بتلاوے دوسرے کی اولاد میں جیسے بعض کی عادت ہوتی ہے، کہ ہوئے شیخ بتلا دیا سید ونحوذ لک) یا اپنی آنکھ کی طرف ایسی چیز کے دیکھنے کے نسبت کرے جو اس نے نہیں دیکھی (اس میں جھوٹا خواب اور جھوٹا دعویٰ کشف کا سب

[1] بخاری: المناقب، باب (بلاترجمة) رقم: ۳۵۰۹.

آ گیا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے قول کو منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمایا۔“

ف: حدیث کی تقریر سے اس کا گناہ ہونا ظاہر ہے، بہت سے مدعی اس میں مبتلا ہیں۔

ف: اصلاح، بے احتیاطی در نقل حدیث

(حدیث کو نقل کرنے میں بے احتیاطی)

اگر حسنِ ظن کے غلبہ سے شبہ ہی نہ ہو کہ راوی حدیث غلط نقل کر رہا ہے تب تو معذوری ہے، بعضے بزرگوں کو یہی بات پیش آئی ہے جو ان کے ملفوظات ومکتوبات میں بعض بے اصل حدیثیں داخل ہوگئیں اور اگر باوجود علماء کے متنبہ کرنے کے برابر ان کے نقل پر اصرار ہے جیسا کہ اکثر اہل جہل کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ معذوری کی نہیں۔

۲۶۴-عادت بعض، ترک نکاح وگوشہ نشینی

عن عیسیٰ بن واقد قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”اذا کانت سنۃ ثمانین ومائۃ فقد احللت الغربۃ والترھب فی رؤس الجبال“. (أخرجہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن واقد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جب ۱۸۰ ایک سو اسی آئے، اس وقت میں اپنی امت کو ترک نکاح یا جلاوطنی اور ترک تعلقات کرکے پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔“

ف: بعض بزرگوں نے اس کو بمصلحت، فتن داخلہ وخارجہ سے بچنے کے لئے اس کو اختیار کیا ہے، حدیث میں ایسی حالت میں اس کا ماذون فیہ ہونا مصرح ہے اور سنہ کی قید اشارہ اسی مصلحت کی طرف ہے کیوں کہ یہ زمانہ تھا کثرت فتن کا۔

۲۶۵-مسئلہ، عدم منافات در اسباب وتوکل

(اسباب اور توکل میں کوئی منافات نہیں)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رجل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

---

[1] ذکرہ علی الکنانی فی کتابہ: ”تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ“ وقال: أخرجہ الغسولی فی جزئہ. وھو من مرسل الحسن وعلی ارسالہ فی سندہ ضعفاء (۳۴۶/۲)

اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل قال: "اعقلها وتوکل". (اخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا رکھوں اور توکل کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "باندھ کر توکل کرو"۔

ف: مطلق توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں حدیث اس میں صریح ہے بلکہ بعض تدبیر کا تو سب کو ترک ناجائز ہے اور بعض کا ضعیف کے لئے ناجائز ہے، حدیث کی دونوں طرح توجیہ ہو سکتی ہے تفصیل اس کی کلید مثنوی میں ہے۔

۲۶۶-عادت، تنبیہ مریداں بر بعض زلات غائب از نظر

(کشف وغیرہ کے ذریعہ معلوم ہونے والی مرید کی لغزشوں پر تنبیہ کرنا)

عن ابن ابی کثیر قال: قال ابو سهم رضی الله تعالیٰ عنه مرت بی امرأة فاخذت کشحها ثم اطلقتها، فاصبح رسول الله صلی الله علیه وسلم یبایع الناس، فاتیته فقال: "الست بصاحب الجذبة بالأمس"؟ قلت: بلیٰ، وانی لااعود یا رسول الله فبایعنی. (اخرجه رزین[2])

ترجمہ: ابن ابی کثیر سے روایت ہے کہ حضرت ابو سہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے سامنے سے ایک عورت گزری، میں نے (غلبۂ شہوت سے) اس کی کمر پکڑ لی، پھر اس کو (خوف خدا سے) چھوڑ دیا، اتفاق سے (اگلے دن) صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سبب سے لوگوں کو بیعت فرمانے لگے، میں بھی (اسی غرض کے لئے) حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم وہی نہیں جس نے کل کے روز اس کو کھینچا تھا" میں نے عرض کیا کہ بے شک، اور میں اب ایسا نہ کروں گا یا رسول اللہ! پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بیعت فرما لیا۔

ف: بعضے بزرگوں کی عادت ہے کہ کشف سے یا خبر صادق سے کوئی بات بے جا مرید

---

[1] ترمذی: صفة القیامة، (باب حدیث اعقلها وتوکل) رقم: ۲۵۱۷، قال عمرو بن علی قال یحیی: وهذا عندی حدیث منکر، وقال أبو عیسی: وهذا حدیث غریب من حدیث أنس لانعرفه الا من هذا الوجه. [2] الاستیعاب فی ترجمة أبی شهم، وأخرج حدیثه النسائی والبغوی، واسناده قوی قاله الحافظ ابن حجر فی الاصابة ۱۰۳/۴.

کی معلوم ہوتی ہے تو مصلحت زجر کے لئے اس کو تنبیہ فرما دیتے ہیں اور اگر مجمع میں متنبہ کرتے ہیں تو مبہم طور پر کہ دوسروں کے روبرو رسوائی نہ ہو، حدیث اس سب مجموعہ پر دال ہے، البتہ کشف دوسرے پر حجت نہیں اس پر بنا کسی سزا کی یا سوءِ ظن کی اجازت نہیں اور بعض اوقات باوجود علم کے متنبہ نہیں کرتے، اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے مثلاً اس سے اندیشہ ہوتا ہے زیادت جرأت کا۔ ونحوذ لک۔

٢٦٧-متفرقات، اصل طریق تصوف

عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث سوال جبریل علیه السلام عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: جبریل: فاخبرنی عن الاحسان قال[1]: "ان تعبد الله کانک تراه، فان لم تکن تراه فانه یراک". الحدیث (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث میں جس میں جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے ہیں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ احسان کیا چیز ہے (اس کے معنی لغوی ہیں: حسن کردن، یعنی عبادت کا اچھی طرح بجالانا یعنی اس طرح کہ وہ ریاء وغفلت سے منزہ ہو، حاصل اس کا اخلاص اور حضور ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر خدا تعالیٰ نظر آئے تو جس طرح کی عبادت اس وقت کرتے ایسی کرو اور لامحالہ ایسے وقت میں عبادت اخلاص وحضور کے ساتھ ضرور ہوگی، پس اسی طرح کی عبادت کرنا چاہئے اور گو تم اس کو دیکھتے نہیں ہو مگر ایسی طرح کی عبادت کا داعی پھر بھی موجود ہے) اس لئے کہ اگر تم اس کو دیکھتے نہیں تو وہ تم کو دیکھتا ہے" (اور یہ بھی داعی کافی ہے)

ف: یہ سوال بعد دریافت حقیقت ایمان واسلام کے تھا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ عقائد واعمال ظاہرہ سے زائد کوئی اور امر بھی قابل تحصیل ہے جس کو احسان کہا گیا ہے اور جو حقیقت اس کی بیان فرمائی گئی ہے، یہی خلاصہ ہے اس طریق کا، پس حدیث مثبت ہے اس طریق کے صحت کی۔

---

[1] مسلم: الایمان، بیان الایمان، والاسلام، والاحسان رقم: ١ (٨)

٢٦٨-متفرقات، بیعت طریقت

عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وحوله عصابة من اصحابه. "بايعونى على ان لاتشركوا بالله ولا تسرقوا". الحديث (متفق عليه[1])

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد آپ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی اس وقت آپ نے فرمایا کہ: "تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرلو کہ تم شرک نہ کروگے اور چوری نہ کروگے"۔ آخر حدیث تک۔

ف: حدیث میں تصریح ہے کہ جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کا ارادہ فرمایا وہ صحابہ تھے، اس سے ثابت ہوا کہ علاوہ بیعت اسلام و جہاد کے ترک معاصی والتزام طاعات کے لئے بھی بیعت ہوتی تھی، یہی بیعت اسلام بیعت طریقت ہے جو صوفیاء میں معمول ہے، پس اس کا انکار ناواقفی ہے۔

٢٦٩-قول، تسمیہ جہاد نفس بہ جہاد اکبر

(نفس سے جہاد کو جہادِ اکبر کہنا)

عن فضالة الكامل رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "المجاهد من جاهد لنفسه فى طاعة الله". الحديث (رواه البيهقى فى شعب الايمان[2])

ترجمہ: حضرت فضالہ کامل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

ف: مجاہدۂ نفس کو بزرگوں کے ملفوظات میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے، اس حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے، کیوں کہ اس قسم کی ترکیب: المجاهد الخ جس سے ظاہراً حصر جنس مستفاد ہوتا

---

[1] بخاری: الایمان، باب (بلاترجمة) رقم: ١٨، مسلم: الحدود، الحدود كفارات لأهلها. رقم: ٤١ (١٧٠٩) ترمذی: الحدود، الحدود كفارة لأهلها. رقم: ١٤٣٩ وقال: حسن صحیح، نسائی: البیعة، من وفی بما بیع علیه. رقم: ٤٢١٥. [2] رواه البيهقى فى شعب الايمان: باب فى أن يحب المسلم لأخيه مايحب لنفسه ٧/٤٩٩. رقم: ١١١٢٣.

ہے حصر کمال کے لئے مستعمل ہے، کما لا یخفٰی علی أہل العلم، پس معنی یہ ہوئے کہ مجاہد کامل مجاہد نفس ہے، تو ظاہر بات ہوئی کہ جہاد کامل جہاد نفس ہے اور کامل اور اکبر کے ایک ہی معنی ہیں۔

٢٧٠- مسئلہ، عدم منافات وسوسہ وکمال را

(وسوسہ اور کمال میں منافات نہیں)

عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان رجالا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی حزنوا علیہ حتی کاد بعضھم یوسوس، قال عثمان: وکنت منھم فبینما انا جالس مر علی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسلم فلم اشعر بہ، فاشتکیٰ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیٰ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ثم اقبلا حتی سلما علی جمیعاً وقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ماحملک ان لاترد علیٰ اخیک عمر سلامہ؟ قلت: مافعلت، فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بلیٰ واللہ لقد فعلت، قال: قلت: واللہ ماشعرت انک مررت ولاسلمت، قال ابوبکر: صدق عثمان، قد شغلک عن ذٰلک امر، فقلت: اجل، قال: ماھو؟ قلت: توفی اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان نسألہ عن نجاۃ ھذا الامر. الحدیث (رواہ أحمد[1])

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانہ میں بہت ہی مغموم ہوئے یہاں تک کہ بعضوں کو کچھ وسوسے ہونے لگے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان ہی میں سے تھا، پس میں ایک بار بیٹھا ہوا تھا، اس اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میرے پاس کو گزر ہوا اور سلام کیا مگر مجھ کو (اصلاً) خبر نہ ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شکایت کی، پھر دونوں حضرات تشریف لائے یہاں تک کہ دونوں نے سلام کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (مجھ سے) فرمایا کہ کیا باعث ہے تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب نہیں دیا؟ میں نے کہا کہ نہیں میں نے ایسا نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیوں نہیں، واللہ آپ نے ایسا کیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ واللہ مجھ کو نہ آپ کے گزرنے کی خبر ہوئی اور نہ سلام کی خبر ہوئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

[1] مسند أحمد ١/ ٦. رجالہ ثقات.

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سچ کہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی بڑے امر نے اس سے غافل کر رکھا، میں نے کہا ہاں یہی بات ہے، فرمانے لگے وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ وہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اٹھالیا اور ہم یہ پوچھنے نہ پائے کہ اس دین (اسلام) میں اصل مدارِ نجات کیا چیز ہے؟ (یعنی شرائع تو بہت سے ہیں مگر اصل الاصول کیا ہے، اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تسلی کر دی کہ میں نے پوچھ لیا، وہ توحید ورسالت کا اعتقاد ہے)

ف: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کامل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، پھر بھی ان کو وسوسہ ہوا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ منافی کمال نہیں، نہ مضر باطن ہے۔

ف: حال، غیبت

دین کی بات کا خیال ایک وارد ہے اور اس کی قوت نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے خبر کر دیا، یہی غیبت ومحو ہے، پس حدیث سے اس کا بھی اثبات ہوتا ہے۔

۲۷۱- علاج، دفع وسوسہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یاتی الشیطان احدکم فیقول، من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربک فاذا بلغہ فلیستعذ باللہ ولینتہ". (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "شیطان بعض کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلانی چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلانی چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ (یعنی نعوذ باللہ) تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ سو جب اس کی نوبت پہنچے تو اللہ کی پناہ مانگے (اعوذ باللہ پڑھ لے) اور سوچنے سے باز رہے۔"

ف: حدیث دوصد وشصت ودوم میں اس کی تقریر گزر چکی ہے، اور اس حدیث میں ایک علاج زیادہ ہے کہ اعوذ باللہ کا بھی حکم ہے، خود اس کلمہ میں بھی برکت ہے، اور اس میں ایک راز

[1] بخاری: بدء الخلق، صفۃ ابلیس وجنودہ. رقم: ۳۲۷۶، مسلم: الایمان، بیان الوسوسۃ فی الایمان. ومایقولہ من وجدھا رقم: ۲۱۴ (۱۳۴) أبوداؤد: السنۃ، باب فی الجھمیۃ. رقم: ۴۷۲۲.

بھی ہے وہ یہ کہ جب حق تعالیٰ کی طرف استعاذہ کے ساتھ متوجہ ہوگا تو یہ توجہ دافع ہوجائے گی توجہ الی الوسوسہ کی، کیوں کہ نفس ایک آن میں دوطرف متوجہ نہیں ہوتا، پس اس علاج کا حاصل یہ ہوا کہ ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے تو قصداً اور استقلالاً دفع وسوسہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

۲۷۲- علاج، دفع وسوسہ

عن القاسم بن محمد ان رجلاً ساله فقال: انی اهم فی صلاتی فیكثر ذلک علی فقال له: امض فی صلوتک فانه لن یذهب ذلک عنک حتی تنصرف وانت تقول ما اتممت صلوتی. (رواه مالک[۱])

ترجمہ: قاسم بن محمد سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھ کو نماز میں وہم اور شبہ بہت ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ (کچھ پرواہ نہیں) اپنی نماز (اسی حالت سے) ختم کرلیا کرو کیوں کہ یہ (کوشش کرنے سے) ہرگز دفع نہ ہوگا، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاؤ گے اور یوں ہی کہتے رہو گے کہ میں نے نماز پوری نہیں پڑھی (ضرور کچھ رہ گیا ہے اس لئے پھر پڑھو گے، مگر پھر بھی فارغ ہو کر یہی وسوسہ رہے گا تو کہاں تک اعادہ کرو گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ پرواہ نہ کرو)

ف: اس روایت میں یہ اور علاج ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جائے اور اس پر عمل اور اس کی طرف التفات نہ کرے، یہ علاج تجربہ سے اکسیر اعظم ثابت ہوا ہے اور حاشیہ میں لمعات ومرقات سے فانه لن يذهب الخ کی اور طرح کی تقریر ہے، یعنی یہ وسوسہ اس وقت تک دفع نہ ہوگا، جب تک کہ تم ایسا نہ کرو گے کہ نماز ختم کرلو، اور (شیطان) سے یوں کہہ دو کہ مانا ہم نے نماز پوری نہیں پڑھی، نہ سہی، اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے وہ اسی کو قبول کرلے گا یا معاف کردے گا ہم آپ کی خیرخواہی سے باز آئے، ہم جانیں ہمارا خدا جانے۔

۲۷۳- مسئلہ، عدم اضرار خیالات بلاقصد در صلوٰۃ

(نماز میں بلا ارادہ خیالات کا آنا مضر نہیں ہے)

عن عثمان رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من توضأ وضوئی هذا ثم یصلی رکعتین لایحدث نفسه فیهما بشیء غفرله

[۱] موطا: العمل فی السهو. ص ۳۵ (مطبوعة: مكتبه تهانوی)

ماتقدم من ذنبه". (متفق علیه ولفظه للبخاری[1])

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضوکر کے) ارشادفرمایا کہ: "جوشخص میرا سا وضوکرے پھر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے کسی قسم کی باتیں نہ کرے تو اس کے سب ذنوب سابقہ (جوصغائر میں سے ہوں) معاف ہوجاتے ہیں۔"

ف: اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز میں مطلقاً خیال کا آنا مضر حضور قلب ہے، اوراسی وجہ سے حضور قلب کو خارج از قدرت قرار دے کر اس کا اہتمام متروک محض ہوگیا ہے، حدیث میں لفظ "یحدث" وارد ہے، جوکہ فعل اختیاری ہے جس سے معلوم ہوا کہ جوخیال بقصد لایا جائے وہ مضر حضور ہے، سو اس کا ترک داخل قدرت ہے اور جو بلا قصد واختیار آجائے وہ مضر نہیں، پس حضور قلب کا اہتمام ضرور رہا اور ممکن التحصیل بھی رہا۔

۲۷۴-تعلیم ،طریق حضور درصلوٰۃ (نماز میں توجہ کا طریقہ)

عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ما من مسلم یتوضأ فیحسن وضوئه ثم یقوم فیصلی رکعتین مقبلا علیهما بقلبه ووجهه الا وجبت له الجنة". (رواه مسلم[2])

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: "کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وضوکرے اوراچھی طرح وضوکرے، پھر کھڑے ہوکر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ اپنے دل اور چہرہ سے اس کی طرف متوجہ رہے مگراس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی۔"

ف: "مقبلا علیهما بقلبه" میں غور کرنے سے یہ طریق معلوم ہوتا ہے، شرح اس کی یہ ہے کہ "علیهما" کی ضمیر راجع ہے رکعتین کی طرف، اور رکعت مرکب ہے اقوال وافعال عدیدہ سے، تو اقبال علی الرکعۃ اقبال علی ہذہ الأجزاء ہے، پس حاصل طریق یہ ہوا

---

[1] بخاری: الوضوء، الوضوء ثلاثا ثلاثا. رقم: ١٥٩، مسلم: الطهارة، فضل الوضوء والصلاة عقبه. رقم: ٨(٢٢٩). [2] مسلم: الطهارة، الذکر المستحب عقب الوضوء رقم: ١٧(٢٣٤) قلنا: وأخرجه أبوداؤد الصلاة، کراهية الوسوسة وحدیث النفس الخ رقم: ٩٠٦.

کہ جو قول و فعل نماز میں صادر ہو وہ توجہ اور قصد سے ہونا چاہئے، محض مشق اور یاد سے نہ ہو، مثلاً زبان سے سبحنک اللهم کہا تو اس کی طرف مستقل توجہ ہو کہ میں زبان سے کہہ رہا ہوں، پھر وبحمدک کہا تو اسی طرح اس کی طرف بھی مستقل توجہ اور قصد ہو اسی طرح آخر نماز تک، پس اس طرح کرنے سے برابر ساعات نماز میں توجہ الی الطاعۃ رہی اور ایک طرف جب توجہ ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی پس لامحالہ اس سے غیر صلوٰۃ کی طرف توجہ نہ ہوگی، پس حضور کامل میسر ہوگا اور "وجه" میں اشارہ اس طرف ہے کہ جوارح کے مشغول کر دینے کو بھی اشتغال قلب میں دخل ہوتا ہے، پس تکمیل حضور کے لئے کف جوارح بھی ضرور ہے ورنہ چہرہ پھیرنے سے بواسطہ نگاہ کے خیالات منتشر ہوں گے۔

٢٧٥- شغل حبس بصر (نگاہ کو ایک جگہ روکے رکھنا)

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: "یا انس! اجعل بصرک حیث تسجد". (رواه البیهقی)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے انس! اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھو۔"

ف: تجربہ سے ثابت ہے کہ اس عمل سے یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے، اور اشغال سے یہی مقصود ہے پس حدیث اصل ہے اشغال کی۔

٢٧٦- حال، وجد

عن مطرف بن عبد الله بن الشخیر عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنه قال: اتیت النبی صلی الله علیه وسلم وهو یصلی ولجوفه ازیز کازیز المرجل یعنی یبکی، وفی روایة قال: رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یصلی وفی صدره ازیز کازیز الرحی من البکاء. (رواه أحمد وروی النسائی الروایة الأولی وأبو داؤد الثانیة)[2]

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں

[1] رواه البیهقی فی السنن: الصلاة، لایجاوز بصره موضع سجوده. ٢/٢٨٤.
[2] مسند احمد: ٤/٢٦، أبوداؤد: الصلاة، البکاء فی الصلاة. رقم: ٩٠٤، وسکت عنه المنذری. نسائی: السهو، البکاء فی الصلاة رقم: ١٢١٥.

نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ کے سینے میں ایک ایسی آواز تھی جیسی (پکنے کے وقت) ہانڈی کی آواز ہوتی ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جیسی چکی کی آواز ہوتی ہے، اور یہ آواز رونے کے سبب تھی، آپ رو رہے تھے۔

ف: کسی حالت غریبہ محمودہ کا غلبہ وجد کہلاتا ہے، یہ حالت آپ کی اس قبیل کی تھی اور کاملین کا وجد اکثر ایسا ہی لطیف ہوتا ہے، صعقہ، تمزیق ثیاب وغیرہ نہیں ہوتا اور جس کو وہ بھی بے اختیار ہو معذور ہے۔

۲۷۷-متفرقات، عنوان خاص مسئلہ مظہریت

(حق تعالیٰ کی صفات کا خلق میں ظہور فرمانا)

عن ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: سمعت ابا الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ان اللہ تبارک وتعالیٰ قال: یا عیسیٰ! انی باعث من بعدک امۃ". الحدیث وفیہ: "قال اللہ تعالیٰ: اعطیھم من حلمی وعلمی". (رواہ البیہقیؒ)[1]

ترجمہ: حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: "اللہ تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کرنے والا ہوں"، (مراد اس امت سے امتِ محمدیہ ہے) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو (یعنی امتِ محمدیہ کو) اپنے حلم اور اپنے علم سے عطا کروں گا۔"

ف: اکثر اہل توحید کی تقریر میں مظہریت خلق للحق کے بیان میں یہ عنوان پایا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی خاص خاص صفات مناسبہ نے جو متشارک بین الواجب والممکن ہیں، خاص خاص خلق میں ظہور فرمایا ہے، مثلاً صفت محی نے پانی میں، اور صفت قابض نے نار میں، اور اکثر صفات نے انسان میں، غرض اس مظہریت میں صرف صفاتِ مناسبہ کی تخصیص کی گئی ہے جس پر بعض متشددین کو شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات نعوذ باللہ عین صفات کے انتقال یا

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان: باب فی تعدید نعم اللہ عزوجل وشکرھا. ۴/۲۱۴ رقم: ۴۴۸۲.

دونوں ممکن وواجب کے تماثل کے قائل ہیں، اس حدیث کے اس جزء میں "اعطیهم" الخ اس خاص عنوان کی ظاہر تائید ہے، پس جو توجیہ اس حدیث کی ہے وہی توجیہ ان حضرات کے بیان کی ہے، اور کبھی بلا تخصیص صفات مناسبہ متشارکہ کے مطلق خلق کو مطلق صفات کا مظہر کہتے ہیں، اس میں نہ یہ شبہ ہے نہ اس کی توجیہ کی ضرورت۔

۲۷۸-متفرقات، ادب موتی کالاحیاء

(زندوں کی طرح مردوں کا ادب واحترام کرنا)

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قال: كنت ادخل بيتى الى قولها فلما دفن عمر معهم فوالله مادخلته الا وانا مشدودة علىٰ ثيابى حياء من عمر. (رواه احمد[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدفون ہونے تک تو) اپنے (اس) حجرہ میں (جس میں یہ حضرات مدفون ہیں بے تکلف) چلی جایا کرتی تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کئے گئے پھر میں وہاں بدون اس کے کہ میرے کپڑے مجھ پر خوب لپٹے ہوئے ہوں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرم آنے کی وجہ سے کبھی نہیں گئی۔

ف: بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر مردہ کی قبر پر حاضر ہوکر اس کا اتنا ادب کرے کہ جتنا حالت حیات میں کرتا تھا، بشرط عدم تجاوز عن الشرع مثلاً قبر سے اتنے فاصلہ پر بیٹھے جتنے فاصلہ سے حیات میں اس کے پاس بیٹھتا تھا، ونحو ذلک۔

اس حدیث سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے، دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی حالت حیات میں کسی ضرورت سے تشریف لے جاتیں تو خوب پردے میں لپٹ کر جاتیں، اسی طرز کی رعایت ان کی قبر پر جانے کے وقت بھی کی، یہ وجہ تھی اس طرح جانے کی اور یہ معنی ہیں حیاء من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، باقی اس سے موتی کے ایک خاص درجہ کے ادراک واطلاع پر استدلال کرنا اس کو بالکل قلب قبول نہیں کرتا۔

---

[1] مسند احمد ۲۰۲/۶. اورده الهيثمى فى "مجمع الزوائد" (۲۶/۸، ۳۷/۹) وقال: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح.

۲۷۹- حال، کشف القبور

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبائہ علیٰ قبر، وھو لایحسب انہ قبر، فاذا فیہ انسانٌ یقرأ ﴿تبارک الذی بیدہ الملک﴾ حتی ختمھا، فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب اللہ". (رواہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگالیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، سو اس میں ایک آدمی معلوم ہوا جو ﴿تبارک الذی بیدہ الملک﴾ پڑھ رہا ہے، یہاں تک کہ اس کو ختم کیا، وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور (اس واقعہ کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ سورۃ حفاظت کرنے والی ہے، یہ سورۃ نجات دینے والی ہے، یہی مردہ کو عذاب الٰہی سے (جو کہ قبر میں ہوتا ہے) نجات دیتی ہے۔"

ف: کشف قبور کبھی بلا قصد و اکتساب ہوتا ہے جیسے ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا، اسی لئے اس کو حال میں داخل کیا گیا اور کبھی کسب و ریاضت سے ہوتا ہے، بہر حال حدیث سے کشف القبور کا وقوع معلوم ہوا۔

ف: متفرقات، فیض باطنی از اہلِ قبور

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بواسطہ صاحب قبر کے پہنچا اس سے اہل قبور کے فیوض کا اثبات ہوتا ہے۔

۲۸۰- متفرقات، اثباتِ نور و ظلمتِ قلب

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان ھٰذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء" قیل: یا رسول اللہ وما جلاء ھا؟ قال: "کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن". (رواہ البیہقی[2])

[1] ترمذی: فضائل القران، فضل سورۃ الملک. رقم: ۲۸۹۰، وقال: حسن غریب من ھذا الوجہ.
[2] رواہ البیھقی فی شعب الایمان: ۲/۳۵۳، میزان الاعتدال فی ترجمۃ عبدالرحیم بن ھارون الغسانی ۲/۶۰۷ قالہ الدار القطنی: متروک الحدیث، یکذب، وقد ساق ابن عدی لہ عدۃ احادیث، استنکرھا ومنھا ھذا الحدیث أیضا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ان دلوں کو بھی لوہے کی طرح جب کہ اس کو پانی پہنچتا ہے زنگ لگ جاتا ہے''، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اور اس کا جلاء کس چیز سے ہوتا ہے فرمایا: ''موت کو بکثرت یاد کرنے سے اور قرآن کی تلاوت سے۔''

ف: اہل فن کے کلام میں قلوب کے لئے نور وظلمت کا حکم پایا جاتا ہے، حدیث سے اس کا صریح اثبات ہوتا ہے۔

٢٨١-متفرقات، طریق تلاوت

عن طاؤس مرسلا قال: سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ای الناس احسن صوتا للقرآن واحسن قراء ۃ، قال: من اذا سمعته یقرأ ارء یت انه یخشی اللہ تعالیٰ، قال طاؤس: وکان طلق کذٰلک. (رواہ الدارمی)[1]

ترجمہ: طاؤس سے بحذف نام صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید میں اور اس کے پڑھنے میں سب آدمیوں میں زیادہ اچھا اور خوش آواز کون شخص ہے؟ فرمایا: وہ شخص ہے کہ جب اس کو پڑھتا ہوا سنو تو تم کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈر رہا ہے''، طاؤس کہتے ہیں کہ طلق ایسے ہی تھے۔

ف: چوں کہ خشیت بدون تصور حضور پیش حق نہیں ہوتا، اس لئے حدیث میں اشارہ ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت یہ تصور رکھے کہ میں حق تعالیٰ کے سامنے بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں اور یہ تلاوت قرآن کا اچھا طریقہ ہے جس کی بزرگوں نے بھی تعلیم فرمائی ہے۔

٢٨٢-عادت، تصرف

عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرا قراء ۃ انکرتھا علیه، ثم دخل آخر فقرأ قراء ۃ سویٰ قراء ۃ صاحبه، فلما قضینا الصلوٰۃ دخلنا جمیعاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت: ان ھٰذا قرأ قراء ۃ انکرتھا علیه، ودخل آخر فقراء سویٰ قرائۃ صاحبه، فامرھما النبی صلی اللہ علیه وسلم فقرآ، فحسن شانھما، فسقط فی

[1] سنن الدارمی: فضائل القران، التغنی بالقران. رقم: ٣٤٨٩ (دار الکتب العلمیۃ.

نفسی من التکذیب، ولا اذ کنت فی الجاهلیة، فلما رأیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقاً وکانما انظر الی الله فرقا. الحدیث (رواه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا ایک شخص آ کر نماز پڑھنے لگا اور قرآن اس طرح پڑھا کہ میں اس کو غلط سمجھا (کیوں کہ کچھ کلمات ان کی یاد کے خلاف پڑھ رہے تھے) پھر ایک اور شخص آیا اس نے اور ہی طرح قرآن پڑھا، جب ہم سب نماز پڑھ چکے تو ہم سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن اس طرح پڑھا تھا کہ میں اس کو غلط سمجھا اور یہ جو دوسرا آیا تو اسنے اور ہی طرح پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمائش کی اور ان دونوں نے پڑھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا پڑھنا ٹھیک بتلایا، میرے دل میں تکذیب (کی کیفیت درجۂ وسوسہ میں) واقع ہوئی اور وہ بھی حالت جاہلیت کی سی نہیں (بلکہ اس سے بھی زیادہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا، میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ تحسین ان سب قراءتوں کی بتلائی کہ ان سب وجوہ سے پڑھنے کی اجازت ہے)

ف: ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت ہوگئی تصرف ہے۔

ف: حال، وجد و استغراق

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اس کا غلبہ غایت درجہ کا استغراق ہے، اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ دی ہے نظر الی اللہ سے اور ظاہر ہے کہ اگر نظر الی اللہ کا وقوع اس عالم میں ہوتا تو ہرگز ہوش وحواس بجا نہ رہتے۔

---

[1] مسلم: صلاة المسافرین (فضائل القران) بیان أن القران انزل علی سبعة أحرف وبیان معناها. رقم: ۲۷۳ (۸۲۰)

۲۸۳- مسئلہ، انتفاع از مادون خود

(اپنے سے کم رتبہ والے سے نفع حاصل کرنا)

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: استاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العمرۃ فاذن لی، وقال: "اشر کنا یا اخی فی دعائک ولاتنسنا" فقال کلمۃ مایسرنی ان لی بھا الدنیا. (رواہ أبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور فرمایا: "اے بھیا! ہم کو بھی اپنی دعاء میں شریک رکھنا اور ہم کو بھولنا نہیں"، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایسی بات فرمائی کہ مجھ کو اس کے عوض میں ساری دنیا کا ملنا بھی مسرور نہیں کرسکتا۔

ف: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضے منافع اہل کمال کو بھی اپنے کم رتبہ والے سے پہنچ سکتے ہیں، پس کسی کو حق نہیں کہ اپنے کو مستغنی محض سمجھے۔

۲۸۴- متفرقات، اثبات صفاء قلب

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول: "لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ". (رواہ البیھقی[2])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

"ہر شی کا ایک صیقل ہے اور قلوب کا صیقل ذکر اللہ ہے۔"

ف: بزرگوں کے کلام میں بکثرت تصفیۂ قلب کا عنوان پایا جاتا ہے، حدیث بصراحت اس پر دال ہے۔

---

[1] أبوداؤد: الوتر، الدعاء. رقم: ۱۴۹۸، وقال المنذری: فی اسنادہ عاصم بن عبیداللہ بن عاصم بن عمر بن الخطاب، وقد تکلم فیہ غیر واحد من الأئمۃ، قلنا: وأخرجہ الترمذی، الدعوات، أحادیث شتی من أبواب الدعوات. رقم: ۳۵۶۲، وقال: حسن صحیح، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، المناسک، فضل دعاء الحاج. رقم: ۲۸۹۴.

[2] ذکرہ المنذری: فی الترغیب والترھیب فی الذکر، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ ۲/۲۵۴ معزوا الی ابن أبی الدنیا والبیھقی.

۲۸۵-علامت، نسبت باطنی

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: تلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ﴿فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام﴾ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ان النور اذا دخل الصدر تفسح" فقیل: یا رسول اللہ! ھل لتلک من علم یعرف بہ؟ قال: "نعم، التجافیٰ من دار الغرور، والانابۃ الیٰ دارالخلود، والا ستعداد للموت قبل نزولہ". (رواہ البیہقی[1])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، "فمن یرد اللہ" الخ (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت فرمانا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کردیتے ہیں) اور فرمایا کہ: "نور جب قلب میں داخل ہوتا ہے وہ کشادہ ہوجاتا ہے"، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی علامت (اور پہچان) بھی ہے؟ فرمایا: "ہاں! اس دھوکہ کے گھر (یعنی دنیا) سے (دل کی) علیحدگی، اور دارالخلود کی طرف توجہ، اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری۔"

ف: اس نسبت باطنی کا نام نور اور شرح صدر بھی ہے اور علامت اس کی حدیث میں منصوص ہے ایسی علامتیں تلاش پیر میں معین ہوتی ہیں اور مشیخت کی اہلیت کے لئے اس کے ساتھ دوسرے صفات بھی ضروری ہیں مگر یہ صفات بھی موقوف علیہ ہیں پس یہ صفات شرط ہیں علت تامہ نہیں۔

۲۸۶-مسئلہ، اثبات علم اسرار غیر منقولہ

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابی خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "اذا رأیتم العبد یعطیٰ زھداً فی الدنیا وقلۃ منطق، فاقتربوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان[2])

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابی خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب کسی شخص کو دیکھو کہ زہد فی الدنیا اور قلت کلام اس کو عنایت ہوا ہے، تو اس کے نزدیک رہا کرو، کیوں کہ اس کو حکمت (حکم اسرار

[1] رواہ البیہقی: فی شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الأمل ۷/۱۰۵۵۲ (طبع دارالکتب العلمیۃ) [2] رواہ البیہقی: فی شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، فصل فی فضل السکوت عما لا یعنیہ ۴/۲۵۴، رقم: ۴۹۸۵.

وہبیہ) کی تعلیم (وتلقین منجانب اللہ) کی جایا کرتی ہے۔"

ف: اس کو علم لدنی اور علم وہبی بھی کہتے ہیں جس کا عطا ہونا اہل اللہ کو بکثرت و بتواتر منقول ہے اور ان حضرات کی کتب بھی ان علوم کی مدون و محفوظ ہیں جس پر اہل تقشف بے سمجھے بوجھے انکار کر کے اس شعر کے مصداق بنتے ہیں:

وکم من غائب قولاً صحیحا وافته من الفهم السقیم

۲۸۷- عادت، توسل

عن امية بن خالد بن عبدالله بن اسيد عن النبی صلی الله عليه وسلم انه كان يستفتح بصعاليک المهاجرين. (رواه فی شرح السنة[1])

ترجمہ: حضرت امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی دعا کیا کرتے تھے بتوسل فقراءِ مہاجرین کے۔

ف: اہل طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے، اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے اس کی بھی یہی حقیقت اور غرض ہے۔

۲۸۸- غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے

عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه كان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب فقال: اللهم انا كنا نتوسل اليک بنبينا فتسقينا، وانا نتوسل اليک بعم نبينا فاسقنا فيسقون. (رواه البخاری[2])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعاء باراں کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کیا کرتے تھے، آپ ہم کو بارش عنایت کرتے تھے اور اب اپنے نبی کے چچا کے ذریعہ سے

---

[1] رواه البغوی: فی شرح السنة، الرقاق، فصل الفقراء ٣٠٣/٧ (دارالكتب العلمية) ذكره المنذری فی الترغيب (٩٠/٤) وعزاه للطبرانی، وقال: رواته رواة الصحيح وهو مرسل.

[2] بخاری: الاستسقاء سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، رقم: ١٠١٠.

آپ کے حضور میں توسل کرتے ہیں سو ہم کو بارش عنایت کیجئے، سو بارش ہو جاتی تھی۔

ف: مثل حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جواز توسل ظاہر تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قول سے یہ بتلانا تھا کہ غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء و اموات کا حکم متفاوت ہے بلا دلیل ہے، اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں دوسرے جو علت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے تو حکم کیوں مشترک نہ ہوگا؟۔

۲۸۹- مطلق اسلام ہی توسل کیلئے کافی

عن ابی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "ابغونی فی ضعفائکم فانما ترزقون او تنصرون بضعفائکم". (رواه أبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ کو (قیامت کے روز) غرباء میں ڈھونڈھنا، کیوں کہ (غرباء کی ایسی فضیلت ہے کہ) تم کو رزق، یا فرمایا کہ دشمنوں پر غلبہ غرباء ہی کے طفیل میسر ہوتا ہے۔"

ف: مثل دو حدیث بالا اس سے بھی توسل کا جواز ثابت ہے، بلکہ اس میں مطلق اسلام ہی توسل کے لئے کافی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ غیر مسلم تو یقیناً مراد نہیں ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس شخص میں کوئی حیثیت مقبولیت کی ہو مثل مسکنت مذکورہ فی الحدیث کے۔

۲۹۰- حقیقت دست غیب

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخل رجل علی اهله، فلما رأیٰ مالهم من الحاجة خرج الی البرية، فلما رأيت امرأته قامت الی الرحیٰ فوضعتها، والی التنور فسجرته، ثم قالت: اللهم ارزقنا، فنظرت فاذا الجفنة قد امتلاٗت، قال: وذهبت الی التنور فوجدته ممتلئاً، قال: فرجع الزوج قال: اصبتم بعدی شيئا؟ قالت امرأته: نعم من ربنا، وقام الی الرحیٰ فذكر ذٰلک للنبی صلی الله علیه

---

[1] أبوداؤد: الجهاد، الانتصار برذل الخيل والضعفة، رقم: ٢٥٩٤، وسكت عنه المنذری. قلنا: وأخرجه الترمذی، الجهاد، الاستفتاح بصعاليک المسلمين، رقم: ١٧٠٢، وقال: حسن صحيح قلنا: وأخرجه النسائی، الجهاد، الاستنصار بالضعيف، رقم: ٣١٨١.

وسلم فقال: "اما انه لو لم یرفعها لم تزل تدور الی یوم القیمة". (رواه أحمد[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس آیا جب ان کی حالت محتاجی (اور تہی دستی) کی دیکھی تو جنگل کی طرف چلا گیا (یا تو فکرِ معاش میں یا اس خوف سے کہ گھر والے پریشان نہ کریں) جب اس شخص کی بیوی نے یہ دیکھا تو چکی کی طرف چلی اور اس کا اوپر کا پتھر نیچے کے پتھر پر رکھ دیا، اور تنور کی طرف چلی اور اس کو ایندھن سے جھونک دیا، پھر دعاء کی کہ اے اللہ! ہم کو رزق دے (دیکھتی کیا ہے کہ چکی کا حلقہ بھی آنے سے) پُر ہے اور تنور کو بھی (روٹیوں سے) پُر پایا، پھر خاوند جو گھر واپس آیا کہنے لگا کہ میرے بعد تم کو کچھ ملا ہے، عورت بولی ہاں! ہمارے پروردگار کی طرف سے ملا ہے، اور مرد چکی کے پاس گیا (اور پتھر اٹھا دیا) اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر وہ شخص اس پتھر کو نہ اٹھاتا تو وہ چکی قیامت تک چلتی رہتی"، (اور آٹا نکلتا رہتا)

ف: مثل حدیث دوصد و پنجاہ و چہارم اس میں بھی وہی مضمون ہے۔

۲۹۱- شغل، تصور شیخ

عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: کانی انظر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یحکی نبیا من الانبیاء ضربه قومه فادموه وهو یمسح الدم عن وجهه ویقول: "اللهم اغفر لقومی فانهم لایعلمون. (متفق علیه[2])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ ایک نبی کی انبیاء میں سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا اور خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ: "اے اللہ میری قوم کو بخش دے: کیوں کہ وہ جانتے نہیں۔"

ف: گو تصور شیخ کی خصوصیات زائدہ ہے کہ وہ اس کی نفس حقیقت سے خارج ہیں اور اسی طرح جو اس سے غرض ہے، اس سے بھی اس حدیث میں تعرض نہیں مگر اس کی جو نفس

---

[1] مسند احمد ۲/۵۱۳. رجاله ثقات [2] بخاری: أحادیث الأنبیاء، باب (بلا ترجمة)، رقم: ۳۴۷۷، مسلم: الجهاد، غزوة أحد. رقم: ۱۰۵ (۱۷۹۲)

حقیقت ہے کہ غائب کی طرف مثل حاضر کے نظر خیالی کی جائے وہ اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہے، البتہ اس کی بعض خصوصیات پر بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے کچھ مفاسد مرتب ہوتے دیکھ کر محققین اکثر اس سے منع کرنے لگے ہیں۔

۲۹۲-اصلاح، مذمت شیوخ مزورین (جھوٹے پیروں کی مذمت)

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يخرج فی آخر الزمان رجال يختلون الدنيا بالدين يلبسون للناس جلود الضان من اللين، السنتهم احلىٰ من السكر، وقلوبهم قلوب الذئاب يقول الله: ابی يغترون ام علی يجترئون ؟ فبی حلفت لابعثن علىٰ اولئک منهم فتنة تدع الحليم منهم حيرانا". (رواه الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "آخری زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ظاہر ہوں گے جو دنیا کو مکروفریب سے دین کے عوض میں حاصل کریں گے، لوگوں کے دکھلانے کو نرم بننے کے لئے بھیڑ کی کھال پہنیں گے (یا تو مراد اس سے حقیقی معنی ہیں کہ پوستین نہیں پہنیں گے کہ لباس ہے تارکانِ دنیا کا، اور یا کنایہ ہے اس سے کہ ظاہر میں بڑے نرم خو اور منکسر ومتواضع ہوں گے) زبانیں ان کی شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوں گی اور دل ان کے بھیڑیوں کے سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ مجھ پر دھوکہ کھائے ہوئے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں، سو مجھ کو اپنی ہی قسم ہے کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایک ایسا فتنہ برپا کروں گا، جو ان کے عاقلوں کو بھی حیرت میں ڈال دے گا۔"

ف: جھوٹے اور مکار پیروں کی مذمت اس حدیث میں ظاہر ہے۔

۲۹۳-تعلیم، توسط فی المجاہدہ

عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال النبی صلى الله عليه وسلم: "ان لكل شیء شرة ولكل شرة فترة، فان صاحبها سدد وقارب فارجوه وان اشير اليه بالاصابع فلا تعدوه". (رواه الترمذی[2])

---

[1] ترمذی: الزهد (خائلی الدنيا بالدين وعقوبتهم) . رقم: ۲۴۰۴. [2] ترمذی: صفة القيامة، (حديث ان لكل شیء شرة) رقم: ۲۴۵۳، وقال: حسن صحيح غريب من هذا الوجه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہر شے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کے بعد ڈھیلا پن ہوتا ہے، سو اگر صاحب عمل اپنے عمل میں راستی اور توسط پر چلے تو اس کے نباہ کی امید رکھو اور اگر (اتنا مبالغہ کرے کہ) اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ ہونے لگے تو اس کو کچھ شمار میں نہ لاؤ۔''

ف: محققین مجاہدہ میں غلو کرنے سے منع کرتے ہیں، حدیث میں اس کی صریح تعلیم ہے، اس غلو میں طبیعت بھی اکتا جاتی ہے اور اصل عمل بھی متروک ہوجاتا ہے اور صحت بھی خراب ہوجاتی ہے، یہ بھی سبب تعطل کا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات جنون تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۲۹۴- اصلاح، عدم غرور بشرف نسبت

(نسبت کی شرافت سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے)

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما نزلت: ﴿وانذر عشيرتک الاقربين﴾ دعا النبی صلی الله عليه وسلم قريشا. الحديث. وفيه: "يا فاطمة! انقذی نفسک من النار فانی لا املک لک من الله شيئا. (رواه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانذر الخ یعنی اپنے قریب والے خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو) فرمایا: ''اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، کیوں کہ میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بچانے کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔''

ف: بعضوں کو یہ ناز ہوتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد میں ہیں، یا فلاں خاندان میں بیعت ہوں اور اس بناء پر اصلاح عقائد و اعمال سے بالکل بے فکر ہوجاتے ہیں، اس دعویٰ اور ناز کی اس حدیث سے جڑ کٹتی ہے۔

---

[1] مسلم: الايمان، باب فی قوله تعالیٰ: ﴿وانذر عشيرتک الاقربين﴾ رقم: ۳۴۸(۲۰۴) قلنا: وأخرجه الترمذی، تفسير القران، سورة الشعراء. رقم: ۳۱۸۵، وقال: حسن صحيح غريب من هذا الوجه، قلنا: وأخرجه النسائی، الوصايا، اذا أوصی لعشيرته الأقربين، رقم: ۳۶۷۴.

۲۹۵-مسئلہ، وصول ثواب الی الغیر (دوسروں کو ثواب پہنچانا)

عن صالح بن درهم يقول: انطلقنا حاجين فاذا رجل فقال لنا: الىٰ جنبكم قرية يقال لها الابلة؟ قلنا: نعم، قال: من يضمن لى منكم ان يصلى لى فى مسجد العشار ركعتين او اربعا ويقول هذه لابى هريرة؟ سمعت خليلى ابا القاسم صلى الله عليه وسلم يقول: "ان الله عزوجل يبعث من مسجد العشار يوم القيمة شهداء، لايقوم مع شهداء بدر غيرهم". (رواه أبوداؤد[1])

ترجمہ: صالح بن درہم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے تو ایک شخص ملے کہنے لگے، تمہارے قرب میں کوئی گاؤں ہے جس کو ابلہ کہتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں ہے، کہنے لگے کوئی شخص تم میں اس بات کی ذمہ داری لے سکتا ہے کہ میری طرف سے مسجد عشار میں، (کہ اس گاؤں میں ہے) دو رکعت یا چار رکعت پڑھے اور کہدے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہے؟ میں نے اپنے محبوب قلبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ: "اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن کچھ شہداء کو اٹھائے گا کہ شہداء بدر کے ساتھ بجز ان کے کوئی نہ اٹھے گا۔"

ف: یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے پڑھنے کے اور اس کہنے کے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہیں بجز اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس کا ثواب ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے، اس سے ایصال ثواب کے متعلق دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ جس طرح عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح عبادت بدنیہ کا بھی پہنچتا ہے، دوسرے یہ کہ جس طرح میت کو ثواب پہنچتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے، کیوں کہ یہ شخص ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اس وقت زندہ تھے۔

ف: عادت، اہتمام عبادت در امکنہ فاضلہ

(اچھی جگہوں میں عبادت کا اہتمام کرنا)

بعض اہل محبت کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے مشائخ وغیرہم کے رہنے کی یا عبادت کی

---

[1] أبوداؤد: الملاحم، ذكر البصرة. رقم: ۴۳۰۸، وقال المنذرى: وذكره أبو جعفر العقيلى. وقال فيه: ابراهيم ـ هذا ـ وأبوليسا بالمشهورين والحديث غير محفوظ. وذكر الدار قطنى: ان ابراهيم هذا ضعيف.

جگہوں کو متبرک سمجھ کر قصداً وہاں ذکر وطاعت کا اہتمام کرتے ہیں ان مقامات کا متبرک ہونا تو ظاہر ہے اور مقام متبرک میں عبادت کا اہتمام اس حدیث سے ثابت ہے۔

۲۹۶-عادت، توریہ در خوف فتنہ

(فتنہ کے اندیشہ سے مبہم کلام کرنا)

عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد فی بعض طرق المدینۃ، فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (تشھد انی رسول اللہ" فقال: ھو: اتشھد انی رسول اللہ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "امنت باللہ وملئکتہ و کتبہ ورسلہ، ماذا تریٰ؟" قال: اریٰ عرشاً علی الماء، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "تریٰ عرش ابلیس علی البحر". الحدیث (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد سے (کہ من جملہ دجالین کے ایک دجال تھا) مدینہ کے کسی رستہ میں ملے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیا تو میری رسالت کی شہادت دیتا ہے"؟ تو وہ کہتا ہے کہ کیا آپ میری رسالت کی شہادت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میں اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتا ہوں (پس جو رسول نہیں اس کی رسالت کی شہادت نہیں دیتا مگر آپ نے دفع فتنہ کی مصلحت سے مبہما فرمایا) اچھا یہ بتلا تجھ کو کیا نظر آتا ہے؟ کہنے لگا کہ ایک تخت پانی پر نظر آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھ کو شیطان کا تخت نظر آتا ہے۔"

ف: بعض بزرگ کسی حاکم یا کسی جاہل کے فساد سے بچنے کے لئے بعضی باتیں مبہم فرما دیتے ہیں جس سے بعض ظاہر پرستوں کو شبہ اخفاء حق کا ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی مصلحت معتد بہا عندالشرع سے ہو تو وہ بالکل اس حدیث کے موافق ہے۔

---

[1] مسلم: الفتن، ذکر ابن صیاد. رقم: ۸۷ (۲۹۲۵)

ف: اصلاح، عدم غرور بکشف وعدم اعتداد کشف خلاف شرع

کشف سے نہ دھوکہ کھانا چاہئے اور نہ اس کو خلاف شرع شمار کرنا چاہئے

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل باطل کو بھی کشف ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کشف مقبول ومحمود نہیں ہوتا، چنانچہ عرش ابلیس کے انکشاف کو معرض مذمت میں فرمایا گیا، پس جو لوگ کشف کو علامت ولایت سمجھتے ہیں یا ہر کشف پر اعتماد کرتے ہیں ان کو یہ حدیث دیکھ کر دونوں امر کی اصلاح واجب ہے۔

۲۹۷- مسئلہ، ظہورِ روح درمکانے بعدِ موت

(مرنے کے بعد کسی جگہ روح کا ظاہر ہونا)

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال: سرنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بین مكة والمدينة فمررنا بواد فقال: "ای واد هٰذا؟" فقالوا: وادی الازرق قال: "كانی انظر الی موسیٰ علیه السلام۔ فذكر من لونه وشعره شيئا۔ واضعا اصبعيه فی اذنيه، له جوار الی الله بالتلبية مارا بهٰذا الوادی" قال: ثم سرنا حتی اتينا علٰی ثنية، فقال: "ای ثنية هٰذه؟" قالوا: هرشی اولفت. فقال: "كانی انظر الٰی يونس عليه السلام علی ناقة حمراء، عليه جبة صوف، خطام ناقته ليف خلبة، مارا بهٰذا الوادی ملبيا". (رواه مسلم[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان جارہے تھے، ہمارا ایک وادی پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون وادی ہے'' لوگوں نے عرض کیا کہ وادی ازرق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گویا (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رنگ اور بالوں کی کچھ کیفیت بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ان کی یہ حالت ہے کہ اپنی انگلیاں کانوں میں رکھے ہوئے ہیں اور لبیک سے اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہیں اور اس وادی میں گزر رہے ہیں''، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ہم ~~~

[1] مسلم: الايمان، الاسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم الى السماوات وفرض الصلوات. رقم: ۴۲۹ (۱۶۶)

چلے یہاں تک کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ کون گھاٹی ہے''؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہرشی ہے یالفت ہے، فرمایا: ''میں گویا (اس وقت) یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، ان پر صوف کا ایک کرتہ ہے ان کی اونٹنی کی نکیل پوست خرما کی ہے، اور اس وادی میں گزر رہے ہیں۔''

ف: حدیث کی دلالت اس پر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور یونس علیہ السلام آپ کو نظر آئے یہ تمثیل روحی تھا، کیوں کہ جسد تو ان حضرات کا قبور میں تھا۔

۲۹۸-اصلاح، ادب در شانِ خداوندی

(اللہ تعالیٰ کی شان میں ادب)

عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال: جھدت الانفس وجاعت العیال ونھکت الاموال وھلکت الانعام فاستسق اللہ لنا فانا نستشفع بک علی اللہ ونستشفع باللہ علیک. فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "سبحان اللہ سبحان اللہ" فما زال یسبح حتی عرف ذلک فی وجوہ اصحابہ ثم قال: "ویحک انہ لایستشفع باللہ علیٰ احد، شان اللہ اعظم من ذلک" الحدیث (رواہ أبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور عرض کیا کہ جانیں مصیبت میں پڑ گئیں اور اہل وعیال بھوکے مرنے لگے اور کھیت وغیرہ برباد ہوگئے اور چوپائے تلف ہونے لگے، سو ہمارے واسطے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے ہم آپ کو اللہ کے سامنے سفارشی لاتے ہیں، ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اس کلمہ سے کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارشی لاتے ہیں گھبرا گئے اور)

---

[1] أبوداؤد: السنة، باب فی الجهمية. رقم: ۴۷۲۶، وقال المنذری: قال أبوبکر البزار: وهذا الحديث لانعلمه يروی عن النبی صلی الله عليه وسلم من وجه من الوجوه، الا من هذا الوجه. ولم يقل فيه محمد بن اسحاق حدثنی يعقوب بن عقبة. هذا آخر کلامه، ومحمد بن اسحاق مدلس، واذا قال المدلس "عن فلان" ولم يقل "حدثنا، أو سمعت، أو أخبرنا" لايحتج بحديثه، والی هذا أشار البزار، مع أن ابن اسحاق اذا صرح بالسماع اختلف الحفاظ فی الاحتجاج بحديثه، فيکف اذا لم يصرح به.

سبحان اللہ سبحان اللہ فرمانے لگے، اور اس کا اس قدر تکرار کیا کہ اس کا اثر آپ کے اصحاب کے چہرہ میں نمایاں ہونے لگا''، پھر فرمایا کہ: ''کمبختی مارے اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی نہیں ٹھہراتے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان ہے'' (یعنی سفارش میں نیازمندی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کا نیازمند نہیں، اس لئے یہ کلمہ مستلزم احتیاج ہے اس لئے برا ہے)

ف: بعضے درویش حق تعالیٰ کی جناب میں بڑے بے باک ہوتے ہیں، اس حدیث سے ان کو سبق لینا چاہئے کہ جب لازم غیر ملتزم سے بھی آپ نے اس شدت کے ساتھ تبریہ وتعوذ فرمایا تو ملتزم تو کس درجہ مذموم ہوگا اور بعض بے باک نہیں ہوتے مگر جہل کی وجہ سے الفاظ نامناسبہ کا استعمال کرتے ہیں جیسے اس اعرابی کی حالت تھی، اس سے بھی تحاشی کا اہتمام واجب ہے، البتہ اس قسم ثانی میں تکفیر نہیں ہوسکتی، جیسے کہ آپ نے اس اعرابی کی تکفیر نہیں فرمائی، مگر تنبیہ اور انکار بقدر وسع واجب ہے، ہاں جو لوگ غلبۂ حال سے معذور ہیں، وہ قابل تسامح ہیں بعد زوال غلبہ کے ان کو بہ نرمی تفہیم مناسب ہے۔

۲۹۹-توجیہ، حکم بموجودیت حق در ہر مکان

(ہر جگہ حق تعالیٰ کے موجود ہونے کا حکم)

عن ابی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "والذی نفس محمد بيده لو انكم دليتم بحبل الى الارض السفلىٰ لهبط على الله". الحديث (رواه أحمد والترمذی)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی کہ جان محمد کی اس کے قبضہ میں ہے کہ اگر تم ایک رسی سب سے نیچے کی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر جا کر اترے۔''

ف: بہت سے صوفیاء کے کلام میں حق تعالیٰ کے احاطہ کے بیان میں ایسے عنوانات پائے جاتے ہیں جن سے احاطہ ذاتی منکشف معلوم ہوتا ہے، اور علماء کو اولاً احاطہ ذاتیہ میں کلام ہوا ہے پھر تکیف وتنزہ یقینی ہے، ذات کا عرش پر بلا کیف ہونا اور صفات علم وغیرہ کا متعلق بالکل ہونا

[1] مسند احمد (۲/ ۳۷۰) ترمذی: تفسیر القرآن، سورة الحديد. رقم: ۳۲۹۸، وقال غريب من هذا الوجه.

منصوص ہے، اس لئے صوفیہ کے کلام میں مخالفت نص وقول جمہور کا شبہ ہوتا ہے مگر اس حدیث کا عنوان بالکل صوفیاء کے موافق ہے جو حدیث کی توجیہ ہوگی وہی قول صوفیاء کی ہوگی۔

۳۰۰- حال، قبض

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها فی حدیث طویل ان النبی صلی الله علیه وسلم حزن حزنا غدا منه مراراً کی یتردی من روس شواهق الجبال، فکلما اوفیٰ بذروة جبل لکی یلقی نفسه منه تبدی له جبرئیل فقال: یا محمد انک رسول الله حقا، فیسکن لذٰلک جاشه وتقر نفسه. (رواه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابتداء نبوت میں جب کہ وحی میں توقف ہوا) اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑوں کی بلندی پر گر کر جان دے دیں، سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے کو گرانے کی غرض سے چڑھتے جبرئیل علیہ السلام آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مغموم مت ہو) آپ اللہ کے رسول ہیں سچ مچ، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی ٹھہر جاتا۔

ف: واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے، حدیث اس کا اثبات ہوتا ہے۔

ف: متفرقات، عذر صاحبِ قبض در اہلاکِ نفس

بعض اہل قبض نے تنگ ہو کر خودکشی کر لی ہے، حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عجب نہیں وہ عند اللہ معذور ہوں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود اس درجہ استقلال کے جب اس کے ارادہ کی نوبت آجاتی تھی تو دوسروں سے ایسی حالت میں وقوع ہی کیا مستبعد ہے، اور ظاہر ہے کہ اس ارادہ پر عتاب منقول نہیں تو ان سے وقوع میں یہی مظنون ہے۔

ف: تعلیم، تسلی از شیخ در قبض

شیوخ بھی ایسی حالت میں اسی طرح کی تسلی دیتے ہیں کہ تمہاری حالت محمودہ ہے اورا

---

[1] بخاری: التعبیر، أول مابدئ به رسول الله صلی الله علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة. رقم: ۶۹۸۲.

س حالت کی مصلحتیں اور حکمتیں بیان کیا کرتے ہیں جس سے مرید کو بڑا نفع ہوتا ہے۔

۳۰۱-مسئلہ، تحقق صوت غیبی (غیبی آواز کا وجود)

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان الحارث بن هشام سال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال: یا رسول اللہ! کیف یاتیک الوحی؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس". الحدیث (متفق علیه[1])

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بعض اوقات مثل آواز جرس کے آتی ہے۔"

ف: بکثرت بزرگوں کے مکاشفات میں صوتِ غیبی کا ذکر پایا جاتا ہے، حدیث میں اس کی صحت ثابت ہوتی ہے، البتہ حالت مراقبات واشغال کی ہر صوت کو صوتِ غیبی سمجھنا یہ غلطی عظیم ہے، چنانچہ شغل الحد میں جو صوت منکشف ہوتی ہے، بعضے اس کو صوتِ غیبی سمجھتے ہیں حالانکہ اکثر یہ صوت خود اپنے ہی اندر ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہے، اس کو غیبی سمجھنا یہ شاغلان ہند کا اعتقاد تھا اور اسی واسطے اس کا نام انہوں نے "انادی" بمعنی قدیم رکھا تھا جو غلط در غلط تھا کہ اول تو اس کو غیبی مانا پھر غیبی میں بھی اس کو صوتِ حق قرار دیا، "تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً" ہمارے صوفیاء اہل حق کا اعتقاد یہ ہے کہ قال الفرید (ع) قول اُو را لحن نے آواز نے۔ اس کے قول کو نہ لحن ہے اور نہ آواز ہے۔

۳۰۲-قول، من اراد ان یجلس مع اللہ فلیجلس مع اهل التصوف

(جو شخص اللہ کے ساتھ مجالست اختیار کرتا ہے اس کو صوفیاء کی صحبت اختیار کرنی چاہئے)

عن عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنه فی حدیث طویل ان النبی صلی اللہ علیه

---

[1] بخاری: بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۲، مسلم: الفضائل، عرق النبی صلی اللہ علیه وسلم فی البرد، وحین یاتیه الوحی رقم: ۸۷ (۲۳۳۳) ترمذی: المناقب، کیف کان ینزل الوحی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم، رقم: ۳۶۳۴، وقال: حسن صحیح. نسائی: الافتتاح، جامع ماجاء فی القرآن. رقم: ۹۳۵.

وسلم قال: "یا ابابکر! لعلک اغضبتھم لئن کنت اغضبتھم لقد اغضبت ربک". فاتاھم فقال یا اخوتاہ اغضبتکم قالوا: لا، یغفر اللہ لک یا اخی. (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک قصہ میں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ نصیحت کی تھی جس سے ایک رئیس کی طرفداری کا شبہ ہوتا تھا) ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ: "اے ابوبکر! کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کردیا"، اگر ان کو ناراض کردیا تو بس اپنے رب کو ناراض کردیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صاحبوں کے پاس آئے اور کہا کہ اے میرے بھائیو! میں نے تم کو (شاید) ناراض کردیا (ہو) انہوں نے کہا کہ نہیں اے بھائی اللہ تعالیٰ تم کو بخشے۔

ف: یہ ایک قول صوفیاء میں مشہور ہے، اس حدیث سے اس کی صحت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "لئن أغضبتھم" الخ سے یہ معلوم ہوا کہ مقبولان الٰہی کے ساتھ جو معاملات کیا جائے وہ گویا حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، پس اس بناء پر یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ مقبولانِ الٰہی کے ساتھ مجالست ایسی ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجالست، اور لفظ مجالست کا اذن دوسری حدیث میں ہے۔ أنا جلیس من ذکرنی. فقط.

۳۰۳۔ مسئلہ، وجود ابدال وغیرہم

عن شریح بن عبید قال: ذکر اھل الشام عند علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقیل: العنھم یا امیر المومنین قال: لا، انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقیٰ بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب". (رواہ أحمد[2])

ترجمہ: شریح بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو اہل شام کا ذکر آیا، کسی نے کہا اے امیر المومنین ان پر لعنت کیجئے، فرمایا نہیں، میں نے رسول

---

[1] مسلم: فضائل الصحابۃ، فضائل سلمان وبلال وصھیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ. رقم: ۱۷۰ (۲۵۰۴) [2] مسند احمد ۱/۱۱۲، فی اسنادہ ضعف للانقطاع، شریح بن عبید لم یدرک علیا.

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ: ''ابدال (جو ایک قسم ہے اولیاء اللہ کی) شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں، جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے، ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے، اوران کی برکت سے اعداء پر غلبہ ہوتا ہے اوران کی برکت سے اہل شام سے عذاب (دنیوی ہٹ جاتا ہے)''

ف: ملفوظات ومکتوبات صوفیاء میں ابدال واقطاب واوتاد وغوث وغیرہم الفاظ اوران کے مدلولات کے صفات وبرکات وتصرفات پائے جاتے ہیں، حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے، ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم ومعلوم ہے، برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفاتِ تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ثابت ہوتے ہیں۔

۳۰۴- حال، وجد

عن شفی الاصبحی قلت لابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه اسألک بحق وبحق لما حدثتنی حدیثا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم عقلته وعلمته، فقال ابوهریرة رضی الله تعالیٰ عنه: افعل لا حدثنک حدیثا حدثنیه رسول الله صلی الله علیه وسلم عقلته وعلمته، ثم نشغ ابو هریرة رضی الله تعالیٰ عنه نشغة، فمکثنا قلیلا، ثم افاق فقال: لاحدثنک حدیثاً حدثنیه رسول الله صلی الله علیه وسلم فی هذا البیت مامعنا احدٌ غیری وغیره، ثم نشغ ابوهریرة رضی الله تعالیٰ عنه نشغة شدیدة، ثم افاق ومسح وجهه، وقال: افعل لا حدثنک حدیثاً حدثنیه رسول الله صلی الله علیه وسلم انا وهو فی هذا البیت ما معنا احدٌ غیری وغیره، ثم نشغ ابوهریرة رضی الله تعالیٰ عنه نشغة شدیدة، ثم مال خارا علی وجهه فاسندته طویلا، ثم افاق فقال: حدثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم . الحدیث (رواه الترمذی[1])

ترجمہ: شفی اصحی سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے حق کے لئے اور پھر حق کے لئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا اور بوجھا ہو، ابو ہریرہ رضی

[1] ترمذی: الزهد، الریاء والسمعة. رقم: ۲۳۸۲، وقال: حسن غریب.

اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ذکر کروں گا، میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا ہوگا اور بوجھا ہوگا، پھر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چیخ ماری (یہ کیفیت بیتابی کی یا شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کسی کمی بیشی کے بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے، اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالست آنکھوں میں پھر گئی) ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر ان کو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی زور سے چیخ ماری، پھر ان کو افاقہ ہوا اور پسینہ منہ پر سے پونچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا، یعنی تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں گا، میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مکان میں تھے، ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور آپ کے پھر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی زور کی چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منہ کے بل گر پڑے، میں ان کو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رکھا، پھر افاقہ ہوا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی۔

ف: حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور سلف کو بوجہ قوت تحمل کے اس درجہ کا وجد کم ہوتا تھا لیکن احیاناً ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا۔

۳۰۵- عادت، بیعت ادخال سلسلہ

(سلسلہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت کرنا)

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "المرء مع من احب ولہ ما اکتسب" (رواہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "آدمی (قیامت میں) اس شخص کے ساتھ ہوگا، جس سے محبت رکھتا ہو اور ثواب اس چیز کا ملے گا جو عمل کیا ہوگا۔"

---

[1] ترمذی الزھد باب (المرء مع من أحب) رقم: ۲۳۸۶، وقال: حدیث صحیح.

ف: باوجودیکہ بعض لوگوں کی حالت سے غالباً معاہدات بیعت پر مستقیم نہ رہنا یا مجاہدات وریاضت کا حق بجا نہ لانا معلوم ہوجاتا ہے، مگر بعض اوقات ان کو بھی سلسلہ میں داخل کرلیا جاتا ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہوسکتی ہے، کیوں کہ بیعت میں خاصیت یہ ہے کہ اپنے مشائخ سے محبت کا سبب ہوجاتی ہے پس برکات محبت جو حدیث میں مذکور ہیں اس کے حصول کی توقع ہوجاتی ہے۔

۳۰۶-عادت، عذراز بیعت صغیر

(کم عمر کو بیعت کرنے سے عذر)

عن عبدالله بن هشام رضی الله تعالیٰ عنه وكان قد ادرك النبی صلی الله علیه وسلم، وذهبت به امه زینب بنت حمید الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقالت: یا رسول الله! بایعه، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: (هو صغیر فمسح رأسه ودعاله". (رواه البخاری[1])

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت پایا، اور ان کی ماں زینب بنت حمید ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی تھیں اور عرض کیا تھا کہ یارسول اللہ! اس کو بیعت کرلیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بچہ ہے، پھر آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور ان کے لئے دعا کی۔"

ف: اب بھی بزرگوں کا اصل معمول یہی ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیعت التزام ہے احکام لازمہ کا اور صغیر پر احکام التزام سے بھی لازمہ نہیں ہوتے تو بیعت کی حقیقت متحقق نہیں ہوسکتی اور بعض اوقات جو ایسا کرلیتے ہیں وہ محض صورتِ بیعت ہے برکت کے لئے۔

۳۰۷-اصلاح، تحرز از اسبابِ تہمت

(تہمت کے اسباب سے بچنا)

عن علی بن الحسین قال: قالت صفیة رضی الله تعالیٰ عنها: كان رسول الله صلی الله علیه وسلم معتكفا فاتیته ازوره لیلاً فحدثته، ثم قمت لانقلب فقام معی حتی

---

[1] بخاری: الشركة، الشركة فی الطعام وغیره. رقم: ۲۵۰۱، ۲۵۰۲.

اذا بلغ باب المسجد مررجلان من الانصار، فلما رأيا رسول الله صلى الله عليه وسلم اسرعا، فقال: "على رسلكما انها صفية بنت حيى" فقالا: سبحان الله يا رسول الله! فقال: "ان الشيطان يجرى من ابن ادم مجرى الدم وانى خشيت ان يقذف فى قلوبكما شرا او قال شيئا". (أخرجه الشيخان و أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت علی بن الحسینؒ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) معتکف تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شب کے وقت زیارت کے لئے حاضر ہوئی اور باتیں کرتی رہی، پھر واپس جانے کے لئے اٹھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی (مشایعت کے لئے بابِ مسجد تک) چلے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازہ پر پہنچے (یہ دروازہ مسجد کے اندر تھا خارج نہ تھا) اس وقت دو شخص انصاری گزرے، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیز چلنے لگے (تاکہ جلدی سے محاذات مسجد سے نکل جائیں: کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی دیکھا تو ایسے وقت میں یہی ادب تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اطمینان سے چلو (کچھ جلدی کی ضرورت نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ) یہ صفیہ بنت حیی (میری بیوی) ہیں''، (کچھ اور وسوسہ نہ لانا) ان دونوں نے عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (کیا نعوذ باللہ آپ پر یہ وسوسہ ہوگا کہ کوئی اجنبی عورت خلوت میں آ گئی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''شیطان ابن آدم کے بدن میں بجائے خون کے چلتا ہے اور میں اس بات سے ڈرا کہ تمہارے دل میں کوئی بری بات یا یہ فرمایا کہ کوئی چیز (یعنی کوئی خیال) نہ ڈال دے''، (جو تمہارے اختیار سے باہر ہو اور خدانخواستہ بڑھتے بڑھتے مرتب گمان تک پہنچ جائے اور تمہارے دین کا ضرر ہو)

ف: بعضے درویشوں کے مزاج میں سخت بے احتیاطی ہے کہ باوجود اتباع شریعت کے پھر ان سے ایسے ایسے اقوال وافعال بے دھڑک صادر ہوتے ہیں جس سے عوام کو

---

[1] بخاری: الاعتكاف، هل يخرج المعتكف لحوائجه الى باب المسجد؟ رقم: ۲۰۳۵، مسلم: السلام، بيان أنه يستحب لمن رؤى خاليا بامرأة، وكانت زوجة أو محرما له، أن يقول: هذه فلانه، ليدفع ظن السوء به. رقم: ۲۴ (۲۱۷۵) أبوداؤد: الصيام، المعتكف يدخل البيت لحاجة. رقم: ۲۴۷۰، قلنا: وأخرجه ابن ماجة، الصيام، المعتكف يزوره أهله فى المسجد رقم: ۱۷۷۹.

بدزبانی اور خود ان کے معتقدین کو بھی بدگمانی پیدا ہو جائے، اس حدیث میں انکو غور کرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کس قدر مبالغہ کیساتھ احتیاط فرمائی اور جو واقع میں اتباع شریعت کو ضروری نہیں سمجھتے انکا تو کیا پوچھنا جیسا کہ آج کل اکثر مرید بھی ایسے ہیں اور پیر بھی ایسے ہی ہیں۔

۳۰۸-رسم، تسبیح

عن صفیة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم دخل علیها وبین یدیها اربعة الاف نواة تسبح بهن. الحدیث (رواه ابوداؤد والحاکم[1])

ترجمہ: حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے چار ہزار گٹھلیاں رکھی تھیں کہ ان سے (شمار کرکے) سبحان اللہ کا ورد کر رہی تھیں۔

ف: اکثر ذاکرین کا معمول ہے تسبیح پر اوراد و اذکار پڑھنے کا، یہ حدیث اس کی اصل ہے، کیوں کہ گٹھلیوں میں اور دانوں میں کوئی فرق نہیں، اور تاگا محض اجتماع کی غرض سے ہے، سو حدیث میں بھی ان گٹھلیوں کا مجتمع ہونا خود ثابت ہے، رہا یہ شبہ کہ ہاتھ میں رکھنے سے صورت ریاء کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت ریاء سے بچنا ضرور ہے صورت سے بچنا خود ضروری نہیں، چنانچہ خاتمہ کے قریب جو حدیث بروایت طبرانی آتی ہے اس میں تصریح ہے کہ صورت ریاء واجب الاحتراز نہیں ہے۔

۳۰۹-مسئلہ، عدم منافات تنعم بر ولایت را

(سامانِ عیش اور ولایت میں منافات نہیں)

عن ابی سعید رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم: "لیذکرن الله

---

[1] قلنا: ماوجدناه فی "کتاب السنن" لأبی داؤد، وأخرجه الترمذی: الدعوات، (باب ثواب سبحان الله عدد خلقه) رقم: ۳۵۵۴، وقال: حدیث غریب. لانعرفه من حدیث صفیة الامن هذا الوجه من حدیث هاشم ابن سعید الکوفی، ولیس اسناده بمعروف، قلت وانفرد باخراجه من بین أصحاب الستة کما فی "تحفة الأشراف". (۱۵۹۰۴) ورواه الحاکم ۱/۵۴۷. وقال: صحیح الاسناد ولم یخرجاه، ووافقه الذهبی فی تلخیصه.

قوم فی الدنیا علی الفرش الممھدۃ یدخلھم الجنات العلیٰ". (رواہ أبو یعلیٰ[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بہت سے لوگ دنیا میں نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو جنات عالیہ میں داخل فرمائیں گے۔"

ف: اکثر عوام یہ سمجھتے ہیں کہ بزرگی کے لئے خستہ حال ہونا ضروری ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامانِ امارت کے ساتھ ذکر وطاعت میں استقامت ہو تو ثمرات جو بھی مرتب ہوتے ہیں، البتہ بعض اوقات بعض اسباب تنعم یا بعض تعلقات کو تجویز شیخ کامل کی بناء پر بمصلحتِ مجاہدہ برائے چندے یا کبھی دواماً ترک کر دینا ضروری ہوتا ہے، سو یہ امر عارض مصلحت سے ہے، فی نفسہٖ شرائط سے نہیں۔

۳۱۰۔ مسئلہ، صحت ذکرِ فکری

اخرج ابویعلیٰ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یفضل الذکر الخفی الذی لایسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفاً اذا کان یوم القیمۃ وجمع اللہ الخلق لحسابھم وجاء ت الحفظۃ بما حفظوا وکتبوا قال لھم: انظروا ھل بقی لہ من شیء فیقولون: ماترکنا شیئاً مما عملناہ وحفظناہ الا وقد احصیناہ وکتبناہ فیقول اللہ: ان لک عندی حسنا لاتعلمہ وانا اجزیک بہٖ وھو الذکر الخفی". (ذکرہ السیوطی فی "البدور السافرۃ فی أحوال الأخرۃ[2]"

ترجمہ: حضرت ابویعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ذکر خفی جس کو حافظان اعمال ملائکہ بھی نہیں سنتے (ذکر جلی پر) ستر حصے فضیلت رکھتا ہے، جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالیٰ خلق کو ان کے حساب کے لئے جمع فرمائیں گے اور حافظانِ اعمال اپنی یادداشت اور نوشتہ اعمال کو لائیں گے، کہ دیکھو

---

[1] رواہ أبویعلی ۲/۱۱۱۰ ص: ۳۵۹ طبع: دارالثقافۃ الغربیۃ، ذکرہ الھیثمی فی المجمع (۱۰/۷۸) وقال: اسنادہ حسن. [2] ذکرہ السیوطی: فی البدور السافرۃ ورواہ أبویعلی وفیہ معاویۃ بن یحیی السدوسی وھو ضعیف. مجمع الزوائد (۱۰/۸۱) ورواہ البیھقی: فی شعب الایمان مختصرا، وفیہ ضعف. باب فی محبۃ اللہ عزوجل، فضل فی ادامۃ ذکر اللہ عزوجل ۱/۴۰۷، رقم: ۵۵۵. دارالکتب العلمیہ.

(علاوہ اعمال مکتوبہ فی الصحائف کے) اس شخص کا کوئی عمل تو باقی نہیں رہ گیا وہ عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی معلومات اور محفوظات میں سے کوئی چیز بے ضبط کئے ہوئے اور لکھے ہوئے چھوڑی نہیں، اللہ تعالیٰ (اس شخص سے) فرمائیں گے کہ میرے پاس تیرا ایک نیک عمل ہے کہ تجھ کو بھی اس کا (اس وقت) علم نہیں (گو اس کے صدور کے وقت اطلاع تھی، کیوں کہ وہ عمل قصدی ہے اور قصد مستلزم ہے علم کو) اور میں تجھ کو اس کی جزاء نیک دوں گا اور وہ ذکر خفی ہے۔"

ف: بزرگوں کے یہاں کبھی ذکر لسانی کی کبھی ذکر قلبی کی بلا حرکت لسان تعلیم ہوتی ہے، بعض اہل ظاہر سمجھتے ہیں کہ جب تک زبان سے حروف ادا نہ ہوں وہ ذکر معتبر نہیں، حدیث میں اس ذکر کے معتد بہ اور معتبر ہونے کی تصریح موجود ہے، کیوں کہ تلفظ کے لئے سماع حفظہ لازم ہے، اور وہ منتفی ہے پس تلفظ بھی منتفی ہے، البتہ بعض احکام میں تلفظ بالاجماع شرط ہے مثل قراءت فی الصلاۃ و نکاح و طلاق و امثالہا، رہا یہ کہ گو سماع نہ تھا مگر اعمال قلبیہ کا علم تو ہوتا ہے تو اس وجہ سے لکھنا ضرور تھا، چنانچہ عزم حسنہ کا لکھا جانا احادیث میں موجود ہے جواب یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعمال قلب میں سے گو اکثر کی اطلاع ہوتی ہے مگر بعض اس سے مستثنیٰ ہیں مگر بدون ورودِ استثناء کے بقیہ اعمال کو اسی اکثر میں داخل سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۳۱۱- عادت، اکتفاء بر ضروریات

عن ابی الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلاً مرعلٰی قوم فسلم علیھم، فردوا علیہ السلام، فلما جاوزبھم قال رجل منھم: واللہ انی لابغض ھذا فی اللہ، فقال اھل المجلس: بئس ما قلت، اما واللہ لنبیننہ ، قم یا فلان - رجلاً منھم - فاخبرہ، قال: فادرکہ رسولھم فاخبرہ بما قال: فانصرف الرجل حتی اتٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فقال: یا رسول اللہ! مررت بمجلس من المسلمین فیھم فلان، فسلمت علیھم، فردوا السلام، فلما جاوزتھم ادرکنی رجل منہ، فاخبرنی ان فلاناً قال: واللہ انی لابغض ھذا الرجل فی اللہ، فادعہ، فسلہ علٰی ما یبغضنی؟ فدعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ عما اخبرہ الرجل، فاعترف بذٰلک، وقال: قد قلت لہ ذٰلک یا رسول اللہ! قال: "فلم تبغضہ؟" فقال: انا جارہ وانا بہ خابر، واللہ مارأیتہ یصلی صلوٰۃ قط الا ھذہ الصلوٰۃ المکتوبۃ التی یصلیھا البروالفاجر، فقال الرجل: سلہ یا رسول اللہ! ھل رانی

قط اخرتها عن وقتها؟ او اسات الوضوء لها؟ او اسات الركوع والسجود فيها؟ فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال: لا، ثم قال: والله ما رأيته يصوم قط الا هذا الشهر الذى يصومه البر والفاجر، قال: فسله يا رسول الله! هل رانى قط فرطت فيه؟ او انتقصت من حقه شيئا؟ فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لا، ثم قال: والله ما رأيته يعطى سائلاً قط، ولا رايته ينفق من ماله شيئا فى سبيل الله الا هذه الصدقة التى يؤديها البر والفاجر، قال: فسئله يا رسول الله! هل كتمت ذلك؟ قال: لا، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قم، ان ادرى لعله خير منك". (رواه أحمد[1])

ترجمہ: حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا ایک مجمع پر گزر ہوا اور ان کو سلام کیا، ان لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا جب وہ شخص آگے بڑھ گیا تو اس مجمع میں سے ایک شخص نے کہا کہ واللہ مجھ کو اس شخص سے اللہ کے واسطے بغض ہے، اہل مجلس نے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی، واللہ ہم اس کا اظہار کریں گے، ایک شخص کو اپنے میں سے کہا کہ فلانے اٹھ اور اس (گزرنے والے) شخص کو اس کی خبر دے دے، پس یہ فرستادہ اس شخص سے ملا اور اس قول کی خبر دی، وہ شخص اپنے رستہ سے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں مسلمانوں کی ایک مجلس پر گزرا جس میں فلانا شخص بھی تھا، میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے جواب دیا، جب میں ان سے آگے بڑھ گیا تو ان میں سے ایک شخص میرے پاس پہنچا اور مجھ کو یہ خبر دی کہ فلانے شخص نے یوں کہا واللہ مجھ کو اس شخص سے اللہ کے واسطے بغض ہے، تو اس کو ذرا بلا کر پوچھ لیجئے مجھ سے کس بات پر اس کو بغض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس خبر کی تحقیق کی (کہ تو نے کہا ہے یا نہیں) اس نے اس کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واقعی میں نے کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''پھر اس سے تجھ کو بغض کیوں ہے''؟ اس نے کہا کہ میں اس کا پڑوسی ہوں اور مجھ کو اس کے حال کی پوری خبر

[1] مسند أحمد ۴۵۵/۵، رجاله ثقات. ولكن فيه ضعف لارساله والصواب انه من مراسيل ابن شهاب الزهرى كما سياتى باثر الرواية التالية، قال أحمد: بلغنى أن ابراهيم بن سعد حدث بهذا الحديث من حفظه، فقال: عن أبى الطفيل، وحدث به ابنه يعقوب، عن أبيه، ولم يذكر أبا الطفيل فأحسبه وهم، والصحيح رواية يعقوب.

ہے، واللہ میں نے اس کو بجز اس فرض نماز کے (مع توابع) جس کو سب نیک و بد پڑھا کرتے ہیں اور کوئی نماز (نفل وغیرہ) پڑھتے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس سے یہ پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کبھی اس کے وقت سے تاخیر کرتے ہوئے یا اس کا وضو یا اس میں رکوع سجدہ ناقص کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا، وہ بولا نہیں، پھر کہنے لگے کہ واللہ میں نے اس کو بجز اس ماہ (رمضان) کے جس میں سب نیک و بد روزہ رکھتے ہیں اور کوئی روزہ (نفل) رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اس سے پوچھئے کہ مجھ کو کبھی اس میں کوتاہی کرتے ہوئے یا اس کا کچھ حق کم کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے اس سے پوچھا وہ بولا: نہیں، پھر کہنے لگے واللہ میں نے کبھی اس کو بجز اس زکوٰۃ کے جس کو سب نیک و بد ادا کرتے ہیں کسی سائل کو دیتے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرتے نہیں دیکھا، اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! اس سے پوچھئے کبھی میں نے مال زکوٰۃ کو پوشیدہ کیا ہے، (یعنی عامل سے چھپالیا ہو یا یہ معنی کہ پوری زکوٰۃ علانیہ نہ دیدی ہو) وہ بولا: نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معترض سے فرمایا کہ: ''بس جا مجھ کو معلوم نہیں، شاید یہ تجھ سے بہتر ہو۔''

ف: اصطلاح فن میں ایسے شخص کو جو عبادات جوارح میں سے محض ضروریات پر کفایت کرے باقی اوقات ذکر وفکر میں مشغول رکھے، قلندر کہتے ہیں، اس حدیث سے اس مشرب کا اثبات ہوتا ہے، کیوں کہ اکتفاء علی الضروریات تو حدیث میں منصوص ہے ہی اور دوام ذکر وفکر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ﴿رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله﴾ سے معلوم ہے: کیوں کہ ایسے رجال میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اولیٰ ہیں، پس مجموعہ سے مقصود ثابت ہوگیا، اور ایک مشرب سلامتی ہے یعنی جو زائد اعمال کے اخفاء کا اہتمام کرے اس کا اثبات حدیث چہل و ہشتم سے ہوتا ہے، چنانچہ وہاں ''ف'' اول میں اس کی تقریر ہوئی ہے۔

۳۱۲- عادت بعض، تیز مزاجی

في المسند للديلمي عن انس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "لاتكون الحدة

الا فی صالحی امتی او ابرارها" وبهٰذا السند بلفظ: "لیس احد اولیٰ بالحدة من صاحب القرآن لعز القرآن فی جوفه"[1]۔

ترجمہ: مسند دیلمی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تیزی (جو لطافت طبیعت کی وجہ سے ہو) صرف میری امت کے صلحاء و ابرار میں ہوتی ہے''، ور اسی سند سے بایں لفظ بھی روایت ہے کہ: ''کوئی شخص (ایسی مذکورہ) تیزی کا صاحب قرآن سے زیادہ شایان نہیں بسبب عزت قرآن کے جو اس کے جوف میں ہے۔''

ف: بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کے سبب ان کو نامناسب امور زیادہ ناگوار ہوتے ہیں اور یہ ناگواری ان کے بشرہ یا گفتگو سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تغیر مزاج حد غضب تک پہنچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ چشموں کو ان پر شبہ بدخلقی کا ہوتا ہے، سو بدخلقی وہ ہے کہ حد شرع سے متجاوز ہو جائے، ورنہ نفس حدت کا حدیث مذکور سے خلاف صلاح نہ ہونا ظاہر ہے، اور صحاح میں ایسی روایات ہیں کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے موقع بات پوچھنے تک پر غضب ناک ہوئے ہیں، بزرگوں پر اعتراض کرنے میں مبادرت نہ چاہئے۔

۳۱۳-حدیث سہ صد و سیزدہم

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "اذنک علی ان ترفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انهاک". (رواه ابن ماجة)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''تمہارے لئے آنے کی یہی اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھا دیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو، جب تک میں منع نہ کر دوں۔''

۳۱۴-حدیث سہ صد و چہاردہم

عن الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: سألت ابی عن دخول رسول

---

[1] کشف الخفاء، ۱/۴۲۳، قلت: وفی اسناده ضعف.

[2] ابن ماجة: السنة، فضل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه. رجاله ثقات.

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: کان اذا اویٰ الی منزلہ جزء دخولہ ثلثۃ اجزاء: جزءً للّٰہ عزوجل، وجزءً لاھلہ، وجزء لنفسہ، ثم جزء جزء ہ بینہ وبین الناس، فیرد ذٰلک بالخاصۃ علی العامۃ ولا یدخر عنھم شیئا، وکان من سیرتہ فی جزء الأمۃ ایثار اھل الفضل. الحدیث (رواہ الترمذی فی الشمائل[1])

ترجمہ: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لے جانے کی حالت کے متعلق پوچھا (کہ آپ جب گھر تشریف لاتے تو کیا کرتے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اپنے اندر آنے کے حصہ کو تین حصے فرماتے، ایک حصہ وقت کا اللہ کے کام کے لئے (مثل نوافل وغیرہ) اور ایک حصہ اپنے گھر والوں (سے بولنے چالنے) کے لئے اور ایک حصہ اپنے نفس (کے آرام) کے لئے، اور پھر اپنے حصہ کو اپنے (ضروری کاموں) اور لوگوں کے (نفع پہنچانے کے) درمیان میں تقسیم فرمادیتے (یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں) سو اس حصہ کو (جو کہ اپنے وقت میں سے لوگوں کے لئے نکالتے تھے) خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے اور لوگوں سے کوئی چیز (کام کی) اٹھا نہ رکھتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف امت کے حصہ میں (جو باہر صرف ہوتا تھا) یہ تھی اہل فضیلت کو ترجیح دینا وغیرہ وغیرہ جو حدیث میں مذکور ہے۔

۳۱۵-عادت، ضبط اوقات وباز داشتن عوام در وقتِ خلوت ونشانیدن بواب

(اوقات کو منضبط رکھنا، تنہائی کے اوقات میں عوام سے نہ ملنا اور خدام کو دروازہ پر بٹھا دینا)

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط من حیطان المدینۃ، فجاء رجل فاستفتح، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "افتح لہ وبشرہ بالجنۃ" ففتحت لہ فاذا ابوبکر فبشرتہ بما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحمداللہ. الحدیث. وفیہ: مجیء عمر رضی

[1] رواہ الترمذی فی الشمائل. باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

اللّٰہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کذٰلک. (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا، ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دے دو''، میں نے دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوش خبری دے دی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اسی طرح حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشریف لانا مذکور ہے۔

ف: بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے، جس میں عوام سے نہیں ملتے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھلا دیتے ہیں کہ عوام کو ہجوم سے روکے اور کبھی اسی وقت میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دے دیتے ہیں، اہل بطالت ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع کا یا ترجیح بلامرجح کا اور مثل اس کے کرتے ہیں، بعضے خاص خادموں کو جاتا ہوا دیکھ کر خود بھی جا گھستے ہیں اور اس کے ماذون ہونے سے اپنے ماذون ہونے پر استدلال کرتے ہیں، یہ حدیثیں ان سب امور کا صاف صاف فیصلہ کرتی ہیں۔

حدیث ثانی سے ضبط اوقات و اہتمام خلوت اور صرف خواص کو آنے دینا، اور حدیث اول سے خادم کے ماذون ہونے کا عام کے ماذون ہونے کو مستلزم نہ ہونا، اور حدیث ثالث سے بواب کا بٹھلانا صاف معلوم ہوتا ہے، البتہ کسی کی ضرورت شدیدہ فوریہ کے وقت پھر ملاقات سے عذر کرنا برا ہے، ورنہ علاوہ احادیث کے خود قرآن مجید کی آیت ﴿وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا﴾ اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی وقت ملاقات سے عذر کر دینا بھی جائز ہے، اسی طرح حدیث ''انزلوا الناس منازلھم[2]''

خواص کی ترجیح کو عوام پر جائز بتلاتی ہے، یہ تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔

---

[1] بخاری: الأدب، من نکث العود فی الماء والطین. رقم: ۶۲۱۶، مسلم: فضائل الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، فضائل عثمان بن عفان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ. رقم: ۲۸(۲۴۰۳) ترمذی: المناقب، باب (حدیث تبشیرہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عثمان بالجنة علی بلوی تصیبه) رقم: ۳۷۱۰۔ وقال: حسن صحیح. [2] أبوداؤد: الأدب، تنزیل الناس منازلهم رقم: ۴۸۴۲ عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها.

۳۱۶- عادت، جہر بالذکر

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جب کہ لوگ فرضوں سے فارغ ہو جاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔

ف: چشتیہ پر بعضے شبہ عدم ثبوت جہر بالذکر کا کرتے ہیں حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے، البتہ حاشیہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مراد حدیث میں اس کا التزام بعد الصلوٰۃ نہیں ہے۔

۳۱۷- متفرقات، امکان مکث بلا غذاء معتاد

(عادتاً کھانے پینے والی چیزوں کے بغیر زندہ رہنا)

عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث الدجال قالت: قلت: یا رسول اللہ! واللہ انا لنعجن عجینتنا فما نخبزہ حتی نجوع فکیف بالمؤمنین یومئذ؟ قال: "یجزیھم مایجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس"۔ (رواہ احمد[2])

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دجال کے قصہ میں (جس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فتنہ کا اور اس کے زمانہ میں قحط پڑنے کا ذکر فرمایا تھا) مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! واللہ کبھی ہم آٹا گوندھ کر رکھتے ہیں اور اس کو پکانے نہیں پاتے کہ بھوک لگ جاتی ہے (جس سے بیتاب ہو جاتے ہیں) سو اس روز مسلمانوں کا کیا حال ہوگا (جب کہ اس کے مخالفین پر قحط شدید ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مسلمانوں کو (غذا کی جگہ) وہ چیز کافی ہو جائے گی جو اہل آسمان کو کافی ہوتی ہے، یعنی تسبیح وتقدیس۔"

ف: بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے خلوت میں مدتوں کھانا نہیں کھایا، اہل جمود علی الظاہر بے سوچے سمجھے ایسے امور کے منکر ہو جاتے ہیں، حدیث سے صاف ظاہر

---

[1] بخاری: الأذان، الذکر بعد الصلاۃ. رقم: ۸۴۱.

[2] مسند أحمد (۶/۴۵۶) وفی اسنادہ ضعف لضعف شھرین حوشب وبقیہ رجالہ ثقات. قال: البوصیری: ولہ شاھد من حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا.

ہے کہ بعض اوقات صرف ذکر و تسبیح بھی غذا کا کام دے سکتا ہے۔

۳۱۸-تعلیم، بُعد از مظان فتنہ (فتنوں کی جگہوں سے دور رہنا)

عن عمران بن حصين رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع بالدجال فلينأ منه، فوالله ان الرجل لياتيه وهو يحسب انه مؤمن فيتبعه مما يبعث به من الشبهات" (رواه أبو داؤد[1])

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص دجال کی خبر سنے اس کو چاہئے کہ دور چلا جائے، واللہ بعض شخص اپنے کو مسلمان سمجھ کر اس کے پاس آئے گا (کہ اس کا تماشہ دیکھے یا اس سے مناظرہ کرے) پھر بہت سے شبہات پیدا ہو کر اس کا تابع ہو جائے گا۔"

ف: بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی مدعی تصوف مبطل ہو تو غیر کامل کو اس کے پاس بغرض رد بھی نہیں جانا چاہئے، بعض اوقات اس کے تصرفات و عجائب سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، حدیث میں یہی تعلیم صریح ہے اور اس میں دجال اکبر و دجال اصغر برابر ہے۔

۳۱۹-دجال کی زمین میں مدت قیام

عن النواس بن سمعان رضي الله تعالىٰ عنه في ذكر الدجال قلنا: يا رسول الله! ومالبثه في الارض؟ قال: "اربعون يوما، يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كايامكم". (رواه مسلم[2])

۳۲۰-مسئلہ، بسط و طی زمان (زمانہ کا پھیلنا اور سکڑنا)

عن اسماء بنت يزيد بن السكن رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "يمكث الدجال في الارض اربعين سنة، السنة كالشهر والشهر كالجمعة والجمعة كاليوم واليوم كاضطرام السعفة في النار". (رواه في شرح السنة[3])

---

[1] أبو داؤد: الملاحم، خروج الدجال. رقم: ۴۳۱۹، وسكت عنه المنذري.

[2] مسلم: الفتن، ذكر الدجال. رقم: ۱۱۰ (۲۹۳۷) [3] رواه البغوي في شرح السنة، الفتن، الدجال لعنه الله. رقم: ۴۱۵۹، مسند أحمد: ۴۵۴/۶. وفي اسناده ضعف لضعف شهر بن حوشب وبقية رجاله ثقات غير ابن خثيم فهو مختلف فيه حسن الحديث.

ترجمہ حدیث اول: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر دجال میں روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کے رہنے کی زمین میں کتنی مدت ہے؟ فرمایا: ''چالیس دن، ایک دن برس روز کے برابر ہوگا اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر اور باقی ایام معمولی دنوں کے برابر ہوں گے۔''

ترجمہ حدیث دوم: حضرت اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''دجال زمین میں چالیس برس رہے گا، برس تو مہینے کے برابر ہوگا اور مہینہ ہفتہ کے برابر ہوگا اور ہفتہ دن کے برابر ہوگا اور دن ایسا ہوگا جیسے آگ سے لکڑیاں جل اٹھتی ہیں۔''

ف: دونوں حدیثوں میں من جملہ وجوہ رفع تعارض کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسی کو وہ زمانہ طویل معلوم ہوگا اور کسی کو قصیر اور واقع میں اس کی مقدار معین ہوگی، تو حدیث سے بسط وطے زمان دونوں ثابت ہوجائیں گے، اور اول حدیث میں روایات میں یہ بھی ہے کہ جو دن سال کے برابر ہوگا، اس میں ایک سال کی نمازیں واجب ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دن واقع میں بھی ایک ہی سال ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ دن خاص ایک ہی سال کا ہو، باقی ایام میں اوپر کی تقریر جاری کی جائے، بہرحال ان حدیثوں کی دلالت مدعا پر درجۂ احتمال میں ہے، آگے ایک حدیث طے زمان میں صریح ہے۔

۳۲۱-مسئلہ، زمانہ کا سکڑنا

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ، ماطول ھذا الیوم؟ فقال: "والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المؤمنین حتی یکون اھون علیہ من الصلوٰۃ المکتوبۃ یصلیھا فی الدنیا". (رواہ البیھقی فی کتاب البعث والنشور[1])

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کی نسبت جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (مراد قیامت کا دن ہے براہِ تعجب) پوچھا گیا کہ

[1] مسند أحمد: ۳/۷۵، واسنادہ حسن علی ضعف فی رواتہ.

اس دن کا کس قدر طول ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ دن اہل ایمان پر ایسا ہوگا کہ فرض نماز جو دنیا میں پڑھتا ہے اس سے بھی ہلکا ہوگا۔''

ف: اس پر تو دلالت حدیث کی ظاہر ہے اور طے اور بسط کے امکان میں کچھ تفاوت نہیں پس بسط بھی اسی طرح ہوسکتا ہے۔

۳۲۲-اصلاح، اہتمام جماعت

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''من سمع المنادی فلم یمنعہ من اتباعہ عذر''. قالوا: وما العذر؟ قال: ''خوف او مرض لم تقبل منہ الصلوٰۃ التی صلی''. (رواہ أبو داؤد والدار قطنی[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص مؤذن کی آواز سنے اور اس کو اس مؤذن کی اتباع سے (یعنی جماعت میں آنے سے) کوئی عذر مانع نہ ہو، تو اس کی وہ نماز جو اس نے پڑھی ہے مقبول نہیں ہوتی'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ عذر کیا ہے؟ فرمایا: ''خوف ہو یا کوئی مرض ہو۔''

ف: آج کل اکثر رسمی درویش جماعت کی مطلق پرواہ نہیں کرتے، اس حدیث کی رو سے ان کی نمازیں مقبول نہیں ہوتیں اور ظاہر ہے کہ جس کی نماز ہی مردود ہو وہ پیر ہونے کے قابل کب ہوسکتا ہے۔

۳۲۳-عادت، استعانت بخادم در وضوء (وضوء میں خادم سے مدد لینا)

عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ غزا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المغیرۃ: فتبرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الغائط، فحملت معہ اداوۃ قبل الفجر، فلما رجع اخذت اھریق علی یدیہ، فغسل یدیہ ووجھہ، وغسل ذراعیہ، ثم مسح بناصیتہ ثم اھویت لانزع خفیہ. الحدیث مختصراً. (رواہ مسلم[2])

---

[1] أبو داؤد: الصلاۃ، التشدید فی ترک الجماعۃ. رقم: ۵۵۱، قال المنذری: فی اسنادہ: أبو جناب یحیی بن أبی حیۃ الکلبی، وھو ضعیف، وأخرجہ ابن ماجۃ: بنحوہ، واسنادہ أمثل، وفیہ نظر، قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الصلاۃ، التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، رقم: ۷۹۳، رواہ الدارقطنی فی سننہ: الصلاۃ، الحث لجار المسجد علی الصلاۃ فیہ الامن عذر. رقم: ۱۵۴۲. [2] مسلم: الصلاۃ، تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم اذا تأخر الامام ولم یخافوا مفسدۃ بالتقدیم. رقم: ۱۰۵ (۲۷۴)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے میدان میں استنجاء کے لئے چلے، میں پانی کا ظرفِ چرمی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہولیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹے تو میں (وضو کرانے کے واسطے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور چہرہ دھویا اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا (اسی روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ عمامہ کا یعنی عمامہ جتنے حصہ میں ہوتا ہے یعنی بقیہ سر کا مسح کیا) پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کے لئے جھکا، یہ حدیث مختصر ہے۔

ف: بعض بزرگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات خادم ان کو وضو کراتا ہے، بعض کوتاہ بین اس کو کبر سمجھتے ہیں یہ محض بدگمانی ہے، حدیث سے اس کا جواز بلاکسی کراہت کے ثابت ہے۔

۳۲۴-مسئلہ، نقض وضوء در سقوط از وجد

(حالت وجد میں گر جانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "ان الوضوء علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله". (رواه الترمذی وأبوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "وضوء اس پر واجب ہے جو لیٹ کر سو جائے، کیوں کہ جب لیٹے گا تو اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جائیں گے۔" (اور اس میں ریح کا خروج مستبعد نہیں ہے)

ف: اکثر صوفیاء اس سے بے علم ہیں کہ وجد میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں یا گر کر بے ہوش ہو جائیں تو وضوء کا اعادہ واجب ہے کہ اس حالت میں استرخاء مفاصل مثل سونے کی حالت کے ہو جاتا ہے، فقہاء نے غشی میں نقضِ وضو کی تصریح فرمائی ہے۔

---

[1] أبوداؤد: الطهارة، الوضوء من النوم. رقم: ۲۰۱. قال أبوداؤد: قوله "الوضوء علی من نام مضطجعا" هو حديث منكر، لم يروه الا يزيد أبو خالد الدالانی عن قتادة، ترمذی: الطهارة، ما جاء فی الوضوء من النوم رقم: ۷۷.

۳۲۵-ترک تعظیم موذی

(تعظیم کا جو طریقہ شیخ کو نا گوار ہو اس کا ترک ضروری ہے)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لم یکن شخص احب الیهم من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ، وکانوا اذا راوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلک. (رواه الترمذی وقال: هذا حدیث حسن صحیح[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا، باوجود اس کے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو اٹھتے نہ تھے، کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نا گوار ہوتا ہے۔

ف: حدیث سے معلوم ہوا کہ ادب اور تعظیم اور خدمت کا جو طریق اپنے کسی بزرگ کو گراں اور نا گوار ہو اس کا ترک کر دینا ضروری ہے، آج کل اتباع عرف اس قدر غالب ہے کہ بزرگوں کی راحت کا خیال نہیں کرتے، اہل عجم کے تکلفات اور تعظیم میں مبالغہ اور خدمت میں اصرار کو بڑا ذریعہ قرب وسعادت کا سمجھتے ہیں، جیسے کسی کا بدن دبانا اس کی جوتیاں اٹھانا اس کی پشت کی طرف بیٹھ جانا، بالخصوص اس اعتقاد سے کہ اس کی پشت کی طرف وظیفہ یا نماز پڑھنے سے زیادہ مقبولیت ہوگی یہ تو بالکل بت پرستی کے مشابہ ہے، یہ بلائیں آج کل بہت شائع ہیں۔

۳۲۶-مسئلہ، عدم تنافی مزاح با کمال (مذاق اور کمال میں منافات نہیں)

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قالوا: یا رسول اللہ! انک تلاعبنا قال: "انی لا اقول الا حقا". (رواه الترمذی[2])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، فرمایا: "میں بجز حق کے کوئی بات نہیں کہتا"۔ (یعنی خوش طبعی میں کسی امر باطل و نامشروع مثل کذب یا ایذاء مسلم کا مرتکب نہیں ہوتا)

---

[1] ترمذی: الأدب، کراهیة قیام الرجل للرجل. رقم: ۲۷۵۴، وقال: حسن صحیح غریب من هذا الوجه. [2] ترمذی: البر والصلة، ماجاء فی المزاح، رقم: ۱۹۹۰، وقال: حسن صحیح

ف: بعضے خشک مزاج بزرگوں کی ظرافت کو بنظر عیب دیکھتے ہیں اگر شرط مذکور فی الحدیث کی رعایت سے ہو تو سنت ہے اور اگر اس کی رعایت سے نہ ہو تو دوسری حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ "**لا تمار اخاک ولا تمازحه**"۔ (رواہ الترمذی[1])

۳۲۷-اصلاح، گراں بار نہ ساختن مریداں را

(مرید کو زیر بار نہ کرنا چاہئے)

عن ابی شریح الکعبی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال فی حدیث طویل. "ولا یحل له ان یثوی عنده حتی یحرجه". (متفق علیه[2])

ترجمہ: حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی حدیث میں فرمایا کہ: "مہمان کو حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اس کو تنگ کردے۔"

ف: آج کل اکثر پیر اپنے مریدوں کو جان و مال کا ایسا مالک سمجھتے ہیں کہ بے تکلف جو چاہا فرمائش کردی، جب تک جی چاہا ان کے گھر پڑ کر مرغ و پلاؤ نوش فرماتے رہے، جتنوں کو چاہا لے کر اس غریب کے گھر جا چڑھے خواہ اس کو گوارہ ہو یا ناگوار ہو خواہ اس پر فکر پڑے خواہ کچھ ہی ہو ان کو اپنے حلوے مانڈے سے کام، حدیث کے حکم عام میں پیر بھی داخل ہیں اور علت اس حرمت کی تحریج ہے جس امر میں کوئی تنگ ہوتا ہو اور وہ اس شخص کا حق واجب نہ ہو اس کا حاصل کرنا حرام ہے اور ایک حدیث میں اس سے زیادہ صریح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نے دعوت کی تھی اور ایک شخص ہمراہ ہولیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون اجازت صریح میزبان کے اس کو بھی میزبان کے گھر لے جانا جائز نہیں رکھا، پھر دوسرا تو کیا چیز ہے۔

---

1. ترمذی: البر والصلة، المراء، رقم: ۱۹۹۰، وقال: حسن غریب.
2. بخاری: الأدب، اکرام الضیف وخدمته ایاه بنفسه وقوله تعالی: ضیف ابراهیم المکرمین. رقم: ۶۱۳۵، مسلم: (نحوه) اللقطة، الضیافة ونحوها. رقم: ۱۵ (۴۸) أبوداؤد: الأطعمة، الضیافة. رقم: ۳۷۴۸، ترمذی: البر والصلة ، الضیافة وغایة الضیافة کم هو؟ رقم: ۱۹۶۸، وقال: حسن صحیح.

۳۲۸- تعلیم، عدم جزم برؤیا (خواب پر یقین نہ کرنا)

عن محمد بن سيرين قال: الرؤيا ثلث: حديث النفس، وتخويف الشيطان، وبشرىٰ من الله. (متفق عليه)

وعن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اذا رأىٰ احدكم الرؤيا يكرهها فليبصق عن يساره ثلثا وليستعذ من الشيطان ثلثا، وليتحول عن جنبه الذى كان عليه". (رواه مسلم[1])

ترجمہ: محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: حدیث النفس (یعنی خیالات) اور تخویف شیطان (یعنی شیطان بوجہ عداوت کے بغرض تحزین کے مکروہ امور دکھلاتا ہے) اور بشارت من اللہ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جب کوئی تم میں کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار اعوذ باللہ پڑھ لے اور جس کروٹ پر تھا اس کو بدل دے۔"

ف: بعض ناواقفانِ سلوک کو دیکھا ہے کہ خواب پر ان کو بہت ہی نظر ہوتی ہے، اچھے خوابوں کی کمی ہو جاتی ہے تو اس کو علامت بعد من اللہ کی سمجھ کر مغموم اور متفکر ہوتے ہیں، اچھے خواب نظر آ جاتے ہیں تو اس کو منتہائے مقصود سمجھ کر ناز کرتے ہیں، کوئی واقعہ نظر آ جاتا ہے تو اس پر پورا اعتماد کر لیتے ہیں، کوئی برا خواب نظر آ جاتا ہے تو اسی کی پریشانی میں گرفتار ہو جاتے ہیں، حدیث میں ان سب خیالات کا غلط ہونا مصرح ہو گیا اور برے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ بھی فرما دیا گیا، غرض خواب اتنی بڑی چیز نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، اصل فکر حالت بیداری کی چاہئے کہ وہ مرضی عنداللہ ہے یا غیر مرضی، کسی کا شعر بہت ہی پسند آتا ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم ۔۔۔ چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

[1] بخارى: التعبير، القيد فى المنام، رقم: ۷۰۱۷، مسلم: الرؤيا، كون الرؤيا من الله وأنها جزء من النبوة رقم: ۲ (۲۲۶۳) قلنا: وأخرجه الترمذى، الرؤيا، رؤيا المؤمن جزو من ستة وأربعين جزئاً من النبوة رقم: ۲۲۷۰، وقال: حسن صحيح كلهم عن محمد بن سيرين عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه.

۳۲۹- قول، ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید

(پیر کا دکھلاوا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً: "اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم تراؤون". (رواہ الطبرانی کذا فی الجامع[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "حق تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافقین یوں کہنے لگیں کہ تم ریا کار ہو۔"

ف: مطلب یہ ہے کہ کثرت سے ذکر کرو اور ظاہر ہے کہ کثرت کی حالت میں اخفاء نہیں رہ سکتا اور اظہار میں مخالفین ریاء کا طعن کیا ہی کرتے ہیں، پس اس حدیث میں ایسے اظہار کا جس کو ناواقف ریا کہیں اور واقع میں وہ ریاء نہ ہو، مطلوب ہونا مذکور ہے، اور مطلوبیت کے لئے خیریت لازم ہے، اور خیر میں چوں کہ معنی تفضیل کے ہیں تو اس کے لئے مفضل علیہ کو بھی ضرورت ہوگی اور مفضل علیہ مقابل ہوگا مفضل کا، اور مفضل ہے ریاء بالمعنی الخاص تو مفضل علیہ عدم ریاء ہوگا جس کو اخلاص کہا جاتا ہے، پس ثابت ہوا کہ بعض ریاء بعض اخلاص سے خیر ہے، اور دلائل خارجیہ کے شیخ کے اظہار میں مصالح خاصہ ہوتے ہیں اس عموم میں ریاء الشیخ کا اخلاص مرید سے خیر ہونا ثابت ہوگیا، خوب سمجھ لو۔

۳۳۰- متفرقات، فکر اصلاح اکابر را

(اکابر کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے)

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم شدید الحر نحو بقیع الغرقد، فکان الناس یمشون خلفہ، فلما سمع صوت النعال وقر ذٰلک فی نفسہٖ فجلس حتی قدمھم امامہ لئلا یقع فی نفسہٖ شیء من الکبر. (رواہ ابن ماجۃ[2])

---

[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر ۱۲/۱۳۱ رقم: ۱۲۷۸٦، وقال الھیثمی: فی المجمع (۱۰/۷٦) فیہ الحسن بن أبی جعفر الجعفری وھو ضعیف. [2] ابن ماجۃ: السنۃ، من کرہ أن یوطأ عقباہ. رقم: ۲۴۵، قال: البوصیری: فی زوائد ابن ماجۃ ھذا اسناد ضعیف لضعف الروایۃ. قال ابن معین: علی بن یزید عن القاسم عن أبی أمامۃ ھی ضعاف کلھا.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیز گرمی کے دن میں بقیع کی طرف چلے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیوں کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر یہ امر گراں گزرا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے آگے کردیا تاکہ کوئی اثر بڑائی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں نہ واقع ہو جائے۔

ف: اور اسی حدیث کے اس مضمون پر اصل رسالہ کو ختم کرتا ہوں، کیوں کہ خاتمہ تنبیہ ہی کے مضمون پر مناسب ہوتا ہے، تاکہ رسالہ جن علوم و اعمال کو متضمن ہے یہ تخویف ان کی موافقت و امتثال کے لئے بیدار کردے، نیز اس میں تاسی و اقتداء قرآن مجید کا بھی ہے کہ سب سے آخر آیت اس کی یہ ہے، ﴿**واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ماکسبت وھم لایظلمون**﴾ پس عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث میں غور کرنے سے ناقص تو ناقص کاملین کی بھی آنکھیں کھلتی ہیں اور ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہے جو زعم کمال کے بعد اپنی نگرانی حال سے بےفکر ہو جاتے ہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اکابر کو فارغ ہو کر نہ بیٹھنا چاہئے مثل مبتدی کے اہتمام اصلاح اعمال اور اندیشہ تغیر حال میں لگا رہنا چاہئے اور یہی خیریت ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ**: ﴿**فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون**﴾. **ولنعم ماقیل**:

غافل مروکہ مرکب مرداں مردرا　　　درسنگلاخ بادیۂ پے ہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش　　　ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

اللھم اعناعلی الاستقامۃ مع القبول والکرامۃ، فی الدنیا ویوم القیمۃ.
وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ اجمعین.

النكت الدقيقة
مما يتعلق بالحقيقة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ عرض ہے کہ ہر علم وعمل جب کہ اس کو شریعت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تین قسم سے خالی نہیں، ایک قسم یہ ہے کہ شریعت اس کا اثبات کرے، دوسری قسم یہ ہے کہ شریعت اس کی نفی کرے، تیسرے یہ کہ شریعت اس کے اثبات ونفی سے ساکت ہو، اول کو مدلول شرعی کہیں گے، دوسرے کو مردود شرعی، تیسرے کو نہ مدلول شرعی نہ مردود شرعی بلکہ نظر بقاعدہ کلیہ مرویہ۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: الحلال ما احل اللہ فی کتابہ، والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ (ای شرعہ) وماسکت عنہ فھو عفو. (رواہ ابن ماجۃ والترمذی[1]) ماذون شرعی کہیں گے۔

صوفیاء کے علوم واعمال بھی انہیں اقسام پر منقسم ہیں جن میں سے قسمیں اولین کا ایک معتد بہ ذخیرہ رسالہ حقیقۃ الطریقۃ میں مدون کردیا گیا ہے اور چوں کہ قسم ثالث استدلال جزئی کا نہ محل ہے اور نہ محتاج، اس لئے رسالہ اس سے خالی رہا اور بوجہ اس کے قواعد شرعیہ کلیہ اس کی اباحت پر دال ہیں دلائل جزئیہ کا اس پر دال نہ ہونا کچھ مضر نہیں، مثال کے لئے ایک مسئلہ علمیہ اور ایک عملیہ فرض کرتا ہوں مثلاً لطائف جو عالم امر سے ہیں ان کا تعلق جسد کے خاص خاص مقامات سے بتلایا جاتا ہے، اور مثلاً ایک شغل میں نظر پردہ بینی پر جمائی جاتی ہے، سو اس علم کے لئے کشف اور اس عمل کے لئے تجربہ کافی ہے، کیوں کہ یہ کشف وتجربہ بوجہ مصادم دلیل شرعی نہ ہونے کے ایسا ہے جیسے زید کے آنے کا علم اور حب ایارج کا

---

[1] ترمذی: اللباس، لبس الفراء، رقم: ۱۷۲۶، وقال: حدیث غریب لانعرفہ الا من ھذا الوجہ. ابن ماجۃ: الأطعمۃ، أکل الجبن والسمن، رقم: ۳۳۶۷، کلاھما عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ کذا فی "تحفۃ الأشراف" (۴۴۹۶) ۔ لاعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استعمال جس کے لئے نص شرعی کی حاجت نہیں، بلکہ ایسے امور تو اگر کسی مصلحت وضرورت معتد بہا کی بناء پر دوسری قوموں سے بھی ماخوذ ہوں، بشرطیکہ ان کا شعار نہ ہو تب بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ حاشیہ بخاری میں (ہب) سے کہ رمز مواہب کا ہے۔ منقول ہے: **قال سلمان الفارسی یا رسول اللہ انا کنا بفارس اذا حوصرنا خندقنا علینا فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحفرہ. الحدیث**[1] لیکن اگر ایسے امور کو کسی نص کے مدلول سے کسی درجہ میں گو وہ بعید ہی ہو اتفاقی توافق ہو جائے ایک گونہ تائید سے خالی نہیں، گو اس توافق کو استدلال نہ کہیں گے، جس طرح قسمین اولین کے اثبات ونفی کو کہا جاتا ہے، مگر استیناس کہنا بیجا نہ ہوگا اور اہل ظاہر میں بھی یہ طرز بلانکیر جاری رہا ہے۔

ہدایہ کے قول متعلق بدفن المیت بوجہ الی القبلۃ کے تحت میں صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں، "**ویستانس لہ بحدیث أبی داؤد والنسائی ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال: ھی تسع الی ان قال واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء وامواتا**"[2] پس قریب ختم رسالہ حقیقۃ الطریقۃ کے خیال میں آیا ہے کہ اگر نمونہ کے لئے بعض ایسے امور بھی جن کی طرف احادیث میں مرتبہ استیناس میں تلویح واقع ہے وارد کر کے اس کو رسالہ کا تابع بنا دیا جائے تو اہل نظر کے لئے ایک گونہ لطف وحظ سے خالی نہیں، نیز اس نمونہ پر بقیہ امور کے لئے مناسبات کا تتبع سہل ہو سکے گا، اس لئے ان اوراق میں مثال کے طور پر چند ایسے ہی مضامین وارد کرتا ہوں، اس طرح کہ اول وہ مضمون کسی کتاب فن سے نقل کروں گا اور پھر اس حدیث مناسب کو لکھوں گا اور چونکہ ایسے مضامین محض نکات ولطائف ہوتے ہیں جو کہ توابع حقیقت ہیں نہ کہ عین حقیقت اور مدلولات تحقیقیہ، اس لئے اس حصہ کا نام "**النکت الدقیقۃ مما یتعلق بالحقیقۃ**" رکھتا ہوں، اور اسی فرق کی وجہ سے جو کہ سبب ہوا ہے نام جداگانہ رکھنے کا، اس کی ترتیب بھی اصل سے بدل دی ہے کہ وہاں حدیث مقدم تھی اور مسئلہ مؤخر، اور یہاں اس کا عکس تاکہ اصل اور

---

[1] تاریخ الطبرانی ۲/۹۱، فتح الباری، باب غزوۃ الخندق. [2] أبوداؤد: الوصایا، التشدید فی اکل مال الیھم، رقم: ۲۸۷۵، نسائی: (۷/۸۹) عن عبد اللہ بن عمر عن أبیہ.

تابع میں خوب تمایز رہے، اور وجہ استدلال یا استیناس یہ بضرورت دونوں جگہ مؤخر ہے: البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی مضمون استدلالی بوجہ خفاء استدلال کے اس حصہ میں آ جائے جیسا یہ ممکن ہے کہ کسی اشتباہ کے سبب کوئی مضمون استیناسی حصہ حقیقت میں آ گیا ہو۔ وانی اتوب الی اللہ من کل خطل وذلل وھو ولی کل علم وعمل"

مضمون اول فی ضیاء القلوب: اندک سر را بجانب پشت کج کردہ تصور کند کہ ہمہ خطرات ماسوی اللہ را پس پشت انداختم (یعنی سر کو پیٹھ کی جانب جھکا کر یہ تصور کرے کہ ماسوا اللہ کے تمام خطرات کو میں نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے)

حدیث: عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعہ اذا دعا. (رواہ أبو داؤد[1])

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا (یعنی تشہد) کے وقت اپنی انگلی سے (توحید کا) اشارہ فرماتے تھے۔

ف: پشت کو کج کرنا اس تصور کی شکل بنانا ہے کہ ہمہ خطرات را پس پشت انداختم اسی طرح اشارہ بالسبابہ اس اعتقاد توحید کی صورت بنانا ہے پس دونوں میں ہیئت جسمانیہ سے مافی القلب پر دلالت کرنا امر مشترک ہے۔

مضمون دوم: فیہ ایضا۔ بر فضاء دل ضرب کند

(دل پر ضرب لگانا)

حدیث: عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل، فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماقد غشیتی ضرب فی صدری ففضت عرقاً. (رواہ مسلم[2])

ترجمہ: حضرت ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث طویل میں (جو کہ اصل رسالہ میں نمبر: ۲۸۲ میں گزر چکی ہے) مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب ہو رہی تھی، (یعنی وسوسہ تکذیب) آپ صلی اللہ علیہ

---

[1] أبو داؤد: الصلاۃ، الاشارۃ فی التشھد، رقم: ۹۸۹، قلنا: وأخرجہ النسائی، الصلاۃ، باب بسط الیسریٰ علی الرکبۃ، رقم: ۱۲۷۱. [2] مسلم: صلاۃ المسافرین (فضائل القرآن) بیان أن قران أنزل علی سبعة أحرف وبیان معناھا، رقم: ۲۷۳ (۸۲۰)

وسلم نے میرے سینے میں ہاتھ مارا، میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔

ف: ضرب میں ذکر کی اہمیت یہی ہے کہ قلب میں اثر پہنچے، حدیث میں بھی اس ضرب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی غرض تھی اور اس میں کوئی معتد بہ فرق نہیں کہ اپنی ضرب سے قلب میں اثر پہنچے یا دوسرے کی ضرب سے۔

مضمون سوم: فیہ ایضا۔ لفظ الا اللہ را بشدت وقوت مادم گوید۔ (الا اللہ کو طاقت وقوت کے ساتھ کہتا رہے)

حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ قولہ علیہ السلام "ولا یختلیٰ خلاھا" فقال العباس: یا رسول اللہ الا الاذخر فانہ لقینھم وبیوتھم فقال: "الا الاذخر". (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس خطبہ میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن پڑھا ہے آپ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: "اس کا (یعنی حرم شریف کا) گھاس نہ کاٹا جائے"، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مگر اذخر (یہ ایک گھاس ہے) کہ لوہاروں کے اور گھروں (کی عمارت) کے کام آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ: "خیر مگر اذخر"۔ (یعنی انہوں نے اس کے مستثنیٰ کرنے کے درخواست کی آپ نے مستثنیٰ فرمادیا)

ف: صرف الا اللہ کے ذکر پر بعض کا یہ اعتراض ہے کہ مستثنیٰ بدون مستثنیٰ منہ اور عامل کے، عبارتِ بے معنی ہے، ایسا ذکر بے معنی نہ معتد بہ ہے نہ موجب اجر، پس عبث ہوا پھر کیوں اختیار کیا گیا؟ سو حدیث سے جواز حذف عامل و مستثنیٰ منہ کا وقت قیام قرینہ کے معلوم ہوتا ہے، جس طرح کہ کبھی اس کا عکس بھی مستعمل ہوتا ہے، یعنی صرف مستثنیٰ کو حذف کر دیا جائے چنانچہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں صحبت حکام کی مذمت میں ارشاد ہے۔

حدیث: "کذلک لایجتنی من قربھم الا" کانہ یعنی الخطایا۔ (مشکوٰۃ[2])

جس کی تفسیر محمد بن الصباح نے کی ہے، کانہ یعنی الخطایا سے۔

---

[1] اخرجہ البخاری: فی المغازی، باب بلا ترجمۃ، رقم: ۴۳۱۳) اخرجہ مسلم: فی الحج، تحریم مکۃ، وتحریم صیدھا، وخلاھا...... رقم: ۴۴۵ (۱۳۵۳) [2] اخرجہ ابن ماجۃ: فی المقدمۃ، الانتفاع بالعلم والعمل بہ ۲۵۵، قال البوصیری فی الزوائد: فیہ عبیداللہ بن ابی بردۃ وھو لایعرف.

پس الا اللہ میں بھی اگر اس قرینہ سے کہ اس کے قبل لا الہ الا اللہ کا ذکر ہو چکا ہے یا بقرینہ عقیدہ ذاکر کے مستثنیٰ منہ اور عامل محذوف کر دیا تو کیا حرج ہوا۔

اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جو لا الہ الا اللہ کہا گیا ہے اس میں صرف الا اللہ کو تاکید کے لئے مکرر لایا گیا، پس اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا اور تاکید کے لئے جو تکرار کیا جاتا ہے کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں جس قدر اہتمام ہوگا اتنا تکرار مستحسن و مقتضائے مقام ہوگا چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے،

فما زال یکررها حتٰی وددنا أنه سکت أو نحوه.

مضمون چہارم: فیہ أیضا بعد ازاں ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ الخ

حدیث: عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: "لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الارض اللہ اللہ" وفی روایة. قال: "لاتقوم الساعة علیٰ احد یقول اللہ اللہ". (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے گا"، اور ایک روایت میں ہے کہ: "قیامت ایسے کسی شخص پر قائم نہ ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہوگا"۔

بعض کا اس طریق ذکر پر اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ لفظ مفرد ہے، اس لئے نہ کسی معنیٰ خبری کو مفید ہے نہ معنیٰ انشائی کو پھر اس ذکر بے معنیٰ سے کیا فائدہ مگر حدیث[2]

میں خود اسی افراد کے ساتھ اس پاک نام کو معقول بنایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنیٰ کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں، اگر اس سے تبرک و استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنیٰ اور غیر مفید کیوں ہوگا، ارشاد خداوندی:

﴿اذکر اسم ربک﴾ ظاہر الفاظ محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے۔

---

[1] مسلم فی الایمان: ذهاب الایمان فی اخر الزمان، رقم: ۳۳۴۔ [2] و نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حرف ندا محذوف ہو و حذفه شائع یکون النداء الشوق و التلذ ذبالاسم لنافله ۱۲

مضمون پنجم: فیہ ایضا۔ پاس انفاس این است کہ مکان و زماں رادر یابد یعنی در برآمدن نفس و فرورفتن نفس طالب ذاکر باشد و چنداں مشغول باشد کہ دم ذاکر گردد۔ (پاس انفاس یہ ہے کہ زمان و مکان کی حفاظت کرے یعنی سانس کے آنے اور جانے میں سالک ذاکر رہے اور اتنا مشغول ہو جائے کہ سانس ہی ذکر کرنے لگے)

حدیث: عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شان أھل الجنۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "تلھمون التسبیح والتحمید کما تلھمون النفس". (رواہ مسلم[1])

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل جنت کے حال میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ان کو تسبیح وتحمید کا اس طرح القاء واجراء ہوگا جس طرح تم کو سانس کا القاء واجراء ہوتا ہے"۔ (یعنی بلا قصد و بلا تکلف)

ف: حدیث میں مدح ہے اہل جنت کی کہ ان کو ذکر اللہ سانس کی طرح جاری ہو جائے گا، تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ پاس انفاس سے یہی کیفیت ذکر اللہ کے جاری ہونے کی ہو جاتی ہے، کیوں کہ جب کثرت مشق سے ہر سانس کے ساتھ عادت ذکر کی ہوگئی اور سانس ہے اضطراری اور دونوں کی مقارنت بوجہ عادت کے مثل امر طبعی کے ہوگیا، پس جب سانس آئے گا اضطراراً ذکر بھی صادر ہوگا، اور گو مطلق کثرت سے بھی یہ امر ہو جاتا ہے، مگر پاس انفاس سے بأسہل وأحسن واوکد وجوہ حاصل ہوتا ہے، پس حدیث کی رو سے اہل جنت و مشاقین پاس انفاس کی حالت باہم نہایت مشابہ ہے۔

مضمون ششم: فیہ ایضا، حبس دم در ذکر الخ

(ذکر میں سانس روکنا)

حدیث: عن مطرف بن عبداللہ بن الشخیر عن ابیہ قال: اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی ولجوفہ ازیز کازیز المرجل یعنی یبکی. (رواہ النسائی[2])

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ رہے

---

[1] رواہ مسلم: فی الجنۃ وصفۃ نعیمھا وأھلھا، فی صفات الجنۃ وأھلھا، وتسبیحھم فیھا بکرۃ وعشیاً. ۵۸۳۵. [2] النسائی: السھو، البکاء فی الصلاۃ رقم: ۱۲۱۵.

تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں ایک ایسی آواز تھی جیسی (پکنے کے وقت) ہانڈی کی آواز ہوتی ہے، آپ رو رہے تھے۔ (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۲۷۲ میں گزری ہے)

ف: تجربہ سے معلوم ہے کہ یہ کیفیت غلبۂ بکاء اور اس کے ضبط سے ہوتی ہے اور یہ بھی تجربہ اکثر یہ سے ثابت ہے کہ غلبہ کے وقت ضبط کرنے سے سانس رک جاتا ہے، پس جو امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے لازم آ گیا اس کے محمود و نافع ہونے میں تو شبہ ہو ہی نہیں سکتا، پس اگر کوئی اس کا تحصیلاً واکتساباً التزام واہتمام کرے تو کیا حرج ہے۔

مضمون ھفتم: فیه ایضا۔ شغل سلطانا نصیرا، طریقش آنکہ نظر بر پردۂ بینی خود دارد الی قولہ طریق شغل سلطانا محمودا، دریں شغل نظر خود را درمیان فرق ہر دو ابروی خود میدارند۔ (شغل سلطانا نصیرا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ نگاہ اپنی ناک کے کنارے پر جمائے۔ شغل سلطانا محمودا: اس شغل میں اپنی نگاہ کو دونوں بھنووں کے درمیان مانگ کی سیدھ میں رکھے)

حدیث: عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ''یا انس رضی اللہ تعالیٰ عنه! اجعل بصرک حیث تسجد''. (رواه النسائی[1])

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے انس! اپنی نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھو۔'' (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۲۷۵ میں گزر چکی ہے)

ف: سجدہ میں موضع سجود سے ناک اور پیشانی مماس ہوتی ہے اور دو مماس جسموں میں سے جب ایک پر نظر کرو گے لامحالہ دوسرے پر بھی نظر واقع ہوگی جبکہ سجدہ میں بھی موضع سجود پر نظر کی گئی تو ناک اور پیشانی پر بھی نظر پہنچے گی تمام یا ناتمام، اور ناک کی ابتداء پرۂ بینی سے اور پیشانی کی ابتداء میان دو ابرو سے ہے، پس ان دونوں پر اصل اعضاء سے پہلے نظر پڑے گی، اشغال مذکورہ میں یہی دو موقع ہیں نظر کرنے کے جب ایک خاص حالت میں حدیث سے مشروع ہے تو دوسرے اوقات میں قیاس سے مشروع ہوئی اور فقہاء نے بھی سجدہ میں پرۂ بینی پر نظر رکھنے کو لکھا ہے، کذا فی الدر المختار۔

مضمون ھشتم: فیہ ایضا، طریق شغل سلطان الاذکار، از سر تا قدم بہر بن موئی وجود خود بجمیع ہمت متوجہ شود، یعنی بداند کہ در آمد، رفت نفس از ہر بن موئی اللہ ہو جاری ست الی قولہ درچند

[1] رواه البیهقی فی السنن: الصلاة، لایجاوز بصره موضع سجوده ۲/ ۲۸۳.

عرصہ ذکر اللہ از ہر بن موئی جاری شود۔ (سر سے پیر تک انسان کا بال بال، اور اس کا پورا وجود مکمل طور پر متوجہ رہے، یعنی یہ جانے کہ ہر ہر سانس کے آنے جانے کے وقت ہر ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہے یہاں تک کہ کچھ دنوں میں ہر بال کی جڑ سے اللہ ہو جاری ہو جائے گا)

حدیث: عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الدعاء، وفیہ: "ان ترزقنی القرآن العظیم والعلم وان تخلیطہ لحمی ودمی وسمعی وبصری". الحدیث (رواہ رزین)[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ دعا سکھلائی اور اس دعاء میں یہ بھی ہے کہ: "مجھ کو قرآن مجید اور (اس کا) علم عطا فرمائیے اور اس کو میرے گوشت اور خون اور گوش اور چشم میں پیوست اور مخلوط کر دیجئے" (رحمۃ مہداۃ: ۱۲۵۔۱۲۶)

حدیث دیگر: عن ھانئ بن ھانئ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ملی عمارٌ ایماناً الیٰ مشاشہ" (رواہ ابن ماجۃ)[2]

ترجمہ: حضرت ہانی بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ: "عمار ہڈیوں کی جڑ تک ایمان سے پُر ہے۔"

ف: حدیث اول میں دعا ہے "**تخلیط القرآن بجمیع الأعضاء والأجزاء**" کی، اور حدیث میں ہے "**ان اللہ لایستجیب الدعاء عن قلب لاہ**" پس اس حدیث سے اس دعاء کے وقت اس خلط کا تصور واستحضار ضروری ہوا، اور اللہ کا کلام اور اس اللہ کا نام اس تصور میں مساوی ہیں، پس ہر بن مو سے "اللہ ہو" کے جاری ہونے کا تصور اس سے نافع ہونا ثابت ہوگیا جو طریقہ ہے اس شغل کا، اور حدیث دوم سے ایمان کا رگ و ریشہ میں سرایت کرنا مذکور ہے، آثار ایمان حکم ایمان میں ہیں اور ذکر اللہ آثار ایمان سے ہے، پس اس کی صحت سرایت بھی اس سے ثابت ہوئی جو کہ ثمرہ ہے اس شغل کا جو اس عبارت میں مذکور تھا، ذکر اللہ از ہر بن مو جاری شود، فافہم۔

مضمون نہم: فیہ ایضاً طریق شغل سرمدی، چشم وگوش را از انامل بند نماید الخ۔ (آنکھ اور کان کو انگلیوں سے بند کر لے)

---

[1] الجامع الأخلاق الراوی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نحوہ ۲/ ۳۶۱.

[2] ابن ماجۃ: فصل عمار بن یاسر رقم: ۱۴۷.

حدیث: عن نافع قال: کنت مع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی طریق فسمع مزمارا، فوضع اصبعیہ فی اذنیہ، ونأی عن الطریق الی الجانب الأخر، ثم قال لی بعد ان بعد یا نافع! هل تسمع شیئا؟ قلت: لا، فرفع اصبعیہ من اذنیہ قال: کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسمع صوت یراع فصنع مثل ماصنعت قال نافع: وکنت اذا ذاک صغیراً. (رواہ احمد وابوداؤد[1])

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ راستہ میں تھا، اتنے میں انہوں نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھ لیں اور راستہ سے دوسری جانب کو دور ہٹ گئے، پھر دور جا کر مجھ سے کہا کہ اے نافع اب بھی کچھ سنائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، انہوں نے دونوں انگلیاں اپنے کانوں پر سے اٹھا لیں، اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بانسری کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا، نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت کم سن تھا۔

ف: باجے کی آواز آنے کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا واجب نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کہ وہ آپ کے ہمراہ تھے اس کا حکم نہیں فرمایا، البتہ یہ واجب ہے کہ قصداً ادھر کان نہ لگائے اور دل سے برا سمجھے، صرف کانوں میں انگلیاں اس وجہ سے دیں کہ اس سے قلب کی جمعیت اور حضور میں خلل نہ آئے اور تشویش نہ پیدا ہو، پس اسی غرض کے لئے شغل میں حواس بند کئے جاتے ہیں کہ جمعیت اور حضور میسر ہو اور مدرکات مختلفۃ الانواع سے جو تشویش ہو جاتی ہے، اس کا انسداد ہو، اور کان کا بند کرنا جب ثابت ہے تو دوسرے حواس کو اس پر قیاس کر لیا جائے گا کہ علت مشترک ہے۔

مضمون دہم: فیہ ایضاء لطائف شش اند یعنی شش موضع اند در جسم انسان کہ پرفیوض وپرانوار و مشتمل بر بسیار برکات اند، اول لطیفہ قلبی کہ مقام او دو انگشت فروتر زیر پستان چپ است الخ وفیہ پنج ازاں عالم امر کہ قلب وروح وسر وخفی واخفی اند الخ۔ (لطائف چھ ہیں: یعنی انسان کے جسم میں چھ مقامات فیوض وانوار اور بہت ساری برکات سے پر ہیں اول لطیفۂ قلب، کہ اس کا مقام بائیں پستان

[1] اخرجه أبوداؤد: فی الأدب، کراهة الغناء الزمر ۳۶۷/۴، رقم: ۴۹۲۴، وأحمد: ۸/۲، ۲۸، قال المنذری: قال أبو علی اللؤلؤی: سمعت أبا داؤد یقول: وهو حدیث منکر.

سے دو انگشت نیچے ہے، اور پانچ ان میں سے عالم ارواح، قلب، روح، سر، خفی اور اخفی پر مشتمل ہیں)

حدیث: عن النعمان بن بشیر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الاوان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ، واذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب". (اخرجہ الخمسۃ[1])

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یاد رکھو بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ سنورتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے یاد رکھو وہ قلب ہے۔" (یہ حدیث اصل رسالہ میں نمبر: ۲۱۴ میں گزر چکی ہے)

ف: یہ مسئلہ تو مکشوف ہے کہ انسان کے بعض اجزاء مجرد عن المادہ بھی ہیں عالم امر سے جو کہ عبارت فارسیہ بالا میں واقع ہے یہی مراد ہے، اور یہ اجزاء مجردہ لطائف کہلاتے ہیں، اور یہ مکشوف ہے کہ ان لطائف کا خاص خاص تعلق جسد مادی کے بعض بعض اجزاء سے ہے چنانچہ لطیفہ قلب کا تعلق مضغہ قلب سے ہے۔ وعلیٰ ہٰذا۔

حدیث میں قلب کو مضغہ جسد یہ فرمانا اس تعلق مذکور کے حکم کا مؤید ہے بعض اجزاء حکم کشفی کا مؤید بالنص ہو جانا قرینۂ غالبہ سے ہے بقیہ اجزاء کی صحت پر۔

مضمون یاز دہم: فیہ ایضاء طریق دفع مرض تصور کند کہ مرض می گیر دو می کشد و برزمین می افتد۔

(مرض کو دور کرنے کا طریقہ: تصور کرے کہ مرض کو پکڑتا ہے، کھولتا ہے اور زمین پر دے مارتا ہے)

حدیث: عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف فی قصۃ اصابت عین عامر بن ربیعۃ سھل بن حنیف قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعامر: "علام یقتل احدکم اخاہ الابرکت علیہ". (رواہ فی شرح السنۃ[2])

ترجمہ: حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قصہ کے ضمن میں

---

[1] بخاری: الایمان فضل من استبرأ لدینہ، رقم: ۵۲، مسلم: البیوع، أخذ الحلال وترک الشبھات. رقم: ۱۰۷ (۱۵۹۹) أبوداؤد: البیوع، اجتناب الشبھات. رقم: ۳۳۲۹، ولیس فیہ: "الاوان فی الجسد مغضۃ....." ترمذی: البیوع، ترک الشبھات، رقم: ۱۲۰۵ مثل أبی داؤد رقم: ۴۴۵۸ قلنا: وأخرجہ ابن ماجۃ، الفتن، الوقوف عند الشبھات رقم: ۳۹۸۴.

[2] رواہ فی شرح السنۃ: الطب والرقی، مایرخص فیہ من الرقی: ۲۶۲/۲، رقم: ۳۱۳۸. وأخرجہ الحاکم فی المستدرک: وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد.

جس میں عامر بن ربیعہ کی سہل بن حنیف کو نظر لگ گئی تھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر سے فرمایا: ''کس لئے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ (جس وقت تم نے ان کو نہاتا ہوا دیکھ کر ان کی لطافت جسم کی تعریف کی تھی جس سے نظر لگ گئی اس وقت) تم نے ان پر بارک اللہ کیوں نہیں کہہ دیا تھا'' (کہ نظر نہ لگتی کذا فی المرقاۃ)

ف: سلب مرض قوت نفسانیہ سے کیا جاتا ہے سو اس کا مؤثر ہونا خود نظر لگنے سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے اس سے سلب مرض کی صحت عقلیہ ثابت ہوتی ہے اور ''بارک اللہ علیک'' اس کے روکنے کے لئے کہنا یہ بھی درحقیقت استعمال ہے قوت نفسانیہ کا کہ اس میں بلاواسطہ کھلانے، پلانے، جھاڑنے، پھونکنے کے دور ہی سے اثر ہوا، یہی قوت نفسانیہ ہے، اس کلمہ دعائیہ سے اس کی فاعلیت اور قوی ہوگئی، اور جس ضرر کا انسداد جائز ہے اس ضرر کا دفع بھی بالاولی جائز ہے، اس سے اس تصرف سلب کی صحت شرعیہ ثابت ہوتی ہے، پس سلب مرض کی صحت عقلیہ وصحت شرعیہ ہر دو اس حدیث سے ثابت ہوگئیں۔

مضمون دوازدہم: وفیہ ایضا طریق دریافتن خطرہ نفس، خود را از حدیث نفس از ہر خطرہ خالی ساختہ بدل بسوئے قلب او متوجہ شود ہر چہ از خیر وشر خاطر خطور کند پس بداند کہ از دست۔ (اندیشہ نفس کو معلوم کرنے کا طریقہ: اپنے کو اپنے وسوسے سے اور نفس کو ہر وسوسے سے خالی کر کے دل سے اس کے قلب کی طرف متوجہ ہو، اچھائی برائی میں سے جو بھی دل میں آئے اسے یہی سمجھے کہ اسی کی طرف سے ہے)

حدیث: عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی صلوٰۃ الصبح، فقرا الروم فالتبس علیہ، فلما صلی قال: "ما بال اقوام یصلون معنا لایحسنون الطھور، فانما یلبس علینا القرآن اولٰئک". (رواہ النسائی)[1]

ترجمہ: ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اور اس میں سورۂ روم پڑھی اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہ لگا، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ''لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضوء بھی اچھی طرح نہیں کرتے سو ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہم کو قرآن میں متشابہ لگتا ہے۔''

ف: غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی شخص کا وضوء اچھی طرح نہ کرنا، اس قصہ میں

---

[1] رواہ النسائی: فی کتاب الافتتاح، القراءۃ فی الصبح بالروم ۹۴۸.

وحی صریح سے معلوم نہیں ہوا، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متشابہ لگنے سے استدلال فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ نقصان وضوء کی کدورت نے آپ کے قلب کو خلجان وتشویش میں ڈالا، پس ثابت ہوا کہ ایک جلیس کو جب کہ وہ صافی القلب ہو کسی تعلق وقرب سے دوسرے جلیس کا خیر وشر بدون اظہار معتقد مدرک ہوسکتا ہے، دریافت خطرہ کا یہی مبنیٰ ہے گو کسی وقت توجہ کی بھی ضرورت ہو، اور گو کسی وقت جسمانی قرب بھی نہ ہو، مگر اس قسم کے تصرفات کا جیسے دفع مرض یا دریافت خطرہ اہل کمال قصد کم کرتے ہیں، کذا فی ضیاء القلوب۔

مضمون سیزدہم: فیہ ایضا، طریق تلاوت قرآن شریف، دل را از جمیع خطرات خالی کردہ درحین قرأت خیال کند کہ زبان دہن ولسان دل صنوبری ہر دو برابر تلفظ می کنند بعد ازاں تصور کند کہ ہر بن موی جسد قاری برائے قرأت قرآن زباں گردیدہ واز ہر بن مو الفاظ می آیند، دریں ملاحظہ درحین قرأت مستغرق گردد چوں دریں ملکہ حاصل آید بعد ازاں دروقت قرأت تصور کند کہ حق تعالیٰ بزبان قاری میخواند وادمی شنود۔ (قرآن کریم کی تلاوت کا طریقہ: دل کو تمام وسوسوں سے خالی کرکے تلاوت کرتے ہوئے یہ خیال کرے کہ زبان ودل دونوں برابر تلفظ کررہے ہیں، اس کے بعد یہ تصور کرے کہ پڑھنے والے کے بدن کا ہر ہر بال تلاوتِ قرآن کے لئے زبان ہلا رہا ہے، اور ہر ہر بال سے الفاظ نکل رہے ہیں، تلاوت کے وقت اس خیال میں ڈوب جائے، جب یہ ملکہ حاصل ہوجائے اس کے بعد تلاوت کے وقت تصور کرے کہ باری تعالیٰ پڑھنے والے کی زبان میں پڑھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں)

حدیث: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "یقول اللہ تعالیٰ: من شغلہ القرآن عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین". (أخرجہ الترمذی[1])

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص ایسا ہو کہ قرآن مجید اس کو مجھ سے کوئی چیز مانگنے سے (یعنی دعا کرنے سے) مشغول کردے (یعنی فرصت نہ لینے دے) میں جس قدر اور سائلوں کو دوں گا اس شخص کو سب سے زیادہ دوں گا" (یہ حدیث اس رسالہ میں نمبر: ۲۳ میں گزری ہے)

حدیث: عن ان عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ﴿لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ﴾

---

[1] ترمذی: فضائل القران، باب......، رقم: ۲۹۲۶، وقال: حدیث غریب.

قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ وکان مما یحرک شفتیہ...... فانزل اللہ تعالیٰ: ﴿لاتحرک بہ الیٰ قولہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ﴾ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک اذا اتاہ جبرئیل استمع فاذا انطلق جبرئیل قرأہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قرأہ. (رواہ البخاری[1])

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں "لاتحرک" الخ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ قرآن کے وقت بڑی تکلیف اٹھاتے تھے یعنی (ان الفاظ کو سن کر ان کو ضبط کرنے کے لئے) اپنے لبوں کو (اور زبان) کو حرکت دیتے تھے، (یعنی خود بھی ساتھ پڑھتے جاتے تھے، کہ خیر ایک بار زبان سے کہہ لوں گا تو یاد ہو جائیں گے، ورنہ شاید بھول نہ جاؤں ادھر سننا ادھر دہرانا تکلیف ظاہر ہی ہے) پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اس میں عجلت کرنے کی غرض سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے (اس مضمون تک کہ) جب ہم قرآن پڑھا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ ہمارے حکم سے پڑھا کرے) اس کے بعد جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لاتے تو آپ غور سے سنتے، اور جب وہ چلے جاتے تو اسی طرح پڑھتے جس طرح انہوں نے پڑھا۔ تو آپ اس کے پڑھنے کی طرف دل سے لگے رہا کیجئے۔ (خود اعادہ کی ضرورت نہیں)

ف: دعاء کی فی نفسہٖ عبادت ہے جب قرآن والے کے لئے کثرت تلاوت سے ادھر متوجہ نہ ہونا بروئے حدیث اول محمود ہوا تو اور خیالات و امور مباحہ سے معرض ہونا تو بدرجہ اولیٰ محمود ہوگا، پس تلاوت میں اس قدر غرق ہو جانا یہی حاصل ہے طریق اول کا دل راز جمیع خطرات الی قولہ مستغرق گردد۔

اور دوسری حدیث میں جو آیت میں ﴿فاذا قرأناہ﴾ اس میں قرأت جبرئیل کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا، چنانچہ اذا أتاہ جبرئیل استمع سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاری جبرئیل تھے تو وجہ اس نسبت کی ان کی قرأت کا باذنہ تعالیٰ ہونا ہے پس ہر قاری جب ماذون من اللہ ہے کما دلت علیہ النصوص پس اپنی قرأت کے منسوب الی الحق ہونے کا تصور اس کو جائز ہوگا اور یہی حاصل ہے طریق اخیر کا چوں دریں ملکہ الخ۔

[1] بخاری: بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

مضمون چہاردہم: فی خلاصۃ اربع انہار، بعضے اولیاء زیر قدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہیں ان کو محمدی المشرب کہتے ہیں، اسی طرح آدمی المشرب وابراہیمی المشرب و موسوی المشرب اور بعضے تحت قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کا نام عیسوی المشرب ہے۔

حدیث: عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "احب شیء الی اللہ الغرباء" قیل: ومن الغرباء؟ قال: "الفرارون بدینھم یبعثھم اللہ یوم القیامۃ مع عیسیٰ بن مریم". (رواہ أبونعیم فی الحلیۃ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "سب اشیاء سے زیادہ پیارے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو غرباء یعنی بے یارو بے مددگار ہیں"، پوچھا گیا یارسول اللہ! بے یارومددگار کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے دین کو لئے ہوئے (اس کو بچاتے ہوئے) بھاگے پھرتے ہیں، (تو جہاں جائیں گے ظاہر ہے کہ اجنبی پردیسی ہوں گے جو اصل معنی ہیں غرباء کے اور پردیسی اکثر بے یارومددگار ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیامت کے روز حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ اٹھائے گا۔"

ف: اولیاء میں سے کسی کے موسوی المشرب کسی کے عیسوی المشرب ہونے کے جو حاصل معنی ہیں وہ اس حدیث سے بخوبی ثابت ہیں یعنی مناسبت فی الصفات اور یہ سب باعتبار امت ہونے کے محمدی ہیں۔

مضمون پانزدہم: رسم الباس خرقہ وقت عطاء خلافت۔

حدیث: عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یا عثمان ان ولاک اللہ ھذا الامر یوماً فارادک المنافقون ان تخلع قمیصک الذی قمصک اللہ فلا تخلعہ" (رواہ ابن ماجۃ)[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تم کو اس حکومت کا کسی وقت اختیار دے پھر منافقین تم سے وہ پیراہن اتروانا چاہیں جو تم کو اللہ تعالیٰ نے پہنایا ہو تو تم اس کو مت اتارنا" (مطلب

---

[1] أبو نعیم فی الحلیۃ: ۱/۵۷، حدیث: ۵۵، الزھد للامام احمد: ۱۴۹۔
[2] رواہ ابن ماجۃ: فی المقدمۃ، فضل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۱۲۔

یہ ہے کہ وہ تم سے خلافت کے چھوڑ دینے کی درخواست کریں تو تم خلافت مت چھوڑ دینا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل ہو گئے مگر اس ارشاد کے پابند رہے)

ف: ولی امر ہونے کو قمیص سے تعبیر کرنا جس مناسبت پر مبنی ہے اس سے اس کے مشروعیت بھی نکلتی ہے کہ امورِ دینیہ کی تولیت عطا کرنے کے وقت قمیص حسی پہنا دیا جائے جیسا کہ بعضے بزرگوں کا معمول ہے کہ خلافت دینے کے وقت خرقہ و پیراہن پہناتے ہیں، اور درۃ المعارف میں طبرانی سے عمامہ باندھنے کی اصل منقول ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایولی والیا حتی یعممه ویرخی سدلها من جانبه الایمن نحو الاذن[1]"۔

مضمون شانز دہم: علامت خاص مقرر نمودن برائے اہل سلسلہ خود چنانکہ معمول بعضے بزرگان شنیدہ شد۔

حدیث: عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: العمائم تیجان العرب. (رواه أبو داؤد[2])

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عمامے عرب کا تاج ہیں۔

ف: اس میں ترغیب ہے عمامہ باندھنے کی عرب اور منتسبین الی العرب کو ایک خاص عنوان سے کہ وہ عرب کی علامت خاص ہے، پس اس علامت کو محفوظ رکھنا چاہئے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی خاص طریق کے لوگ بمصلحت باہمی شناخت اور بقاء اتحاد و اختصاص کے اپنے مجمع کی کوئی خاص علامت مقرر کر لیں بشرطیکہ حدود شرعیہ سے خارج نہ ہو تو جائز ہے، ایک بزرگ ہمارے نواح میں ابھی گزرے ہیں انہوں نے اپنے سلسلہ والوں کے لئے ایک خاص طور کا رومال رکھنا مقرر فرمایا تھا چنانچہ اب تک ان صاحبوں میں معمول ہے۔

مضمون هفدهم: وحد الوجود بالتفسیر الذی ذکر فی مفتتح کلید مثنوی تحت شعر مولوی رحمة اللہ:

جملہ معشوق ست و عاشق پردہ زندہ معشوق ست و عاشق مردہ

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۴۴/۸ حدیث: ۷۶۴۱. قال الهیثمی: فیه جمیع بن ثقت وهو متروک. [2] قلت: لم اجده فی أبی داؤد، انما أورده السیوطی فی الجامع الصغیر، وعزاه الی الدیلمی وصححه.

حدیث: عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "اصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید: الاکل شیء ماخلا الله باطل". (متفق علیه[1])

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "شعراء کے تمام کلاموں میں سب سے زیادہ صحیح لبید کا قول ہے، الاکل شیء الخ"، یعنی یاد رکھو! اللہ کے سوا سب چیزیں باطل ہیں، (تفسیر اس کی محشی نے لکھی ہے ای فان مضمحل)

ف: فانی ہونے کے معنی تو ظاہر ہیں کہ آئندہ معدوم ہو جائیں گے اور مضمحل ہونے کا باعتبار حالت موجودہ کے بھی حکم کر سکتے ہیں یعنی جو موجود کالمعدوم ہو اور باطل کا عمل اس معنی پر کچھ بعید نہیں یہی حقیقت ہے وحدۃ الوجود کی، شرح عقائد نسفیہ میں آیت: ﴿کل شیء هالک الا وجهه﴾ کی یہی تفسیر کی ہے اور قرآن مجید میں جو باطل ہونے کی نفی فرمائی ہے، ﴿ما خلقت هذا باطلا﴾ وہ بمعنی عبث ہے پس کتاب وسنت میں کچھ تعارض نہیں۔

مضمون هشدهم: کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق.

حدیث: عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه فی حدیث طویل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ان الله جمیل". (رواه مسلم[2])

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ جمیل ہے۔"

ف: چونکہ جمال عادۃً مقتضی ہوتا ہے ظہور کو یعنی ظہور اس کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ حکیم ہیں کہ مناسب کی رعایت فرماتے ہیں: اس لئے حکمت مقتضی ہوئی کہ ذات وصفات کا ظہور فرمائیں اور ذات وصفات کا ظہور ہوتا ہے افعال سے جو متعلق ہیں خلق کے، پس مقتضی ظہور ہونا مقتضی تخلیق ہونا ہے اور اسی ظہور سے معرفت ہوتی ہے، پس اقتضاء ظہور اقتضاء معروفیہ بھی ہے، اسی اقتضاء کو جب سے بھی تعبیر کیا جا سکتا اور اس ظہور سے پہلے خفا ظاہر ہے۔ پس حکم بالجمال سے کہ حدیث میں ہے بواسطہ ان مقدمات کے قول مشہور مذکور

---

[1] اخرجه البخاری: فی الأدب، مایجوز من الشعر والرجز والحداء ومایکره منه، ۶۱۴۷.
[2] مسلم: فی الایمان، تحریم الکبر وبیانه ۱۴۷.

صوفیاء کا ثابت ہوتا ہے، خوب سمجھ لو۔

حدیث: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی". (متفق علیہ[1])

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا: کیوں کہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔"

ف: بعض صوفیاء کے کلام میں بعض عبارتیں بعنوان حدیث پائی جاتی ہیں جن پر اکثر اہل ظاہر ان حضرات کو وضاع حدیث سمجھتے ہیں مگر حاشا وکلا جو وہ ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہوں، بلکہ توجیہ اس کی یا تو یہ ہے کہ کشف یا منام میں انہوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ارشادات سنے ہوں اس لئے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا یا خود محدثین نے احادیث منامیہ کو لفظ حدیث سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ امام صنعانی نے مشارق میں یہ حدیث "اذا وضع العشاء" الخ منام کے طریق سے نقل کی ہے، اسی طرح احادیث کشفیہ کو حدیث کہنا صحیح ہے، البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو، تو محققین کے کلام میں جو اس قسم کے مضامین پائے جاتے ہیں اس میں یہ بات متحقق ہوتی ہے کہ فی نفسہ وہ حق ہوتے ہیں، حدیث بالا اس توجیہ کے صحیح ومعتبر ہونے پر دال ہے کبھی وہ روایت بالمعنی ہوسکتی ہے جیسے اس سے اوپر "کنت کنزاً مخفیاً" کا مضمون مذکور ہوا ہے کہ وہ روایت بالمعنی ہوسکتی ہے "ان اللہ جمیل" کی، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حسن ظن سے کسی کتاب میں دیکھ کر یا کسی راوی سے جو بظاہر صالح تھا سن کر اس کو صحیح سمجھ لیا اور نقل کردیا، تنقید احادیث ان حضرات کا فن نہیں اس لئے یہ غلطی معفو عنہ ہے۔

مضمون بستم: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ.

حدیث: عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "لاینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ" قیل: یا رسول اللہ وما یذل نفسہ؟ قال: "ان

[1] اخرجہ البخاری: فی تعبیر الرؤیا، من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، رقم: ۶۹۹۳، مسلم: فی الرؤیا، قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رانی فی المنام فقد رانی، رقم: ۱۰ (۲۲۶۶)

یتعرض بالبلاء لما لایطیقہ''. (رواہ الترمذی[1])

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مؤمن کو لائق نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے''، عرض کیا یا رسول اللہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''ذلیل کرنا نفس کو یہ ہے کہ جس بلا کا تحمل نہ ہو سکے اس کا سامنا کرنا۔''

ف: اذلال نفس اور عدم معرفت قدر نفس کے معنی ایک ہی ہیں اور عدم معرفت قدر نفس بھی ایک توجیہ ہے عدم معرفت نفس کی، اس بناء پر **یذل نفسہ** کے معنی ہوئے **لایعرف نفسہ**، آگے اس عدم معرفت نفس کی تفسیر ہے **تعرض مالایطاق من البلاء** اور ایسی بلاؤں میں سے اعظم بلا عدم معرفت رب ہے، تو اس بناء پر عدم معرفت نفس کا ایک اور تحقق عدم معرفت رب بھی ہوا تو لامحالہ معرفت نفس مستلزم ہوئی معرفت رب کو جو حاصل ہے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کا، یہی مضمون قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے: ﴿**ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ**﴾ اس طرح سے کہ من استفہامیہ بمعنی لائے نافیہ ہے، اور یرغب بوجہ صلہ عن کے معنی میں یعرض ویترک کے ہے اور ملۃ ابراہیم اور معرفت رب کا ایک حاصل ہے، اور سفہ بمعنی جہل کا اور لم یعرف کا ایک حاصل ہے، پس حاصل معنی یہ ہوا ''**لایترک معرفۃ ربہ الا من لم یعرف نفسہ**'' اور نفی و استثناء سے اثبات ہوتا ہے حکم مدخول نفی کا مستثنیٰ کے لئے، پس حاصل الحاصل یہ ہوا **یترک معرفۃ ربہ من لم یعرف نفسہ**، اور اس سے بطرز عکس النقیض لازم آیا **من عرف نفسہ لم یترک معرفۃ ربہ بل عرف ربہ** اور حدیث مذکور سے اس کا اثبات مخصوص اسی صورت کے ساتھ ہے جب معرفت نفس کی توجیہ معرفت قدر سے کی جائے، اور آیت میں چوں کہ لفظ سفہ بمعنی جہل عام ہے اس سے ہر تاویل پر اثبات ہوتا ہے قول مذکور کا خواہ عدم معرفت قدر لیا جائے یعنی اس نے اپنے نفس کی اہانت کی کہ اس کو دوزخ میں ڈالا یا عدم معرفت صفات نفس لیا جائے یعنی اس نے اپنے تذلل و عجز وضعف کا مشاہدہ نہ کیا ورنہ حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت وکمال کا مشاہدہ ہو جاتا خوب سمجھ لو۔

---

[1] ترمذی: الفتن، باب لایتعرض من البلاء لما لایطیق، رقم: ۲۲۵۴، وقال: حسن غریب، وفی نسخۃ أخری: حسن صحیح.

خاتمہ

الحمدللہ کہ کراسہ نکت دقیقہ کہ ملحقات حقیقۃ الطریقۃ سے ہے نیز ختم کو پہنچا، کل حدیثیں حقیقۃ الطریقہ میں تین سو اکتیس ہیں اور نکت دقیقہ میں بیس، اس طرح کہ تین حدیثیں تمہید میں اور بیس مضامین سے ہر مضمون پر اقل درجہ ایک حدیث تو ضرور ہے اور ہشتم و پانزدہم میں دو دو حدیثیں یہ بائیس ہوئیں، مگر مضمون دوم و ششم و ہشتم و دہم میں جو حدیثیں لائی گئی ہیں وہ اصل رسالہ حقیقۃ میں آچکی ہیں اس لئے ان چار کو خارج کر کے بائیس میں سے اٹھارہ رہ گئیں، اور تمہید کی تین ملا کر اکیس ہوگئیں اور یہ تین سو اکتیس کے ساتھ مل کر جو اصل رسالہ میں ہیں ساڑھے تین سو ایک اوپر ہوگئیں جن کو احقر نے بحذف کسر ایک شعر میں ضبط بھی کر دیا ہے:

سہ صد پنجہ حدیث آمد دریں
شد مرتب ایں عجائب سفر دیں

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات،
والصلوٰۃ علٰی نبیہٖ محمد صاحب الشفاعات
وصحبہٖ وعترتہٖ أصحاب السعادات وکان ھذا
فی أوسط ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

تنبیہ آخری متعلق مجموعہ رسائل

ان رسائل ومضامین کے بھروسہ شیخ سے مستغنی نہ ہو جائیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ فوائد باطن کیلئے شیخ کی تعلیم کا اتباع بمنزلہ جزو اخیر علت تامہ کے ہے اور باقی کتب ورسائل بمنزلہ شرائطہ ابتدائیہ یا توسطیہ کے ہیں۔ اسی اشتراط وتوقف کی وجہ سے یہ مضامین جمع کئے گئے ہیں اور اس کے بعد بھی وصول الی المقصود کا مدار اعظم شیخ کامل کا اتباع ہے اصل دلیل تو اس دعویٰ کی تجربہ ہے لیکن مرتبہ بیان میں اگر اس مضمون کی تفصیل کا شوق ہو تو حصہ دوم کلید مثنوی صفحہ ۱۵۵ سطر ۲۴ سے صفحہ ۱۶۵ سطر ۸ تک مطالعہ کیا جائے۔ اول بندہ نے اس مضمون کو مسائل المثنوی میں داخل کیا تھا مگر بوجہ تطویل کے اس سے خارج کر کے مجموعہ ہذا کے ختم پر اس پر تنبیہ کر دی گئی۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين ابدالابدين ودهرالداهرين ولنلحق باخر المجموع هذا ابياتا[1] دعائية حرية بان يكررها الطالب المسكين فى جلواته وخلواته منقولة عن عشرة طروس و هى هذه.

يامن يرى ما فى الضمير ويسمع	انت المعدلكل مايتوقع
يا من يرجى للشدائد كلها	يامن اليه المشتكى والمفزع
يامن خذائن رزقه فى امركن	امنن فان الخير عندل اجمع
مالى سوىٰ فقرى اليک وسيلة	فبالافتقار اليک فقرى ادفع
مالى سوى قرعى اليک حيلة	فلئن رددت فاى باب اقرع
ومن الذى ادعوواهتف باسمه	ان كان فضلک عن فقيرک يمنع
حاشالجودک ان تقنط عاصيا	الفضل اجزل والمواهب اوسع
ثم الصلوة على النبى اله	خيرا لا نام ومن به يتشفع

تم مجموع التكشف عن مهمات التصوف

[1] ومن عجائب الاتفاق التى لم تقصد قيل ان الاشقاص الثلثة من هذا المجموع قد ختمت على المنظوم من الكلام الاول على الهندى منه المناسب (الملائم) المبتدى والثانى (الموافق) على الفارسى المناسب للمتوسط والثالث على العربى المناسب للمنتهى ۱۲ منه .